قال تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین

مولفہ

شیخ الشیوخ عالم ربانی غوث صمدانی واقف اسرار قرآنی
علامہ امام سید عبدالوہاب شعرانی شافعی نور اللہ مرقدہ و رضی عنہ

موسومہ

مواہب رحمانی

ترجمہ اردو

جلد اول

میزان شعرانی

مترجمہ

جناب مولانا مولوی محمد حیات صاحب سنبھلی سلمہ الولی

حسب ایما

جناب شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین حامی دین متین تاجران کتب لاہور

بازار کشمیری
در مطبع گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں باہتمام مرزا محمد ... چھپا

شکریہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یشکر اللہ من لم یشکر الناس

چونکہ اس نادر ونایاب کتاب میزان شعرانی کے اردو ترجمہ کے
اصل محرک عالیجناب مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب رانیدیری حفظہ اللہ تعالیٰ
(سابق خطیب جامع سورتی رنگون) ہوئے ہیں اس لئے انکا شکریہ
ہم سب اہل اسلام کیجانب سے لازمی ہی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ ناظرین جب
اس ترجمہ کے فوائد سے محظوظ ہوں تو اسکے اصل مولف اور ناچیز مترجم
اور جملہ معاونین خصوصاً جناب حکیم صاحب موصوف اور اسکے طبع
میں ساعی ہونے والوں کیواسطے فلاح دارین کی دعا فرماویں ۔

عاجز محمد حیات غفرلہ
سنبھلی مرادآبادی

علم الفرائض اُردو

معہ رسالہ ملخصات الحساب۔ یہ کتاب اصل میں مولوی سید نوازش علی شاہ صاحب نگینوی نے بزبان فارسی نظم کی تھی جسے مولوی سید عنایت اللہ صاحب نے اُردو نثر میں ترجمہ کیا اور ساتھ ہی اس کے ایک رسالہ حساب کا لکھا۔ اول میں علم الفرائض یعنے مسئلہ وراثت کا اس میں نہایت تحقیق کے ساتھ معقولی و منقولی بالوضاحت بحث کیگئی ہے اُردو زبان میں ایسی کتاب کا ہونا ضروری تھا اس میں ہر قسم مسئلہ وراثت کے متعلق تحریر کیا گیا ہے جو کہ کتاب قابل دید ہے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ اور اعلےٰ ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف چار آنہ رکھی ہے۔ یہ کتاب بڑی محنت اور زر کثیر صرف کرکے چھپوائی ہے۔ اس لئے اسکو جلد خریدیں +

اردو ترجمہ
کتاب تذکرۃ الواعظین

یہ کتاب سراپا برکت و رحمت مولینا مولوی محمد جعفر القریشی حنفی کی تصنیف عربی زبان میں تھی اسکا اُردو ترجمہ بصرف زر کثیر شائقین کیلئے عموماً اور دین کیلئے کرایا گیا ہے جو ہر مسلمان کیلئے نہایت کارآمد ہے ناظرین کی آگاہی کیلئے فہرست مضامین دیجاتی ہے۔

فہرست مضامین تذکرۃ الواعظین

دیباچہ مصنف علیہ الرحمۃ باب ۱ پانچ وقت اور آنحضرت کی حضرت موسیٰ سے گفتگو میں باب ۲ پانچ نماز باجماعت پڑھنے کے شرف میں باب ۳ تارک الصلوٰۃ کا اظہار کفر اور نماز میں سستی کرنیکی مذمت اور ہجو میں باب ۴ نماز ادا کرنے اور نماز کے ارکان پورا کرنیکی فضیلت میں باب ۵ رکوع۔ سجود قومہ جلسہ کو پورا کرنے اور نماز میں خشوع کی اور نماز ناقص پڑھنے کی مذمت میں باب ۶ صلوٰۃ وتر کا اجر جبرئیل کا صلوٰۃ وتر لیکر اترنا اور نماز اشراق چاشت و اوابین اور تہجد اور اس کے ثواب میں باب ۷ جمعہ کی فضیلت باب ۸ وضو کی فضیلت باب ۹ فضیلت مسواک اور ناخن اور مونچھ کاٹنے کی چھ دن مرانے کی باب ۱۰ مساجد کا شرف اور ان کے خدام و فراش کے ثواب میں باب ۱۱ فضیلت اذان باب ۱۲ فضیلت جماعت باب ۱۳ فضیلت سورہ فاتحہ باب ۱۴ بسم اللہ میں باب ۱۵ انجیل کی مذمت اور صدقہ کی فضیلت باب ۱۶ علم کا شرف اور عالم و متعلم اور ان کو دوست رکھنے والے کا درجہ باب ۱۶ فضیلت درود پڑھنے کے بیان میں باب ۱۷ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت اور دعا دینے کا ثواب باب ۱۸ زکوٰۃ دینے کا ثواب باب ۱۹ مہمان کا شرف باب ۲۰ توکل اللہ اور قلت کم کھانے کا ثواب باب ۲۱ اکل حلال کی فضیلت حرام کی مذمت اور تقویٰ کی صفت باب ۲۲ فقرا کی فضیلت امرا کی مذمت باب ۲۳ دنیا و اہل دنیا بدعت لڑکیاں کی فضیلت حضرت فاطمہؓ کا جہیز کا بیان باب ۲۴ مصیبت و بلا میں صبر کرنیکی فضیلت باب ۲۵ میت کے حشر نشر و قبر کا حال باب ۲۶ گناہ سے بچنے کا بیان اور صدق زبان اور غصہ پی جانے کا اور علما مومنین پر شفقت کرنیکا ثواب باب ۲۷ غیبت مسکر و حسد کی مذمت باب ۲۹ زناہ کی آفت۔ تو کا شراب و رشوت سے پرہیز کرنا۔ راگ سماع کے آلہ کی حرمت باب ۳۱ چغلی کی برائی باب ۳۲ اچھی اور بری تجارت اسکی جزا۔ سود کی مذمت باب ۳۳ ماں باپ کا حق بیٹے پر باب ۳۴ لڑکے کا حق ماں باپ پر اولاد کو اچھا رکھنے کی فضیلت باب ۳۵ خاوند کا حق عورت پر باب ۳۶ بیوی کا حق خاوند پر باب ۳۷ پڑوسی کا حق انسان پر شفقت و رحمت کا اجر غلام باندی کی رعایت کے ثواب میں باب ۳۸ نور محمدی کا شرف آنحضرت کا باب ۳۹ رسول کی وفات اور آپکا کلام جبرئیل سے اُمت کی نجات باب ۴۰ تمام انبیا کی امتوں پر آنحضرت کی امت کی فضیلت اور معراج باب ۴۱ آپکے معجزات کا شرف باب ۴۲ حضرت ابوبکر صدیق کے شرف میں باب ۴۳ حضرت عمر کی فضیلت باب ۴۴ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی فضیلت باب ۴۵ حضرت علی کی فضیلت باب ۴۶ امام حسنؓ کی فضیلت باب ۴۷ امام حسینؓ کی فضیلت باب ۴۸ غوث اعظم کی کرامات باب ۴۹ جنت و اہل جنت کی صفت دوزخ کی حقیقت اور حوضِ کوثر کا حسن باب ۵۰ نفخہ صور اور مخلوقات کے فنا ہونے پھر اعادہ قائم کئے جانے دوزخ کی سختیوں میں باب ۵۱ عاشورہ محرم کی فضیلت باب ۵۲ ماہ رجب اور روزہ کی فضیلت باب ۵۳ رمضان المعظم اور اسکے روزہ کی فضیلت باب ۵۴ قربانی کی فضیلت باب ۵۵ ابلیس کی دفات کا بیان وغیرہ وغیرہ عجیب و غریب متفرق حکایات عرش کرسی لوح و قلم ملائکہ آسمان و زمین کا اظہار قیمت صرف دو روپے (عکہ)

۔۔۔شول کلیمی اُردو

۔۔۔ دی مسایل تصوف و ذکر واشغال
المصنفہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب
جہان آبادی قدس سرہ العزیز
اس کے مطالعہ سے کل درجات
تصوف و ذکر و طریق ...
وغیرہ حاصل ہو سکتے ...
اور اس کے ہوتے ...
کسی دوسرے ...
تصوف ...
نہیں ر...
قیمت ...

مجموعہ ... سلطانی

ایک رسالہ ہے جو کہ حاوی ...
ضروریہ خفیہ ہے زبان ...
جواب کے طرق پر بنا ...
جو حضرات بڑھیں گے وہ ہمیشہ ...
پر شاد ہونگے لکھائی چھپائی عمدہ
کاغذ سفید ... کوشش کیگئی ہے۔

صاحب الصدق والیقین شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب بازار کشمیری لاہور

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ مترجم غفرلہ یعنی مقدمہ ترجمہ میزان شعرانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی **اما بعد** حق پسند اور حقیقت شناس اشخاص پر یہ امر ظاہر ہے کہ سلف رضی اللہ عنہم نے جو دینی خدمات انجام دیں اُن میں سب سے زیادہ موجب تشکر و امتنان سعی تدقیق و تحقیق ہے۔ خواہ وہ بطور تحمل و تحفظ کے ہو۔ یا بطور تفقہ کے۔ مگر چونکہ مزید غور و خوض میں بھی کچھ کلام نہیں رہتا کہ تفقہ کو محض تحمل و تحفظ پر ترجیح ہے۔ اس بنا پر فقہاء کو محض محدثین پر فوقیت دی گئی ہے۔ مجدد زمان شیخ ولی اللہ حجۃ اللہ فی الارض رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں جس نے ہر مخالف و موافق کے قلب پر رسوخ کا سکہ جمالیا ہے۔ اسکے شواہد بہت ملتے ہیں یہ ہر طرح مسلم ہے کہ تفقہ کا موقوف علیہ ہے۔ لیکن مقصودی نقطۂ نظر سے فقاہت کا رتبہ تحمل محض سے قطعاً بڑھ کر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنے اموال و نفوس کو خاک میں ملا دینا ایک مسلم کو فائز کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ مگر حضور سیدنا و سید الرسل صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسپر ذکر کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ جہاد ذریعہ اور ذکر الٰہی مقصد اصلی ہے اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ خدائے واحد کا ذکر عالم میں شائع ہو جائے۔ حدیث مذکور یہ ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الا انبئکم بخیر اعمالکم وارفعها فی درجاتکم
وخیر لکم من انفاق الذهب والورق
وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا
اعناقهم ویضربوا اعناقکم
قالوا بلیٰ قال ذکر اللہ
(ترمذی شریف)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو وہ عمل نہ بتادوں جو تمہارے تمام اعمال سے اچھا اور تمہارے درجے بہ نسبت تمام اعمال کے زیادہ بلند کرنیوالا اور سونے اور چاندی خرچ کرنے اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تم اپنے دشمنوں (کفار) سے بھڑ کر انکی گردنیں اڑاؤ۔ اور وہ تمہاری گردنیں ماریں (صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہاں ضرور بتلائیے) ارشاد فرمایا کہ خدا تعالٰے کا ذکر۔ (سنن ترمذی شریف)

غرض جب عبارات شرعیہ سے اصلی مقصد حق تعالٰے کے اوامر و نواہی کا سمجھنا ہے اور اسی کا نام تفقہ ہے۔ تو بلاشبہ تفقہ محض تحمل و تحفظ پر تفوق ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ حق تعالٰے اپنے اصح کلام میں تفقہ فی الدین حاصل کر کے مستنبطہ لوگوں میں شائع کرنا فرض کفایہ قرار دیتا ہے :-

قال الله تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا (الآیۃ)

خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہر ایک قبیلہ سے کیوں چند افراد نہیں نکلتے۔ کہ تفقہ فی الدین حاصل کر کے جب لوٹیں تو قوم کو ڈراویں۔ (الآیۃ)

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ جس شخص کو تفقہ فی الدین حاصل ہو جاتا ہے۔ اُسے اصطلاحِ شریعت میں مجتہد اور اہل الذکر کہا جاتا ہے۔ بلکہ اولوالامر بھی وہی ہوتا ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اسکی تصریح کی ہے:۔

والمراد باولی الامر اھل الحل والعقد الذین لھم الامر والنھی فی الشرع یمکنھم استنباط احکام الله من نصوص الکتاب والسنۃ لا المتکلم والمفسر والمحدث الذی لاقدرۃ لہ علی الاستنباط ٭

اور اولوالامر سے مراد اہل حل وعقد ہیں جنکو شرعی امر ونہی کا حق ہے۔ اور وہ خدا تعالےٰ کے احکام قرآن وحدیث کی عبارات سے استنباط کر سکتے ہیں۔ نہ علم کلام اور علم تفسیر اور علم حدیث کے جاننے والے جو استنباط احکام نہ کر سکیں ٭

یہ استنباط واجتہاد وہی ہے۔ کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ تو پہلے اُن سے دریافت فرمایا۔ کہ اے معاذ! کس طرح مقدمات فیصل کروگے؟ کہا کتاب اللہ سے۔ اگر اُس میں نہ ہوا۔ تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اگر اُس میں بھی نہ ہوا۔ تو بقدر طاقت اجتہاد کرونگا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند کریم کا ان الفاظ میں شکریہ ادا فرمایا کہ الحمد للہ الذی وفق لرسول رسول اللہ لما یرضی رسولہ ٭

الحاصل اجتہاد کے لئے اس قسم کے شواہد ودلائل احادیث میں کثیر ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس کے وہ اقسام جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پائے جاتے تھے مختلف ہیں۔ اونکی تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب انصاف سے نقل کی جاتی ہے:۔

منھا ان صحابیا سمع حکما فی قضیۃ او فتوی ولم یسمعہ الآخر فاجتھد برأیہ فی ذالک وھذا علی وجوہ احدھا ان یقع اجتھادہ موافق الحدیث مثالہ ما رواہ النسائی وغیرہ ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سئل عن امرأۃ مات زوجھا ولم یفرض لھا فقال لم ار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی فی ذالک فاختلفوا علیہ شھراً والحوا فاجتھد برأیہ وقضی بان لھا مھر نسائھا لا وکس ولا شطط وعلیھا العدۃ ولھا المیراث فقام معقل بن یسار وشھد بانہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بمثل ذلک فی امرأۃ منھم ففرح بذلک ابن مسعود رضہ فرحۃ لم یفرح مثلھا

بعض اُن اختلافات سے یہ ہے کہ کسی صحابی نے کسی مقدمہ یا کسی فیصلہ میں کوئی حکم سُنا اور دوسرے نے نہ سُنا تو اُسنے اپنی رائے سے اُس میں اجتہاد کیا۔ اور اُس کے چند اقسام ہیں پہلا یہ کہ اُسکا اجتہاد حدیث کے مطابق واقع ہوا ہو۔ اسکی مثال وہ ہے جسے امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضہ سے اس عورت کی نسبت سوال کیا گیا جسکا خاوند مر گیا ہو اور اسکے واسطے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس بارہ میں رسول خدا کو کوئی فیصلہ فرماتے نہیں دیکھا۔ پس لوگ انکے پاس ایک ماہ تک آتے جاتے رہے اور اسکے فیصلہ میں اُنسے اصرار کیا۔ تو انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے عورت کیلئے مہر مثل کا حکم دیا۔ کم نہ زیادہ اور فرمایا کہ عورت پر عدت واجب ہے اور وہ میراث کی بھی مستحق ہے۔ تو معقل بن یسار اُٹھے اور شہادت دی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے ایک عورت کے بارہ میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ سُنکر حضرت ابن مسعود بہت خوش ہوئے

قط بعد الاسلام و ثانیھا ان یقع بینھما المناظرة و یظھر الحدیث بالوجہ الذی یقع بہ غالب الظن فیرجع عن اجتھادہ اولا الی المسموع مثالہ ما رواہ الائمة من ان اباھریرة رضی اللہ عنہ کان من مذھبہ ان من اصبح جنبًا فلا صوم لہ حتی اخبرتہ بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف مذھبہ فرجع وثالثھا ان یبلغہ الحدیث ولکن لا علی الوجہ الذی یقع بہ غالب الظن فلم یترک اجتھادہ بل طعن فی الحدیث مثالہ ما رواہ اصحاب الاصول عن ان فاطمة بنت قیس شھدت عند عمر بن الخطاب رض بانھا کانت مطلقة الثلاث فلم یجعل لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفقة ولا سکنی فرد شھادتھا و قال لا نترک کتاب اللہ لقول امرءة لا ندری اصدقت ام کذبت لھا النفقة والسکنی (انتھی)

کہ مسلمان ہونے کے بعد سے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے دوسرا یہ کہ ان میں مناظرہ واقع ہوا ہو اور پھر ایسی حدیث ظاہر ہوئی ہو جیسا کہ ظن غالب تھا۔ پھر انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع کیا ہو اور روایت کیطرف توجہ۔ اسکی مثال وہ ہے جسے ائمہ نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب تھا۔ کہ جو روزہ دار حالت جنابت میں صبح کرے تو اسکا روزہ نہیں ہوتا۔ یہانتک کہ بعض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو بتلایا کہ روزہ ہو جاتا ہے۔ تو انہوں نے رجوع کیا۔ تیسرا یہ کہ حدیث تو ان کو پہنچی ہو مگر نہ اس طریقے سے جسکا ظن غالب تھا پس انہوں نے اپنے اجتہاد کو نہ چھوڑا ہو۔ بلکہ حدیث ہی پر اعتراض کیا ہو۔ اسکی مثال وہ ہے جسے اصحاب اصول نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر رض کی خدمت میں شہادت دی کہ مجھے تین طلاقیں دیگئی تھیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے نہ نفقہ مقرر فرمایا نہ رہنے کا مکان۔ تو حضرت عمر رض نے اسکی شہادت رد کر دی اور فرمایا کہ ایک ایسی عورت کے کہنے سے جسکا سچا جھوٹا ہونا ہمیں معلوم نہیں ہم اللہ کی کتاب کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اسکے لئے نفقہ اور رہنے کا مکان ہے (انتہی)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کسی مقدمہ پیش آمدہ میں کوئی حدیث نہ پاتے تھے۔ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے۔ اس کے بعد اگر کوئی حدیث مل گئی تو اگر وہ ان کے غالب گمان کے موافق ہوتی تھی تو اجتہادی حکم کو ترک کر کے حدیث پر عمل فرماتے تھے۔ ورنہ اپنی اجتہادی رائے کے مقابلہ میں حدیث کو مطعون کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ بہرکیف حدیث نہ ملنے کی صورت میں اپنے اجتہاد کو حجت قرار دینا ثابت ہوا۔

پس نفس اجتہاد بلکہ اس کے محمود ثابت ہو جانے کے بعد اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔ کہ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ اجتہاد و استنباط اسی وقت کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب کوئی حکم صراحةً منصوص نہ ملے۔ اور جب قرن صحابہ رض میں بلکہ زمانہ نبوت میں صحابہ کا اجتہاد کرنا ثابت ہے تو اس کے بعد کے زمانہ میں تو بدرجہ اولٰی اسکی ضرورت پڑنی چاہئے۔ وجہ یہ کہ اگر اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی۔ تو ان حضرات سے جو اپنی عقول و حواس کو محض مرضیات و قوانین الٰہی کے تابع کر چکے تھے۔ اور بعد ارشاد نبوی ہر اس امر پر بلا قیل و قال ایمان لے آتے تھے جو عقول انسانی سے کوسوں دور ہوتا تھا سو کب اسکو گوارا کرنے لگے تھے کہ دین الٰہی میں عقل سے کام لیکر رائے سے احکام جاری کریں لیکن باایں ہمہ پھر ان سے قیاس و اجتہاد کی مثالیں ملتی ہیں۔ تو سوائے اس کے کہ یہی

کہا جائے کہ صریح حکم اُنکو نہ ملا ہوگا - اور کیا کہہ سکتے ہیں ✦

اور چونکہ مشیت ایزدی میں پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس پاک مذہب کے نفوس قدسیہ احکام الٰہی لوگوں میں اپنے قیاس و اجتہاد سے جاری کرینگے - اسلئے اُس نے پہلے ہی اپنے سچے رسول کی مبارک زبان سے یہ کہلوا دیا - اذا حکم الحاکم فاجتہد واصاب فلہ اجران (متفق علیہ) جب کوئی حاکم اپنے اجتہاد سے حکم دے - اور اس میں حق کو پہنچے - تو اُسے دو اجر ہیں ✦

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اجتہاد ہر شخص کا منصب نہیں ہے - اس کے لئے شرائط ہیں جنکی پوری تفصیل اصول میں موجود ہے - اگر کوئی شخص اُن شرائط کا جامع نہ ہو اس کے واسطے اجتہاد سخت منع ہے بلکہ اگر ایسا آدمی اجتہاد کرنے لگے تو بجائے اجر کے اس کے لئے احادیث میں وعیدیں مذکور ہیں ملاحظہ ہو :-

قال النووی فی تفسیر الحدیث المذکور فاما من لیس باھل للحکم فلا یحل لہ الحکم فان حکم فلا اجر لہ بل ھو اٰثم فلا ینفذ حکمہ سواء وافق الحق ام لا لان اصابتہ الفاقیۃ لیست صادرۃ عن اصل شرعی فھو عاص فی جمیع احکامہ سواء وافق الصواب ام لا (شرح مسلم شریف)

امام نووی رحؒ نے حدیث مذکور کی شرح میں فرمایا کہ رہا وہ شخص جو حکم (فتوی) دینے کا اہل نہ ہو تو اسے حکم دینا درست نہیں اور اگر اس نے حکم دیا تو اجر کچھ نہ ہوگا بلکہ اور گنہگار ہوگا پس ایسے آدمی کا حکم جاری نہ کیا جائے خواہ وہ موافق حق ہو یا نہ ہو کیونکہ اسکا حق کو پہنچنا اتفاقیہ ہے شرعی قاعدہ سے صادر نہیں ہوا لہذا وہ تمام احکام میں گنہگار ہے خواہ وہ موافق حق ہوں یا نہ (شرح مسلم شریف)

حدیث شریف القضاۃ ثلثۃ قاض فی الجنۃ واثنان فی النار قاضی عرف الحق نقضی بہ فھو فی الجنۃ وقاض قضی علی جھل فھو فی النار

(رواہ فی السنن ابوداود)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ قاضی جو جنت میں جائیگا - دو وہ جو دوزخمیں جس قاضی نے حق کو پہچانکر فیصلہ کیا تو وہ جنت میں ہے اور جس نے حق پہچانکر اس کے خلاف فیصلہ کیا یا باوجود ناواقف وجاہل ہونیکے حکم دیا تو وہ دونو دوزخ میں ہیں (سنن ابوداود)

الحاصل اس قسم کی بہت سی احادیث ملینگی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد وہی مقبول اور قابل داد ہے جو شرائط کے ساتھ ہو - اگر کوئی شخص بلا قابلیت اجتہاد کرنے لگے - تو وہ گمراہ ہے - اور جو اس کے قول پر عمل کریں وہ بھی گمراہ ہیں - کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے کہ اذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤساً جھالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (ترجمہ) جب کوئی عالم باقی نہ رہیگا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا کر ان سے مسائل دریافت کرینگے - پس وہ بغیر جاننے کے فتوے دے کر خود بھی گمراہ ہونگے - اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے ✦

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لوگ قابل افتا نہیں ان سے فتویٰ لینا گمراہی ہے - اگر یہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ بے علم کو یا اس عالم کو جو شرائط اجتہاد کا جامع نہ ہو استنباط احکام ناجائز بلکہ باعث گمراہی ہے -

اسپر لازمی طور پر سوال پیدا ہوگا - کہ پھر وہ لوگ جو جامع شرائط اجتہاد نہیں - اور انکو کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کے حکم کی تصریح شارع سے منقول نہ ہو وہ کیا کریں ؟

اس کا جواب سب سے پہلے خود قرآن شریف نے دیا ہے - آیات ذیل ملاحظہ ہوں :-

قال تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون وقال تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔

فرمایا خدا تعالیٰ نے کہ اگر تم کو علم نہیں تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔ نیز فرمایا کہ اللہ و رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو ۔

اور ہم پہلے بحوالہ تفسیر کبیر لکھ چکے ہیں۔ کہ علامہ رازی کے نزدیک اولوالامر سے مجتہدین مراد ہیں۔ علیٰ ہٰذالقیاس اہل ذکر سے ۔ اس کے بعد حدیث شریف ہے اس کے جواب ملاحظہ ہوں :۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

(رواہ رزین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی تقلید کروگے ہدایت پاؤگے

(رزین)

وقال عبدالرحمٰن بن عوف عثمان حین بیعتہ ابایعک علیٰ کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیرۃ الشیخین

عبدالرحمٰن بن عوف نے برسر مجلس جب حضرت عثمانؓ سے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ قرآن حدیث پر اور شیخین کے طریقہ پر قائم رہو۔ (تو حضرت عثمانؓ نے یہ تسلیم کیا اور کسی صحابی نے اس پر ناراضی ظاہر نہیں کی) ۔

قال عبداللہ بن مسعود رضؓ من کان مستنا فلیستن لمن قد مات فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ وابرھا قلوباً واوسعھا علماً واقلھا تکلفاً واختارھم اللہ بصحبۃ نبیہ

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیروی انکی کرنی چاہیئے جن اصحابہ کا انتقال ہوگیا (یعنے شیخینؓ) کیونکہ وہ اصحابی تمام اُمت سے افضل ہیں جن کے دل نیکی کی طرف زیادہ مائل اور اُنکا علم زیادہ وسیع اور انہیں تکلف کم تھا جنہیں خدا تعالےٰ نے اپنی نبی کی صحبت کے لئے پسند فرمایا۔ کیونکہ زندوں کا کچھ اعتبار نہیں کہ اُنکا خاتمہ کس حال پر ہو

ایضاً عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی واشار الیٰ ابی بکر وعمر واھتدوا بھدی عمار

(رواہ الترمذیؒ)

نیز حضرت حذیفہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے خبر نہیں کتنے زمانہ تک میں تم میں زندہ رہوں۔ پھر میرے بعد اُن دونو کا اقتدا کرنا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کیطرف اشارہ کیا۔ اور ہدایت حاصل کیجو عمار کے طریقہ سے (ترمذی شریف)

اس بیان سے صریح و واضح طور پر ثابت ہوا۔ کہ عامی شخص کو جو شرائط اجتہاد و استنباط کا جامع نہ ہو کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے۔ مگر یہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں اور اب دوبارہ ثابت کرتے ہیں کہ ایسے شخص کی تقلید کبھی درست نہیں ہوسکتی جو اجتہادی ملکہ سے محروم اور استنباطی قوت سے نابلد ہو۔ اس واقعہ سے دعوی مذکور بالکل روشن ہوسکتا ہے کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص کا سر پتھر سے زخمی ہوگیا تھا کہ اُسے اس حالت میں احتلام ہوگیا۔ اسلئے اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ میں کیا تیمم

کرسکتا ہوں۔ اوسکو جواب دیا گیا۔ کہ جب پانی پر قدرت ہے۔ تو تیمم نہیں کرسکتے۔ چنانچہ اُس نے بادلِ ناخواستہ غسل کیا غسل کرنا تھا کہ فوراً مرگیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ جب ہم واپس آئے تو آپ نے غسل کی رائے دینے والوں کی نسبت فرمایا خدا تعالیٰ انکو غارت کرے۔ ان ہی نے اوسے قتل کیا۔ جب نہیں جانتے تھے تو پھر انھوں نے دریافت کیوں نہ کرلیا +

الحاصل جس کی تقلید کیجائے اوسکو اصول شریعت کے مطابق شرائط استنباط میں کامل دیکھ لینا لابدی امر ہے۔ اس جگہ ہم اُن چند حضرات کے اسماءِ گرامی ذکر کرتے ہیں جو اجتہاد و استنباط میں ملکہ کامل رکھتے تھے اور وہ اپنے زمانے میں رہنما قرار دیئے گئے۔ لوگوں نے جو ادراک مسائل دقیقہ سے بے بہرہ تھے۔ اون سے فیض حاصل کیا +

اسمائے مجتہدین مطلق

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔ امام اعظم محمد ابن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ۔ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ۔ ابن ابی لیلےٰ رضی اللہ عنہ۔ محمد بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ۔ عبد الرحمن اوزاعی رض۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ۔ امام داؤد ظاہری رضی اللہ عنہ۔ ابو ثور۔ ابن جریر طبری۔ ابراہیم نخعی وغیرہم +

ثبوت تقلید شخصی

اتنی تقریر کے بعد یہ بھی واضح رہے کہ عامی شخص کے لیئے جس میں ہر وہ عالم بھی داخل ہے جو تخریج احکام میں کامل دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ آیات قرآنی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماہیت سے پورے طور پر خبردار نہ ہو۔ اور نہ اُس نے شریعت کا وہ چشمہ ملاحظہ کیا ہو جس سے تمام مذاہب مجتہدین کی نہریں نکلتی ہیں۔ یہ امر لازم ہے کہ وہ آئمہ مجتہدین میں سے کسی معین امام کو اپنا ہادی قرار دیکر اُسی کی تقلید اپنے گلے کا ہار بنالے۔ اس کا خلاف کرنے والا محققین کے نزدیک کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ بلکہ وہ آزادی کے لباس میں رہکر شتر بے مہار کی طرح ربقۂ جمعیت سے یکسو ہوجائیگا۔ وقائع عالم پر نظر ڈالنے والے اور تاریخوں کی اوراق گردانی کرنے والے پر اسکا ثبوت ظاہر ہے۔ حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ صاحب انصاف میں فرماتے ہیں :۔

وبعد المائتین ظهر التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذلك الزمان وسبب ذلك ان المشتغل بالفقه لا یخلو عن حالتین احدیهما ان یکون اکبر همته معرفة المسائل التی قد اجاب فیها المجتهدون من قبل من ادلتها التفصیلیة ونقدها وتنقیح ماخذها وترجیح بعضها علی بعض وهذا امر جلیل لا یتم له الا بالامام +

(انتهی)

اور دو سو برس کے بعد لوگوں میں مذہب معین اختیار کرنیکا دستور نکلا۔ اور اس وقت بہت کم تھے جو مذہب معین پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔ اور گویا اس زمانہ میں یہی واجب تھا۔ اسکا یہ سبب کہ فقہ میں مشغول ہونیوالا دو حال سے خالی نہیں ایک یہ کہ اُسکی بڑی ہمت ان مسائل کا پہچاننا ہو جنکا مجتہدین سابقین ادلہ تفصیلیہ سے جواب دے چکے۔ اور اُن کی تنقید اور ان کے ماخذوں کی تنقیح اور بعض پر بعض کو ترجیح دے چکے ہوں۔ اور یہ ایسا جلیل الشان امر ہے جو کسی امام کی پیروی کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا +

(انتہی)

نیز عارف شعرانی میزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں :-

فان قلت فهل يجب على المحجوب عن الاطلاع على العين الاولى للشريعة التقليد بمذهب معين فالجواب نعم يجب عليه ذلك لئلا يضل في نفسه ويضل غيره +

اگر تم کہو کیا اس شخص پر جو شریعت کے چشمہ اولیٰ پر مطلع نہ ہوا ہو کسی معین مذہب کی تقلید واجب ہے - تو جواب یہ ہے کہ ہاں واجب ہے تاکہ خود بھی گمراہ نہ ہو اور دوسرونکو بھی گمراہ نہ کرے +

نیز امام موصوف کتاب مذکور میں دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

وكان سيدي على الخواص رضي الله عنه اذا سئاله الانسان عن التقيد بمذهب معين الأن هل هو واجب ام لا يقول له يجب عليك التقيد بمذهب مادمت لم تصل الى عين الشريعة الاولى خوفا من الوقوع في الضلالة وعليه عمل الناس اليوم +

سیدی علی خواص رضہ سے جب کوئی آدمی دریافت کرتا کہ کیا آجکل کسی معین مذہب کی پیروی کرنی واجب ہے یا نہیں - تو آپ جواب دیتے تھے کہ جب تک تو شریعت کے چشمہ اولے تک نہ پہنچے (یعنی درجہ اجتہاد تک) تو تجھ پر تقلید شخصی واجب ہے - ایسا نہ ہو کہ گمراہی میں پڑ جاؤ - اور آجکل لوگوں کا تقلید شخصی ہی پر عمل ہے +

ايضًا وقد قدمنا ان وجوب اعتقاد الترجيح على كل من لم يصل الى الاشراف على العين الاولى من الشريعة وبه صرح امام الحرمين وابن السمعاني والغزالي والكيا الهراسي وغيرهم +

نیز فرماتے ہیں کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ (تقلید شخصی کی) ترجیح کے وجوب کا اعتقاد ہر اُس شخص پر واجب ہے جس نے شریعت کے چشمہ اولے کو نہ جھانکا ہو - اور امام الحرمین اور ابن سمعانی اور غزالی اور کیا الہراسی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے +

شیخ جلال الدین محلی شرح جمع الجوامع میں فرماتے ہیں :-

يجب على العامي وغيره من لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين (انتهى)

عامی اور ہر اُس شخص پر جو مرتبۂ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو مذاہب مجتہدین میں سے کسی معین مذہب کا التزام واجب ہے (انتہی)

بحر العلوم رح شرح تحریر ابن الہمام میں تحریر فرماتے ہیں :-

غير المجتهد المطلق يلزمه تقليد مجتهد من المجتهدين المطلقين +

جو مجتہد مطلق نہ ہو اوسکو کسی مجتہد مطلق کی تقلید لازم ہے +

اور سب سے زائد بسیط نقل جو ہمارے مدعاء کو روز روشن کی طرح ظاہر کر دینے والی ہے وہ ہے جو ملا علی قاری رح نے اپنے اُس رسالہ میں درج کی ہے - جو انہوں نے قفال کے رد میں تالیف فرمایا ہے وهو ہذا :-

بل وجب عليه ان يعين مذهبًا من المذهب اما مذهب الشافعي رح في جميع الفروع والوقائع واما مذهب مالك واما مذهب

بلکہ اوس شخص پر منجملہ مذاہب کے کسی مذہب کو معین کر لینا واجب ہے کہ یا تو مذہب امام شافعی رح کو تمام فروع اور وقائع میں معین کرے یا مذہب امام مالک - یا مذہب

ابی حنیفۃ رض وغیرھم ولیس ان ینتحل
من مذھب الشافعی مایھواہ ومن
مذھب ابی حنیفۃ رض مایرضاہ لانا لو
جوزنا ذلک لادی الی الخبط والخروج عن
الضبط وحاصلہ یرجع الی نفی التکلیف
لان مذھب الشافعی رض اذا اقتضی
تحریم الشیٔ ومذھب ابی حنیفۃ مثلاً
اباحۃ ذلک الشیٔ بعینہ او عکس ذلک فھو
ان شاء مال الی الحلال وان شاء مال
الی الحرام فلا یتحقق الحلۃ والحرمۃ وفی
ذلک اعدام التکلیف وابطال فائدتہ
واستیصال قاعدتہ وذالک باطل

امام ابوحنیفہ رض کو یہ نہیں کہ جی چاہا مذہب امام شافعی رض کو اختیار کر لیا - اور جی چاہا تو مذہب امام ابوحنیفہ کا - کیونکہ اگر ہم اسے جائز کہدیں تو خبط پیدا ہوگا - اور انضباط سے نکل جانا لازم آئیگا - اور اوسکا حاصل تکلیف کا انکار ہے - کیونکہ اگر مثلاً مذہب امام شافعی رض کسی شے کے حرام ہونے کو مقتضی ہو - اور مذہب امام ابوحنیفہ رض بعینہ اس شے کے مباح ہونیکو - یا اس کا برعکس ہو - تو اسے اختیار ہوگا خواہ حلال کیطرف مائل ہو یا حرام کیطرف - پس حلۃ اور حرمۃ کا تقرر ہی جاتا رہیگا - اور اس میں صریح تکلیف کا اعدام اور اس کے فائدہ کا ابطال اور اس کے قاعدہ کی بیخکنی ہے - اور یہ ہو نہیں سکتا (ختم ہوئی عبارت رسالہ کی)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عقد الجید میں ارقام فرماتے ہیں :-

وقطع الکیا الھراسی بانہ یجب علی العامی
ان یلتزم مذھبا معینًا +

امام کیا الہراسی نے یقینی طور پر عامی کے لئے کسی معین مذہب کو لازم کر لینا واجب کہا ہے -

علامہ عبدالدائم برماوی شاگرد رشید علامہ بدرالدین زرکشی جنہوں نے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے اپنی مصنفہ کتاب الفیہ فن اصول فقہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

ومن من العوام کان عملا -
بما لہ مجتہد قد حصلا +
لیس لہ عنہ رجوع ویجب -
للعاجز التزام مذھب نصب

اور جو عوام الناس میں سے ہو - وہ اس مجتہد کے اقوال پر عمل کرتا رہے جو اوسے ملجائے +
اوسے اس کے مذہب سے پھرنا درست نہیں اور عاجز آدمی کو ایک مقرر کردہ مذہب کا التزام واجب ہے +

جامع الرموز میں کشف اور شرح طحاوی سے یہ عبارت منقول ہے :-

اعلم ان من جعل الحق متعددا کالمعتزلۃ
اثبت للعامی الاختیار من کل مذھب
مایھواہ ومن جعل واحدا کعلمائنا
الزم للعامی اماما واحدا فلو اخذ من
کل مذھب مباحہ صار فاسقا تاما فیجب
فی المذاھب الصلابۃ
(انتہی)

جان لو کہ جس نے متعدد کو حق ٹھیرایا مثل معتزلہ کے اس نے عوام کے لئے ہر مذہب میں جسے وہ پسند کریگی اختیار ثابت کیا - اور جس نے ایک شے کو حق قرار دیا جیسے ہمارے علماء اس نے عامی کے لئے ایک امام لازم کر دیا - پس اگر کسی نے ہر مذہب سے اسکے مباح کو لے لیا وہ پورا فاسق ہوگیا - لہذا مذہب میں سختی واجب ہے + (انتہی)

بیان مذکورہ بالا سے بوضاحت یہ امر سہل ہوگیا - کہ غیر مجتہد کے واسطے خواہ وہ عامی ہو یا خاص ہدایت کا ذریعہ جس سے انحراف میں محققین کے نزدیک ترک واجب لازم آنے کے علاوہ بیشمار مفاسد میں یہی ہے کہ

وہ شخصی تقلید پر کاربند ہو جائے - وجہ یہ ہے کہ عقل شاہد ہے کہ متعدد مجتہدوں کی تقلید کرنے میں سب سے بڑی اور بیّن خرابی یہ ہے کہ کبھی بے علمی سے غیر مجتہد کی تقلید کا طوق گلے میں پڑ جاتا ہے - اور اس کی حرمت ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں - علاوہ بریں زمانہ کی روش بتلا رہی ہے کہ متعدد مجتہدوں کی تقلید طبیعت میں آزادی اور سہولت پسندی پیدا کر دیتی ہے - یہانتک کہ بعض مرتبہ اس سے تباہ کن نتائج پیدا ہو جاتے ہیں - اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ بعض سرگرم طبائع نے جب اس قدر آزادی کو جو ترک تقلید شخصی سے حاصل ہوئی تھی - ناکافی سمجھا - تو آزادی کے دائرہ کو انہوں نے اسقدر وسیع کیا کہ ضلالت و گمراہی کی اوج پر پہونچکر اضلال و اغوا کا مرکز بن گئیں - الحاصل تارکینِ تقلید کا انجام یہ دیکھا گیا کہ وہ اسلام کو سلام کر بیٹھے - اور پھر مذہب عیسائی یا لامذہبی کے قعر میں ہمیشہ کے لئے خوار و زبون ہو گئے - العیاذ - اس بحث میں بعض حضرات کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ مطلق تقلید کے لئے تو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ بھی ذکر کئے لیکن تقلیدِ شخصی کے دعوے میں صرف علمائے متقدمین کے اقوال ہی پر اکتفا کیا - اسلئے ہم اب یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ تقلیدِ شخصی صحابہ نے کی بلکہ تمام صحابہ رضہ کا اوسپر عمل رہا - اور اس سے بڑھکر حسب تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرات شیخین رضہ نے لوگوں کو تقلید شخصی پر مجبور کیا - علامہ ابن قیم نے اعلام میں اور دارمی نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے - کہ فاروق اعظم رضہ نے جب اپنی فقہ کے بنیادی اصول قائم کئے - تو اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہ ملے تو اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید کی جائے - یعنے جو آپ نے فتوے دیا ہو - اسی پر عمل کیا جائے - ہاں اگر کسی واقعہ میں آپ کا فتوے نہ ملے - تو علماء سے مشورہ کر کے باتفاق رائے جو قرار پائے وہ عمل میں لایا جائے +

پس جب فاروق اعظم نے باوجود مجتہد محدث فقیہ اور تمام کمالات کے جامع ہونے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقلیب اپنے اوپر لازم کی اور عمر بھر ان کے فتاوے کے موافق حکم دیتے رہے تو ثابت ہوا - کہ تقلید شخصی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سچا طریق ہے - جو ہر مسلمان کے لئے بلاشبہ واجب التعمیل والاعتقاد ہے - اور کیوں نہ ہو درحقیقت آزادی و خود رائی اور نفسانی خواہشات سے بچنے کے لئے تقلیب شخصی نہایت مستحکم قلعہ ہے - اور مضمون بالا سے ثابت ہوا کہ اوسکا بنیادی پتھر فاروق اعظم نے رکھا ہے - بلکہ ازالۃ الخفا میں شاہ صاحب تو یہانتک ارقام فرماتے ہیں کہ جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم دونوں نے اپنے عہد خلافت میں تمام صحابہ کو تقلید شخصی کا حکم دیا - یہی وجہ ہے جو ان کے عہد میں مسائل اور فتاوے کے اندر مذہبی اختلاف نظر نہیں آتا - عبارت لاحظہ ہو :-

وفی الجملہ طریق مشاورت در مسائل اجتہادیہ و تتبع احادیث از مظان آن کشادہ شد - معہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نہ بود -

و بدونِ استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نے ساختند - لہذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشتت آرا واقع نہ شد - ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع

جناب شیخین نے اپنے عہد میں مسائل کی تنقیح کے لئے یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ پہلے اسکا جواب حدیث سے دیا جائے بعد میں علماء سے مشورہ کیا جائے - لیکن خلیفہ جو فتوی نافذ کرتا تمام اُس پر عمل کرتے - اور کسی کی یہ مجال نہ تھی جو اس کے خلاف کرتا - یا بلا اجازت خلیفہ کے کوئی حکم دیتا اسلئے ان دونوں عہدوں میں تمام مسلمانوں کا ایک مذہب تھا اور سب ایک ہی رائے کے پابند تھے

وآں مذہب خلیفہ ورائے او بود - روایتِ حدیث وفتوٰے وقضا ومواعظ مقصور بود در خلیفہ - (انتہی)

یعنی خلیفہ کے مذہب اور فتوٰے کے اور یہ بھی انتظام تھا کہ خلیفہ کے سوا کوئی غیر فتوٰے نہ دے انتہی

(ازالۃ الخفا، مقصد دوم)

یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ خلیفہ کے مذہب کی پیروی اسطور سے کی جاتی تھی کہ اس کے فتوٰے کے سوا نہ کوئی اپنی رائے پر اور نہ دوسرے صحابی فقیہ اور مجتہد کے فتوٰے اور رائے پر عمل کرتا تھا - اور اِسیکو تقلید شخصی کہتے ہیں - اگر کسیکو یہ وہم پیدا ہو۔ کہ یہ حکم (مذکور) حکم خدا ورسول کے خلاف ہے - اور صحابہ رضؓ نے اگر اس پر عمل کیا ہو۔ تو وہ حاکم کے حکم مگر مفاجات کے طور پر تھا - جو قابلِ احتجاج نہیں تو اس کی تغلیط کے کئی طریقے ہیں :-

(۱) کوئی مسلمان شیخین رضؓ کی نسبت ایسا خیال نہیں کرسکتا۔ کہ وہ خلاف خدا ورسول حکم دینگے +

(۲) شیخین رضؓ کبھی کوئی حکم خلاف خدا ورسول نہیں دے سکتے +

(۳) خلیفۂ وقت کا جو حکم (بالفرض محال) خدا ورسول کے خلاف ہو۔ تو دوسرے صحابہ رضؓ ہرگز اوسکی تعمیل نہیں کرسکتے - اب شیخین کا لوگوں کو تقلید شخصی پر مجبور کرنا اس امر کی کافی دلیل ہے - کہ یہ خدا تعالےٰ اور رسولؐ کے خلاف نہیں +

اگر بمقتضائے حدیث (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین) تمام صحابہ رضؓ کے اسپر اتفاق کرلینے کے بعد یہ مسئلہ اجماعیہ ہوگیا۔ کہ ہر مسلمان پر اپنے سے اعلم اور افضل کی تقلید واجب ہے - بالخصوص اس زمانہ میں کہ منجملہ سینکڑوں علماء کے دو تین افراد بھی ایسے نظر نہیں پڑتے جو شرائط اجتہاد کے جامع یا مذاہب مختلفہ میں سے مذہب مختار کی تنقید کرسکیں - ناظرین اُن شرائط پر غور کریں جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں مجتہد کے لئے بیان کی ہیں - اور ایک نظر زمانۂ حال کے اہل علم پر بھی ڈالیں - اور پھر منصفانہ فیصلہ کرکے ہماری تحریر کی تائید کریں - شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل مندرجۂ ذیل ہے :-

اس زمانہ میں مجتہد ہونے کے لئے کم از کم پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے - اوّلاً کتاب اللہ (قرآن مجید) سے بحیثیت تجوید وتفسیر اچھی طرح واقف ہو - دوم احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو مع اسانید جانتا ہو - اور صرف یہی نہیں - بلکہ ان میں سے صحیح وضعیف حدیث کی امتیاز کا ملکہ تامہ رکھتا ہو - تمام مسائلِ شرعیہ کے متعلق سلف صالحین کے اقوال پر بھی وسیع نظر رکھتا ہو - کہ صورتِ اختلاف میں اجماع سلف صالحین سے تجاوز نہ کرجائے - علوم عربیہ (جس کے مجموعہ کو علم ادب سے تعبیر کیا جاتا ہے) مثلاً صرف نحو فصاحت بلاغت خوب جانتا ہو - طریق استنباط اور طریق تطبیق اور اس کے وجوہات میں مہارت رکھتا ہو - اور ہر ایک جزوی مسئلہ میں غور وفکر کرسکتا اور اُسے بدلیل ثابت کرسکتا ہو (ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل اوّل)

تقلید شخصی پر اہل زمان کے مطاعن اور اُنکے جوابات

(۱) حدیثوں کے ہوتے ہوئے ہم کسی امام کے قول کو کیونکر مان لیں - کیا آئمہ کا قول رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا مقابلہ کرسکتا ہے ؟

(جواب) احادیث پر عمل کرنا ہمارا عین مطلوب ہے - مگر یہ اسی کا حق ہے جسکو معانی حدیث اور اس کے ناسخ ومنسوخ کی کامل معرفت حاصل ہو - اور طریق استنباط میں مہارت رکھتا ہو جس میں یہ شرطیں نہ ہوں وہ ظاہر حدیث

پر عامل ہونے کا مستحق نہیں - تقریر شرح تحریر کی عبارت ملاحظہ ہو :-

ولیس للعامی الاخذ بالحدیث بجواز کونہ مصروفا عن ظاہرہ او منسوخا بل علیہ الرجوع الی الفقہاء لعدم الاھتداء فی حقہ الی معرفۃ صحیح الاخبار وسقیمہا وناسخہا ومنسوخہا فاذا اعتمد کان تارکا للواجب علیہ

(انتہی)

عامی آدمی کو ظاہر حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں - کیونکہ ممکن ہے وہ حدیث اپنے ظاہر سے پھیری ہوئی یا منسوخ ہو بلکہ اوسپر لازم ہے کہ فقہاء کیطرف رجوع کرے کیونکہ اوسکو احادیث صحیحہ اور ضعیفہ اور ان میں سے ناسخ اور منسوخ پہچاننے کی ہدایت حاصل نہیں - اور اگر وہ اس بہمہ ظاہر حدیث پر اعتماد کریگا - تو وہ اوس شے کا تارک ہوگا جو اسپر واجب تھی (انتہی)

(۲) علامہ ابن حزم نے تقلید شخصی کو ناجائز کہا ہے -

(جواب) علامہ موصوف کی اس تقلید سے ایسی تقلید مراد ہے کہ مقلد کسی مجتہد کی یہ سمجھکر تقلید کرے کہ ان احکام کا واضع درحقیقت یہی مجتہد ہے - اور اس میں کیا شک ہے کہ جو شخص کسی امام کی بایں خیال تقلید کرے کہ انکا واضع حقیقت میں امام ہی ہے - تو یہ تقلید حرام بلکہ شرک ہے - اور چونکہ اس قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ میں پائی جاتی تھی اسلئے قرآن شریف نے بھی اوسکی تردید کی ہے - جو طعن نمبر ۳ میں مذکور ہے -

(۳) خدا تعالےٰ نے تقلید شخصی کی مذمت بایں الفاظ فرمائی ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یعنے یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کو علاوہ خدا کے رب بنا رکھا ہے کہ جو وہ کہدیتے ہیں ویسا ہی یہ لوگ عمل میں لاتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ تقلید امر مذموم ہے

(جواب) احبار اور رہبان کو ارباب بنانے کے یہ معنے نہیں کہ صرف ان کے کہنے پر چلتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ احبار و رہبان جس چیز کو اپنی نفسانی گھڑمنت سے حلال بنا دیتے تھے اس کے حلال ہونے کے وہ معتقد ہو جاتے تھے - اور جسے وہ من عند انفسہم حرام کردیتے تھے اسے وہ حرام تصور کرنے لگتے تھے - اسکی تائید میں امام ترمذی کی بیان کردہ حدیث ذکر کی جاتی ہے :-

عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقرأ فی سورۃ براءۃ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ فقال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم حرموہ

(رواہ الترمذی)

عدی بن حاتم سے روایت ہے - کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا - تو آپ سورہ براءت کی یہ آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم الخ تلاوت فرما رہے تھے - آپ نے فرمایا کہ جان لو یہود و نصاریٰ انکی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ جسکو وہ بلا سند شرعی اپنی طرف سے حلال کہتے تھے اوسکو وہ حلال اور جس کو حرام کردیتے اوسکو وہ حرام سمجھتے تھے (ترمذی نے روایت کی ہے)

اس مختصر تقریر سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ ہر مسلمان کے لئے تقلید ایک لازمی امر ہے - اور میرے خیال میں اسکا انکار کسی معمولی شخص کو بھی نہ ہوگا - اور اگر کسیکو شبہ ہو تو ہم بہ اختصار اوسکا شرعی ثبوت دے چکے ہیں - اوس کے بعد یہ بھی واضح ہوگیا کہ تقلید کے اندر کسی کامل جامع شرائط مجتہد کو پہلے سے ممتاز کرکے اپنا مقتدا اوس طرح بنانا ضروری ہے کہ تمام جزئی و کلی مسائل میں اسی کی پیروی کیجائے - اوسپر جو معترضین اعتراض کرتے ہیں

اُن کے اعتراضات وجوابات بھی مختصر بیان ہو چکے۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ جب تقلید شخصی کے یہ معنے ٹھیرے کہ ایک معین کامل مجتہد کی اس طرح پیروی کی جائے کہ کبھی کسی مسئلہ میں (بجز استثنار اشد ضرورت) اوس کے حلقہ تقلید سے گردن باہر نہ ہو اور کسی فتوے میں اُسے چھوڑ کر دوسرے امام کے قول پر عمل کی جرأت نہ کیجائے۔ تو ضرور ہوا۔ کہ آئمہ مجتہدین میں سے اون حضرات کو چُن لیا جائے جن کے اجتہادی کارنامے زندہ اور جن کے مذاہب کی باقاعدہ توضیح وتشریح کی گئی ہو۔ جس کے مذہب سے اکثر وقائع وحوادث حل ہو سکتے ہوں جس کے مذہب کو جمہور اسلامیوں نے اپنا دستور العمل قرار دیا ہو۔ تاکہ مذہب اپنی جامعیت اور قبولیت عامہ کی وجہ سے مقلد کو دیگر مذاہب سے بے نیاز کر سکے۔ اور اسکو یقین دلا سکے۔ کہ یہ مجتہد واقعی قابل تقلید ہے ٭

اسلئے محققین امت اور ماہرین شریعت وطریقت نے تفتیش وتدقیق کے بعد یہ حکم لگادیا ہے کہ صفات مذکورہ کے جامع صرف یہی چار حضرات ہیں (۱) امام الائمہ سراج الامۃ امام ابوحنیفہ رضہ (۲) حضرت امام مالک رحہ (۳) حضرت امام شافعی رضہ (۴) حضرت امام احمد بن حنبل رضہ۔ کیونکہ ان کے اجتہادی کارنامے دنیا میں زندہ ہیں ان کے مذہب کو وسیع پیمانہ پر قبولیت عامہ کا رُتبہ حاصل ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مذہب اپنی جامعیت کی وجہ سے دوسرے سے بے نیاز بنانے والا بھی ہے ٭

برخلاف امام بخاری۔ داود ظاہری۔ ابو ثور۔ ابن جریر طبری وغیرہم کے۔ گو یہ حضرات بھی ارباب اجتہاد اور اصحاب مذاہب شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے بعد ایسے کارنامے باقی نہیں رہے کہ لوگ انکو اپنا دستور العمل قرار دے سکتے۔ اسلئے ان کی تقلید کا سلسلہ انکی زندگی کے بعد قائم نہ رہ سکا۔ تائید کیلئے عبارت ذیل ملاحظہ ہو شیخ کامل صاحب کشف امام شعرانی فرماتے ہیں :-

ومن جملہ ما رأیت فی العین جداول جمیع المجتہدین اللذین اندرست مذاھبھم لکنھا یبست وصارت حجارۃ ولم ارمنھا جدولا یجری سوی جداول الائمۃ الاربعۃ فاولت ذٰلک ببقاء مذاھبھم الی مقدمات الساعۃ ورأیت اقوال الائمۃ الاربعۃ خارجۃ من داخل الجداول

(میزان)

اور منجملہ اون اشیاء کے جو میں نے چشمہ (شریعت) میں دیکھیں ان تمام مجتہدین کی نالیاں ہیں جن کے مذہب ختم ہو گئے۔ لیکن وہ خشک ہو کر پتھر ہو گئی ہیں۔ اور میں نے اُن میں سے کسی کی نالی کو جاری نہیں دیکھا۔ سوائے چار اماموں کی نالیوں کے۔ تو میں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان چاروں کے مذاہب قرب قیامت تک باقی رہینگے۔ اور میں نے دیکھا کہ آئمہ اربعہ کے اقوال ان نالیوں کے اندر سے نکل رہے ہیں (میزان)

ایضاً دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

انما اقتصرنا علی قتاب الائمۃ الاربعۃ من المجتہدین لانھم ھم اللذین دام تدوین مذاھبھم الی عصرنا ھٰذا

(میزان)

اس کی وجہ کہ ہم نے ان چار اماموں کے ہی قبول پر اکتفا کیا۔ سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ یہی چاروں وہ مجتہد ہیں جن کے مذاہب کی تدوین ہمارے اس زمانہ تک ہمیشہ رہی ہے (میزان الکبرےٰ)

اس میں شک نہیں کہ امام بخاری کی جامع صحیح موجود ہے۔ مگر اسمیں اسقدر احکام نہیں کہ اُنکی تقلید کرنے والا

اور مذاہب سے بے نیاز ہو سکے - مذہب داود ظاہری کے متعلق گو بہت بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں - مگر غیر مقبولیت کیوجہ سے اپنی ہستی کو دنیا میں قائم نہ رکھ سکیں - اسی طرح ابو ثور ابن جریر کے مذہب کے متعلق بھی اگر کوئی کتاب تھی - تو وہ بھی دنیا میں فروغ حاصل نہ کر سکی -

ہم جانتے ہیں - کہ جو لوگ آئمہ اربعہ کی تقلید کو خلاف سمجھ کے جب اوس سے گھبرا اٹھتے ہیں - تو امام بخاری کی تقلید کر کے صحیح بخاری کو اپنا دستور العمل قرار دینا چاہتے ہیں - مگر جب ایسے واقعات پیش آتے ہیں جنکی بابت صحیح بخاری میں کوئی حکم نہیں ہے - تو پھر بادل ناخواستہ اونکو آئمہ اربعہ کی مذہبی کتب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ✣

تفسیر احمدی میں ملا صاحب رح کیا خوب فرماتے ہیں :-

والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة و اتباعهم فضل الٰهی وقبولهم عند الله تعالیٰ لامجال فیه للتوجیهات والادلة

انصاف تو یہ ہے کہ مذاہب کا ان ہی چار میں منحصر ہونا اور انکا اتباع کیا جانا فضل الٰہی اور اس کی نزدیک مقبولیت کی دلیل ہے - توجیہات اور دلیلوں کی کچھ حاجت نہیں ✣

ان ہی امور و وجوہ بالا کی بنا پر اہل حق کا اسپر اجماع ہو چکا ہے - کہ حق ان ہی چار مذاہب میں دائر ہے - اور کسی مسلم کو ان کے سوا کسی دوسرے مذہب کی تقلید جائز نہیں - اور اس میں کیسے کلام ہو سکتا ہے کہ اجماع حجت کاملہ ہے جسکا درجہ قیاس سے بڑھکر ہے - اب ہم وہ نقول پیش کرتے ہیں جن سے اجماع مذکور ثابت ہوتا ہے

وما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع وقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذهب مخالف الاربعة للانضباط مذاهبهم وکثرة اتباعهم

جو حکم ان چار اماموں کے خلاف ہو وہ اجماع کے مخالف ہے - اور (ابن ہمام رح) تحریر میں تصریح کی ہے کہ ان چاروں کے خلاف کسی اور مذہب کے ساتھ عمل نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے - کیونکہ ان کے مذاہب باقاعدہ اور متبعین کثیر ہیں ✣

ایضًا وفی زماننا هذا انحصرت صحة التقلید فی هذه المذاهب الاربعة فی الحکم المتفق علیه بینهم وفی الحکم المختلف فیه

ہمارے اس زمانہ میں ان چاروں مذاہب کی تقلید منحصر ہے - خواہ وہ حکم اجماعی ہو یا اختلافی بہر حال ان چار کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں

ایضًا قال المناوی فی شرح الجامع الصغیر ولا یجوز الیوم تقلید غیر الائمة الاربعة فی قضاء ولا افتاء (نہایۃ المراد)

اور مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے - کہ اس زمانہ میں آئمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں خواہ کوئی قاضی ہو یا مفتی (نہایۃ المراد)

ایضًا وقد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربعة فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهدًا مخالفًا لهم (تفسیر احمدی)

بیشک اب اسپر اجماع ہو چکا ہے - کہ سوا ان چار کے اور کسی کا اتباع درست نہیں - اسلئے اوس شخص کی پیروی جائز نہ ہوگی جو کوئی نیا مجتہد ان کے مخالف پیدا ہو (تفسیر احمدی)

حافظ فقیہ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن الصلاح عبدالرحمٰن شہر زوری نے اپنی کتاب مقدمہ ابن الصلاح میں جو کچھ اس بحث پر لکھا ہے۔ اُس کا حاصل اسجگہ درج کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہنے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے کہ صاحب موصوف کس پایہ کے شخص ہیں۔ ان کی تحریر کن آنکھوں سے دیکھنے اور کس درجہ معمول بہ بنانے کے قابل ہے۔

اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ کہ علامہ مذکور کی تالیفات اور اُن کے کمالات کو عزت کی نظر سے دیکھنے والے یہ حضرات ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح۔ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی۔ شیخ شہاب الدین محمد بن احمد بن خلیل قاضی خوینی۔ شیخ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین عراقی۔ قاضی القضاۃ بدرالدین۔ حافظ ابن کثیر قاضی جلال الدین بلقینی۔ شیخ برہان الدین انباسی ٭

تو بس جس کے مداح اس مرتبہ کے لوگ ہوں۔ اس کے کلام کو حجت کیوں نہ قرار دیا جائے۔

تعیّن تقلید الائمۃ الاربعۃ دون غیرھم لان مذاھب الاربعۃ قد انتشرت وعلم تقیید مطلقھا وتخصیص عامھا ونشرت فروعھا بخلاف مذھب غیرھم

صرف آئمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہو چکی ہے اسلئے کہ انہی کے مذاہب دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ ان مذہب میں مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص معلوم ہو چکی ہے اور ان کے فروعات وسیع پیمانہ پر شائع ہو چکے ہیں برخلاف اور مذہب کے۔

امام الحرمین برہان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اجمع المحققون علی ان العوام لیس لھم ان یتعلقوا بمذاھب اعیان الصحابۃ رض بل علیھم ان یتبعوا مذاھب الائمۃ لانھم اوضعوا طرق النظر وھذبوا المسائل وبیّنوھا وجمعوھا

محققین کا اسپر اجماع ہے کہ عوام کو اعیان صحابہ رض کے مذاہب کی نہیں بلکہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کی پیروی کرنی چاہئے۔ کیونکہ انہوں نے طرق استدلال کی توضیح اور مسائل کی تنقیح کر کے پھر انکو ایک جگہ جمع بھی کر دیا ہے ٭

جب یہ امر بوضاحت ثابت ہو چکا ہے کہ آئمہ اربعہ کی تقلید پر علمائے محققین کا اجماع ہے جسکا واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہونا ضروری ہے

تو اب ہم ناظرین کے ایک شبہ کو جو قلت تدبر اور ناواقفیت اصول کی بنا پر پیدا ہوگا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ شبہ کی تقریر یہ ہے۔ کہ جب آئمہ اربعہ میں سے ہر ایک کی تقلید درست ہوئی تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ چاروں امام برحق ہیں جس کی چاہو تقلید کرلو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اکثر مسائل ایسے ہیں جن میں آئمہ اربعہ کا باہمی اختلاف درجہ تناقض تک پہونچا ہوا ہے۔ مثلاً کفارہ ظہار میں امام شافعی رح کے نزدیک غلام مسلمان کا آزاد کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مومن ہونا ضروری نہیں۔ پس اگر کسی نے کفارہ مذکورہ میں کافر غلام کو آزاد کیا۔ تو امام شافعی رح یہ حکم دینگے کہ کفارہ ادا نہ ہوا۔ اور امام ابوحنیفہ رض فرمائینگے کہ ادا ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں متناقضین میں سے ایک ہی صحیح اور حق ہوگا۔ دونوں کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سی مثالیں ایسی ہیں جنمیں اختلاف آئمہ درجہ تناقض تک پہنچ گیا ہے۔ لہذا چاروں اماموں کو برحق کہنا درجہ اعتبار سے خارج ہے ٭

اور تقریر جواب یہ ہے کہ ہم چاروں اماموں میں سے ہر ایک کو یقیناً اور قطعاً مصیب نہیں سمجھتے - علمائے اصول نے لکھا ہے کہ مجتہد کے اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ ظن غالب کے طریق پر اوسکو مصیب مانا جائے - یہہ نہ تسلیم کیا جائے کہ وہ یقینا مصیب ہے - بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی مخطی اب اگر کسی اجتہاد میں مجتہدین بظاہر متناقض ہو جائیں - تو ہم کہینگے - کہ حق انمیں سے صرف ایک ہی کا قول ہے - مگر تعیین نہیں کر سکتے کہ کونسا ہے - کیونکہ اگر تعیین کر دیں - تو دوسرے کو قطعی طور پر باطل کہنا پڑیگا - حالانکہ وہ بھی مجتہد ہے - اور اجتہاد کا حکم ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ غالب گمان اس کے مصیب ہونے کا رکھا جائے ✦

بنائً علیہ چونکہ آئمہ اربعہ میں سے کسی خاص کو یوں نہیں کہہ سکتے - کہ علی التعیین یہی حق پر ہے اسلئے لازم ہوا - کہ چاروں کو حق کہا جائے - مگر چونکہ ان کو حق کہنا بطور ظن غالب کے ہے - اِسلئے اجتماع نقیضین لازم نہ آئیگا ✦

البتہ معتزلہ کا یہ مذہب ضرور ہے کہ اختلاف کے وقت حق متعدد ہو جاتا ہے - اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے - مگر چونکہ اس قول میں اجتماع متناقضین لازم آتا ہے - اسلئے باطل ہے ✦

نور الانوار شرح المنار میں علامہ شیخ احمد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

حتیٰ قلنا انّ المجتہد یخطی ویصیب والحقّ فی موضع الخلاف واحد ولکن لا یعلم ذٰلك الواحد بالیقین فلهذا قلنا بحقیۃ المذاهب الاربعۃ وقالت المعتزلۃ کل مجتهد مصیب والحق فی موضع الخلاف متعدد

یہانتک کہ ہم قائل ہوئے کہ مجتہد خطا کار ہوتا ہے اور برحق - اور مقام اختلاف میں امر حق ایک ہی ہوتا ہے - لیکن وہ ایک یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا - (کہ کونسا ہے) اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ چاروں مذاہب برحق ہیں اور معتزلہ کا قول ہے کہ ہر مجتہد برحق ہے اور امر حق مقام اختلاف میں متعدد ہے - انتہی

(انتہیٰ)

شبہ مذکورہ کا یہ وہ جواب تھا جو مشہور و مختصر ہے - اگر اس سے زائد اور مفصل جواب ہو سکتا ہے - تو وہ صرف علامہ سیدی عبد الوہاب امام شعرانی کی جامع کتاب میزان الکبریٰ کے دیکھنے سے متعلق ہے ✦

میرے نزدیک ہر اوس شخص کے لئے جو حق کا متلاشی ہو - یا حق تو اسپر ظاہر ہو چکا ہو - لیکن مخالفین کی سرکوبی کے لئے کوئی آلہ نہ پاتا ہو تو اس سے بہتر اوسکو کوئی اوزار نہیں ملیگا -

یہ مانی ہوئی بات ہے - کہ معاندین و مکابرین چونکہ ان کے قلوب پر مُہر لگ چکی ہے - اسلئے نہ مانتے اور نہیں مانینگے - مگر ہم حقتعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے حق پسند و ہدایت یاب بندوں کی ہمیشہ امداد کی ہے - اور اس سے دعا ہے کہ ہر زمانہ میں حسب عادت اپنے مخصوص و مقبول افراد مذہب منصور کی تائید کے لئے پیدا فرماتا رہے - آمین

اسوقت میرا مقصد کتاب مذکور کی قدر و منزلت بیان کرنا ہے - اور یہ بات ثابت کرنی ہے - کہ تشنگان حقیقت و شریعت اور طالبان معارف طریقت کو خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی رضہ یا مالکی یا حنبلی بلا تخصیص اِس کتاب کو حرز جان بنانا ضروری ہے -

کیونکہ یہ وہ کتاب ہے جسکی خوبی سب سے پہلے آپ نے اس کے مؤلف کا نام سُنکر جان لی ہوگی - یعنی

اجمالاً آپ معلوم کر گئے ہونگے۔ کہ اسلامی دُنیا میں ہر حیثیت سے علوم ظاہری و باطنی میں کامل مہارت رکھنے والا اور اولوالعزم و مستند علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رح جیسا شخص جس کتاب کو تالیف کریگا وہ کن کن خوبیوں کا مجموعہ اور کیسے کیسے بیش بہا مضامین کو حاوی ہوگی۔

اُمتِ محمدیہ میں بہت سے اہل کمال گذرے ہیں جو مذاہب اسلام کے ارکان یا عمائد کہلائے جانے کے مستحق ہیں جنکی ذاتی قابلیت نے مخالف سے لیکر موافق تک کے قلوب کو اپنی حیرت انگیز جامعیت کا دلدادہ اور مسخر بنا رکھا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ اگر علامہ غزالی رح نے شرائع اسلام کو روحانیت کا جامہ پہنایا۔ تو امام رازی رح نے دوسری طرف اونکو عقلیات و نظریات کے اصول پر لاکر عقلاء زمانہ کے انکے مسلمات کا ہم پلہ کر دکھایا۔

امام جلال الدین سیوطی رح نے اسلامی پیرایہ میں دُنیا بھر کے علوم حوالۂ قلم کر کے یہ ثابت کر دیا۔ کہ اسلام نے ہم کو صرف چند نقلی علوم ہی کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ انسانی ضروریات کے لحاظ سے جسقدر فنون لابدی تھے۔ وہ سب ہم کو بتا دیئے۔ اس کے بعد ہمیں کسی فلسفہ یا حکمت کے دست نگر ہونے کی ضرورت نہ رہی اس قسم کے صدہا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اسلام کے اندر باکمال لوگ ہو گذرے۔ اور ہر ایک نے ایک ایسے کام کو انجام دیا جو زمانہ کی ضرورت کے مناسب اور وقائع عالم میں بے نظیر تھا۔ لہٰذا حسب اقتضائے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حقتعالےٰ ہر زمانہ میں ہدایت اہل زمانہ کے لئے اپنے مقبول بندے پیدا فرماتا رہا۔ اور ہر ایک کو وقتی گمراہی و ضلالت کے مٹانے میں وہ خاص ملکہ عنائت فرماتا رہا کہ اس کے بغیر ظاہراً اس ضلالت کا ازالہ ناممکن تھا۔

جس طرح بنی اسرائیل میں جب کوئی گمراہی رواج پا جاتی تھی۔ تو اُس کے قلع قمع کے لئے حقتعالےٰ کی طرف سے انبیاء ظاہر ہوتے تھے۔ اور ہر ایک کو وقتی ضلالت کا فور کرنے کے لئے اوسی کے مناسب معجزہ عنائت فرمایا جاتا تھا۔ صرف اسی قدر فرق ہے کہ وہ نبی ہوتے تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی کوئی نہ ہوگا ❊

جب آٹھویں صدی کا دور شروع ہُوا۔ تو شیطانی اغواء و اضلال سے لوگوں کے خیالات میں چند قسم کی گندگیوں نے گھر کر لیا۔ اوّلاً آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف اس درجہ کا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے چاروں کو حقیت کے لقب سے ملقب نہیں کر سکتے۔ ثانیاً چاروں اماموں میں سے بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح قابل تقلید نہیں۔ بچند وجوہ۔ وجہ اوّل امام موصوف کو علم کا درجہ کمال حاصل نہیں۔ وجہ دوم امام صاحب کے افعال و اقوال و عقائد قابل جون و چرا ہیں۔ کیونکہ وہ حدیث و قرآن سے لگاؤ نہیں کھاتے۔ وجہ سیوم قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں۔ وجہ چہارم۔ اکثر دلائل امام موصوف کے کمزور ہوتے ہیں۔ وجہ پنجم۔ مذہب احناف میں بہ نسبت دیگر مذاہب کے دینی احتیاط کم ہے ❊

ثالثاً شریعت اور طریقت میں فرق ہے۔ بلکہ تناقض ہے۔ شریعت صرف ظاہر پر مبنی ہے۔ اور طریقت میں باطنی امور پر مدار ہے جسطرح اس زمانہ کے خشک لوگ کشف کو موہومی امر بتلاتے ہیں۔ اور تصوف کو مہمل اعتبار میں سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے بالمقابل جاہل پیر علمائے حقانی پر طعن کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ علماء اور فقراء میں ہمیشہ نزاع رہا ہے۔ یعنی علم ظاہری اور تصوف میں تضاد ہے کہ ایک جگہ یہ دونو

جمع ہی نہیں ہو سکتے +

رابعاً - چاروں امام اور بالخصوص امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) امور دینیہ میں رائے زنی کرتے ہیں - جو کسی طرح جائز نہیں - اور باوجود قرآن شریف اور حدیث میں احکام ملنے کے اپنے دل سے تخریج احکام کرتے ہیں

یہ اور اس قسم کے تمام وہ شبہات جو آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تقلید سے متعلق ہیں۔ جب شائع ہو گئے - تو حق تبارک و تعالےٰ نے اپنی سنت جاریہ کے مطابق حمایت حق کی غرض سے امام عارف کامل سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ہی کتاب میزان الکبریٰ لکھوائی جس کے اندر انہوں نے ایسے ایسے مضامین بیش بہا درج کئے کہ ان سے پہلے کسی کو اپنی تصنیفات میں وہ مضامین ذکر کرنے کا فخر حاصل نہ ہوا

امام موصوف نے تمام شبہات اور خیالات فاسدہ مذکورہ کے جوابات اس خوبی سے دیئے کہ ہر ایک سوال کے حل میں ایک فصل قائم کی جس کے اندر اس بحث کو درجہ کمال تک پہونچا کر چھوڑا - ناظرین کو اس کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا - کہ اس کتاب کے ہوتے ہوئے کسی کتاب فقہ یا تصوف یا اسرار فقہ یا نکات شریعت یا بحث تقلید مطلق و شخصی و تقلید آئمہ اربعہ و توثیق مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی +

گو کہ مفصل اور شرح تردید اقوال مذکورہ کی بغیر اس کتاب کے مطالعہ کے معلوم نہیں ہو سکتی - مگر چونکہ ہم نے ان اقوال کو اس مقام پر نقل کیا ہے - اس لئے مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی تردید و جوابات کا خلاصہ اس دیباچہ میں درج کر دیں +

جواب شبہ ۱ - اگرچہ اس کے جوابات علماء نے بکثرت دیئے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں جنکی تفصیل اس جگہ لکھی جاتی ہے - مگر جو جواب علامہ نے دیا ہے - وہ بالکل بے نظیر ہے - ناظرین خود فیصلہ کریں گے +

جاننا چاہئے - کہ حق کے دو معنے ہیں - اوّل یہ کہ اس پر عمل کرنے والے سے مواخذہ نہ ہوگا - بلکہ اور ثواب کا مستحق ہوگا - عام ہے کہ خواہ وہ فعل نفس الامر کے موافق ہو - یا مخالف - دوئم یہ کہ وہ نفس الامر کے بھی موافق ہو +

آئمہ اربعہ کو جو برحق کہا جاتا ہے - وہ پہلے معنے کے لحاظ سے ہے - یعنی مجتہدین اربعہ اپنے مسائل اجتہادیہ میں عند اللہ ماجور ہیں - اسی طرح ان کے مقلدین بھی - اگرچہ وہ مسئلہ مجتہدہ نفس الامر کے خلاف ہو کیونکہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے - کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطاء فلہ اجرٌ واحد +

(بخاری و مسلم)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب حاکم حکم کرے اور اپنے اجتہاد میں حق کو پہونچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں - اور جب حکم کرے - اور اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے +

(بخاری شریف و مسلم شریف)

دوسرے معنے کے اعتبار سے الکل حق نہیں کہا جا سکتا - بلکہ اوسوقت الحق دائر بینہم کہا جائے گا - اسکی نظیر میں یوں سمجھئے - کہ اگر چار آدمی کسی جگہ جہت قبلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تحری کریں - اور اتفاق کر

ہر ایک کی تحری دوسرے کی تحری کے خلاف واقع ہو اور چاروں اپنی اپنی تحری کے مطابق چار سمت کی طرف نماز پڑھ لیں۔ تو چاروں کی نماز درست ہوتی ہے۔ اور وہ چاروں حق پر کہے جاتے ہیں۔ یعنی چاروں کی نماز درست ہوتی ہے اور ہر ایک کو ثواب کا استحقاق ہوتا ہے۔ حالانکہ نفس الامر میں صرف ایک ہی شخص قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوگا نیز یہ اختلاف بعینہٖ وہی نوعیت رکھتا ہے۔ جو حضرات صحابہ رضؓ کے مابین تھا۔ اور اس کے متعلق تو حدیث شریف میں یوں وارد ہے :۔

سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکلّ نور فمن اخذ بشیٔ مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی قال وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم (رواه رزین مشکوٰة المصابیح)

میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہ رضؓ کے خلاف کی بابت دریافت کیا جو میرے بعد ہوگا۔ تو اس نے میری طرف وحی کی کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے صحابہ رضؓ میرے نزدیک تاروں کی مثل ہیں جو آسمان میں ہیں کہ ایک سے ایک زیادہ روشن ہے اور نفس روشنی ہر ایک میں ہے پس جس نے انکے اختلافی مسئلہ پر عمل کر لیا وہ میرے نزدیک ہدایت یاب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں جسکی پیروی کروگے ہدایت یاب ہو جاؤگے (مشکوٰۃ میں رزین سے مروی ہے)

تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجودیکہ مسائل جزئیہ میں فروعی اختلاف رکھتے تھے جسکی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کا تردد لاحق ہوا۔ اور پھر حق تعالےٰ نے انکا مہتدی ہونا فرما کر اپنے حبیب کے تردد کو رفع فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ فروعی اختلاف ہدائیت یاب ہونے کے منافی نہیں ہوتا +

یہ وہ جواب تھا جو کتب اصول فقہ سے مستنبط اور بادی النظر میں مفید مدعا تھا۔ مگر اب وہ جواب قابلِ غور ہے جو علامہ نے اپنی کتاب میزان میں دیا ہے۔ اور گویا وہ اس کی تالیف کے اغراض میں سے معتدبہ غرض ہے۔

قبل ازیں کہ جواب کی تقریر کی جائے مناسب ہے کہ پہلے چند مقدمات تسلیم کر لئے جائیں۔ جو کتاب مذکور میں مفصلاً مذکور ہیں۔ مگر چونکہ وہ خود بخود ظاہر ہیں اسلئے ادلہ کے محتاج نہیں۔

اوّل حق جل وعلا کے کلام میں تناقض نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نبی اُمّی فداہ ابی واُمّی کا کلام بھی تناقض سے بری ہونا ضروری ہے (یہ ایک ایسا مقدمہ ہے کہ ہر مسلم کو اسکا عقیدہ لازم ہے)

ثانی۔ ظاہر میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تعارض موجود ہے۔ اب جو شخص اس تعارض کو جو واقعی نہیں ہے رفع نہ کر سکے۔ وہ عالمانہ حیثیت سے وسیع النظر نہیں ہے +

ثالث۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسیکو مخاطب بناتے تھے۔ تو پہلے اوس کی عقل اور اس کے ایمان و اسلام کے اندر کامل اور متوسط اور ناقص ہونے کا لحاظ فرما لیتے تھے۔ پھر اوسی کے مطابق کلام فرماتے تھے۔ اگر وہ کامل ہوتا تھا۔ تو اوسکو کوئی سخت حکم دینے میں بھی تامل نہیں کرتے تھے۔ اور اگر کم درجہ کا مومن ہوتا تھا تو اوس پر تخفیف کا حکم دیتے تھے +

رابع جس طرح احکام شرعیہ دو قسم پر منقسم ہیں ایک عزیمت دوم رخصت۔ اسی طرح مکلفین بھی دو قسم کے پائے جاتے تھے۔ بعض وہ جو اپنے ایمان وجسم کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ اور بعض وہ جو قوی ہیں۔ اور جسطرح

کمزوروں کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا - اسی طرح قوی اور مضبوط لوگوں کو تنزل کر کے رخصت پر عامل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی -

خامس - انبیاء علیہم السلام گو اصول اسلام میں سب متحد تھے - مگر فروعات میں اونکا اختلاف ضرور تھا - اور وہ اختلاف ایسا تھا کہ تناقض کے درجہ تک پہنچ گیا تھا ؂

اس کے بعد تقریر جواب یہ ہے کہ گو بظاہر بادی النظر میں ائمہ اربعہ کے اقوال کے اندر تناقض محسوس ہوتا ہے مگر در حقیقت تناقض نہیں ہے بلکہ اُن میں سے ہر مجتہد کا قول نفس الامر کے مطابق اور فی نفسہ صحیح ہے جو شخص یوں کہتا ہے کہ ان سب میں واقع کے مطابق ایک ہی کا قول ہے - مگر وہ متعین نہیں - اوس کی نظر سطحی اور اوسکا قول ظاہر بینی پر مبنی ہے -

اہل کشف بذریعہ کشف اور ظاہر بین تعمق کے بعد یہ جان لینگے - کہ ہر مجتہد برحق ہے - اور مسئلہ کچھ نہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عالم کے اندر نظر کو وسیع کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حقتعالے نے بندوں کی دو قسمیں پیدا کی ہیں بعض بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت - اور پھر ہر ایک کے واسطے اوسی کے مناسب حال اسباب مہیا فرمائے ہیں ؂

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ایک ہی شے بعض کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے تو بعض کے لئے وہی مضر ہو جاتی ہے - پس باوجودیکہ ہر شے کی طبیعت واحد ہوتی ہے اور تاثیر خاص - مگر پھر بھی بعض افراد کے لئے نافع ہے - اور بعض کے لئے ضرر رسان - اب سوال پیدا ہوگا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اوسکا جواب ہم ابھی لکھ چکے ہیں - کہ چونکہ افراد انسانی مختلف ہیں - اور ہر ایک کا مادۂ قابلیت جداگانہ ہے - اسلئے ایک ہی شے اگرچہ اوسکی تاثیر میں اختلاف نہ ہو مگر متاثر کے اختلاف کی وجہ سے بعض میں کچھ تاثیر کرتی ہے - اور بعض میں کچھ - شیخ سعدی رح کا قول ہے : شعر

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست　　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اب سُنئے - کہ ہر قول شرعی میں دو مرتبے موجود ہیں ایک تشدیدی - دوسرا تخفیفی - اور افراد مکلفین مختلف ہیں - بعض وہ ہیں جنکی ایمانی جسمانی قوت زوردار ہے - اور بعض وہ جنکی کمزور ہے - اول الذکر تشدید کا محل ہیں اور ثانی الذکر قول تخفیفی کے مورد ہیں - پس جسطرح یہ مناسب نہیں کہ کمزور ایمان و جسم والونکو تشدیدی قول کا حکم کیا جائے - اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ قوی لوگوں کو قول تخفیفی پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے چنانچہ شریعت دو حال سے خالی نہیں یا وہ امر ہے اور یا نہی - اور پھر اون میں سے ہر ایک کے دو دو مرتبے ہیں - ایک تخفیف دوسرا تشدید - پس بعض ائمہ نے مطلق امر کو وجوب پر محمول کیا ہے - اور بعض نے استحباب پر - اسی طرح نہی کو - بعض نے تحریم پر محمول کیا - اور بعض نے کراہت پر - اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وجوب و تحریم کے قائل تشدیدی قول والے ہیں - اور استحباب و کراہت کے قائلین تخفیفی قول والے -

علی ہذا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال کا ملاحظہ کیجئے - کہ بعض صحابہ رض نے جب آپ سے رویت باریتعالے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا - نورانیا اراہ (ترجمہ) وہ نورانی ہے میں اوسے دیکھ سکتا ہوں - یعنی نہیں دیکھا - اور اکابر صحابہ رض سے یوں ارشاد فرمایا - کہ رائیت ربی - میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا - پس چونکہ ان صحابہ رض کا درجہ بڑھا ہوا تھا - اس لئے آپ کو اس مفسدہ کا خیال نہ ہوا - کہ کہیں یہ حقتعالی کی ذات میں غیر مناسب تخیلات نہ کر بیٹھیں اور جن سے اسکا شبہ ہوا ان سے مشکک لفظ ارشاد فرمائے

دوسری نظیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی تعلیم دی۔ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب ایک خاص موقعہ پر اپنا تمام مال فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہا۔ تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ (اَمْسِکْ عَلَیْکَ بَعْضَ مَالِکَ) (ترجمہ) کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو +

تیسری نظیر۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ کہ (یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ) (ترجمہ) وہ لوگ جو اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فقیر ہی ہوں۔ حق تعالےٰ کو پسندیدہ ہیں۔ اور آپ یہ فرماتے ہیں (اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ ثُمَّ بِمَنْ تَعُوْلُ) (ترجمہ) پہلے اپنے کو مقدم کرو۔ پھر اپنے عیال کو +

نیز مستحاضہ کے بارہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ہر دن کے لئے ایک غسل کر لیا کرے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روائیت ہے کہ ہر نماز کے لئے علیحدہ غسل کر لیا کرے۔ تو ظاہر ہے کہ روائیت کسی اصحابی کی منسوب الی الکذب نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ نبی علیہ السلام کے فرمان میں تناقض ناممکن ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ پہلا فرمان کمزوروں کے لئے ہے۔ اور دوسرا قوی اور مستطیع عورتوں کے لئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ہر نماز کے لئے علیحدہ غسل کر لیا کرتی تھیں۔ پہلے شبہ کا میزان شعرانی سے جواب ختم ہوا +

مخالفین کا یہ کہنا کہ امام صاحب علم میں درجہ کمال نہیں رکھتے تھے یا یہ کہ امام صاحب رح کے اقوال و افعال و عقائد قابل چون و چرا ہیں۔ کیونکہ وہ احادیث و قرآن سے لگاؤ نہیں کھاتے۔ سراسر افترا اور دھوکا دہی ہے۔ امام عبد الوہاب نے اس کتاب (میزان) میں اس کے جواب کی ایک فصل قائم کی ہے مطالعین و قارئین کرام اس سے بے بہا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ شیخ اعظم علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقلدین امام مالک رضی اللہ عنہ و مقلدین امام شافعی رضی اللہ عنہ اگر انصاف سے کام لیں۔ تو ہرگز اونکو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی قول کی تضعیف جائز نہیں ہو سکتی۔ اور کس طرح ہو سکتی ہے حالانکہ اونکے ائمہ اون کے نزدیک واجب التقلید و واجب التعمیل ہیں۔ تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ مقتدا جسکی قابلیت علمی اور حقانیت کے معتقد ہوں مقلدین اوسکا انکار کریں۔ مالکی المذہب اصحاب کے لئے امام مالک رض کا یہ قول کافی سے زائد ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اگر مجھ سے اس امر میں مناظرہ کریں کہ اس ستون کا نصف حصہ چاندی یا سونے کا ہے تو میں (اونکی علمی استعداد اور جوہر قابلیت سے) یقین کرتا ہوں کہ وہ اپنے اس دعوےٰ کو ثابت کر کے چھوڑیں۔ اور شافعی المذہب حضرات کے لئے یہ مقولہ مشہور ہی ہے کہ اَلنَّاسُ کُلُّہُمْ فِی الْفِقْہِ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔ کہ تمام لوگ فقاہت (دانائی و علم) میں امام ابوحنیفہ رض کی اولاد ہیں +

نیز امام شافعی رض کا صبح کی نماز میں امام ابوحنیفہ رض کے مزار مبارک کے نزدیک قنوت کو ترک کر دینا حالانکہ مذہب استحباب کا ہے مقلدین امام شافعی رض کے لئے امام صاحب رض کے ساتھ ادب و عقیدت رکھنا واجب قرار دیتا ہے +

لطیفہ۔ ولید بن مسلم نامی ایک شخص سے امام مالک رض نے فرمایا کہ کیا تمہارے ملک میں امام ابوحنیفہ رض کا ذکر ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا بیشک ہوتا ہے۔ تو امام مالک رض نے کہا۔ کہ (ماینبغی لبلادکم ان تسکن) تمہارے ملک میں رہنا نامناسب ہے۔ امام مالک رض کے الفاظ بظاہر توہین امام صاحب رض کو

مستلزم تھے۔ اسلیے حافظ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ولید کی تضعیف کردی کہ اس شخص کا قول قابل اعتماد نہیں لیکن امام شعرانی نے اپنے اونکے الفاظ کے عجیب معنے بیان کئے۔ جو واقعی صحیح ہیں۔ کہ تمہارے ملک میں رہنا کسی عالم کو مناسب نہیں کیونکہ جس ملک میں امام ابوحنیفہ رضہ کا تذکرہ اور چرچہ ہے۔ اور اونکے علوم کی تعلیم و تلقین ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کے علوم سے بے نیاز ہے۔ اور اونکی تعلیم جامعیت و واقفیت کی وجہ سے کسی اور عالم کے رہنے کی محتاج نہیں۔ لہٰذا عالم کو ایسی جگہ رہنا کیونکر مناسب ہوسکتا ہے جہاں اوسکی حاجت نہیں۔ اور واقعی امام مالک رضہ کا پہلا قول امام صاحب رضہ کی شان میں اسی معنی کا مؤید اور قوی قرینہ ہے +

اور امام شعرانی رحہ نے اپنی کتاب (المنہج المبین فی بیان ادلۃ المجتہدین) میں اس بیان کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔ کہ امام صاحب یا اونکے کسی مقلد کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جسکی سند میں آیت یا کوئی حدیث یا اثر صحابی یا قیاس صحیح جو اصل صحیح پر مبنی ہو۔ نہ پایا جاتا ہو +

ایک مرتبہ امام شعرانی رضہ امام ابوحنیفہ رضہ کے مناقب لکھ رہے تھے۔ کہ ایک شخص اندر آیا۔ اور مناقب امام اعظم رضہ کو دیکھکر چند رسالے اوس نے اپنی جیب سے نکالے جن میں امام اعظم رضہ کی تردید تھی۔ تو امام شعرانی نے کہا۔ کہ تو اس قابل ہوسکتا ہے کہ امام اعظم رضہ جیسے فاضل کی تردید لکھے۔ وہ شخص بولا کہ میں نے یہ تردید امام رازی کی تصنیفات سے اخذ کی ہے۔ پس امام شعرانی رحہ نے غیظ میں آکر فرمایا کہ امام رازی امام صاحب رضہ کے کلام کا مطلب کیا سمجھے۔ اوسکی نسبت امام صاحب کی طرف ایسی ہے جیسے طالب علم اور معلم۔ یا جیسی بادشاہ اور رعیت کا ایک شخص۔ اور یا جیسے آفتاب اور ایک ستارہ۔ اور جسطرح رعیت کے کسی آدمی کو اپنے بادشاہ اور حاکم پر اعتراض درست نہیں جبتک کہ آفتاب کی طرح چمکتی ہوئی دلیل نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح اپنے دین کے امام پر کسی مقلد کو اعتراض حرام ہے۔ تاوقتیکہ اوسکی دلیل ایسا قطعی نص نہو جس میں کوئی تاویل بھی نہ ہوسکے۔ نیز کسی گروہ کی حق تعالےٰ کی جانب سے تائید اور اوسکے مقابل کی توہین حقانیت کی بڑی مضبوط دلیل ہوتی ہے۔ پس اس کے لحاظ سے بھی مقلدین امام ابوحنیفہ رضہ عند اللہ غالب ہیں میزان شعرانی میں علامہ نے لکھا ہے۔ کہ جامع ازہر کے کسی استاد نے علامہ ابن ابی زید حنفی قیروانی کی ہجو کی۔ اور یہ کہا کہ جو رسالہ علامہ حنفی مذکور نے لکھا ہے۔ ایسا تو بچے بھی لکھ سکتے ہیں پس ایک مرتبہ دار العلوم (جامع ازہر) سے نکل رہے تھے۔ کہ ایک سپاہی سے ملاقات ہوئی۔ اور اس نے وہی رسالہ پیش کیا۔ اور یہ کہا کہ ذرا اسے پڑھ دیجیو۔ وہ نہ پڑھ سکے۔ اسپر وہ سپاہی بہت ناراض ہوا۔ اور خوب مارا۔ اور یہ کہا کہ بڑا عمامہ باندھ لیا ہے۔ تا کہ لوگوں کو اپنا فقیہ ہونا ظاہر کرے۔ اور آتا کچھ بھی نہیں۔ تو لوگ کہنے لگے۔ کہ یہ علامہ ابن ابی زید قیروانی حنفی کی برکت ہے +

اور امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میرے طالب علموں میں سے ایک طالب علم امام اعظم ابوحنیفہ رضہ کو بُرا جانتا تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ میں کسی حنفی کا کلام سُننا نہیں چاہتا۔ میں نے ایک روز اوسکو ڈانٹا۔ مگر وہ باز نہ آیا اور میرے پاس سے الگ ہوگیا۔ اتنے میں سُنا کہ وہ کسی بڑے مکان بلند کے زینے سے گر گیا۔ اور اوسکے سرین کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر اوسکو صحت نہ ہوئی۔ اور بہت بُرے حال پر مرگیا۔ اُس حالت میں مجھے اوس نے عیادت کے لئے بُلایا۔ مگر میں احناف کی حرمت کے خیال سے نہ گیا۔ گویا یہ دونوں واقعے احناف کی کرامات سے ہیں۔ جو اونکی حقانیت کے مثبت ہیں +

متعصبین کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ رضہ قیاس کو حدیث رسول اللہ علیہ وسلم پر مقدم رکھتے ہیں۔ دین میں ہیا کی

پر مبنی ہے - اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جو اپنے اقوال میں ورع کو جگہ نہیں دیتا - اوسکو چاہئے کہ حقتعالیٰ کے اس کلام پر نظر ڈالے - کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (ترجمہ) بیشک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے (قیامت کے دن) سوال ہوگا - اس کے علاوہ اور بھی ارشادات خداوندی ہیں جو اسی کے ہم معنی ہیں، جیسا ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید - نیز حدیث نبوی سے شخص مذکور غافل ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم الا حصائد السنتھم لوگونکو اوندھے منہ گرانے والی کوئی چیز نہ ہوگی سوا اونکی زبانوں کی کھیتیوں کے ۱۲

اے وہ لوگو! جو ائمہ پر دروازہ اعتراضات کھول رہے ہو - تم بھی بصیرت رکھتے ہو ذرا تو اوس سے کام لو امام جعفر شیزاماری امام ابو حنیفہ رضہ سے بہ سند متصل روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جھوٹ بولا - اور افترا پردازی کی مجھ پر اوس شخص نے جس نے کہا کہ میں حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتا ہوں - اور باوجود نص کے قیاس کی حاجت ہوتی ہے - پھر فرمایا امام صاحب رضہ نے کہ ہم قیاس بہت سخت ہی ضرورت کے وقت کرتے ہیں - اور وہ اسطرح کہ سب سے پہلے ہم مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ میں تلاش کرتے ہیں - اوس کے بعد حدیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصل کردہ مقدمات ہیں - اگر ان میں بھی دلیل موجود نہ ہو - تو قیاس کرتے ہیں - اوسکے شرائط کے موافق - بلکہ ایک روایت امام صاحب کی یہ بھی ہے کہ پہلے ہم کتاب اللہ میں تلاش کرتے ہیں - پھر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں - پھر مقدمات صحابہؓ میں - پھر اون مسائل میں جو تمام آئمہ کے نزدیک متفق علیہا ہیں - اگر اون میں بھی نہ ہو - یعنی علماء کا اختلاف اوس میں ثابت ہو تو قیاس کرتے ہیں -

اور ایک روایت میں یوں فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے - وہ سر اور آنکھوں پر ہے - اور اوس کی مخالفت ہم کو کسی طرح درست نہیں - اور جو کچھ صحابہ رضہ سے ثابت ہے - اوس میں سے اختیار کر لینگے - اور جو کچھ اون کے سوا سے ثابت ہے تو اوسوقت وہ بھی آدمی ہیں - اور ہم بھی (یہ اسلیے فرمایا - کہ آپ بھی غیر صحابہ یعنے تابعین میں داخل ہیں)

نیز ایک روایت میں ہے کہ ابو مطیع بلخی نے حضرت امام ابو حنیفہ رضہ سے کہا - کہ اگر آپ کی کسی مسئلہ میں ایک رائے ہو - اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علیحدہ - تو کیا آپ اپنی رائے کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مقابلہ میں چھوڑ دینگے - آپ نے فرمایا - ہاں چھوڑ دونگا - پھر انہوں نے کہا - کہ اگر آپ کی رائے کے بالمقابل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہو - تو کیا آپ اون کے مقابلہ میں اپنی رائے کو چھوڑ دینگے - آپ نے فرمایا - ہاں - پھر فرمایا - کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کو بھی اپنی رائے پر ترجیح دیتا ہوں - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو بھی - یہانتک کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کو سوا حضرت ابو ہریرہ اور انس بن مالک اور سمرہ بن جندب کے کہ اون کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم نہیں رکھونگا - اس کی وجہ قوت اجتہادیہ کا اون میں نہ پایا جانا ہے پس عدالت صحابہ رضہ پر کوئی دھبہ نہیں -

ابو مطیع کا بیان ہے کہ ایک دن میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا - کہ حضرت سفیان ثوری اور مقاتل بن حبان اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق وغیرہم امام صاحب رضہ سے اثنائے

گفتگو میں کہنے لگے کہ ہم کو خبر ملی ہے۔ کہ تم دین میں قیاس بہت کرتے ہو۔ اور ہمیں اسوجہ سے آپ کیطرف سے ڈر لگا رہتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا۔ وہ شیطان لعین ہے۔ پس امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اوس روز جمعہ کے دن صبح سے لیکر زوال تک مناظرہ کیا۔ اور اپنے مذہب کے تمام مسائل اونپر پیش کئے اور کہا کہ میں سب سے پہلے مسئلہ کتاب اللہ پر پیش کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے مقدمات پر جو اونہیں سے متفق علیہا ہیں۔ اور اگر مختلف فیہا میں سے ہو تو اوسوقت قیاس کرتا ہوں۔ پس وہ سب حضرات کھڑے ہو گئے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زانو مبارک اور دست مبارک کو بوسہ دیکر کہنے لگے کہ انت سید العلماء فاعف فیما مضی منا من وقیعتك فیك بغیر علم۔ یعنے آپ علماء کے سردار ہیں لہذا ہم سے جو کچھ آپ کے بارہ میں قصور ہوا ہے۔ اوسے معاف کیجیے۔ کیونکہ ہم ناواقف تھے۔ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غفر اللہ لنا ولکم اجمعین +

لوگ کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اکثر احادیث ضعیف ہیں۔ تو اسکے بارہ میں امام شعرانی کا یہ کلام ہے کہ میں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے ادلہ کا پورے طور سے مطالعہ کیا۔ اور احادیث ہدایہ کی تخریج کے لئے جو کتاب علامہ حافظ زیلعی نے لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ جو اور شرح ہدایہ کی ہیں اون سب کا مطالعہ کیا۔ پس میں نے امام صاحب رح اور اون کے اصحاب کی دلیلیں ان اقسام میں منحصر پائیں صحیح اور حسن اور ضعیف جو کثرت طرق کی وجہ سے یا حسن کے ساتھ ملحق ہو گئی یا صحیح کے ساتھ قابل احتجاج ہوتے ہیں۔ اور اونکی مقدار تین یا اوس سے زائد طریقے ہیں۔ اور جمہور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ حدیث ضعیف کے جب طریقے کثیر ہوں۔ تو وہ قابل حجت ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی احادیث سنن بیہقی میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ اوسکی تالیف اقوال آئمہ کے استدلالات کے لئے ہوئی ہے۔ کہ اگر کسیکو اپنے مذہب کے لئے کسی خاص مسئلہ میں کوئی قوی حدیث نہ ملے۔ تو اُن احادیث میں سے اپنے استدلال کے لئے اختیار کرے +

اگر کوئی شبہ کرے کہ اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے استدلالات سب قوی ہوتے۔ اور ضعیف حدیث اون میں کوئی نہ ہوتی۔ تو بعض حفاظ حدیث ادلہ امام صاحب رح کو ضعف کیطرف کیوں منسوب کرتے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ امام صاحب رح کی وفات کے بعد جو بعد کے راویوں نے اوسکو نقل کیا۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کو چھوڑ کر دوسرا سلسلہ پکڑا۔ تو اُن میں سے کوئی راوی ضعیف تھا جس کی وجہ سے حفاظ نے حکم ضعف کا لگایا۔ لیکن اس سے مذہب امام صاحب رح میں کوئی نقص لازم نہیں آتا +

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی حدیث کو ضعیف کہنا اوسوقت صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ جب اوسکا وجود تینوں سندوں میں سے کسی سند میں نہ ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا +

پانچویں بات کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں دینی احتیاط کم ہے۔ سو یہ بھی متعصبین کا قول ہے اسلئے کہ سب جانتے ہیں۔ کلام متکلم کی صفت ہے پس جیسا متکلم ہو گا ویسا ہی کلام۔ اور متقدمین و متاخرین سب کا اتفاق ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ دینی احتیاط اور تقوے اور خوف من اللہ میں ایک نمونہ ہیں کہ افراد امت کو اون سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ لہذا اونکا کوئی کلام ان امور سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور درحقیقت جو لوگ امام صاحب رح کے مذہب میں قلت احتیاط کے قائل ہوئے ہیں۔ اُن کو غلط فہمی ہوئی ہے وہ یہ کہ جسکو انہوں نے قلت احتیاط خیال کیا ہے۔ وہ امت محمدیہ پر تسہیل اور تیسیر ہے جسکا حکم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ (یسروا ولا تعسروا)

رہا یہ خیال لوگوں کا کہ شریعت و طریقت میں تناقض ہے۔ سو تمام فصول و ابواب فقیہ میزان شعرانی کے اسی کا جواب ہیں۔ قارئین کرام پر ظاہر ہے کہ ہر مسئلہ شریعت کا طریقت کے دوش بدوش ہے۔ اور رضائے الٰہی کا مغز انہیں دونوں پوستوں میں پیوست ہے۔ اور کیونکر نہ ہو جبکہ شارع علیہ السلام کو حقتعالےٰ نے دونوں امور کا جامع بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور کسی محقق و مقبول عالم نے ان دونوں کے مابین تفریق نہیں کی۔ مگر اس اعتقاد کو عمل سے مستحکم کرنے کے لئے مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ لہذا میزان شعرانی کا مطالعہ لازم ہوا۔ مگر چونکہ زبان عربی سے ناواقف حضرات اس سے محروم تھے۔ اسلئے زمانہ حال کے معزز اور مخیر اہل اسلام نے اس کا ترجمہ عربی سے اردو میں کرایا۔ اور یہ خدمت بفضلہ تعالےٰ بندہ نے انجام دی۔ چونکہ حقیر بے مایہ و سرمایہ ہے بہت ممکن ہے کہ اس میں اغلاط ہوں۔ بلکہ یقین ہے کہ ہیں اس بنا پر اصحاب علم سے ستر عیوب کی التجا ہے۔ اور نیز درخواست ہے کہ اس امر خیر میں ہر شرکت کرنے والے کو دعا میں یاد فرمائیں۔ والحمد للہ رب العلمین

وانا الافقر الی خالق المخلوقات بندہ محمد حیات

غفرلہ ولاسلافہ سنبھلی من بلاد روہیلکھنڈ

باسمہٖ تعالےٰ

مختصر حالاتِ مصنفِ کتاب علیہ الرحمۃ

نام و نسب و ولادت - آپ کا نام (شیخ) عبدالوہاب امام شعرانی اور آپ کے والد کا نام شیخ احمدؒ ہے جو شہر تلمسان کے شاہی خاندان میں سے ہیں - آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۃ المسلمین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے جا ملتا ہے - اس لحاظ سے شیخ عبدالوہاب رضی اللہ عنہ سید العرب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے اور خاندانِ سیادت کے ایک معزز رکن ہوئے - آپ کا سلسلۂ نسب اسطرح ہے - عبدالوہاب بن احمد بن علی بن محمد بن زوفا بن شیخ موسےٰ بن شاہ احمد بن سلطان سعید بن سلطان قاشین بن سلطان محیا بن سلطان زوفا بن سلطان ریان بن سلطان محمد بن موسےٰ بن سید محمد بن حنفیہ بن امام الکاملین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ٭

شیخ ابو مدین مغربی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ کے دادا سلطان احمد شہر تلمسان کے حکمران تھے - سنہ ۸۹۹ ہجری میں آپ کی ولادت باسعادت کا پتہ لگتا ہے ٭

زمانۂ طفولیت اور تحصیلِ علم - آٹھ سال کی عمر میں جب آپ بلادِ ریف میں مقیم تھے حفظ قرآن شریف سے فراغت پائی - آپ کی سوانح میں یہ بات حیرت انگیز پائی جاتی ہے کہ آپ نے اتنی عمر سے جو نماز پنجگانہ پر مواظبت شروع کی تو تمام عمر تک باستثنا ایک مرتبہ کے جو نسیانی غلطی تھی اور کبھی کسی نماز کو اوس کے وقت سے ٹلنے نہ دیا - اور بہت مرتبہ ایامِ نابالغی میں ایک رکعت کے اندر پورا قرآن شریف پڑھا ٭

سنہ ۹۱۱ (نو سو گیارہ) ہجری میں جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی - تو خدا تعالےٰ نے آپ پر وہ جلیل القدر احسان فرمایا جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کا مصداق ہے - کیونکہ جب آپ کو قید خانہ سے رہائی ہوئی اور آپ کے برادران اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر شہر مصر میں چلے آئے - تو آپ نے شکریۃً یہ الفاظ ادا کئے کہ وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو یعنی اور میرے ساتھ (ایک) اوسوقت احسان فرمایا جو وقت مجھ کو قید سے نکالا - اور دوسرا یہ کہ تمکو باہر سے (یہاں) لے آیا - مطلب یہ ہے کہ باشندگانِ قریہ کو جو دراصل جہالت اور ظلم کی زمین ہے - شہر میں جو پاکیزگی اور علم کا مخزن ہے لے آیا - اس مضمون کی تائید اوس حدیث سے خوب ہوتی ہے جو سیدنا سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے - کہ من سکن البادیۃ جفا (ترجمہ) جو شخص گاؤں میں رہا اوس نے ظلم کیا ٭

تفصیل اس اجمال کی اسطرح ہے کہ صاحب تذکرہ شیخ موصوف - اپنی جائے قیام بلاد ریف سے سنہ مذکورہ میں شہر مصر کو ہجرت فرما گئے - وہاں پہنچکر سید ابوالعباس غمری رضی اللہ عنہ کی جامع میں اقامت اختیار کی -

شیخ موصوف کا اپنا بیان ہے کہ میں شیخ جامع کی اولاد کے ساتھ اس انداز سے رہنے سہنے لگا کہ بادی النظر میں لوگ مجھ کو اونہی کا سچھ خیال کرتے تھے۔ جو وہ کھاتے وہی میں کھاتا۔ جیسا وہ پہنتے ویسا ہی میں پہنتا +

وہاں رہکر شیخ نے متون کتب عربیہ اور ادن کے فنون کو حفظ کیا۔ اس مختصر میں چند کتابوں کے نام شمار کراتا ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے متن ابی شجاع کو حفظ کیا۔ اوسکے بعد آجرومیہ۔ اوسکے بعد کتاب المنہاج مؤلفہ علامہ نووی رح۔ پھر الفیہ بن مالک۔ پھر توضیح مؤلفہ علامہ ابن ہشام۔ پھر جمع الجوامع۔ پھر الفیہ عراقی۔ پھر تلخیص المفتاح۔ پھر شاطبیہ۔ پھر قواعد ابن ہشام وغیرہ۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کتابوں کو ایسا حفظ کر لیا تھا کہ میں اونکے متشابہات کو قرآن شریف کے متشابہات کیطرح جانتا تھا +

پھر شیخ موصوف نے کتاب الروض کو یاد کرنیکا قصد کیا۔ یہ کتاب کتاب الروضہ کا مختصر اور مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ جامع ہے چنانچہ اوسکو باب القضاء علی الغائب تک یاد کرنے پائے تھے کہ کسی صاحب حال سے دوچار ہوا۔ اور اوس نے بطور مکاشفہ کے ان سے فرمایا کہ باب القضاء علی الغائب پر ٹھیر جا اور اس سے آگے نہ جا۔ اور پوشیدہ پر کوئی حکم نہ کر۔ شیخ کا بیان ہے کہ پھر میں اوسکا ایک صفحہ بھی آگے نہ یاد کر سکا۔ لیکن ہاں میں نے اوسکا مطالعہ ضرور کیا۔ اور تقریباً ایک سو مرتبہ اوسکو پڑھایا بھی۔

شیخ کی جامعیت اور خداداد قوت حافظہ کو دیکھکر خدا کے مقرب شیخ احمد بہلول رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ بس جسقدر علم تم نے حاصل کر لیا۔ یہ تمہارے واسطے کافی ہے۔ اب تم کو چاہیئے۔ کہ بحر تصوف سے سیرابی کی کوئی سبیل کرو۔ شیخ نے اپنے بزرگوں سے اس بارہ میں مشورہ لیا۔ تو انہوں نے کہا کہ صوفیہ کے رہگذر میں اوسوقت تک قدم نہ رکھنا کہ جب تک اپنی یاد کردہ تمام متون کی شروح اساتذہ سے نہ پڑھ لو۔ جب تم کو اون میں کامل تجر ہو جائے تو اوس کے بعد دشت تصوف میں قدم زنی مناسب ہے +

شیخ نے اس رائے کو پسند کر کے ایسے شیوخ تلاش کیئے جو علم و عمل میں کامل دستگاہ رکھنے والے تھے۔ شیخ نے اونکی تعداد پچاس بتلائی ہے۔ اور ہر ایک کے فرداً فرداً مناقب اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں بہت تفصیل سے بیان کیئے ہیں۔ اس مختصر میں چند اسماء گرامی معہ اون کتابوں کے جو اون سے پڑھیں درج کیئے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ امین الدین محدث امام جامع غمری رح۔ ان سے شرح المنہاج مؤلفہ جلال الدین محلی پڑھی۔ اور شرح جمع الجوامع مؤلفہ شیخ جلال الدین اور شرح الفیہ عراقی مؤلفہ حافظ جلال الدین سخاوی بعض کا قول ہے کہ یہ کتاب دراصل حافظ ابن حجر کی تالیفات سے ہے۔ لیکن چونکہ اسکا مسودہ علامہ ابن حجر کے ترکہ سے علامہ سخاوی کو ہاتھ لگ گیا اسلیئے انہوں نے اسکا مبیضہ بنا کر شائع کیا یہی وجہ ہوئی کہ تالیف کی نسبت بھی اونہیں کی طرف ہونے لگی + اور الفیہ بن مالک کی دوسری شرح مؤلفہ علامہ ابن عقیل بھی انہی سے پڑھی علیٰ ہذا القیاس شرح التوضیح مؤلفہ شیخ خالد وغیرہ

۲۔ شیخ علامہ شمس الدین دواخلی رضی اللہ عنہ۔ ان سے شرح ارشاد مؤلفہ ابن ابی شریف پڑھی۔ اور شرح البہجۃ الکبیر مؤلفہ علامہ شیخ زکریا۔ اور شرح ارشاد مؤلفہ علامہ جوجری رح وغیرہ

۳۔ شیخ شمس الدین سمانودی مفتی خطیب جامع ازہر۔ ان سے شرح منہاج مؤلفہ محلی نصف ہی پڑھنے پائے تھے۔ کہ انکا انتقال ہوگیا۔

۴۔ علامہ شیخ نورالدین محلی۔ ان سے شرح جمع الجوامع کو پورا کیا۔ اور یہ کتابیں پڑھیں۔ شرح عقائد مؤلفہ

علامہ تفتازانی اور شرح المقاصد۔ اور سراج المعقول مؤلفہ علامہ ابی طاہر قزوینی یہ کتاب علم کلام میں نہایت نفیس ہے۔ اس کے اندر علم کلام کے چالیس بہت مشکل مسائل کا حل ہے۔ ہر مسئلہ کیواسطے ایک باب وضع کیا گیا ہے۔ اور متقدمین ومتاخرین کے اقوال سے مشحون ہے۔ علماء علم کلام میں اس کتاب کے مصنف سب سے زیادہ جامع ہیں۔

۲۔ علامہ شیخ نور الدین جارحی رح۔ مدرس جامع عمری۔ ان سے شرح الفیہ عراقی مؤلفہ مصنف الفیہ پڑھی اور شرح شاطبیہ مؤلفہ علامہ سخاوی (یہ علامہ شاطبی کے داماد ہیں) ہم صرف اسی قدر پر اختصار واکتفا کرتے ہیں ناظرین اگر مفصل دیکھنا چاہیں تو شیخ کی اپنی کتاب (لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق) کا مطالعہ کریں۔ جو مؤلف نے اپنے حالات اور اون انعامات کے اظہار میں لکھی ہے جو خدا تعالے کا شکر اونپر واجب کرتے ہیں

علمی تبحر اور تالیفات احادیث پر نظر غور کرنے سے یہ امر خوب ثابت ہوجاتا ہے کہ تمام علماء میں علم کا یکساں اثر نہیں۔ اور نہ تمام کی قابلیت برابر ہے۔ بلکہ بعض علماء تو ایسے ہیں جو علم کے محافظ اور دوسروں تک نقل کرنے والے اور پہنچانے والے ہیں۔ مثلاً عام محدثین کہ ان حضرات نے رسول کریم علیہ السلام کی احادیث کو محض اپنے حفظ کے خزانہ میں رکھکر دوسروں سے روایت کیا +

اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے حدیثوں کو یاد کیا۔ اون سے احادیث احکام کو امتیاز بخشا اون کے موازنہ اور صداقت کے لئے اصول وقوانین کی ترتیب دی۔ پھر اس معیار پر اون احادیث کو کسا اور احکام قرآنی سے اونکا مقابلہ کیا۔ احکام کے حدود اور ابواب قائم کئے۔ اور ہر حکم کو اوسکے مناسب باب میں درج کیا۔ ان مرتبہ احکام کو فقہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے +

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ منجملہ تمام علوم کے علم فقہ کو زیادہ شرف ہے۔ امام المتاخرین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح مسوی شرح موطا میں لکھتے ہیں۔ کہ ان علم الفقہ اشرف العلوم وانفعہا واوسعہا یعنے تمام علوم میں فقہ اشرف اور نافع تر ہے جسکا نفع تمام علوم سے عام ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ فقہ قرآن اور احادیث کے احکام کے مجموعے کا نام ہو جنکو ائمہ مجتہدین نے اپنی نیک نیتی اور افادۂ عام کے لئے مرتب کیا +

اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ تمام وہ علماء جنہوں نے فقہ کو مہذب اور مرتب کیا۔ ہر آئینہ قابل ستائش اور احسانمندی اور شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ نیز تقریر سابق سے ایسے حضرات کا تفوق علمی دوسرے لوگوں پر اسطرح ہی ظاہر ہوتا ہے جسطرح آفتاب کو ستاروں پر +

بعض علماء وہ بھی ہیں جنہوں نے علم فقہ کو اپنے مقتدا کے ماتحت رہکر تبیین جزئیات اور تفصیل احکام سے موسع کیا۔ کسی نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حلقہ بگوشی کر کے اُن ہی کے ترتیب دادہ اصول کی بنیاد پر جزئیات احکام کی تطبیق دی۔ جیسے علامہ برہان الدین علی مؤلف ہدایہ اور علامہ بن تاج الشریعۃ مؤلف شرح وقایہ۔ اور علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر۔ کسی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دائرہ تقلید میں رہکر امام موصوف کے بیان کردہ قوانین تفقہ کی بنا پر احکام جزئیہ کثیرہ کی توضیح وتذلیل کی جیسے علامہ شیخ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی صاحب فتاوی الکبرے وفتاوی حدیثیہ اور علامہ عبد الرحمن بن محمد بن حسین شافعی مؤلف بغیۃ المسترشدین وغیرہ۔ علی ہذا القیاس باقی ائمہ کے مقلدین +

یہاں پر یہ کہدینا بھی بے ربط نہ ہوگا کہ زمانہ حال کے بعض اہل اسلام کا یہ دعویٰ کرنا کہ علماءِ فقہ اور مقلدین آئمہ میں کوئی قسم ایسی نہیں گذری جو حدیث دانی میں ماہر ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص خود حدیث کا ماہر ہوگا اوسے کسی کی تقلید کرنا کیونکر گوارا ہوگا اونکی علم کی قلت سلوم اور کم فہمی کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ مذہب شافعیہ میں تو اس کے بطلان کے کھلے دلائل موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ اس مذہب میں بڑے بڑے محدث گذر چکے ہیں۔ رہا حنفی مذہب سو اس کے بعض محدثین کے اسماء گرامی اسجگہ درج کرتا ہوں :۔

نمبر (۱) ۔ لیث بن سعد مصری ۔ ابن شہاب زہری جو کہ مدینہ کی مجلس فقہ اور فقہائے سبعہ کے رکن اعلےٰ ہیں۔ جن کے متعلق حضرت شاہ صاحب مصفی میں لکھتے ہیں ۔ (ابن شہاب زہری یکے از فقہائے اسلام و محدثین است ۔ و عمر بن عبد العزیز گفت لا اعلم احداً اعلم بسنة ماضية منه و وے حافظ حدیث است در اسلام) (ترجمہ) یعنی ابن شہاب فقہ اور حدیث میں حجت اور تمام علوم شرعیہ میں نامور ہیں ۔ عمر بن عبد العزیز خلیفہ فرمایا کرتے تھے ۔ کہ ابن زہری سے زیادہ کوئی واقف حدیث نہیں یہ حفاظ محدثین سے ہیں ۔

نمبر ۲ ۔ عبد اللہ بن واقد ابو قتادہ رضہ ۔ امام فن ہیں خصوصاً حفاظ حدیث میں سے ہیں ۔ اور اسحاق بن راہویہ کے کہ جن کے امام ترمذی پیرو ہیں استاد ہیں ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے ۔ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۷ جلد ۶)

نمبر ۳ ۔ خلف بن ایوب رضہ ۔ یہ حضرت ابراہیم ادھم شیخ الصوفیہ ۔ کے خلیفہ ہیں ۔ اور فقیہ العراق انکا خطاب ہے ۔ بڑے محدث ہیں ۔ امام صاحب کے مقلد ہیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۸ جلد ۳)

نمبر ۴ ۔ عبد الغفار بن داؤد یہ آئمہ فن اور فقیہ ہیں ۔ اور امام صاحب کے مقلد ہیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۳۶۶ جلد ۳)

علماء میں ایک اور نوع بھی پائی جاتی ہے ۔ لیکن اوس کے افراد بعد تفتیش معدودے چند نظر آتے ہیں اس نوع کی یہ شان ہے کہ علوم شرعیہ میں غایت تبحر کیوجہ سے جمیع آئمہ مجتہدین کے اصول و فروع پر ایسے حاوی ہیں کہ ہر مسئلہ کو خواہ وہ کسی مذہب کا ہو مذاہب حقہ میں سے حسب قوانین مجتہد اسطرح ثابت کر دیتے ہیں کہ بادی النظر میں خود صاحب مذہب ہونیکا اشتباہ پڑ جاتا ہے ۔ یہ وہ حضرات ہیں جو جمیع آئمہ مجتہدین کی حقانیت اور صداقت کے زبانی اعتراف کو عملی جامہ بھی پہنا دیتے ہیں ۔ یوں تو بہت سے اہل علم ہیں جو کہتے ہیں کہ چاروں امام برحق اور ان کے مستخرجہ مسائل و احکام قابل تسلیم ہیں ۔ لیکن ثابت کرنا انہی حضرات کا خاصہ ہے ۔

علماء کی آخری نوع کے سرغنا اور سرگروہ علامہ امام ربانی عبد الوہاب شعرانی ہیں ۔ آپ اگرچہ شافعی المذہب تھے ۔ لیکن اونکا اپنا بیان ہے کہ میں نے اپنے مذہب کے علاوہ باقی تینوں مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مجھے مذہب شافعی میں تبحر حاصل ہو گیا ۔ تو میں نے ضروری سمجھا کہ اون مسائل سے واقفیت حاصل کروں جنپر چاروں اماموں کا اتفاق ہے ۔ یا کم از کم تین کا ۔ تا کہ اونکے اوامر کا امتثال اور ممنوعات سے اجتناب مجھ کو نصیب ہو ۔ اور حسب طاقت میرا ہر عمل اون کے ارشادات کے موافق ہو ۔ اور میرے کسی فعل میں مخالفت آئمہ کی لازم آئے ۔ (لطائف المنن والاخلاق ب)

کتاب مذکور میں خود مصنف کا بیان ہے :۔

اور منجملہ اون انعامات کے جو خدا تعالے نے مجھ پر کیئے ایک یہ ہے، کہ جب میں آئمہ مجتہدین کے تمام مذاہب میں متبحر ہوگیا۔ تو اون کے تمام مذاہب کی توجیہات اور تقاریر اسطرح کرتا تھا کہ بوقت تقریر میں اون مجتہدین میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی اوسوقت میرے پاس آجاتا۔ تو اگر میں مذہب حنفی کی تقریر کرتا ہوتا۔ تو وہ مجھے حنفی سمجھتا۔ اور اگر مذہب حنبلی کی تقریر کرتا ہوتا، تو حنبلی۔ اور اگر مذہب مالکی کی کرتا تو مالکی سمجھتا۔ حالانکہ میں مقلد امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ہوں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ میں تمام اماموں کے اقوال کے مناشی اور اصول سے پورے طور پر واقف ہوگیا ہوں۔ اور ان کے تمام ادلہ کا میں نے احاطہ کرلیا ہے۔ یہی وجہ ہے جو بعض دریدہ دہنوں نے میری نسبت یہ بہتان باندھا۔ کہ یہ کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہے۔ حالانکہ میں اپنی وسعت معلومات کیوجہ سے ایسا کرتا تھا +

اور اصلی بات یہ ہے۔ کہ جب میں نے ادلہ مذاہب کی کتابیں تالیف کیں۔ تو مجھے ثابت ہوا۔ کہ کوئی مجتہد کسی امر میں سنت رسولؐ سے باہر نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب مشدد اور مخفف کے درمیان درمیان ہیں۔ کیونکہ کسی نے صریح حدیث و قرآن کو لے لیا۔ اور کسی نے اوسکو جو اون دونوں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور کسی نے اوسکو جو اون دونوں سے مستنبط ہوتا ہے۔ اور کسی نے اوسکو جو اون دونوں کے مفہوم سے مستنبط ہوتا ہے۔ اور کسی نے اوس قیاس صحیح کو لے لیا جو اصل صحیح پر مبنی ہو الحاصل تمام مجتہدین کے مذاہب شریعت مطہرہ سے چُنے ہوئے ہیں کہ اون سب کا تانا اور بانا اوسی شریعت سے ہے +

اور تمام آئمہ کے اقوال جمع کرنے میں میں نے ایک میزان قائم کی ہے۔ جو تمام مجتہدین و مقلدین کے اقوال کو شریعت مطہرہ کیطرف لوٹا دیتی ہے۔ میں نے اپنے زمانہ میں کسی کو اوس سے دل بستہ نہ پایا۔ شیخ شہاب الدین شبلی حنفی ایک مرتبہ اوسکو عاریۃً لے گئے۔ چند روز تک مطالعہ کرنے کے بعد میرے پاس لائے اور کہنے لگے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ میں تو اپنے مذہب کے دائرہ سے باہر گفتگو تک نہیں کرسکتا ،،

مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہے۔ کہ شیخ اپنے زمانے کے مجدد اور عدیم النظیر لوگوں میں سے ہیں۔ دسویں صدی کا زمانہ علم اور اہل علم کی جیسی کچھ یادگار ہے۔ اوس سے ناظرین تاریخ خوب واقف ہیں۔ ایسی حالت میں جب کہ بڑے بڑے جید علماء بڑی بڑی درسگاہوں میں درس دے رہے ہوں۔ اور ہر طرف اون کا تبحر شہرۂ آفاق ہو کسی کی جملہ تالیفات کا مقبولیت خاصہ حاصل کرلینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بالخصوص اوس صورت میں کہ اس قسم کی تالیفات میں کسی نے اوس سے سبقت نہ کی ہو۔ اور مقبولیت کی خاص وجہ یہ ہے کہ شیخ اون لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے شریعت کو اپنے علمی تبحر کے بعد مکاشفہ میں ایسا پایا ہے جسطرح ایک بحر ذخار جس سے نہریں اور چھوٹے چھوٹے دریا نکل رہے ہوں +

یوں تو شیخ علیہ الرحمتہ کی تالیفات قریب قریب غیر محدود کے ہیں۔ مگر وہ تالیفات بھی احاطۂ بیان سے باہر ہیں جنکی تالیف میں شیخ غیر مسبوق ہیں۔ یہاں اون میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے :-

نمبر۱۔ البحر المورود فی المواثیق والعہود + نمبر۲۔ کشف الغمۃ عن جمیع الأمۃ (اس کتاب میں چاروں مذہب کے ادلہ جمع کئے ہیں ۱۲) نمبر۳۔ المنہج المبین فی ادلۃ مذاہب المجتہدین (اس کتاب میں باوجود ادلہ مذہب اربعہ کے تمام احادیث استدلالی کی تخریج بھی ہے ۱۲) نمبر۴۔ البدر المنیر فی غریب احادیث البشیر النذیر + نمبر۵۔ مشارق الانوار القدسیۃ فی بیان العہود المحمدیہ (اس کتاب میں احادیث ترغیب وترہیب دونوں کو جمع کیا ہے یہ کتاب دو قسموں ماموارت اور منہیات پر منقسم ہے ۱۲) نمبر۶۔ لواقح الانوار القدسیۃ فی مختصر الفتوحات المکیۃ + نمبر۷ قواعد الصوفیہ + نمبر۸۔ منہاج الوصول الی علم الاصول (اس کتاب کے اندر شرح جمع الجوامع مؤلفہ جلال الدین محلی اور حاشیہ ابن ابی شریف دونوں کو جمع کیا ہے ۱۲)

نمبر۹۔ الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر۔

نمبر۱۰۔ الجواہر المصون فی علوم کتاب اللہ المکنون (اس کتاب کے اندر قرآن شریف کے تین ہزار علوم بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب صوفیائے کرام کی تائید میں ہے

نمبر۱۱۔ طبقات الصوفیہ (اس کے اندر حضرت خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر سنہ ۹۶۰ھ تک کے اون اولوالعزم صوفیائے کرام کے مناقب اور مآثر ہیں کہ جنکا کچھ کلام خواہ شریعت کا یا طریقت کا شیخ کو محفوظ تھا +)

نمبر۱۲۔ مفحم الاکباد فی بیان مواد الاجتہاد۔

نمبر۱۳۔ لواقح الخذلان علی کل من لم یعمل بالقرآن۔

نمبر۱۴۔ حد الحسام علی من اوجب العمل بالالہام۔

نمبر۱۵۔ کتاب التتبع والفحص علی حکم الالہام اذا خالف النص

نمبر۱۶۔ البروق الخواطف لبصر من عمل بالہواتف۔

نمبر۱۷۔ کشف الحجاب والران عن وجہ اسئلۃ الجان (اس کتاب میں کچھ زائد ستر سوالوں کے جواب ہیں جو توحید کے بارہ میں شیخ رح سے جنات نے دریافت کئے تھے ۱۲)

نمبر۱۸۔ فرائد القلائد فی علم العقائد (اس کتاب کے اندر شیخ نے تمام اون علوم و اسرار کو جمع کیا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مرشد شیخ علی خواص سے سنے ۱۲)

نمبر۱۹۔ الجواہر والدرر

نمبر۲۰۔ الکبریت الاحمر فی بیان علوم الکشف الاکبر۔

نمبر۲۱۔ کتاب الاقتباس فی علم القیاس

نمبر۲۲۔ تنبیہ المفترین فی القرآن العاشر علی ما خالفوا فیہ سلفہم الطاہر۔

نمبر۲۳۔ میزان الکبریٰ وغیرہ ۱۲

شیخ کی جملہ تالیفات علماء مذاہب اربعہ کے نزدیک مقبول تھیں کہ کسیکو کسی تالیف میں کلام نہ تھا۔ ہر کتاب پر علمائے زمانہ کی پُرزور تقریظات موجود ہیں جن کا اس جگہ بیان کرنا مخل اختصار ہے۔ اِس مقام پر صرف اون علمائے عصر کے اسماءِ گرامی شمار کرائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے تقاریظ لکھی ہیں:۔

اسمائے گرامی	نام کتاب جسپر تقریظ لکھی
(۱) شیخ شہاب الدین رملی شافعی	کشف الغمہ عن جمیع الائمہ
(۲) شیخ الاسلام نورالدین طرابلسی حنفی رح	ایضاً
(۳) شیخ شہاب الدین شبلی حنفی رح	ایضاً
(۴) شیخ ناصرالدین طبلاوی شافعی رح	ایضاً
(۵) شیخ ناصرالدین لقانی رح	ایضاً
(۶) شیخ الاسلام فتوحی حنبلی رح	ایضاً
(۷) شیخ عبدالقادر مالکی شاذلی رح	ایضاً
(۸) شیخ شہاب الدین عمیرہ شافعی رح	ایضاً
(۹) شیخ شہاب الدین رملی شافعی رح	المنہج المبین فی بیان ادلۃ المجتہدین
(۱۰) شیخ ناصرالدین طبلاوی رح	ایضاً
(۱۱) شیخ شہاب الدین بہوتی حنبلی رح	ایضاً
(۱۲) شیخ شمس الدین برہمتوشی حنفی رح	ایضاً
(۱۳) شیخ ناصرالدین لقانی مالکی رح	ایضاً
(۱۴) شیخ الاسلام فتوحی حنبلی رح	کتاب العہود
(۱۵) شیخ ناصرالدین لقانی مالکی رح	ایضاً
(۱۶) شیخ شہاب الدین شبلی حنفی رح	ایضاً
(۱۷) شیخ ناصرالدین لقانی مالکی رح	الجواہر المصون
(۱۸) شیخ الاسلام فتوحی حنبلی رح	ایضاً
(۱۹) شیخ شہاب الدین شلبی حنفی رح	ایضاً
(۲۰) شیخ ناصرالدین طبلاوی رح	ایضاً
(۲۱) شیخ عبدالقادر شاذلی مالکی رح	ایضاً
(۲۲) شیخ الاسلام فتوحی حنبلی رح	الجواہر والدرر

مجاہدات

علم وہی قابل تحسین ہے جس کے ساتھ خوف خدا اور نفسانی ہوا وہوس سے اجتناب بھی ہو۔ کیونکہ علم دراصل واسطہ اور ذریعہ اور مقصد اسی حق تعالے کی معرفت اور عبودیت میں کمال حاصل کرنا ہے۔ جو علم اسکے بغیر ہے وہ بجائے نافع ہونے کے مضر اور وبال جان ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس علم سے پناہ مانگی ہے جس سے نفع نہ حاصل ہو۔ شیخ کا بیان ہے کہ یہ شیخ کو حق تعالے کیطرف سے الہام ہوا کہ تم بغیر پیر کے مجاہدہ نفسی کرو۔ الہام اوسوقت ہوا جب میں علوم میں متبحر ہوگیا لیکن اپنے علم کے موافق عمل نہ کرسکتا تھا۔ سلف صالحین صفائی قلوب کی وجہ سے اپنے علم پر عمل کرنے میں شیخ اور پیر کے محتاج نہ تھے۔ لیکن

زمانہ موجودہ میں چونکہ موانع عمل کثیر ہو گئے ہیں۔ اِسلئے بعض علمائے شریعت نے ارشاد طریقت کے لئے کسی شیخ کی حلقہ بگوشی کو واجب کہا ہے۔ اور یہ کہ جو شخص اپنے شہر میں کسی کو قابل مرشد نہ پاوے تو اوس پر اس غرض سے سفر کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص سفر کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اوس پر واجب ہے کہ وہ بغیر مرشد کے مجاہدہ کرے۔ حق تعالے کا ارشاد ہے فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ (ترجمہ) اگر نہ پہونچے اوسکو بارش تو شبنم ہی کافی ہے۔

شیخ رح فرماتے ہیں کہ میری بغیر شیخ کے مجاہدہ کرنے کی صورت یہ ہوئی کہ میں صوفیاء کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ جسطرح رسالہ قشیری اور عوارف المعارف وغیرہ۔ اور اپنی سمجھ کے موافق عمل کرتا تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد مجھکو اُس کے خلاف ثابت ہوا جو میں نے اپنے ذہن میں سوچ رکھا تھا۔ اوسوقت میری حیرانی کی مثال اوس شخص کی سی ہوگئی کہ وہ کسی کوچہ میں گھسا چلا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ یہ کوچہ نافذہ بھی ہے یا نہیں؟ اگر تقدیر سے نافذہ نکلا۔ تو خیر ورنہ واپس آنا پڑیگا۔

منجملہ اون مجاہدات کے جو شیخ نے بغیر مرشد کے کئے ایک یہ ہے کہ خلوت میں آپ چھت کے اندر ایک رسی باندہ دیتے تھے۔ اور اوسے اپنی گردن میں باندھکر بیٹھ جاتے تھے۔ اور بعد نماز عشاء سے صبح تک اسی حالت میں رہتے تھے۔ یہ مجاہدہ آپ نے برسوں تک کیا۔

شیخ رح کا گذر توکل اور قناعت پر تھا۔ وقت بلوغ سے اخیر عمر تک نہ کسی حرفہ کی کوشش کی۔ نہ کہیں سے کوئی وظیفہ مقرر تھا۔ لیکن حق تعالے غیب سے رزق پہونچاتا تھا۔ متمول لوگ بعض اوقات ایک ایک ہزار دینار پیش کرتے تھے۔ لیکن آپ اوسمیں سے ایک حبہ نہیں لیتے تھے۔ سوداگر لوگ آپکے پاس چاندی سونے کا ڈھیر لگا دیتے تھے۔ مگر آپ اوسکو جامع غزی کے صحن میں بکھیر دیتے تھے۔ جو لوگ وہاں لگے رہتے تھے وہ لوٹ لیتے تھے۔

مدت تک آپ نے لذیذ طعام نہیں کھایا۔ اور دو سال تک بجائے کپڑے کے پتوں وغیرہ سے بدن کو چھپائے رکھا۔

دنیادار لوگوں سے آپ کو نفرت تھی۔ اِسلئے وہ لوگ بھی آپ سے دور رہتے تھے۔ موصوف آوارہ مساجد اور ٹوٹے پھوٹے کھنڈر مکانات میں مدت تک مقیم رہے۔

شیخ رح تین تین روز تک بھوکے رہکر صرف ایک اوقیہ روٹی سے افطار کرتے تھے۔ پھر تو شیخ کی یہ حالت تھی۔ کہ جب جامع غزی کے باشندے سب سو جاتے تھے تو مسجد کے صحن میں جو بلند محل تھا۔ اوسپر ہوا کے ذریعہ پہونچ جاتے تھے۔ اور روحانیت کی قوت اور بشریت کا ضعف اسقدر ہو گیا تھا کہ جب وہاں سے نیچے اوترتے تھے۔ تو سیڑھیوں سے بمشکل اُترا جاتا تھا۔ کیونکہ غلبہ روحانیت عالم روحانیت کیطرف چڑھنا چاہتا ہے اور ثقل کثرت شہوات سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ذکر کیوقت اپنے سر کو حرکت دیتا ہے۔ کیونکہ جب روح اپنے پروردگار کا کلام سنتی ہے تو وہ اس کے دربار سے قریب ہونے کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ اسی مطلب کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔ شعر

حننت الی الاوطان شبہ الرکائب ــــ ولما بدا لکون الغریب لناظری

آپ کے خوارق و کرامات :- شیخ رح اپنے زمانہ کے مشہور آئمہ عارفین میں سے ہیں۔ آپ کے کرامات

کا احصاء ناممکن ہے۔ عصر کا مشہور فاضل علامہ شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی اپنی کتاب (جامع کرامات الاولیاء) میں امام شعرانی کی کرامات کے بیان کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ ومناقب سیدی عبد الوهاب الشعرانی وکراماته لا یمکن حصرها (ترجمہ) اور سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے محاسن اور اونکی کرامات کا حصر ناممکن ہے۔

شیخ کا بیان ہے کہ منجملہ احسانات خداوندی کے ایک احسان مجھ پر یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے مجھ سے پردہ کو دور کر دیا ہے۔ یہانتک کہ میں نماز مغرب سے لیکر طلوع فجر تک جمادات اور حیوانات کی تسبیح سنتا رہتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ صالح سیدی امین الدین" امام عمری جامع عمری کے پیچھے نماز مغرب کی تحریمہ باندھی۔ فوراً میرا حجاب دور ہوگیا۔ اور میں ستونوں اور دیواروں اور بوریوں اور فرشوں کی تسبیح سننے لگا۔ پھر مصر کے اطراف میں جو بھی بولتا اس کی آواز آنے لگی۔ یہانتک کہ مصر کے دیہات سے اور روئے زمین کی تمام ولایتوں سے بلکہ بحر محیط سے آواز آنے لگی۔ اور مچھلی تک کی تسبیح میں سننے لگا۔ بحر محیط کی مچھلیاں جو کچھ تسبیح خوانی کرتی تھیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ سبحان الملك الخلاق رب الجمادات والحیوانات والنباتات والارزاق سبحان من لا ینسی قوت احد من خلقه ولا یقطع بره عمن عصاه (ترجمہ) (پاک ہے بادشاہ جو پیدا کرنے والا ہے تمام مخلوقات جمادات اور حیوانات اور نباتات کا پروردگار اور رزق رساں ہے پاک ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق میں سے کسی کی روزی کو نہیں بھولتا۔ اور اپنی بھلائی اپنے نافرمان سے نہیں قطع کرتا۔) پھر حق تعالےٰ نے طلوع فجر کے وقت مجھ پر رحم فرمایا۔ کہ جب مجھے دہشت اور خوف طاری ہوا تو اوس تسبیح کے سماع کو مجھ سے دور فرما دیا۔

اور شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ میں تمام روئے زمین کا اپنی قلبی حرکت سے تقریباً تین منٹ میں طواف کر لیتا تھا۔ اور اوسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ میں اپنی چھوٹی انگلی سے تمام شہروں اور دیہات اور جنگلوں اور دریاؤں کیطرف اشارہ کرتا تھا۔ اور میں کہتا تھا۔ اللہ! اللہ! اللہ! یہ کہکر پھر میں پُرانے مصر سے ابتدا کرتا تھا اوس کے بعد قاہرہ پہونچتا تھا۔ اوس کے بعد قاہرہ کے دیہات میں۔ یہانتک کہ شہر غزہ تک پہنچ جاتا تھا پھر بیت المقدس اور اور ملک شام میں جاتا۔ پھر شہر حلب پھر بلاد عجم پھر بلاد ترک پھر بلاد روم میں۔ پھر بحر محیط سے بلاد مغرب اور اون کے ایک ایک شہر میں پھرتا۔ یہانتک کہ میں اسکندریہ میں پہونچتا۔ اور وہاں سے مڑکر دمیاط جاتا۔ اور وہاں سے اقصی صعید میں اور وہاں سے اقصی بلاد عبید میں۔ وہاں سے بلاد اجراج میں جو میرے جد خامس احمد سلطان کے تحت حکومت تھے۔ پھر وہاں سے بلاد تکرور اور بلاد سکوت میں جاتا۔ اور وہاں سے بلاد نجاشی اور وہاں سے بلاد حبشہ میں۔ وہاں سے بلاد ہند میں۔ پھر بلاد سندھ میں۔ پھر بلاد چین میں۔ پھر بلاد یمن کیطرف واپس آکر مکہ معظمہ جاتا تھا۔ پھر باب معلات سے نکلکر بدر پہونچتا۔ پھر صفرا۔ پہونچکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں پہونچتا۔ اور باب نور پر کھڑا ہوکر اجازت طلب کرتا۔ پھر داخل ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ جاتا۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صاحبین پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا۔ اور پھر ساکنانِ بقیع کی زیارت کرکے یہ پڑھتا۔ کہ سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العٰلمین ط اور پھر جب اپنے گھر مصر تک پہونچتا تو ماندہ ہوجانے کی وجہ سے ہانپنے لگتا۔ گویا کہ میں کسی بہت بڑے

پہاڑ کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے روئے زمین کا ایسا طواف کسی اور کو نصیب ہوا ہو
ایک مرتبہ جنات نے میرے پاس پچھتر سوالات دربارہ توحید بھیجے۔ اور یہ کہا کہ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات سے ہمارے علماء عاجز ہو چکے ہیں۔ اور وہ مان چکے ہیں کہ ان سوالات کا حل صرف علماء انسان ہی کر سکتے ہیں۔ میں نے انکے جوابات میں تقریباً پانچ جز لکھے۔ جسکا نام "کشف الحجاب والران عن وجہ اسئلۃ الجان" ہے

شیخ کا بیان ہے کہ میں آدمی کی صرف آواز سنتے ہی اوسکا شریف یا رذیل ہونا جان لیتا ہوں۔ خواہ وہ شخص میری نظر سے غائب ہی ہو۔ اسی طرح کلام نبوی میں اگر کوئی اور اپنا کلام ملا دے تو میں جدا کر سکتا ہوں۔ کہ یہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ غیر کا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر تحریر کے حروف کو بتلا سکتا ہوں کہ یہ حق ہیں اور یہ غیر حق۔ اسی طرح خدا کا بہت بڑا احسان مجھ پر ایک یہ ہے کہ میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹی گواہی دے رہا ہے۔ اور یہ چیزیں پچھپر سنہ ۹۵۰ھ سے جب میں نے قلبی توجہ کو حق تعالے کی طرف منعطف کر دیا۔ تو مجھ سے یہ تمام امور محجوب کر دیئے گئے۔

اور شیخ ابو الصالح بلیجی شافعی ہاشمی نے اپنی کتاب "تذکرۃ اولی الالباب" کے مقام مناقب سیدی عبدالوہاب میں نہایت عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ جو شیخ موصوف کو شیخ الاسلام ناصر الدین لقانی کے ساتھ پیش آیا۔ اور وہ یہ ہے کہ شیخ کے بعض حاسدوں نے شیخ ناصر الدین سے شیخ کی جھوٹی شکایات پہونچائیں۔ اور یہ کہا کہ شیخ عبدالوہاب اجنبی عورتوں سے خلط رکھتے ہیں۔ شیخ ناصر الدین نے اونکی تصدیق کی۔ اور شیخ عبدالوہاب کو برا بھلا کہا۔ اور اون سے بدظن ہو گئے۔ اسکی اطلاع شیخ عبدالوہاب کو پہنچی۔ تو آپ شیخ ناصر الدین کے پاس پہونچکر فرمانے لگے کہ مجھے کتاب مدونہ کی ضرورت ہے۔ لہذا عاریۃً عنایت فرما دیجئے۔ شیخ ناصر الدین نے جواب دیا کہ شاید معاصی اور حرکات شنیعہ سے رجوع کر کے راہ راست پر آنا چاہتے ہو۔ تو شیخ عبدالوہاب نے جواب دیا کہ انشاء اللہ یوں ہی ہوگا۔ اوس کے بعد شیخ ناصر الدین نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کتب خانہ سے کتاب مدونہ لاکر عبدالوہاب کے مکان پر پہنچا دو۔ جب خادم مکان پر پہونچا کر واپس آنے لگا۔ تو شیخ نے اوس سے فرمایا کہ آج رات یہاں ہی گذارو کل صبح چلے جانا۔ اوس نے منظور کیا۔ جب تہائی رات خادم کو شیخ کے پاس بیٹھے ہوئے گذر گئی۔ تو شیخ صرف پندرہ منٹ تنہائی میں رہکر واپس آگئے۔ اس اثنا میں چونکہ خادم کو نیند آگئی تھی اسلئے اوسکو جگایا۔ اور یہ فرمایا کہ جاگ۔ کیونکہ حق تعالے کی سواری موجود ہے۔ اوسکو فوت ہونے سے پہلے پالو۔ خادم متنبہ ہو کر وضو کر کے تہجد پڑھنے لگا۔ پھر صبح کی نماز با جماعت پڑھکر دن چڑھنے تک اپنے وظیفے وظائف پڑھتے رہے۔ اوس سے فارغ ہو کر خادم کو کتاب دی۔ اور کہا کہ شیخ ناصر الدین کا شکریہ ادا کرنا۔ یہ سنکر خادم دل میں رنجیدہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اس کتاب کو ایک ہی شب کے لئے لانے میں کیا فائدہ ہوا۔ اور شیخ کی کارروائی سے وہ بالکل ناواقف تھا۔ جب خادم مدونہ کو شیخ ناصر الدین کے پاس لے گیا۔ تو انہوں نے بھی نکتہ چینی کی۔ کہ صرف ایک رات کتاب لے جانے میں کیا غرض تھی۔ تھوڑی دیر میں کسی نے شیخ ناصر الدین سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ تو اوس میں اونکو کچھ توقف ہوا۔ فوراً فرمایا کہ کتاب مدونہ لاؤ۔ جب اوسکا ایک جزو کھولا تو اوس میں اول سے آخر تک شیخ عبدالوہاب شعرانی کا کشیدہ خط دیکھا۔ پھر شیخ ناصر الدین نے مدونہ کے تمام اجزاء کو منگوا کر دیکھا۔ تو اون سب میں بھی اوسی طرح خط پایا جس سے یہ سمجھا گیا کہ شیخ عبدالوہاب نے اس تھوڑی سی مدت میں تمام کتاب کا مطالعہ کر لیا۔ جب شیخ نے اپنے خادم سے کہا کہ شیخ عبدالوہاب نے اس کتاب میں کیا کرامت کر دی کہ تمام کتاب کا مطالعہ کر لیا۔ خادم نے جواب میں کہا کہ یاسیدی شیخ عبدالوہاب تمام شب میں صرف پندرہ

منت کے لئے مجھ سے ضرور غائب ہوئے ہیں۔ ورنہ برابر میرے سامنے اپنے ورد و وظائف اور تہجد میں مشغول رہے۔ یہ سُنکر شیخ ناصر الدین حیران ہوگئے۔ اور برہنہ سر برہنہ پا شیخ عبد الوہاب رح کے پاس حاضر ہوکر خدا تعالےٰ سے توبہ کی۔ اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ میں خدا تعالےٰ سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی صوفیہ کے کسی گروہ پر اعتراض نہ کرونگا۔ پھر شیخ عبد الوہاب رحمتہ اللہ علیہ نے اون سے کہا۔ کہ میرا مطلب آپ کو اس مختصر سے مطلع کرنا تھا۔ جتنے پر خط کشیدہ ہے۔ کہ مدونہ کتاب چونکہ طویل بہت ہے اسلئے اوسکو مختصر کیا جائے۔ اور صرف اتنا مضمون باقی رکھا جائے۔ جسپر خطوط کشیدہ ہیں۔ تو اگر یہ اختصار صحیح ہو۔ تو اللہ تعالےٰ کا فضل اور اوسکی برکت ہے۔ ورنہ میں اس خط کو پانی سے مٹا دونگا۔ شیخ ناصر الدین نے اوسکی مدح کی۔ اور مختصر کے لئے تقریظ لکھی۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کتبہ فقیر حقیر ابو سعید محمد حیات غفرلہ

سنبھلی

ترجمۂ میزان شعرانی :-

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سب تعریف اوس خدا کے واسطے ہے جس نے شریعت مطہرہ کو ایک ایسا چشمہ بنایا جس سے تمام علوم مفیدہ کے دریا اور نہریں پھوٹتی ہیں - اور اوسکی گولیں دلوں کی زمین پر اس طرح بہائیں - کہ جسطرح نزدیک رہنے والا قلب اون سے سیراب ہوسکتا ہے - اسی طرح دور باش دل بھی علماء شریعت کی تقلید کرکے اون سے سیرابی حاصل کرسکتا ہے - اور جس نے اپنے مخصوص بندوں میں سے جسپر چاہا چشمۂ شریعت اور تمام اون احادیث و آثار سے آگاہ کرنے کا احسان فرمایا - جو بلاد و امصار میں شایع ہیں - اور بطور کشف اوسے شریعت کے اوس پہلے دہانے سے آگاہی بخشی جس سے ہر دور اور ہر زمانہ کے اقوال متفرع ہیں پس جب اوس نے کشف اور معاینہ دونوں طریقوں سے تمام اقوال کا چشمۂ شریعت سے متصل ہونا دیکھ لیا - تو وہ مجتہدین و مقلدین کے تمام اقوال برحق ہونیکا معترف بنگیا! اور اوسی تمام مجتہد ونکو شریعت کے بڑے چشمہ سے آبگیری کرنے میں باہم شریک بنایا - اگرچہ خود اون مجتہدوں سے نظر بصیرت میں قاصر اور زمانہ کے لحاظ سے مؤخر ہو - کیونکہ شریعت بڑے درخت پھیلے ہوئے کی مثل ہے - اور علماء کے اقوال شاخیں اور ٹہنیاں ہیں - اور شاخ بغیر جڑھ اور پھل بغیر ٹہنی کے موجود نہیں ہوسکتا جسطرح مکانوں اور عمارتوں کا وجود دیواروں کے بغیر نہیں ہوسکتا -

اور اہل کشف کا اسپر اجماع ہے کہ جس شخص نے علماء شریعت کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو بھی شریعت سے خارج کیا - تو یہ اسکے مرتبۂ معرفت میں قاصر رہنے کی دلیل ہے - کیونکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی اُمت کے علماء کو شریعت کا امین قرار دیا ہے - فرماتے ہیں - العلماء اُمناء الرسل مالم یخالطوا السلطان (ترجمہ) علماء رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک بادشاہ سے خلط ملط نہ کرلیں - اور یہ امر محال ہے کہ معصوم اپنی شریعت کا خائن کو امین بنائے +

اور اسپر بھی اجماع ہے کہ کوئی شخص عالم اوسوقت تک نہیں کہا جاسکتا - جب تک اقوال علماء کے ماخذوں سے بحث نہ کرنے لگے - اور یہ نہ جان لے - کہ اونہوں نے کتاب و سنت کے کونسے مقام سے اپنے اپنے اقوال کو اخذ کیا ہے - اوس شخص کو عالم نہیں کہہ سکتے بجواز راہِ جہالت ان اقوال کو رد کردے +

اور بیشک جو شخص علماءِ شریعت کے کسی قول کو رد اور خارج از شریعت کرتا ہے۔ تو گویا وہ اپنا جاہل ہونا پکار کر بتلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ کہ الا اشهد وانی جاهل خبردار جان لو۔ کہ بیشک میں جاہل ہوں۔ یعنے میں نہیں جانتا۔ کہ فلاں قول کی دلیل کا کتاب وسنت میں کونسا مقام ہے۔ برخلاف اوسکے جو اون کے اور اون کے مقلدوں کے اقوال کو قبول کرلے۔ اور اونپر دلائل وبراہین قائم کرلے +

اور اس درجہ کا شخص علماءِ شریعت کے اقوال میں سے صرف اوسی قول کو رد کرتا ہے۔ جو نص یا اجماع کے خلاف ہو۔ اور شاید کسی زمانہ میں اوسے ایسا قول علماء میں سے کسی کے کلام میں نہ ملیگا۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا کہ اوسکو کسی مسئلہ کی دلیل معلوم نہ ہوسکیگی۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ کوئی قول صریح حدیث یا قرآن کے خلاف پاسکے۔ اور اگر کوئی اس میں ہماری مخالفت کرے۔ تو ہمارے پاس اون کے اقوال میں سے ایک قول بھی ایسا لائے۔ جو شریعت سے خارج ہو۔ پھر ہم لانے والے پر بہت واضح دلیل اور برہان سے ایسا رد کریں جیسا قواعد شریعت کے مخالف کا کرتے ہیں +

اوس کے بعد اگر وہ شخص منجملہ اون لوگوں کے ہے جو ائمہ کی تقلید صحیح کہتے ہیں۔ تو وہ اس بارہ میں اونکا مقلد نہیں ہے۔ بلکہ اپنی خواہش اور شیطان کا مقلد ہے۔ اسلئے کہ تمام اماموں کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اون میں سے کوئی کچھ بات نہیں کہتا۔ مگر اوسکی دلیل پہلے سے دیکھ لیتا ہے +

اور ہم اپنے کلام میں جہاں مقلد کا لفظ لاوینگے۔ اوس سے ہماری مراد وہ شخص ہوگا جسکا کلام اوسکے امام کے اصول میں سے کسی اصل کے تحت میں مندرج ہو۔ ورنہ اوسکا دعوے تقلید دروغ اور بہتان ہے

اور اقوال علماء میں سے کوئی قول جہانتک ہمارا علم ہے شریعت کے قوانین سے خارج نہیں۔ ہاں صرف اتنا ہے کہ اون کے تمام اقوال میں سے کوئی قریب ہے کوئی اقرب کوئی بعید ہے کوئی ابعد۔ یہ تفاوت ہر انسان کے مرتبہ اور نور شریعت کی شعاع کے لحاظ سے ہے۔ جو تمام کو شامل اور عام ہے۔ اگرچہ مرتبہ اسلام اور ایمان اور احسان کے اعتبار سے باہم مختلف ہیں +

میں خدا کی تعریف کرتا ہوں۔ اوس شخص کی سی تعریف جو شریعت کے سرچشمہ سے منہ لگا کر پانی پینے سے سیراب ہوا ہو۔ اور اوسی سے اپنے جسم وقلب کو سیراب کیا ہو۔ اور اوسے تازگی بخشی ہو۔ اور جان چکا ہو۔ کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایسی وسیع اور جامع شریعت ہے۔ جو مقام اسلام وایمان واحسان سب کو شامل ہے۔ اور اوس میں کسی فرد مسلم پر تنگی نہیں ہے۔ اور جو شخص اوسکے ہونے کا مدعی ہے۔ اوسکا دعویٰ سخن سازی اور بہتان ہے۔ اِسلئے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (ترجمہ) اور نہیں کی خدا تعالےٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی ؛ اور جو دین میں تنگی کا مدعی ہوا اوسنے صریح قرآن کریم کی مخالفت کی +

اور میں شکر ادا کرتا ہوں خدا کا شکر اوس شخص کا سا جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے کامل ہونے کو جان چکا ہو۔ اور اوسی امر ونہی ترغیب وترہیب پر ٹھیر گیا ہو جو اوسکو ظاہر ہوئیں۔ اور اون میں اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھایا۔ مگر یہ کہ اوس کے واسطے کوئی دلیل شہادت دیتی ہو۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے اشیاء سے سکوت نہیں فرمایا۔ مگر امت پر رحمت کی غرض سے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ بھول گئے ہوں +

اور میں اوسی کیطرف سپرد کرتا ہوں سپرد کرنا اوسکا سا جسے خدا تعالےٰ نے تمام ائمہ اور اون کے مقلدوں کے ساتھ حسن ظن کو نصیب فرمایا ہو۔ اور اون کے تمام اقوال کے لئے دلائل اور براہین قایم کرتا ہو یا بطریق نظر و استدلال یا بطور تسلیم و ایمان یا بطریق کشف و معاینہ۔ اور ہر مسلمان کے لئے ان طریقوں میں سے ایک طریقہ لازم ہے تاکہ اوسکا قلبی اعتقاد زبانی اقرار کے مطابق ہو جائے کہ تمام آئمہ مسلمین اپنے پروردگار کی طرف سے ہدائیت پر ہیں۔ اور جس شخص کی رسائی اس عقیدہ تک بطور کشف اور معائینہ کے نہ ہو سکے تو اوسپر واجب ہے کہ بطور تسلیم و ایمان ہی کے اس عقیدہ کو پیدا کرے۔ اور جس طرح ہمیں اون امور میں طعن و تشنیع جائز نہیں جنہیں انبیاء علیہم السلام لائے۔ حالانکہ اون کی شریعتیں مختلف ہیں۔ اسی طرح اون میں بھی طعن روا نہیں جنکو ائمہ مجتہدین نے بطور اجتہاد کے مستنبط کیا ہے ❊

اور یہ بات تمکو اس سے خوب واضح ہو جائیگی۔ کہ پہلے تم یہ جان لو۔ کہ شریعت بلحاظ امر و نہی کے دو مرتبوں تخفیف و تشدید پر وارد ہوئی ہے نہ ایک مرتبہ پر۔ جیساکہ اُس کی توضیح میزان میں آجائیگی۔ کیونکہ تمام مکلف دو قسموں سے خارج نہیں کہ ایمان اور جسم کے اعتبار سے ہر زمانہ میں یا قوی ہونگے یا ضعیف۔ پس جو قوی ہیں وہ تشدید اور عزیمتوں پر عمل کرنے کے مخاطب ہیں اور اوسوقت (یعنی اپنے اپنے خطاب پر عمل کرنے کے وقت) دونوں قسمیں اپنے پروردگار کی طرف سے شریعت اور ہدائیت پر ہونگی (نہ گمراہی پر) لہذا قوی کو رخصت پر اُتر آنے کا حکم نہ کیا جائیگا۔ اور نہ ضعیف کو عزیمت پر عمل کرنے کی تکلیف دیجائیگی ❊

اور ہر وہ شخص کہ اس میزان پر عمل کریگا۔ وہ تمام ادلہ شریعت اور اقوال علماء کے اختلاف کو اُٹھا دیگا۔ اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ دو طائفوں کے مابین جو حقیقی اختلاف ہوتا ہے وہ جُدا جُدا محل نکالدینے سے مرتفع نہیں ہوتا۔ اس شخص پر محمول ہے جو اس کتاب کے قواعد سے واقف نہیں۔ کیونکہ ایسا اختلاف جو اقوال آئمہ شریعت سے مرتفع نہ ہو سکے۔ مؤلف کتاب کے نزدیک مستحیل الوجود ہے۔ پس جو کچھ میں نے کہا اوسکو ہر حدیث اور اوس کے مقابل میں اور ہر قول اور اُس کے مقابلہ میں آزما لو۔ ضرور ان میں سے ایک کو مشدد اور دوسرے کو مخفف پاؤ گے۔ اور اعمال کی بجا آوری کے وقت ہر قسم کیلئے جداگانہ لوگ ہیں (جو اسپر عمل کرینگے) اور یہ محال ہے کہ ایک ہی حکم میں دو قول ایسے ملیں کہ دونوں مخفف ہی ہوں یا مشدد۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ میں تین قول یا زیادہ ہوتے ہیں یا ایک ہی قول مفصل ہوتا ہے۔ پس حاذق آدمی ہر قول کو اس کے مناسب حسب امکان تخفیف و تشدید کیطرف لوٹا دیتا ہے ❊

اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ دونوں حدیثوں یا دونوں قولوں پر عمل کرنا۔ اون میں سے ایک کو غیر معمول بہ قرار دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ کمال ایمان کی نشانی ہے۔ اور ہمیں خدا تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ہم دین کو قائم رکھیں۔ اور اس کے اندر اختلاف اور تفرقہ نہ ڈالیں تاکہ اوس کے ارکان (ستونوں) کے گرنے سے حفاظت رہے ❊

پس تمام تعریف اوس خدا کو ہے جس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہم سے دین کو قائم کرایا۔ نہ ضائع کرایا کیونکہ ہم کو ان مضامین پر عمل کرنے کا الہام فرمایا جو اس میزان میں ہیں ❊

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اوس ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔ نہ اوس کا کوئی شریک ہے

ایسا گواہی دینا جو قایل کو جنت کے بالاخانوں میں ٹھکانا دلوائیگا ✦

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور مولی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوس کے بندے اور رسول ہیں جنکو اوس نے اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور جنکو ایسی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے جو نرم ہے۔ اور جنکی اُمت کے اجماع کو وجوب عمل میں حدیث وقرآن کے ساتھ لاحق فرمایا ہے ✦

آے اللہ درود وسلام نازل فرما۔ اون پر اور تمام انبیاء اور رسولوں پر اور اُن کی آل واصحاب پرسب پر اور تمام ان لوگوں پر جو اون کی پیروی کرنے والے ہیں۔ قیامت تک ایسا درود وسلام جو دوزخوں اور جنتوں کے باشندوں کیطرح

ہمیشہ رہے

امین

اللھم امین

اردو ترجمہ میزان شعرانی جلد اول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد حمد وصلوۃ کے یہ ایک بڑے وزن کی نفیس ترازو ہے۔ میرا قصد ہے کہ اسمیں ایسے مضامین لاؤں جو مختلف دلیلوں اور حضرات مجتہدین اور ان کی تقلید کرنے والوں کے مختلف اقوال کو اسطرح ایک کروں کہ ان میں ذرا بھی تعارض نہ رہے۔ اور میرا یہ قصد ایسا نرالا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے کسی زمانہ میں اسپر قلم نہیں اُٹھایا۔ اور میں نے اس کتاب کو ایسے حضرات کے مشورے سے تصنیف کیا ہے۔ جو اپنے زمانہ کے امام اور شیخ ہیں۔ اور اس کتاب کے مضامین کتابی صورت میں لانے سے پیشتر اون بزرگوں کیخدمت میں پیش کرکے عرض کرچکا ہوں کہ اگر آپ حضرات ان کو پسند کریں تو باقی رکھوں۔ ورنہ جو مضمون غیر پسندیدہ ہو اوسکو محو کردوں۔ کیونکہ میں اتفاق کو اچھا اور اختلاف کو بُرا جانتا ہوں۔ اور بالخصوص دینی قواعد میں اگرچہ اختلاف آخری زمانہ کے لوگوں کے لئے رحمت ہے۔ پس جو شخص اس کتاب میں کوئی غلطی دیکھکر بہ نیت دینی مدد اصلاح کرے۔ اوسپر اللہ تعالے رحم فرماویں۔

اور بہت بڑا باعث اس کی تصنیف کا اس مضمون پر عمل کرانا ہے جو خدا تعالے کے اس فرمان سے نکلتا ہے۔ شَرَعَ لَكُمۡ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا وَالَّذِيٓ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهِۦٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓۖ أَنۡ أَقِيمُواْ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُواْ فِيهِۚ یعنی اللہ تعالے نے تم لوگوں کیواسطے وہی دین مقرر کیا جسکا اوس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور جسکو ہم نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے۔ اور جسکا ہم نے ابراہیمؑ اور موسےؑ اور عیسےؑ کو حکم دیا تھا۔ اور اون کی اُمتوں کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا۔ اور اسمیں تفرقہ نہ ڈالنا۔

دوسری غرض اسکی تالیف سے یہ ہے کہ لوگوں کا زبانی اقرار کہ مسلمانوں کے تمام امام خدا کیطرف سے ہدایت پر ہیں، اعتقاد قلبی کے ساتھ مطابق ہوجائے۔ تاکہ وہ لوگ دل سے اماموں کے اپنے اوپر حقوق کو واجب سمجھکر اونکی شان میں ادب سے پیش آویں۔ اور اس ادب کو باعث ثواب اخروی سمجھیں۔ اور ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے جو مذکور الصدر جملہ کا زبان سے تو اقرار کرتا ہو۔ لیکن دل سے اوس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ جو شان منافقین کی ہوتی ہے۔ اور یہی وہ نفاق ہے جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک وتعالے نے کیونکہ اوسنے کفار کی مذمت میں اونکا کفر بیان فرماکر نفاق سے اونکی مذمت کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا يَحۡزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡكُفۡرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِأَفۡوَٰهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِن قُلُوبُهُمۡ یعنی نہ غم میں ڈالدیں تم کو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کُفر میں جلدی کرنیوالے جو کہتے ہیں اپنے منہو ںسے کہ ہم ایمان لاچکے۔ حالانکہ دل اون کے ایمان سے کورے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ باریتعالے جس چیز کو کُفار میں معیوب سمجھتا ہے۔ اوس سے

مسلمانوں کو تو ضرور ہی احتراز کرنا چاہیئے۔ بلکہ اون کو ایسے امر سے بھی بچنا چاہیئے جو صورت میں اُس عیب کے مشابہ ہو۔

تیسری غرض اسکی تالیف سے یہ ہے کہ مقلدوں کو ایسے شخص کے انکار کی جرأت نہ ہو جو اُن کے مسلمہ مذہبی قواعد کی مخالفت کرتا ہو۔ حالانکہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو۔ کیونکہ ایسا شخص خدا تعالے کیطرف سے ہدایت پر ہے۔ اور اکثر جگہ میں ایسے مجتہد کے مذہب کی دلیل بھی ظاہر کرونگا۔ تاکہ منکر کے لئے فائدہ بخش ہو۔ اور وہ اس مجتہد سے عقیدت پیدا کرے۔ اور پچھلے انکار کی جرأت پر شرمندہ ہو۔ یہ بعض مقاصد ہیں اسکی تالیف سے۔ اور یہ سچ ہے کہ اعمال کی مقبولیت و عدم مقبولیت نیتوں پر موقوف ہے اور ہر شخصکو اوسی کا ثمرہ ملیگا جو اوس نے ارادہ کیا ہے۔

پس اے بھائیو! اس میزان سے دل بستگی کی سعی کرو۔ اور اس کے انکار کی جرأت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہانتک کہ اُن تمام فصلوں کا مطالعہ نہ کرلو۔ جو ہم نے کتاب الطہارۃ سے پہلے پہلے بیان کی ہیں۔ کیونکہ جو شخص اُن فصلوں کے مطالعہ کے بعد منکر ہوگا تو وہ شخص مضامین کے نادر اور زمانۂ حال کی مخالفِ طبع طرز کیوجہ سے معذور سمجھا جائیگا چنانچہ عنقریب اسکا بیان آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالے۔

جب تم یہ سب جان چکے۔ تو تم ضرور سوال کروگے کہ ہمارا یہ دعویٰ (جسکی طرف ہمارا گذشتہ کلام اشارہ کرتا ہے) کہ آئمہ مجتہدین اور تمام مقلدین کے جسقدر اقوال ہیں وہ سب اوس پاک شریعت کے نور کی کرنوں میں اس طرح داخل ہیں کہ کوئی قول بھی تم اوس پاکیزہ شریعت سے باہر نہ دیکھوگے۔ کیونکر صحیح اور درست ہے؛ تو پس تم کو اپنے مقصد رسا امر میں غور کرنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکا تو تم کو یقین ہی ہوگا۔ اگر نہ ہو۔ تو کرلینا چاہیئے۔ کہ شریعتِ مطہرہ نے تمام مسائل خلافیہ میں امر اور نہی کے دو مرتبے بنائے ہیں ایک کا نام تشدید (سختی) ہے۔ دوسرے کا تخفیف (سہولت) ہے۔ تمام امر و نہی کا ایک ہی مرتبہ نہیں رکھا ہے جیسا کہ بعض مقلدین کا خیال ہے۔ اور اسی وجہ سے چونکہ وہ دونوں قولوں میں بظاہر تناقض دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کے وہ مخالف ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ واقع میں بالکل تناقض نہیں ہے۔ چنانچہ اسکو آئندہ فصلوں میں اچھی طرح ثابت کردیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالے اور مختصر وجہ یہ ہے کہ حاصل تمام شریعت کا صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ امر اور نہی۔ اور علماء کے نزدیک ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ تخفیف اور تشدید۔ تو کل چار ہوئیں۔ رہی پانچویں قسم یعنی مباح سو اوسکی دو تو جانبین برابر ہیں۔ البتہ اگر اس مباح میں نیت خیر ہے تو وہی مباح مندوب یعنے مستحب بنجاتا ہے۔ اور اگر نیت بد ہے تو وہی مباح قسم مکروہ بنجاتا ہے۔ یہ حاصل ہے تمام احکام شریعت کا۔ اسکی پوری تفصیل یہ ہے کہ بعض امام تو یہ کہتے ہیں کہ جو امر وجوب اور استحباب کے قرینہ سے خالی ہو۔ وہ اوسی وجوب کو بتلاتا ہے جسکا یقین کرنا ضروری ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس قسم کا امر محض اوس حکم کے مستحب ہونے کو بتلاتا ہے۔ علےٰ ہذا القیاس اوس نہی کو جو حرمت یا کراہت کا کوئی قرینہ نہ رکھتی ہو۔ بعض اماموں نے اوس بات کے حرام ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور بعض اوس سے صرف کراہت ثابت کرتے ہیں۔

جب دو مرتبے امر و نہی کے تم جان چکے تو اب یہ بھی گوش گذار کرلو کہ ہر مرتبے کے لئے علیحدہ علیحدہ

لوگ ہیں۔ جب وہ احکام کی بجا آوری میں مشغول ہوں۔ چنانچہ جو شخص اون میں باعتبار ایمان اور جسم کے قوی ہو۔ وہ ان دونوں قسموں میں سے اوس تشدید کا مخاطب ہوگا جو شریعت میں صراحتہً وارد ہو۔ یا اوس کے مذہب یا کسی اور مکلف کے مذہب میں شریعت سے اشارۃً سمجھی جاتی ہو۔ اور جو شخص باعتبار مرتبہ ایمان یا باعتبار جسم کے کمزور ہو وہ دوسری قسم تخفیف کا مخاطب ہوگا۔ خواہ وہ تخفیف شریعت میں بالتصریح وارد ہو یا اوس کے مذہب یا کسی اور مکلف کے مذہب میں شریعت سے اشارۃً سمجھی جاوے۔ اسی طرف پروردگار عالم کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ پس ڈرو اللہ سے جہانتک تم سے ہو سکے۔ کیونکہ خطاب عام ہے نہ کسی خاص گروہ کو۔ اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی مضمون کی دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (یعنی جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں تو جہانتک ہو سکے اوسکو بجالاؤ)۔ اس میں بھی خطاب کسی خاص کو نہیں ہے۔ تو جو شخص قوی ہو اوسکو مرتبہ تشدید چھوڑ کر نیچے کے درجہ تخفیف پر اُتر آنے کا حکم نہ دیا جاویگا جب تک وہ تشدید پر عمل کر سکے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں دین کے ساتھ لہو ولعب لازم آتا ہے۔ چنانچہ آئیندہ فصلوں میں اسکو بوضاحت ثابت کر دیا جائیگا انشاء اللہ تعالٰے۔ اسی طرح جو شخص ضعیف ہو اوسکو اوسکے مناسب مرتبہ تخفیف اور رخصت کا چھوڑ کر اوپر کے درجہ تشدید پر چڑھنے کی تکلیف نہ دیجائیگی۔ جب تک کہ وہ تشدید پر عمل کرنے سے عاجز رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ باوجود عاجز ہونے کے اگر وہ خود اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے اوس عزیمت اور تشدید کا مرتکب ہو۔ تو ہم اوسکو منع بھی نہ کرینگے۔ بشرطیکہ شریعت منع نہ کرتی ہو۔ اگر کسی جگہ شریعت ہی خود مانع ہو تو اس سے ہم بھی روکینگے۔ تو اب یہ بات روشن ہو گئی۔ کہ ان دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کا اپنے اپنے مرتبہ میں رکھنا واجب ہے۔ اختیار کو دخل نہیں۔ کہ جس کو چاہو مرتبہ اول کا مخاطب بناؤ۔ اور جس کو چاہو دوسرے کا۔ جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے۔ یہ خیال غلط ہے اس سے تم کو بچنا چاہئے *

اسی بنا پر جو شخص پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہو۔ اور اس کے استعمال سے کوئی چیز مانع نہ ہو تو اوسکو تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح جو فرض کھڑے ہو کر ادا کر سکتا ہو۔ اوسکو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور جو مریض بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہو۔ اوسکو لیٹ کر جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح تمام واجبات میں یہی قاعدہ ہے۔ اور جو سنتیں افضل ہیں اونکو چھوڑ کر مفضول کو ادا کرنا خلاف ادب ہے۔ بشرطیکہ افضل کی ادائگی پر قدرت رکھتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جسطرح دو مرتبے امر و نہی میں جاری ہوتے تھے اسی طرح سنتوں میں بھی ہیں تو جو اون میں سے افضل ہے اوسکو مفضول پر مقدم کرنا بشرطیکہ افضل کو ادا کر سکتا ہو مستحب ہے۔ اسی طرح جو سنت باعتبار شریعت کے اولے ہے اوسکو غیر اولے پر مقدم کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ بوقت ضرورت دونوں کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ لیکن جب ادا کرتا ہو۔ تو افضل کو مفضول سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ ورنہ اس کے خلاف کرنے والا ملامت کیا جائیگا۔ تو جو شخص ملامت سے بچنا چاہے اوسکو مناسب ہے کہ جب تک افضل کو ادا کرنے سے عاجز نہ ہو اوس وقت تک مفضول کے ادا کرنے کی جانب رجوع نہ کرے *

اگر تم کو ہمارے مذکور الصدر بیان میں ذرا بھی شک ہو تو تمام قرآن کریم و حدیث شریف اوامر و

نواہی اور آئمہ مجتہدین اور مقلدین کے اون اقوال کو جو قرآن و حدیث سے متفرع ہیں ہماری اس ترازو میں تول کر دیکھ لو۔ انشاء اللہ تمام کے تمام انہی دونوں مذکور مرتبوں (تخفیف و تشدید) کے اندر داخل پاؤ گے۔ اور جو شخص ساری کتاب کو دلبستگی اور تحقیق سے دیکھیگا جسطرح ہم نے دلبستگی اور شوق سے اسکو لکھا ہے۔ تو وہ یقیناً جان لیگا کہ تمام آئمہ مجتہدین اور مقلدین کے اقوال شریعت مطہرہ کے زرین قوانین و قواعد کے ماتحت ہیں۔ اور اوسی کے انوار کی چمکتی ہوئی شعاعیں ہیں۔ اور کوئی ایک قول بھی اوس پاک شریعت سے باہر نہیں ہے۔ اور ضرور اوسکا زبانی اعتراف کہ تمام آئمہ اسلام اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں دلی اعتقاد سے مطابق ہو جائیگا۔ اور اسکا بھی اوسکو پختہ یقین ہو جائیگا۔ کہ کل مجتہد مصیب ہر اجتہاد کرنیوالا حق پر ہے۔ اور اپنے اس قول سے کہ المصیب واحد لا بعینہ یعنی حق کو پہونچنے والا مجتہد ایک ہی ہے لیکن وہ معین نہیں۔ ضرور توبہ کریگا۔ چنانچہ اوسکو آئندہ فصلوں میں اچھیطرح واضح کردیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ✦

اس کے بعد اوسکا جو خیال تھا کہ احکام شریعت اور اقوال علماء میں تناقض اور باہم مخالفت ہے بالکل رفع ہو جائیگا۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ باریتعالےٰ اور اوسکے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تعارض و تناقض کے عیب سے قطعاً بے لوث ہے۔ اور واقفین پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جو کچھ علماء بیان کرتے ہیں وہ ضرور قرآن پاک یا حدیث خیر الانام یا دونوں سے مستنبط ہے۔ اگر کوئی مقلد جائے استنباط سے ناواقف ہو تو اس سے علماء کے سچے اقوال میں کوئی خرابی اور کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اور جو شخص کسی جگہ اقوال علماء یا احادیث شریعت میں کوئی تناقض دیکھے۔ اور باوجود سخت سعی کرنے کے پھر بھی اوسکو دور نہ کر سکے۔ تو یہ اوسکی کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر اوس شخص کی اون دلیلوں اور اصول پر نظر ہوتی جنپر مجتہد کے اقوال مبنی ہیں۔ تو ہر حدیث اور ہر قول کو شریعت کے دونوں مرتبوں (تخفیف و تشدید) میں سے ایک ایک مرتبہ پر محمول کر لیتا۔ اور تناقض کا نام نہ لیتا۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ سیدنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اون کی عقلوں کے موافق کلام فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ مخاطب کے مرتبۂ اسلام اور درجۂ ایمان و احسان کا لحاظ رکھتے تھے ✦

اور خدا تعالےٰ کے اس فرمان سے کہ قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا یعنی یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرما دیجئے۔ کہ تم ایمان تو نہیں لائے۔ لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے۔ ہمارا مدعا خوب ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ اگر آپ مخاطب کے حسب مرتبہ گفتگو نہ فرماتے۔ بلکہ سب سے ایک ہی درجہ کا خطاب کرتے تو اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی گنواران عرب کے ساتھ برابری لازم آجاتی۔ اور اون حضرات کا مرتبہ جنہوں نے سردار عرب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر اس ارادہ سے بیعت کی ہے کہ ہم ہر حالت میں خوشی ہو یا غم تنگی ہو یا فراخی آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرینگے۔ اون لوگوں کے مرتبہ کے برابر ہو جاتا جنہوں نے صرف دو وقت فجر اور عصر کی نماز پر بیعت کرنا چاہا۔ نہ بقیہ نمازوں پر اور نہ زکوٰۃ روزہ حج جہاد وغیرہ پر ✦

اور اس بارہ میں حضرت آئمۂ مجتہدین رح اور علماء مقلدین حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قدم بقدم چلے ہیں چنانچہ جس امر یا نہی میں آپ نے تشدد فرمایا ہے اوس میں انہوں نے بھی سختی کی

ہے۔ اور جس میں نرمی فرمائی ہے اوس میں اُنہوں نے بھی تخفیف اختیار کی ہے۔ جو کچھ میں نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ وہ قابل یقین ہے۔ اگرچہ وہ نادر اور زمانہ کے مذاق کے خلاف ضرور ہے اِسلئے کہ یہ اللہ والوں کا علم ہے۔ اور آئمہ برحق رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ادب کی رہنمائی کرتا ہے۔ برخلاف تمہارے عقیدے کے کہ تم بغیر کسی دلیل شرعی کے ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہو۔ تو اب تم ہی غور کرو کہ جو چاروں اماموں اور تمام آئمہ مسلمین کو دل سے برحق جانتا ہو۔ اور زبان سے اون کے برسر ہدائیت ہونیکا اعتراف کرتا ہو۔ اور جو تمام مذاہب میں صرف ایک ہی مذہب کو حق سمجھکر باقی تین حصہ بازیادہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو گمراہ جانتا ہو۔ ان دونوں میں کسقدر فرق ہے۔ اگر تم اس کتاب کی نفاست اور اس کے پسند کرنیوالے عالم کی قرآن وحدیث دانی دیکھنی چاہو۔ تو چاروں مذہب کے علماء جمع کرو اور ہر ایک کے وہ مذہبی دلائل جو اون کی کتابوں میں مذکور ہیں اون کے سامنے پیش کرو۔ تو پھر دیکھو کہ آپس میں کس طرح نزاع کرتے ہیں۔ اور کیسے ایک دوسرے کے اقوال و ادلہ کی تردید کرتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی مخالف دیکھے تو ہر ایک کو خارج احکام شریعت سے تبلائے۔ اور کوئی بھی یقین نہ کرے کہ تمام آئمہ مسلمین اپنے پروردگار کیطرف سے ہمیشہ راہِ ہدایت پر ہیں ✦

برخلاف مؤلف کتاب کے کہ وہ اسوقت اپنی جگہ بہت بیفکر اطمینان کے ساتھ بادشاہ کی مانند بیٹھا ہے۔ اور آئمہ رض برحق کے ہر قول کو اپنی ترازو میں تول رہا ہے۔ اور کسی قول کو اوس کے دونو پلوں (تخفیف و تشدید) سے باہر نہیں پاتا۔ بلکہ تمام اقوال کو شریعت کے وسیع دائرہ میں محصور دیکھتا ہے پس اس کتاب میزان پر کاربند ہونا چاہئے۔ اور مذاہب اربعہ سے واقفیت چاہنے والے اگر اپنے ذاتی علم سے اونکا احاطہ نہ کرسکیں تو اِس کتاب میزان کا مطالعہ کریں۔ جیسے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ۔ یعنی پس اگر زور کی بارش اوس پر نہ پڑے۔ تو ہلکی پھوار ہی کافی ہے۔ اور اگر آئمہ و مقلدین کے کلام سے حسن عقیدت اور اونکا برسر ہدائیت ہونا تمہارے قلوب میں خود بخود یقین کو نہ پہونچے۔ تو ہمارے منوانے سے تمان ہی لینا چاہئے ✦

پیارے بھائیو! اگر کوئی شخص اس کتاب میزان کی صحت میں کچھ کلام کرے اور اوس پر قسم قسم کے اعتراضات کا دروازہ کھولے۔ تو اوسوقت تک اوس کے جگر خراش کلمات پر تحمل کرنا جب تک اوسکو اس سے دلبستگی نہ ہو۔ یا تم اوسکو اپنے ساتھ مذاہب اربعہ کے علماء کے پاس لیجا کر اس کتاب کو نہ پڑھواو۔ ورنہ اس سے پہلے وہ شخص معذور ہے۔ اول تو اسوجہ سے کہ اس کے مضامین زمانہ کے مذاق سے خلاف ہیں۔ اور دوسرے اسوجہ سے کہ اکثر انسان حاضرین کے مذاہب پر اونکی ہیبت کیوجہ سے کچھ اعتراض نہیں کرتا ہے۔ اور جس کا کوئی مقلد موجود نہ ہو اوس مذہب کی تردید کرنے لگ جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مذہب کی کوئی مدد کرنیوالا تو ہے ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ شخص منہ دیکھی بات کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے۔ اور جب ہم اپنا مقصود مذکور اس کتاب میں بیان کر چکینگے تو یہ میزان شعرانیہ جو تمام آئمہ مجتہدین اور مقلدین کے اقوال کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے تحت میں داخل کرنے والی ہے۔ ختم ہو جائیگی۔ اللہ تعالےٰ اس کو اہلِ اسلام کے لئے نافع بنائیں۔ آمین ✦

اس سے قبل کہ میں کتاب کے اصلی مقاصد شروع کروں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک قاعدہ بیان کروں جو اس کتاب کے سمجھنے میں مدد کرے۔ بلکہ مخالف سے اس کتاب کے تسلیم کرانے کا عمدہ ذریعہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ تم سب سے پہلے اپنی نظر کی بنیاد اس بات کے یقین پر قائم کرو کہ پروردگار عالم ازل سے ابد تک ہر چیز کو جاننے والا اور ہر امر میں حکمت سے کام لینے والا ہے۔ جب اوس نے اس عالم کو پیدا کر کے اوس کے استحکام عنایت فرمایا اور اوس کے عیب کو جدا اور کمال کو علیحدہ کیا۔ تو اوس میں وہ وہ اختلاف پیدا فرمائے جنکا احاطہ ناممکن ہے۔

غرض ہر چیز کو دوسری چیز سے مزاج اور صورت اور وضع و قطع اور کل حالات میں جس طرح اوس کے علم قدیم اور ارادہ کا تقاضا تھا باہم مخالف پیدا فرمایا۔ چنانچہ ایک وسیع عالم جس میں اوس نے اپنے فرمان سے ایسے ایسے مختلف عجائبات مہیا فرمائے جنکی انتہا نہیں ظہور میں آیا۔ اور منجملہ اوسکی نادر حکمتوں اور بیش قیمت نعمتوں اور وسیع رحمتوں کے سب سے زیادہ عجیب یہ ہے۔ کہ اوس نے اپنے بندوں کو دو قسم پر منقسم فرمایا۔ ایک نیک بخت اور ایک بدبخت۔ اور پھر ہر ایک سے وہ وہ کام لیے جن کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ خواہ ایسے ہوں جن کے بدلہ میں جنت کا وعدہ ہے یا ایسے جن کے نتیجہ میں عذاب کی وعید آئی ہے۔ اور ہر ایک کے لئے اپنے فضل و کرم سے وہ وہ چیزیں پیدا فرمائیں جو دُنیا اور آخرت میں اوس کے حال کے مناسب ہیں مثلاً ظاہری چیزوں کو دلکش صورت عنایت کی۔ اور باطنی اشیاء کو ہماری نظروں سے اوجھل اور عجائبات کو حیرت انگیز کاریگریوں سے مزین فرمایا۔ اور شریعت کے احکام اور بدکاروں کے لئے حدود اور سیاستیں مقرر فرمائیں۔ تب جاکر مخلوقات کے لئے ایک عالم کی باقاعدہ ترتیب ہوئی۔ اور زمان و مکان کا انتظام کامل ہوا۔ اور اسدرجہ کا کامل ہوا۔ کہ بڑے بڑے عقلا بول پڑے کہ جس طرز و روش پر عالم کی خلقت ہوئی۔ اس سے زیادہ بہتر عقل کے احاطہ بلکہ امکان کے دائرہ سے باہر ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالٰے خود بھی ارشاد فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ ہم نے یقیناً انسان کو بہت عمدہ اندازہ میں پیدا کیا ہے +

علاوہ بریں یہ بات ہے کہ پروردگار عالم نے عالم کی ہر چیز کو ہر شے کے لئے مفید نہیں بنایا۔ اور نہ ہر مضر کو ہر شے کے لئے مضر بنایا۔ بلکہ اگر ایک چیز کسی کے لئے مفید ہے تو وہی چیز دوسری کے لئے مضر ہے۔ اور برعکس۔ یہانتک کہ خود ایک ہی شے کو ایک چیز ایک وقت میں فائدہ بخش ہے۔ اور وہی چیز اُس شے کو دوسرے وقت میں بھی کبھی نقصان پہونچا دیتی ہے۔ جیسا کہ ہر قسم کی ظاہری اور باطنی اشیاء میں ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اوس کے بھید ہماری فکر نارسا سے باہر ہیں۔ مگر جسپر خدا تعالٰے ظاہر کرے۔ اس مضمون سے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی خوب تصدیق ہو گئی۔ کہ کل میسّر لما خُلق لہ۔ ہر شخص کو وہ چیز جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے آسان ہے +

جب یہ قاعدہ تم سُن چکے تو اس سے یہ بات سمجھ لی ہو گی۔ کہ اللہ تعالٰے نے مرد سعید کو جو ہمیشہ کے لئے مکلف بنایا ہے تو نعوذ باللہ اوس سے کچھ مکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی جان لیا ہو گا۔ کہ اُمت محمدیہ کا فروع دین میں مختلف ہونا بدایت اور آخرت کے محمود ہونیکا باعث ہے۔ اور یہ بھی کہ پروردگار عالم نے ہم کو لغو اور قسم قسم کی تکالیف کا مکلف بیکار نہیں بنایا۔ بلکہ جب کوئی مکلف کسی امر کو امور دینیہ میں سے کسی رسول یا کسی امام کے فرمان کیوجہ سے عبادت سمجھ کر بجا لاتا ہے۔ تو اوس وقت اوسکی ازلی نیکیوں میں سے اوسکو بلند مرتبہ کی نیکی حاصل ہوتی ہے۔ اور جب کوئی کسی برحق امام کے فرمان سے بوقت ضرورت پہلو تہی کر کے کسی دوسرے برحق امام کے فرمان پر عمل کرتا

ہے۔ تو اوسوقت اللہ تعالےٰ کو ایک بڑے درجہ کا جو اوسکے مناسب تھا۔ اور پہلے امام کے فرمان میں اوس کے حصول
کی امید نہ تھی حاصل کرانا منظور ہوتا ہے یہ محض اوس پروردگار کی نیکوں پر رحمت اور اون کے لئے دین و دن
میں رعائیت مقصود ہے۔ اور وہی ایسی ذات ہے جسکو زندوں اور مردوں کا پورا اختیار ہے۔ اور ہر شے
میں عمدہ تدبیر سے کام لینے والا ہے ✦

اب تم اس قاعدہ کو غور سے دیکھو کہ اس نے کسقدر مشکلات کو حل کر دیا۔ اور کسقدر باتوں کا فائدہ
پہونچایا۔ کیونکہ اگر تم نظرِ انصاف سے دیکھو۔ تو تم کو کامل یقین ہو جائے۔ کہ جسقدر حضرت آئمہ اور مقلدین
علماء ہیں۔ وہ سب اوس کے طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور ہرگز اوس شخص پر اعتراض نہ کرو۔ جو اون میں سے
کسی ایک کے مذہب کو اختیار کرے یا کسی مذہب کو اختیار کر کے پھر کسی دوسرے مذہب کیطرف رجوع کرے
اور یا کسی خاص مسئلہ میں بوقت ضرورت اپنے امام کے سوا کسی دوسرے امام کی تقلید کر لے۔ کیونکہ تم کو اس امر
کا کامل یقین ہو گیا۔ کہ مذاہب جمیع آئمہ داخل دائرہ شریعت ہیں چنانچہ عنقریب اسکو واضح کیا جائیگا۔
اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ شریعتِ مطہرہ اسقدر وسیع ہے کہ اُمت محمدیہ کے تمام آئمہ حق کے اقوال
اوسمیں سما سکتے ہیں اور اسکا بھی تم کو یقین ہو گا کہ ہر امام اپنی طرف سے ایسی دانائی پر ہے جس نے اوس کو صراط
مستقیم پر چلا رکھا ہے۔ اور یہ بھی تم کو یقیناً جاننا چاہئے۔ کہ آئمہ رحمہم اللہ کا اختلاف اُمت کے لئے رحمت
کا سبب ہے جسکو باریتعالےٰ نے اپنی حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔ اسلئے کہ وہی جانتا ہے کہ اس شخص کی بہتری
اور دینی اور دنیوی مصلحت اس میں ہے اور فلاں کی اس میں۔ اور کیوں نہ جانے جبکہ وہ عالم کی پیدائش
سے پہلے اوس کے تمام حالات سے واقف تھا۔ تو مومن کامل ضرور اس بات پر ہر طرح یقین رکھتا ہے
کہ اگر باریتعالےٰ کو ازل میں اسکا علم نہ ہوتا کہ مومنوں کے لئے اونکو مذاہب مختلفہ پر ہی منقسم کرنے میں
مصلحت ہے تو اون مذاہب کو پیدا ہی نہ فرماتا۔ اور نہ اونکو اون مذہبوں پر باقی رکھتا۔ بلکہ اون سب کو
ایسے ایک طریقہ پر آمادہ کرتا جس سے وہ عدول ہی نہ کر سکتے جسطرح اصل دین سے عدول کرنے کو ناجائز
کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ
إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ اسکو خوب سمجھ لو۔ کیونکہ یہ نفیس مضمون
ہے معلوم ہوا کہ اصول دین پر اوس کے فروع کو قیاس نہیں کر سکتے تا کہ یوں کہیں کہ اصول میں اختلاف
جائز نہیں تو فروع میں بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسا قیاس بہت بڑی لغزش ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث
رسول جو مطابق کلام الٰہی ہمارے لئے وقت نزاع عمدہ فیصلہ کرنے والی ہے صراحۃً بتلاتی ہے کہ اس اُمت
کا اختلاف رحمت ہے۔ اور وہ حدیث وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصیات اس
اُمت میں شمار کراتے وقت چند الفاظ ارشاد فرمائے جنکے معنے یہ ہیں کہ پروردگار عالم نے میری اُمت کے
اختلاف کو رحمت بنایا ہے۔ حالانکہ یہ پہلی امت کے لئے عذاب تھا ✦

نیز اختلاف مذاہب اُمت کے بارہ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالےٰ کو ازل میں اسکا علم ہو چکا
تھا۔ کہ اس ایماندار شخص کے اندر ایک ایسی بات موجود ہے جو اسکو مقتضی ہے کہ اس کی دینی خدمات
کی بجا آوری کے لئے طہارت کا ایسا آلہ ہونا چاہئے۔ جو گویا مردہ اعضا میں جان بخشی کا کام دے اور وہ
پانی ہے جس میں جاری ہونے کی صفت پائی جائے۔ تو اوس کے لئے ایسا امام پیدا فرما دیا جو اپنی طرف سے

خوب سمجھا دے۔ کہ ہر شخص کی طہارت کے لئے ایسے ہی پانی کی ضرورت ہے۔ اِسکے سوا دوسرے پانی سے طہارت نہ ہوگی۔ اور پھر اوس کی تقلید کا اوس مومن کے دل میں خیال پیدا کر دیا تاکہ وہ کمربستہ ہوکر اپنے لئے مفید اور کارآمد حکم کی اطاعت کا التزام کرے۔ یہ محض اوس کی رحمت ہے اسی طرح مثلاً جب بارتعالئے جانتا تھا کہ اس مرد مومن کے حق میں یہی بہتر ہے کہ جب اسکو وضو کر لینے کے بعد پختہ خیال اور مضبوط ارادہ کسی ایسے کام کا ہو جائے جو وضو کو توڑ دیتا ہے تو محض اس پختہ ارادہ ہی کے ناقض وضو ہونے کی وجہ سے یہ شخص نیا وضو کرے۔ تو اسکے لئے ایک ایسا ہادی امام مہیا کر دیا جو کلیہ قاعدہ اپنی طرف سے بیان کر دے کہ ہر شخص کو ایسی صورت میں جدید وضو کرنا ضروری ہے۔ اور پھر اوس مومن کے دِل میں پورا خیال اوس امام کی تقلید کا پیدا کر دیا۔ تاکہ وہ اوس حکم کی فرمانبرداری کا التزام کرے جو اوس کے حق میں بہتر ہے۔ ایسے ہی جب خدا تعالئے نے جانا کہ اس مومن کے لئے اس میں مصلحت ہے کہ جب کسی بہنے والی چیز کو جس میں قلیل پانی ہو اگر کتا اپنا منہ ڈالکر یا بغیر منہ ڈالے خراب کر دے تو اوسکو استعمال میں نہ لاوے۔ اور اگر برتن ہو۔ تو اوسکو سات مرتبہ دھووے۔ اور ساتویں دفعہ مٹی سے دھووے تو اوس کے لئے ایک ایسا امام ہدایت عنایت فرمایا جس نے عام حکم دیدیا کہ ہر شخص کو ایسا ہی لازم ہے تاکہ وہ شخص اوسکا مقلد بنکر اپنے حق میں بہتر امر کی اطاعت کا پورا التزام کرے۔ اور حکم عام ہونے کی وجہ سے ہمت نہ ہار جائے ✣

ایسے ہی جب پروردگار عالم کے علم ازلی میں کسی بندۂ مومن کے حق کیلئے یہ بہتر تھا کہ یہ شخص ہر وضو میں کلی کرے اور ناک میں پانی میں ڈالے۔ تو اوس کے واسطے اسکا عام یعنی ہر شخص کے لئے حکم دینے والا ایک امام پیدا کر دیا۔ تاکہ اوسکا مقلد ہوکر اپنی مصلحت پر کاربند ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس باقی احکام میں ✣

تو معلوم ہوا کہ کوئی راستہ ہدایت کا متعدد راستوں میں سے ایسا نہیں ہے کہ اوس کے لئے خدا تعالئے کے علم میں کوئی اہل نہ ہو پھر اوس راستہ کی راہ نمائی کے دو طریق ہیں خواہ صراحۃً ارشاد فرما دیا۔ یا بطور الہام کے اوس راہ کی ہدایت فرما دی۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ چونکہ عالم الغیب ازل میں جانتا تھا۔ کہ مؤلف میزان اور اون لوگوں کے لئے جو اس کے ہم عقیدہ اور عادات و اطوار میں موافق ہیں اس میں مصلحت ہے کہ اوسپر شریعت کبریٰ کا وہ چشمہ ظاہر کیا جائے جس سے تمام مجتہدین کے مذاہب کی نہریں پھوٹی ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کو تبلادے کہ علماءِ مجتہدین کے تمام اقوال کتاب اللہ اور حدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسلئے مؤلف کو اوس نے مطلع فرمایا اور اسکو اپنے حق میں بہتری کے التزام کی توفیق دی۔ چنانچہ اوس نے تمام مذاہب آئمہ کے حق اور صادق ہونے کے اثبات میں قلم اٹھایا۔ اور اپنے متبعین کے لئے اس صحیح اعتقاد کا دروازہ کھولدیا کہ تمام آئمہ مسلمین پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اسکی تفصیل خدا کے فضل و کرم سے آگے آجائیگی۔ انشاء اللہ تعالئے۔ اور وہ جسکو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے ✣

کوئی صاحب اس اعتراض کی جرأت نہ کریں کہ خدا تعالئے نے اپنی قدرت سے حق ایک ہی امر میں کیوں نہ منحصر کر دیا۔ اور ہر مقلد کے لئے جو کچھ مصلحت تھا اوسکو امام کیطرف سے اوسی کے ساتھ کیوں نہ مخصوص کرایا بلکہ اوسے بطور قاعدہ کلیہ کے اوس سے بیان کروایا۔ کیوں کہ یہ سوال حقیقت میں حقتعالئے کے ازلی علم پر اعتراض ہے کہ وہ اسطرح کیوں ہوا اسکے بعد جاننا چاہیئے کہ خدا تعالئے کے علم میں منجملہ احکام شریعت کے ہر گروہ کا ایک ایک حکم کے ساتھ مخصوص ہونا کبھی اون کے موجودہ مرتبہ سے ترقی کا باعث ہوتا ہے اور کبھی اون کے

مرتبہ کے نقصان سے حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تمام تکالیف اوس بندہ کے حق میں جو اونکو مطابق ارشاد خداوندی کے بجالائے ہمیشہ ترقی ہی کا باعث ہوتی ہیں۔ تو بھی صحیح ہے۔ اسلئے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مطیع و فرمانبردار بندے ہر سانس میں ایک ترقی حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ اوس کے عطیات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہینگے۔ کبھی ختم نہ ہونگے۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالےٰ جاننے والا گنجائش والا ہے۔ اب تم پر اوس قاعدہ سے جسپر اس کتاب میزان کا مدار ہے جسکی مثل آجتک تالیف نہیں ہوئی یہ بات خوب ظاہر ہو گئی ہوگی کہ یہ میزان شعرانی تمام ائمہ حقہ اور اون کے مقلدوں کے مذاہب کو شریعت محمدیہ میں داخل کر دینے والی ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اسکو اہل اسلام کے واسطے نافع بنائے۔ آمین۔

اور جاننا چاہئے جب میں یہ کتاب میزان اپنے بھائیوں کو پڑھانے لگا۔ تو وہ اون کی سمجھ میں نہ آئی یہانتک کہ میں نے ہر چہار مذہب کے علماء کو جمع کیا۔ اور اون کے سامنے پڑھوائی تب اُنہوں نے اوسکی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اور ہر چہار مذہب کے علماء نے یہ دیکھکر کہ اس کتاب میں تمام اقوال کی توجیہہ ہے اس کتاب کو خوب پسند کیا اور اب ان لوگوں نے اسکو مایحرم من النکاح تک پڑھ لیا ہے۔ میں خدا کے فضل سے امید کرتا ہوں کہ فقہ کے آخر باب تک پڑھ لینگے۔ مگر یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اس کے پڑھنے سے قبل وہ مجھ سے بہ نسبت پہلی عبارت کے زیادہ آسان اور واضح عبارت میں اسطور پر لکھوانے کی کہ دلوں کا اوسکی طرف میلان ہو جائے اور اوس کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی ضرورت نہ پڑے درخواست کر چکے تھے۔ تو گویا مجھ پر ایک پہاڑ کا بار باوجود میرے ضعیف الجسم ہونے کے ڈال چکے تھے۔ پس جب میں نے اسکو شروع کر دیا۔ تو جن دو حدیثوں یا دو قولوں میں مطابقت دے چکتا۔ وہ فوراً اون کے علاوہ دو قول یا دو حدیثیں جن میں اون کے نزدیک تعارض ہوتا لا کر پیش کر دیتے۔ اس میں مجھ کو بڑی جانفشانی اُٹھانی پڑی۔ کیونکہ اونکا بار بار اقوال متعارضہ کو پیش کرنا ایسا تھا۔ گویا کہ تمام زمانہ کے متقدمین و متاخرین علماء کو جن کے باہم اقوال مختلف ہیں میرے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ کہ ان سب سے بحث کرو۔ اور تمام پرانے اور موجودہ مذاہب کا اسطرح صحیح ہونا ثابت کرو کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ رہے اور سب کا اوسی ایک چشمۂ شریعت سے سیراب ہونا ثابت ہو جائے۔ اور یہ بوجہ واقفین اسرار احکام الٰہی پر زیادہ بھاری ہے۔

پھر میں نے پروردگار سے استخارہ کر کے حسب درخواست برادران اون مشکل الفاظ کو ان سہل الفاظ میں واضح کیا۔ میرے نزدیک مجھ سے پہلے کسی امام نے ائمہ اسلام سے اس مضمون پر قلم نہ اُٹھایا ہوگا۔ میں نے جسقدر بسط اور وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اوسکا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اور جسقدر احادیث شریعت باہم متناقض سمجھی جاتی ہیں۔ اور اون پر جسقدر مجتہدین اور مقلدین کے اقوال کی بنا ہے۔ اون سب کو خواہ وہ فقہ کے کسی باب کی ہوں طہارت سے لیکر آخر تک میں نے شریعت کے دونوں مرتبوں (تخفیف و تشدید) میں سے کسی نہ کسی مرتبہ میں ضرور داخل کیا ہے۔ یہانتک کہ اون لوگوں کے نزدیک تمام شریعت میں کوئی تناقض نہیں رہا یہی صورت لوگوں کے لئے اس کے ساتھ دلبستگی کی ہے ورنہ یہ وہ کتاب ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے ہم عصروں میں سے کسی کی طبیعت کو اس کے موافق نہ پاتا۔ اور پہلے میں نے چند فصلیں مقرر کی ہیں۔ جو مشکل الفاظ کی شرح کرنے والی ہیں۔ اور مقاصد کتاب کے لئے جو منزلہ اندرون مکان کے ہیں وہ دہلیز ہیں۔ اور بعض فصلوں میں میں نے جتنی مثالیں بھی بیان کی ہیں جو تمام مذاہب کے چشمہ شریعت کبرےٰ سے نکلنے کی کیفیت۔ اور

آخر دور کے مقلدین کے اقوال اول دور کے مقلدین کے ساتھ (جو وحی الٰہی کی درگاہ سے لیا گیا ہے) متصل ہونیکی صورت پر مشتمل ہیں۔ اور وہ اتصال عرش سے شروع ہوتا ہے کرسی تک اور کرسی سے قلم تک اور قلم سے لوح محفوظ تک اور وہاں سے جبرائیل علیہ السلام کی درگاہ تک۔ اور وہاں سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار تک اور وہاں سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تک۔ اور وہاں سے تابعین رضی اللہ عنہم تک اور وہاں سے تبع تابعین تک اور وہاں سے آئمہ مجتہدینؒ اور مقلدین رحمہم اللہ تک۔ اور اون فصلوں میں میں بطور مثال درخت اور جال اور دائرہ اور دریا کی شکلیں بھی لایا ہوں جنکو ناظرین دیکھتے ہی سمجھ لینگے۔ کہ آئمہ مجتہدین کا کوئی قول شریعت سے خارج نہیں ہے۔ اور اونہیں فصلوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ تمام آئمہ مجتہدین اپنے اپنے حلقہ بگوشوں کی شفاعت کرینگے۔ اور دنیا اور برزخ اور روز قیامت کے ہولناک شدائد میں اونکا ساتھ دینگے یہاں تک کہ وہ پلصراط کو طے کرلیں۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ مذہب جس کا مقلد پابند ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اوس کے موافق عمل کریگا۔ تو ضرور اسکو داخل جنت کریگا۔

اور یہ بھی اون میں لکھا ہے کہ دین میں رائے مذموم ہے۔ اور تمام امام قول بالرائے سے بری ہیں۔ بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ جیسا کہ بعض کا خیال اور غلط گمان ہے۔ اور میں نے ابواب فقہ کے ختم پر ایک خاتمہ لکھا ہے جس میں تمام تکالیف کی شروعیت کا سبب بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پانچوں احکام دین کے آسمانی ملکوں سے نازل ہوئے۔ پس کیا ہی قابل عزت ہے۔ یہ کتاب میزان جسکی مثل قبل ازیں کسی نے تالیف نہیں کی۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جو شخص دل سے اسکو پسند کریگا۔ دائمی نعمتوں میں داخل ہوگا اور اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جائیگی۔ کہ تمام مجتہدین و مقلدین کے اقوال کی ایسی تقریر کرنے لگیگا۔ گویا کہ خود امام اور صاحب مذہب ہی بیان کر رہا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو کم ازکم اوس قول کی تقریر پر تو قادر ہو ہی ہو جائیگا جسکی دلیل اور جائے استنباط سے واقف ہو گیا ہے۔ اور جو شخص اسکا بغور مطالعہ کریگا۔ اوسپر روز روشن کیطرح کھل جائیگا کہ تمام اقوال آئمہ اور اہل اجتہاد کے ضرور کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اجماع اُمت یا قیاس صحیح کیطرف منسوب ہیں چنانچہ اسکو آئندہ فصول میں انشاء اللہ واضح کر دیا جائیگا۔ یہ خدا تعالے کا بڑا فضل ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور وہ بڑے فضل والا ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ براہ فضل و کرم اس کتاب کو اوس دشمن سے محفوظ رکھے جو اسمیں وہ باتیں داخل کر دے جو خلاف شریعت ہیں تا کہ اہل زمان اوس کے مطالعہ سے متنفر ہو جائیں۔ چنانچہ بعض اعداء سے ایسا وقوعہ پیش آیا ہے۔ کہ انہوں نے میری کتاب (بحر المورود فی المواثیق والعہود) میں بعض ایسی خلاف شریعت باتیں بڑھا دیں جو میں نے نہ لکھی تھیں۔ پھر اونہوں نے اوسکو جامع ازہر وغیرہ میں پیش کیا۔ چنانچہ اس سے فتنہ عظیمہ برپا ہو گیا۔ اسی حالت میں میں نے اوس کتاب کا اصل نسخہ جسپر علماء کے دستخط موجود تھے اون لوگوں کے پاس بھیجدیا علماء کی بیحد تفتیش و تلاش کے بعد اوسکو خلاف شریعت مضمون سے جسکو اعداء نے بڑھا دیا تھا بالکل پاک وصاف پایا۔ پس میں تو یہی کہونگا کہ اللہ تعالے اونکی خطا معاف کرے۔ اور تمام تعریفیں پروردگار عالم ہی کیواسطے ہیں۔ اب میں وہ فصلیں شروع کرتا ہوں جس سے کتاب میزان واضح ہو جائے۔ اور اُسی سے امید توفیق ہے۔

فصل ۔ اگر کوئی سوال کرے کہ تم علماء مجتہدین کے باہمی خلاف کو اس صورت سے رفع کرنا چاہتے

ہو کہ ہر قول کیلئے دونوں حالتوں تخفیف و تشدید میں سے ایک ایک محمل ٹھیراؤ گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب دو عالموں میں نزاع ہو جاتا ہے تو وہ ہر ایک کے قول کو علیحدہ محمل پر محمول کرنے سے دور نہیں ہوتا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ مسلم ہے۔ لیکن اوسی شخص کے حق میں جسکو اس کتاب کا ذائقہ نہ معلوم ہوا ہو۔ اور وہ شخص جو اس کے لطف سے خبردار ہو گیا ہے وہ دونوں حدیثوں یا دونوں قول متعارضین کو دونوں حالوں میں سے ایک ایک حال پر حمل کر کے رفع اختلاف کا دل سے یقین کریگا۔ چنانچہ آئندہ فصول میں خوب واضح ہو جائیگا۔ پس جو کہے کہ باہمی فریقین کا اختلاف دونوں حالوں پر حمل کرنے سے مرتفع نہیں ہوگا۔ تو جان لو کہ اوس نے اس کتاب کو ہی نہیں سمجھا۔ اور جو کہے کہ مرتفع ہو گیا۔ تو یقین کرو۔ کہ اوس نے اس کتاب کو خوب سمجھا۔ کیونکہ اللہ والوں میں کبھی حقیقی نزاع نہیں ہو سکتا۔ اور تمام تعریفیں اوسی خدا کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے +

فصل۔ میزان کے دونوں مرتبے سُنتے ہی یہ نہ چاہئے۔ کہ تم دونوں مرتبوں کو اختیاری سمجھو۔ تا کہ لازم آئے کہ مکلف مختار ہے جس حکم میں چاہے رخصت پر عمل کرے یا عزیمت پر کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ان دونوں مرتبوں میں ترتیب وجوبی ہے۔ نہ اختیاری۔ مگر اسکے لئے ایک ایک شرط ہے۔ جو ساتویں فصل کے شروع میں استثناء کے قریب مذکور ہے۔ اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ جو عزیمت کی بجا آوری پر قادر ہو اوسکو رخصت پر نہ اوترآنا چاہئے۔ اگرچہ وہ رخصت فی نفسہا جائز ہو +

ایک مرتبہ میں اس کتاب کو پڑھاتے وقت علماء کے اقوال اور مذاہب مختلفہ کے دلائل بیان کر رہا تھا۔ تو ایک طالب علم نے یہ سمجھ کر کہ یہ ہم کو اختیار دے رہے ہیں اون مذاہب کے اندر کہ چاہے ہم عزیمت کو اختیار کریں۔ یا رخصت اکو میری مذمت بیان کرنے لگا۔ کہ وہ تو کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں بجائے اسکے کہ وہ میری وسعت علمی کی داد دیتا۔ کہ انکو تمام اماموں کے دلائل معلوم ہیں اور اوسکی غلط گمانی کا منشا یہ تھا کہ میں بکثرت یہ کہا کرتا تھا کہ جمیعُ الائمۃِ علیٰ ھدًی مِن ربّھم تمام امام اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر ہیں۔ تو میں اوسکی اس حرکت پر بھی اوس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں کیونکہ وہ اس کتاب کے عجیب و غریب مضامین نہ سمجھنے کیوجہ سے معذور ہے +

اور تمام حضرات کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے۔ کہ جب تک میں نے کسی مذہب کی دلیل کو نہ سمجھ لیا۔ اوسوقت تک اوس مذہب کو بیان نہیں کیا۔ محض حسن ظن اور مان لینے کو کافی نہیں سمجھا۔ جیسا کہ بعض ایسا کرتے ہیں جسکو اس بات میں کچھ کلام ہو۔ وہ میری کتاب (المنہج المبین فی ادلۃ المجتہدین) کا مطالعہ کرے۔ جب اوسکو میری راستبازی کا یقین ہوگا۔ اور میں نے محض کسی مسئلہ کا امام کیطرف منسوب کر دینا بغیر اوسکی دلیل سمجھے اسوجہ سے کافی نہ جانا کہ بعض مرتبہ امام اس سے رجوع کر چکا ہوتا ہے۔ اور جب میں کسی مسئلہ کی قرآن کریم و حدیث سے دلیل سمجھ لونگا۔ تو میں اوس مذہب کی تقریر سے رجوع نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اوس توجیہ سے جو آئمہ کے کلام کی میں نے کی ہے۔ اور باب الطہارت سے آخر ابواب فقہ تک اوسکا بیان ہے یہ بات خوب ظاہر ہو جائے گی +

کیونکہ میں نے اس کتاب میزان میں اون امور کو جنپر تمام اقوال معمولہ و غیر معمولہ کی بنا ہے۔ خوب اچھی طرح بیان کیا ہے اور دل سے اسکا یقین کیا ہے۔ کہ جو لوگ ان مذاہب پر عمل کرتے تھے اور ان کو خدا تعالے کا دین سمجھکر لوگوں کو اس کے ساتھ فتوے دیتے تھے۔ یہانتک کہ وہ دستِ اجل کا شکار ہو گئے

اپنے پروردگار کیطرف سے ہدایت پر تھے۔ برخلاف اون لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ وہ اس بارہ میں خطا پر تھے۔ اس سے تم جان گئے ہو گے کہ میرا یہ مسلک نہیں ہے۔ کہ مکلف مختار ہے چاہے رخصت پر عمل کرے یا عزیمت پر۔ حالانکہ وہ اس عزیمت کی بجا آوری پر قادر ہو جو اوسکے لئے خاص ہے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میری زبان ایسے کلمات کی گویا ہو۔ حالانکہ اس سے دین کے ساتھ لہو ولعب لازم آتا ہو۔ چنانچہ پہلے گذر چکا ہے۔ البتہ رخصت پر عمل کرنا اوسوقت درست ہے۔ کہ جب مکلف اوس عزیمت کی بجا آوری سے یقیناً عاجز ہو جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اوس شخص کے لئے رخصت ہی عزیمت ہے۔ بلکہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو مقلد پر واجب ہے۔ کہ اپنے امام کی بیان کردہ رخصت پر عمل نہ کرے۔ جب تک کہ اوسکا اہل نہ ہو۔ اور جب عزیمت کی بجا آوری پر قادر ہو تو اوسی پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ اسکے امام کے سوا دوسرے امام نے اوسکا حکم دیا ہو۔ کیونکہ یہ تمام احکام درحقیقت شارع ہی کے کلام ہیں۔ نہ کسی اور کے۔ اور بالخصوص اوسوقت کہ جب دوسرے امام کی دلیل اس مقلد کے امام کی دلیل سے زیادہ قوی ہو۔

برخلاف بعض مقلدین کے یہانتک کہ ایک نے مجھ سے کہا کہ اگر میں بخاری شریف یا مسلم شریف میں کوئی ایسی حدیث دیکھوں جسکو میرے امام نے نلیا ہو۔ تو میں بھی اوسپر عمل نہ کروں۔ یہ اسکی کسقدر جہالت کی دلیل ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ ایسے شخص سے سب سے پہلے اوسکا امام بیزار ہو گا۔ کیونکہ اوسپر لازم تھا۔ کہ وہ اپنے امام کو اوس حدیث سے بے خبری پر محمول کرتا یا یہ خیال کرتا کہ شائد یہ حدیث اون کے نزدیک صحیح نہ ثابت ہوئی ہوگی چنانچہ اسکی وضاحت آئندہ فصول میں آجائیگی۔ اگر خدا نے چاہا۔ کیونکہ آج تک مجھ کو کوئی حدیث متفق علیہ ایسی نہیں ملی جسکو کسی ایسے شخص نے ضعیف بتایا ہو جسکی تضعیف ہمیشہ معتبر مانی گئی ہو۔ اور کسی کو مناسب نہیں کہ قوم کے کلام میں کسی مرجوح قول پر عمل کرے جب تک کہ اوس مرجوح قول میں باعتبار قول ارجح کے دینی احتیاط نہ ہو جیسے مذہب شافعی رضی اللہ عنہ میں صغیرہ لڑکی اور بال اور ناخن کے چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا اگرچہ اون کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن چونکہ اسمیں دینی احتیاط زاید ہے اسلئے یہی بہتر ہے کہ ان سب چیزوں سے وضو کرے۔ انتہی۔ اور جس کو اس کتاب میزان سے دل بستگی ہے وہ آئمہ مجتہدین کے مذاہب اور اون کے مقلدوں کے تمام اقوال کو ایک ہی شریعت سمجھتا ہے اور ایک ہی شخص کی لیکن اوس کے اندر دو مرتبہ جانتا ہے۔ جو شخص جس مرتبہ پر عمل کریگا تو لقید وجود شرط مصیب ہوگا۔ انشاء اللہ آئندہ فصول میں اسکو واضح کر دیا جائیگا۔ اور مجھ کو امام داؤد ظاہری رضی اللہ عنہ کی اس قول کی (کہ اوس صغیرہ کو چھو لینا جسکو اشتہا نہ ہوتی ہو ناقض وضو ہے) دلیل کا خدا تعالے کی جانب سے الہام ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالے نے بعض جگہ اطفال پر نساء کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ قصہ فرعون میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ (وہ انکے بیٹوں کو ذبح کرتا ہے اور اونکی عورتوں کو زندہ رکھتا ہے) اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ مؤنث کو پیدا ہوتے ہی زندہ رکھتا تھا۔ تو جسطرح اس قصہ میں باریتعالے نے لفظ نساء سے مؤنث مراد لیا ہے خواہ وہ عورت صغیرہ ہو یا کبیرہ تو اسی طرح اس آیت میں اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (یا چھوؤ تم عورتوں کو) قیاساً حکم عام ہونا چاہئے۔ اور یہ عجیب استنباط ہے میرے ذہن میں کسی اور نے اسکو نہیں نکالا۔ اسلئے کہ اس سے لمس کے ناقض وضو ہونے کی علت محض ملموسہ کا مؤنث

ہونا معلوم ہُوا۔ خواہ وہ صاحب شہوت ہو یا نہیں ✤

اب ہر امام کے اوس کلام کو جسکی کوئی صریح دلیل قرآن و حدیث میں نہ پاؤ۔ اسی پر قیاس کر کے یقین کر لو کہ کوئی دلیل ضرور ہے جو ہمارے فہم ناقص میں نہیں آتی یہ جائز نہیں کہ اوس کلام کو مردود یا ضعیف سمجھو کیونکہ تمہاری فہم کو امام کی فہم سے کیا نسبت تمہاری عقل اونکی عقل کے بالمقابل مانند غبار خاک کی ہے اور وہی زیادہ جاننے والا ہے ✤

فصل - اگر کوئی سوال کرے کہ کیا تمہارے نزدیک اوس مقلد پر جس نے اس کتاب میزان کو پڑھا سمجھا نہیں۔ اپنے مذہب کے دو قولوں یا دو دلیلوں میں سے قوی پر عمل کرنا واجب ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں جب تک وہ اس میزان کے مطالب سے بے بہرہ ہے اوسوقت تک یہی واجب ہے جسطرح ہر زمانہ میں لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔ اور جب اس میزان تک دلبستگی کے ساتھ اوسکی رسائی ہو جائے۔ تو اوسکو یقین ہو جائیگا کہ علمار کے تمام اقوال اور اون کے علوم کے تمام دریا اوسی شریعت اصلیہ کے چشمہ سے پھوٹتے ہیں۔ اور اوسی سے شروع ہو کر اوسی پر ختم ہو جاتے ہیں چنانچہ اسکا مفصل بیان اوس فصل میں آجائیگا جس میں جستی مثالیں مذکور ہیں۔ اور یہ بات دکھلادی گئی ہے۔ کہ علمار کے تمام اقوال شریعت کے سرچشمہ سے جاملتے ہیں۔ بہ ترتیب مقام۔ ناظرین اوس کو دیکھتے ہی یقین کرینگے۔ کہ اقوال علمار چشمۂ شریعت سے اسطرح وابستہ ہیں جسطرح ہاتھ کی انگلیاں اور ہتھیلی۔ اور جیران شخص اور اسکا سایہ باہم متصل ہیں۔ اس کے بعد پھر درست نہیں کہ اوس شخص کو کسی خاص معین مذہب کی پیروی کا حکم کیا جائے۔ کیونکہ اوس کے نزدیک تمام مذاہب ایک چشمۂ شریعت کی شاخیں ہونے میں برابر ہیں۔ اور کوئی مذہب بہ نسبت دیگر مذاہب کے شریعت سے زیادہ نزدیک نہیں ہے اور اونکی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے صیاد کی جال کی ڈوریں ہر طرف پھیلی ہوتی ہیں۔ اور مجمع اون تمام کا ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ اور اگر اوس شخص کو کوئی کسی خاص مذہب کی پابندی پر مجبور بھی کرے۔ تو وہ ہرگز پابند نہ ہوگا۔ چنانچہ آئندہ فصول میں خوب وضاحت سے آجائیگا انشاء اللہ تعالےٰ

اور جس شخص پر اس میزان کا انکشاف ہو جائیگا۔ وہ مرتبہ یقین میں علمار مجتہدین کے برابر ہوگا۔ بلکہ بعض سے بڑھ جائیگا۔ کیونکہ یہ شخص خاص چشمۂ شریعت سے چلو بھرتا ہے اور اون آلات اجتہاد کا محتاج نہیں۔ جو مجتہد کے شرائط سے ایک شرط ہے تو اوس شخص کی مثال ایسی ہے کہ وہ خود دریا کے راستہ سے ناواقف تھا۔ لیکن واقف کار کے ساتھ لگ کر حسن تقدیر سے دریا پر پہونچگیا۔ اب دریا سے سیراب ہونے میں واقف اور ناواقف دونوں برابر ہیں ✤

لیکن واقف میزان کی یہ شان اُنہی احکام میں ہے جنکی شریعت میں تصریح ہے۔ اور جن احکام کی تصریح نہیں ہے اونکو قرآن کریم اور حدیث شریف سے نکالنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ شخص اوس کے آلات (نحو اصول معانی) کا عالم ہو۔ جیساکہ ہم اپنی کتاب (منہج الاکباد فی بیان موارد الاجتہاد) میں اسکی پوری تفصیل بیان کر چکے ہیں اور وہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے مناسب ہے کہ اوسکو دیکھو ✤

فصل - اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اس بات کا یقین اور اعتقاد کرنے کے لئے کہ تمام امام اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ اس میزان سے ذوق پیدا کرے یہ اعتقاد تو صرف تسلیم کر لینے اور اوس پر ایمان لے آنیسے بھی حاصل ہو سکتا ہے جسطرح ہر زمانہ میں طالبان علم کا یہی دستور رہا ہے۔ تو جواب

وہی ہے جو ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ محض ان اماموں کو مان کر اونکے اقوال صحیح ہونے کا عقیدہ کر لینا ایک ادنےٰ درجہ کی بات ہے اور ہمارا مقصود اس میزان سے اس سے بھی اعلےٰ ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میزان کا جاننے والا مقلد ان امور پر مطلع ہو جائے جنکو آئمہ علیہ الرحمتہ جانتے ہیں۔ اور اپنے اندر علم وہیں سے حاصل کرے جہاں سے خود اماموں نے حاصل کیا ہو۔ خواہ وہ علم نظری اور استدلالی ہو۔ یا بطور کشف اور معاینہ کے حاصل ہوا ہو۔ اور حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم کو چاہئے کہ جہاں سے اماموں نے علم حاصل کیا۔ وہیں سے تم بھی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور صرف تقلید ہی پر مت قناعت کرو۔ کیونکہ یہ قلت بصیرت کا سبب ہے (انتہیٰ) اور اسکا مفصل بیان عنقریب فصل ذم الائمتہ بالقول بالرای میں آنے والا ہے۔ اگر خدا نے چاہا۔ اوسی میں دیکھنا چاہئے +

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ پھر کس وجہ سے علماء نے ان احکام پر جو ان کو بطور کشف کے معلوم ہوئے ہوں عمل کرنا واجب نہیں قرار دیا۔ حالانکہ وہ احکام بھی بعض کے نزدیک صحیح ہونے میں مثل نصوص کے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ علماء کا اوسپر عمل کو واجب نہ قرار دینا اسوجہ سے نہیں کہ وہ علم جو کشف سے حاصل ہوا ہے بہ نسبت اوس علم کی کمزور اور کم درجہ ہو جو نص سے حاصل ہوا ہے۔ بلکہ وجہ اوسکی یہ ہے کہ جو علم کشف سے حاصل ہوا ہو۔ یا اوس کے صحیح ہونے کا یقین ہوگا یا نہیں پہلی صورت میں اوس علم کا منجملہ ان واجبات کے شمار کرنا جو صراحتہً کتاب و سنتہ سے ثابت ہوئے ہیں کوئی ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ علم اسصورت میں ضرور قرآن کریم و حدیث شریف کے مطابق ہی ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اوس علم کی صحت کا یقین اسوجہ سے نہیں کہ صاحب کشف معصوم نہیں تو ایسی حالت میں ممکن ہے کہ اوس کے کشف میں شیطان نے دھوکا دیا ہو۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اوسکو اسپر قدرت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ علامہ غزالی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ شیطان صاحب کشف کے سامنے ایک صورت پیدا کرتا ہے جو مشابہ ہوتی ہے آسمان کے یا عرش و کرسی کے یا لوح و قلم کے تو وہ اس کو دیکھکر یقین کرتا ہے کہ یہ علم خدا ہی کی جانب سے ہے۔ اور یہ سمجھکر اوسکو لے لیتا ہے۔ پھر نتیجہ اوسکا یہ ہوتا ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے علماء نے صاحب کشف پر واجب کیا ہے کہ اوس علم کو جو کشف سے حاصل ہوا ہو حدیث و قرآن سے مطابق کرے اگر ٹھیک اوترے تو اوسپر عمل کرے۔ ورنہ اوسپر عمل کرنا حرام ہے۔ تو اب یہ بات خوب واضح ہوگئی۔ کہ جو شخص عین شریعت سے علم حاصل کرے۔ اور اوس میں تلبیس ابلیس کا کوئی شائبہ نہ ہو تو اوس سے تا زندگی رجوع صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ اس شریعت منصوصہ کے جو ہمارے سامنے موجود ہے بالکل ہوا فق ہے اور درمیان علماء مسلم ہے کہ جو کشف صحیح ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ شریعت کے موافق ہوتا ہے۔ اور وہی زیادہ جانتا ہے

فصل اگر کوئی معترض کہے کہ یہ میزان اوس شخص کی ہدائیت کے واسطے کافی نہیں ہے جو تمام آئمہ کو برحق نہیں جانتا۔ تاکہ وہ اس کے پڑھنے سے اس امر کا معتقد ہو جائے کہ تمام امام اپنے پروردگار کیطرف سے ہدائیت پر ہیں تو اوسکا جواب یہ ہے کہ جہانتک ہم سے ہو سکا وہاں تک اس کی سعی کی۔ کہ لوگوں کے دلوں میں پختہ یقین ہو جائے تمام آئمہ مسلمین کے برسر ہدائت ہونیکا اگر تم کو اس سے زیادہ مفید کوئی صورت معلوم ہے جس سے لوگوں کا عقیدہ درست ہو جائے۔ تو بتلاؤ تاکہ ہم اوسپر عمل کریں۔ اور اس کتاب میں اوسکو درج کریں اور معترض کے اس اعتراض کا منشا تعصب اور حسد ہو تو ہو۔ ورنہ وہ ہرگز اسپر قادر نہیں۔ کہ شریعت میں

تخفیف و تشدید کے علاوہ کوئی اور مرتبہ ایجاد کرے۔ اور جس کو میرے اس کلام میں کچھ شک ہو تو وہ اس کے خلاف کوئی بات بیان کرے۔ اگر وہ صحیح ہوگی۔ تو میں ضرور اپنے کلام سے رجوع کر جاؤنگا۔ اسلئے کہ میرا مقصد امت کی خیر خواہی ہے۔ خدانخواستہ فساد یا اپنے علم کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے بھائیوں کو ہدایت اور اونکا آئمہ علیہم الرحمتہ کے کلام کے ساتھ عقیدہ صحیح ہو جائے۔ اور اگر میرا مقصود اپنے بھائیوں کو امر حق کی رہبری نہ ہوتی۔ تو میں اس کتاب کے مضامین لوگوں سے مخفی رکھتا جسطرح علوم لدنیہ کو اونسے پوشیدہ رکھا جب تک اون کے اظہار کا مجھے حکم نہ ہوا چنانچہ اس کی طرف اپنی کتاب (الجوہر المصون والسر المرقوم فیما نتیجہ الخلوۃ من الاسرار والعلوم) میں اشارہ کر چکا ہوں۔ کیونکہ میں نے آدھے قرآن شریف کے تقریباً تین ہزار علم ایسے بیان کیے ہیں کہ اگر آج کوئی طالب علم چاہے کہ اپنی فکر اور کتابوں میں گہری نظر کرکے اون علوم میں سے ایک علم بھی حاصل کر لوں تو نہیں کر سکتا۔ ہاں ان کے حاصل کرنے کا طریق کشف صحیح ہے۔ جو لوگ عارفین میں سے ہیں۔ اونپر وقت تلاوت قرآن شریف تلفظ کے ساتھ ساتھ ان علوم کا انکشاف ہوتا ہے۔ گویا کہ کلمہ کا تلفظ بعینہ ایک علم ہوتا ہے۔ اور جو علم تلفظ کیوقت نہ حاصل ہو وہ اللہ والوں کے علوم سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ علم فکر کا نتیجہ ہے۔ اور جو علوم فکر سے حاصل ہوتے ہیں وہ اہل اللہ کے نزدیک ضعیف ہیں جنپر اونکو اعتماد نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ ایسے علم سے اہل علم کے رجوع کر جانے کا بھی احتمال ہے برخلاف اہل کشف کے علوم کے جیسا کہ گذرا اسکو خوب سمجھ لو۔

فصل اپنے آپ کو اس سے بچانا کہ اس کتاب کا نام ہی سنکر مصنف پر انکار کر دو۔ اور کہدو کہ فلاں شخص کسطرح تمام مختلف مذاہب کو جمع کرکے مثل ایک مذہب کی کر سکتا ہے حالانکہ تم نے اوس کتاب کو دیکھا بھی نہ ہو۔ اور نہ اوس کے مصنف سے ملاقات کی ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا تمہاری جہالت کی دلیل اور دین کے اندر دلیر بنجانے کی علامت ہے۔ بلکہ تم کو چاہیئے کہ یا تو مؤلف سے ملو۔ یا کتاب کو غور سے دیکھو۔ پھر جب وہ اپنی پختہ دلیل سے تم کو ساکت کر دے۔ تو تم کو اسکا قول ضرور تسلیم کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اوس سے پہلے اس کام کو اور کسی نے نہیں کیا۔ اسی طرح اپنے آپ کو اس سے بھی بچانا چاہیئے کہ اس کے مؤلف کو شریعت سے جاہل کہدو۔ کیونکہ یہ محض دروغ ہے۔ اگر ایسا شخص جو تمام آئمہ مسلمین کے اقوال کی ایسی توجیہ کر دے جس سے باہمی تخالف رفع ہو جائے۔ تو میرے خیال میں پھر تو سرزمین پر کوئی ایک بھی اس قابل نہ رہے کہ اسکو عالم کہا جائے

اور حضرت امام احمد بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ چونکہ علوم خدا تعالےٰ کیطرف سے نعمتیں اور اوسکے خاص احسانات ہیں۔ تو ضروری ہے کہ اوس نے علماء متاخرین کے واسطے وہ امور رکھ چھوڑے ہونگے جو متقدمین کو نہ دیئے گئے ہوں بلا انتہی الیس تم کو خدا کی قسم کہ حق کیطرف مائل ہو جاؤ۔ اور دلی عقیدہ کو زبانی اقرار کے ساتھ مطابق کرو۔ اور اپنے قلوب سے اس خلجان کو نکالدو کہ پہلے علماء نے اس قسم کی میزان کوئی نہ لکھی کیونکہ اوس فیاض کی سخاوت علماء کے دلونپر ہمیشہ رہی ہے۔ اور رہیگی۔ (وہ اپنے خاص بندوں کو ہمیشہ نئی نئی باتیں دین کی سمجھاتا رہیگا)

اور تم کو چاہیئے کہ علوم عقلیہ کو چھوڑ کر اون علوم کے میدان میں آؤ۔ جو حقیقی علوم اور بذریعہ کشف حاصل ہونیوالے ہیں۔ اگرچہ تمہاری طبیعت اون علوم سے الفت پذیر نہ ہو اسلئے کہ علوم لدنیہ کی خاص علامت یہ ہے کہ عقول انکا انکار کرتی ہیں۔ اور اونکو قبول کرنا محض مان لینے کے طور پر ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ علوم عقلیہ کا طرز انداز ہی اور ہے اور علوم کشفیہ کا طریق ہی اور۔ اور اون دونوں میں باہم مخالفت ہے۔ اور

آئندہ چلکر ہم اسبات کو خوب واضح کردینگے کہ مقلد کے تمام آئمہ اسلام کو دل سے حق نہ ماننے کی علامت یہ ہے کہ کسی واقعہ میں وقت ضرورت اپنے امام کے سوا دوسرے امام کی تقلید سے تنگدل ہو تب اوس سے یہ کہکر کہ تمام اماموں کے حق ہونے کا زبانی اقرار کہاں گیا۔ اگر وہ دلی اعتقاد کے مطابق تھا۔ تو اب کیوں تنگدل ہوتے ہو۔ اوس کے دعوے کا جھوٹا ہونا۔ اور عقیدہ کا صحیح نہ ہونا دکھا دیا جاویگا۔ اور تمام تعریفیں پروردگار عالم ہی کے واسطے ہیں۔

فصل - میں نے اس کتاب (میزان) کی تحریر کے لئے اوسوقت قلم اٹھایا ہے جب طالب علموں کی بار بار درخواستیں اوسکے تالیف کرنے کی میرے پاس پہونچ چکیں۔ اور انہوں نے بہت درد سے بیان کیا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جسطرح تمام آئمۂ اسلام کے برحق ہونیکا ہم زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اوسکا دل سے بھی اعتقاد کرنے لگیں تب میں نے شریعت کے تمام ادلہ اور اقوال علماء میں غور کرکے معلوم کرلیا کہ تمام احکام شریعت دو مرتبوں سے باہر نہیں ہیں۔ یا تخفیف میں داخل ہیں یا تشدیدمیں۔ تشدید اون لوگوں کے لئے ہے جو ایمان اور جسم میں قوی ہیں۔ اور تخفیف اون کے لئے جو ایمان یا جسم میں کمزور ہیں چنانچہ اسکی مفصل بحث گذر چکی ہے۔ لیکن اس کلیہ سے وہ احکام مستثنے ہیں جن کے اندر شریعت نے اختیار دیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے احکام میں قوی کے لئے جائز ہے کہ وہ رخصت پر عمل کرے اور تخفیف کو اختیار کرے۔ باوجودیکہ وہ عزیمت اور اشد پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور اس قسم کے احکام میں یہ کتاب میزان دونوں مرتبوں میں ترتیب کے لحاظ کو واجب نہیں قرار دیگی۔ مثلاً اس قسم کے احکام میں سے ایک حکم کی مثال یہ ہے کہ وضو کرنے والے کو جبکہ وہ موزے پہنے ہوئے ہو اختیار ہے کہ چاہے ان موزوں پر مسح کرے۔ یا اونکو اتار کر پاؤں دھووے اگرچہ ان دونوں مرتبوں میں سے ایک مرتبہ یعنی پاؤں کا دھونا۔ دوسرے مرتبہ یعنی مسح کرنے سے افضل ہے مگر اوس شخص کے لئے جو جانتا ہو کہ مسح کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں اور باوجود اسکے پھر مسح سے نفرت کرتا ہو۔ تو اوس کے لئے مسح کرنا دھونے سے زیادہ بہتر ہے۔ تو ان دونوں مرتبوں میں ایک کا افضل اور دوسرے کا مفضول ہونا تو ثابت ہو ہی گیا۔ اسکے علاوہ ایسے شخص کیواسطے اگر کوئی کہنے والا ہو تو کہہ سکتا ہے کہ اس کو مستثنے کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اوسمیں بھی ترتیب کا لحاظ واجب ہے۔ تقریر اسکی یہ ہے کہ اگر یہ شخص خدا تعالےٰ کی بہتر عبادت کرنی چاہے تو اوسپر واجب ہے کہ عزیمت پر عمل کرے۔ اور عزیمت اس مثال میں یا پاؤں کا دھونا ہے یہ تو عام لوگوں کے اعتبار سے اور یا مسح کرنا ہے یہ خاص اس شخص کے اعتبار سے جو باوجود عالم ہونے کے مسح سے متنفر ہے اور ہمارا اسکو بہتر کہنا وجوب کے منافی نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے تم کسی کو وقت نصیحت کہو کہ اللہ کی رضامندی کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اوسکی ناراضی سے رضامندی بہتر ہے۔ حالانکہ اوسکا راضی رکھنا واجب ہے۔

علی ہذا القیاس اوس کلیہ سے وہ دو امر بھی مستثنے ہیں جن دونوں کا دو مختلف وقتوں میں ثبوت ہو اور اون میں سے کسی امر کو منسوخ ہوجانے کی کوئی دلیل نہ موجود ہو اسکی مثال جیسے تمام سر کا مسح کرنا ایک وقت میں ثابت ہے۔ اور بعض سر کا مسح کرنا دوسرے وقت میں ثابت ہے۔ اسی طرح کبھی وضو میں اعضا کو پے درپے دھونا ثابت ہے اور کبھی اوسکے خلاف۔ تو ان صورتوں کو یہ نہ کہا جائیگا کہ تمام سر کا مسح کرنا اور پے درپے اعضا کو دھونا وجوبا مقدم ہے۔ اون کے خلاف پر۔ مگر صرف اوس صورت میں کہ جب بندہ خدا تعالےٰ کی عالی درگاہ

سے نزدیکی کا طلبگار ہو۔ اور باقی نظیروں کو اسی پر قیاس کر لو ؛

رہا فرمان ہمارے سردار اور مولیٰ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا کہ دو فعلوں میں سے جو آخری فعل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلے کے لئے یقیناً ناسخ ہوتا ہے) تو وہ اکثری ہی ہے۔ کلیہ نہیں ہے کیونکہ اگر اسکو کلیہ مانا جائے تو ہم کو مسح کل رأس اور مسح بعض رأس سے جو واقعی مقدم ہے۔ اوسکو یقیناً منسوخ کہنا پڑیگا۔ اور یہ بات ضروری ہے کہ واقع میں آخری فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں سے ایک ہی ہوگا۔ اور دوسرا مقدم۔ حالانکہ اس میں جو خرابی لازم آتی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ یعنی یہ کہ بعض اماموں کے نزدیک مسح میں کوئی تعیین نہیں۔ چاہے تمام سر کا کرے یا بعض کا اور بعض کے نزدیک تعیین ہے۔ تو وہ قاعدہ کلیہ مان لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل اوّل کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔ تو یہ دونوں مذہب کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔

اور حضرت امام احمد بن منذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب شارع علیہ السلام سے دو وقتوں میں کسی خاص امر کا دو طرح سے ثبوت ہو تو جب تک اون میں کسی کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو اوس وقت تک مکلف مختار ہے کہ اون دونوں طریقوں میں سے اوس خاص امر کو کبھی ایک طریق سے ادا کرے اور کبھی دوسرے سے (انتہی) اور ہم نے جو میزان کے دو مرتبوں کی تقریر کی ہے اوسکی بنا پر مناسب ہے کہ تمام سر کے مسح کے وجوب کو گرمی کے موسم پر محمول کیا جاوے۔ اور بعض سر کے مسح کو سردی کے موسم پر اور بالخصوص اوس شخص کے حق میں جس کے سر میں گنج ہو یا جس نے ابھی سر منڈایا ہو ؛

فصل ۔ جاننا چاہیئے کہ ہماری مراد اوس رخصت اور عزیمت سے جسکا ہم نے کتاب میزان میں ذکر کیا ہے مطلق شدت اور رخصت ہے نہ وہ جو اصولیین اپنی کتابیں انکے معانی بیان کرتے ہیں تو ہم نے مرتبہ تخفیف کا نام رخصت محض اوسکے مقابل تشدید کی وجہ سے رکھا ہے۔ یا اوس کے مقابل افضل ہونے کی وجہ سے۔ ورنہ جو شخص معذور ہو اوسکو شریعت میں طاقت سے باہر امر کی تکلیف نہیں دی گئی۔ اور جب طاقت سے خارج امر کا وہ مکلف ہی نہ ہوا تو اوسکے حق میں رخصت ہی اسطرح واجب ہے جسطرح عزیمت غیر معذور۔ اور قوی کے حق میں تو معذور کو یہ جائز نہیں کہ وہ مرتبہ رخصت سے نیچے اترے۔ کہ اوس فعل کو بالکل ہی ترک کر دے۔ جیسے وہ شخص جسکو پانی نہ ملے۔ اگر مٹی پر قادر ہو تو اوسکو تیمم ترک کر دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی جو شخص فرض نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہو اوسکو لیٹ کر درست نہیں۔ اور جو شخص دائیں یا بائیں کروٹ پر نماز ادا کر سکتا ہو اوسکو چت لیٹ کر ادا کرنا درست نہیں۔ اور جو چت ہو کر ادا کر سکتا ہو اسکو آنکھ کے اشارہ سے درست نہیں۔ اور جو آنکھوں سے اشارہ کر سکتا ہو اوسکو دل کے اشارہ سے افعال نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ کتب فقہ میں خوب ثابت ہے۔ تو ان تمام مراتب میں ہر مرتبہ بنسبت پہلے کی ایسا ہے جیسے ایک عزیمت اور دوسرا رخصت۔ کہ دوسرے مرتبہ پر عمل تاوقتیکہ پہلے پر قادر ہو جائز نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور تمام تعریفیں پروردگار عالم ہی کے واسطے ہیں

فصل ۔ پھر یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص رخصت پر عمل کرے اور اوسکی شرط موجود ہو یا افضل کو چھوڑ

لہ جیسا کہ امام شافعی رح کا مذہب ہے ۱۲ سے جیسا امام مالک رض اور امام ابو حنیفہ رض کا مذہب ہے ۱۲ منترجم

کر مفضول پر عمل کرے۔ اور اوسکی شرط پائی جاتی ہو تو اوسمیں وہ اپنے پروردگار کیطرف سے ہدائیت پر ہے۔ اگرچہ اوسکا امام اس مفضول یا رخصت کا قائل نہ ہو۔ چنانچہ آئندہ فصلوں میں بالتفصیل آجائیگا۔ اسی طرح جو شخص اپنے اوپر مشقت برداشت کرکے عزیمت کا مرتکب ہو۔ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہدائیت پر ہے۔ اگرچہ شارع نے اوسکو اسکی تکلیف نہ دی ہو۔ بوجہ مشقت زیادہ ہونے کے۔ ہاں اگر شارع علیہ السلام کی طرف سے اوسکے مخالف امر کا ثبوت پایا جاتا ہو تو اوسوقت عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لیس من البر الصیام فی السفر سفر میں روزہ رکھنا بھلائی کی بات نہیں ہے۔ تو مسافر کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ افطار کرے۔ کیونکہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا موجب ضرر ہوتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ امور جن سے قرب باریتعالےٰ حاصل ہوتا ہے وہ نفس کی فرحت کا سبب ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرب باریتعالےٰ پسندیدہ ہے۔ ناپسند نہیں۔ اور جو شخص خدا تعالےٰ کی عبادت کرنے میں اپنے اوپر مشقت اور بار ڈالتا ہے اوسکے لئے وہ عبادت اوس قرب کا سبب نہیں ہے جسکی وجہ سے درگاہ ایزدی سے نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور بالخصوص مسئلہ زیربحث میں اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس روزہ کو جو مسافر کے لئے سفر میں ہے بھلائی کی نفی اور قرب الٰہی کے عدم کا سبب فرمایا ہے۔ اور ہم شارع کے تابع ہیں خود صاحب شریعت نہیں۔ تو ہم میں سے کسی کے لئے سوائے اوس طریق کے جو شارع نے بتلایا ہو۔ دوسرے طریق سے خدا کی نزدیکی حاصل کرنا جائز نہیں۔ اور اوسی طریق سے اپنے نفس کو خوش کرنا چاہئے۔ اور جس طریق کی شارع نے اجازت نہ دی ہو وہ بدعت سے قریب تر ہے۔ اور تمام نئی باتیں ایسی نہیں ہوتیں کہ حدیث وقرآن ظاہر میں اونکی شہادت دیتا ہو تاکہ وہ قرب الٰہی کا سبب ہوسکیں اور ذرا غور کرو۔ کہ شارع نے اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی پر نیند غالب ہو اور بہ تکلف نماز ادا کرے۔ تو وہ مثل اوس شخص کی ہوجائیگا جو مجبور کیا جائے اور اسمیں جو کچھ ثواب کے اندر کمی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ جو طاعت محبت سے ہوتی ہے اوسکا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اس مضمون کو خوب سمجھ لو۔ اور رخصتوں پر اوسوقت عمل کرو جب اونپر عمل کرنے کی شرطیں موجود ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ کو یہ امر پسندیدہ ہے کہ اوسکی رخصتوں پر عمل کیا جائے جسطرح اپنی عزیمتوں پر عمل کرانا پسند فرماتا ہے۔ جیسے کہ اوس حدیث میں تصریح ہے۔ جو طبرانی وغیرہ نے روائیت کی ہے۔ اور تمام تعریفیں پروردگار عالم کے واسطے ہیں ؛

فصل ۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جو کچھ تم نے تقریر کی کہ اس میزان میں تمام اماموں کے کلام کو دو مرتبوں پر محمول کیا جائیگا۔ اور اسطرح تمام اقوال کو مطابق شریعت ہونا ثابت کیا جائیگا۔ تو کیا اوسکی کوئی نظیر کسی عالم کے کلام میں پائی جاتی ہے تو ہم جواب دینگے کہ ہاں شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں۔ اور دوسرے صاحب کشف حضرات نے ذکر کیا ہے کہ بندہ جب مقامات کو طے کرلے اس حالت میں کہ وہ کسی خاص مذہب کا پابند ہو اور اوس کے سوا اور مذاہب کا معتقد نہ ہو تو وہ مذہب اوسکو ضرور اوس چشمہ تک پہونچا دیگا جہاں سے اوس کے امام نے اپنے اقوال کے دلائل حاصل کئے ہیں۔ اور اس کے بعد اوس مقلد کو یقین کامل ہوجائیگا کہ تمام امام ایک ہی دریا سے پانی پیتے ہیں۔ اور پھر وہ ایک ہی مذہب کی پابندی اور غیر کی نفی کا خیال چھوڑ دیگا۔ اور اوس کے نزدیک تمام مذاہب صحت میں برابر ہوجائینگے ؛

شیخ محی الدین بن العربی فرماتے ہیں کہ ہمارے مقولہ کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص بعض رسولوں کو بعض پر ترجیح دیتا ہے۔ پھر جب وہ وحی کے اوس خاص دربار میں حاضر ہو جاتا ہے جہاں سے وہ اپنی اپنی شریعت کے احکام اخذ کرتے ہیں تو وہ اوس اجتہادی ترجیح سے باز آجاتا ہے۔ اور رسل کے مابین تفریق کو ترک کر دیتا ہے۔ مگر اوسوقت جبکہ باریتعالے کیطرف سے کسی فضیلت کا بطور الہام کے یقین دلایا جاوے یہی مثال ہے اوس مقلد کی جو اوس چشمہ سے واقف ہو جاوے جہاں سے آئمہ مجتہدین اپنے اپنے مذاہب لیتے ہیں (انتہی)۔ اسی طرح ہماری اس کتاب (میزان) کی تائید شیخ بدر الدین زرکشی کے اوس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب (قواعد فقہ) کے آخر میں فرمایا ہے۔ جاننا چاہیئے اللہ تعالے تم کو اپنی طاعت کی توفیق عنائیت فرماوے کہ اگر کسی امر میں رخصت بھی ہو اور عزیمت بھی تو اون دونوں پر عمل مقصود ہوتا ہے اور جب مکلف رخصت پر اس نیت سے عمل کرے کہ یہ بھی خدا تعالے کی ایک پسندیدہ رخصت ہے تو وہ بہت بہتر ہے۔ جیساکہ اوس حدیث میں گذرا کہ اللہ تعالے اپنی رخصتوں پر بھی عمل کرانے کو پسند فرماتے ہیں جسطرح اپنی عزیمتوں کا ادا کرانا اچھا جانتے ہیں جب تم کو یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو یہ جاننا چاہیئے کہ شریعت کا مقصد اتفاق ہے۔ اور اگر کسی امر میں اختلاف ہو تو اوسکو بھی حتی الامکان اتفاق کیطرف لوٹایا جاوے چنانچہ آئمہ متقدمین کا اسی پر عمل ہے۔ مثلاً ابو محمد جوینی رح اور اون کے امثال کا۔ کیونکہ علامہ موصوف نے ایک کتاب (محیط) تصنیف کی ہے جس میں کسی ایک مذہب کی پابندی کا التزام نہیں کیا ہے۔ اور اوس میں فرمایا ہے کہ یہ اہل تقوے کیواسطے منجملہ عزیمتوں کے ایک عزیمت ہے جسطرح اختلافی امور پر عمل کرنا اون کے نزدیک منجملہ رخصتوں کے ایک رخصت ہے۔ جب بندہ کسی ضروری امر میں پڑ جائے۔ اور اوس میں عزیمت پر عمل کرنا اوس کے لئے ممکن ہو تو اوسکو اوسپر عمل کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔ اور یہ عمل کرنا اگر راجح اور قوی ہے تو حکم میں عزیمت پر عمل کرنے کے ہے۔ اور اگر عزیمت پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ تو اوسکو چاہیئے کہ رخصت پر عمل کرے۔ جیساکہ بعض مواقع میں ضعیف قول پر عمل کرنا بھی اوس کے لئے جائز ہے۔ ایسے شخص کو یہ نہ کہا جائیگا۔ کہ اس نے محض مخالفت ہی کی ہے۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ جب ماذکر کو جان چکے ہو تو تم کو ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ کسی امام نے چاروں اماموں میں سے یا اون کے سوا میں سے کسی امر کو رخصت یا عزیمت قرار دینے میں مسلمانوں کے حال کی اوسی قدر رعائیت کی جسقدر قاعدہ مذکورہ کے موافق مناسب تھی تو ہر مقلد کو لائق ہے کہ وہ اپنے اماموں کے مقاصد پر غور کرے (انتہی) یہانتک وہ کلام ہے جو شیخ بدرالدین نے اپنی کتاب کے آخر میں فرمایا ہے۔ اور یہ ہماری کتاب میزان کی صحت کی بڑی قوی دلیل ہے۔ کیونکہ اب تک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی کہ کسی امام نے آئمہ اربعہ یا اون کے غیر میں سے کسی عزیمت یا رخصت کا ایسا عام حکم دیا ہو کہ ہمیشہ تمام اُمت کے حق میں اسی کی تعلیم دی ہو۔ بلکہ اوس کے برخلاف یہ بات ثابت ہے کہ اپنے اوس حکم کو ایک ایک قوم کے ساتھ مخصوص رکھتے تھے۔ چنانچہ مذکورین ذیل حضرات چاروں مذہبوں کا فتوے دیتے تھے:۔

نمبر (۱)۔ شیخ فقیہہ امام محدث مفسر اصولی شیخ عبد العزیز دیرینی رحمتہ اللہ علیہ

نمبر ۲۔ شیخ شیخ الاسلام عز الدین بن جماعۃ المقدسی رحمتہ اللہ علیہ۔

نمبر ۳۔ شیخ علامہ شیخ شہاب الدین البرسی رحمتہ اللہ علیہ جو ابن الاقطیع کے ساتھ مشہور ہیں۔

نمبر ۴۷ شیخ علی نبتیتی ضریر رحمۃ اللہ علیہ +

اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کی جماعت کثیرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ سب لوگوں کو مذاہب اربعہ کے ساتھ فتوے دیتے تھے۔ بالخصوص وہ عوام اشخاص جو کسی معین مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ اور نہ اوس کے قواعد و نصوص سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اور اونکا یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہمارا فعل تمام علماء میں سے کسی عالم کے قول کے بھی موافق ہو جائے۔ تو وہ صحیح اور درست ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اون تمام علماء کے لئے جبکہ وہ سب مقلد تھے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ہر مذہب کے فتوے دیں کیونکہ مقلد کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے باہر نہیں ہوتا +

تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اونمیں سے کوئی اجتہاد کے اوس مقام تک پہونچ گیا ہو جسکو (مطلق منتسب) کہتے ہیں۔ اور صاحب ایسے اجتہاد کا اپنے امام کے قواعد سے باہر نہیں ہوتا جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔ اور امام ابو القاسم اور امام اشہب اور مزنی اور ابن المنذر اور ابن سریج رضی اللہ عنہم۔ تو یہ حضرات اگرچہ لوگوں کو ایسے فتوے دیتے ہیں کہ اون کے اماموں نے اونکو تصریحاً نہیں بیان کیا۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ اون کے بیان کردہ قواعد سے باہر ایک قدم نہیں رکھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ اجتہاد مطلق کی دو قسمیں ہیں ایک مطلق نسبتی اور دوسرا مطلق غیر نسبتی آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد مطلق غیر نسبتی ہے۔ اور اون کے بڑے بڑے تلامذہ کا (جن کے اسماء گرامی اوپر لکھے گئے) پہلی قسم یعنی مطلق نسبتی کا اجتہاد ہے۔ اور حضرات آئمہ مجتہدین کے بعد امام محمد بن جریر طبری کے سوا اور کسی نے اجتہاد کی دوسری قسم مطلق غیر نسبتی کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن لوگوں نے اون کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا +

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالے نے اون علماء کو جو مذاہب اربعہ کے ساتھ لوگوں کو فتوی دیتے تھے شریعت اولے کے سرچشمہ پر آگاہ کر دیا ہو۔ اور آئمہ مجتہدین کے تمام اقوال کا اوسی سرچشمہ سے منشعب ہونا اونکو دکھلا دیا ہو۔ اور وہ لوگوں کو میزان کے دونوں مرتبوں کے لحاظ سے فتوے دیتے ہوں یہ نہیں کہ عام حکم ہر شخص کو ایک ہی بات کا دیدیتے ہوں۔ چنانچہ قوی کو عزیمت کا حکم دیتے ہوں۔ اور ضعیف کو رخصت کا نہ برعکس +

تو ایسے حضرات آئمہ مجتہدین کے قائم مقام ہیں۔ کہ جسطرح خود امام اپنے اقوال کے دلائل کو پورے طور سے محیط ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی۔ اور علماء سلف میں ایک جماعت گذر چکی ہے جنکو مقام مذکور یعنی (اجتہاد مطلق نسبتی) حاصل تھا۔ مثلاً شیخ ابو محمد جوینی اور امام عبد البر مالکی۔ اور دلیل اسکی یہ ہے۔ کہ امام ابو محمد نے ایک کتاب بنام (محیط) تالیف کی ہے۔ اور اوسمیں کسی معین مذہب کے پابند نہیں ہوئے ہیں جیسے علامہ زرکشی کی مذکورہ عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن عبد البر فرمایا کرتے تھے کہ (کل مجتہد مصیب) ہر صاحب اجتہاد حق کو پہونچنے والا ہے۔ تو یا تو ان دونوں حضرات کا قول مذکور اور فعل مذکور اسوجہ سے صدور میں آیا ہوگا کہ وہ شریعت کبریٰ کے اصل سرچشمہ پر آگاہ ہو گئے۔ اور جان گئے۔ کہ تمام علماء کے اقوال اسی سے متفرع ہیں جسطرح ہم جان گئے بحمد اللہ وعونہ۔ اور یا اسوجہ سے کہ شارع نے اوس حکم کی جو مجتہد نے قرآن و حدیث سے نکالا ہو تقریر کی ہے +

اور علامہ شیخ عز الدین بن جماعہ سے ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ جب وہ کسی عامی شخصکو کسی امام کے مذہب کے موافق کسی فعل کا حکم دیتے تھے تو اوس امام کے تمام شرائط پر کاربند ہونے کی تنبیہ فرماتے تھے۔ اور یہ کہ اگر تو نے ان تمام شرائط میں سے کسی شرط کو ترک کر دیا تو یہ تیری عبادت نہ تو اوس امام کے مذہب کے موافق درست ہوگی اور نہ کسی اور کے۔ اسلئے کہ جو عبادت چند مذاہب کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے وہ اوسی وقت صحیح ہوتی ہے جب تمام مذاہب کے شرائط کو جامع ہو (انتہیٰ) اور یہ فرمان اونکا دینی احتیاط اور اس خوف کی وجہ سے تھا کہ کہیں یہ کسی مسلمان کی عبادت کے نقصان کا سبب نہ بنجاویں۔ اگر اس پر یہ سوال کرو کہ چاروں مذاہب کے مفتی کے لئے یہ مناسب ہے کہ مقلدین کو اونہی اقوال کے ساتھ فتوے دے جو نقلاً قوی ہوں۔ یا جس کے ساتھ چاہے فتوے دیدے تو جواب یہ ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اوسی قول کے ساتھ فتویٰ دے جو نقلاً قوی اور صاحب ترجیح ہو اس لئے کہ مقلد نے اوس سے یہی سوال کیا ہے کہ میرے امام کے مذہب میں جو ارجح اور قوی ہو وہ بتلا دو نہ یہ کہ جو تمہارے نزدیک قوی اور معتبر ہو وہ بتلا دو۔ ہاں البتہ جس جگہ مرجوح اور ضعیف قول سائل کے مذہب میں احوط ہو تو اوس وقت مرجوح کے ساتھ فتوے دینے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ اور جب علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اندر اجتہاد کی پہلی قسم (مطلق نسبتی) کے ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ کے مذہب میں سے قول ارجح کے ساتھ لوگوں کو فتوے دینے شروع کئے تو لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ اون اقوال کے ساتھ فتوے کیوں نہیں دیتے جو آپ کے نزدیک قوی اور ارجح ہے تو علامہ نے اونکو جواب دیا کہ مجھ سے جو لوگ سوال کرتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ آپ کے نزدیک جو قوی ہو وہ بتلا دو۔ کیونکہ اون کے سوال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم کو یہ بتلا دو۔ کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب میں جو حکم ہو وہ بتلا دو ✦

تو اوس شخص کے واسطے جو چاروں مذاہب کا مفتی ہو اسکی سخت ضرورت ہے۔ کہ ہر امام کے نزدیک جو ارجح اور قوی ہو اوس سے واقفیت رکھتا ہو تاکہ مقلدین کو فتویٰ دے سکے۔ مگر اوسوقت کہ جب مفتی جان لے کہ سائل کو میرے علم و مذہب پر پورا اعتماد ہے۔ اور جو کچھ میں بیان کرونگا اوسکے لئے سائل کا سینہ کھل جائیگا۔ اگرچہ سائل کے نزدیک وہ قول مرجوح او ضعیف ہی ہو۔ تو اوسوقت مفتی کے لئے اسکی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ہر امام کے نزدیک جو راجح اقوال ہیں اونکا عالم ہو (انتہیٰ) اس مضمونکو خوب سمجھ لو ✦

فصل اور منجملہ اُن امور کے جن سے اس کتاب (میزان) کے دو مرتبوں کا صحیح اور درست ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ ایک یہ امر بھی ہے کہ جب تم کسی حدیث کو جو وارد ہوئی ہو یا کسی قول کو جو استنباط کیا گیا ہو اور اوس کے مقابل کو دیکھوگے تو اونمیں سے ایک کو مشدد اور دوسرے کو مخفف ضرور پاؤگے۔ پھر کبھی تو ایسا ہوگا کہ جو حدیث یا قول مخفف ہو تمہارے مذہب میں وہی صحیح اور راجح ہوگا۔ اور کبھی وہ قول ضعیف اور مرجوح ہوگا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تخفیف پر عمل کرتے وقت تم میزان کے دو مرتبوں میں سے کسی ایک مرتبہ کے اہل ضرور ہوگے۔ اور جو شروط فعل رخصت کی بیان کی گئی ہیں وہ بھی موجود ہونگیں۔ تو تم کو چاہئے کہ سائل کو اوسکے حال کے موافق فتویٰ دو۔ اگرچہ تم خود اوس پر عمل نہ کرتے ہو۔ اسلئے کہ اوس نے تم سے اپنے حال کے مطابق جواب طلب کیا ہے۔ اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اسی پر عملدرآمد کرو اور مستفتی کو اوس قول کے ساتھ فتویٰ دو جسکا وہ اہل ہے ✦

پس ایسے شخصکو جو طہارت بہ آسانی کرسکتا ہو مس فرج کرلینے کے بعد بغیر وضو کیئے نماز ادا کرنا جائز نہیں بشرطیکہ شافعی مذہب کا ہو۔ اگرچہ وہ شخص یہ کہے کہ میں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتا ہوں جسطرح اوس شخص کے واسطے فرض یا نفل نماز بغیر سورہ فاتحہ کے درست نہیں اگر وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور محض خدا تعالےٰ کے ذکر سے نماز جائز نہیں اگر قرآن شریف پڑھ سکتا ہو چنانچہ اسکی پوری تفصیل وہاں آجائیگی جہاں اقوال علمار کی توجیہہ بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالےٰ ✦

علاوہ بریں یہ بات ہے کہ اگر اپنے اوپر مشقت برداشت کرکے عزیمت کو ادا کرنا چاہو حالانکہ تم رخصت پر عمل کرنے کے مستحق ہو تو یہ تمہارے لئے درست ہے بشرطیکہ تمہارا مقصد اپنے نفس سے مجاہدہ ہو جس طرح رخصت پر اوتر آنا جائز ہے بشرطیکہ اوسکی شرط موجود ہو جو اس میزان میں مذکور ہے اور وہ عزیمت سے عاجز ہو جانا ہے عجز شرعی ہو یا غیر شرعی یعنی حسی ہو۔ اور ان دونوں صورتوں میں تم خدا تعالےٰ کیطرف سے ہدایت پر سمجھے جاؤگے ✦

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی حکم میں دو قولوں سے زیادہ ہوتے ہیں تو اوسکے اندر جو تشدید کے قریب ہو۔ اوسکو تشدید میں داخل کرلیا جاوے اور جو تخفیف کے قریب ہو اوسکو تخفیف میں داخل کرلیا جاوے لیکن یہ کام وہی کرسکتا ہے جو ماہر فن ہو۔ جیسے قول مفصل کی مثال میزان کے خطبہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بات محال ہے کہ جب دو قولوں یا دو دلیلوں میں سے ایک مشدد یا مخفف ہو۔ تو دوسرا اوس کے مقابل میں نہ داخل ہو ضرور جب ایک مشدد ہوگا تو دوسرا اوس کے مقابل (مخفف) میں داخل ہوگا۔ اگر تم چاہو تو اپنے مذہب کے اقوال میں بعض کو بعض کے ساتھ ملاکر ہمارے دعوے کا امتحان کرلو۔ اور اگر چاہو تو اپنے مذہب کو دوسرے مذاہب سے ملاکر (جو تمہارے مذہب کے خلاف ہیں) دیکھ لو۔ انشاء اللہ ہرگز اون کو دو مرتبوں (تخفیف و تشدید) سے خارج نہ پاؤگے۔ اور ہر ایک کے لئے اوامر و نواہی کی بجاآوری کے وقت خاص خاص لوگ مقرر ہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں گذر چکا ہے۔ اسی طرح جس حکم کو مجتہد نے واجب کیا ہو یا حرام ٹھیرایا ہو۔ وہ بھی دو مرتبوں سے خالی نہیں اسلئے کہ مقابل تحریم کا عدم تحریم ہے۔ جو مستحب کو بھی شامل ہے۔ اور بعض نے بیان کیا ہے کہ جس کو مجتہد نے واجب ٹھیرایا ہو۔ یا حرام قرار دیا ہو۔ وہ مرتبہ اولےٰ میں ہوتا ہے۔ اور اوس کا مقابل مرتبہ خلاف اولیٰ ہیں۔ کیونکہ شارع کے سوا کسی کو حق نہیں ہے کسی امر کو واجب یا حرام کرے (انتہی)

اور حق بات یہ ہے کہ مجتہد مطلق کے لئے کسی امر کے واجب یا حرام ٹھیرانے کا استحقاق ہے۔ چنانچہ اسی پر علمار کا اتفاق ہے۔ اور اگر بعض کے قول مذکور کو تسلیم کرلیں۔ تو وہ بھی دو مرتبوں سے خالی نہیں۔ کیونکہ اولیٰ مرتبہ تشدید میں اکثر ہوتا ہی اور خلاف اولےٰ اکثر مرتبہ تخفیف میں ہوتا ہے اولیٰ مرتبہ تشدید میں اکثر اسوجہ سے ہوتا ہے کہ مطلوب میں کچھ نہ کچھ روک ٹوک ضرور ہوتی ہے۔ پھر اولیٰ عام ہے چاہے کسی امر کا بجالانا ہو۔ یا کسی فعل کا ترک کرنا ✦

اگر کوئی سائل سوال کرے کہ جب شارع نے مجتہدین کے اقوال اجتہادیہ کی تصریح نہیں کی تو تم نے کیسے اون سب کو شریعت میں داخل کردیا۔ تو جواب یہ ہے کہ اون کے متعلق اس امر کا یقین کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے ان اقوال کے وجوب اور حرمت کو یا دلائل سے نکالا ہے۔ اور یا بطریق کشف جان لیا

ہے کہ شارع کی یہی مراد ہے ان دونوں امروں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اور بعض مجتہدین میں دونوں ہوتے ہیں +

اگر کوئی سوال کرے کہ اوس حدیث یا قول میں کیا کہو گے جو ایک ہی واقع ہوا ہو۔ تو جواب یہ ہے کہ ایسے قول یا حدیث کا چونکہ کوئی مقابل نہیں۔ اسوجہ سے اوسمیں میزان کے دو مرتبے جاری نہ ہونگے۔ بلکہ وہ امر متفق علیہ سمجھا جائیگا۔ اور اسکی مثال وہ حدیث ہے جسکا مقابل منسوخ ہو گیا ہو۔ یا وہ قول جس سے مجتہد نے رجوع کر لیا ہو۔ یا اوس کے خلاف پر علماء کا اتفاق ہو گیا ہو۔ تو ایسی امثلہ میں تمام مکلفین کے لئے ایک ہی مرتبہ ہوگا۔ کیونکہ اون میں اونکی بجا آوری کے وقت کسی مکلف پر ایسی مشقت نہیں ہوتی جسکو اونکے ترک کرنے کی مشقت پر ترجیح ہو۔ برخلاف اون احکام کے کہ جن میں ایسی مشقت پائی جاتی ہے۔ تو اونکے اندر دونو مرتبے تخفیف اور تشدید موجود ہوتے ہیں۔ جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر تخفیف بھی ہے اور تشدید بھی ہے۔ تشدید تو یہ ہے کہ بعض کے نزدیک یہ دونوں کبھی ساقط نہیں ہوتے۔ چاہے جان اور مال کا ہی خوف کیوں نہ ہو۔ اور تخفیف یہ ہے کہ دوسروں کے نزدیک اوس خوف کیوقت ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو اول یعنی تشدید کا حکم قوی لوگوں کے لئے ہے جیسے علماء اور صالحین۔ اور ثانی یعنی تخفیف کا حکم اون لوگوں کیواسطے ہے جو ایمان اور یقین میں کمزور ہیں +

اگر کوئی سوال کرے کہ کیا یہ دو مرتبے اوس شخص کے حق میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جو اولیاء اللہ میں سے ہو۔ اور اپنے دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے سے امر منکر کو صدور سے روک دے۔ مثلاً شرابی کو شراب پینے سے باز رکھے۔ اسطرح کہ اوس کے برتن کو توڑ دے۔ اور زانی شخص کو زنا سے محروم رکھے۔ اسطرح کہ زانی اور زانیہ کے درمیان خود حائل ہو جائے۔

تو جواب یہ ہے کہ ہاں اونمیں بھی دو مرتبے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اولیاء اللہ میں سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اس معصیت کے دفع کرنے میں خدا کی طرف اپنے دل کو متوجہ کرنا واجب جانتے ہیں۔ تو یہ لوگ گویا اوس منکر کے ازالہ پر قادر ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جو واجب نہیں جانتے۔ بلکہ برعکس اون لوگوں کے گناہ پر جو کھلم کھلا گناہ نہیں کرتے مطلع ہونے کو مکروہ جانتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں لوگوں کے عیوب کی پردہ دری ہوتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک لوگوں کے عیوب پر مطلع ہونا کشف شیطانی کہلاتا ہے۔ اوس شخص کو جسے اس قسم کا کشف ہوتا ہو۔ خدا تعالےٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اوس کے اور مکشوف کے درمیان باری تعالے حائل ہو جائے +

اگر کوئی سوال کرے کہ اوس شخص کے بارہ میں کیا کہتے ہو کہ جب وہ اہل منکرات کو منکرات سے روکے اور اون کی شراب کے برتن کو توڑ دے تو اوس کے اندر ایک ایسا کمال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اون لوگوں سے بچا سکتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص پر واجب ہے کہ اون لوگوں کو بذریعہ ہاتھ یا زبان روکے بایں اعتماد کہ اللہ تعالےٰ اوسکو رسوا نہ کریگا یا نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اسمیں بھی دو مرتبے ہیں بعض اولیاء ایسے ہیں کہ جب وہ اپنے بچاؤ کی صورت جانتے ہیں تو اپنے اوپر اسطرح روکنے کو لازم کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے کہ لازم نہیں کرتے۔ اس کی نظیر وہ شخص ہے جسکو اتنی قدرت ہو کہ وہ ایک قدم رکھکر مکہ معظمہ پہونچ سکتا ہو اور تمام تعریفیں پروردگار عالم کے لئے ہیں +

فصل - اگر تم کہو۔ کہ جو لوگ قیاس کو ادلہ شرعیہ میں سے شمار کرتے ہیں کیا اوس میں بھی میزان کے دونوں مرتبے جاری ہیں تو جواب یہ ہے کہ ہاں اوسمیں بھی دونوں مرتبے موجود ہیں۔ کیونکہ بعض علماء ایسے ہیں کہ انہوں نے دین میں قیاس کرنے کو مکروہ بتلایا ہے۔ اور بعض نے بلا کراہت جائز کہا ہے۔ اور بعض نے بالکل منع کیا ہے اِسلئے کہ علت کے عام کر دینے کا نام قیاس ہے۔ اور بندہ کو کیا معلوم شاید شارع کا مقصود علت کو ہر جگہ جاری کرنا نہ ہو۔ اور بعض امور کو حکم سے خارج ہی رکھنے کا ارادہ کیا ہو۔ امت پر سہولت کرنے کی غرض سے۔ اسکی مثال جیسے چانولوں کا گیہوں پر قیاس کرنا کہ جس طرح گیہوں میں سود ہوتا ہے اوسی طرح کہا جائے کہ چانولوں میں بھی سود ہے۔ کیونکہ جو علت گیہوں میں ہے وہ چانولوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی قوت بنانا۔ اور اس قیاس کی ضرورت اسوجہ سے ہوئی کہ شارع نے چانولوں کا حکم تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔ تو بعض اہل اللہ تو یہ فرماتے ہیں کہ چانولوں میں سود کا قول نہ کیا جائے جیسا کہ حدیث (وسکت عن اشیاء رحمتہ بکم یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی چیزوں سے سکوت تم پر رحم کرنے کی غرض سے فرمایا۔) اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تو جو چانولوں کو گندم پر قیاس کرتا ہے وہ تشدید کرتا ہے۔ اور جو قیاس نہیں کرتا۔ وہ تخفیف کرتا ہے۔

سلف صالحین یعنی حضرات صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم بھی قیاس کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو ملحوظ رکھکر قیاس کو ترک کیا۔ اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ اون احادیث کو جو زجر اور کسی امر سے نفرت دلانے کے لئے وارد ہوئی ہیں اونکو اپنے ظاہر پر رکھنا۔ اور ان میں کسی قسم کی تاویل نہ کرنا ادب کی بات ہے۔ کیونکہ جب اون میں تاویل کرلی جائیگی۔ تو شارع کا مقصود فوت ہو جائیگا۔ مثلاً ان احادیث میں کہ جو شخص خیانت کرے ہماری وہ ہم میں سے نہیں۔ اور من تطیر او تطیر لہ یعنی جو شخص بدفالی لے یا اوس کے لئے بدفالی لی جائے۔ اور من لطم الخد و دفلیس منا جو رخساروں پر مارے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور من تشق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیۃ فلیس منا جو شخص گریبانوں کو پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی سی چیخ پکار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اگر کوئی عالم تاویل کرے اور کہے کہ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے۔ کہ ایسا کرنیوالا صرف اسی عادت میں ہم سے جدا ہے اور باقی عادتوں میں ہمارے زمرہ میں داخل ہے۔ تو فاسق شخص ان عادات کو ایک معمولی اور آسان بات جانیگا۔ معلوم ہوا کہ سلف صالحین کا اس قسم کی احادیث میں تاویل نہ کرنا شارع کے اتباع کی پوری دلیل ہے۔

ایک دفعہ حضرت جعفر صادق اور مقاتل بن حبان رضی اللہ عنہما اور چند لوگ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ ہم نے سُنا ہے کہ آپ اللہ تعالٰے کے دین میں قیاس بہت کرتے ہیں حالانکہ اس قیاس کا بانی ابلیس لعین ہے۔ تو مناسب ہے کہ آپ ہرگز قیاس نہ کریں تو آپ نے جواب دیا کہ جو میں کہتا ہوں وہ قیاس نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سب قرآن شریف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے قرآن شریف میں کسی شے کو بیان کرنے سے نہیں چھوڑا۔ تو جو کچھ میں کہتا ہوں وہ واقع میں قیاس نہیں ہوتا۔ بلکہ اوس انسان کے نزدیک قیاس ہوتا ہے جسکو خدا تعالٰے نے قرآن شریف سمجھنے کا ملکہ نہیں عنائیت فرمایا (انتہی) اس سے معلوم

ہوا کہ اہل کشف قیاس کے محتاج نہیں کیونکہ وہ اپنے کشف کیوجہ سے قیاس سے بے پرواہ ہوتے ہیں +
اگر اون حضرات پر کوئی شخص یہ سوال پیش کرے کہ والدین کو مارنا حرام ہے۔ حالانکہ اس کی حرمت کی تصریح قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے اس قول سے عقلاً نکالتے ہیں فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ اپنے ماں باپ کو اُف تک نہ کہو۔ کیونکہ جب اُف کہنے کی ممانعت ہے تو مارنا بدرجہ اولےٰ ناجائز اور حرام ہوگا + تو اسکا جواب یہ ہے کہ اہل کشف پر یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہوتا۔ اِسلئے کہ جب بار تعالےٰ نے اپنے اس فرمان سے کہ بالوالدین احسانًا انسان کے لئے واجب کردیا کہ وہ اپنے والدین پر احسان کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مارنا احسان نہیں بلکہ اوسکی ضد ہے تو اس کے لئے قیاس کرنے کی ضرورت نہ رہی +

اور میں نے اپنے سردار حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ قیاس دونوں صاحبوں کے نزدیک خواہ وہ ہوں جو قیاس کے محتاج ہیں یا وہ جو قیاس کے محتاج نہیں۔ میزان کے دونوں مرتبوں میں داخل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس نے انسان کو اسکا مکلف بنایا ہے کہ وہ دلیلوں کی تلاش اور نظیروں کے اندر قرآن سے حُکم نکالنے کی سعی کرے۔ اوس نے تشدید کی ہے۔ اور جس نے اسکا مکلف نہیں کیا۔ اوس نے تخفیف کی ہے۔ اور ہر زمانہ میں دونوں قسم کے لوگ موجود رہے ہیں۔ وہ بھی جو مسائل کے استنباط پر قادر ہیں۔ اور وہ بھی جو اس سے عاجز ہیں +

اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تمام وہ احکام جو مجتہدین نے قرآن سے نکالے ہیں شریعت ہی میں شمار کئے جائینگے۔ اگرچہ اون کے دلائل عوام پر مخفی ہوں۔ اور جس نے اسکا انکار کیا ہے تو اوس نے حقیقت میں اماموں کو خطاوار ثابت کیا ہے۔ کہ وہ ان امور کو جن کی خدا تعالےٰ نے اجازت نہیں دی۔ شریعت میں داخل کرتے ہیں۔ اور اماموں کو خطاوار کہنے والا گمراہ ہے حق یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ کہ اگر امام اون احکام کی کوئی دلیل شریعت میں نہ پاتے تو ہرگز اوسکو شریعت میں داخل نہ فرماتے +

حاصل یہ ہے کہ استنباط احکام میں بھی میزان کے دونوں مرتبے جاری ہیں جسطرح قیاس میں۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجتہدین کے جسقدر احکام استنباطی ہیں وہ سب قابل اتباع ہیں۔ وہ تشدید کو کام میں لاتا ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ صرف وہی احکام واجب الاتباع ہیں جنکی شریعت میں تصریح ہے یا اوپر علماء کا اجماع ہے۔ تو اوس نے تخفیف کی ہے۔ لیکن پوری تخفیف نہیں کی۔ اِسلئے کہ اوس نے یہ نہیں کہا جن کی شریعت میں تصریح نہیں وہ ناجائز و حرام ہیں بلکہ اوسکا قول اس قسم کا ہے کہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ جو شخص فدیہ میں زیادتی کرنی چاہے۔ تو یہ اوس کے لئے اور زیادہ اچھا ہے۔ اور تمام تعریفیں پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں +

فصل ۔ جو شخص اس میزان پر عمل نہ کرے اسطرح کہ تمام اقوال مرجوحہ کو متروک العمل کردے۔ تو اکثر اوسکو ثواب میں نقصان اور تمام اون علماء کے ساتھ بے ادبی لازم آئیگی۔ جو اون مرجوح اقوال کے قائل ہیں برخلاف اوس شخص کے کہ جو اس میزان پر عمل کرتا ہو۔ کیونکہ جس مرجوح قول کو اوس شخص نے عملاً چھوڑ دیا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا وہ دین کے اعتبار سے احوط ہوگا۔ یا غیر احوط ہوگا۔ پہلی صورت میں اوسکا ترک کرنا ظاہر ہے کہ مناسب نہیں اور دوسری صورت میں احتمال ہے۔ اوس کے رخصت ہونے اور اللہ تعالےٰ اپنی رخصتوں پر عمل کئے جانے کو پسند فرماتا ہے چنانچہ حدیث میں گذر چکا ہے۔ بشرطیکہ

رخصت پر عمل کرنے کی شرط موجود ہو +

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ہر وہ سنّت کہ مجتہدوں نے جسے مسنون کیا ہو اور ہر وہ بدعت کہ جسے اُنہوں نے حرام بتایا ہو جنّت کے درجہ اور دوزخ کے عذاب کا سبب ہوتی ہے اگرچہ مقام میں تفاوت ہو۔ کیونکہ مجتہدین کی مسنونہ سنّت اور اونکی بیان کردہ بدعت کے مرتکب کم درجہ میں ہوں گے بہ نسبت اوس سنّت اور بدعت کے مرتکب کے کہ جسکو خود شارع نے بیان کیا ہو چنانچہ اہل کشف نے اس کی تصریح کی ہے پس جان لو اسکو۔ اور نیز اوس امر پر جسے مجتہدوں نے مسنون کیا ہو عمل کرو۔ اور جسے انہوں نے مکروہ بتلایا ہو۔ اوس سے اجتناب کرو۔ اور اون سے دلائل کے طالب مت بنو کیونکہ تم جب تک اون کے درجہ کو نہ پہونچو اور جس ماخذ سے وہ احکام لیتے ہیں وہاں سے تم بھی نہ لینے لگو۔ تو اوس وقت تک تم کو اُنہی کے حلقۂ اطاعت میں رہنا چاہئے +

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ آئمہ علیہم الرحمۃ کے تمام اقوال پر عمل کرو۔ اگرچہ بظاہر اون اقوال میں باہمی مخالفت نظر آتی ہو۔ بشرطیکہ اونپر عمل کرنے کی شرائط تم میں موجود ہوں تاکہ پورا ثواب تم کو حاصل ہو۔ تو اوس شخص میں جو کل شریعت پر عمل کرتا ہو اور اوس میں جو اکثر احکام کو رد کرکے متروک العمل کر دیتا ہو کسقدر فرق بیّن ہے۔ کیونکہ ایک مذہب تمام دلائل کو حاوی ہرگز نہیں ہو سکتا اگرچہ اوس مذہب کا صاحب یہ کہدے کہ جو حدیث صحیح ہو وہ میرا مذہب ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ امام کے بعد میں جن احادیث کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ تو اوس امام کے پیرو اونپر عمل نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ اون کے امام کے مقصد کے خلاف ہے اسکو خوب سمجھ لو۔ (انتہی)

اگر کوئی شخص اوس مکلف کے مستحق ثواب ہونے میں توقف کرے جو مجتہدوں کے اجتہادی سنن پر عمل کرتا ہو۔ اور اسپر امام سے دلیل کا طالب ہو تو ہم اوسکو یہ جواب دینگے کہ تم کو تمام اماموں کے ہدایت پر ہونے کا ایمان ہے یا نہیں۔ تو اگر وہ شخص صحیح اعتقاد کا ہے تو اوسکو سوائے ہاں کہنے کے چارہ نہ ہوگا۔ تو پھر ہم اوس سے کہینگے کہ جب تم کو اونکے برحق ہونے پر ایمان ہے اور اون کے مذاہب صحیح ہونے کا یقین ہے تو اسکا بھی تم کو یقین کرنا پڑیگا۔ کہ جو شخص اخلاص سے اونکے اقوال پر عمل کرے تو وہ سزاوار ثواب اور جنت میں مراتب حاصل کرنے کا مستحق ہے۔ اگرچہ اسمیں شک نہیں کہ اوس شخص کا مقام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرتا ہو۔ اوس شخص کے مقام سے جو مجتہدین کے اجتہادی احکام پر عمل کرتا ہو بہت بلند اور اعلیٰ ہوگا۔ بالخصوص اسوجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من سنّ سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا۔ جو شخص کسی اچھے طریقے کی بنیاد ڈالے۔ اوسکو اوسکا بھی اجر ہے اور اون لوگوں کا بھی جو اوسپر عمل کرنے والے ہیں آخر حدیث تک پس خوب سمجھ لو اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

فصل۔ مومن کو مناسب ہے کہ ہر اوس حدیث پر جسکا ثبوت ہو اور ہر اوس قول پر جو استنباطی ہو عمل کرے بشرطیکہ اوسکی شرط موجود ہو۔ کیونکہ ہر قول اور ہر حدیث میزان کے مرتبوں میں داخل ہے۔ اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جب تم شارع کے کلام کو باہم مخالف دیکھو۔ یا کسی امام کا کلام آپس میں ایک دوسرے کا متناقض دیکھو۔ تو اون کو دو وقتوں پر حمل کرو۔ تاکہ تناقض دور ہو جائے کیونکہ شارع کے کلام میں تناقض نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اماموں کے کلام میں بھی مخالفت نہیں ہو سکتی بشرطیکہ

انصاف اور عالمانہ نظر سے دیکھا جائے نہ تعصب اور جہالت کی نظر سے جیسا کہ گذر چکا +

پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس فرمان میں غور کرو جو ایک صحابی کے اس سوال کا جواب ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو کیسا دیکھا - تو آپ نے جواب فرمایا کہ نورانی دیکھتا ہوں میں اسکو - اور آپ نے بڑے بڑے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا - اور اون کے سوا غیر اکابر سے اسلئے ارشاد نہ فرمایا کہ کہیں وہ باریتعالے کی جناب میں ایسے امور کو نہ خیال کرنے لگیں جو اوسکی شان کے خلاف ہیں +

اور اون اقوال کی نظیروں میں سے جو بظاہر باہم مخالف معلوم ہوتے ہیں - ایک نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تمام مال خدا کی راہ میں دیدینے کی تقریری اجازت فرمانا ہے کیونکہ یہ قول بظاہر اوس فرمان کے مخالف معلوم ہوتا ہے کہ جب کعب بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی توبہ قبول ہوجانے کے بعد چاہا تھا کہ تمام مال خدا کی راہ میں صرف کردیں تو آپ نے فرمایا امسك علیك بعض مالك فانہ خیر لك کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے -

اور یہ حدیث (ابدء بنفسك ثم بمن تعول پہلے اپنے نفس پر خرچ کرو پھر اپنے اہل وعیال پر) بھی اوسی کی نظیر ہے کیونکہ یہ بظاہر خدا تعالےٰ کے قول کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ یوثرون علی انفسہم الخ قابل مدح ہیں وہ لوگ جو اپنی جانوں پر خرچ کے اعتبار سے دوسروں کو زیادہ پسند کرتے ہیں - اور پہلے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں +

تو ان میں میزان کے دونوں مرتبوں کی جہت سے اسطرح تطبیق دیجائیگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ابدء بنفسك الخ اون صحابہ کو خطاب ہے کہ جو اس حدیث پر پورے طور سے عمل کرنے والے ہیں الاقربون اولی بالمعروف ولا اقرب الیك من نفسك یعنی نزدیک تر لوگ بھلائی کے زیادہ مستحق ہیں اور تیرے نفس سے زیادہ نزدیک تجھ سے کون ہوسکتا ہے - اور باریتعالے کا فرمان یوثرون علی انفسہم الخ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے صحابہ کو خطاب ہے - اور اون لوگوں کی اسپر مدح اور تعریف اسوجہ سے فرمائی گئی تاکہ یہ لوگ بخل کے اوس گڑھے سے نکلجائیں جسپر دنیا میں اونکی نظروں کا رجحان اور میلان ہے - اور اس سے نکلجانے کے بعد پھر اونکو ابتداء بالنفس کا حکم فرمایا - اسلئے کہ نفس حقتعالےٰ کی امانت ہے جو اون کے پاس رکھی ہے - اور ماسوا نفس کے کوئی چیز امانت نہیں ہے - ہاں جوار اور پڑوس میں ضرور ہے +

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب کوئی کامل شخص اپنی ذات پر ظلم کرے اسطرح کہ اپنے اوپر غیر کو حق دہی میں مقدم کردے تو پروردگار عالم اوس سے اوس عدل اور انصاف کو چھوڑ دینے کا مواخذہ کریگا جسکا اوس نے حکم دیا تھا - برخلاف مرید کے کہ اوسکو اس بارہ میں اس رعایت سے مہلت دیدیگئی ہے کہ وہ مرضیات باریتعالےٰ کے حاصل اور مافوق الطاقت عبادات کی برداشت کرنے میں نفس کی سرکشی کرتا ہی رہتا ہے - بلکہ اوس مرید کو اس ایثار پر ثواب دیا جائیگا - اور جب وہ سلوک کی اوس انتہاء پر پہونچ جائے جو مثل اوس شخص کے مقصد کے ہے جو بادشاہ کے مکان میں پہونچکر اس بات کی تمیز کرلے - کہ یہی وہ شخص ہے جس سے میری حاجت برآئی ہوگی - تو اوسکو حکم کیا جائیگا - کہ پہلے اپنے نفس پر احسان کر کیونکہ پروردگار عالم کی عالی درگاہ تک پہونچانے کے لئے یہی سواری کی بنا تھا - اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھوک کی وجہ سے اپنے بطن مبارک سے پتھر باندھ لینا اور آپ کے دیگر مجاہدات اپنی اُمت کو شریعت کی تعلیم دینے کی غرض سے تھے۔ ورنہ اگر آپ اپنے اوسی بلند مقام پر ٹھیرے رہتے جو آپ کے اور پروردگار کے معاملے کی خاص جگہ ہے۔ اور نیچے کے مقام میں تنزل نہ فرماتے تو آپ کی اُمت کے اکثر حصہ پر آپ کے اتباع میں سچائی اور اخلاص دشوار ہوتا + (انتہی)

فصل اگر کوئی کہے کہ شریعت کے اوس سرچشمہ پر جہاں سے تمام آئمہ مجتہدین آبگیری کرتے ہیں کیونکر آگاہی ہوسکتی ہے۔ اور ہم اسبات کو بطور کشف ویقین کے نہ بطور تسلیم محض کے کیونکر معلوم کر سکتے ہیں کہ مجتہدین رحمہم اللہ کے تمام مذاہب صحیح ہیں۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ کسی ایسے کامل شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ جو ہر حرکت اور سکون کی ترازو اور اوس کے کانٹے سے واقف ہو اور شرط یہ ہے کہ مرید کی جان اور مال اور اوس کے اہل وعیال اوسی کے سپرد کر دے کہ وہ مرید اون میں جو چاہے تصرف کرے اور مرید کا دل اس امر کے لئے خوب کھلا ہوا ہو۔ اور کسی قسم کا کھٹکا اوسمیں نہ رہے۔ اور جو شیخ ایسا ہو کہ اپنے مرید کو بیوی کو طلاق دینے اور مالی حق ساقط کرنے کا حکم دے۔ اور وہ اوس پر توقف کرے۔ تو وہ اوس چشمہ شریعت کے رستہ کی بو بھی نہیں پاسکتا۔ اگرچہ ہزار سال تک خدا تعالےٰ کی عبادت کرتا رہے الا ماشاء اللہ +

اگر کوئی کہے کہ کیا اوس حالت میں کچھ اور بھی شرطیں ہیں جن کے بغیر چشمہ شریعت پر آگاہی نہیں ہوسکتی۔ تو جواب یہ ہے کہ ہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ دن اور رات میں ایک لحظہ بے وضو نہ رہے۔ اور جب تک سلوک میں رہے تو بلا ضرورت افطار نہ کرے اور جب تک اضطراری حالت کے آثار نہ پاوے اوس وقت تک کچھ نہ کھاوے۔ اور ایسے شخص کا کھانا نہ کھاوے جس کے کسب میں تقویٰ نہ ہو۔ جیسے وہ شخص جسکو لوگ پرہیزگار اور نیک سمجھ کر کھانا کھلاتے ہوں۔ یا وہ شخص جو کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے جس میں تقوےٰ نہ ہو۔ جیسے کاشتکار لوگ اور حاکموں کے مددگار۔ اور ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ایک لحظ غافل نہ ہو۔ بلکہ دن اور رات اوس کے مراقبہ میں لگا رہے۔ پس کبھی اپنے نفسکو مقام احسان میں حاضر کرے۔ اسیطرح کہ گویا اوسکو دیکھ رہا ہے۔ اور کبھی مقام ایقان میں حاضر کرے جسکا مرتبہ بعد احسان کے ہے۔ پھر اسبات پر یقین کرے کہ میں پروردگار کو دیکھ رہا ہوں نہ یہ کہ میں اپنے سامنے موجود دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ اسمیں باریتعالےٰ کی کامل تنزیہہ ہے۔ برخلاف اوسکو سامنے موجود جاننے کے اسلئے اوس کے سامنے وہی صورت حاضر ہوسکتی ہے۔ جو اوس کے خیال میں آئی ہو۔ اور وہ ذات اس قسم کے خیالات اور خطرات سے برتر اور بالا ہے پس خوب سمجھ لو +

اگر کوئی کہے کہ اس میزان والے کے سلوک کی کیا کیفیت ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ میں نے اس میزانکو سب سے پہلے خضر علیہ السلام سے علمی اور ایمانی اور تعلیمی حیثیت سے حاصل کیا۔ پھر میں نے اپنے سید حضرت علی خواص سے سلوک طے کرنا شروع کیا۔ یہانتک کہ میں اصل سرچشمہ شریعت پر بطریق ذوق وکشف مطلع ہو گیا۔ اور اسکا ایسا یقین کیا کہ اوسمیں کچھ بھی شک نہ رہا۔ اور کئی سال تک میں نے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا۔ چنانچہ میں نے اپنے حجرہ کی چھت میں ایک رسی باندھ لی تھی۔ جب میں وہاں بیٹھتا تھا۔ اوسکو اپنی گردن میں ڈال لیتا تھا تاکہ میرا پہلو زمین سے نہ لگ جائے۔ اور تقوےٰ میں اسقدر ترقی تھی

کہ جب مجھ کو اوس قسم کا کھانا جو میرے مرتبہ اور مقام کے لائق تھا نہیں ملتا تھا تو مٹی پھانک لیتا تھا۔ لیکن خدا کی شان کہ مجھے اوس مٹی میں ایسی چکناہٹ معلوم ہوتی تھی جیسی گوشت اور گھی اور دودھ میں ہوتی ہے۔ اور مجھ سے پہلے اس قسم کا تقوی حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنے ورع کے مناسب کھانا نہ پایا۔ تو بیس روز تک صرف مٹی ہی پھانکتے رہے (انتہی) اسیطرح میں کسی حاکم کی عمارت کے سایہ میں ہو کر نہیں گذرتا تھا۔ اور جب سلطان غوری نے مدرسہ اور نیلے گنبد کے درمیان چھتا بنوا دیا۔ تو میں سوق وراقین (جو ایک بازار کا نام ہے) میں ہو کر جاتا تھا۔ اور سوق شرب (یہ بھی ایک بازار کا نام ہے) کے رستہ سے نکلتا تھا اور اوس چھتے کے سایہ میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی تمام ظالموں اور امراء اور اونکے معاونین میں سے کسی عمارت کے نیچے ہو کر نہیں گذرتا تھا۔ اور جب تک کسی چیز کے متعلق پوری تفتیش نہ کر لیتا تھا۔ اوسوقت تک کھاتا نہ تھا۔ اگرچہ اس بارہ میں شریعت نے رخصت دی ہے۔ لیکن میں اوسپر اکتفا نہ کرتا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ابتک میں اوسی حالت پر ہوں۔ لیکن بہ نسبت پہلے کی مرتبہ میں فرق ہے۔ کیونکہ پہلے میں اوس چیز کے مالک کا قبضہ دیکھتا تھا۔ کہ یہ شخص کس صورت سے اسکا مالک بنا ہے۔ اور اب صرف اوس شخص کی بو یا اوسکی رنگت یا ذائقہ سے تمیز کر لیتا ہوں اگر وہ شے حرام ہوتی ہے تو اوسکی بو نہائیت ناپاک ہوتی ہے۔ اور اگر حلال ہوتی ہے تو اوسکی بو نہائیت پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور اگر وہ شے مشتبہ ہوتی ہے۔ تو اوس کی بو حرام کی بو سے ناپاکی میں کم ہوتی ہے۔ تو محض ان علامات کو دیکھکر اون کے موافق عمل کرتا ہوں۔ مالک کے احوال اور اسکے کسب میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن مجھ کو اسپر اعتماد نہیں اسلئے کہ یہ اوسیکا فضل ہے۔ اور وہی قابل تعریف ہے جب میں چلتے چلتے ان مراتب تک پہونچ گیا۔ اوسوقت میں نے اپنے دل کی آنکھ سے شریعت طاہرہ کے اوس سرچشمہ کو دیکھا جہاں سے ہر عالم کا قول نکلا ہے۔ اور ہر عالم کے لئے وہاں ایک ایک نالی بنی ہوئی ہے تب مجھ کو کامل یقین ہوا۔ کہ تمام اقوال علماء برحق کے شریعت ہی میں اور ہر مجتہد حق کو پہونچنے والا ہے اور کوئی مذہب شریعت سے بہ نسبت دوسرے مذہب کی زیادہ قریب نہیں ہے۔

اگرچہ ایک ہزار شخص میرے مقابلہ میں جدال کی غرض سے اٹھیں اور کہیں کہ فلاں مذہب کو فلاں مذہب پر ترجیح ہے اور اوسپر کوئی واضح دلیل نہ لاویں تو بھی میں دل سے اون کے قول کو ہرگز تسلیم نہ کروں۔ اور اگر مان بھی لوں تو محض ظاہرداری کے طور پر جس سے اونکی دلجوئی اور خاطر مقصود ہو۔ اور اتنا کہدوں کہ جس مذہب پر تم ہو اوسکو ترجیح ہے یعنی صرف اونہی کے نزدیک نہ میرے نزدیک +

اور منجملہ اون بہت سی نالیوں کے جو میں نے شریعت کے سرچشمہ سے نکلتی دیکھی ہیں۔ اون تمام مجتہدین کی نالیاں بھی ہیں جن کے مذاہب پرانے ہو گئے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ خشک ہو کر پتھر بنگئی ہیں۔ اور جو نالیاں جاری ہیں وہ صرف حضرات آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کی ہیں۔ تو اس سے میں نے اخذ کیا ہے۔ کہ ان حضرات کے مذاہب تاقیامت باقی رہینگے +

اور ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے اقوال نالیوں کے اندر نہیں ہیں۔ بلکہ اون سے باہر ہیں چنانچہ اسکی صورت اوس فصل میں آجائے گی جس میں مذاہب علماء کے شریعت سے متصل ہونے۔ اور اپنے اوپر عمل کرنے والوں کو جنت میں پہونچانے کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ انشاء اللہ تعالے +

تو اب تمام مذاہب میرے نزدیک شریعت کے دریا سے اس طرح متصل ہیں جس طرح انگلیاں ہتھیلی سے اور سایہ تیر سے متصل رہتا ہے۔ اور میں اپنے اوس پرانے خیال سے رجوع کرتا ہوں جس سے میں اپنے مذہب کو دوسروں پر ترجیح دیتا تھا۔ اور یہ جانتا تھا کہ تمام اماموں میں سے حق کو پہونچنے والا ایک ہی امام ہے۔ اگرچہ وہ معین نہیں۔ اور اسپر جو کچھ مجھ کو مسرت ہوئی وہ انتہا درجہ کی تھی +

اس کے بعد جب میں ۹۴۷ھ میں بیت اللہ شریف حج کرنے گیا۔ تو مقام حجر اسود میں میزاب کعبہ کے نیچے کھڑے ہو کر خدا تعالےٰ سے زیادتیِ علم کی دعا کی۔ تو درمیان زمین و آسمان کسی شخص کو یہ کہتے سُنا اما یکفیك انا اعطیناك میزانا تقرر بھا سائر اقوال المجتھدین واتباعھم الیٰ یوم القیامۃ ولم تری لھاذ الغا من اھل عصرك (ترجمہ) کیا تجھ کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ کو ایسی میزان عطا کی ہے کہ تمام مجتہدین اور انکے تابعین کے جو قیامت تک ہوتے رہینگے تمام اقوال اوس سے درجہ ثبوت کو پہونچینگے۔ لیکن وہ میزان ہوگی کہ تیرے ہمعصر لوگوں کے مذاق کے موافق نہ ہوگی۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ حسبی استزید یا رب۔ مجھ کو یہ کافی ہے مگر اپنے پروردگار سے کچھ اور مانگتا ہوں (انتہی)

اگر تم کہو کہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ بعض کمزور مقلد جو اوس سرچشمہ سے محجوب ہیں اور اوسپر مطلع نہیں ہوتے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اون کے اور چشمہ کے مابین ایک غلیظ پردہ حائل ہے جو اکل حرام اور اکل مشتبہات اور ارتکاب خلاف شریعت سے پیدا ہوا ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں بیشک اسی طرح ہے +

اگر تم کہو کہ وہ شخص جو حلال مال کھاتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے۔ لیکن اوس نے سلوک طے کرنے کیلئے کسی کو اپنا شیخ بنایا۔ کیا شریعت کے سرچشمہ پر مطلع ہو سکتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ بندہ کے بلند مقامات میں پہونچنے کے لئے دو چیزیں ذریعہ بنتی ہیں۔ یا خدا کی کشش۔ یا اچھے بزرگوں کے ہاتھ پر سلوک طے کرنا۔ کیونکہ لوگوں کے اعمال میں علتیں لگی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اپنی عبادت سے علتوں کے دور کرنے پر قادر ہو جائے تو بھی تقلید کے دائرہ میں مقید ہونے کی وجہ سے سرچشمہ شریعت پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ اوس مقلد اور چشمہ کے درمیان امام حائل ہے۔ اور اُس سے تجاوز کرکے چشمہ تک نہیں پہونچ سکتا مگر اوس وقت کہ جب یہ مقلد کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر جو اکابر ائمہ عارفین میں سے ہو۔ اور مرتبہ میں بہت بلند ہو سلوک طے کرنے لگے۔ چنانچہ پہلے گذر چکا ہے کہ بندہ کو ہر مجتہد کے برحق ہونے کا اعتقاد ہو نہیں سکتا جب تک کہ سلوک کو طریقہ مذکورہ سے طے کرتے کرتے مقام شہود تک نہ پہونچ جائے +

اگر تم کہو۔ کہ جو شخص چشمہ شریعت والے کے کنارہ پر پہونچ گیا ہو۔ تو کیا وہ اس بارہ میں مجتہدین کے برابر ہے تا کہ وہ بھی اوس چشمہ سے آبگیری کرے جس طرح مجتہدین کرتے ہیں۔ اور حلقہ تقلید اپنی گردن سے نکالدے تو جواب یہ ہے کہ ہاں ایسا ہی کرے۔ کیونکہ جس کا قدم ولایت محمدیہ میں پہونچ جاتا ہے۔ تو وہ احکام شرعیہ کو اسی جگہ سے اخذ کرنے لگتا ہے جہاں سے مجتہدین لیتے ہیں۔ اور تمام علماء کی تقلید سے اپنی گردن کو آزاد کر دیتا ہے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید باقی رہتی ہے۔ پھر اگر کسی ولی کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ وہ مثلاً شافعی تھے یا حنفی تھے۔ تو یہ اوس وقت کے اعتبار سے سمجھو کہ جب تک وہ کمال تک نہ پہونچے تھے +

اور میں نے اپنے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے۔ کہ کوئی ولی مقام کمال تک نہیں پہونچتا جب تک کہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخذ کو قرآن شریف سے نہ جان لے۔ کیونکہ

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ہم نے کسی چیز کو قرآن شریف میں ذکر کرنے سے نہیں چھوڑا۔ شریعت کے بیان کردہ تمام احکام میں سے ہر ہر حکم کا ماخذ قرآن شریف میں ولی کامل کو معلوم ہوتا ہے یہی حال حضرات آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ہر حکم کے ماخذ سے واقف نہ ہوتے۔ تو جن جن احکام کی حدیث میں تصریح نہیں ہے اون کے استنباط پر کیسے قادر ہوتے۔ پھر فرمایا کہ یہ کامل کے واسطے بہت بڑی منقبت کا باعث ہے اسلئے کہ وہ قرآن شریف کے اندر ماخذوں سے واقف ہونے میں شارع کا شریک ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم میں وارث ہے (انتہی)

اگر کوئی سوال کرے کہ کیا اوس شخص کے واسطے جو شریعت کے چشمہ سے واقف نہیں ہے کسی ایک معین مذہب کا مقلد ہونا جائز ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں بلکہ واجب ہے تاکہ خود بھی گمراہ نہ ہو۔ اور دوسرے کو بھی گمراہ نہ کرے۔ پس تم کو چاہیئے کہ اون مقلدین کو جو اس چشمہ سے محجوب ہیں معذور جانو۔ کیونکہ تم کو اون کے اس قول کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ کہ برحق امام ایک ہے۔ اور باقی خطا پر ہیں۔ اگرچہ احتمال ہر ایک میں ہے۔ کہ شاید مسئلہ مختلف فیہا میں یہی حق پر ہو۔

اسلئے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حق کو پہونچنے والا ایک ہی امام ہے۔ اگرچہ معین نہیں۔ اور باقی خطا پر ہیں مگر اون کے حق پر ہونے کا احتمال ضرور ہے۔ اوسکے سلوک کی انتہا نہیں ہوئی۔ ابھی تک وہ راہ میں ہی ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ ہر مجتہد حق پر ہے۔ تو وہ اپنے سلوک کی رفتار ختم کر کے دائرہ تقلید سے خارج ہو گیا ہے اور اوس نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ تمام علماء اوسی ایک سرچشمہ سے اپنے اپنے علوم کی نہریں نکالتے ہیں۔ ان دونوں شخصوں کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو غلط اور دوسرے کو صحیح کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسپر تم کو خدا تعالےٰ کا شکر کرنا چاہیئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اب ہماری گذشتہ تقریر سے خوب واضح ہو گیا۔ کہ ہر اوس عالم کے لئے جو شریعت کے اصل سرچشمہ کا طالب ہو یہ بات ضروری ہے۔ کہ اپنا ایک شیخ بناوے اگرچہ اہل زمان کا اوسکے علم و عمل اور زہد و تقوے پر اتفاق ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔ اور اگرچہ قطب اکبر کے لقب سے اوسکو ملقب کر چکے ہوں۔ کیونکہ قوم کے لئے چند شروط ہیں جنکو محققین کے سوا وہ لوگ نہیں جانتے جو دعوے اور وہموں میں قوم کے شریک ہیں جسمیں وہ شرطیں موجود ہوں۔ وہ اونکے نزدیک قطب ہے۔ حالانکہ بعض مرتبہ وہ ایسے شخص کو قطب کہدیتے ہیں جسمیں اتنی بھی صلاحیت نہیں ہوتی۔ کہ وہ کسی قطب کا مرید بھی ہو سکے۔ بلکہ بعض محققین کا بیان ہے کہ قطب خود اپنے ذاتی مقامات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے کے مقامات کا اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ بندگی میں صفات قطبیہ ربوبیت کے صفات کے مقابل ہیں۔ تو جسطرح صفات ربوبیت غیر محدود ہیں۔ اسیطرح صفات قطبیت اور صفات عبودیت بھی غیر متناہی ہیں (انتہی) والحمد للہ رب العالمین

فصل - اگر کوئی کہے کہ جب ولی تقلید کو چھوڑ دے۔ اور تمام مذاہب کے یقینی اور کشفی طور پر ایک دریا سے نکلتے دیکھکر اس بات کا یقین کر لے۔ کہ تمام مذاہب صحیح ہونے میں برابر ہیں۔ تو مرید کو کسی معین مذہب کی تقلید کا حکم کیونکر کر سکتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ مرید کو اسکا حکم کیا جانا اوس کے لئے رحمت ہے۔ اور مقصد کے قریب ہو جانیکا باعث ہے تاکہ اوسکی دلجمعی ہو۔ اور ایک ہی مذہب میں رہکر سلوک کا راستہ طے کرلے۔ اور شریعت اوس سرچشمہ تک بہت جلد پہونچ جائے۔ جہاں سے اوسکے امام نے اپنے مذہب کو حاصل کیا ہے

اسلئے کہ مجتہد کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے قول کو دوسرے مجتہد کے قول پر مبنی نہیں کرتا ہے۔ اگرچہ اوسکے مذہب کو صحیح جانتا ہے تاکہ اوس کے مقلدین کے دل پریشان نہ ہو جائیں ٭

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ جو شخص تھوڑی مدت ایک مذہب کی پابندی کرتا ہو اور تھوڑی مدت دوسرے مذہب کی۔ یا کوئی شخص ہو کہ اوس نے کسی دور دراز جگہ کا قصد کرکے سفر اختیار کیا۔ جب ایک ثلث راستہ طے کر چکا تو اوس نے سوچا۔ اور خیال کیا کہ اگر میں اوس راستہ سے جاتا تو مقصد تک جلد رسائی ہوتی۔ چنانچہ اس خیال سے واپس لوٹا۔ اور اوس قریب راستہ کے کنارے پہونچکر مقصد کیطرف چلنا شروع کیا۔ جب ثلث راہ تک پہونچا تو پھر اوس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ تیسرا راستہ اور بھی زیادہ نزدیک ہے۔ تو پھر لوٹا جسطرح پہلے لوٹا تھا۔ اور اسی طرح پھر وقوعہ پیش ہوا علی ہذا القیاس۔ تو ایسا شخص عنقریب اپنی تمام عمر راستہ ہی میں تمام کردیگا۔ اور ہرگز اوس معین مقصود تک نہیں پہونچیگا جو شریعت کے اصل سرچشمہ کی مثال ہے جہاں اوسکا امام اور اسکے سوا اوس مذہب والے حضرات پہونچ چکے ہیں ٭

علاوہ بریں یہ بات ہے کہ ایک مذہب کو چھوڑکر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں اوس امام کی ہتک ہے جس کے مذہب کو چھوڑا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل فصل (حکم المنتقل من مذھب الیٰ مذھب) میں انشاء اللہ آجائیگی ٭

اس ہتک کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ شخص تمام اماموں کے برحق ہونے کا دل سے معتقد ہوتا۔ تو اوس پہلے مذہب کو ہرگز نہ چھوڑتا۔ بلکہ اسپر یقین رکھتا کہ جس مذہب پر عمل کیا جاوے اور جسکی پیروی کی جائے۔ وہ ضرور جنت میں پہونچنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ اسکا بیان اس باب کے آخر فصل (الامثلہ المحسوسہ للمیزان) میں آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ٭

اور میں نے اپنے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ علماء شریعت نے طالب علم کو ایک معین مذہب کی پیروی کا حکم اور علماء حقیقت نے مرید کو ایک معین شیخ کی پیروی کا امر محض اسوجہ سے دیا ہے تاکہ مقصود کا راستہ نزدیک ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کے سرچشمہ یا خدا تعالےٰ کے دربار معرفت کی مثال ہتھیلی کی سی ہے۔ اور مجتہدین کے مذاہب اور شیوخ کے طریقوں کی مثال انگلیوں کی سی ہے۔ اور کسی مذہب کے ساتھ مشغول رہنے یا کسی شیخ کے طریق حاصل کرنے کے زمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے انگلیوں کی پوروں کی گرہیں اوس شخص کے واسطے جو انگشت کے سرے سے چھونے کی ابتداء کرتا ہوا ہتھیلی تک پہونچنا چاہے۔ کیونکہ ہر گرہ انگشت کی بمنزلہ چشمہ شریعت یا معرفت خداوندی کے ثلث راستہ کی ہے۔ کیونکہ ہر انگشت میں تین گرہیں ہیں اون کے بعد مقصد ہے جسکی مثال ہتھیلی کی ہے ٭

تو جب مرید کے سلوک اور طالب علم کی عبادت اور اصل مقصود یعنی چشمہ شریعت یا معرفت خداوندی تک پہونچنے کی مدت مثلاً تین سال ہوں تو اگر یہ مرید یا طالب علم ایک معین شیخ کے اتباع میں یہ تینوں سال گذار دیگا۔ تو ایک دن ضرور مقصد تک پہونچیگا۔ برخلاف اوس شخص کے جو ایک سال ایک مذہب یا ایک شیخ کی پیروی کرتا ہے۔ پھر دوسرے سال دوسرے کی پیروی اختیار کرے۔ اور تیسرے سال تیسرے کی تو اس نے ایک مذہب یا ایک شیخ سے رجوع کر جانے اور دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کے سبب سے مقصد کو فوت کردیا۔ اسلئے کہ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ایک شیخ یا مجتہد دوسرے کے مذہب پر بنا نہیں کرتا

یعنی یہ مطلب کہ جسقدر راستہ وہ طے کر چکا ہے اوسکو باقی رکھکر وہیں سے آگے چلائے ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ اوسکو لوٹا کر لب راہ لے جاتا ہے۔ تو گویا وہ شخص تینوں سال پہلی ہی گرہ پر مقیم رہا۔ اون تین گرہوں میں سے جن کی ہر گرہ بمنزلہ ثلث راستہ کی ہے۔ اور اگر وہ ایک ہی شخص پر مداومت کرتا۔ تو ضرور اتنی مدت میں مقصد تک پہونچ جاتا۔ اور شریعت کے بڑے چشمہ پر جا کر ٹھیرتا۔ اور تمام مذاہب کی حقانیت کا معترف ہو جاتا۔ پس سمجھ لو۔ والحمد للہ رب العالمین ✦

فصل۔ اگر تم کہو کہ یہانتک علماء احکام شریعت و طریقت کا بیان تھا۔ تو اون علوم کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے جو شریعت کے لئے لوازمات میں سے ہیں۔ جیسے علم اصول علم نحو علم معانی و بیان۔ کیا ان میں بھی احکام شریعت کی طرح میزان کے دونوں مرتبے تخفیف و تشدید کا جاری ہوتے ہیں یا نہیں؟

توجواب یہ ہے کہ ہاں جاری ہوتے ہیں اور شریعت کے تمام علوم آلیہ میں جیسے علم لغت علم نحو وغیرہ تخفیف و تشدید موجود ہے۔ چنانچہ عرب کے کلام اور لغات میں سے بعضے فصیح ہیں۔ اور بعضے افصح ہیں۔ اور انہی میں سے بعض ضعیف ہیں اور بعض اضعف۔ تو جس نے قرآن و حدیث کے علاوہ عوام کو لغات فصیحہ کا مکلف کیا ہے۔ تو اوس نے اون پر تشدید کی ہے۔ اور جس نے اس بارہ میں مسامحت کی ہے۔ اوس نے تخفیف کا برتاؤ کیا ہے ✦

رہا قرآن و حدیث تو اونکو اسطرح پڑھنا کہ کسی حرف کی ادائیگی میں غلطی ہو۔ بالاتفاق ناجائز ہے۔ مگر جب پڑھنے والے کی زبان ایسی خراب ہو کہ اوسکو صحیح تلفظ کی تعلیم امکان سے باہر ہو تو اوسوقت مجبوری ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے۔ اسی طرح جس نے طالب علم کو علم نحو وغیرہ میں تبحر پیدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اوس نے تشدید کی ہے۔ اور جس نے اس بارہ میں مسامحت کی ہے۔ اور صرف اسی پر اکتفاء کیا ہے کہ محض اوسقدر اعراب سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ جن کی عبارت میں حاجت ہوتی ہے۔ تو اوس نے تخفیف کی ہے ✦

اور اس قسم کے علوم حاصل کرنا دو قسم پر ہے۔ ایک فرض کفایہ۔ دوسرا فرض عین۔ فرض کفایہ کی مثال تو ظاہر ہے۔ اور فرض عین کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مبتدع جو شریعت سے کسی بدعت کو ثابت کرتا ہو مناظرہ کی غرض سے علماء شریعت کے مقابلہ میں آئے۔ اور قرآن و حدیث کے معانی میں بحث کرے۔ تو اوسوقت ان علوم کا پڑھنا اون علماء کے لئے جنپر مناظرہ کا دار و مدار ہے فرض عین ہے ✦

اور جب کوئی بدعتی موجود نہ ہوا ہو لیکن علماء کی ایک جماعت کو اوسکا حال معلوم نہ ہو۔ تو اوسوقت واقفین کے سوا غیر واقفین پر اون علوم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت کی مثال ایک بڑے شہر کی سی ہے اور یہ علوم آلیہ مانند دمدموں کی ہیں جو اوس شہر کے اطراف و جوانب میں اس غرض سے لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ دشمن کو جو بہ نیت فساد اوسمیں داخل ہونا چاہے اندر نہ جانے دیں۔

اگر تم سوال کرو کہ اگر کوئی طالب دو حدیثیں یا دو قول یا زیادہ ایسے پاوے کہ جن میں یہ نہ معلوم ہو۔ کہ کونسی حدیث ناسخ ہے۔ اور کونسی منسوخ۔ اور کونسا قول متاخر ہے۔ اور کونسا مقدم تو اوسوقت کیا کرے

توجواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں یہ کرنا چاہیے کہ گاہے اس حدیث اور قول پر عمل کرے۔ اور گاہے دوسری حدیث اور دوسرے قول پر۔ اتنی بات ضرور ہے کہ جس حدیث یا قول کو امر و نہی کے اعتبار سے احوط دیکھے اوسکو

عمل میں مقدم رکھے۔ یعنی یہ مطلب کہ اوس حدیث یا قول کو جس میں زیادہ احتیاط نہ ہو۔ فی الجملہ متروک العمل کردے ✦

اگر واقع میں کوئی حدیث منسوخ ہو۔ یا کوئی قول ایسا ہو۔ کہ اوس سے مجتہد نے رجوع کرلیا ہو۔ لیکن مقلد کو خبر نہ ہو تب بھی دونوں پر عمل کرنا چاہئے۔ اونپر عمل کرنا نسخ یا رجوع کے منافی نہیں ✦

اگر تم سوال کرو کہ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے۔ کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنا علم اوسی سرچشمہ سے حاصل کرتا ہے جہاں سے آئمہ مجتہدین حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم بعض اولیا کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ بعض اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ یا تو ولی مقام کمال تک نہیں پہونچا ہوتا۔ یا پہونچ چکا ہوتا ہے۔ لیکن کسی مسئلہ میں کسی خاص امام کے مذہب کی پیروی کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اوس کے ادب کی غرض سے کیونکہ وہ امام اوس ولی سے اس مسئلہ کے قائل ہونے میں سابق ہے۔ اور پروردگار عالم نے اوسکو امام اور مقتدا بنایا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ولی اوس مسئلہ پر جو کسی امام کا مذہب ہو۔ اسوجہ سے عمل کرتا ہے کہ وہ ولی اوسکی دلیل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امام کی تقلید کر رہا ہے۔ حالانکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اوسکو بذریعہ کشف اوس مسئلہ کی حقانیت ثابت ہو جاتی ہے۔ تو حقیقت میں وہ ولی شارع کی تقلید کرتا ہے نہ کسی امام کی۔ اور کوئی ولی شارع کے سوا کسی اور سے علم حاصل نہیں کرتا۔ اور ہر ولی اپنے اوپر اسکو حرام جانتا ہے۔ کہ کسی ایسے امر میں قدم رکھے جس میں اوس سے پہلے اور آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم نہ رکھ چکے ہوں ✦

ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کسطرح صحیح ہے۔ اور اسکی کیا وجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے اور شیخ محمد حنفی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے۔ حالانکہ یہ دونوں صاحب قطب اکبر کے لقب سے مشہور ہیں ✦ اور اس مرتبہ کے شخص کی شان یہ ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہ کرے سوائے شارع کے ✦

تو آپ نے جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات کمال پر پہونچنے سے پہلے واقعی مقلد تھے۔ لیکن بعد کمال پر پہونچ جانے کے استصحاب حال کے طور پر لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اب بھی مقلد ہیں۔ حالانکہ وہ تقلید سے خارج ہو چکے تھے انتہی۔ پس اسکو جان لو ✦

فصل ۔ اگر تم کہو کہ آئمہ مجتہدین چونکہ شریعت کے سرچشمہ سے واقف ہیں اسلئے وہ سب کامل یقین والے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اونکی آپس میں مناظرہ کی نوبت آتی ہے۔ اور اوس کے لئے مجلسیں مقرر کرتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص سرچشمہ شریعت سے واقف ہو اور تمام مذاہب مجتہدین کے اوس چشمہ سے متصل ہونے کا یقین کرتا ہو۔ اوس کی شان سے خلاف ہے کہ وہ دیگر اہل مذاہب سے مناظرہ کرے ✦

تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مابین آئمہ مجلس مناظرہ اوسوقت قائم ہوئی ہو کہ جب تک مقام کمال تک رسائی نہ ہوئی ہو۔ اور نہ چشمہ شریعت سے تمام مذاہب کے متصل ہونے کا یقین ہوا ہو۔ کیونکہ مناظرہ کے لوازمات میں سے مقابل کی دلیل کو باطل کرنا ہے۔ ورنہ مناظرہ لغو اور بے سود ہے ✦

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مناظرہ کی مجلس مجتہد اور غیر مجتہد میں واقع ہوئی ہو۔ اور اوس سے مقصود مجتہد کا یہ

ہو کہ غیر مجتہد کا نقصان دور ہو کر مبدل بہ کمال ہو جائے۔ اور یہ مقصود نہ ہو کہ غیر مجتہد کی دلیل کو بالکل باطل کر دیا جائے +

اور اسکا بھی احتمال ہے کہ مجلس مناظرہ اس غرض سے قائم ہوئی ہو۔ کہ کسی خاص مسئلہ میں جو حکم افضل ہو۔ وہ ثابت ہو جائے۔ تاکہ اوسپر اون میں سے کوئی خود بھی عمل کرے۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی اوسپر عمل کرنے کا حکم کرے۔ اسوجہ سے کہ وہ حکم مقام اسلام یا احسان یا ایمان یا ایقان میں زیادہ ترقی کا باعث ہو +

تو حاصل یہ ہے کہ دو کاملوں کے درمیان اوس قسم کا مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ جو مناظرہ کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے۔ بلکہ اوس کے لئے ضرور کوئی اور خاص سبب ہوگا۔ اور اقرب یہ ہے کہ اکثر اونکا مقصود مناظرہ سے اپنے متبعین کے ذہنوں کا تیز کرنا اور اونکو سمجھانا ہوتا ہوگا جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو محض بیان جواز کی غرض سے کرتے تھے۔ اور اس سے اُمت کو افادہ مقصود ہوتا تھا۔ جیسے حدیث ما الاحسان احسان کس چیز کا نام ہے اور حدیث ما الایمان ایمان کیا چیز ہے۔ اور ما الاسلام اسلام کیا شے ہے۔ اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ ہر مجتہد دوسرے مجتہد کے قول کو صحیح جانتا ہے اسی وجہ سے مشہور ہے کہ المجتہد لا ینکر علی مجتہد ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ اوسکو یقین ہے کہ میرا مقابل اپنے قول میں خداتعالے کیطرف سے ہدایت پر ہے +

اگر تم سوال کرو کہ کیا ایسے شخص کا جو شریعت کے چشمہ سے واقف ہو احکام شرعیہ کے کسی قاعدہ سے ناواقف ہونا ممکن ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے ہرگز درست نہیں کہ وہ اقوال علماء میں سے کسی ایک قول کے ماخذ سے بھی ناواقف ہو۔ بلکہ اوس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجتہدین اور اُن کے متبعین کے تمام مذاہب کو اپنے دل سے ثابت کرے۔ اور کسی کتاب میں دیکھنے کا محتاج نہ ہو۔ اسلئے کہ اس مرتبہ کا آدمی ہر قول کے شریعت کیطرف منسوب ہونے کی وجہ کشفی اور یقینی طور پر جانتا ہے۔ اور اوسکو معلوم ہے کہ اس قول کے قائل نے قرآن وحدیث کے کونسے مقام سے اس قول کو اخذ کیا ہے۔ بلکہ وہ یہانتک جانتا ہے کہ فلاں قول اسمائے الٰہیہ میں سے کون سے نام مبارک کی جلوہ گاہ سے منسوب ہے جس سے اوسکا ظہور ہوا ہے۔ یہی مقام ہے اون حضرات کا جو بار نبھالئے اور اوس کے احکام کو اچھیطرح جانتے ہیں +

اگر تم کہو کہ تمہاری گذشتہ تقریر کی بنا پر ہر شخص کو آئمہ مسلمین کے برحق ہونیکا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ تو کیا ایسا شخص بھی اس اعتقاد میں صادق ہو سکتا ہے۔ جو اپنے زعم میں تمام آئمہ مسلمین کے برحق ہونیکا معتقد ہو۔ اور اپنے امام کے سوا دوسرے کے اقوال پر عمل کرنے سے متنفر ہو۔ تو جواب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے عقیدہ میں صادق نہیں ہے۔ اور اُسکا اعتقاد تاوقتیکہ اوس کے نزدیک ہر قول پر عمل کرنا برابر نہ ہو کامل نہیں ہو سکتا

اگر تم کہو کہ کیا شخص مذکور پر واجب ہے کہ وہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر سلوک طے کرے تاکہ مقام ایمان اور مقام احسان اور مقام ایقان میں چشمہ شریعت کے مشاہدہ تک پہونچ جائے۔ اسلئے کہ ان تمام مقامات مذکورہ میں سے ہر مقام کے لئے ایک خاص چشمہ ہے جو اوسی کے ساتھ مخصوص ہے جسطرح ان میں سے ہر مقام کی عبادتوں کے لئے خاص خاص شرطیں ہیں چنانچہ اہل کشف اسکو خوب جانتے ہیں۔ اور اسی کی ہر مجتہد کے برحق ہونیکا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ تو جواب وہی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ گذر چکا ہے کہ ہاں ایسے شخص پر شیخ کامل کے واسطے سے سلوک طے کرنا واجب ہے تاکہ اوسکی چشمہ شریعت تک رسائی ہووے

کیونکہ جو چیز واجب کے ادا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے ۔ تو جب یہ بات معلوم ہو چکی ۔ کہ ہر مسلمان کو تمام اماموں کے ہدایت پر ہونے کا اعتقاد واجب ہے اور اس اعتقاد کے صحیح ہونے کے واسطے اوس کا جزم اور یقین لازم ہے ۔ اور اوسکا جزم تب تک حاصل نہیں ہو سکتا ۔ کہ جب تک چشمہ شریعت کا مشاہدہ نہ کرے تو چشمہ شریعت کا مشاہدہ واجب ہوا اور اس مشاہدہ کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر سلوک طے کرے اور اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے والحمد للہ رب العالمین

فصل ۔ اگر تم کہو ۔ کہ جب ہم سے کوئی مجادل آدمی اس میزان کی صحت میں کلام کرے ۔ اور کہے ۔ کہ اس میں ایسا مضمون ہے جسکو ہم نے اپنے بڑے بڑے علماء سے کبھی نہیں سُنا ۔ اور نہ کوئی دلیل اس کی صحت پر ہم کو قرآن مجید اور حدیث شریف اور قواعد آئمہ سے معلوم ہوتی ہے ۔ تو اوسکو ہم کیا جواب دیں ؟

تو جواب یہ ہے ۔ کہ اوس سے کہو کہ ایک دلیل تو خدا تعالےٰ کا ہم سے اتفاق کا طلب کرنا اور اختلاف سے منع کرنا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (ترجمہ) تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا جس کی نوح علیہ السلام کو وصیت کی تھی ۔ اور جس کی تیری طرف ہم نے وحی کی ہے اور جس کی ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ علیہم السلام کو وصیت کی تھی ۔ یہ کہ تم دین کو قائم رکھو اور اوس میں متفرق مت ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی اختلافی رائیں نہ قائم کرو ۔ جو حدیث شریف اور قرآن مجید کے موافق نہ ہوں اور وہ رائیں جن پر حدیث شریف اور قرآن کریم شاہد ہو ۔ تو اونکا اختلاف حقیقت میں دینی جمعیت کا سبب ہے نہ تفریق کا ۔

اور دوسری دلیل میزان کی صحت کی باریتعالےٰ کا یہ قول ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یعنی اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا ۔ اسی طرح یہ قول بھی وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ اللہ تعالےٰ نے دین میں کچھ تنگی نہیں کی ۔ اور یہ قول بھی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ پس ڈرو اللہ سے جسقدر طاقت رکھو ۔ اور یہ فرمان بھی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ تعالےٰ وسعت کے موافق نفسکو تکلیف دیتا ہے ۔ اور یہ ارشاد بھی کہ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ بیشک اللہ تعالےٰ لوگوں کے ساتھ مہربان اور رحم کرنے والا ہے ۔

اور میزان کی صحت پر احادیث میں بہت سی دلیلیں ہیں ۔ چنانچہ اون میں ایک یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ اَلدِّيْنُ يُسْرٌ دین سہل ہے ۔ دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اون لوگوں کے واسطے (جنہوں نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر بیعت کی تھی ۔ کہ ہر حالت میں خواہ خوشی کی ہو یا مجبوری کی ہم تابعدار ہیں) یہ ارشاد فرمانا ہے کہ فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی اون باتوں کی اطاعت کرو ۔ جن کی تم طاقت رکھتے ہو ۔

تیسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ (ترجمہ) جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں ۔ تو جب تک طاقت رکھو اوسکو بجالاؤ ۔

چوتھی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا یعنی تم آسانی کرو۔ دشواری نہ اختیار کرو۔ خوشخبری حاصل کرو۔ اور نفرت نہ دلاؤ +

پانچویں دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری اُمت کا اون امور میں مختلف ہونا جو شریعت کے فروعات میں داخل ہیں خود اون کے لئے اور اون کے متبعین کے لئے باعث وسعت ہے۔ نہ اصول شریعت میں مختلف ہونا مثلاً توحید اور اوس کے لوازمات +

بعض کا قول ہے۔ کہ اس حدیث میں اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے۔ جو امور معیشت میں واقع ہو اور آئیندہ آجائیگا۔ کہ سلف صالحین اس قسم کے جائز اختلاف پر لفظ اختلاف کا اطلاق کرنا بُرا جانتے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں عوام الناس اس لفظ کو سُنکر اس کے وہ معنے مراد نہ لے لیں جو مقصود کے خلاف ہیں۔ اور شریعت میں اوس سے نہی وارد ہے +

چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ یوں نہ کہو کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بلکہ یہ لفظ استعمال کرو قد وسع العلماء علی الامۃ بکذا۔ یعنی علماء نے امت پر اس امر میں وسعت بخشی ہے +

چھٹی دلیل اس میزان کی صحت کی حضرات آئمہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ قول ہے کہ دو حدیثوں یا دو قولوں متعارضین کو یہ تاویل کر کے معمول بہما بنانا کہ یہ قول اوس حالت میں صحیح ہے اور یہ دوسری حالت میں اس سے بہت بہتر ہے کہ ایک کو لغو کر دیا جائے۔ اور دوسرے پر عمل کیا جاوے۔ دوسرے اماموں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے +

تو اس قدر تقریر سے معلوم ہُوا۔ کہ جس شخص نے اس کتاب کی صحت میں کچھ کلام کیا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا اون امور میں کلام کیا ہوگا جس میں مَیں نے تشدید کی ہے۔ یا اون میں جن میں مَیں نے تخفیف کی ہے۔ اور بہر حال سبب اِس کا یہ ہوگا۔ کہ اوس کا امام اوس کی ضد کا قائل ہے +

تو اوسکو کہو۔ کہ شریعت میں یہ دونوں امر وارد ہیں۔ اور تیسرا امام بھی اس سے ناواقف نہیں ہے۔ تو اگر تیسرا امام کسی امر میں جس تخفیف یا تشدید کا قائل ہؤا تو وہ اوس شخصکو بھی مسلم ہے جس نے اس امام کے لئے ہوئے مرتبہ کے سوا، دوسرے مرتبہ کو ضرورتاً اختیار کیا ہے۔ تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ اس بات کا عقیدہ رکھے کہ اگر میرے امام کے سامنے اوس شخص کا حال پیش کیا جاتا۔ جو اوس عزیمت کی بجا آوری سے عاجز ہے جسکا امام مذکور قائل ہے۔ تو وہ ضرور اوسکو اوس رخصت پر عمل کرنے کی اجازت دیتا جس کے اور امام قائل ہیں۔ اور یہ اجازت دینا اوس کے اجتہاد کی وجہ سے ہوتا۔ نہ دوسرے اماموں کی تقلید کیوجہ سے جو اوس رخصت کے قائل ہیں۔ اور جو کوئی آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے کلام میں غور و خوض کریگا وہ دیکھ لے گا کہ ہر مجتہد کبھی تخفیف کرتا ہے۔ کبھی تشدید۔ جس طرح شریعت مطہرہ کے ادلہ سے ثابت ہُوا ہو +

اِسلئے کہ ہر مجتہد کلام شارع کے مقتضاء کے تابع ہے جسکا استنباط اوس کلام سے لازمی ہو۔ اور مجتہد

کے کلام کا اصل مقصود شارع کے کلام کو ایسی زبان میں وضاحت سے بیان کرنا ہوتا ہے جسکو عام لوگ بھی سمجھ سکیں۔ کیونکہ عوام کے اندر حجاب ہے جسکو کھلے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ اونکو ضروری طریقوں کے فہم کی توفیق نہیں ہے۔ وہ جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور مخلوق کی کلام میں توفیق کی حاجت پڑتی ہے۔ اور جب اونکا وہ حجاب اٹھا دیا جاوے۔ تو شارع کے کلام کو اسی طرح سمجھنے لگیں جسطرح اور مجتہد سمجھتے ہیں۔ اور اس کے محتاج نہ رہیں۔ کہ کوئی اون کے لئے کلام شارع کی شرح کرے۔

اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ہر مجتہد کسی امر میں تشدید یا تخفیف کرنے کے اعتبار سے شارع کا تابع ہے جس امر میں شارع کو تشدید کرتے دیکھا۔ اوس میں اوس نے بھی تشدید کی۔ اور جس میں شارع کو تخفیف کرتے دیکھا۔ اوس میں اوس نے بھی تخفیف کی۔ تاکہ ضروری ضروری شعائر دین فوت نہ ہو جائیں۔ پھر وہ تشدید عام ہے۔ چاہے کسی امر کی بجا آوری میں کی ہو۔ اور چاہے کسی نہی سے بچنے میں۔ اور تمام مجتہدوں کی یہی کیفیت ہے۔ جو ذکر کی گئی۔ جیسا کہ اون سب کے مذاہب سے واقفیت رکھنے والے پر مخفی نہیں ہے اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ جس امر کے فعل یا ترک کو آئمہ نے شعائر دینیہ میں خلل انداز دیکھا اوسکو حالت تشدید ہی پر باقی رکھا۔ اور جس امر کے فعل یا ترک کو دیکھا کہ اوس سے سوا اسکے کہ وہ دینی شعائر میں کمال پیدا کرتا ہے۔ اوس کے خلاف کی صورت میں کوئی دینی نقص لازم نہیں آتا۔ تو اوس کو تخفیف ہی پر باقی رکھا۔ اور ایسا کیوں نہ کرتے۔ جب کہ شارع کے بعد شریعت الٰہی کے ہاتھوں میں امانت ہے۔ یہی لوگ ہیں جو حکیم بھی ہیں۔ اور عالم بھی۔ پس سمجھ لو۔

اگر تم کہو۔ کہ بعض مقلدین کا یہ خیال ہے کہ میرے امام نے جب کسی عزیمت کو تسلیم کر لیا۔ تو پھر اوس کے مقابل رخصت کا کبھی قول نہیں کیا۔ اور جب کسی رخصت کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ تو پھر اوس کے مقابل کی عزیمت کا کبھی قول نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ جس قول کا قائل ہو گیا۔ اوسی پر قائم رہا اور ہر قوی و ضعیف کو اوسی کا امر کرتا رہا۔ یہانتک کہ دنیا سے کوچ کر گیا۔ اگر حالت حیات میں اوس کے روبرو کسی ایسے شخص کا حال پیش کیا جاتا۔ جو عزیمت کی بجا آوری سے عاجز ہوتا۔ تو بھی اوس کو رخصت کا فتوے ہرگز نہ دیتا۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ ایسا شخص آئمہ کے حق میں فاسد العقیدہ ہے۔ اور جس کا ایسا اعتقاد ہے وہ حقیقت میں اپنے امام کے بارہ میں یہ گواہی دیتا ہے۔ کہ وہ شریعت مطہرہ کی اون آیات اور احادیث اور اقوال سلف کا مخالف ہے جو پہلے ذکر کیجا چکے ہیں۔ اور یہ اپنے امام پر بہت بڑا حملہ ہے۔ کیونکہ یہ قول تمام اوس تخفیف اور تشدید سے جس پر شریعت کا مدار ہے۔ امام کے جاہل ہونے کو مستلزم ہے پس اب اماموں کے حق میں صحیح عقیدہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ تمام معاملات اور عبادات میں سے جس شخص کو تخفیف کے مناسب دیکھتے ہیں۔ اوس کو تخفیف کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور جسکو تشدید کے مناسب سمجھتے ہیں اوس کو تشدید کا فتوے دیتے ہیں۔ اور جو مقلد اس بارہ میں ہم سے جھگڑا کرے تو ہمارے سامنے بسند صحیح کوئی نقل پیش کرے۔ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ آئمہ علیہم الرضوان جب کسی حکم کا فتوے دیتے تھے۔ تو اوس کو ہر ضعیف و قوی کے حق میں عام کر دیتے تھے۔ تاکہ ہم بھی اون کے ہمخیال بنجائیں۔

اور انشاء اللہ تعالے کوئی ایسی نقل صحیح السند جسکو ہم حجت قرار دیں ہرگز نہ ملے گی۔ بلکہ ہم کو اللہ تعالے کی طرف سے اتنی قدرت ملنی چاہئے جس سے ہم اوس مقلد کی فہم کو بٹہ لگا سکیں جس سے اوس نے امام رضی اللہ عنہ کی کسی عبارت میں غلطی کھائی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات تو ظاہر ہے۔ کہ مجتہدین کے تمام اقوال شریعت کی تخفیف اور تشدید کے تابع ہیں چنانچہ ابھی گذر چکا ہے پورے طور سے۔ پس جس حکم کی شریعت نے تصریح کردی ہے اوس کا خلاف تو آئمہ سے ممکن نہیں۔ اور وہ حکم جس کو شریعت نے مجملاً ذکر کیا ہے اوس میں مجتہدین کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تخفیف کرتے ہیں۔ اور بعض تشدید۔ جیسا جس کو عقل اور لغت عرب سے ظاہر ہوا ہو۔ چنانچہ جس نے آئمہ رضی اللہ عنہم کے مذہب پر عبور کیا ہو وہ خوب جانتا ہے ⁘

اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث انما الاعمال بالنیات سوا اس کے نہیں کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ اور حدیث لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ جو شخص بسم اللہ شریف نہ پڑھے اوسکا وضوء نہیں ہوتا۔ اور حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یعنی نماز نہیں ہوتی بغیر سورہ فاتحہ کے۔ اور اسی طرح حدیث لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد یعنی نماز نہیں ہوتی مسجد کے پڑوسی کی مگر مسجد میں۔ تو بعض مجتہدین میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جس شخص نے بسم اللہ نہ پڑھی۔ یا سورہ فاتحہ چھوڑ دی۔ تو اوس کی نماز نہ ہوگی نہ وضو۔ اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ کامل نماز اور کامل وضو نہیں ہوتا۔ اور احادیث مذکورہ کے الفاظ دونوں قولوں کی شہادت دیتے ہیں کسی امام کو اس کی گنجایش نہیں کہ دوسرے کے قول کی تغلیط کرے۔ جب تک شریعت میں کوئی حکم اوس قول کے معارض نہ پایا جائے۔ اور اصلی بات اس قسم کے احکام میں یہ ہے۔ کہ ہر مجتہد کو اللہ تعالے کا وہی حکم ہے۔ جو مسائل شرعیہ میں اجتہادی طور پر اوس کی سمجھ میں آیا ہے۔ جو بات اوس کی فہم سے باہر ہے اوسکا اوس سے مطالبہ نہ کیا جائیگا ⁘

اگر تم کہو۔ کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مخصوصہ کا یہ کمال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُمت پر شفقت میں کمی کرنے کی غرض سے دو قسم کے احکام بیان کرتی ہے۔ بعض وہ جن میں تخفیف ہے۔ اور بعض وہ جن میں تشدید ہے۔ اور اسی قسم کی خوبیوں کی وجہ سے آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عنایت کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ ادیان کی تکمیل کرنے والے اور جو کچھ اون میں دشواریاں تھیں اونکو دفع کرنے والے ہیں ⁘

تو جواب یہ ہے کہ ہاں صحیح ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت میں سے قوی لوگوں پر رحم فرمایا۔ کہ اون کو فضائل اور بلند مراتب حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اونپر عزیمت کی بجا آوری ضروری کردی جس سے اون کے لئے جنت میں بلند درجات مقرر کئے گئے ⁘

اور اپنی اُمت میں سے ضعیف لوگوں پر اس طرح رحم کیا کہ اون کو ایسے امور کی تکلیف نہ دی جس کے وہ متحمل نہ ہوسکیں۔ اور ثواب میں کمی نہ فرمائی۔ بلکہ اوتنے ہی ثواب کا وعدہ فرمایا جتنا اون امور کے مرتکب کو دیا جاتا ہے ⁘

چنانچہ مریض اور مسافر کے حق میں وارد ہوا ہے کہ حق تعالے فرشتوں کو حکم فرماتے ہیں

اوس کے اسحالت میں بھی وہ نیک اعمال لکھتے رہو۔ جو وہ حالت صحت اور حالتِ قیام میں کرتا تھا۔ تو یہ بات ظاہر ہوگئی۔ کہ اگر شریعت میں منجملہ اون دو مرتبوں کے جو میزان میں مندرج ہیں۔ صرف ایک ہی مرتبہ تخفیف یا تشدید کا ہوتا۔ تو بر تقدیر مرتبہ تشدید کے دین میں تنگی بہت ہوتی۔ اور بر تقدیر تخفیف کے دین کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ اور جو شخص کسی مسئلہ میں اوس امام کا مقلد ہوتا جس میں اوس نے تشدید کا قول کیا ہو۔ تو اوسکو بوقت ضرورت دوسرے امام کے قول پر عمل ہرگز جائز نہ ہوتا۔ اور اس میں اُمت پر جو مشقت لازم آتی وہ ظاہر ہے۔ ہم کو اوس خدا کی تعریف کرنی چاہیئے جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو معتدل بنایا۔ اگر کوئی حکم اوس میں ایسا پایا جاتا ہے۔ جو کسی شخص پر شاق ہے۔ تو وہیں دوسرا حکم ایسا موجود ہے جسمیں سہولت اور تخفیف ہے۔ خواہ وہ حدیث ہو۔ یا اثر صحابی یا قول کسی امام کا +

اگر تم کہو۔ کہ ہم اوس مقلد کو کیا جواب دیں جسکا یہ عقیدہ ہو۔ کہ شریعت میں صرف وہی ایک مرتبہ میزان کا ہے جسپر میرا امام ہے۔ اور باقی خطا ہیں۔ اگرچہ فی نفسہ محتمل حقانیت ہیں۔

تو ہم یہ کہینگے۔ کہ اوس کو یہ جواب دینا چاہیئے کہ ہمارے دعوے کی تصدیق کے لئے اور تیرا عقیدہ صحیح نہ ہونے کے لئے خود تیرا فعل حجت ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض واقعات میں تو دوسرے اماموں کی تقلید کرنے لگتا ہے۔ تو اب تجھ سے دریافت کیا جاتا ہے کہ دوسرے امام کے قول پر عمل کرتے وقت تیرے امام کا مذہب فاسد ہو چکا یا وہ بھی صحیح اور حق ہے۔ تو غالب یہ ہے کہ وہ اس سوال کے لائق عمدہ اور حق جواب ہرگز نہ پاویگا +

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو مومن تمام شریعت پر کامل طور سے عمل کرنا چاہے۔ تو جب تک وہ کسی معیّن مذہب کا پابند ہے تب تک ہرگز اپنے مقصد کو نہیں پہونچ سکتا۔ اور اگر اوس معین مذہب کے امام نے یہ فرما دیا ہو کہ جس حدیث کی صحت کا ثبوت ہوجائے وہی میرا مذہب ہے تو اوسوقت اس مقلد کو بہت سی وہ حدیثیں چھوڑنی پڑینگی جو دوسرے آئمہ کے نزدیک صحیح ثابت ہو چکیں ہیں۔ اور یہ مقلد کی اس میزان سے ناواقفی اور اپنے امام رض کے کلام کو نہ سمجھنے کا سبب ہے۔ کیونکہ اگر اوس کے امام رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہوتا۔ اور اپنے ذہن میں وہ یہ سمجھے ہوئے ہوتے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کو سب سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ تو وہ ہرگز یہ نہ کہتے کہ میرے بعد میں جس حدیث کی صحت پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے۔ وہی میرا مذہب ہے۔ اور اللہ تعالے زیادہ جانتا ہے (انتہی) شیخ کا یہ کلام کیا نفیس کلام ہے +

اسلئے کہ شریعت کے احکام کی تکمیل تب ہوتی ہے کہ جب تمام احادیث اور تمام مذاہب باہم اسطرح ملائے جائیں۔ کہ گویا وہ سب ایک ہی ہیں۔ البتہ اون میں دو مرتبے ضرور جاری ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اپنی نظر کو وسعت دیگا۔ اور تبحر شرعی اسقدر پیدا کرلیگا۔ کہ ہر زمانہ کے علماء اور اون کے تمام اقوال پر مطلع ہو جاویگا تو اوسکو یقین ہو جائیگا کہ شریعت آیات اور احادیث اور آثار سے بنی ہوئی ہے۔ اوسکا تانا اور بانا انہی چیزوں کا ہے۔ اور جو شخص کسی حدیث یا کسی اثر یا علماء کے کسی قول کو شریعت سے خارج جانتے۔ تو یہ اوسکا قصور ہے۔ ایسے شخص کا علم ناقص ہونے بلکہ اوس کی جہالت میں کوئی شک نہیں ہے

ایسے شخص کے علم کی مثال اوس کپڑے کی سی ہے جس کے عرض یا طول میں سے ایک لڑی یا اس سے زیادہ ناقص رہ گئی ہو۔ تو کامل شریعت حقیقت میں تمام صحیح مذاہب اور اقوال کا نام ہے لیکن اوسی کے نزدیک جو سمجھدار ہو۔ پس اے بھائی تم کو چاہیئے کہ شریعت کی تمام احادیث اور علماء کے تمام اقوال اور تمام آثار کو باہم ملاؤ تب تم پر ظاہر ہو جائیگا کہ شریعت میں کس درجہ کی عظمت ہے۔ اور اس میزان کا کیا مرتبہ ہے۔ پھر ان سب کو ملا لینے کے بعد یہ بات روشن ہو جائیگی۔ کہ کوئی حدیث اور کوئی قول اور کوئی اثر میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف اور تشدید سے خارج نہیں ہے۔ اور ہم نے اس مضمون کی تحقیق ۹۳۳ھ میں کر چکے ہیں۔ اور خدا کے ہی واسطے تعریف ہے *

اگر تم کہو کہ ہم اون احادیث کے بارہ میں کیا کریں جنکی صحت ہمارے امام کی وفات کے بعد ثابت ہوئی ہو۔ اور زمانۂ زندگی میں امام رضی اللہ عنہ نے اون احادیث کو نہ لیا ہو۔

تو جواب یہ ہے کہ تم کو یہی چاہیئے کہ اوس پر عمل کرو۔ کیونکہ اگر تمہارا امام انپر فتح پاتا اور اوسکو انکی صحت ثابت ہو جاتی۔ تو تم کو ضرور اونپر عمل کرنیکا حکم دیتا۔ کیونکہ تمام امام رضی اللہ عنہم شریعت کے ہاتھ میں مقید ہیں۔ چنانچہ اسکا پورا بیان اوس فصل میں آجائیگا جس میں آئمہ رضی اللہ عنہم کا رائے سے بری ہونا بیان کیا جائیگا۔ اور جو شخص ایسا کریگا کہ ان احادیث پر عمل کرے تو اوس نے دونوں ہاتھوں سے خیر کو سمیٹ لیا۔ اور جو کہے کہ میں اوسی حدیث پر عمل کرونگا جسکو میرے امام نے تسلیم کیا ہو تو اوس نے خیر کثیر کو ہاتھ سے دیدیا۔ جیساکہ آئمہ مذاہب کے اکثر مقلدین کا یہی حال ہے۔ حالانکہ اون کے لئے اولےٰ یہ تھا کہ وہ تمام اون احادیث پر عمل کرتے جنکی صحت اون کے امام کے بعد ثابت ہوئی ہے۔ تاکہ اونکے اماموں کی وصیت جاری ہو جاتی۔ کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور اون کے نزدیک اون احادیث کی صحت ثابت ہو جاتی جو اون کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ تو ضرور اونپر عمل کرتے اور کسی قیاس کے مرتکب نہ ہوتے۔ اور اپنے قول کو اون احادیث کے مقابلہ میں ترک کر دیتے *

اور ہم کو صحیح طریق سے یہ خبر پہونچی ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعہ قاصد یہ پیغام بھیجا کہ جب کوئی حدیث تمہارے نزدیک صحیح ثابت ہو جائے تو ہم کو اوس سے مطلع کرو۔ تاکہ ہم اوسکو مان لیں۔ اور اوس کے مقابلہ میں اپنے قول کو ترک کردیں کیونکہ تم حدیث کے بڑے حافظ ہو۔ اور ہم اوس کے بڑے عالم ہیں (انتہی) اگر تم کہو کہ جب تم یہ کہہ چکے۔ کہ کوئی قول اور کوئی مذہب کسی مجتہد کا شریعت سے باہر نہیں ہے۔ تو اس حدیث میں خطا کا لفظ کیوں وارد ہوا اذا اجتہد الحاکم واخطاء فلہ اجر وان اصاب فلہ اجران یعنی حاکم جب اجتہاد کرے اور اوس سے اوسمیں خطا ہو جائے۔ تو اوسکو ایک اجر ہے۔ اور اگر اوس میں حق پر ہو۔ تو اوس کے لئے دو اجر ہیں۔ حالانکہ تمام علماء شریعت کے اوسی ایک دریا سے روشنائی بناتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں خطا سے مراد حکم مسئلہ کا دلیل کے مطابق نہ ہونا ہے۔ نہ وہ خطا جس سے وہ مسئلہ شریعت سے خارج ہو جائے۔ اسلئے کہ اگر وہ اجتہادی حکم شریعت سے خارج ہو جائے۔ تو مجتہد کے لئے کوئی اجر نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد۔ جس عمل پر ہماری اجازت نہ ہو وہ مردود ہے۔ اور اوس حدیث میں مجتہد کے لئے خطا کی صورت میں

ایک اجر ثابت ہے ٭

تو معلوم ہوا۔ کہ حدیث کے یہ معنے ہیں۔ کہ حاکم جب اجتہاد کرے۔ اور وہ حکم اوس دلیل کے مطابق بھی ہو جائے جو شارع کی جانب سے وارد ہوئی ہے۔ تو اوس کے لئے دو اجر ہیں۔ ایک اجر حکم کی تتبع اور تلاش کا۔ اور دوسرا اجر اوس حکم کے مطابق دلیل ہونے کا اور اگر وہ حکم اوس دلیل کے مطابق نہ ہو۔ اگرچہ فی نفسہٖ حکم صحیح ہو۔ تو اوس صورت میں حاکم کے لئے ایک ہی اجر ہے۔ اور وہ تتبع اور تلاش کا تو حدیث مذکور میں خطا سے مراد خطائے اضافی ہے۔ نہ خطائے مطلق۔ پس خوب سمجھ لو۔ کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام آئمۂ مسلمین اپنے تمام اقوال میں پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور نہیں ہے کوئی قول اون میں سے مگر یا وہ چشمۂ شریعت سے قریب ہے۔ یا اقرب۔ اور بعید ہے یا ابعد۔ سند کے طویل اور قصیر ہونے کے اعتبار سے لیکن سلسلہ تمام اقوال کا شریعت سے جا ملتا ہے ٭

اور جسطرح ہم پہ واجب ہے۔ کہ ہم اسبات کے ساتھ ایمان لائیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام شریعتیں منسوخ ہونے سے پہلے صحیح تھیں۔ حالانکہ وہ آپس میں مختلف اور اون میں سے اکثر باتیں ہماری شریعت کے ظاہر کے خلاف تھیں۔ اسی طرح مقلد پر واجب ہے۔ کہ وہ مجتہدین کے تمام مذاہب صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے۔ اگرچہ اون سب کا کلام اس مقلد کے مذہب کا ظاہر میں مخالف ہو۔ کیونکہ انسان جسقدر شریعت کے نور سے بعید ہو گا۔ اوسی قدر اوس کی عقل کی روشنی پوشیدہ ہوگی۔ اسی وجہ سے غیر کے کلام کو شریعت سے خارج جانے گا۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہ ہو گا ٭

اور شاید یہی وجہ ہے جو ہر زمانہ میں بعض علماء بعض کے کلام کی تردید کرتے رہے ہیں۔ یہانتک کہ میرے زمانہ میں بھی اگر تم نظر غور سے دیکھوگے تو ہر زمانہ کے لوگوں کو اس سے پہلے زمانہ کے لوگوں پر طعن کرتے پاؤگے پس ان دونوں شخصوں میں کسقدر فرق ہے۔ جن میں سے ایک شخص اپنی نظر زمانہ کے تمام اون دوروں پر ڈالتا ہے جو اوس سے پہلے گذر چکے ہیں یہانتک کہ وہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ تمام اقوال چشمۂ شریعت والے سے جو (کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے) متصل ہیں اور دوسرا شخص اس سے حجاب میں ہے۔ اسلئے کہ آج کل کے مقلدین اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور اول کے درمیان علماء کے پندرہ دور گذر چکے ہیں۔ پس اسکو جان لو ٭

اگر تم کہو کہ اس میزان کو دو مرتبوں پر ٹھیرانے کی کوئی دلیل ہے جن کی ابتدا خدا کی جلوہ گاہ سے جسکو حضرت الٰہی سے تعبیر کیا جائیگا۔ ہوگی۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام نازل نہیں ہوتے۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ ہاں اہل کشف کا اسپر اتفاق ہے کہ دین کے پانچوں احکام مختلف جگہوں سے نازل ہوئے ہیں۔ نہ ایک جگہ سے جیسا کہ بعض کا گمان ہے۔ پس منجملہ احکام کے حکم واجب نازل ہوا ہے عالم اعلےٰ سے (ایک مقام کا نام) اور مستحب نازل ہوا ہے۔ لوح محفوظ سے۔ اور حرام نازل ہوا ہے عرش اعظم سے۔ اور مکروہ نازل ہوا ہے کرسی سے۔ اور مباح سدرۃ المنتہیٰ سے۔ پس واجب تشدید کی شہادت دیتا ہے۔ اور مستحب تخفیف کی شہادت دیتا ہے۔ اسی طرح حرام اور مکروہ میں بھی یہی نسبت رہا مباح۔ تو وہ ایک درمیانی امر ہے جسکو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کی رحمت کیواسطے پیدا کیا ہے

تاکہ اوس کی بجا آوری کے وقت تمام مشقتوں سے راحت میں رہیں۔ خواہ وہ مشقت کسی امر کی تکلیف کی ہو یا کسی حرام سے روکنے کی۔ تو گویا اوس مباح کے ارتکاب کے وقت بندہ نہ کسی امر کا پابند ہے۔ اور نہ کسی نہی کے تحت میں کیونکہ یہ بات بندہ کی طاقت سے باہر ہے۔ کہ وہ ہمیشہ روک ٹوک میں مقید رہے۔ لیکن بعض عارفین نے مباح میں بھی بہ لحاظ اولے اور غیر اولے کے دو قسمیں تخفیف اور تشدید جاری کی ہیں۔ تو اون کے نزدیک مباح کی بھی دو قسمیں ہیں جسطرح عزیمت اور رخصت کی چنانچہ گذر چکا۔

اگر تم کہو۔ کہ ان احکام خمسہ کے مختلف جگہوں سے نازل ہونے میں کیا حکمت ہے اور پھر بالخصوص انہی پانچ جگہوں سے جنکا اوپر ذکر کیا گیا +

تو جواب یہ ہے کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ ہر جگہ اون جگہوں میں سے بندہ کو اوس چیز کی طرف کھینچتی ہے۔ جو اوس جگہ میں پائی جاتی ہے۔ تو چونکہ قلم اعلےٰ میں تکالیف واجبہ نظر آتی ہیں۔ اس لئے وہ بندہ کو اسی طرف کھینچتا ہے۔ اور چونکہ عرش عظیم سے مخطورات نظر آتے ہیں۔ اسلئے وہ بندہ کو رحمت کیطرف کھینچتا ہے۔ کیونکہ عرش رحمٰن کے سید کھے ہونے کی جگہ ہے۔ اسلئے وہ اوس دربار کے لوگوں کو رحمت کی ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ جونسی رحمت اوسکے مناسب ہو باعتبار مسلمان اور غیر مسلمان ہونے کے۔ خواہ رحمت ایجاد یا رحمت امداد۔ یا رحمت عذاب میں مہلت دینے کی۔ اور چونکہ کرسی سے اقوال و اعمال مکروہ کیطرف نظر کیجاتی ہے۔ تو اسلئے اپنے اہل کی معافی کیطرف جلدی کرتا ہے۔ اسیواسطے مکروہ کے تارک کو اجر اور ثواب دیا جاتا ہے۔ اور اوس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ رہا سدرۃ المنتہیٰ تو وہ پانچواں مرتبہ ہے۔ اوسکو منتہیٰ اسواسطے کہا جاتا ہے کہ اوس سے انسان کا کوئی عمل متجاوز نہیں ہوتا۔ اس دلیل سے کہ امر اور نہی قلم سے نازل ہوتا ہے لوح تک۔ وہاں سے عرش تک۔ اور وہاں سے کرسی تک۔ اور وہاں سے سدرہ تک۔ پھر مکلفوں سے اوسکا تعلق ہوتا ہے۔ تو احکام کے لئے کوئی اور درجہ ایسا نہیں ہے۔ جو سدرہ سے متجاوز ہو جائے۔ اوسمیں احکام کا ٹھہرنا درمیان میں ہے جس کے ایک جانب میں بقیہ مدارج ہیں جنکا ذکر ہوا۔ اور دوسری جانب میں اعمال مکلفین ہیں۔ تو عالم علوی میں احکام کے استقرار کی انتہائی جگہ سدرہ ہی ہے۔ پس چاہئے کہ اسمیں غور کیا جاوے +

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ مباح نفس کی ایک قسم ہے۔ اور وہ سدرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ عالم سعادت کے تمام نفوس کی انتہا اسی مقام پر ہوتی ہے۔ اور عالم شقاوت کے نفوس کی انتہا سدرہ کی جڑ و نیچے ہو جاتی ہے۔ جنکو زقوم کہتے ہیں۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔ کیونکہ یہ مضمون نفیس ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

فصل - اگر کوئی عالم اس میزان کے ساتھ ذوق اور تدین کا دعویٰ کرے۔ تو کیا ہم اوس کی تصدیق کریں۔ یا توقف کرنا چاہئے +

تو جواب یہ ہے کہ ہم اوس سے علماء کے مذہبی اقوال کی علتیں دریافت کرینگے۔ خواہ وہ مذہب ایسا ہو جو آجکل بھی استعمال کیا جاتا ہو۔ یا ایسا کہ جو ختم ہو چکا ہو۔ تو اگر وہ اون سب کی تقریر کر دے۔ اور اون تمام کو میزان کے دونو مذہبوں کیطرف لوٹا کر حدیث و قرآن سے اسطرح ثابت کر دے جس طرح خود وہ امام جن کے یہ مذاہب ہیں تو اوسوقت ہم اوس کے دعوے کی تصدیق کرینگے۔ اور اگر اون

اقوال میں سے کسی قول کی توجیہہ میں بھی توقف کریگا۔ تو یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ اسکو میزان میں ملکہ حاصل نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ اس میزان کا عالم اور صاحب میزان کا ماننے والا ہے اور جاننا چاہئے۔ کہ ہماری مراد اقوال کی دلیلوں سے اون کے منشے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض علماء نے خوبصورت نابالغ لڑکے کا چہرہ دیکھنے کو حرام کہا ہے۔ اور غرض جسکو منشا کہا جائے۔ احتیاط ہے اور دلیل اس میں احتیاط کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ کہ دع مایریبک الی مالا یریبک یعنے چھوڑ اوسکو جو تجھے شک میں ڈالے اوس چیز کی طرف جو تجھے شک میں نہ ڈالے ✦

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جو شخص خداوند تعالے کے اس فرمان میں غور کریگا کہ ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن یعنی (اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر اوس طریقہ سے جو اچھا ہے) اور اس بات کو جان لیگا کہ غیر احسن طریقہ سے مال یتیم کے قریب جانے کو اس وجہ سے منع کیا کہ تا کہ یتیم یا اوس کے مال کو کسی قسم کا ضرر نہ لاحق ہو۔ تو اوس کو علماء اہل عمل اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کی علتیں خوب ظاہر ہو جائینگی۔ پس چاہئے کہ خوب غور کیا جائے اور اللہ تعالے سب سے زیادہ جاننے والا ہے ✦

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب باریتعالے نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سر چشمہ پر آگاہ کر دیا۔ تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ سب اوسی چشمہ سے متصل ہیں۔ اور اون تمام میں سے آئمہ اربعہ علیہم الرحمتہ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں۔ اور جو مذاہب ختم ہو چکے وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں۔ اور آئمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دیکھی۔ پھر اوس کے قریب قریب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی۔ اور سب سے چھوٹی نہر حضرت امام داؤد علیہ الرحمتہ کے مذہب کی پائی۔ جو پانچویں قرن میں ختم ہو چکا ہے۔ تو اوس کی وجہ میں نے یہ سوچی کہ آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے مذہب پر عمل کرنے کا زمانہ طویل رہا۔ اور حضرت امام داؤد علیہ الرحمتہ کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا۔ پس جس طرح امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے اسیطرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا۔ اور اہل کشف کا بھی یہی منقولہ ہے

پھر جب میں نے مذاہب مجتہدین اور اون امور پر نظر ڈالی۔ جو ہر دور میں ہمارے اس زمانہ تک اون سے متفرع ہوتے چلے آئے ہیں۔ تو میں ہرگز اسپر قادر نہ ہوا۔ کہ اون میں سے کسی کے قول کو بھی شریعت سے خارج بتلاؤں۔ وجہ یہ ہے کہ میں تمام اقوال و مذاہب کو شریعت کے چشمہ اولے سے مربوط دیکھتا تھا۔ اور سب سے زیادہ اچھی مثال اسکی مچھلی کے شکاری کا جال ہے۔ جو مصر میں بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ اوسمیں سے پہلا پھندا جہاں سب مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ شریعت مطہرہ کے چشمہ کی مثال ہے۔ اوس کے بعد پھر جسقدر پھندے پھیلے ہوئے دیکھتے ہو۔ آخر تک یہ سب آئمہ مجتہدین اور اون کے قیامت تک آنے والے مقلدین کے اقوال ہیں جن میں سے ہر قول چھوٹے چھوٹے چشموں سے مربوط ہے۔ اور اون میں سے ہر چشمہ اپنے افوق چشمہ سے متصل ہے۔ یہانتک کہ یہ سلسلہ شریعت کے پہلے اور بڑے چشمہ سے جا ملتا ہے ✦

پس کیا ہی سعید ہے وہ شخص جسکو باریتعالے شریعت کے چشمہ اولے سے آگاہ کردے جسطرح ہم کو آگاہ کیا ہے۔ اور وہ یقین کرنے لگے کہ ہر مجتہد برحق ہوتا ہے۔ اور کیسا مقصد ور اور کسقدر مسرور ہوگا یہ شخص کہ جب قیامت کے دن تمام علما اسکا ہاتھ پکڑینگے۔ اور اس کے چہرہ کو دیکھکر تبسم فرمائینگے۔ اور تمام علما اوس کی شفاعت کراتے ہیں باہم مقابلہ کرینگے۔ ہر عالم یہی چاہیگا۔ کہ میں شفاعت کراؤں +

اور کسقدر نادم ہوگا وہ شخص جو سلوک طے کرنے سے قاصر رہا۔ اور شریعت کے چشمہ اولے دیکھنے سے محروم رہا۔ اور تمام مجتہدین میں سے برحق ایک ہی کو مانا۔ اور باقیوں کو خطاوار بتلایا۔ کیونکہ وہ تمام مجتہدین جنکو اُس نے خطاوار بتلایا ہوگا قیامت کے دن اُس کے سامنے ترشروئی ظاہر کرینگے۔ اسلئے کہ باوجود اپنی فہم خراب ہونے کے اون کی شان میں بڑی بے ادبی کی۔ کہ اون کیطرف خطا اور جہالت کی نسبت کی +

پس اے بھائی اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی کہ اوس علم پر عمل بھی کیا جائے۔ یہانتک کہ جلدی سے تمہارا راستہ طے ہوجائے۔ اور مجتہدین کے بلند مقام کو جھانکنے لگو اور جس چشمہ سے تمہارے امام نے خوشہ چینی کی ہے۔ تم بھی اوس سے خبردار ہوجاؤ۔ اور اوس چشمہ سے سیرابی میں اپنے امام کے دوش بدوش بنجاؤ +

پس جسطرح اثنائے سلوک میں جب تمہاری آنکھوں پر اوس سرچشمہ سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ تو تم اوس امام کے تابعدار تھے۔ اسی طرح تم کو چاہئے کہ جب تم اوس چشمہ سے آگیری کرنے لگو تب بھی اپنے امام کا حلقہ اتباع اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہو۔ پھر جب تم اوس بلند مقام کو حاصل کرلو اور چشمہ اولے اور اوس کی تمام شاخوں کا مشاہدہ کرچکو۔ تو تم خود بخود علماء کے تمام اقوال کی توجیہہ کرنے لگوگے اور کسی ایک قول کے بھی رد کرنے کی ضرورت نہ پڑیگی۔ یا تو اسوجہ سے کہ ہر ایک کی دلیل خواہ تخفیف ہو یا تشدید تمہارے نزدیک صحیح ثابت ہوجائے۔ یا اسوجہ سے کہ تم نے تمام اقوال کو چشمہ شریعت سے نکلتا ہوا دیکھ لیا ہے۔ اگرچہ اون اقوال کا ظہور آخری دور میں ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

پس حاصل یہ نکلا کہ تمام اقوال دو مرتبوں تخفیف اور تشدید سے خالی نہیں ہیں۔ اور ہر مرتبہ کے لئے آدمی مخصوص ہیں +

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقلید میں کثرت کرنا بصیرت میں نقصان پیدا کرتا ہے اس کلام سے امام موصوف کا مقصد علماء کو اس امر پر برانگیختہ کرنا ہے کہ وہ احکام دینیہ کو خود چشمہ شریعت سے حاصل کرنے لگیں۔ اور کسی مجتہد کے پردہ کی آڑ میں رہکر صرف تقلید ہی پر اکتفا نہ کریں پس تمام تعریفیں اوسی خدا کو ہیں جس نے ہم کو اون لوگوں میں سے بنایا۔ جو علماء شریعت کے ہر کلام کی عمدہ توجیہہ کرتے ہیں۔ اور تمام اقوال کو چشمہ شریعت سے متصل دیکھکر کسی قول کی تردید نہیں کرتے +

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ یعنے میرے تمام صحابی مانند ستاروں کی ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ ہماری بہت بڑی تائید کرتی ہے +

اور اس حدیث شریف میں اگرچہ علمائے محدثین نے کلام کیا ہے۔ لیکن اہل کشف کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کچھ شبہ نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مجتہدین نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کا رستہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کسی مجتہد کو نہ پاؤ گے کہ اوسکا سلسلہ کسی ایک صحابی سے جو اوس کے قول میں متفق ہو۔ یا صحابہ کی ایک جماعت سے نہ ملتا ہو +

اگر تم سوال کرو۔ کہ اس تقریر سے معلوم ہوا۔ کہ صحابہ اصل ہیں۔ اور علمائے مجتہدین اونکی فرع تو پھر کیا وجہ ہے کہ علماء نے صحابہ کے سوا دوسرے مجتہدین کے کلام کو اوس کلام سے درجہ میں مقدم رکھا ہے جو صرف ایک دو صحابیوں کا ہو۔

تو جواب یہ ہے کہ علماء نے بعض مسائل میں مجتہد غیر صحابی کے کلام کو صحابی کے کلام پر اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ مجتہد کا زمانہ آخری ہونے کی وجہ سے اوسکا علم تمام اقوال صحابہ یا اکثر کو محیط ہوگیا ہے تو اس میں بھی میزان کے دونوں مرتبہ تخفیف و تشدید جاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو مذہب جمہور صحابہ رض یا بعض کا ہوگا وہ ان دونوں مرتبوں سے باہر نہ ہوگا +

اور میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا رحمتہ اللہ علیہ کو بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ چشمہ شریعت مانند ایک دریا کی ہے۔ تو جس کنارے سے چاہو سیرابی حاصل کرو۔ کیونکہ وہ تو ہر طرف ایک ہی ہے۔ اور یہ بھی اونکو فرماتے سنا ہے کہ کسی مجتہد کے قول پر انکار کی جرأت نہ کرو۔ جب تک کہ تم شریعت کی تمام دلیلوں کا احاطہ نہ کر لو۔ اور جب تک کہ اون تمام لغات اور اون کے معانی کو نہ جان لو جنکا شریعت میں استعمال ہے۔ اور جب تمکو ان تمام چیزوں پر خوب دسترس ہو جائے۔ اور پھر مجتہد کے کسی قول کو شریعت میں نہ پاؤ۔ تو اوسوقت تم کو انکار کرنا درست ہے۔ اور بھلا ان سب شرطوں کا وجود کہاں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طبرانی نے حدیث مرفوع بیان کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری شریعت میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) طریقہ ہیں۔ جو جس طریقہ کو اختیار کرے گا۔ نجات پائیگا (انتہی) والحمد للہ رب العالمین +

فصل ۔ اے بھائی! اگر تم چاہو۔ کہ تم کو اس میزان کا ایسا علم ذوقی حاصل ہو جائے۔ کہ تم تمام مجتہدین اور مقلدین کے مذاہب کی اس طرح تقریر کرنے لگو جسطرح خود اصحاب مذاہب کرتے ہیں تو تم کو چاہئے کہ ریاضت اور مشقت پر کمر بستہ ہو جاؤ۔ اور اپنا ہاتھ کسی ایسے شیخ کے ہاتھ میں دیدو۔ جو صادق اور سلوک کا ماہر ہو۔ تاکہ وہ تم کو علم اور عمل کے اندر صدق اور اخلاص کی تعلیم دے اور تمہارے نفس کی تمام اون سرکشیوں کو دور کردے۔ جنہوں نے تم کو مقصود کی راہ طے کرنے سے روکدیا ہے۔ اور تم کو چاہئے کہ شیخ کے اشارہ پر چلو۔ یہانتک کہ منتہی کمال کے تمام مقامات تم کو حاصل ہو جائیں اور تم اپنے سوا تمام لوگوں کو نجات پانے والا خیال کرنے لگو۔ اور اپنے آپ کو ایسا سمجھنے لگو۔ گویا کہ مُردہ ہو۔ اگر تم اس بیان مذکورہ پر پورے عامل ہو جاؤ گے۔ تو میں ضامن ہوں۔ کہ انشاء اللہ تعالے تم بہت جلد شریعت کے چشمہ سے آگاہ ہو جاؤ گے۔ جس سے ہر عالم کا قول متفرع ہوتا ہے۔ اور اگر بدون کسی شیخ کے سلوک طے کرتا ہو۔ تو ریا اور جنگ و جدال اور دُنیا کی مزاحمت سے پاک صاف نہیں ہو سکتے۔ تو ایسا سلوک شریعت کے سرچشمہ تک کسطرح پہنچا سکتا ہے۔ اگرچہ تمام معاصر تمہاری قطبیت

کی شہادت دیتے ہوں۔ ایسی شہادت کا ہرگز اعتبار نہیں۔ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب (فتوحات) کے تہترویں باب میں اسطرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص خدا کے راستہ میں بغیر شیخ اور بغیر حرام سے بچنے کے چلے۔ وہ خدا تعالےٰ کی اوس معرفت کو حاصل نہیں کر سکتا جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہوتی ہے۔ اگرچہ زمانہ عمر نوح علیہ السلام کے برابر خدا کی عبادت کرتا رہے
پھر جب بندہ خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ تو اوس کے بعد کوئی درجہ ترقی کا باقی نہیں رہتا اور اوسوقت کشفی اور یقینی طور سے اسماء آلہیہ کی بارگاہوں پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اور یہ دیکھنے لگ جاتا ہے کہ علماء کے تمام اقوال اسماء آلہی کی بارگاہ سے وابستہ ہیں۔ پھر اوس کے نزدیک تمام مذاہب مجتہدین میں کسی قسم کا باہم خلاف نہیں رہتا۔ اور نہ کوئی قول کسی عالم کا خدا تعالےٰ کے اسماء اور اوسکی صفات کے دائرہ سے خارج رہتا ہے (انتہی) اور یہ اوسی کی نظیر ہے۔ جو ہم شریعت کے چشمہ کبریٰ میں بیان کر چکے ہیں۔

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ جب مرید کا سلوک انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر وہ اپنی عقل سے ایک مجتہد کی دوسرے مجتہد پر فضیلت ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے اس قول کی معرفت کا اوس کے قلب پر سکہ جم جاتا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (یعنی ہم باہم رسولوں کے کسی رسول کی تفریق نہیں کرتے۔) اور اس بات کا اوسے کامل یقین ہو جاتا ہے کہ جس نے اپنی عقل سے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی۔ حالانکہ اوسکو اس بارہ میں کشف صحیح ہوا نہیں۔ تو اوس نے یقیناً تفریق کی۔ برخلاف اوس شخص کے جس نے اپنے کشف سے فضیلت دی ہو کیونکہ وہ وحدت کی شہادت دیتا ہے۔ اور اوس کے نزدیک جمع اور تفریق ایک ہی ہیں۔ جیسے علم کا طالب مثلاً حنفی یا حنبلی طلب علم کے زمانہ میں ایک معین مذہب پر اقتصار کر کے اوسی کو دین خیال کرتا ہے اور اور اوس کی مخالفت کا بالکل الحاظ نہیں کرتا۔ تو شدہ شدہ ایک ایسے مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ وہاں تمام مذاہب کے موافق عبادت کرنے لگتا ہے۔ اور مذاہب میں باہم کسی قسم کی تفریق نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ تمام مذاہب کو ایک ہی چشمہ سے نکلتا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ (انتہی) کلام الشیخ کا تمام ہوا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ہے میزان کے صحیح ہونے کی۔ اور اس سے اون دونوں قولوں کی تصدیق ہو گئی۔ جو اس مسئلہ میں ہیں۔ کہ ہر مجتہد برحق ہوتا ہے۔ یا نہیں چنانچہ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس کلام مذکور سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص ابھی سلوک کی انتہا تک نہیں پہونچا ہے وہ شریعت کے چشمہ اولےٰ سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اوس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہر مجتہد برحق ہے۔ برخلاف اوس شخص کے کہ جسکا سلوک انتہا تک پہونچ گیا ہے۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہے۔ اتنی بات ضرور ہے۔ کہ ایسی حالت میں اپنے اس عقیدہ کو لوگوں پر ظاہر کریگا۔ کہ تمام مجتہد حق پر ہیں۔ تو عام مقلد اوسکا بڑے زور سے انکار کرینگے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام بیچارے اوس مقام سے پردہ میں پڑے ہیں جہاں وہ سالک پہونچ چکا ہے۔ تو وہ عام مقلدین ایک اعتبار سے تو معذور ہیں۔ اور ایک اعتبار سے معذور نہیں ہیں جس اعتبار سے معذور ہیں۔ وہ بیان ہو چکا۔ اور جس اعتبار سے معذور نہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب اون کو کبھی ایسی دلیل واضح نہیں مل سکتی جس سے وہ اہل کشف کے کلام کی تغلیط کر سکیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ نہ شرعی۔ تو انہوں نے باقی مذاہب کی صحت کے علم کو خدا

کے سپرد کیوں نہ کر دیا - کہ وہی جانتا ہے ہمیں کچھ علم نہیں - اور کسی دلیل کے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل کشف کا کشف ہمیشہ شریعت کی تائید کرتا ہے - کیونکہ کشف کے معنے یہ ہیں کہ خبر دینا کسی بات کا جسطرح وہ واقع میں ہے اور یہی عین شریعت ہے

اور مَیں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ تمام علوم لدنیہ (یعنی بالذات خدا کی طرف سے عطا کئے ہوئے علوم) حضرت خضر علیہ السلام کے علوم کے اقسام میں سے ہیں - اور یہ بات تم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت موسے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپہلے پہل خضر علیہ السلام کے افعال کا انکار کیا - اور جب حضرت خضر علیہ السلام نے آخر میں اپنے تمام افعال کی تاویلیں اور حکمتیں ظاہر کر دیں - تو آپ نے انکار نہ فرمایا - بلکہ اوسوقت سکوت کیا - اس سے معلوم ہوا کہ باریتعالے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آخر میں اون رموز پر آگاہ کر دیا تھا جنکی حضرت خضر علیہ السلام کو اطلاع تھی - ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوا العزم نبی کو ہرگز جائز نہ ہوتا کہ ایک امر منکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں - اور پھر اوسپر سکوت فرماویں - کیونکہ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کی کشتی کو اون کی اجازت کے بغیر اس خوف سے توڑ دینا کہ اوسکو ظالم بادشاہ جبرًا نہ چھین لے - اور کسی بے گناہ لڑکے کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ آگے چلکر وہ اپنے والدین کو کفر اور سرکشی کیطرف پھسلاویگا - از روئے شرع شریف ہرگز جائز نہیں - (انتہیٰ)

اور اسی طرف شیخ محی الدین بن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (فتوحات) کے شروع میں اشارہ کیا ہے - چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ علوم لدنیہ کی علامت یہ ہے کہ عقول ان علوم کو باوجود اون علوم کے مخفی ہونے کے بذریعہ فکروں کے حاصل کر لیتی ہیں - اور جو عالم اون علوم کا اہل نہیں ہوتا وہ اون کو محض تسلیم کر لیتا ہے اون کے ساتھ اوسکو دلبستگی نہیں ہوتی - اور اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ علوم اپنے اہل کو بذریعہ کشف کے حاصل ہوتے ہیں نہ بذریعہ فکر کے اور تمام علماء چونکہ علوم کو بذریعہ فکر ہی حاصل کرتے ہیں اسلیے جب اون کے سامنے وہ علوم پیش کئے جاتے ہیں جو بذریعہ فکر حاصل نہیں ہوتے - تو وہ انکا انکار کر دیتے ہیں - کیونکہ وہ علوم علماء کے غیر مانوس طریقہ سے حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں (انتہیٰ)

اور یہیں سے تم کو جان لینا چاہیے - کہ جو لوگ شریعت کے چشمہ سے پردہ میں ہیں - وہ اس میزان کے انکار کرنے میں معذور ہیں - کیونکہ اس میں وہ علم ہے - جو اون علوم لدنیہ کی ایک قسم ہے - جن سے حضرت خضر علیہ السلام یقیناً آگاہ کئے گئے ہیں پس جان لو اسکو والحمد للہ رب العالمین

فصل - اس کے اندر تین چیزوں کا بیان ہے - ایک تو اوس شخص کے قول کی تقریر ہے جس نے کہا ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہے - یا یہ کہا ہے - کہ تمام مجتہدین میں سے حق پر ایک ہی مجتہد ہے - مگر وہ معین نہیں کہ کونسا ہے - دوسرے یہ کہ ہر قول ان دونوں قولوں میں سے ایک ایک حالت پر محمول ہے - تیسرے اوس امر کا بیان جو اس کتاب میزان کی تائید کرتا ہے

جاننا چاہیے - کہ اس میزان کے تائید کرنیوالوں میں ایک یہ امر بھی ہے کہ جس پر علماء اہل کشف کا اجماع ہے - اور حضرت محی الدین بن عربی نے اپنی کتاب (فتوحات) کے اندر مسح علی الخف کے بیان میں اوسکی تصریح کی ہے - اور فرمایا ہے - کہ کسی کو یہ ہرگز جائز نہیں - کہ کسی مجتہد کو خطا وار بتلائے - یا اوس کے کلام

میں اعتراض کرے۔ اسلئے کہ شرع خدا تعالےٰ کا ایک حکم ہے جس کی مجتہد تقریر کرتا ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے جس میں بہت سے اہل مذاہب محظور کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جس امر پر ہم تنبیہ کر چکے ہیں وہ اوسکو محفوظ نہیں رکھتے۔ حالانکہ وہ خود بھی اوس کے عالم ہیں +

پس جو شخص کسی معین مجتہد کو خطاوار تبلاوے۔ تو وہ ایسا ہے گویا اوس امر میں شارع کو خطاوار کہتا ہے (انتہی)

شیخ کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ مجتہدین کے تمام اقوال شارع کے نصوص کے ساتھ ملحق ہیں اور جواز عمل میں بالکل ایسے ہیں جیسے شارع کے نصوص +

اور اس میزان کی تائید ہمارے علماء کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ کہ اگر کوئی انسان چاروں جانب کو نماز پڑھے قبلہ کی جانب متعین نہ ہونے کیوقت اس صورت سے کہ ایک رکعت اپنے اجتہاد سے ایک طرف کو پڑھی پھر رائے پلٹی تو دوسری طرف پھر کر دوسری رکعت اداکی علیٰ ہذا القیاس چاروں طرف پھر کر چار رکعتیں اداکیں۔ تو اوس شخص پر اس نماز کی قضا لازم نہیں۔ حالانکہ اون چاروں جانبوں میں سے ایک جانب یقیناً صحیح ہے۔ اور تین جانبیں یقیناً قبلہ نہیں۔ لیکن چونکہ ہر رکعت اجتہاد کی ہی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اسلئے ہم اوس کی صحت کے قائل ہوئے ہیں +

تیسری بات جو اس میزان کی تائید کرتی ہے یہ ہے جسپر اہل کشف کا اجماع ہے کہ مجتہدین وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے علوم وحی میں حقیقی وارث ہیں پس جسطرح نبی معصوم ہوتا ہے ایسے ہی اوسکا وارث بھی واقع میں خطا سے دور ہے۔ اور اگر کوئی شخص اوسکو خطاوار تبلائے۔ تو یہ خطا اضافی ہے۔ کیونکہ یہ اوسکے قول کی دلیل سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اور رسول بڑے رفیع مرتبے والے حضرات ہیں۔ ان مراتب کی وراثت سوائے علمائے مجتہدین کے اور کسی کو میسر نہ ہوئی۔ تو اونکا اجتہاد وجوب عمل میں مثل نصوص شارع کی ہے۔ کیونکہ اونکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام میں اجتہاد کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔ باریتعالےٰ کے اس ارشاد کے تحت میں کہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم اور یہ بات ظاہر ہے کہ استنباط مجتہدین ہی کا کام ہے تو اونکا اجتہاد شارع کے حکم کو ظاہر کر دیتا ہے چنانچہ گذر چکا ہے۔ پس ہر مجتہد برحق ہے۔ اسلئے کہ وہ اوس اجتہاد سے کام لیتے ہیں جسکا شارع نے اقرار کیا ہے (انتہی)

اور میں نے بعض اہل کشف سے سنا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مجتہدین سے اجتہاد کے ساتھ اسوجہ سے عبادت کراتا ہے تاکہ اونکو شریعت کی وضع سے کوئی حصہ مل جائے۔ اور اونکا قدم اوس میں راسخ ہو جائے اور آخرت میں سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اون کے آگے نہ ہو۔ تو اس امت کے علماء حشر میں شریعت مطہرہ کی دلیلوں کے حافظ اور اون کے نکات سے واقف ہونگے۔ اور انبیاء و رسول کی صف میں کھڑے ہونگے۔ نہ امتوں کی صف میں۔ پھر کوئی نبی یا رسول ایسا نہ ہوگا جس کے پہلو میں اس امت کے علماء کا کوئی عالم نہ ہو۔ اور اون علماء میں سے ہر عالم احکام اور احوال اور مقامات اور مراتب کے جاننے میں انتہاء دنیا پر امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک درجہ استاذیت کا رکھیگا۔ اس سے تم جان گئے ہوگے کہ تمام مجتہدین تخفیف و تشدید میں شارع کے تابع ہیں پس اپنے آپ کو اس سے بچاؤ +

تمہارے امام نے جس امر میں تشدید کی ہو۔ اوسکا تم تمام لوگو کو حکم کرنے لگو۔ یا جس امر میں تخفیف کی ہو۔ اوسکا ہر شخصکو امر کرنے لگو۔ کیونکہ شریعت کا ورود دو مرتبوں پر ہوا ہے۔ نہ ایک مرتبہ پر جیسا کہ اسی کتاب میں گذر چکا ہے۔ اور اسی لئے تمہارا یہ قول صحیح ہے کہ اللہ تعالے اپنے بندوں پر مشقت نہیں ڈالتا ہے۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسپر بد دعاء فرمائی ہے جو آپ کی اُمت پر مشقت ڈالے چنانچہ فرمایا ہے اللّٰهم من ولی من امور امتی شیئًا فرفق بهم فارفق اللّٰهم به ومن شق علی امتی فاشقق اللّٰهم علیه (یعنی اے اللہ جو شخص میری اُمت کے اموریں سے کسی شے کا حاکم بنایا جائے اور پھر وہ اون کے ساتھ نرمی کرے تو اے خدا تو اس کے ساتھ نرمی کر۔ اور جو میری اُمت پر بار اور مشقت ڈالے تو اے اللہ اسپر مشقت ڈال)

اور ہم کو کبھی یہ خبر نہیں پہونچی کہ آپ نے اوس شخص پر بد دعاء کی ہو جس نے اُمت پر تسہیل کی ہو۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو یہ ارشاد فرماتے رہتے تھے کہ چھوڑ دو مجھ کو جب تک چھوڑے رکھوں میں تم کو اس خوف سے کہ کہیں کثرت سوال سے اسقدر احکام کی زیادتی نہ ہو جائے جن پر وہ عمل نہ کر سکیں پس وہ عالم جسکا مقصد رفع حرج ہو۔ وہ اُس اصل پر ہے جسپر لوگوں کی جنت میں انتہا ہوگی۔ اور جسکا مقصد تنگی ڈالنا ہے۔ تو وہ ایک عارضی امر پر ہے جو تکلیف کے دور ہونے سے زائل ہو جائیگا اگر تم کہو کہ جس شخص نے لوگوں پر ایک مذہب معیّن کی پابندی کو لازم کر دیا ہو۔ تو گیا اوس نے اونپر تنگی اور مشقت ڈالدی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حقیقت میں اوس کے اندر کوئی مشقت نہیں۔ اسلئے کہ صاحب مذہب نے یہ نہیں کہا کہ ضعیف آدمی کو بھی عزیمت ہی پر عمل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ ایسے شخصکو اجازت دی ہے۔ کہ کسی خاص مسئلہ میں میرا مذہب چھوڑ کر اوس رخصت پر عمل کرے جسکا دوسرے اماموں نے قول کیا ہو تو اس امام کے مذہب میں بھی شریعت کے دو مرتبے موجود ہیں۔ لہٰذا اوس شخصکی نسبت جس نے کسی خاص مذہب کی پابندی کو لازم کر دیا ہو۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اوس نے مشقت یا بار ڈالدیا ہے جو اس مقلد پر دشوار ہے۔ پس اگر شریعت کو تم نے اسطرح نہ سمجھا تو تم نے کچھ بھی نہ سمجھا۔ اور اگر تم نے تمام مجتہدین کے مذاہب اسطرح بیان نہ کئے تو تم نے کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ اور اس تقدیر پر مقلد کا یہ اعتقاد کہ تمام مجتہد خدا تعالے کیطرف سے ہدایت پر ہیں محض زبانی ہی الفاظ ہوئے۔ دل میں اس کا یقین نہ ہوا۔ اور یہ ایک قسم ہے نفاق کی +

اور یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میں نے اس کتاب (میزان) کو محض آئمہ رضی اللہ عنہم اور اون کے مقلدین کے مذاہب کی مدد کرنے کی غرض سے اس طریقہ پر تالیف کیا ہے یہ دشمنوں نے اوڑا دیا ہے کہ جو شخص اس میزان میں غور کریگا۔ اوسکو اس سے تمام مجتہدین کا خطاوار ہونا ثابت ہوگا۔ اور وجہ اوس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مجتہد دوسرے مجتہد کے قول کو ناصواب اور خطا جانتا ہے تو ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کو خطاوار بتلانا تمام مجتہدین کے خطاوار ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ تم ہر مجتہد کے قول کو صادق مانتے ہو یہانتک دشمن کا کلام ہے +

تو جواب اسکا سُننے کہ تمام علماء کا اسپر اجماع ہے۔ کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کا انکار نہیں کرتا۔ یہ بات علیحدہ رہی کہ ہر مجتہد کو اوسی پر عمل کرنا چاہئے۔ جو اوس کی سمجھ میں آیا ہو اور جسکو اوس نے حق جانا ہو

ایک مرتبہ حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا۔ تو آپ نے اونکو جواب میں یہ لکھدیا کہ اما بعد فانک یا اخی امام ھدیٰ وحکم اللہ تعالیٰ فی ھذہ المسئلۃ ھو ما قام عندک یعنی بعد حمد وصلوٰۃ کے پس بیشک اے بھائی میرے تم خود برحق امام ہو۔ اور خدا تعالےٰ کا اس مسئلہ میں وہی حکم ہے جو تمہارے نزدیک ثابت ہے)

اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ہر مجتہد شریعت کے اوس پہلے چشمہ سے آگاہ ہوتا ہے جس سے تمام مجتہدین کے مذاہب منتفرع ہیں۔ ورنہ اگر وہ اوس چشمہ سے آگاہ نہ ہوتا تو اوس پر واجب تھا کہ مجتہدین کے مذاہب کا انکار کرتا۔ اور ممکن ہے کہ جس امام نے دوسرے اماموں کو خطا پر بتلایا ہو۔ تو یہ اوس وقت کا واقعہ ہو کہ جب تک وہ مقام کشف تک نہ پہونچا ہو۔ چنانچہ اکثر ناقلین کلام آئمہ اس کی کچھ تفریق نہیں کرتے کہ یہ کلام ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اور یہ درمیانی زمانہ کا۔ اور یہ انتہائی اور آخری زمانہ کا پس اس فصل کو خوب غور سے دیکھو۔ کیونکہ اس کے دیکھ لینے کے بعد اس میزان اور مجتہدین کے تمام مذاہب کی حقیت میں کچھ کلام نہیں رہتا۔ اسلئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع نے آئمہ کے تمام احکام اجتہادیہ کی تقریر کردی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

فصل ۔ اگر کوئی کامل ولی یا مجتہد ایک قول پر عمل کرے اور دوسرے پر نہ کرے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ متروک قول کو باطل جانتا ہے۔ کیونکہ احتمال ہے شاید اپنے آپ کو اوس متروک قول کا اہل نہ سمجھتا ہو۔ اب وہ قول عام ہے چاہے عزیمت ہو۔ یا رخصت۔ اس لئے کہ ہر کامل اور ہر مجتہد اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ تمام مذاہب چشمہ شریعت سے حاصل کئے ہوئے ہیں چاہے وہ مذاہب وہ ہوں جنکا اب بھی استعمال ہے یا وہ جو ختم ہو چکے۔ پس ہر قول جس پر اہل نہ ہونے کی وجہ سے عمل نہ کرتا ہو۔ ولی کے حق میں ایسا ہے جیسے حدیث منسوخ۔ اور دوسرے لوگوں کے حق میں ایسا جیسے حدیث محکم واجب العمل۔ اور جو مقلد کامل ولی نہ ہو تو اوسکا حال ایسا ہے جیسا کوئی شخص عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتا تھا جب اوس شریعت کو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ کردیا۔ تو اوسکو لازم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو ترک کرے۔ اور رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کرے

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء کچھ روز ایک قول پر عمل کرتے ہیں۔ پھر جب دوسرے قول کی دلیل ان کے نزدیک زیادہ قوی ثابت ہوجاتی ہے۔ تو ایک زمانہ تک دوسرے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اوسی کا فتویٰ بھی دیتے ہیں یہانتک کہ اوسی پر عمل کرتے کرتے دنیا سے سفر کرجاتے ہیں۔ تو پھر اگر کسی سے پہلے قول پر عمل فوت ہوجائے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اوس کے نزدیک وہ قول باطل ہے

تفصیل اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جب اپنے بندوں سے اون احکام پر عمل کرانا چاہتا ہے جو اونکے موجودہ معمولہ احکام کے غیر ہوتے ہیں۔ تو وہ علماء کے قلوب میں کچھ ایسی باتیں پیدا کردیتا ہے جنکی وجہ سے وہ پہلے احکام پر دوسرے احکام اور قول کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اسلئے وہ علماء دوسرے اقوال پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ اور چونکہ مقلدوں کو بھی شرح صدر ہوجاتا ہے۔ تو وہ بھی پہلے احکام کو چھوڑ

کر دوسرے احکام پر عمل کرنے میں اپنے علماء اور اماموں کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ پہلے مذاہب بالکل متروک ہو جاتے ہیں۔

اور اس مضمون بالا کی تائید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس قول سے خوب ہوتی ہے کہ ان اللہ عز وجل یحدث للناس اقضیۃ بحسب زمانھم واحوالھم (یعنی بیشک خداتعالےٰ لوگوں کے لئے اون کے زمانہ اور حالات کے مطابق احکام پیدا فرما دیتا ہے) اور حضرت عطاء اور مجاہد اور امام مالک رضی اللہ عنہم نے بھی اس قول کا اتباع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے جو یہ حضرات ایسے استفتاؤں کا جواب نہیں دیتے تھے جنکا وقوع نہ ہوا ہوتا۔ بلکہ یہ فرما دیتے تھے کہ جب انکا وقوع ہوگا تو اوس زمانہ کے علماء جسطرح مناسب جانینگے ان کے بارے میں فتوے دیدینگے (انتہی)

اور بسا اوقات اس سے باریتعالےٰ کو اُمّت پر رحمت مقصود ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حقتعالےٰ کو جب اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ فلاں زمانہ کے لوگ اس حُکم پر عمل کرینگے۔ تو اس لئے اوس نے پہلے حُکم کو باطل کرنے کے واسطے ایسے شخصکو مقرر فرما دیا جو اون لوگوں کی جنس سے ہے۔ تاکہ اوس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ اب ایسا تو ہو نہیں سکتا جسطرح پہلے باریتعالےٰ ہر زمانہ میں نئی شریعت اور نئے احکام لوگوں کے لئے پیدا کر دیتا تھا۔ اور وہ اونکو قبول اور اپنے نفس کو اونکی طرف مائل کر دیتے تھے۔ اسلئے اونکو اونپر عمل کرتے میں کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی تھی ✦

اور کبھی کہا جاتا ہے کہ پہلے اقوال کو ترک کر کے دوسروں پر عمل کرنا اسوجہ سے ہوتا ہے کہ تاکہ اس اُمّت کے علماء ایک امر میں انبیاء کے مشابہ ہو جائیں۔ اور وہ امر یہ ہے کہ جس طرح ہر پچھلا رسول اپنے پہلے نبی کے احکام کو منسوخ کر کے جدید شرع ظاہر کرتا تھا اسیطرح ہر زمانہ کا مجتہد بھی اپنے سے پہلے مجتہد کے احکام کو گویا منسوخ کر کے نئی شریعت پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ منسوخ کرنا حقیقی نہیں ہوتا۔ اور اس مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث قرار دیئے گئے ہیں۔

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے۔ کہ مذاہب مستعملہ یا مذاہب متروکہ میں سے کوئی قول ایسا نہیں ہے۔ جو کسی نہ کسی گذشتہ نبی کی شریعت میں داخل نہ رہ چکا ہو۔ تو اس سے خدائے کریم کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس اُمّت کو پہلے نبیوں کی شریعت کے بعض احکام پر بھی عمل کرنا نصیب فرماوے۔ تاکہ پہلے انبیاء ع کی شریعت پر عمل کرنے کا جو اجر و ثواب ہے اوس سے بھی یہ اُمّت جس پر خدائے تعالےٰ کو خاص شفقت منظور ہے۔ اور جس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام گذشتہ شریعتوں کے احکام کو جامع ہے محروم نہ رہے (انتہی)

اب یہ بات خوب روشن ہو گئی۔ کہ اگر کوئی ولی کامل کسی قول کو عملاً ترک کر دے۔ تو اوس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ اوس قول کو خارج از شریعت جانتا ہے۔ کیونکہ وہ قول دو حال سے خالی نہیں یا رخصت ہوگا۔ یا عزیمت۔ تو ضرور میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید میں سے کسی میں داخل ہوگا ✦

اور میرے شیخ حضرت علی خواص رحمتہ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ تمام اکابر علماء کی شان میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اون میں سے بعض نے بعض کو جو تسلیم کیا ہے وہ اسی وجہ سے کیا ہے کہ ہر ایک نے دوسروں کے اقوال اور اون کے دلائل کو یقیناً صحیح جان لیا۔ اور یہ دیکھ لیا کہ یہ تمام اقوال شریعت کے سرچشمہ سے متصل ہیں۔ یہ نہیں کہ محض حسن ظن کی بنا پر تسلیم کر لیا ہو ✦

اور یہ پہلے گذر چکا ہے۔ کہ مجتہدین کے بعض پیرو شریعت کے چشمہ اولے کے مشاہدہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اس بات کو انہوں نے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے۔ جیسے علامہ ابن عبدالبر۔ مالکی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ ابو محمد جوینی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمتہ اللہ علیہ اور اون کے امثال۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ شیخ ابو محمد رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام محیط رکھا ہے۔ اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اوس میں علامہ موصوف نے کسی ایک مذہب کی پابندی نہیں کی ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام (کتاب الدرر الملتقطہ فی المسائل المختلطہ) تصنیف کی ہے۔ جس میں چاروں مذاہب میں فتوے دیئے ہیں۔ تو اگر شیخ موصوف چاروں مذاہب کے دلائل سے واقف نہ ہوتے۔ تو اون کو یہ ہرگز جائز نہ ہوتا۔ کہ تمام مذاہب کے مطابق فتوے دیتے۔ اور یہ کہدینا کہ ایسے لوگ چاروں مذاہب پر محض ایمان اور تسلیم کر لینے کے طور پر فتوے دیتے تھے۔ بغیر اس کے کہ اون اقوال کے دلائل پر اطلاع پاویں اونکی شان سے بہت بعید ہے ✦

ایسے ہی وہ شخص جس نے اوس حکم کو اختیار کیا ہو جو اوس کے امام کی تصریح کے خلاف ہی ممکن ہے کہ اوس نے اسو جہ سے اختیار کیا ہو۔ کہ اوس نے اوس قول اور حکم کو شریعت مطہرہ کے چشمہ سے ملا ہوا دیکھ لیا ہے۔ جسطرح اپنے امام کے قول کو اوس چشمہ سے متصل کیا جاتا ہے مثلاً امام زفر رضی اللہ عنہ اور ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور اشہب اور ابن قاسم اور امام نووی اور رافعی اور امام طحاوی وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم۔ جو کہ مجتہدین کے متبعین میں گنے ہیں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص مفتی ہو۔ اور اپنے امام کے سوا دوسرے امام کے قول کو پسند کرے۔ اوس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اپنے امام کی دلیلوں پر مطلع نہ ہوا ہو۔ اور دوسرے امام کے قول کو دل سے صحیح جانکر فتوی دیا ہو۔

پس یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ جو مقلد شریعت مطہرہ کے چشمہ پر مطلع ہو گیا ہو۔ وہ ایک معین مذہب کی پابندی کا ہرگز حکم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تمام اماموں کے اقوال خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف ہوں۔ سب کے سب شریعت کبرے کے چشمہ سے متصل ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہر میں کسی معین مذہب کا پابند ہو۔ اور اس پابندی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اوسی مرتبہ کے لائق ہے جس کے ساتھ اوس نے پابندی کی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ شخص اوس مذہب کو لازم کر لیتا ہے جو باعتبار دین کے احوط ہوتا ہے۔ اور غرض اس سے خدا تعالے کی نفلی عبادت میں زیادتی ہوتی ہے جسطرح خدا تعالے کے اس قول میں ارشاد ہے کہ فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ۔ (جو شخص فدیہ میں اپنی طرف سے مقررہ مقدار سے زیادہ دے تو وہ اوس کیلئے بہتر ہے)

اور اسی مذکورہ بالا مضمون کیطرف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول خدا (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہونچا ہو وہ سر اور آنکھوں پر ہے۔ اور جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رض سے پہونچے۔ اوس میں سے ہم پسند کر لینگے۔ اور جو کچھ اور لوگوں سے پہونچے۔ تو پھر وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی (انتہی)

عبارت مذکورہ میں اشارہ ہے کہ بندہ جس مذہب کو چاہے پسند کر لے۔ اور جب اوس بلند مقام مذکور پر پہونچ جائے تو اوسپر یہ بھی واجب نہیں کہ اون مذاہب میں سے کسی کو اختیار کرے ؛

اور میرے شیخ حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ جب اون سے کوئی انسان یہ سوال کرتا۔ کہ کسی معین مذہب کی پابندی آجکل واجب ہے یا نہیں تو اوسکو یہ جواب دیتے کہ تجھ پر مذہب معین کی پابندی واجب ہے جب تک کہ تو شریعت کے چشمۂ اولے کا مشاہدہ نہ کرلے۔ کیونکہ قبل ازیں مذہب معین کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں تیرے گمراہ ہو جانے کا خوف ہے۔ اور فی زمانہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ اور جب تو شریعت کے سرچشمہ کا مشاہدہ کرلے۔ تو تجھ پر خاص معین مذہب کی پابندی ضروری نہیں۔ کیونکہ تو اوسوقت تمام مجتہدین کے مذاہب کو اوسی چشمہ سے متصل پاویگا۔ اور کسی مذہب کو بہ نسبت دوسرے مذہب کی زیادہ نزدیک نہ دیکھیگا۔ پھر تیرے نزدیک دو مرتبوں تخفیف وتشدید کا حسب شرائط مذکورہ جاننا ضروری ہوگا ؛

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ کسی عالم کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو شریعت کے اصول میں سے کسی نہ کسی اصل کیطرف منسوب نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص غور کریگا اوسپر ظاہر ہو جائیگا کہ ہر قول یا کسی آیت سے ماخوذ ہے یا کسی اثر سے یا قیاس صحیح سے موافق قاعدہ صحیح کے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ بعض اقوال تو ایسے ہیں جو صریح آیات یا صریح حدیث یا صریح اثر سے ماخوذ ہیں۔ اور بعض ایسے جو اون مطالب اور مفاہیم سے ماخوذ ہیں۔ جو آیات واخبار وغیرہ سے سمجھے جاتے ہیں۔ تو حاصل یہ نکلا کہ بعض قول تو شریعت کے چشمہ سے قریب ہیں اور بعض اون سے زیادہ قریب۔ اور بعض بعید ہیں اور بعض اون سے زیادہ بعید۔ مگر مرجع تمام کا شریعت ہی کی جانب ہے۔ کیونکہ وہ تمام اقوال شریعت کے نور سے حصہ لینے والے ہیں۔ اور آج کوئی متفرع ہونے والا قول ایسا نہیں ہے جسکی کوئی اصل نہ ہو چنانچہ اس کتاب کے خطبہ میں گذر چکا ہے

اور اس میں شک نہیں کہ عالم جسقدر چشمۂ شریعت سے دور ہوگا اوسی قدر اوس کے اقوال میں روشنی بہ نسبت اون اقوال کی روشنی کے کم ہوگی جو خود چشمہ شریعت سے حاصل کئے ہوئے ہوں۔ اور اون کا قائل چشمہ سے بہت متصل ہو

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عالم اپنی نظر کو وسعت دیکر چشمۂ شریعت کا مشاہدہ کریگا۔ اور ہر دور کے اون اقوال کو جو اوس چشمہ سے متفرع ہوئے ہیں۔ ابتداء شریعت سے اس کے زمانہ تک اون سب کا احاطہ کریگا۔ تو اوسکو یقین کامل ہو جائیگا۔ کہ ائمت اور اون کے مقلدین کے تمام مذاہب جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر میرے زمانہ تک ہوئے ہیں وہ سب حق ہیں (انتہی) اور اس کی مثال اشکال محسوسہ کی فصل میں آجائے گی انشاء اللہ

تعالےٰ جہاں درخت اور صیاد کے جال وغیرہ کی تمثیلیں بیان کی جائینگی۔ والحمد للہ رب العالمین

فصل - اے بھائی اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ کسی طالب علم سے اوسکے اس اعتقاد پر دلیل طلب کرو کہ ہر مجتہد حق رسیدہ ہے جب تک کہ وہ طالب علم کسی خطا اور گناہ کا مرتکب ہے۔ بالخصوص دُنیا کی محبت اور اوسکی خواہش کا گناہ جسطرح تم کو اوس سے اوسوقت تک مطالبہ درست نہیں جب تک وہ اپنے امام کی تقلید کے پردے میں پڑا رہے۔ کیونکہ اسحالت میں اوس کے اور چشمۂ شریعت کے درمیان اوسکا امام حاجب ہے۔ اِسلئے وہ اوس چشمہ کے مشاہدہ سے محروم ہے۔ ہاں تم کو چاہیئے کہ اوسے کسی ایسے شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا حکم کرو۔ جو معرفت میں کامل اور اون تمام موانع سے واقفیت رکھتا ہو جو طالب کو مقصد رسی سے مانع ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ طالب علم انتہا پر پہونچ جائے۔ اور علماء کے تمام مذاہب کو شریعت کے سرچشمہ اور اوس کی نہروں سے ملا ہوا دیکھ لے۔ جیسا کہ اوسکی واضح مثال اشکالِ محسوسہ میں آجائے گی۔ تو اوسوقت وہ مجتہدین کے تمام مذاہب کی اس طرح تقریر کریگا جسطرح خود صاحب مذہب۔ چنانچہ اس سے پہلی فصل میں گذر چکا ہے۔ اور پھر اوسکا یہ دعوےٰ کہ ہر مجتہد حق رسیدہ ہے مدلل ہو جائیگا۔ لیکن اوس طالب علم کے اوس بلند مقام پر پہونچنے سے پہلے تم کو ہرگز جائز نہیں کہ اوسے ایک معیّن مذہب کی پابندی سے منع کرو۔ بلکہ اگر اوس سے کوئی بات منع کرنیکی کہوگے تو وہ اوسکو قبول نہ کریگا۔ کیونکہ اوس کے لئے ضرور ہے کہ وہ یہ کہے کہ حق رسیدہ مجتہد نفس الامر میں ایک ہی ہے اور شاید کہ وہ صرف تنہا میرا ہی امام ہے۔ اور باقی خطا پر ہیں۔ اِسلئے کہ حق ایک ہی چیز ہوسکتی ہے۔ متعدد اشیاء کو حق کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور شریعت کا ورود ایک ہی مرتبہ پر ہوا ہے۔ نہ دو مرتبوں پر۔ اور شریعت کے اندر وہی احکام صحیح ہیں جو میرے امام کے مذہب میں ہیں۔ چاہے اون احکام میں تخفیف ہو یا تشدید +

حالانکہ حق امر یہ ہے کہ شریعت کا ورود دو مرتبوں پر ہوا ہے اِسلئے کہ احادیث کثیرہ میں ہم ہر مرتبہ کی دلیل کو صحیح پاتے ہیں خواہ تخفیف کی ہو۔ یا تشدید کی۔ چنانچہ اسکا مفصل بیان فصل (جمع بین الاحادیث) میں آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

اور اکثر جگہ بیہقی اور دوسرے وہ محدثین جنہوں نے اپنی کتابوں میں تمام مذاہب کے ادلّہ جمع کر کے اپنے مذہب کی قوت اور اوس کے دلائل کو کثرتِ رُواۃ یا سندِ صحیح ہونے سے راجح ثابت کیا ہے۔ جیسے حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جب اپنے مخالف کی دلیل کو غلط یا ضعیف ثابت کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو مجبوراً یہ کہدیتے ہیں کہ مخالف کی فلاں دلیل اگرچہ صحیح ہے لیکن ہمارے مذہب کی حدیثیں سند کے اعتبار سے اوس سے زیادہ صحیح ہیں۔ اور ان کے راوی اوس کے راویوں سے کثیر ہیں۔ اور اگر یہ حضرات اوس بات کو جانتے ہوتے جس سے ہم خبردار ہیں کہ شریعت مطہرہ وارد ہوئی ہے دو مرتبوں تخفیف اور تشدید پر تو ہرگز اون کو اس پر جرأت نہ ہوتی کہ وہ اپنی حدیثوں کو زیادہ صحیح اور اون کے راویوں کو کثیر بتلاتے۔ بلکہ یہ کرتے کہ ہر اوس حدیث یا قول کو جو دوسرے کا مخالف ہوتا۔ دونوں مرتبوں میں سے ایک ایک مرتبے کیطرف لوٹا دیتے۔ اسی طرح وہ لوگ جو مقلدین آئمہ میں سے ہیں۔ اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دیتے وقت یہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اور یہ غلط۔ تو اونکا یہ کہنا بھی اسی بنا پر ہے

کہ یہ لوگ میزان کے دونوں مرتبوں سے واقف نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر انکو اوس سے واقفیت ہوتی۔ تو ائمہ کے مذہبی اقوال میں یہ ہرگز نہ کہتے کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط۔ یا یہ صحیح ہے اور یہ اس سے زیادہ صحیح۔ اور یہ ظاہر ہے اور دوسرا قول اظہر۔ بلکہ تمام اقوال کی صحت کا علی السویہ اعتراف کرتے۔ اور اُن کو دونوں مرتبے تخفیف و تشدید کیطرف رد کرتے۔ اور ہر سائل کو اوس کے حال کے مناسب فتوے دیتے۔ اگر وہ قوی ہوتا۔ تو اوسکو عزیمت کا حکم دیتے۔ اور اگر ضعیف ہوتا۔ تو رخصت کا امر کرتے۔ اور اون میں سے بعضے ایسے بھی ہوتے جو چاروں مذاہب کا فتویٰ دیتے ✦

اسپر اگر کوئی شافعی سوال کرے کہ اس میزان کے مطابق میرے لئے یہ جائز ہوا کہ مس ذکر کرنے کے بعد میں اوسی پہلے وضو سے نماز ادا کر لوں اور جدید وضو نہ کروں

تو اوسکو میں یہ جواب دونگا کہ ہاں تیرے لئے یہ جائز ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ تو اس رخصت کا اہل بھی ہو نہ ہمیشہ۔ اور اہل ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ہے جس نے نماز فجر کے لئے وضو کیا اور اپنی عادت کیوجہ سے وضو میں اسقدر وہم اور وسواس پیدا کئے کہ اختتام وقت کے قریب وضو سے فارغ ہوا۔ اوس کے بعد اتفاقاً بلا قصد اوس سے مس ذکر کا فعل صادر ہو گیا۔ تو ایسی حالت میں اوسکو جائز ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کر کے اوسی وضو سے نماز ادا کر لے۔ تاکہ فرض اپنے وقت میں ادا ہو جائے۔ ورنہ جدید وضو کرنے میں نماز قضا ہو جائے گی ✦

اور اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ جمہور علماء کے نزدیک مقاصد زیادہ مؤکد ہوتے ہیں وسائل سے اور بالخصوص اوسوقت کہ جب اس کے بارے میں یہ حدیث بھی وارد ہو۔ کہ ھل ھو الا بضعۃ منک یعنی ذکر نہیں ہے مگر تیرا ایک جزء۔ اور اس حدیث پر عمل کرنے والے کے نزدیک ہماری اصطلاح کے موافق اسکا منسوخ ہونا ثابت نہیں۔ تو اس مسئلہ میں میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کو جاری کیا جائیگا پس وہ شخص جس کو وضو میں وہم اور وسواس کی عادت نہ ہو وہ جدید وضو کر کے نماز پڑھے۔ اسی طرح اوس صورت میں کہ جب کسی اجنبی عورت کو چھو لے۔ تو بھی جدید طہارت کے بغیر اوسکو نماز جائز نہیں ✦

اگر کوئی حنفی ہم سے سوال کرے کہ ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی بھی مس فرج سے تجدید وضو کا حکم نہیں دیتے۔ خواہ وہ شخص اون لوگوں میں سے ہو جنپر تجدید طہارت دشوار ہوتی ہے۔ یا اون میں سے جنپر دشوار نہیں۔ تو ہم اوسکو یہ جواب دینگے کہ اسکی کوئی سند بیان کرو جسکا سلسلہ تم سے شروع ہو۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ختم جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ امام موصوف نے قول مذکور کی تصریح کی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسی تصریح نہیں پا سکتا۔ بالخصوص اوسوقت کہ جب اسپر اجماع ہو چکا ہو۔ کہ مکلف کو اسطرح عبادت کرنا بہت بہتر ہے جس میں کسی امام کا خلاف نہ ہو۔ اور اس میزان کے مؤلف کی اصطلاح کا دار و مدار اسی قاعدہ مذکورہ پر ہے۔ اور اوس حنفی سے ہم یہ بھی کہینگے کہ تیرا یہ قول گویا اسبات کی شہادت ہے کہ تیرے امام شریعت کے دونوں مرتبوں اور شریعت کے چشمہ اولے سے ناواقف تھے۔ اور یہ بھی کہینگے کہ تیرا اعتقاد اپنے امام کے متورع ہونے کا گیا۔ جنکی یہ شان تھی کہ جب وہ کسی مسئلہ کو حدیث یا قرآن سے مستنبط کرتے تھے تو اوس کی تدوین کا حکم

دیتے تھے۔ یہانتک کہ ایک مجلس علما کی قائم کرتے تھے۔ اور پھر اون سے دریافت کرتے تھے۔ کہ کیا تم اس مسئلہ کو پسند کرتے ہو۔ اگر وہ کہدیتے کہ ہاں تو ابو یوسف اور محمد بن الحسن رحمہم اللہ کو اوس مسئلے کے لکھنے کا امر فرماتے تھے۔ اور اگر وہ اوسکو ناپسند کرتے تھے۔ تو امام صاحب بھی اوسکو ترک فرمادیتے تھے اور ہمارا تمام مجتہدین کے بارہ میں یہ عقیدہ ہے کہ وہ شریعت میں اپنی جانب سے کوئی قول تب استنباط کرتے ہیں جب اوس میں شارع کیطرف سے کوئی تصریح نہیں پاتے۔ پس اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو پاتے کہ من مس ذکرہ فلیتوضأ (جو شخص اپنے پیشاب گاہ کو چھولے۔ تو چاہیئے کہ وہ وضو کرے۔) تو ضرور اس حدیث کے مطابق قول کرتے۔ اور اس حکم حدیث کو یا اوس شخص پر محمول کرتے جسکو وضو میں وسواس کی عادت نہیں ہے۔ اور یا اکابر علما اور بزرگان دین کے حق میں۔ چنانچہ دونوں حدیثیں جو ذکر کی گئیں۔ اون کے نزدیک میزان کے دونوں مرتبوں پر نازل ہوجاتیں اور اے بھائی اسی پر اوس فعل کو قیاس کرلو جسکی ادائگی واجب ہو یا اوسکا ترک ضروری ہو تمہارے مذہب میں کہ اون دونوں امروں میں سے اگر کسی کی ادائگی کے اہل ہو تو تم کو اوس کا بجالانا ضروری ہے اور جس کے ترک کرنے کے اہل ہو۔ تو اوسکا چھوڑ دینا جائز ہے۔ یعنی جب تم اوس کی بجاآوری سے عاجز ہو۔ خواہ عجز حسی ہو یا شرعی عجز حسی تو مشہور ہے۔ اور عجز شرعی کی مثال ایسی ہے۔ جیسے مثلاً تم پانی کو دیکھ رہے ہو۔ لیکن اوس کے اور تمہارے مابین کوئی مانع موجود ہے۔ مثلاً کوئی درندہ ہے یا کوئی راہزن۔ اور یہ بات میزان کے شروع میں گذر چکی ہے کہ میزان کے دونوں مرتبوں میں ترتیب وجوبی ہے نہ اختیاری۔ تمکو چاہیئے کہ اس سے ذہول نہ کرجاؤ۔ اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ جو مقلد ہم سے دو قولوں یا دو دلیلوں کے دو حالوں پر حمل کرنے میں جھگڑا کرے۔ اور اس بات کا دعوے کرے کہ میرا امام اپنے تمام اقوال کا عام حکم دیتا ہے چاہے اوس حکم میں تخفیف ہو یا تشدید کچھ مقلد کی قوی اور ضعیف کی تفریق نہیں کرتا۔ تو ہم اوس سے اوس کے امام کی نقل صحیح کا مطالبہ کرینگے۔ اور یا اوس کے دعوے میں اوسکو خطاوار ثابت کرینگے ٭

اور جس کے قلب کو خدا تعالٰے نے منور فرمادیا ہوگا۔ اور آئمہ علیہم الرحمۃ کے بلند مقام اور اونکا خدا تعالٰے کے دین میں رائے سے کام نہ لینا اوسپر ظاہر فرمادیا ہوگا۔ تو اوسکو کامل یقین ہوجائیگا کہ کوئی امام کسی مکلف کو رخصت کا حکم نہیں دیتا مگر جب اوسکو عاجز جان لیتا ہے۔ اور کسی کو عزیمت کا حکم نہیں دیتا۔ مگر تب کہ جب اوس مکلف کو عزیمت کے ادا کرنے پر قادر دیکھ لیتا ہے۔ اگرچہ صاحب واقعہ فتوے دینے کے وقت امام کے پاس حاضر نہ ہو۔ یہانتک کہ وہ شخص جسکا قلب منور ہوچکا ہے جان لیتا ہے کہ تمام وہ مسائل جو اوس کے امام کے مفتی بہا ہیں اون کے اندر قوی لوگوں اور ضعیف لوگوں کی تفریق اور تفصیل ہے۔ اور ہم کو اسکا پورا یقین ہوچکا ہے والحمد للہ رب العالمین ٭

جب تم مضمون سابق کو سمجھ چکے۔ تو ہر اوس مقلد سے (جو تنگی کے وقت اپنے امام کے سوا دوسرے کے قول پر عمل کرنے سے روکتا ہو) کہا جائیگا کہ تیرا اونکو روکنا سرکشی ہے نہ تقوے اس کی وجہ یہ ہے کہ تو ہمارا یہ عقیدہ بیان کرتا ہے کہ تمام آئمہ مسلمین ہدایت پر ہیں۔ اور ہم سے کہتا ہے کہ تم جس امام کے قول پر عمل کروگے تو راہ ہدایت پر لگ جاؤگے۔ کیونکہ تمام مذاہب

آئمہ اوسی ایک چشمۂ شریعت سے حاصل ہیں۔ پھر یہ بھی تو کہتا ہے کہ جسقدر احکام چشمۂ شریعت سے حاصل کردہ ہیں۔ اون میں سے کوئی میزان کے دونوں مرتبوں سے خارج نہیں۔ جیسا کہ تو اے مولف میزان اون دونو مرتبوں میں سے کسی مرتبہ کا اہل ضرور ہے پھر جسکا اہل ہوگا اوسی کے موافق عمل کریگا۔ اگر رخصت کا اہل ہوگا تو اوسی پر عمل کریگا۔ اور اگر عزیمت کا اہل ہوگا۔ تو اوسی پر عمل کریگا۔ چنانچہ اسکی تفصیل وہیں آجائیگی جہاں تمام اقوال آئمہ کے جمع کرنے کا بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۔ اگر کوئی شافعی کہے کہ تمہاری تحریر سابق کی بنا پر لازم آتا ہے کہ میری بغیر سورہ فاتحہ پڑھنے کے نماز درست ہو اگرچہ میں اوس کے پڑھنے پر قادر ہوں

تو ہم اوسکو یہ جواب دینگے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا عزیمت ہے جب تک تو اوسکی قرأت پر قادر ہو اوسوقت تک اسکو ترک کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر تو اوس کے پڑھنے سے عاجز ہوجائے تو اوسوقت ترک کر دینا درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی سورت کے معین نہ ہونے کا قول اسی پر حمل کیا جائیگا۔ اگرچہ اون کے مقلدوں نے قادر اور عاجز کی اس حکم میں کچھ تفریق نہیں کی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

فصل علماء شریعت کے تمام اقوال چشمۂ شریعت سے اسطرح متصل ہیں جسطرح سایہ تیر سے۔ اور اس کی دلیل وہ مجمل ہے جسکی شریعت میں تفصیل کردی گئی ہو۔ کیونکہ کوئی عالم متقدمین کے مجمل کلام کی تفصیل تب ہی کریگا کہ جب اوس کے اندر وہ نور پایا جاتا ہو جسکا سلسلہ شارع صلے اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہو۔ تو حقیقت میں اوس کے اندر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احسان ہے جو صاحب شریعت ہیں۔ کیونکہ وہی ایک ایسی ذات ہیں جنہوں نے علماء کو ایسا مادہ عطا فرمایا ہے جسکی وجہ سے وہ آپ کے مجمل کلام کی تفصیل کرسکتے ہیں جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مقدم دور کا اپنے سے موخر دور پر احسان ہے۔ اگر کسی دور کے ایسے لوگ فرض کیے جائیں جو اپنے اوپر اپنے سے مافوق اور مقدم دور کا انکار کریں۔ بلکہ اون سے متجاوز ہوکر اوس سے مقدم دور کی طرف نسبت کریں تو اون کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ وصل منقطع ہوجائیگا۔ اور اون کو کسی مشکل کے واضح کرنے یا کسی مجمل کی تفصیل کرنے کا ملکہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

اور ذرا اسمیں غور کرو کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن حدیث کی تفصیل نہ فرماتے۔ تو قرآن شریف مجمل ہی رہجاتا۔ اسی طرح اگر آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین مجملات حدیث کی تفصیل نہ کرتے تو حدیث مجمل ہی رہجاتی۔ علیٰ ہذا القیاس سلسلہ بہ سلسلہ تفصیل ہوتی چلی آئی یہانتک کہ ہمارے اس زمانہ تک۔ اور اگر تمام عالم کے علماء میں اجمالی حقیقت سرایت کیے ہوئے نہ ہوتی۔ تو کتابوں کی شروح اور ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے نہ کئے جاتے۔ اور علماء اون شروح کی شروح اوران کے حواشی نہ لکھتے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قرآن شریف میں اجمال ہے اور حدیث نے اوسکی تفصیل کی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ باریتعالےٰ کا یہ ارشاد اوس کی دلیل ہے کہ لتبین للناس ما نزل الیھم (یعنے اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تاکہ بیان کرو لوگوں کے لئے اون مضمون کو جو اون کی طرف نازل کیا گیا ہے)۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اون عبارت کے سوا ہے جس میں وحی نازل ہوئی ہے۔ اور حدیث ہی ہے۔ تو اگر علماء امت مجمل کے بیان اور اوس کی تفصیل اور

قرآن شریف سے احکام کا استخراج کرنے میں مستقل ہوتے تو بار تعالےٰ اپنے رسول سے صرف تبلیغ وحی کا کام لیتا۔ اور اونکو قرآن شریف کے بیان کا حکم نہ فرماتا۔

میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجتہدین رضوان اللہ علیہم حدیث و قرآن شریف کے مجملات کی ہمارے لئے تفصیل نہ فرماتے۔ تو ہم میں کا کوئی بھی اس تفصیل پر قادر نہ ہوتا جسطرح مثلاً شارع علیہ السلام اپنی حدیث سے طہارت کے احکام نہ بیان فرماتے۔ تو ہم اوسکی کیفیت ہرگز قرآن شریف سے نہ سمجھ سکتے۔ اور نہ اوس سے احکام طہارت کا استنباط کر سکتے ۔

اسی طرح نفل اور فرض نماز کی تعداد رکعات اور روزہ و حج و زکوٰۃ کے احکام اور اون کے نصاب اور شرطوں کا بیان اور اون میں سے فرض اور سنت کی تفصیل اگر حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان نہ فرماتی تو ہم اوسکو ہرگز نہ جان سکتے۔ اور اسمیں خدا تعالےٰ کی حکمتیں اور اسرار ہیں جنکو عارفین جانتے ہیں (انتہی)

سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو احکام ہم کتاب اللہ سے سمجھتے ہیں۔ اون کی صحت و سقم کا فیصلہ کرنے والی حدیث ہے۔ نہ برعکس۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وہ ذات ہے جس نے بذریعہ الفاظ شریعت قرآن مجید کے احکام ہم پر ظاہر کر دیئے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔ اور قرآن شریف میں وارد ہے کہ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ یعنے پس اگر کسی بات میں تمہارا باہمی نزاع ہو جائے۔ تو اوس کو خدا تعالےٰ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ (۱) یعنے قرآن شریف و حدیث کی طرف مطلب یہ ہے کہ اگر متنازعین کے تمام اقوال قرآن و حدیث کے موافق ہوں۔ تو اون سب پر عمل کرنا چاہیئے۔ ورنہ جس قول کے موافق ہو اوس پر عمل کرو۔ اور دوسرے کو ترک کر دو (انتہی)

میں نے اپنے شیخ حضرت مذکور کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ ہمارے نزدیک عالم کو علم میں اوسوقت کمال حاصل ہوتا ہے۔ کہ جب وہ تمام مجتہدین اور ہر دور کے مقلدین کے اقوال کو قرآن کریم و حدیث شریف کی طرف رد کرنے لگے۔ اور کسی قول کا ماخذ اوسپر مخفی نہ رہے جسوقت یہ مرتبہ اوس کو حاصل ہو جائیگا تو اوسوقت وہ عوام کے درجہ سے خارج ہو کر خواص میں داخل ہوگا۔ اور اس قابل ہو جائیگا کہ وہ لفظ عالم کے ساتھ ملقب کیا جائے۔ اور یہ اوس کے لئے پہلا مرتبہ ہوگا۔ اون مراتب کا جو علماء کے لئے خدا تعالےٰ سے اتصال کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اوس کی درجہ بدرجہ ترقی ہوتی رہیگی۔ یہانتک کہ وہ قرآن شریف کے تمام احکام محض ایک سورہ (سورۃ فاتحہ سے) نکالنے لگیگا۔ پھر جب وہ شخص اپنی نماز میں سورت فاتحہ پڑھیگا۔ تو اوسکو صرف اوس کے پڑھنے کا اتنا ثواب ملیگا جتنا تمام قرآن کریم کا کیونکہ وہ قرآن کے تمام معانی کو محیط ہے ۔

اس کے بعد پھر اوس کی اور ترقی ہوتی ہے۔ یہانتک کہ وہ قرآن اور شریعت کے تمام احکام اور مجتہدین و مقلدین کے تمام اقوال حروف ہجا کے جس لفظ سے چاہیگا۔ نکالنے لگیگا۔ اس کے بعد پھر اور ترقی ہوگی یہانتک کہ اس مرتبہ سے بھی زیادہ بلند ہو جائیگا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اسی مرتبہ کا شخص ہمارے نزدیک عالم کامل ہے (انتہی)

اور میں نے شیخ مذکور کو بارہا یہ فرماتے سُنا ہے کہ شریعت میں مجادلہ کرنا علامات نفاق سے ہے۔ کیونکہ مجادلہ سے دوسرے عالم کی دلیل کا باطل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ باریتعالےٰ فرماتے ہیں کہ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما (یعنی پس قسم ہے تیرے پروردگار کی مومن نہیں ہو سکتے وہ لوگ یہانتک کہ حکم بناویں آپ کو اپنے باہمی اختلاف میں پھر جب آپ فیصلہ کر دیں۔ تو اوس میں اپنے نفوس کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ اوسکو تسلیم کریں تسلیم کر لینا)

تو اس آیت میں باریتعالےٰ نے اوس شخص کے ایمان کا انکار فرمایا ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے شرعی حکم میں اپنے دل کے اندر تنگی دیکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی نبی سے تنازع جائز نہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی انسان کا علماء شریعت سے مجادلہ اور نزاع کرنا۔ اور اون کے دلائل حقہ کا ابطال ایسا ہے۔ جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدال کرنا۔ اگرچہ علماء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں علمی تفاوت ضرور ہے۔ لیکن پھر بھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور قائم مقام ہیں۔ اور جس طرح رسولوں کے آوردہ احکام کی تصدیق اور اونپر ایمان لانا واجب ہے۔ اگرچہ ہم اونکی حکمتوں سے ناواقف ہوں۔ اسی طرح آئمہ علیہم الرحمتہ کے کلام کی تصدیق اور اوس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگرچہ اوسکی علت ہماری سمجھ میں نہ آئی ہو مگر اوسوقت کہ جب اوس کلام کے مخالف کوئی امر شارع سے منقول ہو ✦

اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ تمام رسولوں کی شرائع پر ایمان لانا بالاجماع واجب ہے۔ اگرچہ بحیثیت تشریع کے باہم مختلف ہیں۔ مگر باوجود اختلاف اور تباین فروعی کے پھر بھی سب حق ہیں۔ اسی طرح تمام آئمہ مجتہدین کے مذاہب کی صحت کا ایمان رکھنا تمام اون مقلدین پر جو اون مذاہب کو باہم متباین اور متناقض جانتے ہیں واجب ہے یہانتک کہ اون کو خدا تعالےٰ اپنے کرم سے شریعت کے چشمہ کبرٰے کا مشاہدہ کراوے اور علماء کے تمام اقوال کا اوس سے متصل ہونا دکھلا دے پس اوسوقت اون مقلدوں کو یقین ہو جائیگا کہ مقلدین اور مجتہدین کے تمام مذاہب کا مرجع شریعت مطہرہ ہی ہے اور کوئی قول اون کے اقوال میں سے خارج از شریعت نہیں۔ کیونکہ تمام اقوال شریعت مطہرہ کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر اس مقام پر پہونچنے والا عالم کبھی کسی کے قول کی تردید نہیں کرتا۔ اور اگر کہیں کسی مقلد کو کسی عالم کے قول کی تغلیط کرتے دیکھو تو سمجھو کہ وہ نفس الامر میں غلط نہیں۔ بلکہ وہ صرف اوسی مقلد کے خیال میں غلط ہے۔ اور اوس کی تغلیط کا سوائے اس کے اور کوئی سبب نہیں نہیں کہ اوسکی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے ✦

اور ہم نے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے روائیت کی ہے۔ کہ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ احکام شرعیہ کو مان لینا نصف ایمان ہے۔ اس پر علامہ ربیع جیزی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بلکہ وہ پورا ایمان ہے۔ اے ابوعبد اللہ۔ تو امام صاحب نے فرمایا بیشک بجا ہے ✦

اور امام موصوف رحمتہ اللہ علیہ یہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کا یہ کمال ایمانی ہے۔ کہ وہ اصول شریعت میں بحث اور چون و چرا نہ کرے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ اصول کیا ہیں۔ تو جواب میں

فرمایا - کہ قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اُمت (انتہیٰ)
مطلب یہ ہے کہ ہم کو اسکا اعتراف کرنا چاہئے - کہ جو کچھ ہمارے پروردگار یا ہمارے نبی علیہ السلام سے ثابت ہے اوسپر ہم ایمان لاتے ہیں اس کی علتیں خدا تعالےٰ کے علم میں جو کچھ بھی ہوں - اور اسی پر اون احکام کو قیاس کرلینا چاہئے جو علماءِ شریعت سے ثابت ہیں - اور یہ کہنا چاہئے - کہ کہ امنا بکلام ائمتنا من غیر بحث منه ولا جدال - یعنے ہم اپنے اماموں کے کلام پر بغیر جھگڑے اور چون وچرا کے ایمان لائے -
اگر تم سوال کرو - کہ کیا اس زمانہ میں بھی کوئی شخص آئمہ مجتہدین کے مقام تک پہونچ سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں پہونچ سکتا ہے - اِسلئے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - بیشک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے - اور کوئی دلیل اسکی منع کرنے والی ثابت نہیں یہ ہمارا عقیدہ ہے - اور یہی ہمارا دین ہے - اور بعض کا مقولہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ صرف بذریعہ کشف کے اوس مقام تک پہونچ سکتے ہیں نہ بذریعہ نظر و فکر کے - کیونکہ اونکا مقام ایسا بلند مقام ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد اس مقام کے حصول کا دعوے سوائے امام محمد بن جریر کے اور کسی نے نہیں کیا - اور پھر اون کے دعوے کو بھی لوگوں نے تسلیم نہیں کیا - چنانچہ پہلے گذر چکا ہے -
اور تمام اون لوگوں کی مراد اوس اجتہاد مطلق سے جسکا انہوں نے دعوے کیا ہے وہ اجتہاد مطلق نسبتی ہے جسکا صاحب اپنے امام کے قواعد سے باہر نہیں ہوتا - جیسے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مقلدوں میں سے ابن القاسم اور اصبغ رحمہما اللہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مقلدوں میں سے محمد اور ابو یوسف رحمہما اللہ - اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے مقلدین میں سے مزنی اور ربیع رحمہما اللہ - اور اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ بعد آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے کسی کی قدرت نہیں کہ قرآن اور اون احادیث سے جنکا ہم کو علم ہے کچھ نئے احکام نکالے - اور جو شخص اسکا دعویٰ کرے تو ہم اوس سے کہینگے کہ پھر ہمارے لئے کوئی ایسا حکم استنباط کرو جسکو آئمہ سابقہ میں سے کسی امام نے نہ نکالا ہو - چنانچہ وہ شخص اس سے ضرور عاجز ہو جائیگا پس سوچ لو اسکو اور اوسکو جو ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت وسیع ہے - اور بالخصوص قرآن جیسی کتاب جس کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں - اور نہ درحقیقت اوس کے احکام منتہی ہونے والے ہیں -
پس اس کو جان لو - والحمد للہ رب العالمین

فصل - اور اس میزان کے مؤیدات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ کسی زمانہ کے کسی عالم نے اوس شخص پر انکار نہیں کیا - جو ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو گیا ہو مگر اسوجہ سے کہ بظاہر اوس امام کے اوپر طعن لازم آتا ہے جس کے مذہب کو چھوڑا ہے - اس لئے کہ اوس شخص نے دوسرے مذہب کی طرف انتقال تب ہی کیا ہوگا کہ جب مذہب منتقل الیہ کی اوس کی سامنے خوب مدلل تقریر کی گئی ہوگی - اور وجہ انکار نہ کرنے کی یہ ہے - کہ تمام مذاہب علماء کے نزدیک موصل الی الجنتہ ہیں - چنانچہ اس کا مفصل بیان امثلہ محسوسہ کے آخر میں آجائیگا انشاء اللہ تعالےٰ - پس جو شخص جس طریقہ کو پسند کرلے گا - وہ صاحب سعادت اور داخل جنت ہوگا -

اور امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو کسی امام کے متعلق یہ خبر نہیں پہونچی کہ وہ اپنے متبعین کو ایسے ایک مذہب معین کے التزام کا امر کرتا ہو کہ اوس کے خلاف کو صحیح نہ جانتا ہو۔ بلکہ برخلاف اس کو یہ منقول ہے کہ وہ لوگوں کو بعض اور اماموں کے فتوے دیئے ہوؤں پر عمل کرنے کی اجازت دیتے تھے کیونکہ تمام امام خدا تعالے کیطرف سے ہدایت پر ہیں۔

اور یہ بھی امام موصوف کا قول ہے کہ ہم کو کسی حدیث صحیح یا ضعیف سے یہ بات نہیں پہونچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اُمتی کو خاص اور معین مذہب کی پابندی کا امر فرمایا ہو۔ اور اوس کے سوا باقی مذاہب کو صحیح نہ جانتے ہوں۔ اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ درحقیقت تمام مجتہد برحق ہیں (انتہی)

اور علامہ قرافی نے نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فتوے طلب کر چکا ہو۔ اور اوس میں اونکا مقلد بھی ہو گیا ہو۔ تو اوس کے لیئے جائز ہے کہ وہ آئندہ اور مسائل میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فتوے لے اور اون پر عمل کرے۔ اور اسپر بھی علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ جو مشرف باسلام ہو جائیگے۔ تو اوس کو عام اجازت ہے کہ وہ علماءِ مجتہدین میں سے جس عالم کا چاہے بلا حجت مقلد بنجائے۔ اور جو شخص ان دونوں اجماعوں کا منکر ہو۔ وہ دلیل پیش کرے۔ (انتہی)

اور مالکی اماموں میں سے امام زناتی رحمۃ اللہ علیہ ہر مذہب کی تقلید کو جائز کہتے ہیں علی ہذا القیاس ایک مذہب سے دوسرے مذہب کیطرف منتقل ہونے کو لیکن تین شرطوں کے ساتھ اوّل یہ کہ اون دونوں میں اسطرح جمع نہ کرے جو خلاف اجماع ہو۔ یعنی ایک بات ایک مذہب کی سے لے اور ایک دوسرے مذہب کی۔ اور دونوں کو عملاً جمع کرے۔ حالانکہ اوس جمع کا کوئی بھی قائل نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص نکاح کرے بغیر مہر کے اور نہ کوئی ولی ہو۔ نہ گواہ۔ تو چونکہ یہ ایسی صورت ہے جسکا کوئی قائل نہیں اسلئے ناجائز ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس کی تقلید کرتا ہو اوس کے اندر اس فضیلت کا اعتقاد رکھے سکے اوس کی خبریں مجھ تک پہونچ گئیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی حالت میں تقلید دوسرے امام کی نہ کرے کہ اپنے دین سے ناواقف ہو۔ مثلاً یہ کہ رخصت میں تقلید کرے اور اوس کی شرط موجود نہ ہو (انتہی)

علامہ قرافی فرماتے ہیں کہ ہر اوس امر میں جس کے اندر حاکم کا حکم منقوض نہ ہوتا ہو۔ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کیطرف منتقل ہونا جائز ہے۔ اور حکم منقوض ہونے کے چار موقع ہیں۔ اول یہ کہ خلاف اجماع ہو۔ دوسرے یہ کہ خلاف نص ہو تیسرے یہ کہ جلی قیاس کے خلاف ہو۔ چوتھے یہ کہ اصول کے خلاف ہو (انتہی)

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کیا ہے۔ اور علمائے زمانہ نے اونپر کوئی انکار ظاہر نہیں کیا۔ اون میں سے ایک شخص شیخ عبد العزیز ابن عمران خزاعی ہیں جو مالکیہ مذاہب کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے۔ تو اون کے تابع ہو گئے۔ اور امام صاحب سے اونکی کتابیں پڑھیں۔ اور اون کے علم کو بہت پھیلایا۔ اور دوسرے شخص محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم ہیں پہلے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔ پھر جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں تشریف لائے۔ تو شافعی مذہب کو اختیار کیا۔ اور لوگوں کو شافعی مذہب کی ترغیب شروع کی یہانتک کہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے برادرو اسکو مذہب نہ کہو۔ بلکہ یہ پوری شریعت ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اون کی یہ فرماتے تھے کہ تو عنقریب اپنے باپ کے مذہب کی طرف لوٹیگا۔ چنانچہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کیا۔ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ امام صاحب نے فرمایا تھا۔ یعنی شافعی مذہب سے رجوع کر گئے۔ اور وجہ اس کی یہ ہوئی۔ کہ انکا خیال تھا۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعد حلقہ درس پر مجھے اپنا نائب بنائینگے۔ تو جب انہوں نے بویطی رح کو خلیفہ بنا دیا۔ تو وہ اس مذہب سے رجوع کر گئے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشینگوئی صحیح نکلی +

تیسرے شخص اون میں سے ابراہیم بن خالد بغدادی ہیں۔ پہلے یہ حنفی تھے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے حنفیت کو چھوڑ کر مذہب شافعی اختیار کیا

چوتھے شخص اون میں سے ابو جعفر بن نصر ترمذی ہیں جو عراق میں شافعی مذہب کے سردار شمار کئے جاتے تھے۔ پہلے یہ حنفی تھے۔ جب حج کرنے گئے۔ تو کسی سبب سے مذہب شافعی کیطرف منتقل ہو گئے اور ربیع اور دیگر اصحاب شافعی رحمہم اللہ سے تفقہ حاصل کیا۔

پانچویں شخص اون میں سے ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو پہلے شافعی المذہب تھے۔ اور علامہ خالد مزنی سے فقہ حاصل کیا تھا۔ اوس کے بعد حنفی ہو گئے۔

چھٹے شخص اون میں سے خطیب حافظ بغدادی ہیں پہلے حنبلی تھے۔ پھر شافعی ہو گئے۔

ساتویں شخص اون میں سے ابن فارس ہیں۔ جنہوں نے علم لغت میں ایک کتاب (المجمل) نام کی تالیف کی ہے۔ پہلے اپنے والد کی تابعداری میں شافعی المذہب تھے۔ پھر مذہب مالکی کی طرف منتقل ہو گئے +

آٹھویں شخص اون میں سے علامہ سیف آمدی ہیں۔ جو اصولی مشہور ہیں۔ پہلے حنبلی تھے۔ پھر مذہب شافعیہ کو اختیار کیا۔

نویں شخص اون میں سے شیخ نجم الدین خلف المنقدسی ہیں۔ پہلے حنبلی تھے۔ شیخ موفق الدین سے فقہ حاصل کیا۔ اور ابو عمرو کے مدرسہ میں مدرس رہے۔ پھر شافعی ہو گئے۔ اور بلند مرتبہ لوگوں میں شمار ہونے لگے +

دسویں شخص شیخ محمد بن دھان نحوی ہیں۔ پہلے حنبلی تھے۔ پھر مذہب شافعی کیطرف منتقل ہوئے اوس کے بعد پھر جب خلیفہ وقت کو اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے کسی نحوی کی تلاش ہوئی۔ تو انہوں نے مذہب حنفیت کو اختیار کیا۔ اور جب مدرسہ نظامیہ میں علم نحو کے مدرس کی تنخواہ بڑھ گئی۔ تو چونکہ اوس کے مہتمم نے یہ شرط کی تھی کہ مدرس علم نحو شافعی المذہب ہو۔ اسلئے یہ پھر شافعی ہو گئے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ وہاں ان سے زیادہ علم نحو و فقہ کا جاننے والا کوئی نہ تھا +

گیارھویں شخص شیخ تقی الدین بن دقیق العید ہیں پہلے اپنے والد کی تبعیت میں مالکی المذہب تھے۔ پھر اوس کے بعد شافعی المذہب ہو گئے +

بارہویں[۱۲] شخص شیخ الاسلام کمال الدین بن یوسف دمشقی ہیں۔ یہ پہلے حنبلی تھے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اختیار کر لیا تھا۔

تیرھویں[۱۳] شخص اون میں سے امام ابوحیان ہیں۔ کہ پہلے یہ مذہب اہل ظاہر سے تھے۔ پھر احکام شوافع پر عمل کرنے لگے۔ یہانتک کلام علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ختم ہوا۔

اور احناف میں سے صاحب جامع فتاوی نے لکھا ہے کہ حنفی کو جائز ہے کہ وہ مذہب شافعی کو اختیار کرے اور برعکس لیکن یہ ضروری ہے کہ جسکا اختیار کرے تمام احکام میں اوسی کی پابندی کرے۔ یہ جائز نہیں۔ کہ بعض میں ایک کا اتباع کرے۔ اور بعض میں دوسرے کا جسطرح مثلاً اگر حنفی کے بدن سے خون نکل کر بہ جائے۔ تو اگر وہ یہ چاہے کہ میں ابھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اقتدا کر کے بغیر دھوئے نماز پڑھ لوں تو یہ اوسکو جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اسی طرح نماز ادا کر لے گا۔ تو وہ نماز باطل ہوگی۔

اور بعض کا قول ہے کہ عامی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مذہب کو ترک کر کے دوسرے کی طرف رجوع کرے خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی اور مشہور اس کے خلاف ہے چنانچہ آگے آجائیگا۔

اور بعض کا مقولہ ہے کہ شافعی کو حنفی بنجانا تو جائز۔ اسکا عکس جائز نہیں۔ علامہ سیوطی نے اسپر کہا ہے۔ کہ یہ ایک دعوے ہے جسکی کوئی دلیل نہیں۔ اور ہم نے اپنے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ کبھی اوس شخص پر انکار نہیں کرتے تھے جو پہلے مالکی ہو۔ اور پھر مذہب حنفی یا مذہب شافعی پر عمل کرنے لگے۔ اس کے بعد پھر حنبلی بنجائے۔ اس کے بعد پھر مذہب مالکی کی طرف رجوع کرے۔ ہاں اس قسم کے آدمی کو اسوجہ سے اچھا نہیں جانتے کہ اس صورت میں مذاہب کے ساتھ لہو و لعب کا وہم ہے

اور علامہ رافعی نے اس نقل در مذہب کو یقیناً جائز بتلایا ہے۔ اور امام نووی نے اون کا اتباع کیا ہے اور کتاب روضہ میں یہ عبارت مسطور ہے کہ جب مذاہب کی تدوین ہوچکی۔ تو کیا مقلد کو جائز ہے کہ وہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے۔ تو اگر ہم یہ کہیں کہ اوس مقلد کو ضروری ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے دونوں میں سے کسی کے اعلم ہونے کو تلاش کرے۔ اور پھر اوسکا ظن غالب ہو جائے کہ ثانی امام علم اور زیادہ جاننے والا ہے تو اوسوقت تو مناسب یہی ہے کہ جائز ہو۔ اور اگر ہم اوسکو امام کے اتباع میں مختار کر دیں کہ جسکو چاہے پسند کر لے۔ تو بھی جائز ہونا چاہئے۔ جیسا کہ بوسہ لینے میں مثلاً چند روز ایک امام کی تقلید کرے اور چند دن دوسرے امام کی (انتہی) انتہی عبارت روضہ کی ہے

تو اگر علماء سلف کے نزدیک انتقال مذہبی میں کچھ مضائقہ ہوتا۔ تو لوگوں کو اوس مذہب پر ہرگز باقی نہ رکھتے جسکی طرف پہلے مذہب کو چھوڑ کر منتقل ہوئے ہیں۔ اور اگر وہ حضرات یہ جانتے ہوتے۔ کہ شریعت تمام مذاہب کو شامل اور عام ہے۔ تو ضرور نقل مذہب سے لوگوں کو منع کرتے سخت منع کرنا

پس اب علماء سلف دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو انہوں نے چشمہ شریعت سے آگاہ ہو کر تمام مذہب کو اوس سے ملا ہوا دیکھ لیا ہوگا۔ اور یا کلام آئمہ کی صحت کا یقین کر کے اوس کے نقل مذہب پر سکوت کیا ہوگا۔

اور اگر آج کوئی مالکی المذہب یہ کہے کہ برا فعل ہے اوس کا جس نے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی جانب انتقال کیا۔

توہم اوسکو یہ جواب دینگے کہ اوسکا فعل تو برا نہیں۔ مگر ہاں تیرا اوسکو برا کہنا برا ہے۔ کیونکہ مذہب مالکی کے امام شیخ جمال الدین ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ اور امام قرافی رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال مذہبی کو جائز کہا ہے تو تیرا اوس کے فعل کو قبیح تبلانا سوائے تعصب کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ تمام امام حقانیت میں برابر ہیں بلکہ کوئی مذہب بہ نسبت دوسرے مذہب کی شریعت سے زیادہ قریب نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ اوس حنفی کے بارے میں سوال کیا گیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ انسان کیواسطے یہ تو جائز ہے کہ کسی اور مذہب کو چھوڑ کر حنفی بن جائے۔ لیکن حنفی کو یہ جائز نہیں کہ وہ شافعی یا حنبلی یا مالکی بنجائے۔ تو انہوں نے اسکا وہی جواب دیا جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ کہنا اوسکا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ قرآن یا حدیث سے اسکی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اور کسی حدیث صحیح یا ضعیف سے اسکا پتہ نہیں لگتا۔ کہ کسی خاص امام کو آئمہ مذاہب میں سے دوسروں پر امتیاز یا ترجیح ہے۔ اور یہ دلیل بیان کرنا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ دوسروں پر مقدم ہے۔ کوئی قوی حجت نہیں۔ ورنہ اگر یہ دلیل صحیح اور مستلزم مطلوب مان لیجائے۔ تو لازم آتا ہے کہ ہر حالت میں اون کی تقلید کے سوا دوسرے کسی امام کی تقلید جائز ہی نہ ہو۔ اور یہ اجماع اور بیہقی کی اوس روایت کے جو انہوں نے اپنی کتاب (المدخل) میں نقل کی ہے صریح مخالف ہے۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جو کچھ تم قرآن مجید میں پاؤ۔ تو میری گذشتہ سنت میں دیکھو۔ اگر اوس میں بھی نہ پاؤ۔ تو میرے اصحاب کے اقوال میں غور کرو۔ کیونکہ میرے تمام صحابہ ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے جس کو پکڑ لوگے راہ یاب ہو جاؤ گے۔ اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت کا باعث ہے (انتہیٰ)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ پھر خاص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے انتقال کو ناجائز کہنے کی صورت میں لازم آتا ہے۔ کہ اوس قاعدہ کو بقیہ مذاہب میں بھی جاری کیا جائے چنانچہ یہ کہا جائے کہ ہر اوس مذہب کو ترک کر کے جس کا زمانہ مقدم ہو دوسرے مذہب کو اختیار کرنا جائز ہے۔ مثلاً شافعی مذہب کو مالکی اور حنبلی مذہب کو شافعی بننا تو جائز ہے اور اسکا عکس جائز نہیں۔ اور ہر وہ قول جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اوسکا وبال قائل پر ہے۔ چنانچہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر وہ عمل جس پر ہماری اجازت ثابت نہ ہو وہ رد ہے (انتہیٰ)

اور میں نے امام جلال الدین کا ایک اور طویل فتویٰ دیکھا ہے جس میں انہوں نے اس عقیدہ کی ترغیب دی ہے کہ تمام آئمہ مسلمین اپنے پروردگار کیطرف سے ہدایت پر ہیں۔ اگرچہ علم او فضل میں باہم متفاوت ضرور ہیں۔ اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ کسی امام کو اسقدر بڑھایا جائے جس سے دوسرے امام کی تنقیص لازم آئے جس طرح علماء نے کسی نبی کی ایسی تفضیل کو جس سے دوسرے نبی کی تنقیص یا تحقیر لازم آتی ہو ناجائز کہا ہے۔ بالخصوص اوسوقت کہ جب وہ تفضیل دوسرے نبی سے مخاصمت اور روگردانی کو مستلزم ہو۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی باہمی نزاع صرف فروعات میں ثابت ہے حالانکہ وہ تمام امت سے بہتر ہیں۔ اور ہم نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کسی صحابہ کو اپنے مخالف القول صحابی سے مخاصمت یا دشمنی کی نوبت آئی ہو۔ اور ایک نے دوسرے کو مخطی یا قصور وار تبلایا ہو۔ اور حدیث میں

وارد ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ۔ میری اُمت کا اختلاف رحمت کا سبب ہے۔ اور یہی اختلاف پہلی امتوں کے لئے باعث عذاب تھا۔ یا یہ فرمایا کہ موجب ہلاکت تھا (انتہی)، اور رحمت سے مراد امت کی توسیع ہے ٭

اور اگر کوئی امام درحقیقت خطا وار ہو۔ تو اُنکا اختلاف باعث رحمت کیونکر ہوسکتا ہے؟

امام جلال الدین رح فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث سے کہ (میرے اصحاب مانند ستاروں کی ہیں جسکا اقتدا کروگے راہ یاب ہوجاؤگے) یہ استنباط کیا ہے کہ ہم جس امام کے متبع ہوجائینگے ہدایت یاب ہوجائینگے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا ہے کہ جس کے قول پر چاہیں عمل کریں۔ کسی خاص امام کی تعیین نہیں فرمائی۔ اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ تمام امام پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ کیونکہ اگر منجملہ تمام مجتہدین کے مصیب ایک ہی ہوتا۔ تو باقی ائمہ کی تقلید سے ہدایت ہرگز حاصل نہ ہوتی ٭

اور امام محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کہ (جب حاکم اجتہاد میں خطا کرے تو اوس کے لئے ایک اجر ہے) خطا سے مراد دلیل کا موافق دعوے کے نہ ہونا ہے۔ جیساکہ گذرچکا ہے نہ وہ خطا جسکا مرتکب شریعت سے خارج ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہ خارج از شریعت مستحق اجر نہیں ہوسکتا (انتہی)

ایک دفعہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ کہ اے ابوعبداللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی کتب مؤلفہ کو اسلامی بلاد میں شائع کردوں۔ اور امت کو اون پر عمل کرنے کی ترغیب دوں۔ تو امام موصوف نے جواب دیا کہ اے امیرالمؤمنین! علماء کا اختلاف خدا کی رحمت ہے۔ پس ہر شخص اپنے نزدیک صحیح الدلیل قول کا تابع ہوسکتا ہے۔ اور ہر شخص ہدایت پر ہے۔ اور ہر عامل کا مقصود خداتعالےٰ ہی ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے بارہا ہارون رشید نے میری کتاب (موطا) کو کعبہ شریفہ میں لٹکانے اور لوگوں کو اس کے اتباع پر آمادہ کرنے کا خیال ظاہر کیا لیکن میں نے ہر دفعہ اون سے انکار ہی کیا۔ اسلئے کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مختلف بلاد کے رہنے والے تھے۔ اور دینی فروعات میں باہم مختلف بھی تھے۔ اور باوجود اس کے ہر ایک مصیب اور حق رسیدہ ہے ٭

اور میں نے اپنے شیخ شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب (منصور نے) حج کیا۔ تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میرا عزم ہے کہ میں آپ کی مصنفہ کتابوں کو لکھواؤں۔ اور پھر اون کو بلاد اسلامی میں بھیجوں۔ اور سب کو حکم کردوں کہ ان کتابوں کو چھوڑکر کوئی شخص کسی اور کا پیرو نہ بنے۔ تو امام موصوف القدر نے اس سے انکار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اے امیرالمؤمنین! لوگوں کیطرف پہلے ہی احکام اور اقوال پہنچ چکے ہیں اور وہ حدیثیں بھی سن چکے ہیں اور انہوں نے روایات بھی حاصل کرلی ہیں۔ اور جو حکم جس قوم کے پاس پہلے پہونچا اوس نے اوسی کو لے لیا۔ اور اوسی کے ذریعہ سے انہوں نے خدا کا قرب حاصل کیا۔ تو تم کو چاہئے کہ ہر شہر کے لوگوں کو اونکے اختیار کردہ احکام و مسائل پر چھوڑدو (انتہی)

اور میں نے خود شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے خط سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب آپ سے انتقال مذہبی کی بابت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میرا قول تو یہ ہے کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے والے کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اوسکو اس مذہبی انتقال پر آمادہ کرنے والا کوئی ایسا امر دنیوی ہو جس میں کوئی ایسا مناسب فائدہ ہو جسکو حاجت تقاضا کرتی ہو۔ مثلاً وظیفہ یا کسی عہدے اور مرتبے کا حصول یا کسی بادشاہ اور دنیا کے اولوالعزم لوگوں کا قرب۔ تو ایسے شخص کا حکم مہاجر ام قیس کا سا ہے۔ کیونکہ اوسکا مقصد اصلی وہی ام قیس ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اوس کو مذہبی انتقال پر آمادہ کرنے والا تو وہی دنیوی امر ہوتا ہے۔ جو ذکر کیا گیا۔ لیکن وہ شخص ایسا جاہل ہوتا ہے کہ اوس کو فقہ کی بالکل خبر ہی نہیں ہوتی۔ جیسے ارکان دولت اور اون کے خدام اسی طرح مدارس کے خدام تو ایسے شخص کا اوس مذہب سے منتقل ہو جانا جس کا اپنے زعم میں وہ پابند تھا ایک معمولی بات ہے۔ اور درجہ حرام تک نہیں پہونچا ہے۔ کیونکہ یہ شخص اب تک ایسا عامی ہے کہ جس کا کوئی مذہب ہی نہیں۔ اور اس کی مثال اوس شخص کی سی ہے جو نیا مسلمان ہوا ہو۔ تو اوس کے لئے جائز ہوتا ہے۔ کہ مذاہب آئمہ میں سے جس کو چاہے۔ اپنا مذہب بنالے +

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہاں بھی مذہبی انتقال پر آمادہ کرنے والا وہی دنیوی امر ہوتا ہے۔ لیکن وہ امر قدر حاجت سے زائد اور اوس کے حال کے غیر مناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اپنے مذہب میں فقیہ بھی ہو۔ مگر اصلی سبب اوس کے نقل مذہب کا ایسی دنیوی غرض ہوتی ہے۔ جو خواہشات مذمومہ کا ایک نتیجہ ہوتی ہے ایسے شخص کی یہ حرکت بہت سخت ہے۔ اور کبھی یہ فعل اوسکا حد تحریم تک پہونچ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ محض دنیاوی غرض سے احکام شرعیہ کے ساتھ لہو ولعب کرتا ہے۔ اور باایں ہمہ وہ صاحب مذہب اول کو خدا تعالے کیطرف سے کامل ہدایت پر نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اگر اوسکو ہدائیت میں کامل خیال کرتا۔ تو ہرگز اوس کے مذہب سے انتقال نہ کرتا +

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ مذہبی انتقال دینی غرض سے کرتا ہے۔ اور وہ شخص اپنے مذہب میں فقیہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ دوسرے امام کے اولہ کو واضح اور اوس کے مضامین عقلیہ کو قوی جان لیتا ہے۔ اس لئے وہ اوس کے مذہب کو ترجیح دے کر اوسی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو یہ شخص یا وہ ہے جس پر نقل مذہب واجب ہے۔ اور یا وہ جس کو جائز ہے۔ جس طرح امام رافعی نے بیان کیا ہے۔ اور علمائے زمانہ نے اون لوگوں کو جنہوں نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مصر تشریف لانے کے بعد آپ کے مذہب کو اختیار کر لیا تھا۔ اوسی مذہب پر برقرار رکھا۔ اور ایک جم غفیر تھا۔ جو مذہب مالکی رکھتا تھا +

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ نقل مذہبی دینی غرض سے کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ شخص فقہ سے کورا ہوتا ہے اور باوجود اس کے وہ اپنے مذہب میں مشغول تھا۔ مگر پھر بھی اوس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور جب دوسرے مذہب میں اوس نے غور کیا۔ تو وہ اوسکو ایسا سہل معلوم ہوا۔ کہ اوسکو اوس مذہب میں تفقہ کی کامل امید ہو گئی۔ تو ایسے شخص پر قطعاً نقل مذہب واجب ہے۔ اور اوسی متقدم مذہب پر رہ جانا اوسکو حرام ہے

کیونکہ ایسے شخص کا آئمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب میں فقیہ بن جانا بہ نسبت اس کے کہ وہ جہالت پر مستمر رہے زیادہ بہتر ہے۔ اسلئے کہ وہ پہلا مذہب اوس کے واسطے صرف برائے نام ہے۔ اور جہالت پر قائم رہنا مومن کے حق میں نقص عظیم ہے۔ اور جاہل کی عبادت بہت کم صحیح ہوتی ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک امام طحاوی کے مذہب شافعی کو چھوڑ کر حنفی ہو جانے کا یہی سبب ہے کیونکہ وہ اپنے ماموں امام مزنی سے پڑھتے تھے۔ کہ ایک دن اون کو سمجھنا دشوار ہوا۔ تو اون کے ماموں نے قسم کھا کر کہا کہ اس کو کچھ نہیں آئیگا۔ تو انہوں نے اوس مذہب کو چھوڑ کر۔ مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اختیار کر لیا۔ پھر خدا تعالےٰ نے اون کے ذہن کو کھولدیا۔ کہ انہوں نے ایک بہت بڑی کتاب لکھی جس میں معانی اور آثار کی شرح ہے۔ اور امام موصوف یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میرے ماموں زندہ ہوتے۔ اور آج مجھ کو دیکھتے۔ تو اون کو اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑتا (انتہیٰ)

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ نقل مذہبی نہ کسی دنیوی غرض سے ہوتا ہے نہ دینی۔ بلکہ وہ شخص ان دونوں مقصدوں سے خالی الذہن ہوتا ہے۔ تو ایسا شخص اگر عامی ہے۔ تو اوس کے لئے یہ نقل مذہبی جائز ہے۔ اور اگر وہ شخص عالم اور فقیہ ہے۔ تو اوس کے لئے مکروہ ہے یا منع۔ کیونکہ جب وہ فقیہ ہے تو اس مذہب میں تو اوس کو تفقہ بالفعل حاصل ہے۔ اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنیکی صورت میں اوس مذہب کا فقہ حاصل کرنے کے لئے ایک زمانہ چاہئیے۔ نیز یہ کہ دوسرے مذہب کی تحصیل فقہ کے زمانہ میں اوس علم پر عمل نہیں ہو سکتا جو پہلے سے حاصل ہے۔ اور یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنے مقصود کے حاصل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ اور نہ ادھر کا رہے۔ اور نہ اودھر کا۔ تو ایسے شخص کے واسطے یہی بہتر ہے۔ کہ وہ انتقال مذہبی نہ کرے۔ یہاں تک امام جلال الدین رح کا کلام ختم ہوا۔

پس اس فصل کی تمام تقریروں سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ کسی زمانہ میں علماء کا اوس شخص پر انکار نہ کرنا جو ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کیطرف منتقل ہو گیا ہو۔ اسی وجہ سے تھا۔ کہ وہ شریعت کو بہت وسیع اور تمام اماموں کو پروردگار کی طرف سے ہدایت یاب جانتے تھے۔ اور اہل کشف نے بھی اسپر اجماع کیا ہے۔ اور اہل کشف کبھی کسی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے۔ اور اونہی کا یہ بھی قول ہے۔ کہ اس اُمت کے علماء کا ہر قول درحقیقت شریعت کے مطابق ہے۔ اگرچہ بعض مقلدوں پر یہ بات ظاہر نہیں ہوئی جسطرح ہر قول اس اُمت کے علماء کا کسی نہ کسی گذشتہ نبی کی شریعت کے مطابق ہے۔ اور جس شخص نے علماء کے متفق علیہا احکام پر عمل کر لیا۔ تو گویا اوس نے اکثر انبیاء کی شریعتوں کی تعمیل کی۔ اور کیا عجب ہے جو اوسکو اسقدر اجر ملجائے جسقدر تمام نبیوں کے متبعین کو ملے گا۔ کیونکہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے نزدیک بہت ذی عزت ہے

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جس کے قلب کو نور عنایت فرمایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ علماء کا اوس شخص پر سکوت فرمانا جس نے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کیا ہو محض اسوجہ سے ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ شریعت تمام

مذاہب کو شامل اور جامع ہے۔ تو پس کسی کا یہ کہنا کہ میرے امام کو دوسرے امام پر ترجیح ہے اسپر محمول کیا جائیگا۔ کہ وہ شخص ابھی مقام کمال تک نہیں پہونچا ہے۔ اور ہم اس میزان کی وضاحت کے بیان میں پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جس نے شریعت کے سرچشمہ کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ اوپر واجب ہے کہ وہ اپنے امام کو دوسرے پر ترجیح دے۔ اور امام الحرمین اور ابن السمعانی اور علامہ غزالی اور کیا ہراسی وغیرہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ اور اپنے شاگردوں کو حکم دیا ہے کہ تم کو اپنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پابندی واجب ہے۔ اور خدا تعالےٰ اوس کے اعراض کرنے کے کسی عذر کو قبول نہیں فرمائیگا (انتہی)

اور کوئی امام شافعی ہی کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ ہر اوس شخص کے نزدیک جو تعصب سے خالی ہو تقلید ان آئمہ ہیں سے ہر مقلد پر اپنے اپنے امام کے بارہ میں تا وقتیکہ وہ چشمہ شریعت کا مشاہدہ نہ کر لے۔ یہی عقیدہ واجب ہے۔ اور اوسی کے حلقہ تقلید میں رہنا ضروری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ الآئمۃ من قریش۔ تو ممکن ہے کہ اس میں امام سے خلیفہ مراد ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دین کی امامت مراد ہو۔ تو جب اس میں معنی خلافت کا بھی احتمال ہوا۔ تو اس حدیث سے استدلال صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ احتمال استدلال کو باطل کر دیتا ہے +

اور علماء نے بعد تفتیش معلوم کر لیا ہے۔ کہ اکثر آئمہ مجتہدین موالی میں سے ہیں نہ قریش میں سے مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ کیونکہ یہ قبیلہ بنی اصبح سے ہیں۔ اور امام نخعی رضی اللہ عنہ قبیلہ نخع سے۔ اور نخع یمن میں ایک قوم ہے۔ اوسکا نام ہے۔ نہ قریش کا۔ اسی طرح محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور امام احمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ کیونکہ یہ دونوں قبیلہ ربیعہ سے ہیں نہ قریش سے۔ اور نہ قبیلہ مضر سے علیٰ ہذا القیاس۔ امام ثوری رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی ثور بن عمرو ابن اد سے ہیں۔ اسی طرح امام مکحول اور امام اوزاعی بھی موالی میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے امثال والحمد للہ رب العالمین

فصل اس کے اندر اقوال مجتہدین میں سے کسی قول کا شریعت سے خارج نہ ہونا بیان کیا جائیگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مجتہدین نے اپنے مذاہب کے قواعد کو ایسی حقیقت پر مبنی کیا ہے جو شریعت کے دونوں مرتبوں میں اعلےٰ ہے جسطرح اون اقوال کی ظاہری شریعت پر بنا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ مجتہدین اوس حقیقت کے جاننے والے بھی ہیں برخلاف بعض مقلدوں کے گمان کے۔ تو پھر کوئی قول اون کا شریعت سے کیونکر خارج ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص ہم سے اس بارہ میں نزاع کرے تو وہ آئمہ کے مقام سے جاہل ہے۔ اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ حضرات حقیقت اور شریعت دونوں کے عالم تھے۔ اور اون میں سے ہر ایک اسپر قادر تھا کہ اپنے اور دوسروں کے مذہب پر ادلہ شرعیہ کو اس میزان کے دونوں مرتبوں کے موافق جاری کرے۔ اور اوس کے بعد پھر کوئی شخص دوسرے مذاہب کے اقوال میں نظر کرنے کا محتاج نہ رہے۔ لیکن چونکہ وہ لوگ اہل انصاف اور اہل کشف تھے اس لئے وہ جانتے تھے کہ خدا تعالےٰ کے علم میں چند مذاہب مخصوصہ شارع ہونگے۔ نہ صرف ایک ہی مذہب۔ تو ہر امام نے اپنے مابعد امام کے واسطے ایسے چند مسائل چھوڑ دیئے جنکا اوس نے

دوسرے مذہب میں داخل ہونا بذریعہ کشف معلوم کرلیا تھا۔ تو اون چند مسائل کو ترک کر دینا بہ نیت انصاف اور علم کے اتباع کی غرض سے ہے جو اسکو بذریعہ کشف معلوم ہو چکا ہے کہ خدا تعالے کا یہی مقصود ہے نہ سنت سے اعراض کرنے کی غرض سے۔ اور اون اماموں کا بذریعہ کشف اوس امر پر مطلع ہونا ایسا ہے جسطرح اولیاء اللہ ہر انسان کے جتنی رزق کے نصیب کو جانتے ہیں ؛

پس اے بھائی جب تم آئمہ مذاہب کے قوال میں غور کروگے۔ تو اگر کسی امام کو ایک مسئلہ میں تخفیف کرتے تو دوسرے مسئلہ میں اوسکو ضرور تشدید کرتے پاؤگے۔ اور برعکس چنانچہ اسکی پوری تفصیل علماء کے فقہی اقوال کی توجیہ میں آجائے گی انشاء اللہ تعالے ؛

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ آئمہ مذاہب نے اپنے مذاہب کو حقیقت اور شریعت دونوں کے قواعد پر چلکر اسلئے قوت دی ہے۔ تاکہ وہ بتلاویں کہ ہم نے اپنے دونوں طریقوں کے ساتھ عالم ہونیکا اتباع کیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اقوال آئمہ مجتہدین میں سے کوئی قول خارج از شریعت نہیں ہوسکتا لیکن اہل کشف کے نزدیک۔ اور وہی سمجھ سکتے ہیں اور کس طرح خارج ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنے ہر قول کے مادہ کو حدیث و قرآن اور اقوال صحابہ میں جانتے ہیں۔ اور کشف اونکا صحیح ہے۔ اور جس دلیل میں اونکو توقف ہوتا ہے تو حالت بیقظانی میں بالمشافہہ اون شروط کے ساتھ جو اہل کشف کے نزدیک معتبر ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی ملاقات کرکے دریافت کرلیتے ہیں کہ یہ قول آپ کا فرمان ہے یا نہیں۔ اسی طرح قرآن و حدیث سے جو کچھ مسائل استنباط کرتے ہیں۔ تو قبل تدوین و ترویج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتے ہیں۔ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو یہ فلاں آیت یا آنجناب کے فلاں قول مبارک سے سمجھا ہے کیا آپ اس سے راضی ہیں۔ تو موافق مقتضائے قول و اشارہ کے عمل میں لاتے تھے ؛

اور جو شخص ہمارے مضمون مذکور یعنی آئمہ مجتہدین کے کشف اور اون کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی ملاقات میں کچھ توقف کرے۔ تو ہم اوس سے یہ کہینگے۔ کہ ایسے امور کا کرامات اولیاء ہونے میں تو کچھ شک نہیں جسکا وقوع اکثر ہوتا رہتا ہے۔ تو اگر آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم ولی نہوں تو پھر سطح زمین پر اور کون ولی ہوسکتا ہے ؛

اور بہت سے اون اولیاء سے منقول ہے جو آئمہ مجتہدین سے مقدم یقین ہیں کہتے ہیں۔ کہ بہت مرتبہ ہم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجتمع ہوئے۔ اور علمائے زمانہ نے اس کی تصدیق بھی کی ہے جیسے سیدی شیخ عبد الرحیم قناوی اور سیدی شیخ ابومدین مغربی اور سیدی ابوالسعود ابن ابی العشائر اور سیدی شیخ ابراہیم دسوقی اور سیدی شیخ ابوالحسن شاذلی اور سیدی شیخ ابوالعباس مرسی۔ اور سیدی شیخ جلال الدین سیوطی اور سیدی شیخ احمد زواوی بحیری اور بہت سے وہ حضرات جو ہماری کتاب (طبقات الاولیاء) میں مذکور ہیں رحمہم اللہ تعالے علیہم اجمعین

اور میں نے ایک پرچہ شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اون کے شاگرد شیخ عبد القادر شاذلی کے پاس دیکھا جس میں اوس شخص کا جواب تھا جس نے شیخ موصوف سے سلطان قایتبائی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سفارش کرنے کی درخواست کی تھی۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ اے بھائی میں رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب تک جاگنے کی حالت میں بالمشافہہ پچھتر بار جمع ہو چکا ہوں - اور
اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے حکام کے پاس جانے سے مجھ سے
پردہ میں نہ ہو جائیں - تو میں ضرور قلعہ میں جاکر سلطان سے تیری سفارش کرتا - اور میں ایک شخص ہوں
جسکا منصب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خدمت گرنا ہے - اور اون احادیث کی تصحیح
کیواسطے جنکو محدثین نے اپنے طریقوں سے ضعیف بیان کیا ہے مجھے رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے - اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عام نفع پر خاص تیرے نفع
ترجیح نہیں ہوسکتی (انتہیٰ)

اور شیخ جلال الدین کے فرمان مذکور کی تائید اوس قول سے بھی ہوتی ہے جو سیدی محمد بن زین شاگرد
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں مشہور ہے - کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری
بالمشافہہ دیکھ لیتے تھے - اور جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ میں مزار مبارک پر جاکر حاضر ہوئے - تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرون قبر مبارک ان سے کلام کیا - اور یہی مرتبہ اونکا ہمیشہ رہا - یہانتک کہ
ایک شخص نے جو قبیلہ خواریہ کا تھا - حاکم شہر کے پاس سفارش لے جانے کی ان سے درخواست کی
چنانچہ جب یہ اوس حاکم کے پاس گئے - تو اوس نے ان کو اپنے فرش پر بٹھایا - اوسی وقت سے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا بند ہو گیا - اوس کے بعد انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے
کی بہت کوشش کی - اور ایک شعر بھی پڑھا - تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دور سے دکھائی دیے
اور فرمایا کہ تو ظالموں کے فرش پر بیٹھتا ہے - اور پھر مجھے دیکھنا چاہتا ہے - ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا
پھر ہم نے نہیں سنا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو (انتہیٰ)

اور ہم کو شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ عنہ اور اون کے شاگرد شیخ ابو العباس مرسی وغیرہ سے یہ نقل
پہونچی ہے - کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر آنا ہم سے ایک لحظہ کو بھی بند
ہو جائے - تو ہم اپنے آپ کو زمرہ مسلمین میں سے شمار نہ کریں - تو جب ایسے ولیوں کی یہ حالت ہے تو
آئمۂ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا ٹھکانا ہے - اون کو کم از کم یہ مرتبہ تو ضرور ہی حاصل ہوگا

اور میرے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کسی مقلد کو جائز نہیں کہ وہ
آئمہ مذاہب کے اقوال میں سے کسی قول پر بھی عمل کرنے میں توقف کرے - اور اوس قول پر اون
سے دلیل کا مطالبہ کرے - کیونکہ یہ اون کی شان میں بڑی بے ادبی ہے - اور اون اقوال پر عمل کرنے
میں توقف کیونکر ہوسکتا ہے جنکی بنیاد صحیح احادیث اور اوس صحیح کشف پر ہو جو کبھی شریعت کے
مخالف نہیں ہوتا - کیونکہ علم کشف امور واقعیہ کی خبر دینے کا نام ہے - جب کشف کے یہ معنے ہیں
تو اوسکو حکم کبھی کسی امر میں شریعت کے خلاف نہیں پاسکتے - کیونکہ یہ کشف بعینہ شریعت ہے ایسے
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ باطل اور ظن سے معصوم ہیں - تو جو کچھ آپ فرمائینگے وہ امر واقع
ہی ہوگا (انتہیٰ) اور عنقریب اسکا پورا بیان آنیوالا ہے - انشاء اللہ تعالےٰ ٭

اور میں نے اپنے شیخ علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ فرماتے سنا ہے کہ تمام آئمہ مذاہب
رضی اللہ تعالےٰ عنہم حال اور قال دونوں علموں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں

برخلاف بعض صوفیہ کے کہ انہوں نے یہ وہم کیا ہے کہ مجتہدین صرف علم قال ہی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں علم حال میں نہیں۔ یہانتک کہ بعض صوفیہ یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ مجتہدین کا تمام علم اوس نیک بندہ کے علم کا چوتھائی حصہ ہے۔ جو طریقت میں کامل ہے۔ کیونکہ انسان ہمارے نزدیک اوسی وقت کامل ہوتا ہے۔ کہ جب وہ ولایت کے اوس مقام میں پہونچ جائے جسمیں اوس کو اون چاروں مدارج کا علم حاصل ہو جائے جو اس فرمان خداوندی میں مسطور ہیں۔ کہ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وہی اوّل ہے۔ اور وہی آخر وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ۔ اور مجتہدین سوائے خدائے تعالے کے اسم ظاہر کے مرتبہ کے نہ وہ ازل کے مرتبہ سے واقف ہیں نہ ابد کے۔ اور نہ علم حقیقت اونپر روشن ہے (انتہی)

(میں کہتا ہوں) کہ یہ اوس شخص کا کلام ہے جو ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے ناواقف ہے۔ اور کیسے کچھ آئمہ جو زمین کی میخیں اور دین کے ستون ہیں۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اور میں نے شیخ علی خواص کو یہ بھی فرماتے سُنا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے قلب کو خدائے قدیر نے منوّر فرما دیا ہو۔ وہ مجتہدین اور اون کے مقلدین کے تمام مذاہب کو دونوں قسم کی سندوں کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچے ہوئے پاویگا۔ خواہ سند ظاہری لی جاوے جس میں عن عن کہکر سلسلہ چلایا جاتا ہے۔ اور خواہ وہ سند ہو جو سینہ بسینہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی امداد سے علمائے اُمّت کے قلوب میں باترتیب چلی آئی ہے۔ پس کسی عالم کا چراغ نہیں روشن ہوا۔ مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی روشنی کے طاق سے۔ پس سمجھ لو۔

اور دوسری مرتبہ شیخ موصوف کو پھر یہ فرماتے سُنا کہ مجتہدین اور مقلدین کے اقوال میں سے ہر قول کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ اور وہاں سے شروع ہو کر جبرئیل علیہ السلام پر ختم ہوتی ہے۔ اور وہاں سے شروع ہو کر خدا تعالے کی اوس بلند بارگاہ تک پہنچتی ہے۔ جو بیان کیفیت کے منزّہ اور بالا ہے۔ اور وہ سند خواہ ظاہری ہو یا باطنی جو اوس حقیقت کے علم کا نام ہے جس میں خطا اور غلطی اور باطل کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ تو جو شخص اوس حقیقت کے علم کو نقل کریگا اور اوسکے کسی قول میں خطا نہیں ہو سکیگی۔ البتہ صرف اوس حقیقت سے علم کے حاصل کرنے میں خطا کا امکان ہے۔ جس طرح اون روایات کے بارے میں کہا جاتا ہے جنکو محدثین نے بہ سند صحیح متصل روایت کیا ہے ان تمام کی سند حضرت حق جل وعلا تک پہونچتی ہے۔ اسی طرح اوسمیں بھی کہا جاتا ہے۔ جو صاحبان کشف صحیح سے علم حقیقت منقول ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام علماء ظاہر اور باطن کے چراغ شریعت کی روشنی سے روشن ہیں۔ پس کوئی قول مجتہدین اور اون کے مقلدین میں سے ایسا نہیں ہے جس کی تائید بلا شک اہل حقیقت کے اقوال سے نہ ہوتی ہو (انتہی)

یہی سبب ہے جو میں نے ائمہ شریعت کے کلام کی تائید اسطرح کی ہے کہ اون کے کلام کو تمام مسائل میں باب الطہارت سے لیکر آخر ابواب فقہ تک اہل حقیقت کے کلام سے موجّہ اور منقح کیا ہے چنانچہ ابواب فقہ میں اوسکا مفصل بیان آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالے

اور مجھے نہیں معلوم کہ کوئی شخص اس امر مذکور کے التزام میں کسی کتاب کے اندر مجھ پر سبقت لے گیا ہو

اس کتاب سے طالب علمان مقلدین مذاہب کے قلوب اپنے آئمہ کے کلام کے موافق عمل کرنے پر قوی اور جری ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ احکام شرعیہ استنباطیہ کی تائید حقیقت سے ہوتی ہے اور حقیقت کی اون سے (انتہی)

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین کو (جنکا ایک مسئلہ میں کسی فقیہ سے مجادلہ ہوگیا تھا) یہ کہتے سنا ہے کہ قسم ہے خدا کی آئمہ مذاہب میں سے کسی کا مذہب ایسا نہیں ہے جس کی بنا اوس حقیقت کے قواعد پر نہ ہو جس کی تائید کشف صحیح سے ہوتی ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ شریعت حقیقت کے کبھی مخالف نہیں ہوسکتی۔ البتہ شریعت میں حقیقت کا خلاف صرف ایسی صورت میں ہوجاتا ہے۔ کہ مثلاً کسی حاکم نے جھوٹے گواہوں کے موافق حکم دیدیا۔ کیونکہ حاکم کے اعتقاد میں وہ گواہ عادل تھے۔ تو اگر واقع میں بھی وہ گواہ عادل ہوتے۔ تو ہرگز حقیقت کا شریعت سے تخلف نہ ہوتا۔ اب یہ قاعدہ قابل تسلیم ہے کہ ہر شریعت حقیقت ہے اور ہر حقیقت شریعت +

اور اس کو واضح طور پر یوں سمجھو کہ شارع نے ہم کو لوگوں کے احوال ظاہر پر جاری کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم تفتیش و تلاش سے اون کے قلوب کی حالت معلوم کریں اور یہ درحقیقت خدائے برتر کی اس امت پر رحمت ہے۔ کیونکہ باریتعالے کا ارشاد ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رحمت کا غضب پر سبقت لے جانا اوسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ لوگوں میں جھوٹ اور معاصی کی کثرت ہوجائے۔ اور طاعات وصدق میں قلت ہوجائے۔ پس سمجھ لو اور ہماری اس تقریر کی بنا پر جو گذر چکی ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے احکام کو ظاہر پر جاری کرنا منجملہ اوس شرع کے ہے جو تقریر شارع سے ثابت ہوئی ہے۔ اور اسی کی نظیر یہ ہے کہ ہم تکلف سے صرف ظاہر میں تکالیف کا ارتکاب کرلیتے ہیں۔ اگرچہ وہ باطن میں برخلاف افعال ظاہری کے زندیق ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کلام اوس وقت بھی صحیح ہے کہ جب شارع کی مراد شریعت سے وہ امر ہو جس میں ظاہر اور باطن دونوں ایک ہوں۔ کیونکہ جس شخص نے مثلاً جھوٹی گواہی دی یا بغیر ایمان کے ارکان نماز ادا کئے۔ تو ایسا شخص درحقیقت بالکل شرع ہی پر نہیں تاکہ حقیقت کا مقابلہ لازم آئے۔ کہ یہاں شریعت حقیقت کے خلاف ہے بلکہ یہ امر باطل ہے۔ اور دین میں داخل ہی نہیں ہے۔ جب تم میری تقریر مذکور کو سمجھ چکے۔ تو تمہیں ان دو مختلف قولوں کو جمع کرنا مشکل ہوگا۔ کہ بعض کے نزدیک حکم حاکم کا ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوجاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔ یعنی دنیا میں نہ آخرت میں۔ اور کبھی باریتعالے مرتبہ شریعت کی رعایت سے مدد فرماتے ہیں۔ تو حاکم کے حکم کو ظاہر اور باطن دونوں طرح نافذ فرمادیتے ہیں۔ اور بعض آئمہ کا یہی قول ہے یعنی باریتعالے آخرت میں جھوٹے گواہوں پر نرمی فرمائیگا۔ اور اون کے گناہ کو معاف کردیگا۔ اور اون لوگوں کے مقدمہ میں حکم حاکم کو اسی طرح جاری فرمائیگا جس طرح عادلوں کی گواہی کو۔ اور باہمی مخاصمت کرنے والوں کو راضی کردیگا۔ یہ سب اوسکا فضل اور اپنے بندوں پر رحم۔ اور بعض سے بعض کے عیوب کو چھپانا مقصود ہے +

اور حدیث میں وارد ہے کہ زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اوس کے شر ہونے کی شہادت دی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اون کے

شرہونے کی شہادت نہ دی - تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باریتعالے نے وحی کی کہ جن لوگوں نے فلاں شخص کے بد ہونے کی گواہی دی ہے وہ سچے ہیں لیکن خدا تعالے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شہادت کو باقی رکھا اون کی بزرگی کی وجہ سے (انتہی)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام صدیقیت اسبات کو مقتضی ہے کہ اوسکا صاحب سوائے لوگوں کی خوبیوں کے اور کچھ نہ دیکھے اور اپنے باطن پر قیاس کرے -

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ بندہ کا تمام آئمہ مجتہدین کے برحق ہونے کا اعتقاد اوسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا کہ جب تک صوفیہ کے طریقہ پر نہ چلے - اور اکثر وہ مقلدین جن کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اول تو اپنے امام کے سوا دوسرے امام سے بدعقیدہ ہوتے ہیں - اور اگر کبھی زبان سے تسلیم بھی کر لیتے ہیں تو دل میں ضرور کھٹکا لگا رہتا ہے - تو تم کو چاہئے کہ ایسے محجوب لوگوں کو اور اماموں کے ساتھ حسن عقیدت کی تکلیف نہ دو جب تک وہ سلوک کو شروع نہ کر دیں - اور اگر تم کو اے بھائی میرے اس گذشتہ کلام میں کچھ شک ہے تو تم اسکا تجربہ کر لو - اور اوس شخص پر مذہبی اقوال پیش کرو - اور اوس سے کہو کہ اپنے امام کے سوا دوسرے کے قول پر عمل کر - تو وہ ہرگز اس میں اطاعت نہ کریگا - اور کس طرح اطاعت کر سکتا ہے جبکہ تم اوس کے مذہب کے ستون کو گرانا چاہتے ہو - بلکہ اگر وہ ظاہر میں تمہارے قول کو تسلیم بھی کر لے گا تو بھی باطن میں اسکا دل یقین نہیں کر سکتا - شیخ فرماتے ہیں کہ ہم نے سُنا ہے کہ ورآءنہر میں ایک گروہ ہے جن میں بعض حنفی ہیں اور بعض شافعی - اور وہ ماہ رمضان میں اس غرض سے روزے نہیں رکھتے - کہ تاکہ ہم اپنے مخالف کو دلیلوں کے باطل کرنے اور اوس سے مجادلہ کرنے پر قوی رہیں (انتہی)

اور ہم اس فصل میں جس کے اندر مقلدین کے انتقال مذہبی کا بیان کیا ہے - اس مضمون مذکور کا مدار ذکر کر چکے ہیں *

اور جاننا چاہیے کہ آئمہ کو مجتہدین اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اون میں سے ہر ایک اون احکام کے استنباط کی جو قرآن اور حدیث میں مخفی ہیں حتی الوسع کوشش اور جہد کرتا ہے - کیونکہ لفظ اجتہاد جہد سے مشتق ہے - اور دلائل میں کثرت نظر اور فکر کو بحد تعب میں ڈالنا اُنہی کا کام ہے - خدا تعالے ان حضرات کو اس امت کی جانب سے جزائے خیر عنائت فرماوے - کیونکہ یہ لوگ اگر امت کے واسطے قرآن کریم و حدیث شریف سے احکام کو مستنبط نہ کرتے - تو اون کے سوا اور کوئی بھی اس کام کو نہ کر سکتا چنانچہ گذر چکا ہے *

اگر تم سوال کرو کہ ان مجتہدین کے پاس اس کی صحت کی کیا دلیل ہے کہ اُنہوں نے صریح قرآن و حدیث کے احکام پر اپنی طرف سے اور احکام استنباط کر کے اوسپر زیادہ کر دیئے - اور ایسا کیوں نہیں کیا کہ صرف اونہی احکام پر اکتفا کرتے جو اون سے صراحتہً ثابت ہیں - اور اون پر کسی شئے کو زیادہ نہ کرتے - کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ (میں نے کسی ایسی چیز کو جو تمہیں خدا تعالے سے نزدیک کرنے والی ہے بغیر تم کو امر کئے نہیں چھوڑا - اسی طرح جو شے تم کو اوس سے دور کرنے والی ہے اوس کو بغیر نہی کے نہیں چھوڑا)

توجواب یہ ہے کہ اون کی دلیل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس امر میں اتباع ہے۔ کیونکہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی مجملات قرآن کا بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ خدا تعالے نے یوں ارشاد فرما چکے ہیں کہ
مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کوئی شے قرآن شریف میں بغیر ذکر کئے نہیں چھوڑی
اس لئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر طہارت اور نماز حج وغیرہ کی کیفیت بیان نہ فرماتے
تو کوئی امتی اوسکا قرآن شریف سے صحیح صحیح استخراج نہ کر سکتا تھا۔ اور ہم کو رکعات کا عدد معلوم نہ ہوتا۔
نہ فرض نماز میں نہ نفل میں۔ اور اور بہت سی باتیں نہ معلوم ہوتیں جنکا ذکر اسکے بعد کی فصل میں آنیوالا
ہے۔ انشاء اللہ تعالے ◆

توجسطرح شارع علیہ السلام نے بذریعہ حدیث مجملات قرآن کریم کا بیان فرما دیا۔ اسی طرح
آئمہ مجتہدین نے احادیث شریعت کے مجملات کو ہمارے لئے واضح فرما دیا۔ اور اگر وہ
ہمارے لئے وضاحت نہ فرماتے۔ تو شریعت مجمل ہی رہتی۔ ایسے ہی ہر دور قیامت تک نسبت
اپنے سے مقدم دور کی وضاحت میں زیادتی کرتا رہیگا۔ کیونکہ علماء امت کے کلام میں قیامت
تک اجمال باقی رہیگا جس کی وضاحت کی ضرورت بھی باقی رہے گی۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی
تو کتابوں کی شروح اور اون شروح کے حواشی کیوں لکھے جاتے جیسا کہ پہلے گذرا پس سمجھ لو۔
اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب شب معراج میں نماز کی
بابت اوس کی کمی کی درخواست کے لئے خدا تعالے کی طرف لوٹے تھے۔ تو یہ آپ کا اجتہاد
تھا۔ یا نہیں؟
جواب وہ ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا ہے۔ کہ یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد
تھا۔ کیونکہ جب خدا تعالے نے آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں تو آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم اونکو لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔ اور کچھ نہ فرمایا اور نہ کچھ
اعتراض کیا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ اسقدر نمازیں میری امت پر زائد ہیں۔ پھر جب موسےٰ علیہ السلام
نے خود فرمایا کہ آپ کی امت اتنی نمازوں کا تحمل نہ کر سکیگی۔ اور آپ کو واپس جانے کا مشورہ
دیا۔ تو آپ کو حیرانی لاحق ہوئی کیونکہ اودھر تو یہ کہ اپنی امت پر شفقت زیادہ تھی۔ تو امت کی شفقت
کا خیال اور ادھر پروردگار عالم کے حکم میں چون وچرا کرنے سے خوف۔ تو آپ نے اپنی قوت اجتہادیہ
سے موسیٰ علیہ السلام کے مشورے کو پسند فرمایا۔ اسلئے کہ جب آپ نے سوچا۔ کہ ان امروں میں کہ
کس کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے اور یہی حقیقت اجتہاد ہے۔ تو آپ نے واپس ہی جانے
کو ترجیح دی۔ اور پھر اس اجتہاد کو اپنی امت میں بھی باجازت پروردگار عالم جاری فرما دیا
اگر تم ہمارے مضمون سابق کو سمجھ گئے ہو۔ تو یہ جان سکتے ہو کہ خدا تعالے کا مجتہدین کے
لئے اجتہاد کو مشروع کر دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انسیت پیدا کرنے کی غرض سے
ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر نہ ہو جائیں جسطرح آپ کے اجتہاد کرنے
میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنا۔ اور اون کے دل سے ندامت کو رفع کرنا مقصود ہے
کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب غور کیا تو باری تعالے کو اپنے آپ سے زیادہ بندوں پر

رحیم پایا۔ اور یہ خیال کیا کہ اگر امتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس ہی نمازیں فرض رہتیں تو وہ ضرور اُن کو اسقدر نمازوں کے ادا کرنے کی طاقت عنایت فرما دیتا۔ کیونکہ وہ کسی نفس کو اوس کی وسعت سے باہر بات کا حکم نہیں دیتا۔

ایسے ہی جب موسیٰ علیہ السلام نے باریتعالےٰ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ ما یبدل القول لدی یعنی میرے ہاں بات نہیں بدلی جاویگی۔ تو اونکو اپنے اوس قول پر ندامت ہوئی۔ تو باریتعالےٰ نے اس نقصان کے جبر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ کہ تمہارا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو لوٹانا بے محل نہ تھا۔ اور میرا پچاس نمازوں کا حکم کرنا اپنے محبوب پر نعمتوں کے اظہار کی غرض سے تھا۔ کہ ہم نے پچاس کو فرض کرکے پھر پانچ پر اکتفا کیا۔ اور اس میں اس امر کا بتلانا بھی مقصود تھا۔ کہ درگاہِ خداوندی میں بعض امور قابل نسخ ہوتے ہیں۔ اور بعض نہیں۔ پس اے بھائی ہماری تقریر سابق سے مجتہدین کے اجتہاد کا منشا روشن ہو گیا ہوگا۔ اور یہ کلام بہت نفیس ہے جو تم کو دوسری کتاب میں نہ ملیگا۔ والحمد للہ رب العالمین

فصل۔ اگر کوئی کہے۔ کہ اس میزان کی تالیف سے کیا فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تمام اہل مذاہب جانتے ہیں۔ کہ ہر اوس شخص کے واسطے جو عزیمت پر عمل کرنے سے عاجز ہو رخصت پر عمل کرنا جائز ہے

تو جواب یہ ہے۔ کہ یہ کہنا صحیح ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اہل مذاہب جب رخصت پر عمل کرتے ہیں۔ تو چونکہ وہ اوس رخصت کی توجیہہ اور اوس کے قرآن وحدیث سے موافق ہونے کو نہیں جانتے۔ اسلئے اوس رخصت پر عمل کرنے کی حالت میں اپنے دل میں تنگی اور کھٹک ضرور پاتے ہیں برخلاف اس میزان کے عالم کے۔ کہ وہ اوس رخصت پر اوس کی توجیہہ اور قرآن کریم وحدیث شریف کے ساتھ اوس کی مطابقت کا لحاظ کرکے عمل کرتا ہے۔ تو وہ شخص جو اس میزان سے ناواقف ہے رخصت پر عمل کرتے وقت اپنے دل میں شک اور شبہ لئے ہوئے ہوگا۔ اور جو اس سے واقف ہے۔ اوس کے دل میں کسی قسم کا شک شبہ نہ ہوگا۔ اور ان دونوں شخصوں کی عبادت میں زمین وآسمان کا فرق ہے پس اس کو جان لو۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین ؂

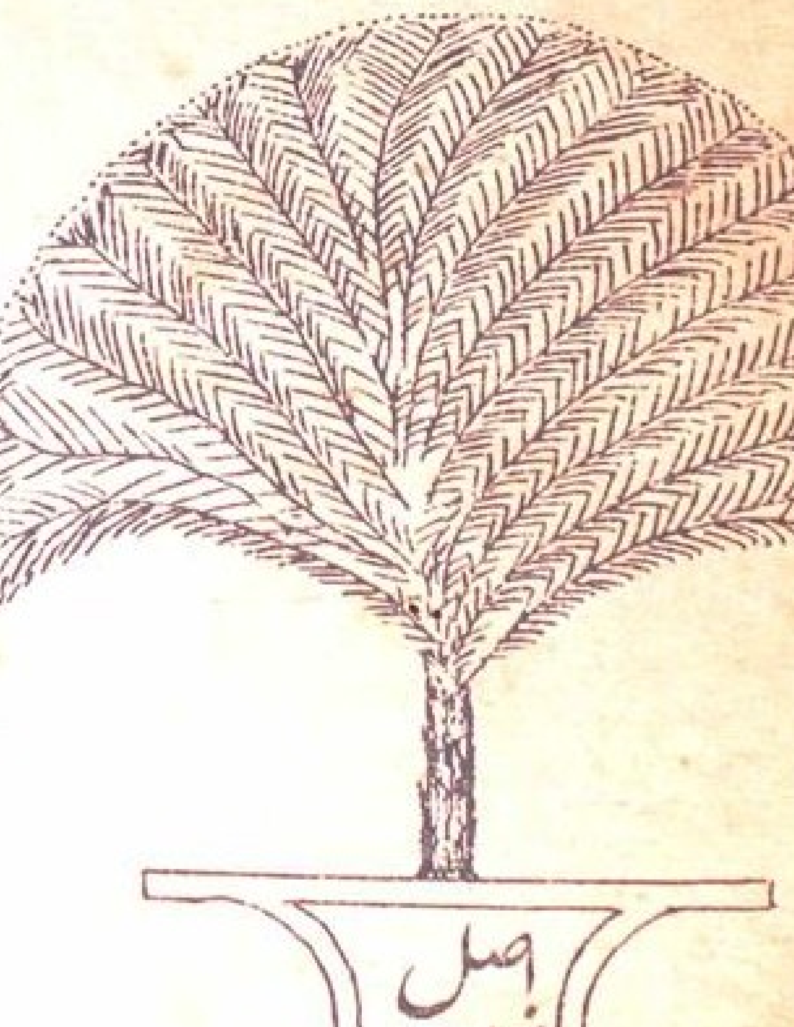
فصل۔ اس میں وہ حسی مثالیں بیان کی جائینگی۔ جن سے مجتہدین اور مقلدین کے تمام اقوال کا چشمۂ شریعت سے متصل ہونا خوب ظاہر ہو جائے گا۔ تم کو چاہئے کہ ان میں غور کرو۔ انشاء اللہ ہدایت یاب ہو جاؤ گے ؂

یہ ہے حسی مثالوں کا نقشہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے
تو پہلے بارگاہ وحی اور اوس سے تمام
احکام کے متفرع ہونے کا نقشہ
دکھایا جاتا ہے ؂

- بارگاہ وحی نامعلوم الکیفیت
- بارگاہِ عرشِ اعظم
- بارگاہ کرسی شریف
- بارگاہِ قلمِ اعلیٰ
- بارگاہ لوحِ محفوظ
- بارگاہ تختہائے محو و اثبات
- بارگاہِ جبرائیل علیہ السلام
- بارگاہِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- بارگاہِ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم
- بارگاہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ
- بارگاہ مقلدین الی یوم القیامۃ

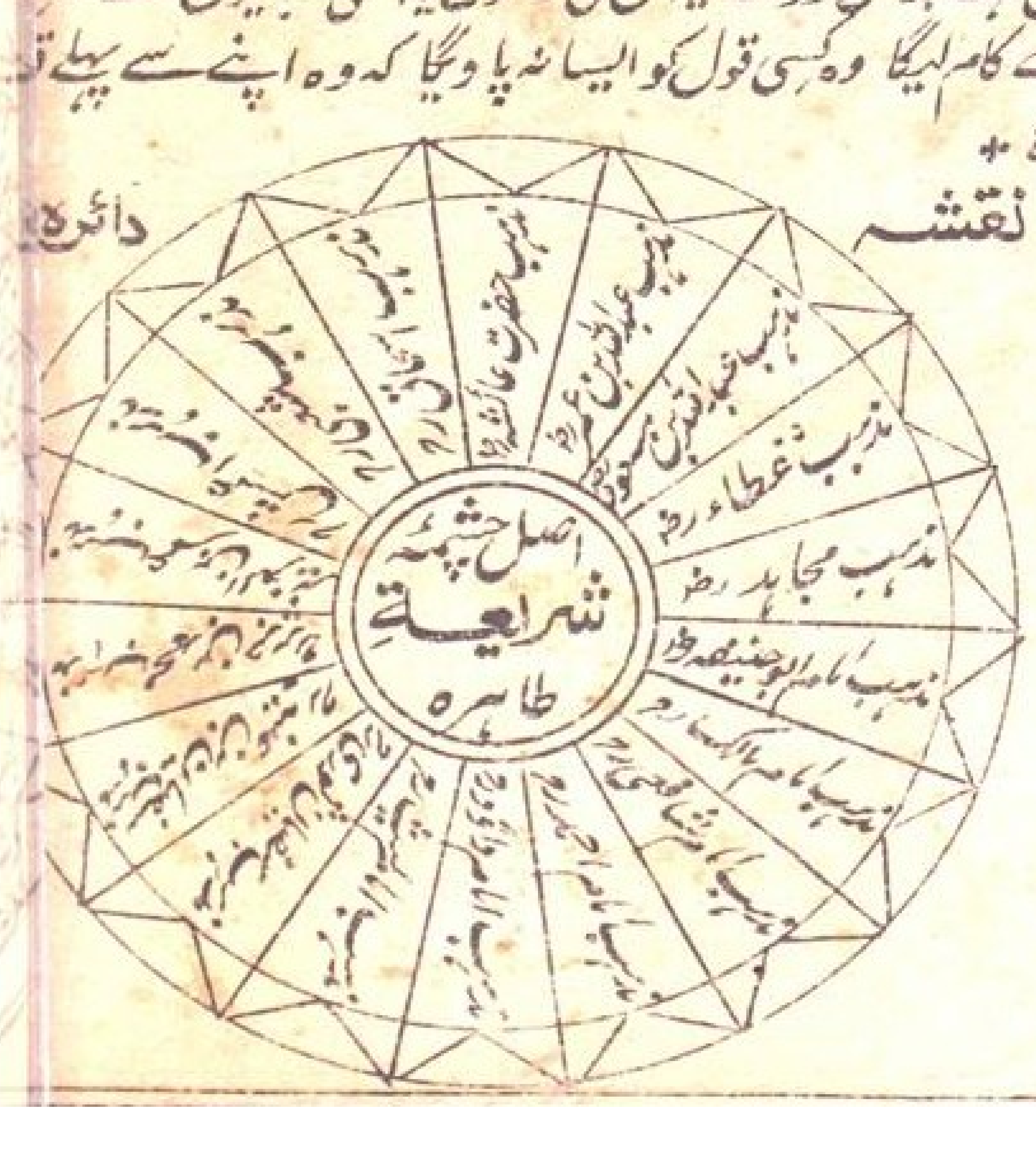
پس اے صاحبو! ان تمام بارگاہوں میں غور کرو۔ اور بعض کو بعض سے سوا بارگاہ وحی آلہی کے باہم
متصل دیکھ لو۔ کیونکہ وحی کے اتصال کی کسی کے ساتھ کیفیت معلوم نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے اوسکو
ے کی بارگاہوں سے ملایا نہیں۔ بلکہ اوسکا حلقہ تنہا اور سب سے علیحدہ رکھا ہے۔ برخلاف اور
ہوں کے کہ ان کے حلقوں کو نیچے کے حلقوں سے ملا دیا ہے۔ اور ہم نے قرآن شریف اور اوس شریعت
جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ کوئی بارگاہ مقرر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمکو
سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ ہم قرآن شریف کے معانی میں سے وہی معانی سمجھ سکتے
جن کی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے۔ اسلئے کہ باریتعالے کا یہ فرمان کہ (مَنْ
ع الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اوس نے خدا تعالے کی اطاعت
اسکا قرینہ ہے۔ اگرچہ باریتعالے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی ہے۔ کہ وہ
طرف سے جس امر کو چاہیں شریعت میں داخل کریں۔ چنانچہ یہ اوس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جب
آپ نے مکہ کے درختوں کی حرمت بیان فرمائی۔ تو آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا
ذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا کہ مگر اذخر یعنی وہ حرام نہیں
آپ کو خدا تعالے کی طرف سے کسی امر کے مشروع کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ تو آپ ہرگز خدا تعالے
ام کردہ اشیاء میں سے کسی شے کو مستثنے فرمانے کی جرأت نہ کرتے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالے زیادہ
تا ہے ٭

یہ صورت اوس درخت کی ہے جس کے ساتھ عین شریعت کو تشبیہ دی گئی ہے :۔



اس درخت کی اوس اصل اور بیخ کا ملاحظہ کرو جو اس کے نیچے کی جانب میں ہے۔ پھر اوس کی شاخوں اور
پھلوں کو دیکھو کہ یہ تمام اشیا داوی اصل اور بیخ سے متفرع ہوئی ہیں جو بمنزلہ سرچشمہ شریعت کی ہے
پھر ان شاخوں وغیرہ میں سے جو بڑی شاخیں اور فروع ہیں وہ تو آئمہ مذاہب کے اقوال ہیں۔ ا
جو چھوٹی چھوٹی ہیں وہ اکابر مقلدین کے اقوال ہیں۔ اور جو شاخوں میں سے ٹہنیاں نکلی ہوئی ہیں۔
ان مقلدین میں سے طلبہ ہیں۔ اور چھوٹی ٹہنیوں کی اوپر کی جانب ہیں جو (سرخ) نقطے ہیں۔ وہ اون مسائ
کی مثالیں ہیں۔ جو ہر زمانہ کے علماء کے اقوال سے مستنبط ہونے والے ہیں۔ یہانتک کہ امام مہدی علیہ
السلام کا ظہور ہو جائے۔ کیونکہ اون کے ظہور کے بعد اون سے پہلے مذاہب کے اقوال پر عمل کی پابند
باطل ہو جائیگی چنانچہ اہل کشف نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور امام مہدی علیہ السلام کو پورے طور
شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حکم کرنے کا الہام کیا جائیگا۔ یہانتک کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے۔ تو اون کے تمام جاری کردہ احکام کو تسلیم فرماتے۔ اور ا
کو قائم رکھتے۔ چنانچہ اوس حدیث میں جس کے اندر امام مہدی علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اس طرف اش
بھی ہے۔ کیونکہ آپؐ اوس میں فرماتے ہیں۔ کہ یقفوا اثری لایخطی یعنی میرے قدم بقدم چلینگ
اور ذرا بھی خطا نہ کرینگے۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائینگے۔ تو اجرائے احکام کا او
ہو جائیگا۔ اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بذریعہ حضرت
جبرئیل علیہ السلام وحی نازل ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ آپؐ کی حقیقت شریعت سے نہ کوئی نبی خارج
اور نہ کوئی متقدمین یا متاخرین میں سے عالم۔ بلکہ تمام انبیاء اور اولیاء آپ کی شریعت کے دائ
میں محصور ہیں۔ اور ان تمام کا علم آپ ہی کے چشمہ شریعت اور آپؐ ہی کے منبع علم سے متفرع
اور کوئی قول آئمہ شریعت کا ایسا نہیں ہے جو اس درخت یا اس کی شاخوں یا اسکی ٹہنیوں سے نہ
اور جو شخص اس درخت میں نظر غور سے کام لیگا وہ کسی قول کو ایسا نہ پاویگا کہ وہ اپنے سے پہلے قو
کیساتھ متصل نہ ہو۔ والحمد للہ وحدہٗ +

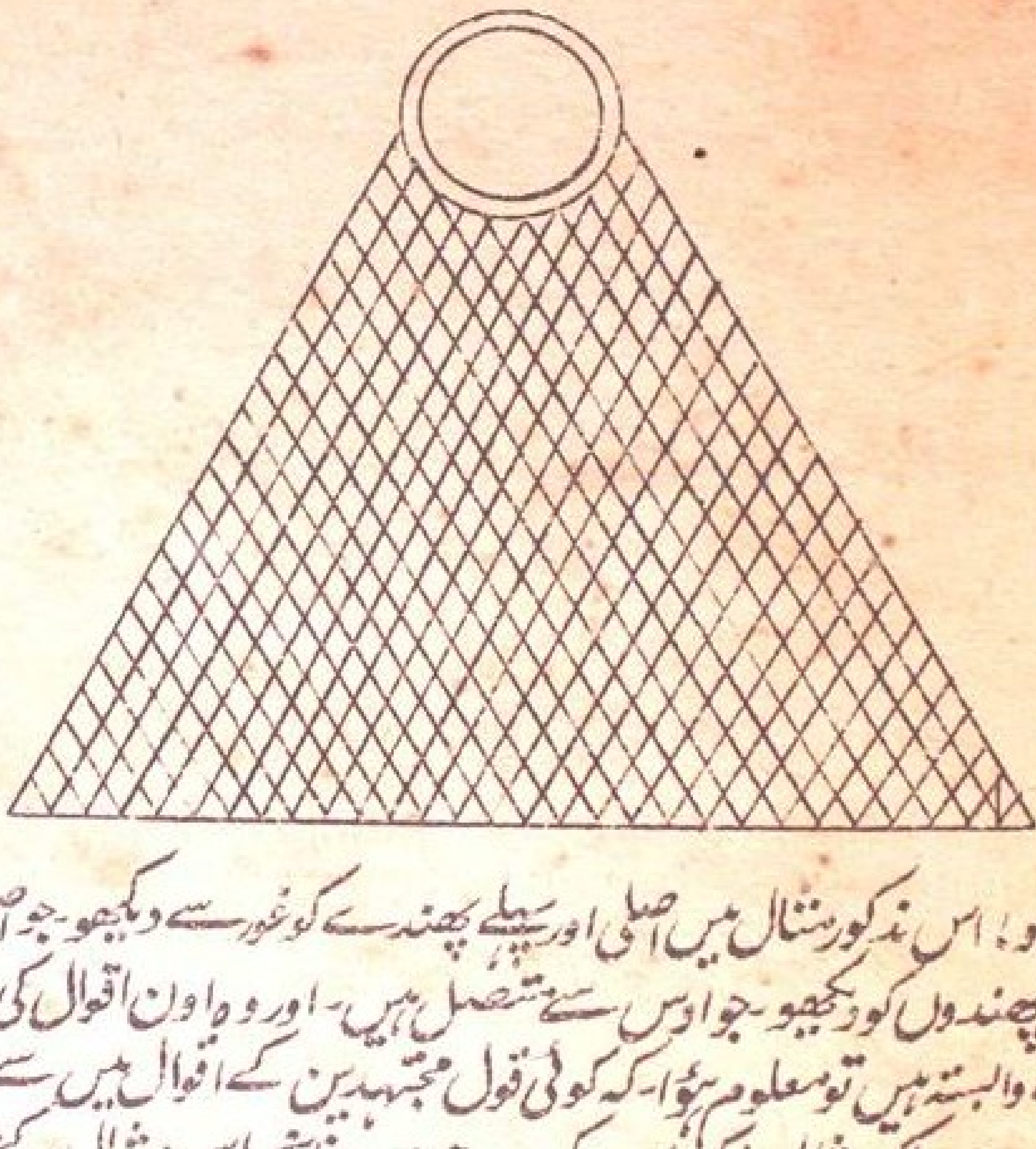
نقشہ



(یہ دوسری مثال ہے۔ مذاہب
مجتہدین اور مقلدین کے اصل
شریعت سے متصل ہونے کی)

اس کے اندر درمیانی دائرہ کو جو سب سے چھوٹا ہے غور سے دیکھو۔ وہی اصل شریعت ہے جس سے آئمہ مجتہدین اور تمام مقلدین کے اقوال متفرع ہوتے ہیں۔ اور بڑے دائرہ سے جو خطوط شروع ہو کر چھوٹے دائرہ پر ختم ہو گئے ہیں وہ تمام مجتہدین کے مذاہب کی مثالیں ہیں خواہ وہ مذاہب مستعملہ ہوں۔ یا متروکہ پس جو شخص اس دائرہ میں غور کرے گا۔ اوس پر ہمارا یہ مقولہ خوب ظاہر ہو جائیگا۔ کہ کوئی مذہب بہ نسبت دوسرے مذہب کے شریعت سے زیادہ نزدیک نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب علی التسویہ اصل شریعت سے ملجاتا ہے۔

اور تیسری مثال اتصال مذاہب کی شکاری کا جال ہے جسکا نقشہ مرقوم ذیل ہے۔ کیونکہ اس کے اندر ہر پھندا پہلے پھندے سے پیوستہ ہے۔ اور سب سے نیچے کے پھندے پر تمام جمع ہو جاتی ہیں:۔



تو اے صاحبو! اس مذکورہ مثال میں اصلی اور پہلے پھندے کو غور سے دیکھو۔ جو اصل شریعت کی مثال ہے۔ پھر تمام اون پھندوں کو دیکھو۔ جو اوس سے متصل ہیں۔ اور وہ اون اقوال کی مثالیں ہیں۔ جو اصل شریعت سے وابستہ ہیں تو معلوم ہوا۔ کہ کوئی قول مجتہدین کے اقوال میں سے خارج از اصل شریعت نہیں ہے۔ جیسا کہ مثال مذکور میں دیکھ رہے ہو چنانچہ اس مثال کے جس پھندے کو پکڑو گے۔ وہ تم کو سب سے پہلے پھندے تک پہونچا دیگا۔ اور جو شخص اس منظر کا غور سے مشاہدہ کریگا۔ اوس کے نزدیک تمام اقوال صحت میں مساوی ہو جائینگے۔ اور اللہ سبحانہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے +

(یہ تصویر مذاہب مجتہدین اور اقوال مقلدین کے قرآن کریم و حدیث شریف سے متصل ہونے کی ہے۔ بطریق ظاہری سند کے)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وہ بارتعالےٰ سے۔

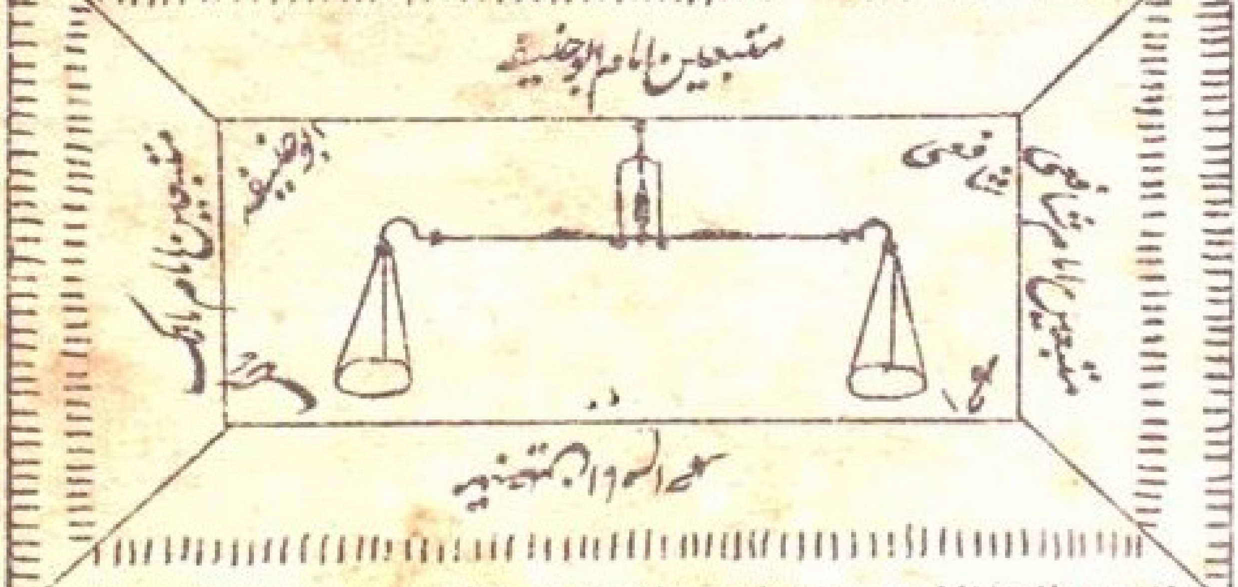
حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ حضرت نافع سے لیتے ہیں۔ اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ اور وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اور وہ بارتعالےٰ عزوجل سے

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت نافع سے۔ اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ اور وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے۔ اور وہ بارتعالےٰ عزوجل سے۔

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے۔ اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے۔ اور وہ اللہ جل شانہٗ سے۔

دیکھو کہ تمام مذاہب آئمہ کو ابتداءً اور انتہاءً دریا محیط ہے۔

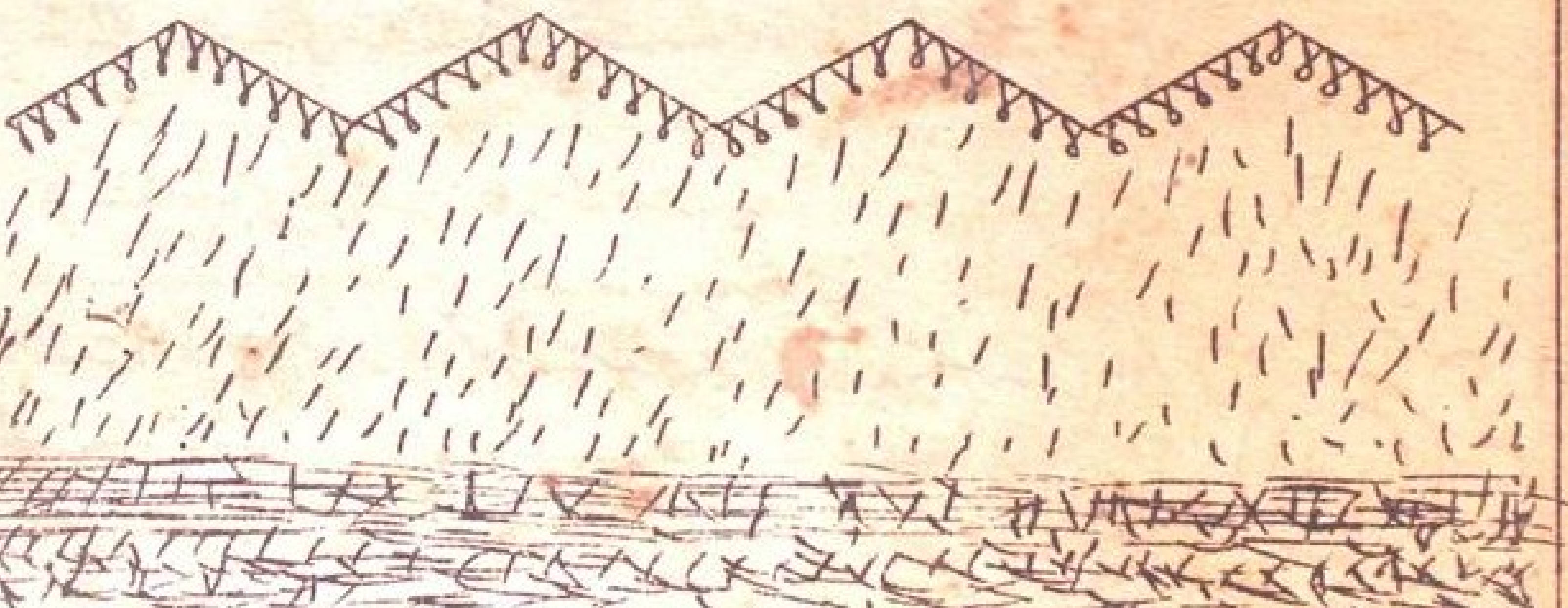
(حساب کیوقت میزان کے نزدیک آئمہ اربعہ وغیرہ کے جائے قیام اور اون کے متبعین کے بغرض شفاعت پیچھے کھڑے ہونے کی مثال)



جو شخص دنیا میں شریعت پر مستقیم رہا - اوسکی پل کی اور اوس پر آدمیوں کی مثال اور اوسکا نقشہ اور آئمۂ مجتہدین کے اپنے متبعین کو پل پر اس غرض سے کھڑے ہو کر دیکھنے کا نقشہ کہ تاکہ جنت میں داخل ہو جائیں - اور دوزخ میں نہ گر جائیں ::



مثال اوس شخص کے پل کی جو دنیا میں شریعت سے کجی میں پڑ گیا - اور مثال اون لوگوں کی جو اوس پر چلینگے - اور یہ بات تمکو معلوم ہے کہ پل صراط حقیقت میں ایک ہے - لیکن وہ ہر چڑھنے والے کے علم و عمل کے موافق متشکل ہو جاتا ہے - اور اسی وجہ سے اہل کشف نے بیان کیا ہے کہ پل صراط پر چلنے کا وجود حقیقت میں اس عالم میں ہے نہ وہاں - کیونکہ وہاں ہر انسان کے پاس اوس کے عمل کا ثمرہ آئیگا - تو جو شخص دنیا میں شریعت سے لغزش کھا گیا ہے اوسکا قدم وہاں بھی پھسلیگا - لیکن اسی قدر کہ جسقدر یہاں پھسلا ہے



اور ہم نے اپنی کتاب (الاجوبہ عن آئمۃ الفقہا والصوفیہ) میں ذکر کیا ہے کہ تمام امام خواہ فقہا ہوں یا صوفیہ اپنے اپنے مقلدین کی شفاعت کرینگے - اور روح نکلنے کے وقت اور منکر نکیر کے سوال کے وقت اور نشر و حشر اور حساب اور میزان اور صراط کے نزدیک اون کا لحاظ رکھینگے - اور منجملہ تمام مقامات کے کسی مقام پر اون سے غافل نہ ہونگے - اور جب ہمارے شیخ شیخ الاسلام ناصر الدین لقانی انتقال کر گئے تو اون کو بعض بزرگوں نے خواب میں دیکھا - تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا - کہ خدا تعالےٰ نے تمہارے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا - تو انہوں نے جواب دیا - کہ جب مجھ کو قبر میں فرشتوں نے بٹھایا تاکہ مجھ سے اپنا فرضی اور لازمی سوال کریں تو اون کے پاس حضرت امام مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لائے - اور فرمانے لگے کہ کیا ایسے شخص سے بھی اوس کے ایمان کے بارہ میں سوال کرنے کی حاجت ہے - ہٹ جاؤ

اس کے پاس سے پس وہ میرے پاس سے ہٹ گئے ؛ اور جب مشایخ صوفیہ اپنے مریدین اور متبعین کا تمام دنیاوی اور اخروی سختیوں میں لحاظ رکھتے ہیں۔ تو پھر کیسے نہ لحاظ رکھینگے آئمہ مذاہب رضی اللہ عنہم جو درحقیقت زمین کی میخیں اور دین کے ارکان اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اون کی اُمت کے امین ہیں پس اے صاحبو! جس امام کی چاہو تقلید کرو۔ اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور اپنے نفس کو خوش کرو۔ والحمد للہ رب العالمین ؛

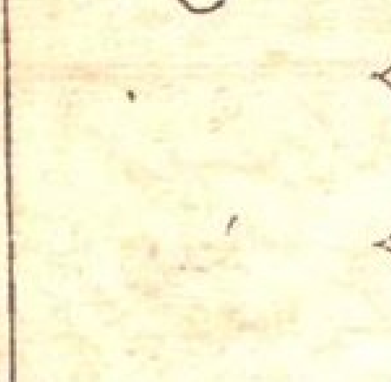
یہ مثال مذاہب آئمہ مجتہدین کے اون راستوں کی ہے جو جنت کے دروازوں تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور اس بات کی کہ جو شخص اون میں سے کسی مذہب پر اخلاص کے ساتھ عمل کریگا۔ اوسکو وہ جنت کے دروازہ تک پہونچا دیگا ؛۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کو

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا رستہ جنت کے دروازہ کی طرف

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کی طرف

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کی طرف



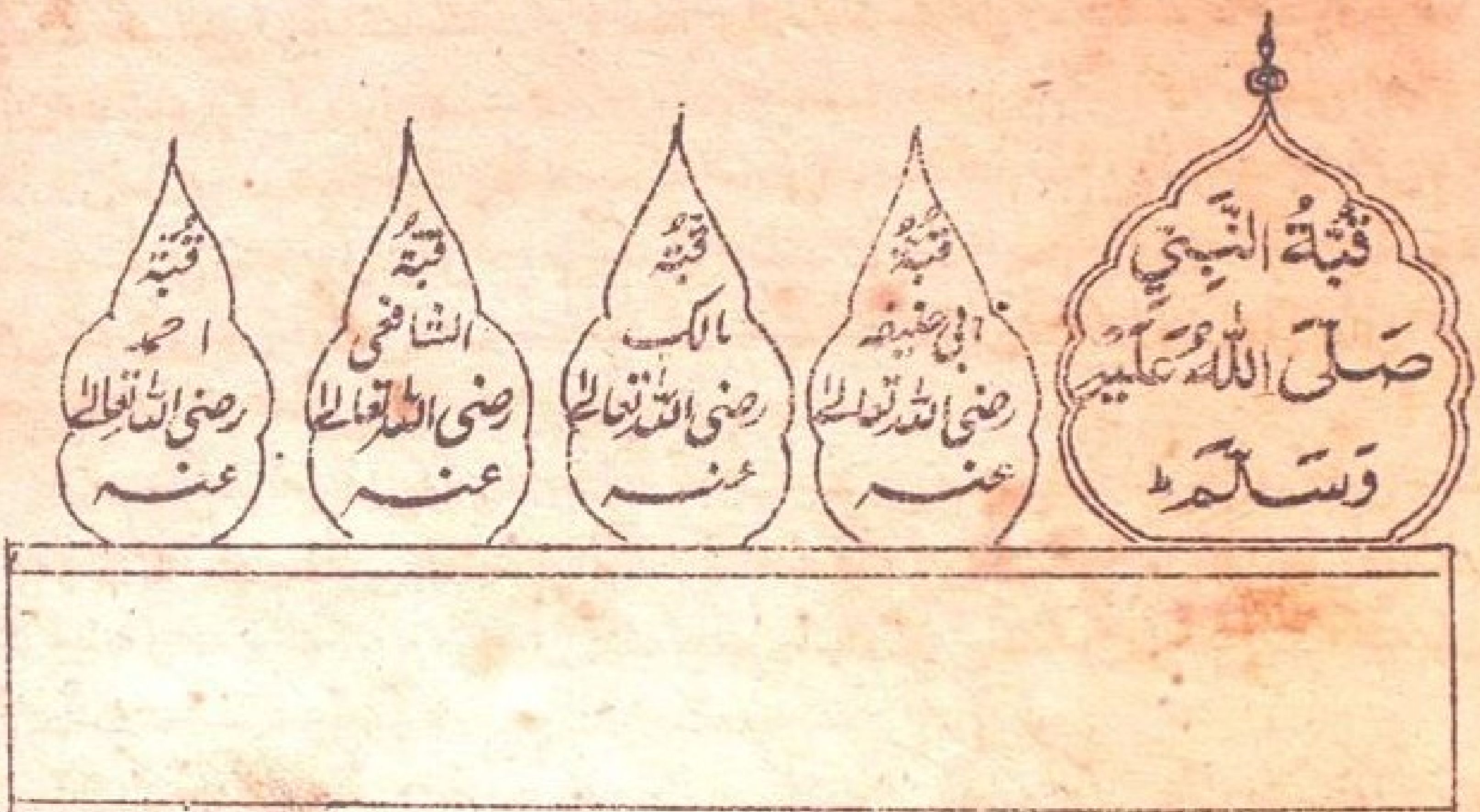
حضرت امام داؤد رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کی طرف

حضرت امام ابواللیث رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کی طرف

حضرت امام اسحاق رضی اللہ عنہ کا راستہ جنت کے دروازہ کی طرف

حضرت امام عبدالرحمن اوزاعی رضی اللہ عنہ کا رستہ جنت کے دروازہ کیطرف

یہ آئمہ مجتہدین کے اون گنبدوں کی مثال ہے جو جنت کی نہر حیات پر واقع ہیں۔ وہ نہر حیات جو دنیا میں دریائے شریعت کی جائے ظہور ہے۔ اور اس کے اندر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آئمہ کے قبوں کے ساتھ اسوجہ سے ذکر کیا ہے کہ آئمہ اربعہ نے اس مقام کو محض آپ کی شریعت کے اتباع سے حاصل کیا ہے۔ تو جنت میں ان کے لئے اعلٰے درجہ کی نعمت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا مشاہدہ ہے پس غور کرو اسمیں۔ ہدایت یاب ہو جاؤگے انشاء اللہ تعالٰے۔



ہم نے اس مثال میں مجتہدین میں سے صرف آئمہ اربعہ پر اقتصار اسلئے کیا ہے کہ یہی وہ حضرات ہیں جن کے مذاہب کی تدوین ہمارے زمانہ تک ہمیشہ رہی ہے۔ اور امت کو آپ کی شریعت کیطرف ہدایت کرنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حضرات قائم مقام اور نائب ہیں۔ تو گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک حیات ہی رہینگے۔ اسی وجہ سے ہم نے اون کے قبوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کے پہلو میں رقم کیا ہے۔ تو یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ دنیا میں جدا ہوئے اور نہ آخرت میں جدا ہونگے۔ اور یہ قبے میں نے اپنی عقل سے نہیں رقم کئے ہیں بلکہ چونکہ میں نے بعض دفعہ جنت میں اسی صورت سے دیکھا ہے۔ اس لئے اسطرح لکھدیا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اور یہاں امثلہ کی فصل ختم ہوگئی۔ اور اب ہم اوس فصل کو شروع کرتے ہیں جس میں رائے کی مذمت بیان کی جائیگی مچنانچہ ہم اللہ کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں:۔

فصل۔ اس کے اندر لوگوں کے آئمہ مجتہدین کو اسوجہ سے برا جاننے کا بیان ہوگا کہ اونکا خیال ہے کہ یہ حضرات خدا تعالٰے کے دین میں رائے سے کام لیتے ہیں۔ اور بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

جاننا چاہئے کہ میں نے اس فصل کو اس کے بعد کی اون فصلوں پر جن میں احادیث اور اقوال کے مابین جمع کرنے کا ذکر کیا جائیگا اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ تاکہ میں طالب علموں کو متنبہ کردوں۔ کہ تمام مجتہدین خدا تعالے کے دین میں قول بالرای سے بالکل بری ہیں۔ اور اون کو اس طرف رغبت دلاؤں کہ وہ بطیب خاطر مجتہدین کے تمام اقوال پر عمل کرنے لگیں اور میزان کے دونوں مرتبوں کے موافق اونکا شرح صدر ہو جائے۔ کیونکہ اون کے تمام اقوال میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف اور تشدید سے خارج نہیں ہیں۔ اور تمام ائمہ مجتہدین اپنے شاگردوں کو ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر ہمارے کسی کلام کو ظاہر قرآن و حدیث کے مخالف پاؤ۔ تو قرآن و حدیث ہی پر عمل کرو۔ اور ہمارے کلام کو دیوار پر پھینک مارو۔ اور یہ فرمانا اونکا اُمت کی احتیاط اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کے اظہار کی وجہ سے تھا۔ کہ کہیں شریعت نبوی میں ہماری جانب سے کسی ایسے امر کی زیادتی نہ ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہ ہو۔ اور نہ آپ اوس سے راضی ہوں۔ اور اس خوف سے تھا کہ اگر ہم سے شریعت میں امر مذکور کی زیادتی ہو گئی۔ تو کہیں ہمارا نام ائمہ مضلین کی فہرست میں نہ درج ہو جائے۔

اگر تم سوال کرو اُس قول کی کیا ماہیت اور تعریف ہے جس سے خدا و رسول راضی نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ وہ ایسا قول ہوتا ہے جو اوس شریعت کے قوانین سے خارج ہو جسکا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ہے تو جس امر کی صحت کی شریعت اور اوس کے قوانین شہادت دیتے ہوں وہ منجملہ شریعت کے شمار کیا جائیگا۔ اگرچہ شارع نے اوسکی تصریح نہ کی ہو

اور بیہقی نے اپنی کتاب (سنن الکبریٰ) کے باب قضاء میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ دین میں وہ رائے جس کی مذمت ثابت ہے وہ رائے ہوتی ہے جو شریعت کی کسی اصل کے مشابہ نہ ہو اور جس قدر احادیث ذم رائے میں وارد ہیں۔ اون سب میں اوس مذموم رائے۔ یہی مراد ہے +

جب تم اسکو جان چکے۔ تو سمجھو کہ شریعت کی تین قسمیں ہیں اوّل وہ احادیث جنکا ورود بذریعہ وحی ہوا ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ یحرم من الرضاع مایحرم عن النسب جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ اور یہ حدیث کہ لا تنکح المرءۃ علی عمتہا ولا خالتہا نہ نکاح کیجائے عورت باوجود اوسکی پھوپھی اور خالہ کے نکاح میں ہونے کے۔ اور یہ حدیث کہ لا یحرم فی الرضاعۃ المصۃ ولا المصتان یعنی حرمت رضاعت ایک دفعہ یا دو دفعہ چسکی لگانے سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور یہ حدیث کہ الدیۃ علی العاقلۃ یعنی خون بہا قاتل کے خویش و اقربا پر ہے۔ اسی طرح وہ قوانین اور اصول جو قائم مقام ان احادیث کے ہیں ثبوت شرعی میں تو یہ سب مانند قرآن شریف کی ہیں اس بارہ میں کہ ان کی عدم مخالفت پر اجماع منعقد ہو گیا ہے +

دوسری قسم وہ احکام ہیں جن کی بارتعالے نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی رائے سے جاری کرنے کی اجازت بخشی ہے اسطرح کہ اپنی اُمت کو اونکا ارشاد فرماویں جس طرح مردوں کے واسطے ریشمی لباس پہننے کو حرام قرار دینا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مکہ شریفہ کو حرم بنانے

کی حدیث میں اذخر کو مستثنیٰ فرمانا جسوقت آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ مگر اذخر یارسول اللہ ۔ علیٰ ہذا القیاس یہ حدیث کہ (اگر مجھ کو اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں اونکو حکم کرتا کہ وہ نماز عشاء کو ثلث رات تک مؤخر کیا کریں ۔ اور مثلاً اس حدیث میں کہ ایک صحابی نے حج فرض کے بارے میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا وہ ہر سال فرض ہے ۔ تو آپ نے جواب دیا ۔ کہ نہیں ۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ اگر میں اسوقت ہاں کہدیتا ۔ تو وہ حج ہر سال میں واجب ہو جاتا ۔

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع اپنی اُمت پر تخفیف فرماتے تھے ۔ اور اون کو کثرت سوال سے منع کرتے ۔ اور ارشاد فرماتے تھے ۔ کہ (چھوڑے رکھو مجھ کو جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں ۔) کیونکہ اون کے سوال کرنے میں خوف تھا کہ مبادا احکام کے نزول میں اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ اونپر عمل کرنے سے یہ لوگ عاجز ہو جائیں ۔

تیسری قسم وہ احکام ہیں جو شارع نے امت کی فضیلت اور اون کے ادب کا باعث بنائے ہیں کہ اگر اُمت اون کی مرتکب ہوگی ۔ تو فضیلت حاصل کریگی ۔ اور اگر ترک کریگی ۔ تو اون پر کوئی گناہ نہیں ہوگا ۔ اور اوس کی مثال جیسے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگانے کے کسب سے منع فرمایا ہے ۔ اور بجائے پاؤں دھونے کے موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا ہے ۔ اسی طرح مثلاً عورتوں کو زیارت قبور اور ریشمی لباس سے مردونکو منع فرمایا ہے ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے لئے حدیث فیصلہ کرنے والی ہے نہ برعکس ۔ اسلئے کہ حدیث میں مجملات قرآن کا بیان اور اوس کی تفصیل ہے ۔ اسی طرح آئمہ مجتہدین وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجملاتِ حدیث کو ہمارے واسطے واضح کردیا ۔ اور اون کے متبعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجتہدین کے مجملات کو واضح کردیا ۔ اور اسی طرح تاقیامت قائم رہیگا +

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے ۔ اگر حدیث ہمارے واسطے مجملات قرآن کا مفصل بیان نہ کرتی ۔ تو ہرگز کوئی عالم پانیوں اور طہارت کے احکام کا استخراج نہ کرسکتا اور نہ یہ بات معلوم ہوتی ۔ کہ فجر کی نمازمیں دو رکعتیں فرض ہیں ۔ اور ظہر میں اور عشا و عصر میں چار رکعتیں اور مغرب میں تین ۔ اور نہ یہ بات کہ توجہ الی القبلۃ کے وقت کیا دعا پڑہنی چاہئے ۔ اور نماز کے شروع میں کیا ۔ اور تکبیر کیسی ہوتی ہے ؟ اور رکوع اور سجدوں اور اون کے درمیان میں کیا ذکر مشروع ہے ۔ اور نہ اسکا پتہ چلتا کہ جلسہ تشہد میں کیا پڑھنا چاہئے ۔ اور نہ نماز عیدین اور کسوف وخسوف کی نمازوں کا طریقہ معلوم ہوتا ۔ اور نہ نماز جنازہ اور استسقاء وغیرہ کا ۔ اسی طرح یہ بھی نہ معلوم ہوتا کہ زکوٰۃ کا نصاب کتنا ہے ۔ اور روزے اور حج اور بیع اور نکاح وغیرہ کے ارکان کیا ہیں ۔ غرض فقہ کے تمام ابواب سے کورے ہوتے +

کسی مرد نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا ۔ کہ آپ ہم کو تمام باتیں قرآن شریف ہی سے بتلایا کیجئے ۔ تو آپ نے جواب دیا ۔ کہ تو تو احمق ہوگیا ہے ۔ کیا قرآن شریف میں فرض نمازوں کی رکعات کا بیان ہے ۔ کہ اتنی پڑھو ۔ اور کیا اوس میں اسکا بھی بیان ہے ۔ کہ علان

فلاں نمازوں میں جہر کرو۔ اور فلاں فلاں میں اخفاء۔ تو اوس کو کہنا پڑا کہ نہیں۔ اور پھر چپ ہو گیا۔ (انتہیٰ)

امام بیہقی نے اپنی کتاب (سنن) کے اندر صلوٰۃ مسافر کے باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا۔ کہ ہم قرآن مجید میں نماز خوف تو پاتے ہیں۔ لیکن اوس میں نماز سفر (یعنی قصر) کا کہیں ذکر نہیں۔ تو آپ نے اوسکو یہ جواب دیا۔ کہ اے بھتیجے: اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اور ہم کچھ نہیں جانتے۔ البتہ جو کام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے ہیں اوسی پر ہم بھی عمل کرتے ہیں۔ تو سفر میں نماز کا قصر کرنا ایک طریقہ ہے جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے۔ (انتہیٰ) اس میں غور کرو۔ کیونکہ مضمون نفیس ہے ✢

(فصول) ان کے اندر شارع علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی اون روایات اور اقوال کا بیان ہے جن سے دین میں رائے کو دخل دینے کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہم کو صحیح روایت پہونچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اور اوسکو دانتوں سے خوب مضبوط دبالو۔ اور نئی باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ اسلئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ✢

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر وہ امر جسکا ہم نے حکم نہ کیا ہو۔ وہ مردود ہے ✢

اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اپنی صحیح کے اندر کتاب الفرائض کے شروع میں یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ تعلموا العلم قبل الظانین یعنی علم کو سیکھو اون لوگوں سے پہلے جو دین الٰہی میں اپنی رائے اور ظن سے کلام کرتے ہیں۔ تو اس میں غور کرو۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے اون لوگوں سے کسطرح انکار فرمایا۔ جو دین خداوندی میں اپنی رائے سے گفتگو کرتے ہیں ✢

اور امام ترمذی (رضی اللہ عنہ) نے یہ باسناد حسن روایت بیان کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ (اگر تیری یہ خواہش ہو کہ تو ایک لحظ بھی پل صراط پر نہ ٹھیرے۔ تو تجھکو چاہیئے کہ دین الٰہی میں کوئی بات اپنی رائے سے پیدا نہ کرے (انتہیٰ)

اور عبداللہ بن عباس اور مجاہد اور عطاء وغیرہ رضی اللہ عنہم اپنے اقوال میں رائے کے داخل ہو جانے سے بیحد ڈرتے تھے۔ اون کے ڈر کا اندازہ اس سے اچھیطرح کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن سیرین رضی اللہ عنہما کی اگر کوئی آبروریزی کر دیتا تھا۔ پھر وہ اون سے اوسکو معاف کرانا چاہتا۔ تو جواب میں یہ فرما دیتے تھے کہ جب اللہ تعالےٰ نے

مومنوں کی آبروؤں کو خراب کرنا حرام فرمایا ہے۔ تو میں اونکو کیسے حلال کر سکتا ہوں۔ مگر یہ دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ تجھکو بخشدے +

بعض عارفین نے بیان کیا ہے کہ وضاحت مضمون مذکور کی یہ ہے کہ غیبت اور ہر اوس معصیت کے جس میں بندہ واقع ہو جاتا ہے۔ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اوس معصیت کا تعلق محض باریتعالےٰ کے ساتھ ہو۔ اور بندہ کا اوس میں کچھ دخل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ بندہ سے اوسکا تعلق ہو۔ اس صورت میں اللہ تعالےٰ مخاصم سے مواخذہ کریگا۔ جب آخرت میں بندہ کی جانب سے مجادلہ کی نوبت آئیگی (انتہٰی)

اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ وہ فرماتے تھے۔ کہ کوئی شخص کسی کی اوس کے دین میں ہرگز تقلید نہ کرے کہ اگر وہ مومن ہو جائے گا میں بھی مومن ہو جاؤنگا۔ اور اگر (نعوذ باللہ) وہ کافر ہوگا۔ تو میں بھی کافر ہونگا۔ یعنی واقع میں اور اپنے دین کو دیکھو۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ جب وہ لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے۔ تو یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ عمر کی رائے ہے اگر یہ صحیح ہے تو خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے ورنہ عمر کی طرف سے +

اور بیہقی نے حضرت مجاہد اور عطا سے روایت بیان کی ہے کہ وہ دونوں صاحب فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے کلام میں سے بعض قابل اخذ ہے۔ اور بعض اوسی پر رد ہے سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح حضرت مالک ابن انس (رحمتہ اللہ علیہ) کا قول ہے جو عنقریب اس کے بعد والی فصل میں آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عنقریب ایک قوم آئیگی۔ جو تم سے قرآن شریف کے شبہات کے ساتھ مجادلہ کریگی۔ تو تم کو چاہئے کہ اون سے بذریعہ سنن مواخذہ کرو۔ کیونکہ صحاب سنن خدا تعالےٰ کی کتاب (قرآن شریف) کے زیادہ جاننے والے ہیں خطابی کا قول ہے کہ اصحاب سنن حدیث کے حفاظ اور اوس کے سمجھنے والے ہیں جس طرح آئمہ مجتہدین اور اُن کے کامل متبعین کیونکہ یہی لوگ اون احکام کو خوب سمجھتے ہیں جنکو احادیث متضمن ہیں +

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان میں کسی کو یہ کہتے سُنا کہ اس حدیث پر کب تک عمل کیا جائیگا۔ کہ اشتغلوا بالعلم یعنی علم میں مشغول رہو۔ تو اوسکو امام موصوف نے بہت ڈانٹا اور فرمایا۔ کہ اُٹھ اور آج کے بعد سے پھر کبھی میرے پاس نہ آ۔ پھر آپ اپنے شاگردوں سے فرمانے لگے۔ کہ میں نے سوائے اس فاسق کے اور کسی کو کبھی اپنے مکان میں آنے سے منع نہیں کیا (انتہٰی)

تو صاحبو! غور کرو کہ امام صاحب نے اوسکو کسقدر ڈانٹا محض اس کہنے کی وجہ سے کہ اس حدیث پر کب تک عمل کیا جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ کوئی امام ایک بالشت کے برابر بھی سنت سے علیحدہ ہونے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

اسی طرح ہم نے سنا ہے کہ کوئی نغمہ سرا خلیفۂ وقت کو گانا سنایا کرتا تھا۔ تو اوس خلیفہ سے کہا

اور مجاہد کا یہ طریق تھا۔ کہ جب وہ کوئی فتوے لکھتے۔ تو اپنے شاگردوں سے فرما دیتے کہ میرے ہر فتوے کو نہ لکھ لیا کرو۔ البتہ حدیث کے لکھنے میں تامل ہرگز نہ کرو۔ اور وجہ یہ ہے کہ آج جو کچھ میں نے تم کو فتوے دیا ہے۔ احتمال ہے کہ شاید کل کو اس سے رجوع کر جاؤں +

اور اعمش رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوپر سنت کی پیروی لازم پکڑو۔ اور بچوں کو اوسکی تعلیم دو۔ کیونکہ یہ بچے اپنے زمانہ میں لوگوں کے دین کے محافظ ہونگے +

اور ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ جس شخصکو حدیث میں تبحر ہو جائے۔ تو اور لوگ اوس کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے گائے بیل +

اور ابو بکر عباس کا قول ہے کہ حدیث کے علماء ہر زمانہ میں ایسے ہیں جیسے اہل ادیان کے مقابلہ میں اہل اسلام اور یہاں علماءِ حدیث سے وہ لوگ مراد ہیں جن میں اہل سنت فقہاء بھی داخل ہیں۔ اگرچہ وہ حدیث کے حافظ نہ ہوں +

اور ابو سلیمان خطابی فرماتے تھے کہ حدیث میں جنگ وجدال ہرگز نہ کرو۔ اور نہ آئمہ کے اقوال میں کیونکہ باریتعالے فرماتا ہے۔ مَا یُجَادِلُ فِیْ اٰیَاتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ یعنی نہیں جھگڑا کرتے اللہ تعالے کی آیتوں میں مگر کافر لوگ) اور کوئی بددینی اور بدعت اور کفر اللہ تعالے پر جری ہوجانا نہیں پیدا ہوتا مگر جدال اور علم کلام سے۔

اور عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے۔ کہ جب تم لوگوں کو کسی امر دینی میں باہم سرگوشی کرتے دیکھو۔ تو جان لو کہ یہ گمراہی اور بدعت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بڑے اور بزرگ لوگ اہل سنت ہیں۔ اور اون میں سے ذلیل لوگ اہل بدعت ہیں +

اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سواد اعظم سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں۔ چاہے ایک ہی فرد کیوں نہ ہو۔ اسکو خوب سمجھ لو +

اور آئمہ رضی اللہ عنہم سے جو اقوال رائے کی مذمت میں منقول ہیں تو اون چاروں میں سب سے پہلے ہر اوس رائے سے بیزار جو مخالف شریعت ہو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں برخلاف اون متعصبوں کے جو آپ کو اوس رائے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کسقدر شرمندہ ہونگے وہ لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے قیامت کے دن جب مواجہہ اور آمنا سامنا ہوگا۔ کیونکہ جس شخص کا دل منور ہوگا۔ وہ ہرگز اسپر جرأت نہیں کرسکتا کہ کسی امام کو برائی سے یاد کرے۔ اور اوسکو آئمہ رضی اللہ عنہم سے کیا نسبت۔ کیونکہ وہ آسمان کے ستارے ہیں۔ اور دوسرے لوگ زمین کے باشندے ہیں۔ جو اون ستاروں کا پانی میں عکس دیکھتے ہیں +

اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (فتوحات مکیہ) میں السند کامل امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو دین خداوندی میں قول بالرائے سے دور رکھو۔ اور اتباع سنت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ جو شخص سنت سے خارج ہو گیا ہو۔ وہ گمراہ ہے +

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مجتہدین نے ایسی چند اشیاء کے بھی احکام بیان کئے ہیں جنکے حرام

یا واجب ہونے کی شریعت میں تصریح نہیں۔ حالانکہ اُنہوں نے اون کو واجب یا حرام ٹھیرایا ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر اونکو یہ قرائن ادلہ اون اشیاء کی حرمت یا وجوب نہ معلوم ہوگیا ہوتا تو وہ ہرگز اون کی حرمت یا وجوب کے قائل نہ ہوتے۔ اور قرائن ادلہ کی خوب تصدیق کرتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ اون کو بذریعہ کشف بھی اون اشیاء کی حرمت یا وجوب معلوم ہوگیا ہوگا چنانچہ اس سے قرائن مؤید اور قوی ہو گئے۔ (انتہی)۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فرقہ (قدریہ) اس اُمت کے مجوس اور گروہ دجال میں سے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جس شخصکو میرے قول کی دلیل نہ معلوم ہو۔ اوسے میرے کلام کے ساتھ فتوٰے دینا حرام ہے۔ اور امام موصوف کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کوئی فتوٰی دیتے تھے تو یہ فرما دیتے تھے کہ یہ ابوحنیفہ کی رائے ہے۔ اور جہاں تک اوس کی فہم نے رسائی کی۔ تو اوسکو یہی جواب پسند آیا۔ اب اگر کسی کی فہم میں اس سے بھی اچھا کوئی حکم آئے۔ تو وہ حق کے زیادہ قریب ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو لوگوں کی رائیوں سے بچاؤ ✣

ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک کوئی مرد جو آپ سے حدیث پڑھا کرتا تھا حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ ہم کو (ان حدیثوں سے علیحدہ کرو) امام صاحب نے اوسکو بہت سخت ڈانٹا اور فرمایا کہ اگر حدیث نہ ہوتی۔ تو ہم میں سے کوئی آدمی قرآن شریف کو نہ سمجھ سکتا" پھر آپ نے اوس مرد سے سوال کیا۔ کہ بندر کے گوشت کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو۔ اور قرآن مجید میں اوس کی حرمت یا حلت کی کوئی دلیل ہے۔ تو وہ مرد ساکت ہوگیا۔ پھر اوس نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی اوس میں کیا رائے ہے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ بندر (بہیمۃ الانعام) چارپایہ حیوانات میں سے نہیں ہے ✣

صاحبو! غور کرو۔ کہ امام صاحب نے حدیث کی طرفداری میں کسقدر بحث کی۔ اور اوس مرد کو جس نے احادیث پر نظر چھوڑ دینے کی درخواست کی کسقدر ڈانٹا اور ڈوپٹا۔ تو پھر کسیکو کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ امام صاحب کو قول بالرائے سے آلودہ کرے اور کہے کہ آپ دین میں اس قسم کی رائے زنی کرتے تھے جس کے لئے نہ قرآن میں کوئی شہادت ہوتی تھی۔ نہ حدیث میں۔ حالانکہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ (علمائے سلف کے اقوال کو لازم پکڑو۔ اور اپنے آپ کو لوگوں کی رائے فی الدین سے بچاؤ۔ اگرچہ لوگ اپنے مونہوں سے بکا کریں۔ کیونکہ حقیقت حال اپنے وقت میں ظاہر ہو ہی جائیگی۔ اور تم سیدھے راستہ پر ہو)

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بدعتوں اور جدید امور شریعت میں پیدا کرنے سے بچاؤ اور اپنے اوپر اوسی پہلے اور قدیم طریقہ کو لازم پکڑو ✣

ایک شخص کوفہ میں دانیال کی کتاب لے کر آیا۔ تو امام موصوف قریب تھے کہ اوسکو قتل کر دیتے اور فرمایا کہ کیا قرآن وحدیث کے سوا کوئی اور بھی کتاب ہے ✣

ایک دفعہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا۔ کہ لوگ آجکل عرض جوہر جسم وغیرہ میں بڑی گفتگوئیں کرتے ہیں۔ آپ اسمیں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ سب فلاسفہ کے مباحث

ہیں۔ تم کو چاہیئے کہ حضرات سلف کے آثار اور اون کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اور بدعت سے بہت دور رہو +

ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا کہ لوگوں نے حدیث پر عمل کرنا تو ترک کر دیا ہے اور اوس کے پڑھنے کیطرف بہت متوجہ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا اوسکو پڑھنا ہی اوسپر عمل کرنا ہے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اوسوقت تک ہدایت اور نیکی پر رہینگے جب تک اون میں وہ نفوس باقی ہیں جو حدیث شریف کے طالب ہیں۔ اور جب حدیث کے بغیر علوم سیکھنے لگینگے۔ تو وہ لوگ فاسد العقیدہ اور بددین ہو جائینگے +

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالے عمرو بن عبید کو قتل کرے۔ کیونکہ اوس نے لوگوں کی لغو اور بیفائدہ باتوں میں غور و خوض کرنے کی بنیاد ڈالی +

اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے۔ کہ کسی کو اپنے منہ سے ایسا کلام نکالنا جائز نہیں جسکو شریعت قبول نہ کرتی ہو +

اور آپ کا دستور تھا کہ جب آپ کوئی ایسا مسئلہ نکالتے تھے جو قرآن کریم اور حدیث شریف میں صراحۃً موجود نہ ہوتا۔ تو آپ علماء کو جمع کر کے اون سے تصدیق کراتے تھے۔ اگر وہ اوسکو صحیح تسلیم کر لیتے تھے۔ تو اوسوقت اوسپر عمل کرتے تھے۔ ورنہ ترک کر دیتے تھے۔ علی ہذا القیاس جب آپ کسی حکم کا استنباط کرتے تھے۔ تو اوسکو لکھواتے نہ تھے جب تک علمائے زمانہ کو جمع کر کے اون کی رضاء اور ناراضی کو معلوم نہ کر لیتے تھے۔ اگر وہ سب بالاتفاق اوس کو منظور کر لیتے تھے۔ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اوس کے لکھنے کا امر فرماتے تھے ورنہ نہیں۔ تو جس انسان کے اتباعِ سنت کی یہ کیفیت ہو۔ اوس کو دین میں رائے زنی کی جانب کس طرح نسبت کر سکتے ہیں۔ خدا تعالے اپنی پناہ میں رکھے۔ عاقل کی شان سے یہ حرکت بہت بعید ہے۔ چنانچہ اس کا مفصل بیان اوس فصل میں آجائیگا جہاں امام صاحب کی طرف سے معترضین کو جوابات دیئے جائینگے۔ انشاء اللہ تعالے +

فتاوے سراجیہ کے مؤلف نے لکھا ہے۔ کہ جسقدر امام صاحب کے ہم عصر اور تلامذہ آپ کے ساتھ متفق رہے اسقدر کسی امام کے ہمعصر اور شاگرد اوس کے ساتھ متفق نہ رہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ امام صاحب نے اپنے مذہب کے تمام مسائل کو علمائے زمان کے مشورے سے لکھا ہے کسی مسئلہ میں آپ ہی تنہا واضع نہ بنے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ اپنے شاگردوں کے روبرو کوئی مسئلہ پیش کر کے اپنی رائے کا اظہار۔ اور اون سب کا عندیہ حاصل کرتے تھے۔ پھر اون سے مناظرہ کرتے تھے۔ جب دونوں قولوں میں سے کوئی قول ثابت ہو جاتا تھا۔ تو ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اوس مسئلہ کو ثبت فرما دیتے تھے۔ چنانچہ اسی دستور کے موافق اپنے مذہب کے تمام اصول و قوانین ضبط کرائے اور امام موصوف کی یہ کیفیت تھی کہ آپ اپنی فہم کامل سے وہ وہ مضامین پیدا کرتے تھے جن کے ادراک سے تیز طبع لوگ بھی عاجز رہ جاتے تھے۔ انتہی

اور امام صاحب کے اصحاب ابو یوسف محمد زفر حسن وغیرہ سے علامہ کمال الدین بن الہمام نے

نقل کیا ہے کہ ان سب حضرات کا قول ہے کہ ہم جس مسئلہ میں کوئی قول بیان کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ہی روایت ہوتی ہے۔ اور یہ قول اونکا بڑی سخت قسم کے ساتھ ہے۔ پس یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہ حنفی میں کوئی حکم اور مسئلہ ایسا نہیں ہے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمودہ نہ ہو۔ اور جس قول کی نسبت دوسرے اماموں کی طرف ہے۔ وہ بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کا مذہب ہے۔ اگرچہ مجازاً موافقت کیوجہ سے نسبت دوسرے امام کی طرف ہوگئی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میرا قول فلاں آدمی کے قول کی مثل ہے۔ اور میرا مذہب اوس کے مذہب کی مثل۔ حالانکہ درحقیقت نہ اوس شخص کا کوئی مذہب ہے۔ نہ کوئی قول۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جو کوئی امام صاحب کے تلامذہ اور اصحاب میں سے کسی کے قول کو بھی لے لیگا۔ تو وہ دراصل ایسا ہی ہے کہ گویا امام صاحب کے قول کو لے رہا ہے۔

فصل۔ اس میں اون اقوال کا تذکرہ ہے جو رائے کے مذموم ہونے میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ امام موصوف فرمایا کرتے تھے کہ بچاؤ اپنے آپ کو لوگوں کی رائے سے۔ مگر اوس امر میں جس پر علماء کا اجماع ہو جائے۔ اور جو کچھ تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوا ہے یا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے اوسکا اتباع کرو۔ اور جو کچھ تمہارے علماء بیان کریں اوسکو تسلیم کرو۔ اگرچہ اوس کے معنے تمہارے خیال میں نہ آئے ہوں۔ اور جدال اون سے ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ دین میں جدال کرنا بقیہ نفاق کی علامت ہے۔

اور ابن قاسم کا قول ہے کہ بلکہ یہ کامل اور پورا نفاق ہے۔ کیونکہ امر حق میں علماء سے لغو جدال کرنا ایسا ہے جیسا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجادلہ کرنا۔ اسلئے کہ تمام امور حقہ آپ کی شریعت مطہرہ میں داخل ہیں۔ اگرچہ مجادلین کے مراتب مختلف ہیں (انتہی)

اور امام موصوف فرماتے ہیں کہ آئمہ کے اقوال تسلیم کرو۔ اور ہرگز اون سے مجادلہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر ہم بڑے سے بڑے مجادل کی پیروی کرنے لگینگے۔ تو خوف ہے کہ کہیں جبرئیل علیہ السلام کے آوردہ احکام کی تردید میں نہ لگ جائیں۔

اور امام موصوف کا یہ دستور تھا۔ کہ جب آپ کسی حکم کا استنباط کرتے تھے۔ تو اپنے اصحاب کو کہتے تھے کہ اس میں غور سے کام لو۔ کیونکہ یہ دین ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ اوس کے کلام میں سے کچھ حصہ قابل اخذ۔ اور کچھ قابل رد نہ ہو۔ سوائے صاحب روضہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

اور علامہ ابن حزم نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب آپ کا وقت وفات نزدیک آگیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میری اسدم یہ خواہش ہے کہ ہر اوس مسئلہ کے عوض جو میں نے اپنی رائے سے بیان کیا ہو۔ میرے ایک ایک کوڑا مارا جائے۔ اور اگر میں نے آپ کی شریعت میں اپنی طرف سے کچھ زیادتی کی ہو۔ یا اوس کے کچھ بھی ظاہری خلاف کیا ہو۔ تو میری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو۔

پھر ابن حزم کہتے ہیں کہ یہی وجہ ہے جو امام موصوف نے حدیث کی روایت بالمعنی کو کامل ترک

کے واسطے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس میں خوف ہے کہ راوی حدیث شریف میں کچھ کمی یا زیادتی کردے ۔ (انتہی)

میں کہتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خوشخبری کا جملہ فرماتے دیکھا۔ اور وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں (اپنے اوپر اوس امام کے اقوال کے آگاہی لازم پکڑو جسکا وطن میرا دار ہجرت ہے) کیونکہ وہ احادیث کا بہت بڑا عالم ہے۔ چنانچہ میں فوراً تعمیل ارشاد میں مصروف ہوگیا۔ اور اوسی وقت سے آپ کی کتاب (موطا) کا مطالعہ شروع کردیا۔ علی ہذا القیاس آپ کی دوسری کتاب (مدونۃ الکبریٰ) کو دیکھا۔ اور اوس کا اختصار کیا۔ اس طرح کہ اوسمیں سے وہ مسائل جن میں آپ باقی اماموں سے ممتاز ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ مبارک سے علیحدہ کتابی صورت میں لکھدیئے۔ اور جہانتک میں نے غور کیا۔ امام موصوف کو حد شریعت سے کسی مسئلہ میں باہر قدم رکھتے نہ دیکھا۔ اور تب ہی سے مجھ کو یقین ہوگیا۔ کہ شریعت میں جدید بات نکالنے سے یہی زیادہ بہتر ہے کہ صرف اونہی احکام و مسائل پر اقتصار کیا جائے جو شریعت میں وارد ہو چکے ہیں۔ اگرچہ وہ جدید بات اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بعض مرتبہ شارع علیہ السلام کسی امر میں حرمت یا وجوب کا حکم زیادہ کردینے سے راضی نہیں ہوتے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین ۔

فصل ۔ اس میں وہ اقوال ذکر کئے جائینگے۔ جو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے دین کے اندر رائے مذموم ہونے میں منقول ہیں:۔

ہروی نے بسند کامل امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ کا قول ہے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف جب پایہ صحت کو پہونچ جائے۔ تو وہ بے پرواہ ہے (انتہی)

مطلب یہ ہے کہ حدیث شریف کے لئے اور شے کسی مؤید کی ضرورت نہیں جب اوس کی دلیل صحیح ہو۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ حدیث شریف قرآن مجید کا فیصلہ کرتی ہے۔ نہ قرآن حدیث کا۔ اور قرآن کے مجملات کی تفصیل بھی حدیث ہی کرتی ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے اوس شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا جو حالت احرام میں زنبور کو مار ڈالے۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو دیں۔ وہ لے لو۔ اور جس سے منع فرمائیں۔ اوس سے باز رہو۔

امام محمد کوفی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک دفعہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو مکہ معظمہ میں لوگوں کو فتوے دیتے دیکھا۔ اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اثنائے گفتگو میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایک حدیث بیان کرنے لگے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ھل ترک لنا عقیل من دار یعنی کیا ہمارے واسطے عقیل نے کوئی گھر چھوڑا ہے۔ (مترجم کہتا ہے۔ کہ حدیث بخاری اور مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے اور پوری حدیث اسطرح ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مکہ کے قریب پہونچے۔ تو اسامہ نے عرض کیا۔ کہ اپنے مکانات میں سے کس کے مکان میں حضرت اترینگے۔ اپنے مکان میں۔ یا حضرت علی کے۔ یا جعفر طیار کے۔ تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور ارشاد فرمائی۔ کہ کیا ہمارے واسطے عقیل نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی

کوئی گھر چھوڑا ہے۔ کیونکہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ تو حضرت عقیل اوسوقت تک ایمان نہ لانے کی وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ اور اپنے باپ کے تمام مال کے بھی وارث ہوئے۔ اور تمام مکانات فروخت کر دیئے۔ اسی حدیث سے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ مکہ کے مکانات کا بیع کرنا درست کہتے ہیں) (انتہیٰ)

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جب یہ حدیث بیان کر چکے۔ تو اسحٰق جو آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہنے لگے ہم کو حسن اور ابراہیم اور عطاء اور مجاہد رضی اللہ عنہم سے یہ روایت پہونچی ہے۔ کہ وہ مکہ کے مکانات کا فروخت کرنا جائز نہیں کہتے۔ تو امام شافعی علیہ الرحمتہ کو اونپر غصہ آیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص تیرے سوا ایسا کلام کرتا۔ تو میں اوسکی گوشمالی کرتا۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ اور تم اون کے مقابلہ میں عطاء اور مجاہد اور حسن کا قول لاتے ہو۔ کیا کوئی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے فرمان میں کسی قسم کی حجت کر سکتا ہے +

اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے قیاس کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ عند الضرورت جائز ہے +

اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ لولا اھل المحابر لخطبت الزنادقۃ علی المنابر۔ یعنی اگر اہل تحریر نہ ہوتے۔ تو بد دین لوگ منبروں پر خطبہ پڑھا کرتے +

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ الاخذ بالاصول من افعال ذوی العقول ولا ینبغی ان یقال فی شئی من الاصول لم ولا کیف یعنے علم اصول کی پابندی کرنا عقلمندوں کا کام ہے۔ اور یہ مناسب نہیں کہ اصول شریعت کے کسی حکم میں چون وچرا کی جائے +

ایک دفعہ لوگوں نے امام صاحب سے سوال کیا۔ کہ حضرت اصول سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ قرآن و حدیث اور قیاس جو قرآن یا حدیث پر ہو

اور یہ فرماتے تھے۔ کہ جب کوئی حدیث جس کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی ہو۔ ہمارے درمیان شائع ہو۔ تو وہی قابل عمل حدیث ہے۔ لیکن اجماع اوس سے بھی بڑی شئے ہے اور جب حدیث متواتر ہو۔ تو اجماع اوسکا مقابلہ نہیں کر سکتا +

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ علمائے حدیث اپنے زمانہ میں مانند صحابہ کے ہیں +

اور یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول کی جائیگی۔ لیکن جب وہ متعدد معانی کا محتمل ہو۔ تو وہ معنی مراد لینے زیادہ بہتر ہیں جو ظاہری معنے سے ملتے جلتے ہوں +

اسی طرح یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں اہل حدیث کو دیکھ لیتا ہوں۔ تو ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھ لیا +

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو اوس حدیث کے قبول کر لینے سے دور رکھو۔ جو ایسے دیس سے وصول ہوئی ہو۔ جہاں کے سکان اہل رائے ہوں۔ مگر ہاں جب تفتیش کر لو +

اور امام موصوف یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم کلام میں منہمک ہو جائے۔ وہ اوس شخص کے مانند ہے جو دریا کے اندر اوس کی طغیانی کے وقت گھس پڑے۔ اپھر آپ سے سوال کیا گیا

کہ اے ابو عبد اللہ علم کلام تو علم توحید میں ہے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے توحید کی بابت سوال کیا تھا تب اونہوں نے یہ فرمایا تھا۔ کہ توحید اوس شئے کا نام ہے جس سے انسان اسلام کے دائرہ میں داخل اور اوس کی وجہ سے اپنے خون اور مال کو معصوم کرلے۔ اور وہ یہ کلام ہے۔ کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ جو شخص یہ کہے کہ اسم مسمّی کا غیر ہے یا عین ہے۔ تو اوس کے زندیق ہونے کا یقین کرلو +

بیہقی اور حاکم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی حدیث کی صحت ثابت ہو جائے۔ تو وہی ہمارا مذہب ہے۔ اس پر علامہ ابن حزم نے بیان کیا ہے۔ کہ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ خود اون کے نزدیک صحت ثابت ہو جائے۔ یا کوئی اور امام اوسکو صحیح تسلیم کرلے +

اور امام شافعی علیہ الرحمۃ سے دوسری روایت ہے۔ کہ جب تم میرے کلام کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مخالف دیکھو۔ تو وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کلام پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار سے پھینک مارو +

ایک مرتبہ امام موصوف نے ربیع سے فرمایا۔ کہ اے ابو اسحاق میرے ہر قول کی تقلید نہ کیا کرو۔ جب تک کہ خود بھی اوسمیں غور نہ کرلو۔ کیونکہ یہ دین ہے +

اور امام موصوف جب کسی حدیث میں توقف فرماتے تھے۔ تو یہ ظاہر کرتے تھے۔ کہ اگر وہ حدیث صحیح ہوتی۔ تو میں اوسپر ضرور عمل کرتا

اور بیہقی نے روایت مذکورہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے باب میں نقل کی ہے کہ المستحاضۃ تغسل عنہا اثر الدم وتصلی ثم تتوضأ لکل صلوٰۃ یعنی استحاضہ والی عورت دھووے اپنے بدن سے اثر خون کا۔ اور نماز ادا کرے۔ اور ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کیا کرے پھر فرمایا۔ کہ اگر یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہوتی۔ تو اس پر ضرور عمل کرتے۔ اور حدیث مذکور پر عمل کرنا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر قیاس کرنے سے کہ الوضوء مما خرج من قبل او دبر وضو اوس چیز سے لازم ہے جو آگے یا پیچھے سے نکلے۔ ہم کو زیادہ پسندیدہ ہوتا۔ (انتہی)

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی وامی) سے کوئی امر ثابت ہو جائے۔ تو ہمیں اوسکو ترک کرنا حلال نہیں +

اور باب سہم براذین میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر اس قسم کی حدیثیں ہمارے نزدیک ثابت ہو جاتیں۔ تو ہم انکا ہرگز خلاف نہ کرتے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر ہمارے نزدیک اس قسم کی حدیثیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جاتیں۔ تو ہم ضرور اونپر عمل کرتے کیونکہ وہ ہمارے واسطے تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا

کسی کا قول ہمارے لئے حُجّت نہیں - اگرچہ اوس کے قائلوں کی تعداد کثیر ہی کیوں نہ ہو - اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور پروردگارِ عالم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے سوا نہ کوئی قیاس حُجّت ہے - نہ کوئی اور شئے - امام صاحب کے اس قول کو بیہقی نے اپنی کتاب (سنن) کے باب (اَحَدُ الزَّوجَینِ یَمُوتُ وَلَمْ یَفرِض صِدَاقًا) میں روایت کیا ہے - علیٰ ہٰذا القیاس بیہقی نے اوسی کتاب کے باب (التّیسیر) میں امام موصوف سے روایت بیان کی ہے کہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے - کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے - تو اوس کے مقابلہ میں کسی کے واسطے کوئی شئے حُجّت نہیں ہو سکتی ✦

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان اس سے برتر ہے کہ ہم آپ کے فیصلہ اور فرمان کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اچھا جانیں ✦

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (اُمّ) کے باب (القصید) میں فرمایا ہے کہ جو شئے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے خلاف ہو - وہ ساقط ہے - اور آپ کے حُکم کے سامنے نہ کسی قیاس کی کچھ ہستی ہے - نہ کسی رائے کی - اور نہ کسی کا امر و نہی آپ کے فرمانِ ذی شان کا مُقابلہ کر سکتا ہے ✦

اور اوسی کتاب کے باب (المعلم یاکل من الصّید) میں فرماتے ہیں - کہ جب خبرِ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے - تو ہرگز کبھی کسی کو اوس کا ترک کرنا جائز نہیں ✦

اور اوسی کتاب کے باب (العتق) میں فرماتے ہیں - کہ کسی کا قول چاہے اوس کے قائل متعدد ہی کیوں نہ ہوں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بالمقابل حُجّت نہیں ہو سکتا - یہ وہ مواقع ہیں جو مجھے معلوم ہیں - اور اون سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اقوال کا کسقدر ادب کرتے ہیں - اور دین میں رائے زنی سے بالکل بری تھے ✦

بلکہ سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کا کلام تو ایک بہت ہی قابلِ عظمت و عمل شئے ہے - ہم کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ایسی روایات پہونچی ہیں - جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال کا بھی بہت بڑا ادب کرتے تھے ✦

چنانچہ ابن الصّلاح نے اپنی کتاب (علوم الحدیث) میں نقل کیا ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالۂ قدیمہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کی مناقب ثنا لکھکر تحریر فرماتے ہیں - کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہر علم اور اجتہاد و تقوے اور عقل اور نیز اوس امر میں جو بذریعہ علم حاصل کیا جا سکتا ہو - ہم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں - اور اون کی رائیں ہمارے لئے ہماری اپنی رایوں سے بہت بہتر ہیں (انتہیٰ)

بیہقی نے بیان کیا ہے - کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اوس شخص کے بارے میں فتوے طلب کیا گیا جس نے کعبہ شریف تک پیادہ چلنے کی نذر مانی ہو - اور پھر اوسے پورا نہ اترا ہو - بلکہ حانث ہو گیا - تو آپ نے فرمایا کہ اوسپر وہی کفارہ فرض ہے جو قسم کے اندر حانث ہو جانے میں لازم آیا کرتا ہے - سائل کو آپ کے اس جواب میں کچھ توقف سا ہوا - تو آپ نے فرمایا کہ یہ اوس شخص کا قول ہے جو مجھ سے بہت بہتر ہے - یعنی عطاء ابن ابی رباح رضی اللہ عنہ ✦

اور عنقریب اون فصلوں میں جہاں ہم امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے معترضین کو جواب دینگے - اور آپ کے رُتبے اور مقام کا بیان کیا جائیگا - یہ بات بھی ذکر کی جائیگی - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر زیارت کی غرض سے گئے تھے - اور وہیں صبح کی نماز پڑہنے کا اتفاق پڑ گیا تھا - تو آپ نے نماز میں دعائے قنوت چھوڑ دی تھی - اور یہ فرمایا تھا - کہ کس طرح سے پڑھوں جب امام صاحب یہ نماز صبح میں اوس کے قائل ہی نہیں - اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آئمہ مجتہدین کا ادب ظاہر کرنے اور اون کے تمام اقوال کو اچھے محملوں پر محمول کرنے کی غرض سے اور اس امر کے ظاہر کرنے کے خیال سے کہ آئمہ کسی قول کے اوسوقت تک قائل نہیں ہوتے جب تک شارع کے کلام سے اوس قول کی دلیل کو نہ تلاش کرلیں پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں اور اوس قول میں جو پہلے گذر چکا ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول ہمارے لئے حجت نہیں - کوئی منافات نہیں پس سمجھ لو +

علاوہ بریں یہ بات ہے - کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد سے ہُوا - یعنے جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اجتہاد کیا - کہ دعائے قنوت پڑہنا بہتر ہے یا آئمہ کے ادب کی وجہ سے اوسکو چھوڑ دینا بہتر ہے - تو یہی بات ذہن میں آئی - کہ آئمہ مجتہدین کا ادب واجب ہے - لہٰذا واجب کے مقابلہ میں سنّت کو ترک کردیا - کیونکہ ادائے سُنّت میں آئمہ مجتہدین کی بے ادبی کا خوف تھا +

اور میں یہ کہتا ہوں - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محض ادب کی غرض سے دعائے قنوت کو ترک نہیں کیا - کیونکہ اس غرض سے چھوڑ دینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی لازم آتی ہے - اِسلئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دعائے قنوت کو نماز فجر میں سنّت کہتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے - تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے عدم مسنونیت کے قول کی وجہ سے دعائے قنوت کو ترک کردینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی نہیں - تو اور کیا ہے - جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند شان سے بہت بعید ہے +

بلکہ میرے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دُعائے قنوت کو ترک کردینا اسوجہ سے تھا - کہ اوس خاص وقت میں دونوں اماموں رضی اللہ عنہما کا اجتہاد دعائے قنوت کے عدم مسنونیت میں متحد ہوگیا تھا - اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی منجملہ متعدد کرامتوں کے ایک کرامت تھی - اور اس سے کچھ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے رُتبہ کے مقابلہ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مرتبہ میں کچھ نقص لازم نہیں آتا - بلکہ اس میں دونوں اماموں کے کمال مرتبہ کا لحاظ کیا گیا ہے +

علاوہ ازیں یہ بات ہے - کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ادب اور اون کی تعظیم اسقدر منقول ہے - جو کافی سے زائد ہے - مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو

خداداد عقل اور فراست ہے۔ چنانچہ اوس کے واقعات اس کتاب میں اکثر تمہاری نظروں کے سامنے گذرینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ✦

بعض علماء نے بیان کیا ہے۔ کہ اگر ہم امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ترک قنوت کو محض امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ادب ہی پر مبنی رکھیں۔ تو اوس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ادب کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ تو جو شخص اپنے بھائی کا ادب کرتا ہے۔ تو وہ درحقیقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور اون کے فرمان کی پیروی کرتا ہے۔ پس سوچ لو ✦

اور عنقریب اوس فصل میں جہاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے معترضین کو جواب دیا جائیگا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا وہ قول آجائیگا جو اوس مرد کے جواب میں فرمایا ہے۔ جس نے امام موصوف سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اور وہ قول یہ ہے کہ (کیا گفتگو کرتے ہو ایسے شخص کے بارے میں جس کی یہ شان ہے کہ اگر وہ مجھ سے اس ستون کے بارہ میں مناظرہ کرے۔ اور کہے کہ نصف اس کا پتھر ہے۔ اور نصف آخر چاندی۔ تو اوس کو دلیل سے ثابت کردے)

علیٰ ہذا القیاس امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ علم فقہ میں تمام لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ صاحبو! غور کرو۔ کہ آئمہ مجتہدین میں سے ایک امام دوسرے کی کسقدر عزت کرتا ہے۔ تم کو بھی چاہئے کہ اسی طرح تمام کا ادب کرو۔ اور ہرگز اپنے امام کی بلا دلیل ایسی طرفداری نہ کرو جس سے دوسرے امام کی تحقیر لازم آئے۔ ورنہ حق کے خلاف اور خطاوار ثابت ہوگے۔ اور اس طرفداری کی صورت میں قیامت کے دن سب سے پہلے تم سے تمہارا امام بیزار ہوگا ✦

اور امام لیث کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ (جب انہوں نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کوئی استفتاء روانہ کیا۔ اور دریافت کیا کہ اس میں خدا تعالےٰ کا کیا حکم ہے۔ تو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے امام لیث کو بعد حمد و ثنا کے لکھ بھیجا۔ کہ (اما بعد فانک یا اخی امام ھدی وحکم اللہ تعالیٰ فی ھذہ المسئلۃ ما قام عندک) یعنی بعد حمد و ثنا کے اے بھائی بیشک تم امام ہادی ہو اور باریتعالےٰ کا اس کے اندر وہی حکم ہے جو تمہارے نزدیک ثابت ہوجائے۔) پس جان لو اسکو والحمد للہ رب العالمین

(**فصل**) اس کے اندر اون اقوال کا بیان ہوگا جو امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے مذمت رائے اور اون کی قرآن و حدیث کی پابندی کے بارے میں منقول ہیں ✦

بیہقی نے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا۔ تو آپ یہ فرمایا کرتے (کیا کسی کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کلام ہے۔ یعنی آپ کے مقابلہ میں)

اور ہم کو صحیح خبر پہونچی ہے کہ جسطرح باقی اماموں نے اپنا کلام جمع کیا ہے انہوں نے ایسا

نہیں کیا اس خوف سے کہ مبادا مجھ سے کسی ایسی رائے کا صدور نہ ہو گیا ہو جو مخالف شریعت ہو - بلکہ آپ کا تمام مذہب لوگوں کے سینوں میں ودیعت رہا - اور ہم نے سنا ہے کہ امام موصوف نے نماز میں تقریباً بیس مسائل وضع کئے تھے - اسی طرح شیخ الاسلام شہاب الدین حنبلی فتوحی رضی اللہ عنہ نے بھی کہا ہے ؞

اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ آپ نے تمام عمر میں کبھی تربوز نہیں کھایا - جب اس کی وجہ آپ سے دریافت کیجاتی - تو یہ جواب دیا کرتے کہ مجھے نہیں معلوم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کس طرح کھایا کرتے تھے - اسی طرح سنا گیا ہے کہ جس زمانہ میں مسئلہ خلق قرآن میں گفتگو تھی - تو آپ تین دن برابر پوشیدہ رہے - جب چوتھے روز باہر نکلے - تو آپ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کی تلاش میں ہیں - آپ نے جواب دیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب کفار سے غار میں پوشیدہ ہوئے تھے - تو وہ صرف تین ہی دن مخفی رہے تھے - اور امام موصوف کا اتباع سُنّت تو مشہور ہی ہے - اور آپ کی خصلت تھی کہ آپ لوگوں کی رائے سے بری رہتے تھے - اور فرمایا کرتے تھے کہ جو اہل الرائے کی کتابیں دیکھتا ہے اوس کے قلب میں شریعت کیطرف سے خلجان ضرور ہوتا ہے ؞

امام موصوف کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں ہو جہاں دو شخص عالم ہوں - لیکن اون میں سے ایک ایسا محدث ہے جس کی بیان کردہ احادیث میں سے صحیح اور غیر صحیح کی کچھ تمیز نہیں ہوتی - اور دوسرا وہ شخص ہے جو دین میں رائے سے کام لیتا ہے - تو وہ شخص دینی مسائل میں کونسے عالم سے سوال کرے - آپ نے جواب دیا کہ محدث سے سوال کرے - اور صاحب رائے سے ہرگز سوال نہ کرے ؞

اور جم تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ضعیف حدیث لوگوں کی رائے سے ہمیں زیادہ پسند ہے - اور یہی امام داؤد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ؞

اور امام موصوف یہ بھی فرمایا کرتے تھے - کہ دینی امر میں اپنے آپ بھی غور کر لیا کرو - کیونکہ غیر معصوم شخص کا مقلد ہو جانا امر مذموم اور قبیح ہے - بلکہ عدم بصیرت کا باعث ہے ؞

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے - کہ جس شخص کو روشنی حاصل کرنے کے لئے چراغ عنایت کیا جائے اوسکو عقلاً درست نہیں کہ وہ دوسرے شخص پر اعتماد کر کے چلے - اور اوس چراغ سے کام نہ لے - بلکہ اوسکو بجھا دے - میں کہتا ہوں کہ امام موصوف اس کلام سے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جو شخص اجتہاد پر قادر اور ادلہ میں نظر اور اون سے احکام کا استخراج کر سکتا ہو - اوسکو ہرگز مناسب نہیں کہ وہ کسی اور کی تقلید کرے - واللہ اعلم ؞

اور ہم کو صحیح طریق سے یہ خبر پہونچی ہے - کہ ایک شخص نے امام موصوف سے علماء زمان میں سے کسی عالم کی تقلید کرنے کے بارے میں مشورہ لیا - آپ نے فرمایا کہ نہ میری تقلید کرو اور نہ امام مالک کی - اور نہ اوزاعی کی - اور نہ نخعی کی - اور نہ کسی اور کی - بلکہ تم بھی وہیں سے احکام کا استنباط کرو - جہاں سے اونہوں نے کیا ہے (انتہی)

(میں کہتا ہوں) آپ کا یہ کلام اوسی شخص پر محمول ہے جسکو قرآن کریم و حدیث شریف سے احکام کے

استنباط کی قدرت ہو۔ ورنہ علماء نے تصریح کی ہے۔ کہ عامی شخص پر تقلید واجب ہے تاکہ دین میں گمراہ نہ ہو جائے۔ (واللہ اعلم)

اس قدر تقریر کے بعد تم پر روشن ہو گیا ہوگا۔ کہ تمام آئمہ مجتہدین ادلۂ شرعیہ کی رعایت رکھتے ہیں۔ اور دین خدا میں رائے زنی سے بالکل بری اور مبرا ہیں۔ اور اون کے تمام مذاہب حدیث و قرآن سے اس طرح مزین ہیں جسطرح سونے اور جواہرات پر نقش و نگار کئے جاتے ہیں اور اون کے تمام اقوال مذہبیہ مانند کپڑے بنے ہوئے کی ہیں۔ جس کا تمام تانا اور بانا قرآن کریم اور حدیث شریف ہے +

اور اب بلا عذر تمام مذاہب میں سے جس مذہب کو پسند کیا جاوے۔ اوس کی تقلید جائز ہے کیونکہ ہر مذہب جنت تک پہونچانے کا راستہ ہے۔ چنانچہ اس کا پورا پورا بیان پہلی فصل میں گذر چکا ہے۔ اور اس لئے کہ تمام اہل مذاہب پروردگار کی طرف سے راہ ہدائیت پر ہیں۔ اور کسی نے اقوال آئمہ میں سے کسی قول پر اعتراض نہیں کیا۔ مگر یا تو اوس قول کی دلیل سے ناواقفیت کی وجہ سے اور یا مضمون دقیق اور مشکل ہونے کی وجہ سے۔ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال۔ اس لئے کہ متقدمین اور متاخرین سب کا آپ کے کثرت علم اور کثرت تقوےٰ اور کثرت عبادت اور مضامین اور استنباطات کی باریکی پر اجماع ہے۔ چنانچہ اس کا مفصل بیان عنقریب فصول آئندہ میں آنے والا ہے۔ انشاءاللہ تعالےٰ

اور امام موصوف رضی اللہ عنہ دین الٰہی میں اوس رائے کو دخل دینے سے بالکل بری ہیں جو ظاہر قرآن کریم اور حدیث شریف کے خلاف ہو۔ اور جس نے آپ کو اوس رائے کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو اوس کے اور آپ کے درمیان اس قدر بُعد اور فصل ہے۔ کہ اوس میں بچہ بوڑھا ہو جائے +

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے کہ ہر مقلد پر تمام آئمہ مذاہب کا ادب لازمی ہے۔ اور ایک مرتبہ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے کسی شافعی کو بکتے سُنا۔ کہ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا رد ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ تیری زبان کو کاٹے۔ تجھ جیسا آدمی اور اون کی شان میں ایسا لفظ بولتا ہے۔ ادب یہ ہے تو یوں کہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ملی نہیں تھی (انتہیٰ)

اور ایک دفعہ میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ بھی فرماتے سُنا ہے۔ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمودہ مضامین نہائیت دقیق ہیں جنکو اہل کشف میں سے اکابر اولیاء اللہ سمجھ سکتے ہیں +

اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب وضو کے پانی کا ملاحظہ فرماتے تھے۔ تو اوس کے اندر کے تمام معاصی خواہ وہ کبائر ہوں یا صغائر اور یا مکروہات سب کو دیکھ لیتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے جو امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اوس پانی کی جس سے مکلف نے طہارت حاصل کی ہو تین حالتیں قرار دی ہیں۔ ایک حالت میں اوس کو نجاست غلیظ فرمایا ہے لیکن احتیاطاً۔ کیونکہ احتمال

ہے۔ کہ شاید مکلف نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔ دوسری حالت میں نجاست متوسطہ ہونے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ شاید مکلف مرتکب گناہ صغیرہ ہو تیسری حالت میں اوس کو فی نفسہ ظاہر قرار دیا ہے۔ مگر دوسری شے کو مطہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ شاید مکلف نے کسی امر مکروہ کا ارتکاب کیا ہو یا خلاف اولیٰ کا۔ کیونکہ یہ در حقیقت گناہ نہیں ہوتا۔ اور وجہ یہ ہے کہ بعض مواقع میں مکروہ اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب جائز ہو جاتا ہے۔ امام موصوف کے مقلدوں میں سے ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ امام صاحب کے تینوں اقوال ایک ہی حالت میں ہیں۔ حالانکہ یہ تینوں اقوال تین حالتوں میں ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور دراصل بات یہ ہے کہ شریع میں گناہ تین ہی قسموں میں منحصر ہے۔ اور تمام مکلفین الا ماشاء اللہ ان تینوں میں سے کسی نہ کسی گناہ کے مرتکب ضرور ہوتے ہیں۔ اسلئے امام صاحب نے ہر گناہ کے اعتبار سے ایک حکم کا قول فرمایا (انتہی) اور اسکا مفصل بیان عنقریب طہارت کے باب میں اوس مقام پر آجائیگا۔ جہاں علماء کے اقوال کو اکٹھا کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالے۔ جب تم یہ جان چکے تو اوس خدا کی توفیق سے کہتا ہوں :۔

فصول (ان کے اندر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیطرف سے جواب دیے جائینگے)

پہلی فصل (اس کے اندر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی کے متعلق آئمہ رضی اللہ عنہم کی شہادتیں اور آپ کے تمام اقوال و افعال اور عقاید کا قرآن و حدیث سے آراستہ اور مضبوط ہونا بیان کیا جائیگا ✦

سب سے پیشتر یہ جان لینا ضروری ہے کہ میں ان فصلوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے محض حسن ظن کی وجہ سے جواب نہ دونگا جیسا کہ بعض کرتے ہیں۔ بلکہ کتب ادلہ میں بہت تفتیش اور غور و خوض کرنے کے بعد اون کی طرفداری میں قلم اٹھاؤنگا۔ چنانچہ میں نے اوس کو واضح طور پر اپنی کتاب (المنہج المبین فی بیان ادلۃ مذاہب المجتہدین) کے خطبہ میں لکھدیا ہے

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تدوین میں سب سے مقدم ہے اور اختتام میں سب سے موخر ہوگا۔ چنانچہ بعض اہل کشف کا یہی بیان ہے۔ باریتعالے نے اپنے دین اور بندوں کی امامت کے واسطے اونکو پسند فرمایا ہے۔ اور اون کے پیرو ہر زمانہ میں تا قیامت بڑھتے رہینگے۔ اور وہ پیرو ایسے راسخ القدم ہونگے کہ اگر اون میں سے کسی کو قید کر دیا جائے یا پیٹا جائے۔ اور اوس سے کہا جائے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کو چھوڑ دے۔ تو وہ ہرگز اوس کے چھوڑنے کو منظور نہ کریگا۔ خدا تعالے اون سے اور اون کے متبعین اور ہر اوس شخص سے جو آپ کے ادب کو ملحوظ رکھے اور تمام آئمہ رضہ سے راضی رہے ✦

اور میرے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے مقلد انصاف کو کام میں لاویں تو اپنے اپنے اماموں سے امام موصوف کی تعریف سن لینے یا کسی واسطہ سے اوس تعریف پر مطلع ہو جانے کے بعد ہرگز امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کسی قول کو ضعیف نہ بتلاویں۔ کیونکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اگر مجھ سے اس ستون کے بارہ میں مناظرہ کریں اور فرمادیں کہ نصف حصہ اسکا چاندی

ہے یا سوتا ہے۔ تو اپنے قول کو دلیل سے ثابت کردیں - الفاظ یہی ہوں امام مالک کے یا اور لیکن مطلب یہی ہے ✦

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول بھی گذر چکا ہے۔ کہ تمام لوگ علم فقہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں - (انتہی)

اور اگر امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رفعت مقامی کی تعظیم کا صدور صرف اسی طرح ہوتا۔ کہ آپ نے نماز صبح میں جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر پڑھی تھی۔ دعائے قنوت کو باوجود اوس کے اون کے نزدیک مستحب ہونے کے ترک کر دیا۔ تو بھی مقلدین پر امام اعظم کا ادب واجب کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ جیسا کہ گذرا (انتہی)

اور ولید بن مسلم کا قول کہ مجھ سے ایک دفعہ امام مالک ابن انس رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے شہروں میں امام ابو حنیفہ کا ذکر کیا جاتا ہے - میں نے کہا۔ ہاں - آپ نے فرمایا کہ تب تمہارے شہروں میں نہیں رہنا چاہئے ✦

اس قول کے بارے میں حافظ مزی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ شخص ولید بن مسلم ضعیف اور غیر معتبر ہے۔

میں کہتا ہوں، کہ اگر امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس قول کا ثبوت بھی ہو جائے۔ تو ہم یہ کہینگے کہ اون کا یہ مطلب تھا کہ اگر تمہارے شہروں میں امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا تعظیم اور توقیع کے ساتھ نام لیا جاتا ہو۔ تو پھر کسی عالم کو وہاں رہنا مناسب نہیں - اس لئے کہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم کافی ہے - اور تمہارے شہر کے لوگوں کو امور دینیہ میں کسی اور شخص سے سوال کرنے کی حاجت نہیں ✦

اور اگر کوئی عالم اون شہروں میں سے کسی شہر میں سکونت اختیار کرلے۔ تو اوس کا علم تعلیم سے معطل ہو جائے - اس لئے اوس کو مناسب ہے کہ وہ وہاں سے نکلکر کسی ایسے شہر میں چلا جائے جس کے باشندے اس عالم کے محتاج ہوں تاکہ وہاں اوس کا علم منتشر ہو جائے اور تعلیم کا ملکہ باقی رہے۔ اور لوگوں کو فائدہ پہونچے - ہمارے نزدیک امام مالک جیسے شخص کا امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں اوس کلام کو اسی معنی پر محمول کرنا مناسب ہے - اگر اس کلام کا اون سے ثبوت ہو جائے - اس لئے تمام امام باہم حقد وحسد سے بری اور معصوم ہیں ✦ اور جس نے آپ کے قول کو اوس کے ظاہری معنے پر رکھا ہو۔ اوس کو خدا تعالے کے روبرو توبہ کرکے اس سے رجوع کرنا چاہئے ✦

کیونکہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے جب کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی قوت مناظرہ اور قوت حجت کے بارے میں اون کا قول گذر چکا ہے - تو پھر اون کی شان سے بہت بعید ہے۔ کہ وہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیر اور تنقیص کا کلام اپنی زبان سے ادا کریں - واللہ اعلم

اور ابو بکر آجری نے جو بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جب کسی نے اون سے سوال کیا۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب کیسا ہے - تو انہوں نے فرمایا کہ اوس میں نہ نور ائے سے کام

لیا ہے۔ اور نہ حدیث سے۔ اور جب امام مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے وہی سوال کیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ رائے ہے لیکن ضعیف اور حدیث صحیح ہے۔ اور جب اسحاق بن راہویہ سے وہی سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ رائے بھی ضعیف ہے۔ اور حدیث بھی ضعیف۔ اور جب امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ رائے بھی صحیح ہے اور اون کے مذہب میں حدیثیں بھی صحیح ہیں (انتہیٰ)

تمام اہل انصاف کا اجماع ہے کہ یہ کلام اون لوگوں کا ہے۔ جو اپنے اماموں کی ایسی طرفداری کرتے ہیں جس سے امام صاحب کی توہین لازم آتی ہے۔ اور اسی کو تعصب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان حضرات سے ایسے جوابوں کا صحیح ثبوت نہیں۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ جس امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اس قسم کے اقوال کی تغلیط کرتی ہو۔ میں نے بحمد اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے تمام اقوال کا اپنی کتاب (ادلۃ المذاہب) کی تالیف کے وقت تفصیل سے تتبع کر لیا ہے۔ چنانچہ میں نے ہر قول کو خواہ امام صاحب کا ہو۔ یا اون کے متبعین کا۔ یا کسی آیت سے مستنبط پایا اور یا کسی حدیث سے۔ یا کسی اثر سے۔ اور یا اون کے مفاہیم سے۔ یا کسی حدیث ضعیف سے جس کے طریقے مختلف اور کثیر ہوں۔ یا کسی قیاس صحیح سے جس کی اصل صحیح ہو۔ جو شخص چاہے۔ وہ اس مضمون کو میری کتاب (ادلۃ المذاہب) میں دیکھ لے۔

حاصل کلام کا یہ ہوا۔ کہ آئمہ مجتہدین کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرنا ثابت ہے۔ اور سب سے بڑا ثبوت امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے وہ دونوں قول ہیں جو گذر چکے۔ اور جب ایسے بڑے لوگ آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو دوسرے لوگوں کے اون اقوال کی طرف جو امام صاحب یا اون کے متبعین کے بارے میں منقول ہیں ہرگز توجہ نہ ہونی چاہئے۔

میں نے حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو بارہا فرماتے سُنا ہے کہ متبعین آئمہ پر اوس شخص کی تعظیم واجب ہے جس کی اون کے اماموں نے مدح اور تعریف کی ہو۔ اس لئے کہ جب امام مذہب کسی عالم کی مدح کریگا۔ تو اوس کے مقلدین پر بہ عادت تقلید اوس عالم کی تعظیم اور اوسکو دین خداوندی میں قول بالرای سے منزہ خیال کرنا ضرور واجب ہوگا۔ اور اصل وجہ اس کی ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی امام کی تقلید کا ربقہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے۔ تو اوس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ میں اس امام کے تمام فرمودہ اقوال کا مطیع رہوں گا۔ خواہ اوس کی دلیل میری فہم میں آ گئی ہو۔ یا نہیں۔ میں ہرگز دلیل کا مطالبہ کبھی نہ کرونگا۔

اور اوس فصل کا جس کے اندر ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کا بیان ہے۔ یہ بات گذر چکی ہے کہ مقلد پر کسی امام کو اسقدر بڑھانا جس سے دوسرے امام کی تنقیص لازم آتی ہو حرام ہے۔ اور پھر بالخصوص ایسی حالت میں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال پر نکتہ چینی کرنے والے وہ لوگ ہوں جو یقیناً امام صاحب سے علمیت میں بہت ناقص ہوں۔

اور کسی امام کے مقلد کو یہ مناسب نہیں کہ وہ دوسرے امام پر اعتراض کرے۔ اسلئے کہ تمام

مقلد ایک طریقہ اور راستہ کے تابع ہیں۔ تا وقتیکہ وہ چشمۂ شریعت مطہرہ تک (جس سے ہر عالم کا قول متفرع ہوتا ہے) پہونچ نہ جائیں۔ چنانچہ واضح طور پر اس کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور جو شخص تعصب سے بیزار ہو کر جس مجتہد کے قول کو بہ نظر انصاف دیکھیگا۔ وہ اون تمام مجتہدین کو آسمان کے ستارے پاویگا۔ اور اون پر اعتراض کرنے والے کو ایسا پاویگا۔ جسطرح وہ شخص جو ستاروں کا عکس پانی میں دیکھتا ہے۔ اور اون کی حقیقت اور کمال کو نہیں پہچان سکتا۔ خدا تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے تمام بھائیوں مقلدین کو تمام آئمہ مذاہب کے ساتھ ادب کی توفیق مرحمت فرماوے۔

اور مجھے بڑا ملال اسکا ہے کہ ایک شخص جو عالم مشہور تھے میرے پاس آئے۔ اور میں اوس وقت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے محامد اور مناقب لکھ رہا تھا۔ انھوں نے ان کو بڑی غور سے دیکھکر اپنی جیب سے چند رسالے نکالے۔ اور مجھ سے کہا۔ کہ ان کو دیکھو۔ میں نے دیکھا تو اون میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا رد تھا۔ پھر تو میں نے اوس سے کہا کہ کیا تجھ جیسا آدمی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو سمجھ سکتا ہے جو رد کرنے کی جرأت کی۔ اوس نے کہا کہ یہ رد میں نے علامہ فخرالدین رازی کی تالیف سے لیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ فخر رازی امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں ایک طالب علم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ بلکہ اون دونو کی مثال بادشاہ اور رعایا میں سے ادنےٰ درجہ کے آدمی کی یا ستارے اور آفتاب کی سی ہے۔ تو جسطرح علما نے رعیت کو اپنے بڑے امام اور خلیفہ پر اعتراض کرنا حرام قرار دیا ہے تا وقتیکہ اوس اعتراض کی کوئی واضح دلیل مثل آفتاب نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح مقلدوں کو آئمۂ دین پر اوس وقت تک اعتراض کرنا صحیح نہیں جب تک وہ اپنے قول کی دلیل میں کوئی ایسا امر منصوص نہ پیش کریں جس میں تاویل کا بھی احتمال نہ ہو۔

پھر اگر کوئی قول اقوال امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں سے ایسا ہو جس کی دلیل معترض کو نہ معلوم ہو۔ تو ہم یقین کریں گے۔ کہ یہ قول امام صاحب رح کا اجتہادی حکم ہے۔ جسکا اتباع اون کے مقلد کو اوسوقت تک واجب ہے جب تک کوئی اور قول مخالف قول مذکور نہ ظاہر ہو۔

جامع ازہر کے بعض علما، علامہ ابن ابی زید قیروانی کے علم و فضل کا انکار کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دن کہنے لگے کہ جیسا علامہ موصوف نے رسالہ لکھا ہے۔ ایسا تو بچے بھی لکھ سکتے ہیں۔ اتفاقاً وہ عالم ایک دفعہ جامع ازہر سے باہر گئے تھے کہ ایک شخص (فوجی) سے اونکی ملاقات ہوئی۔ اوس شخص نے اون سے کسی کتاب کے پڑھنے کی درخواست کی۔ وہ کتاب پڑھا نہ سکے۔ تو فوجی نے اوس عالم کو خوب مارا۔ یہانتک کہ اونکا دل لرز گیا۔ اور دبڑ کنے لگا۔ اور کہا کہ پگڑ بڑا سا باندھکر لوگوں کو اپنا فقیہہ ہونا جتاتا پھرتا ہے (انتہیٰ) لوگوں نے خیال کیا کہ یہ ابن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ کی برکت اور اون کی بددعا کا اثر ہے۔

اور شافعی مذہب کے ایک طالب علم جو مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں اون کے شاگردوں کا کوئی کلام بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔ میں نے ایک دن اونکو اس پر بہت ڈانٹا۔ لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئے۔ اور مجھ سے جدا ہو گئے۔ خدا کی شان کہ ایک دن بلند مکان کے زینہ سے اس زور سے گرے کہ اُن کے کولے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور ہمیشہ ٹوٹی ہی رہی۔ یہانتک کہ بہت بُرے حال پر مرے۔ اور مجھ کو عیادت کے واسطے بُلایا۔ میں نے انکار کر دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے ادب کیوجہ سے۔ کیونکہ وہ طالب علم اون کو بُرا جانتے تھے۔ پس جان لو اسکو اور تمام آئمہ اور اون کے متبعین کے بارے میں زبان کو روکے رکھو۔ کیونکہ وہ سب سیدھے راستے پر ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین ❊

فصل: اس میں اوس شخص کے قول کا ضعیف ہونا بیان کیا جائیگا۔ جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہتا ہے۔ کہ وہ قیاس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم رکھتے تھے ❊

جاننا چاہئے۔ کہ یہ کلام اوس شخص کا ہے جو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے تعصب رکھنے والا اور اپنے دین میں دلیر اور خدا تعالے کے اس فرمان سے غافل ہے کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ یعنی بیشک کان اور آنکھیں اور دل ہر شخص سے اوسکی پرسش کی جائیگی۔ اور اس فرمان سے بھی کہ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ یعنی وہ کوئی لفظ اپنے منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اون کے پاس ایک فرشتہ تاک لگائے رہتا ہے۔
اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوس فرمان سے بھی جو آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ اور وہ یہ کہ ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم الا حصائد السنتھم یعنی نہیں ڈالے گی لوگوں کو اون کے منھ کے بل۔ مگر اون کی زبانوں کی کھیتیاں۔ (کوئی چیز

امام جعفر شیزاماری نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (شیزامار ایک قریہ ہے بلخ کے دیہات میں سے) کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جھوٹ اور بہتان باندھا ہے ہم پر اوس شخص نے جو کہتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں۔ حالانکہ نص کے موجود ہوتے ہوئے قیاس کی حاجت ہی نہیں ہوتی ❊

اور امام موصوف رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہم نہیں قیاس کرتے۔ مگر سخت ضرورت کے وقت۔ اور اوسکا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے کسی مسئلہ کی دلیل قرآن کریم یا حدیث شریف یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں میں دیکھتے ہیں جب اون میں سے کوئی دلیل نہیں پاتے۔ تو مجبوراً مسکوت عنہ کو اوس حکم پر قیاس کرتے ہیں جس کی شریعت میں تصریح کی گئی ہو۔ بشرطیکہ کوئی علت مشترکہ دونوں میں پائی جاتی ہو جسکو جامع سے تعبیر کرتے ہیں ❊

اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے قرآن شریف کو پکڑتے ہیں۔ پھر حدیث شریف کو۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو۔ اگر کسی حکم میں سب متفق ہوں۔ تو اوس پر عمل کرنا لابدی اور ضروری جانتے ہیں۔ اور اگر دلائل مذکورہ باہم کسی حکم میں مختلف ہوں تو اوس وقت ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں۔ بشرطیکہ دونوں مسئلوں میں کوئی علت مشترکہ جس کو جامع کہتے ہیں پائی جاتی ہو۔ تاکہ اختلاف سے جو ابہام آگیا تھا وہ دور ہو جائے۔ اور مطلب واضح ہو جائے ✤

اور ایک روایت میں امام صاحب رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے۔ کہ ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں۔ اوس کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ پھر ابوبکر اور عمر اور علی اور عثمان رضی اللہ عنہم کی احادیث پر ✤

اور ایک روایت میں آپ کا یہ قول مروی ہے۔ کہ جو کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہونچے۔ وہ سر اور آنکھوں پر ہے (اون پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اور اوس کی مخالفت ہم پر حرام ہے۔ اور جو کچھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہونچے اوس میں سے ہم پسند کر لیں گے۔ اور جو کچھ اون کے سواء اور دوسرے لوگوں سے ہم کو پہونچے۔ تو وہ جس طرح آدمی ہیں ویسے ہی ہم بھی ہیں ✤

ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ یہ تو بتلاویں۔ کہ اگر کسی امر میں آپ کی ایک رائے ہو۔ اور اوس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کچھ اور رائے ہو۔ تو کیا آپ اپنی رائے چھوڑ کر اون کی رائے کو اختیار کرینگے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا "ضرور" پھر میں نے کہا۔ کہ اگر آپ کی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کچھ رائے ہو۔ تو اپنی رائے کو چھوڑ دو گے۔ آپ نے فرمایا ضرور چھوڑ دونگا۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سوائے انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بالمقابل اپنی رائے کو ترک کر دونگا (انتہی)

بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ یہ تینوں حضرات معرفت میں کامل اور دارک واجتہاد پر مطلع نہیں ہیں۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ان میں عدالت نہ ہو ✤

اور وہی ابو مطیع مذکور فرماتے ہیں۔ کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ آپ کے پاس سفیان ثوری۔ اور مقاتل بن حیان۔ اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق اور اور بعض فقہا آئے۔ اور امام صاحب سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے سنا ہے آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں۔ اور ہم کو خوف ہے کہ کہیں یہ کثرت قیاس آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ کیونکہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے اس بارہ میں اون سے جمعہ کے دن صبح سے لیکر دوپہر تک مناظرہ کیا۔ اور اپنا مذہب اون کو بتلایا۔ کہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ اوس کے بعد حدیث پر۔ اوس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر۔ اور جس حکم میں ان سب مذکورین کا اتفاق ہو۔ اوس کو عملاً مقدم جانتا ہوں ان

احکام پر جنمیں مذکورین کا اختلاف ہو - البتہ اس اختلاف کی صورت میں مجبوراً قیاس کرتا ہوں - یہ سُنکر وہ سب حضرات کھڑے ہو گئے - اور ہاتھ اور گھٹنے کو بوسہ دیا - اور امام صاحب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے - کہ آپ علماء کے سردار ہیں - ہمارے سابق قصور کو معاف فرمائیے - کہ ہم نے آپ پر اعتراض کیا - ہم کو آپ کے مذہب کا اچھیطرح علم نہ تھا - آپ نے فرمایا - غفر اللہ لنا ولکم اجمعین اللہ تعالےٰ ہم کو اور تم سب کو بخشدے *

ابو مطیع کا قول ہے - کہ سُفیان ثوری کی زبان سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ قبیح جملہ نکل گیا تھا - کہ انہوں نے اسلام کے ریشے ریشے بکھیر دیئے ہیں *

مگر اَے صاحبو! اگر تم اس جملے کو ظاہری ہی معنے پر رکھو - اور اوسمیں تاویل نہ کرو - تو تم کو ہرگز جائز نہیں کہ اس جملے کو سُفیان ثوری کی طرف منسوب کر کے مشہور کرتے پھرو - اور کیسے جائز ہو سکتا ہے جب تم اون کے واقعہ مذکورہ سے سمجھ چکے کہ انہوں نے اپنے اوس جملہ سے رجوع کر لیا اور اسبات کے معترف ہو گئے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علماء کے سردار ہیں - اور اون سے اپنے قصور کی معافی مانگ لی - اور اگر اوس جملہ میں تاویل کر لی جائے - تو قائل کے رجوع کا لحاظ کرنے کی بھی ضرورت نہیں - اور تاویل یہ ہے - کہ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی اوس جملے سے یہ مراد ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے تمام مشکل مسئلے حل اور علیحدہ علیحدہ کر دیئے - یہانتک کہ اپنے تبحر علمی سے کسی مسئلہ کو مشکل نہیں چھوڑا -

اور خلیفہ ابو جعفر منصور نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا کہ تم قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہو - آپ نے جواب میں لکھا - کہ اے امیر المؤمنین تم نے غلط سُنا ہے - بلکہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں - اوس کے بعد سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر - اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر - اوس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر - اوس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر - اوس کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر - پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر - اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں - تو مجبوراً قیاس کرتا ہوں - کیونکہ خدا تعالےٰ کی نعوذ باللہ اپنی مخلوق سے رشتہ داری تو ہے ہی نہیں (انتہیٰ)

شائد امام صاحب رضی اللہ عنہ کا آخری جملہ سے یہ مطلب ہوگا کہ دین خداوندی میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ کسی شخص کے قول کی رعایت کی جائے - اور دوسرے کی نہ کی جائے - بلکہ تمام مخلوق پر امر حق کی بجا آوری واجب اور فرض ہے - اور اللہ تبارک وتعالےٰ اون کے مطلب کو خوب سمجھتا ہے *

امام ابو جعفر شیزاماری نے امام صاحب رضی اللہ عنہ کی دین میں رائے زنی کرنے سے برئت اسقدر بسیط مضمون میں بیان کی ہے جتنے کی ضرورت نہ تھی - اور اوسی ضمن میں اوس شخص کی تردید بھی خوب کی ہے جس نے امام صاحب رح کے متعلق یہ طعنہ زنی کی ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر تقدیم دیتے ہیں - چنانچہ ابو جعفر کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت یہ

منقول ہے۔ کہ وہ حدیث کو آثار صحابہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور جب کسی حکم کو آثار میں بھی نہیں پاتے تو قیاس کرتے ہیں۔ پس یہ بات مسلم ہے۔ کہ آپ اوسوقت قیاس کرتے ہیں جب کسی حکم کو نہ تو کتاب اللہ میں پاتے ہیں۔ نہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں میں۔ امام صاحب رح کے طریقہ استنباط کے متعلق یہ نقل بالکل صحیح ہے۔ اسپر اعتماد کرو اور اپنی آنکھوں اور کانوں کی حفاظت کرو ٭

پھر امام جعفر کا بیان ہے۔ کہ قیاس کرتے ہیں کچھ امام صاحب رح ہی نرالے نہیں ہیں۔ بلکہ ضرورت اور دشواری کے وقت تو تمام ہی علماء قیاس کرتے ہیں۔ اور وہ ضرورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی مسئلہ کے حکم کو قرآن شریف یا حدیث یا اجماع یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں میں منصوص نہیں پاتے۔ تو پھر مجبور اً قیاس کو اختیار کرتے ہیں ٭

علیٰ ہذا القیاس تمام آئمہ کے مقلدین ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ تک قیاس کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اوسی ضرورت مذکورہ کے وقت۔ اور پھر کسی کو اون میں سے اوس قیاس کا انکار کرتے نہیں دیکھا۔ بلکہ اور قیاس کو ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل قرار دیا ہے۔ بایں ترتیب کہ اول قرآن شریف۔ پھر حدیث رسولؐ۔ پھر اجماع امت۔ پھر قیاس ٭

اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں۔ کہ جب ہمکو کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملیگی۔ تو ہم دوسرے کسی مسئلہ پر اوسکو قیاس کرینگے ٭ (انتہیٰ)

اگر کوئی شخص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرے۔ کہ وہ قیاس پر عمل کرتے تھے۔ تو یہ اعتراض دوسرے اماموں پر بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ سب امام صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیاس پر عمل کرنے میں شریک ہیں۔ لیکن اوسی ضرورت مذکورہ کے وقت ٭

مذکورہ بالا بیان سے یہ امر خوب ظاہر ہوگیا۔ کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجود نص موجود ہونے کے ہرگز قیاس کیطرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جیسا کہ بعض اہل تعصب کا زعم ہے۔ البتہ جب نص کا وجود نہ ہو۔ تو اوس وقت قیاس کرتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال پیدا ہو۔ کہ ہم بعض ان مسائل کو جنہیں امام صاحب رح نے قیاس کیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں منصوص دیکھتے ہیں۔ تو اس سے کچھ نقصان لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ امام صاحب کو وقت قیاس وہ نصوص مستحضر نہ تھے۔ کیونکہ اگر مستحضر ہوتے۔ تو اون کو ہرگز قیاس کی حاجت نہ ہوتی۔ اور اگر بالفرض کسی حدیث واحد کے ہوتے ہوئے بھی امام صاحب نے کہیں قیاس کرلیا ہو۔ تو اوس سے بھی کچھ نقص لازم نہیں آتا۔ اسلئے کہ علماء کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ کہ صحیح قیاس جو صحیح اصول پر مبنی ہو۔ وہ اوس خبر واحد سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے جو صحیح ہو۔ تو بھلا اوس خبر واحد کا تو ذکر کیا جو ضعیف ہو۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اوس حدیث کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔ اصول پر بنانے کے لئے یہ شرط کرتے تھے۔ کہ اوس کے راوی صحابی سے اوس حدیث کی نقل کرنیوالی اتقیاء کی ایک جماعت چلی آئی ہو۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اون اقوال کی بنا پر جو ہم رائے کے

مذموم ہونے اور آپ کے اوس رائے سے بری ہونے اور حدیث کو قیاس پر مقدم کرنے کے متعلق ابھی بیان کر چکے ہیں۔ ہمارا اور ہر منصف کا امام صاحب کے بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ کہ اگر وہ زمانہ تدوین احادیث اور حفاظ کے بغرض جمع احادیث اپنے شہروں اور سرحدوں سے سفر کرنے کے بعد تک زندہ رہتے۔ اور آپ کو وہ احادیث دستیاب ہو جاتیں۔ تو ضرور ان پر عمل کرتے۔ اور تمام خود کردہ قیاسوں کو ترک کر دیتے۔ اور آپ کے مذہب میں قیاس کی ایسی ہی قلت ہوتی جس طرح اب نسبت آپ کے مذہب کے دوسرے مذہبوں میں قیاس قلیل ہے۔ مگر چونکہ ادلہ شریعت تمام شہروں اور دیہات اور سرحدوں کے تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں متفرق اور غیر مجتمع تھے۔ تو اسلئے مجبوراً آپ کے مذہب میں بہ نسبت دیگر مذاہب آئمہ قیاس کثیر پایا گیا۔ کیونکہ امام صاحب رح کو قیاس کردہ مسائل کے النصوص اوس زمانہ میں دستیاب نہ ہوئے۔ برخلاف دوسرے اماموں کے کہ حفاظ طلب احادیث اور جمع کی غرض سے اون کے زمانہ میں شہروں اور دیہات سے سفر کر کے احادیث کی تدوین کر چکے تھے۔ تو بعض احادیث بعض کا جواب بن گئیں۔ اس لئے دیگر آئمہ کے مذہب میں قیاس کی قلت رہی۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں کثرت +

اور احتمال یہ بھی ہے۔ کہ جس شخص نے امام صاحب کی طرف حدیث پر تقدیم قیاس کی نسبت کی ہے۔ تو شائد اسوجہ سے کی ہو۔ کہ اوس نے آپ کے اون مقلدوں کے کلام کو دیکھا ہو۔ جن کی یہ عادت ہے۔ کہ وہ اپنے امام کے ہر بیان کردہ قیاس پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور اوس حدیث کو جو اون کے امام کے فوت ہو جانے کے بعد پایہ صحت کو پہونچی ہو۔ اوسکو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ تو اس احتمال کی بنا پر مقلدین کا قصور ہے۔ اور امام معذور۔ اور اون کا یہ کہنا کہ ہمارے امام نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے۔ شائد وہ حدیث اون کے امام کو دستیاب نہ ہوئی ہو۔ یا دستیاب تو ہوئی ہو۔ لیکن اوس کی صحت امام کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہ پہونچی ہو۔ اور آئمہ کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے۔ کہ جس حدیث کی صحت ثابت ہو جائے۔ وہی ہمارا مذہب ہے۔ اور کسی امام کو باوجود حدیث کے موجود ہونے کے نہ قیاس جائز ہے نہ کوئی اور حجت سوائے خدا تعالےٰ اور اوس کے رسول کی اطاعت کے۔ اور وہ یہ ہے کہ اوس حدیث کو تسلیم کرے (انتہیٰ)

اور البتہ بہت لوگ کرتے ہیں۔ کہ جب وہ کسی امام کے شاگردوں کا کوئی بیان کردہ مسئلہ دیکھتے ہیں۔ تو اوسکو خود اوس امام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور یہ بڑے ڈھیٹ کی بات ہے۔ کیونکہ امام کا مذہب حقیقت میں وہی ہے جسکو اوس نے خود بیان کیا ہو۔ اور اوس سے بغیر رجوع کئے تا مرد نیا سے اٹھ گیا ہو۔ اور جسکو امام کے کلام سے اوس کے شاگردوں نے سمجھا ہو۔ وہ امام کا مذہب نہیں کہا جائیگا۔ کیونکہ ممکن ہے امام اون کے سمجھے ہوئے کلام سے راضی نہ ہو۔ اور ممکن ہے۔ کہ اگر وہ کلام اوس امام پر پیش کیا جاتا۔ تو وہ اوسکا قول نہ کرتا۔ پس یہ امر واضح ہو گیا۔ کہ جو شخص ہر اوس امر کو جو اوس نے اپنے امام کے کلام سے سمجھا ہو۔ اگر خود اوس امام کا مذہب میں داخل کر دے۔ وہ حقیقت مذاہب سے جاہل ہے +

علاوہ بریں یہ بات ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اکثر قیاس قیاس جلی ہیں جن سے فرع یعنی مقیس کا اصل یعنی مقیس علیہ کیساتھ اس طرح موافق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اون دونو اصل و فرع میں افتراق یا نقض کا احتمال بھی نہیں ہوتا۔ جیسے مثلاً چوہے کے سوا ہر مردار جانور جب گھی میں گر جائے۔ تو اوسکو اوس چوہے پر قیاس کیا ہے جو گھی کے سوا اور بہنے والی۔ اور پھر جم جانے والی چیزوں میں گر جائے۔ اور مثلاً غیر جاری پانی میں پاخانہ پھرنے کو اوس کے اندر پیشاب پھرنے پر قیاس کیا ہے۔ اور اسی طرح باقی مثالیں +

تقریر سابق سے واضح ہو گیا۔ کہ جس شخص نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کسی قول پر پر اعتراض کیا ہو۔ جیسے امام رازی نے مثلاً۔ تو اوس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اوس شخص پر امام صاحب کے فرمودہ مضامین عالیہ مخفی رہے۔ اور میں نے بحمد اللہ اون مسائل کا بھی تتبع کیا ہے جن کے اندر امام صاحب کے شاگردوں نے قیاس کو نص پر مقدم کیا ہے۔ تو وہ میں نے بہت قلیل پائے۔ اور اون مسائل کے علاوہ باقی تمام مذہب میں نص کو قیاس پر مقدم رکھا ہے +

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مالکی المذہب سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد پر ہمارے نزدیک قیاس مقدم ہے۔ کیونکہ اوس خبر واحد کو جو ہم قبول کرینگے وہ محض اوس کے راویوں کے ساتھ حسن ظن کیوجہ سے۔ اور شارع نے ہم کو اپنے ہاتھ اور پاؤں اور زبان غرض تمام جوارح کو اپنے قابو میں رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور اس کا بھی کہ ہم خدا تعالے کی طرف سے کسی شخص کو پاک وصاف ظاہر نہ کریں۔ اور اگر یہ شبہ کرو کہ ہم بعض لوگوں کو پاک وصاف کہتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم اون کا پاک وصاف ہونا یقینی طور پر نہیں کہتے۔ بلکہ اس انداز سے کہتے ہیں۔ کہ ہم اون کو اچھا گمان کرتے ہیں۔ برخلاف اوس قیاس کے جو صحیح اصول پر مبنی ہو (انتہیٰ)

امام جعفر شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے اون تمام مسائل کی تفتیش کی ہے جن میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا باہمی خلاف ہے۔ چنانچہ اون کی کل تعداد تقریباً بیس مسائل ہیں (انتہیٰ)

اور شاید یہ تعداد اون مسائل کے اصول کی تھی جو دونوں اماموں کے منصوص ہیں۔ علی ہذا القیاس بعض اور مذاہب میں جو قیاسوں کے اندر باہمی خلاف ہے۔ بہت تھوڑے مسائل میں ہے۔ اور باقی ہر مذہب کے تمام مسائل یا قرآن و حدیث کی طرف منسوب ہیں یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کیطرف اور قریب قریب تمام اماموں نے اون احادیث اور آثار صحابہ کو لیا ہے۔ بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے لینے میں کوئی ایک امام مخصوص اور متفرد ہو۔ تو گویا تمام امام شریعت کے فلک میں تیرنے والے ہیں چنانچہ اسکا مفصل بیان گذر چکا +

پس عقلمند وہی ہے جو تمام اماموں کے اقوال پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ اور اپنے سینے میں کسی قول کی طرف سے کھٹکا باقی نہ رکھے۔ کیونکہ وہ تمام اقوال میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف

وتشدید سے خارج نہیں ہیں ۔ اے پروردگار میں تیری درگاہ میں ہر اوس شخص سے بیزاری بیان کرتا ہوں جو اقوالِ آئمہ پر معترض ہوتا ہے ۔ اور میں اوس کو دنیا اور آخرت میں بُرا جانتا ہوں ۔ والحمد للہ رب العالمین +

افصل اس میں اوس شخص کی کمزوری ظاہر کی جائیگی جو کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اکثر اقوال ضعیف ہیں :-

جاننا چاہئے ۔ کہ میں نے بحمد اللہ تعالے آئمہ اربعہ اور دوسرے اماموں کے مذہبی دلائل کا مطالعہ کیا ہے بالخصوص مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دلائل کا کہ اون میں غور کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے چنانچہ آپ کے مذہب کی تخریج احادیث کی کتاب جو ہدایہ میں مذکور ہیں اور اوس کتاب کو علامہ حافظ زیلعی نے تالیف کیا ہے خوب غور سے دیکھی ۔ اور اوس کے علاوہ اور شرحیں بھی دیکھیں ۔ تو میں نے آپ کی اور آپ کے اصحاب کی دلیلوں کو یا حدیث صحیح سے مستنبط پایا ۔ یا حدیث حسن سے یا حدیث ضعیف سے جو طرق روائیت کثیر ہونے کی وجہ سے صحیح الاحتجاج ہیں یا حدیث حسن کے ساتھ لاحق ہے ۔ یا حدیث صحیح کے ہم پلہ ہے ۔ اور طریق روائیت کی تعداد تین سے کم نہیں پائی ۔ اور زیادتی میں دس طریقوں تک پہونچتی ہے ۔ اور جمہور محدثین نے اوس ضعیف حدیث کو جس کے طریق روائیت کثیر ہوں قابلِ احتجاج بلکہ کبھی حدیث صحیح کے ساتھ اور کبھی حدیث حسن کے ساتھ ملحق کیا ہے ۔ اور حدیث ضعیف کی قسم مذکور علامہ بیہقی کی کتاب السنن الکبیر میں ہے جسکو انہوں نے اس غرض سے تالیف کیا ہے کہ اوس میں تمام آئمہ اور اون کے اصحاب کے اقوال کی حجتیں اور دلائل بیان کئے جائیں ۔ تو وہ جب کوئی صحیح یا حسن حدیث نہیں پاتے ہیں ۔ تو اوسوقت اوسی ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں ۔ اور راوی حدیث ضعیف کو چند طریقوں سے روائیت کر دیتے ہیں ۔ اور یہ کہدیتے ہیں کہ ان طریقوں میں سے بعض بعض کی تقویت کرتا ہے تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعض دلائل ضعیف ہیں ۔ تو ہم یہ کہینگے کہ یہ کچھ اونہی کی خصوصیت نہیں ۔ بلکہ اس بارے میں تمام آئمہ امام صاحبؒ کے شریک ہیں ۔ اور قابل ملامت نہیں ہے مگر وہ شخص جو ایسی حدیث سے دلیل پکڑتا ہو ۔ جو ضعیف ہو اور اوس کی روائیت کا سوائے ایک طریقہ کے اور کوئی طریقہ نہ ہو ۔ اور اس قسم کی حدیث آئمہ مجتہدین کی کسی دلیل میں نہیں ملیگی ۔ تو یہ امر واضح ہو گیا ۔ کہ کوئی امام حدیث ضعیف کو دلیل نہیں بناتا وقتیکہ اوسکی روائیت کے طرق کثیر نہ ہوں ۔ اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ۔ کہ امام ابو حنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے جو کچھ جواب دونگا ۔ وہ محض سینہ کی صفائی اور اون کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے نہ دونگا ۔ بلکہ آپ کی اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے دلائل اچھی طرح تفتیش اور تتبع کر لینے کے بعد جواب لکھونگا ۔ اور میری کتاب (المنہج المبین فی بیان ادلۃ المجتہدین) اس مضمون پر اچھی طرح حاوی ہے ۔ کیونکہ میں نے اوس میں تمام مذاہب کے خواہ مذاہب مستعملہ ہوں یا مذاہب متروکہ دلائل جمع کئے ہیں ۔ اور اوسوقت تک نہ مجھے کچھ تصوف سے محبت تھی ۔ اور نہ میں شریعت کے اوس سرچشمہ پر واقف ہو چکا تھا جس سے

مجتہدین اور اون کے مقلدین کے اقوال متفرع ہوتے ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالےٰ کا بڑا احسان ہوا۔ کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تینوں مسندوں کے صحیح نسخوں کا جنپر حفاظ حدیث کے دستخط ہیں۔ اور سب سے آخر حافظ دمیاطی رحمتہ اللہ علیہ کا نام ہے۔ خوب مطالعہ کر لیا۔ انمیں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ امام صاحب رح حدیث کی روایت نہیں کرتے مگر اون تابعین سے جو عدالت اور ثقاہت میں ممتاز ہیں۔ اور بہ شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیر قرون میں داخل ہیں مثلاً اسود علقمہ عطاء عکرمہ مجاہد مکحول حسن بصری اور اون کے امثال رضی اللہ عنہم اجمعین۔ توجسقدر راوی امام صاحب رح اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں وہ سب ثقہ اور عادل اور عالم اور خیار لوگوں میں سے ہیں نہ اون میں کوئی کاذب ہے اور نہ دروغگوئی کے ساتھ متہم کیا ہوا ہے۔ اور کیا چیز مانع ہے تم کو اون حضرات کی عدالت کے اعتراف سے جن سے احکام دینیہ حاصل کرنے میں ابوحنیفہ رض جیسا شخص راضی ہے جس کے تقویٰ اور پرہیزگاری اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اوپر شفقت کی کچھ انتہا نہیں ✦

اور ہم کو صحیح خبر پہونچی ہے۔ کہ ایک دن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اسود اور عطاء اور علقمہ کی بابت دریافت کیا گیا۔ کہ ان میں سے کس کو فضیلت ہے۔ توآپ نے جواب دیا کہ قسم ہے پروردگار کی کہ جب ہم ان حضرات کے نام لینے کی ہی قابلیت نہیں رکھتے۔ تو ہم اون کے درمیان کسی کی فضیلت کس طرح سمجھ سکتے ہیں ✦

علاوہ بریں یہ بات ہے۔ کہ ہر راوی تمام مجتہدین اور محدثین کے راویوں میں سے جسطرح وہ قابل تعدیل ہے اسی طرح وہ جرح کی قابلیت رکھتا ہے۔ ماسوا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض کے نزدیک تابعین بھی۔ کیونکہ بعض کے اندر حافظہ نہیں۔ اور بعض معصوم عن الخطاء نہیں۔ مگر چونکہ علماء رضی اللہ عنہم شریعت کے امین قرار دیئے گئے ہیں۔ اور انہوں نے کبھی جرح کو مقدم کیا ہے۔ اور کبھی تعدیل کو۔ تو ہم کو اون کا اتباع لازمی ہے۔ اگرچہ ہر راوی کو اوس صفت کے ساتھ موصوف ہونے کا احتمال ضرور ہے۔ جو دوسرے میں پائی جاتی ہے ✦

اور جمہور کے تعدیل کو جرح پر مقدم کرنے اور عدالت کو اصل اور جرح کو طاری قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ تاکہ اکثر احادیث شریعت ضائع نہ ہوجائیں۔ جیسا کہ جمہور کا یہ بھی مقولہ ہے۔ کہ تمام مستور الحال راویوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا بہتر ہے۔ اور جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ محض کسی راوی میں کلام کرنا اوس کی روایت کردہ حدیث کو اعتبار سے خارج نہیں کرتا۔ بلکہ اوس کے حالات کی تفتیش کرنا ضروری ہے ✦

اور بخاری ومسلم نے بہت سے ایسے لوگوں کی احادیث کی تخریج کی ہے جن میں علماء نے کلام کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے ادلہ شرعیہ کے اثبات کو اون کی نفی پر ترجیح دی ہے۔ تاکہ لوگ اون پر عامل ہوکر مستفید ہوں۔ تو اون کی تعدیل کرنے میں وہ وہ فوائد اور فضائل ہیں جو اون کی جرح کرنے میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ علماء کا اس قسم کے رواۃ کی

احادیث کو ضعیف بتانا بھی خالی از فائدہ نہیں - اور وہ امت کا اون پر عمل کرنے سے آرام میں رہنا اگرچہ حفاظ حدیث نے اس فائدہ کی نیت نہ کی ہو - اسلئے کہ اگر وہ کسی حدیث کو ضعیف نہ کرتے - بلکہ تمام احادیث کو صحیح بنا دیتے تو اون پر عمل واجب ہوتا - اور اکثر لوگ عمل کرنے سے عاجز رہجاتے - پس اسکو جان لو -

حافظ مزنی اور حافظ زیلعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں - کہ اون لوگوں میں سے جنکی احادیث کی شیخان نے تخریج کی ہے - باوجودیکہ لوگوں نے اون میں کلام کیا ہے - بعض کے نام یہ ہیں - جعفر بن سلیمان ضبعی - اور حارث بن عبید - ایمن آبن تابل حبشی - خالد بن مخلد قسواطینی - سوید بن سعید حدثانی - یونس بن ابی اسحاق سبیعی - ابو اویس - مگر اتنی بات ضرور ہے کہ شیخین رح کا ایسے لوگوں سے روایت کرنا چند شرائط سے مشروط ہے - اون میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اون سے صرف اوسی حدیث کی روایت کرتے ہیں جسکی متابعت بھی کی گئی ہو - اور اوس کے دلائل و شواہد بھی ظاہر ہو گئے ہوں - اور یہ بات معلوم ہو چکی ہو کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے - تو اگر کسی حدیث میں اس قسم کا کوئی راوی متفرد ہو - یا اوس کے مخالف کوئی اور حدیث موجود ہو جس کا راوی ثقہ ہو - تو اوس کو شیخان ہرگز روایت نہ کرینگے - جسطرح حدیث ابی اویس جسے مسلم نے اپنی صحیح میں مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصفی بانٹ دیا ہے - (آخر حدیث تک) تو اس حدیث میں مسلم کی شرط موجود ہے - اور وہ یہ کہ ابی اویس راوی اوس حدیث کا تنہا روایت کرنے والا نہیں ہے - بلکہ اسکو دوسرے ثقات نے بھی روایت کیا ہے - مثلاً امام مالک - شعبہ - ابن عیینہ - وغیرہ رضی اللہ عنہم نے - تو گویا حدیث کی متابعت پائی گئی -

حافظ زیلعی اور دمیاطی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس عادت کا حفاظ حدیث میں بڑا رواج ہو گیا ہے - بالخصوص اوسکو جس نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں کی خوب چھان بین کی ہے - جیسے ابو عبداللہ حاکم کہ وہ اکثر جگہ کہدیتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کی بنا پر صحیح ہے - یا اون دونوں میں سے ایک کی شرط کی بنا پر - حالانکہ اوس میں یہ عادت موجود ہے - اس لئے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہر وہ حدیث جس کے راوی سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہو - وہ صحیح ہو - وجہ یہ ہے کہ راوی کے محتج بہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اوس راوی کی جس قدر احادیث پاویں - وہ سب کی سب صحیح کی شرط کی بنا پر صحیح ہی ہوں -

کیونکہ احتمال ہے کہ شاید اوس حافظ حدیث کے شرائط اوس حدیث میں موجود نہ ہوں - جیساکہ ہم نے اوپر بیان کیا - کیونکہ سوائے اوس کتاب صحیح والوں کے اور کسی نے اپنے نزدیک اون شروط کا لحاظ نہیں کیا (انتہی)

مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہو گیا کہ ہم کو سراوس راوی کی حدیث کو ترک کر دینا جائز نہیں جس کے بارے میں علماء نے محض کلام ہی کیا ہو - کیونکہ کبھی اوس کی متابعت موجود اور اوس کے شواہد ظاہر ہوتے ہیں - اور وہ بے اصل نہیں ہوتی -

البتہ وہ حدیث جسکا راوی منفرد ہو - اور ثقات نے اوس کے خلاف کوئی اور حدیث بیان کی ہو - اور

اوس کے شواہد بھی موجود نہ ہوں۔ تو اوس حدیث کا ترک کرنا جائز ہے۔ اور اگر ہم ہر اوس راوی کی حدیث کے ترک کرنے کا عام دروازہ کھولدیں جس میں علماء نے محض نکتہ چینی ہی کی ہو۔ تو شریعت کے مہتم بالشان احکام ضائع ہو جائیں رجیسا کہ گذرا

جب یہانتک بات کو طول ہو گیا۔ تو یہ مقصود حاصل ہو گیا کہ تمام مجتہدین کے مقلدین پر واجب ہے کہ وہ تمام اون ادلہ مذاہب کے راویوں کے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ جو اون کے مذہب کے مخالف ہیں اسلئے کہ اون کی تمام روایات شریعت کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید سے خارج نہیں ہیں ✣

اور تاج الدین سبکی رضی اللہ عنہ نے (طبقات کبریٰ) میں بیان کیا ہے جسکی بعینہ عبارت نقل کی جاتی ہے (اے سیدھے رستے کے طلبگار تیرے لئے مناسب ہے کہ تو تمام گذشتہ آئمہ کے ساتھ ادب کا راستہ اختیار کرلے۔ اور اون کے اندر جس نے کچھ کلام کیا ہو۔ اوس کلام کی جب تک کوئی واضح دلیل نہ ہو۔ اوسوقت تک اوسکی طرف ہرگز متوجہ نہ ہو ✣

پھر اگر تو اوس کلام کی تاویل اور کوئی صورت اوس کے ساتھ حسن ظن کی حتی المقدور پیدا کر سکتا ہو۔ تو کر۔ ورنہ تو اونکی باہمی نزاعات سے گریز اور پہلوتہی کر۔ کیونکہ تو ایسے مشاغل کے واسطے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ تو مقاصد دینیہ کی بجا آوری میں مشغول رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

(آگے کہتے ہیں) کہ میرے نزدیک طالب رشد و ہدایت اوسوقت تک دانا اور عقلمند ہے کہ جب تک اون واقعات میں کھود کرید نہ کرے۔ جو اماموں کے آپس میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ورنہ قلب میں کدورت اور چہرہ پر سیاہی آجانے کا اندیشہ ہے ✣

تو اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور پھر بچاؤ اون امور سے جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام سفیان ثوری کے درمیان اختلاف پیش آئے ہیں۔ یا امام مالک اور ابن ابی ذئب یا احمد بن صالح اور شعبی یا احمد بن حنبل اور محاسبی کے مابین ظاہر ہوئے ہیں۔ اسی طرح شیخ عز الدین ابن عبد السلام اور شیخ تقی الدین صلاح کے زمانہ تک جو جو باہمی نزاعات صادر ہوئے ہیں۔ اون سے گریز کرو۔ ورنہ اگر اون میں کرید کروگے تو تمہاری ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ گروہ گروہ علماء ہے۔ اور اون کے ہر قول کا ایک محمل ضرور ہے جسکو اون کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ تو ہم کو سوا اس کے کہ ہم اون سے رضی رہیں۔ اور اونکے مکالمات میں سکوت کریں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی مکالمات میں سکوت کرتے ہیں اور کچھ نہ کرنا چاہیے ✣

(پھر کہتے ہیں) کہ شیخ عز الدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ جب تم یہ سنو کہ فلاں امام نے اپنے ہمعصر دوسرے عالم کا بڑا سخت انکار کیا ہے۔ تو اس کی وجہ اوس امام کا اپنے ہمعصر کے کلام میں بات سے ڈرنا ہے کہ کہیں کوئی شخص اوسکی مراد کے خلاف نہ سمجھ لے۔ بالخصوص علم عقاید میں۔ کیونکہ اس علم میں کلام کرنا زیادہ دشوار اور سخت ہے ✣

ایکمرتبہ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اسمٰعیل بن اسحاق سراج کے مکان میں پوشیدہ ہوگئے تھے۔ اور حارث محاسبی معہ اپنے اصحاب کے بھی اوسی جگہ سو یا کرتے تھے۔ جب سب نے عشاء

کی نماز پڑھلی - تو وہ سب ذکر میں مشغول ہوئے - اور رونا شروع کیا تو امام احمد بھی اون کے ساتھ روئے - جب صبح ہوگئی تو امام موصوف نے فرمایا - کہ میرے دیکھنے میں ایسے لوگ نہیں آئے - اور نہ اوس شخص کی مثل علوم باطنیہ میں کسی کا کوئی کلام سُنا لیکن باایں ہمہ اے اسمٰعیل میں ان کے ساتھ تمہاری صحبت اس وجہ سے پسند نہیں کرتا کہ مجھے ڈر ہے کہیں تم ان کے کلام کا مطلب وہ سمجھ جاؤ جو انکی مراد کے خلاف ہے (ابن سبکی کا کلام ختم ہوا +

اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ جو دلیل کسی دوسری دلیل کے مناقض اور مخالف معلوم ہوتی ہو تو وہ درحقیقت مناقض نہیں ہے - بلکہ اوسکو وجوب اور استحباب یا تحریم و کراہت میں سے دو حالوں پر محمول کرنا یا اون دونوں حدیثوں میں سے ایک حدیث کو منسوخ کہنا ضروری ہے اسلئے کہ شارع کے کلام میں تناقض ناممکن ہے جیسا کہ گذر چکا ہے +

اور جو کہے - کہ یہ حدیث کہ من مس ذکرہ فلیتوضاء جو اپنے پیشاب گاہ کو چھولے - وہ وضو کرے (اس حدیث کے مناقض ہے کہ ھل ھو الا بضعۃ منک نہیں ہے وہ مگر ایک جزو تیرا) تو وہ شخص محقق نہیں ہے - اسلئے حدیث مس ذکر بڑے بڑے بزرگ اور مقربان درگاہ الٰہی کے واسطے ہے - اور دوسری حدیث بضعہ والی عوام کے ساتھ مخصوص ہے - چنانچہ اس کا مفصل بیان اوس جگہ آجائے گا - جہاں آئمہ کے کلام کی توجیہات بیان کی جائینگی - انشاء اللہ تعالےٰ +

(اگر کوئی سوال کرے) کہ جب تم کہتے ہو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں کوئی دلیل ضعیف نہیں ہے - کیونکہ آپ کے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سلسلہ رُوات صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا ہے - اور وہ سب کے سب جرح قدح سے صحیح و سالم ہیں - تو پھر کیا وجہ ہے جو بعض حُفاظ احادیث نے امام صاحب کی بعض دلیلوں کو ضعیف کہا ہے - اور تمہارے پاس اسکا کیا جواب ہے +

(تو جواب یہ ہے) کہ ہم پر واجب ہے کہ جن راویوں کی وجہ سے حفاظ نے حدیث کو ضعیف تبلایا ہے اون سے وہی راوی مراد لیں جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اوس حدیث کے روایت کرنے والے پیدا ہوئے ہیں - اور انہوں نے امام صاحب کے طریق روائیت کے علاوہ دوسرے طریق کو اختیار کیا ہے - کیونکہ تینوں اماموں کے مُسندوں میں جس قدر احادیث موجود ہیں - وہ سب صحیح ہیں - اس لئے کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں - تو وہ ہرگز اون سے استدلال نہ کرتے - اور امام صاحبؒ سے نیچے کی سند میں کسی راوی کا کاذب یا دروغ سے متہم ہونا کوئی نقص نہیں پیدا کرتا ہمارے واسطے اوس حدیث کی صحت کی دلیل یہی کافی ہے - کہ مجتہدین نے اوس سے استدلال کیا ہے - اور اوس حدیث پر عمل کرنا ہمیں تب ہی واجب ہے کہ جب کوئی اور اوس حدیث کو روائیت نہ کرے - اس باریک بات کو جس کی میں نے تنبیہ کی ہے ذرا غور سے ملاحظہ کرو - کیونکہ انشاء اللہ یہ بات کسی اور محدث کے کلام میں نہ پاؤگے +

اور تم کو چاہئیے کہ امام صاحبؒ کے تینوں مُسندوں کے مُطالعہ سے قبل ہرگز اونکی کسی دلیل

کی تضعیف پر جرأت نہ کرو۔ البتہ جب اونکا مطالعہ کرلو۔ اور اون میں اوس حدیث کو نہ پاؤ جو امام صاحب کے کسی مسئلہ کی دلیل ہے تب تضعیف کرسکتے ہو۔ اور اس بات کا بھی تو احتمال ہے کہ جس شخص نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے ادلہ کو ضعیف بتلایا ہے اوس کا یہ مطلب ہو کہ امام صاحب کے اصحاب کا مذہب جسکو انہوں نے امام صاحب کے بعد پیدا کیا ہے۔ اور امام موصوف کے کلام سے اوسکو سمجھا ہے ضعیف ہے۔ اگرچہ یہ اوس کی حقیقت مذاہب سے ناواقفیت کی دلیل ہے اسلئے کہ درحقیقت مذہب وہ ہے جسکا امام نے خود قول کیا ہو۔ اور عین حیات میں کبھی اوس سے رجوع نہ ثابت ہو نہ وہ جو امام کے کلام سے مفہوم ہوتا ہو جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اور یہ ناواقفیت کچھ عوام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے طالب علم اس مرض میں گرفتار ہیں کہ وہ امام کے شاگردوں کے مذہب کو امام کا مذہب بتادیتے ہیں۔ حالانکہ اوس خاص مسئلہ میں خود امام کا کوئی بھی قول نہیں ہوتا۔ لیکن اون کی یہ حرکت گفتگو میں تقوی اور احتیاط نہ ہونے کی دلیل ہے۔

اور علماء کا ارشاد ہے کہ ہر قول کو خاص اوس کے قائل ہی کیطرف نسبت کرنا تا کہ علماء کو اوس میں غور کرنے کا موقعہ ملے۔ اور اوس کی تعیین نسبت کی وجہ سے وثوق اور اعتماد حاصل ہو۔ علم کی برکت اور اوس کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ برخلاف اس کے کہ یوں کہدیا جائے کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے۔ کیونکہ یہ نسبت ناقص ہے۔ پھر بعض عالم ایسے ہیں جن کے کلام کو خدا تعالی نے مقبول عوام بنایا۔ اور بعض ایسے کہ جن کے کلام کو مقبولیت عنایت نہیں فرمائی۔ چنانچہ لوگ اوس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں ٭

اب میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ادلہ کی صحت تم پر خوب ظاہر کرچکا۔ اور یہ بھی ثابت کرچکا کہ جتنی روایات سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے۔ وہ سب خیار التابعین سے مروی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے۔ جو کبھی دروغگوئی سے متہم ہوا ہو۔ اور اگر کسی دلیل کو امام موصوف کی ضعیف کہا جائے۔ تو یہ ضعف صرف اون راویوں کے ضعف کیوجہ سے ہوتا ہے جو آپ کی وفات کے بعد آپ کی سند کے درجہ تحتانی میں ہیں۔ اور اس سے اوس دلیل میں کوئی نقص لازم نہیں آتا جسکو امام صاحب نے اختیار کیا ہو۔ اور آپ سے ابتدا کرکے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک جملہ راویوں کا ملاحظہ کیا جائے ٭

اسی طرح امام موصوف کے اصحاب کے ادلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ اون میں سے کسی نے ایسی ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کیا جو خبر واحد ہو۔ اور سوائے ایک طریق کے دوسرے طریق سے کبھی روایت نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ ہمارا تتبع اس کی پوری شہادت دیتا ہے۔ بلکہ جب کبھی وہ استدلال لاتے ہیں۔ تو یا تو حدیث صحیح سے یا حسن سے یا ایسی ضعیف حدیث سے جس کی روایت کے طریقے کثیر ہوں اور کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ تک پہونچ گئی ہو۔ اور یہ بات کچھ ایسی نہیں ہے۔ جو امام صاحب ہی کے اصحاب کے ساتھ مخصوص ہو۔ بلکہ اوسمیں تمام مذاہب شریک ہیں۔ چنانچہ پہلے گذر چکا ہے ٭

جب تم خوب سمجھ چکے۔ تو یاد رکھو کہ پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اون کے کسی آدمی سے

ہرگز تعصب مت کرو۔ اور اپنے آپ کو اون لوگوں کی تقلید سے محفوظ رکھو۔ جو امام صاحب رح کے حالات اور اون کے تقوے اور دینی احتیاط سے ناواقف ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ امام صاحب رح کے ادلہ ضعیف ہیں۔ تم اون کی تقلید سے اس قول میں اون کے شریک نہ ہو جانا۔ ورنہ تمہارا حشر خسارہ یاب لوگوں کی ساتھ ہوگا ✦

ہاں یہ ضرور ہے کہ اون کے دلائل کا تتبع کرو جس طرح ہم نے کیا ہے تاکہ تم کو معلوم ہو جائے۔ کہ امام صاحبؒ کا مذہب نہایت صحیح ہے جس طرح بقیہ مجتہدین کے مذاہب درست ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ تم اون کے مذہب کی صحت اسطرح دیکھو جس طرح ابر نہ ہونے کے وقت آفتاب تاباں دوپہر کو صاف و بے لاگ نظر آتا ہے۔ تو تم کو چاہیے کہ علم و عمل میں اللہ والوں کا سا خلوص پیدا کرو۔ تاکہ پھر تم کو شریعت کا وہ چشمہ نظر آنے لگے۔ جسکا ہم شروع کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور تمام مذاہب مجتہدین کو اوس سے متفرع ہوتے ہوئے اسطرح دیکھنے لگو۔ کہ کوئی مذہب بہ نسبت دوسرے مذہب کی اوس سے زیادہ نزدیک نہ ہو۔ بلکہ تمام مذاہب چشمہ سے قرب و بعد میں علی التسویہ ہوں۔ پس خدا تعالےٰ اوس شخص پر رحم فرماویں۔ جو تمام آئمہ اور اون کے مقلدوں کے ساتھ ہمیشہ ادب کا لحاظ رکھتا ہو۔ کیونکہ باریتعالےٰ نے اونکو بندونکا پیشوا بنایا ہے۔ اسلیئے کہ وہ سب مذہب رہنما اور جنت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اور عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے۔ کہ وہ شخص جو آئمہ کے ساتھ ادب کے لحاظ کو واجب سمجھتا ہے۔ اون کے سامنے فرحت و سرور کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ اور اون میں سے ہر ایک اوس کے ہاتھ کو پکڑ کر شفاعت کرانا چاہیگا۔ برخلاف اوس شخص کے جو اون کی شان میں بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ کیونکہ اوسکی جیسی کچھ درگت وہاں بنیگی۔ وہ جان لیگا

فصل) اس کے اندر اوس شخص کے قول کا ضعف ثابت کیا جائیگا جو کہتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں احتیاط کم ہے ✦

جاننا چاہیئے۔ کہ یہ اوس شخص کا قول ہے۔ جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تعصب رکھتا ہے اور علم کے چسکہ سے بے بہرہ ہے۔ کیونکہ میں نے بحمداللہ تعالےٰ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کی خوب چھان بین کی ہے۔ چنانچہ میں نے اوسمیں انتہا درجہ کی احتیاط اور اعلیٰ درجہ کے تقوےٰ کو ملحوظ پایا ہے۔ اور اوس کی وجہ یہ ہے کہ کلام متکلم کی ایک صفت ہے۔ اور امام صاحب رضی اللہ عنہ کے تقوےٰ اور دینی احتیاط اور اون کے خدا تعالےٰ سے بلجد خائف ہونے پر جمیع علماء خلف اور سلف کا اجماع ہے تو ضرور ہے کہ آپ کے اقوال بھی آپ کی ذاتی حالت پر دائر ہونگے ✦

علاوہ بریں یہ امر ہے کہ ہر امام نے اگر کسی امر میں تشدید کا لحاظ کیا ہے۔ تو ضرور دوسرے امر میں تخفیف کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ امت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بار گراں نہ پڑ جاے جیسا کہ اون تمام کے مذاہب پر عبور کرنے سے خوب واضح ہو جاتا ہے۔ تو اگر بالفرض امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کسی قول میں احتیاط کی قلت ہو بھی تو اس سے متعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگر تم کو اس قول میں بھی کچھ شبہ ہو تو تمام ابواب فقہ میں کتاب الطہارۃ سے لیکر آخر ابواب فقہ تک امتحان کر کے دیکھ لو۔ انشاءاللہ تعالےٰ میرے قول میں ذرا بھی خلاف

پاؤگے - بالخصوص اموال اور بُضعوں میں - کیونکہ ان کے اندر اگر امام مشتری کی جانب سے احتیاط کا لحاظ کرے - تو بائع کی جانب سے بے احتیاطی ہوتی ہے - اور برعکس - اور اگر زوج کی طرف سے احتیاط کا اعتبار کر کے وقوع طلاق کا قائل ہوتا ہے - تو دوسرا شخص جو بعد میں اوس مطلقہ سے نکاح کریگا اوس کے اعتبار سے بد احتیاطی ہوتی ہے - اور برعکس - علیٰ ہذا القیاس تمام وہ مسائل جن میں آئمہ کا باہمی خلاف ہے ❖

اب یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شخص مذکور نے امام صاحبؒ کی جانب سے جس امر کو قلتِ احتیاط بتلایا ہے - وہ حقیقت میں قلتِ احتیاط نہیں ہے - بلکہ وہ بہ اتباع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم امتِ محمدیہ پر تسہیل اور تیسیر ہے - کیونکہ آنجناب رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ یسّروا ولا تعسّروا یعنی آسانی کرو دشواری نہ ڈالو - مطلب یہ ہے کہ ہر اوس امر میں جس کے اندر شریعت نے کوئی تصریح نہ کی ہو - ورنہ جسکی شریعت نے تصریح کردی ہے - اوس کے اندر تو کبھی کسی پر دشواری اور مشقت ہو ہی نہیں سکتی - تو اسمیں بھی شریعت کے دونوں مرتبے تخفیف و تشدید کے جاری ہیں ❖

اور طلحہ بن مصرف اور اون کے والد اور سفیان ثوری وغیرہ تو اس کو بھی مذموم جانتے ہیں کہ علماء کے درمیان اختلاف کا لفظ استعمال کیا جائے - اسی وجہ سے اونکا قول ہے کہ یوں نہ کہو کہ فلاں مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے - بلکہ یہ کہو کہ علماء نے اس امر میں وسعت بخشی ہے - کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ (دین کو قائم کرو - اور اوسمیں ہرگز اختلاف نہ کرو) انتہیٰ ❖

پس ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے کسی قول پر معترض نہ ہو - خواہ اوسمیں اوس نے تشدید کی ہو یا تخفیف - کیونکہ وہ قواعد دین سے تو خارج نہیں ہے - اور نہ میزان کے دونوں مرتبوں سے جسمیں تمام مجتہدین اور مقلدین کے اقوال مجتمع ہیں - وہ قول باہر ہے - اسی طرح اوس مقلد پر بھی واجب ہی کہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھے - کہ وہ امام خواہ اوس نے تخفیف کی ہو یا تشدید پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہے - اور یہ عقیدہ اوس وقت تک ضروری ہے - کہ جب تک وہ مقلد شریعت مطہرہ کے اوس چشمہ سے واقف نہ ہو جائے جس سے علمائے شریعت کے تمام اقوال متفرع ہوتے ہیں ❖

اور اہلِ کشف کا اسپر اتفاق ہے - کہ اُمت سے رفع حرج کرنا اون پر تنگی واقع کرنے سے زیادہ بہتر ہے - اسلئے کہ رفع حرج ہی تمام مقاصد کا اصل مقصد ہے - مخلوق کی جنت میں اسی رفع حرج کی انتہا ہوگی - کیونکہ وہ اوس کے اندر جہاں چاہینگے ٹھکانا بنائینگے - اور کسی پر کوئی روک ٹوک نہ ہوگی - اور نہ کوئی تنگی - بلکہ آزاد ہونگے - برخلاف دنیاوی حال کے - والحمد للہ رب العالمین ❖

فصل اس کے اندر بعض اون لوگوں کا ذکر ہوگا - جو تمام آئمہ رضی اللہ عنہم کے مابین امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بہت زیادتی کرتے ہیں - اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وسعت علمی اور کثرتِ تقویٰ اور کثرت عبادت اور آپ کے پاکدامن ہونے اور اُمت پر وسعت کے خیال رکھنے کا بھی ذکر کیا جائیگا ❖

امام ابوجعفر شیزاماری شقیق بلخی سے روایت کرتے ہیں - کہ وہ فرماتے تھے - کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اورع ناس میں سے تھے - اور سب سے بڑے عالم اور سب سے زیادہ عبادت گذار اور سب سے

زیادہ اکرام کرنے والے اور سب سے زیادہ دین میں محتاط اور دین خداوندی میں قول بالرای سے سب سے زیادہ دور باش تھے۔ اور آپ کا دستور تھا۔ کہ کسی مسئلہ علمی کو اوس وقت تک وضع اور ثبت نہیں فرماتے تھے کہ جب تک اوسکی وجہ سے اپنے اصحاب کو جمع کر کے ایک مجلس نہ منعقد کر لیتے۔ اور پھر سب کی رائے اوس مسئلہ کے موافق شریعت ہونے کی شہادت نہ دیتے تب امام ابو یوسف وغیرہ کو حکم دیتے تھے۔ کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں درج کرو۔ انتہی، اور اس کا مفصل بیان پہلی فصلوں میں گذر چکا ہے ✦

اب تم اے صاحبو! اس بابرکت امام کے زہد اور اس امر کو ملاحظہ کرو۔ کہ وہ خدا تعالے سے کسقدر ڈرتے تھے۔ اور شریعت میں کسی ایسے امر کی زیادتی سے کسقدر احتیاط کرتے تھے۔ جو شریعت کے خلاف ہو۔

امام موصوف القدر نے اپنی اوس سند کے ساتھ جو ابراہیم ابن عکرمہ مخزومی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے تمام زمانہ عمر میں کوئی شخص عبادت گذار اور زاہد و متورع اور عالم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں دیکھا ✦

اور امام شیزاماری عبد اللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا میں کوفہ میں گیا اور وہاں جاکر وہاں کے باشندوں سے دریافت کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے تو تمام نے بالاتفاق جواب دیا۔ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پھر میں نے کہا کہ سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ اُنہوں نے امام صاحب ہی کا اسم گرامی تلایا میں نے دریافت کیا۔ سب سے زیادہ زاہد اور پرہیز گار کون ہے؟ تو اُنہوں نے پھر اوہی کا نام لیا۔ پھر میں نے دریافت کیا۔ اچھا تمہارے شہر میں سب سے زیادہ عبادت گذار اور علمی مشاغل سے دلچسپی رکھنے والا کون ہے؟۔ اُنہوں نے جواب میں امام صاحب ہی کو بتلایا۔ غرض میں جس عمدہ خصلت اور خلق والے آدمی سے سوال کرتا گیا۔ وہ جواب میں یہی کہتے گئے۔ کہ ہم امام صاحب کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے ✦

اور شقیق بلخی امام صاحب کی بیحد تعریف کیا کرتے تھے۔ اور بھرے مجمع میں لوگوں کے منہ پر یہ کہا کرتے تھے۔ کہ کون شخص ہے۔ جو تقوے میں ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی برابری کر سکتا ہے جس کے تقوے اور احتیاط کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی آپ سے کپڑا خرید کر لے جاتا۔ اور اوس کی قیمت اپنے غلہ میں ملا دی ہوتی۔ تو اتفاق سے کبھی کپڑا واپس کرنے لاتا۔ تو اوس کو واپس کر لیتے۔ اور اوس شخص کو تمام غلہ اُٹھا کر دیدیتے اور فرما دیتے کہ چونکہ تیرے دراہم غلہ میں ملجانے کی وجہ سے متعین نہیں رہے۔ اسلئے یہ تمام لے جا۔ اور میں تجھ سے اسکا نہ دنیا میں دعویدار ہونگا۔ اور آخرت میں طلبگار۔ ہم نے آجتک ایسا تقوے کسی کا نہیں دیکھا سوائے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ✦

اور امام شیزاماری نے یہ بھی روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ریشمی کپڑوں کے فروخت کرنے کا ایک شخص کو وکیل بنا دیا۔ اور چونکہ اون میں ایک کپڑا عیب دار تھا۔ اسلئے اوس وکیل کو ہدایت کر دی کہ تو جب اس کپڑے کو فروخت کرنے لگے۔ تو اوسکا یہ عیب

ضرور ظاہر کردینا - اتفاقی امر کہ اوس نے وہ کپڑا فروخت کردیا - اور عیب تبلانا اوسے یاد نہ رہا - اور اوسکی قیمت بھی دوسرے کپڑوں کی قیمت میں ملادی - جب وکیل نے امام صاحب رح سے یہ واقعہ عرض کیا - تو اوس زمانہ کے پرہیزگار نے تمام کپڑوں کی قیمت اور غلہ کا غلہ ہی فقراء اور مساکین اور حاجتمند اہل جزیہ پر خیرات کردیا -

اور امام شیر اباری کا قول ہے کہ ہم کو شقیق بلخی سے یہ روایت پہونچی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے قرضدار کی دیوار کے سایہ میں بھی نہیں بیٹھتے تھے - اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا اوس شخص پر قرض ہے - اور آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے - کہ جو قرض نفع حاصل کرائے مقروض سے تو وہ سود ہے اور اس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنا نفع سے خالی نہیں - اسلئے نہیں بیٹھتا ؛

اور امام موصوف کے باریک تقوے کا اندازہ اس واقعہ سے خوب ہوسکتا ہے - کہ ابوجعفر منصور خلیفۃ المسلمین نے جب امام صاحب رح کو فتوے دینے سے روک دیا - تو ایک دفعہ رات کے وقت آپ کی صاحبزادی نے دریافت کیا کہ کیا وہ خون جو مسوڑہوں سے نکلے وضو کو توڑ دیتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ صبح کو اپنے چچا حماد سے دریافت کرلینا - کیونکہ میرے امام نے مجھے فتوے دینے اور مسائل تبلانے سے منع کردیا - اور میں اون لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو پس غیبت اپنے امام کی خیانت کرتے ہیں (انتہی)

خلیفہ ابوجعفر نے جب آپ کو فتوے دینے سے منع کیا تھا - تو اوس وقت تک وہ آپکے کمالات علمیہ سے واقف نہ ہوا تھا - اور نہ آپ کی اوس سے ملاقات ہوئی تھی ؛

اور ابونعیم وغیرہ نے امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے پچاس سال برابر صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی - اور رات کو زمین پر پہلو رکھکر تو کبھی بھی نہیں سوئے - البتہ ظہر کی نماز پڑھکر ایک لحظہ کے لئے بیٹھے بیٹھے سو رہتے تھے ؛

اور یہ روایت ثقات سے پہونچی ہے - کہ جب آپ نے قاضی بننے سے انکار کیا تو آپ کے جسم اطہر پر تازیانے لگائے گئے - اور پھر آپ کو قید کردیا گیا - آپ نے ان مصائب کو قضاء کے اختیار کرنے پر ترجیح دی ؛

اور آپ کو قضاء کے اختیار کرنے پر اس وجہ سے مجبور کیا گیا تھا - کہ جب آپ کے زمانہ کا قاضی انتقال کرگیا - تو خلیفہ نے اپنے شہروں میں ایسے شخص کی تلاش شروع کردی جسکو قاضی مرحوم کے قائم مقام کیا جاسکے - تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی روشنی اور کثرت ورع اور آپ کی پاکدامنی اور خوف الٰہی کی وجہ سے کوئی شخص آپ کے سوا آنکھوں میں نہ سمایا - اور مشہور یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قید خانہ ہی میں وفات پائی ؛

مترجم کہتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس جانکاہ سانحہ کے لکھنے وقت میری آنکھوں سے بیساختہ آنسو نکل پڑے - مجھے امید ہے کہ روز قیامت مجھ جیسے سیاہ کار پر اسی کی بدولت باریتعالے اپنی رحمت کا چھینٹا دیکر مجھے تمام گناہوں سے پاک کردیگا - ناظرین میرے اور اپنے واسطے

خدا تعالےٰ سے اتباع ملت حنیفی کی دعا کریں)

اور جس وقت امام موصوف کو اس کی اطلاع ہوئی۔ کہ ہم نے تمام علما کی پڑتال کر لی لیکن ہم نے کسی کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے نہ زیادہ فقیہہ پایا اور نہ زیادہ متقی۔ اون کے بعد پھر سفیان ثوری اور صلہ ابن اشیم اور شریک کا مرتبہ ہے۔ تو امام موصوف نے فوراً فرمایا کہ میں تم سے اندازاً کہتا ہوں کہ میں تو پیٹا بھی جاؤنگا۔ اور قید بھی کیا جاؤنگا۔ اور پھر بھی قضاء کو منظور نہ کروں گا ٭ اور سفیان ثوری بھاگ جائینگے۔ اور صلہ ابن اشیم اپنے آپ کو بیوقوف ظاہر کر کے چھوٹ جائینگے۔ اور رہے شریک سو وہی اس قضا کے والی ہونگے۔ چنانچہ واقعہ اسی طرح وقوع پذیر ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ کیونکہ سفیان ثوری تو جوانمردوں کا لباس پہن اور ہاتھ میں عصا لیکر بلادِ یمن کیطرف نکل گئے۔ اور ہیئت بدل لینے کی وجہ سے کسی نے پہچانا بھی نہیں۔ اور شریک قاضی بنائے گئے۔ اور صلہ ابن اشیم ایک دن خلیفہ کے پاس گئے۔ اور جا کر کہنے لگے کہ اے خلیفہ تیرے پاس گدھے کتنے ہیں اور گھوڑے کتنے۔ اور آج تو نے کیا پکایا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اس کو یہاں سے نکالو۔ کیونکہ یہ مجنون ہے ٭

شیرازی کا بیان ہے کہ ہم کو تینوں حضرات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور سفیان رضی اللہ عنہ اور صلہ ابن اشیم رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہونچی ہے کہ اون سب نے اپنی تمام عمر شریک کو چھوڑے رکھا۔ اور سب یہ کہا کرتے تھے کہ باوجودیکہ اوسکا حیلہ کر کے اس گڑھے سے چھٹکارا پانا ممکن تھا لیکن اوس نے ایسا نہ کیا۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین)

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اُمت محمدیہ پر وسعت اور تسہیل کرنے کی نظائر کثیر ہیں جو شخص آپ کے اقوال کا تتبع کرے اوس کو خوب پتہ لگ سکتا ہے۔ اور اون کا اکثر حصہ اوس مقام پر آجائیگا جہاں اقوال آئمہ رضی اللہ عنہم کی توجیہات بیان کی جائینگی ٭

منجملہ اونہی کے آپ کا یہ قول ہے کہ اون حماموں کے پانی سے غسل و وضو درست ہے جو گوبر اور مُردار کی ہڈیوں سے گرم کئے گئے ہوں)

خود غور کر سکتے ہو کہ اسمیں اُمت پر کس قدر وسعت کر دی ہے۔ برخلاف اوس امام کے جو ایسے پانی سے طہارت حاصل کرنے کو جائز نہیں کہتا۔ اور بلکہ اوس روٹی کے کھانے کو منع کرتا ہے جو نجاست سے پکائی گئی ہو۔ اگرچہ یہ دونوں قول میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کی طرف رجوع کرتے ہیں ٭

اور منجملہ اونہی اقوال کے ایک یہ بھی قول ہے کہ مٹی کا وہ برتن جو نجس ہو گیا ہو آگ میں رکھنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو اس میں بھی اُمت پر کتنی آسانی کر دی۔ اور اگر یہ فرمان نہ ہوتا۔ تو نہ مٹکوں کا استعمال ہمیں جائز ہوتا۔ اور نہ لوٹوں کا۔ اور نہ برتنوں کا۔ مثلاً رکابی وغیرہ۔ اور نہ مٹی کے بڑے گھڑوں کا اور نہ مٹی کے توؤں کا اور نہ بڑے بڑے موہنوں کا۔ اور نہ نجاست کی راکھ کا جس میں یہ سب برتن بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم کو صحیح خبر پہونچی ہے کہ یہ سب چیزیں جب تک گوبر سے مخلوط نہ ہوں۔ اوسوقت تک آوے میں پک نہیں سکتیں۔ کیونکہ آوے پر ایک جز دوسرے جز کی

روک۔ تھام بغیر گوبر کے نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہم نے کمہار کے یہاں خود اسکا مشاہدہ کیا ہے۔ اور اگر ایسے برتنوں کا استعمال حلال ہونے میں لوگ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہ کرتے تو اون کی زندگی خراب ہوجاتی اور اون کی بہت سی ضروری حوائج میں نقصان آجاتا +

اور میں نے امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل بھی نکالی ہے۔ اور وہ وہ حدیث ہے جو گناہگار مسلمانوں کے آگ سے پاک ہوجانے کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ وہ لوگ تھوڑے روز دوزخ میں رہ کر جب گناہوں سے پاک ہوجائینگے۔ تو جنت میں داخل ہوسکینگے۔ کیونکہ جنت میں وہی لوگ داخل ہونگے جو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی میل کچیل سے صاف و پاک ہونگے۔ تو بس جسطرح آگ باطنی گناہوں سے پاک کرنے کا آلہ ہے اسی طرح ظاہری نجاسات کا بھی مثلاً سرگین وغیرہ جو برتنوں میں ملا یا جاتا ہے ازالہ کرسکتی ہے +

(اگر تم کہو) کہ پھر اوس شے میں کیا حکم ہے جو اصل خلقت سے نجس ہو جیسے خنزیر کی ہڈیاں اور اور اوس کے باقی اجزار جب جلا دیئے جائیں۔ اور جو شخص ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے نجس کہتا ہو۔ وہ سوختہ ہوجانے کے بعد کیونکر طہارت کا قائل ہوسکتا ہے ؟

(تو جواب یہ ہے) کہ اس قسم کی باتوں کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کیطرف ہرگز منسوب کرنا مناسب نہیں۔ اسلئے کہ خنزیر کی نظیر ایسی ہے جیسے کفار کے اجسام جنکو آگ بھی پاک نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل اقوال علماء کی توجیہات میں آجائے گی انشاء اللہ تعالےٰ

اسقدر تقریر کے بعد روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ کہ ہر مکلف پر خدا تعالےٰ کا شکریہ واجب ہے اس لئے کہ اوس نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا شخص دنیا میں اس غرض سے پیدا کیا۔ تاکہ وہ خدا تعالےٰ اور اوس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امت پر آسانی کرنے والا دیکھکر اون کے اتباع سے خود بھی عاجزان امت پر وسعت اور سہولت ڈالے۔ نہ سختی اور صعوبت +

اور جسقدر امور ایسے ہیں کہ اون میں شریعت نے امر یا نہی کی تصریح نہیں کی۔ بلکہ اون سے سکوت کیا ہے۔ تو اون میں امت پر توسیع اور اون کو معافی دینا مقصود ہے۔ اور کسی عالم کو جائز نہیں۔ کہ ایسے امور میں امت کے لوگوں کو پابند عمل کرے۔ اور اگر کسی عالم سے اسکا صدور ہو بھی جائے تو وہ اتقاء اور احتیاط پر محمول کیا جائیگا۔ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کی عورتوں کو ریشمی لباس پہننے سے منع فرمایا۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سے بالخصوص عورتوں کیواسطے ریشمی لباس کی حلت کا ثبوت ہے +

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علماء ہی شریعت کے امین ہیں۔ تو اگر وہ بعض مسائل کا شریعت سے استنباط کرکے مخلوق کو بتائیں۔ تو اون پر کچھ اعتراض نہیں۔ اور خاصکر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو۔ کیونکہ جب آپ تمام اماموں میں بزرگ اور تدوین مذہب کے لحاظ سے مقدم اور سند کے اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت دوسرے اماموں کی نزدیک ہیں۔ تو اون پر ہرگز کسی شخص کو اعتراض کرنا مناسب نہیں۔ اور ہم کو کس طرح مناسب ہوسکتا ہے۔ کہ ہم آپ پر معترض ہوں جبکہ آپ کی بزرگی اور تبحر علمی اور زہد اور تقوے اور پاکدامنی اور عبادت اور

خداتعالےٰ کے سامنے کثرتِ مراقبہ اور اپنی تمام عمر خداتعالےٰ سے ڈرتے رہنے پر علماء کا اجماع ہوچکا ہو۔ اگر اس پر بھی کوئی اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔ تو میں خداتعالےٰ کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اسکا سبب سوائے اس کے کہ وہ اپنی قلبی بینائی سے کور ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اسلئے کہ جسقدر انہوں نے ہم پر توسیع کی ہے۔ وہ سب درحقیقت شارع کی توسیع ہے۔ پھر اگر وہ امر جس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توسیع کی ہے ایسا ہے جس میں شریعت نے کوئی تصریح نہیں کی۔ تو وہ امام صاحب رح کے نورِ قلب اور اجتہاد کا ثمرہ سمجھا جاویگا۔ اور جب ایسا بڑا امام جو شدتِ ورع اور احتیاطِ دینی کے ساتھ متصف ہو۔ ہم پر مسائل میں توسیع کرے۔ اور پھر ہم اوس توسیع کے محتاج بھی ہوں۔ تو پھر کسی عاقل مسلمان کو اوس پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ اور پھر اوسوقت کہ جب اوس کو اوس توسیع کی دن اور رات سخت حاجت پڑتی ہو۔ بس اس کو خوب سمجھ لو۔ اس لئے کہ یہ مضمون بہت نفیس ہے +

اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ وہنسے چلے جاؤ۔ جو بے علم ہوکر اماموں سے بے پروائی اور روگردانی کرتے ہیں۔ ورنہ تم دنیا اور آخرت میں ٹوٹا پاؤگے۔ اور خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بنجاؤگے۔ کیونکہ امام صاحب رضی اللہ عنہ قرآن کریم وحدیث شریف کے پابند اور رائے سے بری ہیں۔ جیساکہ ہم اس کتاب میں پہلے چند مرتبہ بیان کرچکے ہیں۔ اور جو شخص امام موصوف کے مذہب کی تفتیش کریگا۔ تو اوسمیں بہ نسبت دوسرے اماموں کی دینی احتیاط زیادہ پاویگا۔ اور جو اس کے خلاف کا قائل ہے۔ وہ اون جاہلوں میں سے ہے جو متعصبین ہیں۔ اور باوجود اپنی سمجھ کمزور ہونے کے آئمہ ہُدےٰ کا انکار کرتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دامن اس قسم کی تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ بلکہ وہ ایسے جلیل القدر امام ہیں جن کی پیروی تمام مذاہب کے ختم ہونے تک بھی ہوتی رہیگی۔ جیساکہ مجھ کو بعض صحیح کشف والوں نے خبر دی ہے۔ اسی طرح اون کے متبعین اور مقلدین جسقدر زمانہ دراز ہوتا جائیگا۔ تعداد میں بڑھتے جائینگے۔ اور آپ کے اور آپ کے مقلدین کے اقوال میں اعتقاد کی نمایاں ترقی ہوتی جائیگی +

اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ قول ہم پہلے بیان کرہی چکے ہیں۔ کہ تمام لوگ فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ اور آپ کے مقلدوں کا راسخ العقیدہ ہونا اس سے خوب واضح ہوسکتا ہے کہ آپکے بعض مقلدوں کو مارا اور پیٹا گیا۔ محض اس غرض سے کہ وہ کسی دوسرے امام کے مقلد ہوجائیں۔ لیکن انہوں نے ہرگز اسکو منظور نہ کیا۔ اور اس جیسی بات قسم کھاکر کہتا ہوں کہ بیکار نہیں ہوسکتی +

اور بعض اہل تعصب کا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر کچھ نکتہ چینی کرنا اور اونکو اہل الرائے میں سے بتلانا ہرگز ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ بلکہ امام موصوف رح کے متعلق تمام نکتہ چینی اور اعتراض کے کلام اہلِ تحقیق کے نزدیک ذٹلیات اور لغویات کی مثل ہیں۔ اور اگر ان طعنہ زنوں کا مجتہدین کے منہاجِ اصول کی معرفت میں قدم پڑچکا ہوتا۔ اور وہ اون کی استنباطات کی باریکیوں کو پاگیا ہوتا۔ تو اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اکثر مجتہدین پر رتبۃً مقدم رکھتا۔ کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے مضامین عقول متوسطہ سے مخفی رہتے ہیں برخلاف دوسرے اماموں کے کیونکہ اون کے قرآن کریم اور حدیث شریف سے استنباطی طریقے اکثر ادن طلبہ پر ظاہر ہوتے ہیں جو مفاہیم اور مضامین کے سمجھنے میں قدم زن ہو چکے ہیں +

اور جب تم کو تمام اماموں کا دین میں رتبے سے بری ہونا ظاہر ہو گیا تو آئمہ کے کلام میں سے جس کے ساتھ شرح صدر پاؤ۔ عمل کرنے لگو۔ اگرچہ تم اوس کلام کی کنہہ تک نہ پہونچو۔ کیونکہ وہ میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف وتشدید سے تو خارج ہو نہیں سکتا۔ اور تم بھی اون دونوں مرتبوں میں سے کسی نہ کسی مرتبے کے اہل ضرور ہوگے +

اور اپنے آپ کو اس سے دور رکھو۔ کہ کسی مجتہد کے کلام پر عمل کرنے سے توقف کرو۔ کیونکہ انہوں نے کسی قول کی وضع بلا لحاظ دینی احتیاط کے نہیں کی ہے۔ بلکہ اپنے اور اُمت کے دونوں کے اعتبار سے احتیاط ملحوظ رکھی ہے۔ اور ہم اماموں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ آئمہ مجتہدین کے درمیان تفریق کرنے والا ایسا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنیوالا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام اور آئمہ رحمہم اللہ میں مرتبہ اور مقام کا تفاوت ضرور ہے۔ کیونکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور اپنے اپنے مذاہب میں اونہی کے قدم بقدم چلے ہیں۔ اور جو شخص اپنی نظر کو وسیع کرکے شریعت کے چشمہ اولے کا ملاحظہ کریگا۔ اور آئمہ کے اقوال کے ماخذوں سے واقف ہو جائیگا۔ اور اون تمام کو اوسی ایک چشمہ سے سیراب ہوتے دیکھ لیگا۔ تو پھر اوسکو کسی امام کے قول پر عمل کرنے میں ذرا بھی توقف نہ رہیگا اور ہم بحمد اللہ اس کی خوب تحقیق کر چکے ہیں۔ تو میرے نزدیک اوس رخصت پر عمل کرنے میں جس کا کوئی امام قائل ہوا ہو کوئی توقف نہیں۔ بشرطیکہ اوس کی اہلیت پائی جاتی ہو۔ اور جو شخص بطریق کشف اس مقام تک نہیں پہونچا ہے۔ تو اوس پر واجب ہے کہ وہ آئمہ کے متعلق یہ عقیدہ بطور ایمان اور مان لینے ہی کے رکھے۔ اور جب تم نے مذکور سابق بیان کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔ وہ ہرگز اس عقیدہ کی مخالفت نہ کریگا کہ تمام آئمہ مسلمین پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور جو شخص اس عقیدہ میں توقف کریگا۔ اوس کو یہ کہا جائیگا۔ کہ یہ تمام امام جن کے کلام پر عمل کرنے میں تو توقف کرتا ہے تجھ سے علم میں بھی زیادہ ہیں۔ اور جو کچھ دینی ذخیرہ انہوں نے اپنے مقلدین کے لئے جمع کیا ہے اوس میں یقیناً تجھ سے زیادہ متقی اور محتاط ہیں۔ اور اگر تو اپنے زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کریگا۔ تو تجھ کو مجنون کہا جائیگا۔ یا در و نمگو۔ اور اوس سے یہ بھی کہا جائیگا۔ کہ یہ اقوال جنکو تو ضعیف سمجھتا ہے۔ وہی ہیں جن کے ساتھ علماء متقدمین نے فتوے دیا ہے۔ اور اُنہی کو دین سمجھتے رہے یہانتک کہ عالم فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے +

تو اگر تجھ جیسا شخص اون کے مراتب اور مدارک سے ناواقف ہو تو اوس سے اون کے علم وتقوے میں کچھ نقصان نہیں آسکتا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام علماء اپنی اپنی کتب مؤلفہ میں وہی امور لائے ہیں جن کے لکھنے میں اون کو مشقت برداشت کرنی پڑی ہے۔ اور جن کو ادلہ اور قواعد شریعت کی ترازو پر تول لیا ہے۔ اور جنکو ایسا مزین کیا ہے جس طرح سونا اور سونے ہوتے

ارادہ ... سے تمہارا ادا ... قول پر عمل کرنے سے تمہارا ادا ... ہیں۔ تو اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ اون کے اقوال میں سے کسی ایسے قول پر عمل کرنے سے تمہارا دل
... اور عالم ... تنگ ہو جسکا ماخذ تمہاری سمجھ میں نہ آیا ہو۔ اسلئے کہ تم بہ نسبت اون حضرات کی عامی ہو۔ اور عامی
کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ علمار کا انکار کرے۔ کیونکہ وہ جاہل ہوتا ہے۔ بلکہ تم کو چاہئے۔ کہ علما
کے تمام اقوال پر خواہ وہ مرجوح اور رخصت ہی کیوں نہ ہوں عمل کرو۔ بشرطیکہ اوس پر عمل کرنے کی
علماء کے نزدیک جو شرطیں ہیں وہ موجود ہوں۔

اور جب تم اپنے نفسوں کو خوب غور سے دیکھوگے۔ تو ضرور اوس کو کبائر (کینہ۔ حسد۔ بغض
تکبر۔ مکر اور لوگوں کے ساتھ مذاق اور استہزا اور اون کی غیبت اور اکل حرام) کا مرتکب پاؤگے
بھلا مکروہات صغائر کا تو ذکر کیا۔ تو کیا جو شخص ایسی حالت رکھتا ہو۔ اوس کو اپنے متقی ہونے
کا دعویٰ کرنا مناسب ہے۔ تاکہ اپنے تقوے کی وجہ سے مجتہد کے کسی ایسے قول پر عمل کرنے
انکار کرے جس کی دلیل معلوم نہ ہوئی ہو۔ ہرگز مناسب نہیں۔ ایسی حالت میں اوس کے انکار
باعث میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جہالت یا جاہلوں کی حمایت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اس سے
اوس کی جہالت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے معاصی کا تو مرتکب ہوتا ہے جن کی حرمت
کی دلیل قرآن مجید اور حدیث شریف میں صاف صاف نظر آرہی ہے۔ اور آئمہ برحق کے کلام
میں ورع اور تقوے ظاہر کرتا ہے۔ اور کیا اچھا ہوتا کہ ہم اوس کو ان کبائر سے بھی اسی طرح تقوے
کرتے دیکھتے جس طرح وہ اپنے امام کے سوا دوسرے امام کی تقلید اور اوس عالم کے قول سے
جو اوسکو کسی اور امام کی طرف منتقل ہو جانے کی ہدایت کرتا ہے) روگردان اور متنفر ہے۔ اور
اچھا ہوتا۔ جو اوس شخص مذکور کے نزدیک تمام گناہ ایسے ہی قابل احتراز ہوتے جس طرح ایک مذہب
سے دوسرے مذہب کیطرف منتقل ہونا یا امام کے کسی ایسے قول پر عمل کرنا جس کی دلیل نہ معلوم
ہوئی ہو۔ اور یا آئمہ کے کسی قول ضعیف پر عمل کرنا۔

پس اے صاحبو! جب تک لاعلمی کا پردہ تم سے ہٹ نہ جائے۔ اور شریعت کے اوس حشمہ
پر مطلع نہ ہو جاؤ جس سے ہر عالم کے اقوال متفرع ہیں اوسوقت تک تم پر واجب ہے کہ تمام
آئمہ مجتہدین کے کلام کو صحیح جانو۔ جیسا کہ اسکا بالتفصیل بیان اوس فصل میں گذر چکا ہے جس
میں جتنی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ اور جو شخص بہ نظر انصاف اور صحیح عقیدہ کے ساتھ غور کرے
تو وہ آئمہ کے تمام مذاہب کو قرآن و حدیث سے بنا ہوا پاویگا جس کا تانا اور بانا وہی دونوں
ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین

(فصل) اس میں محققین کا بیان ہے کہ علماء کے لئے جائز ہے کہ وہ بہ حیثیت
رسول ہونے کے بذریعہ اجتہاد جہاں چاہیں احکام موضوع کریں۔ تو جس طرح شارع علیہ السلام
کے لئے جائز ہے کہ وہ جس امر کو چاہیں کسی قوم کے لئے مباح کردیں۔ اور جس امر کو چاہیں دوسرے
کے واسطے حرام کردیں۔ اسی طرح علماء کو بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر وہ نماز یا بیع وغیرہ کو کسی
خاص صورت میں غیر درست اور دوسری صورت میں درست اور صحیح ٹھیرانا چاہیں۔ حالانکہ دونوں
صورتوں میں علت متحد ہو۔ تو ٹھیرا سکتے ہیں۔ اس کی نظیر بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نجاست والی

پر غسل واجب ہے۔ کیونکہ نوزائیدہ بچہ بستہ منی ہوتی ہے۔ اور جب صرف ہاتھ یا پاؤں عورت سے ساقط ہو تو اوسوقت غسل واجب نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ ہاتھ اور پاؤں بھی بستہ منی ہے۔ تو اگر کوئی اون کے اس قول پر معترض ہو۔ تو ہم اوس کو یہ جواب دینگے۔ کہ علماء اس کے اندر شارع کے تابع ہیں مسئلے کہ (خصائص نبویہ) میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ آپ نے اپنے اوپر اون اشیاء کو واجب کر لیا تھا جو دوسروں کے واسطے محض مباح تھیں۔ اور بعض ایسے امور کو اپنے اوپر حرام کردیا تھا جو دوسروں کے لئے جائز تھے۔ لیکن یہ سب باجازت خدائے قدیر کیا تھا۔ و چونکہ علماء آپ کے بعد شریعت کے امین ہیں اس لئے کسیکو اونپر اعتراض کی مجال نہیں اسوقت اون کا کلام ابواب فقہ میں باہم متناقض ہو۔ اور دونوں متناقضوں کی علت ایک ہی ہو۔ والحمد للہ رب العالمین ✦

(فصل) اس کے اندر بعض اون کتابوں کا بیان ہوگا۔ کہ جنکا میں نے اس کتاب (میزان) کی تالیف سے پہلے مطالعہ کیا ہے اور ان کے ذکر سے غرض یہ ہے کہ اگر تم بھی اس کتاب کے مضامین کا بطور ذوق اور دلبستگی کے احاطہ کرنا چاہو تو انہی کتابوں کے دیکھنے میں میرا اقتدا کرو۔ اور کسی شئے کے ساتھ ذوق پیدا ہو جانا زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ بہ نسبت اوس کے صرف جان لینے کے کیونکہ صاحب علم سے علم کا تخلف جائز ہے۔ اور صاحب ذوق سے ذوق کا تخلف جائز نہیں

(اگر کوئی کہنے والا یہ کہے) کہ مؤلف میزان نے محدثین کی تمام احادیث مدونہ اور فقہاء کے تمام اصول متفرقہ کس طرح جان لئے جو وہ اون تمام کو میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کی طرف رد کر سکا

(تو جواب اس کا یہ ہے) کہ جب وہ شخص اون کتابوں کو دیکھیگا جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اون کو یاد کیا ہے۔ اور میں نے اون کی شرحیں بھی پڑھی ہیں۔ تو وہ ضرور مجھے تسلیم کریگا۔ اور اون کتابوں کے مطالعہ میں جنکا میں ذکر کرونگا۔ میری پیروی کریگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ✦

اور کل کتابوں کی تین قسمیں ہیں۔ (اولؔ) متون کو یاد کرنا (دومؔ) اون کی شروح کا پڑھنا۔ (سومؔ) بعض کتابوں کا خود مطالعہ کرنا اور مشکلات کے وقت علماء کی خدمت میں جاکر حل کر لینا ✦

(پہلی قسم) اس میں اون کتابوں کا بیان ہے جو میں نے اپنے آپ یاد کرکے علماء کو سنائیں۔ اون میں سے ایک کتاب (کتاب المنہاج) ہے جس کو علامہ نووی نے تالیف کیا ہے۔ دوسری کتاب (کتاب الروض) ہے۔ علامہ ابن المقری کی۔ تیسری کتاب (مختصر الروضہ) ہے۔ اوس کو صرف باب (قضاء علی الغائب) تک یاد کیا ہے۔ اور چوتھی کتاب (جمع الجوامع) ہے۔ اصول فقہ میں۔ پانچویں کتاب (الفیہ ابن مالک) ہے۔ علم نحو میں۔ چھٹی کتاب (تلخیص المفتاح) ہے علم معانی اور بیان میں۔ اور ساتویں کتاب (الفیہ عراقی) ہے علم حدیث میں۔ اور آٹھویں کتاب (کتاب التوضیح) ہے علم نحو میں جس کو علامہ ابن ہشام نے تالیف کیا ہے۔ اور نانویں کتاب (شاطبیہ) ہے علم قرات میں۔ اور ان کے سوا اور بھی چند

مختصرات ہیں ✤

(دوسری قسم) اس کے اندر اون شروح کا ذکر ہے جو میں نے علماء سے پڑھیں۔ چنانچہ یہ جسقدر کتابیں مذکور ہوئیں۔ ان سب کی شروح میں نے علماء سے پڑھی ہیں۔ اور ایک مرتبہ نہیں۔ بلکہ کئی کئی مرتبہ۔ اور پڑھنا بھی اپنی حیثیت کے موافق خوب تحقیق اور تکرار کے ساتھ پس منہاج کی شرح جو شیخ جلال الدین محلی نے لکھی ہے۔ کتنے ہی شیوخ سے پڑھی۔ اور اوس پر جو محمد بن قاضی عجلون نے (تصحیح المنہاج) لکھی ہے۔ وہ بھی اور اوس کی باقی اور شرحیں جو مصر میں موجود ہیں دس دس مرتبہ نظر مطالعہ سے گذاریں۔ اور (شرح الروض) خود اوس کے مؤلف قاضی شیخ الاسلام زکریا انصاری سے پڑھی۔ اور اون کی اور مصنفات بھی اون سے پڑھیں۔ جیسے (شرح المنہج) (شرح البہجۃ الکبیر) (شرح التحریر) (شرح التنقیح) (شرح رسالۃ القشیری) (شرح آداب البحث) (شرح آداب القضاء) اور انہی سے شرح بخاری تالیف کردہ امام بخاری۔ اور دوسری (شرح بخاری) مؤلفہ شیخ شمس الدین جوجری۔ اور (کتاب القوت) مؤلفہ علامہ اذرعی۔ اور (القطعۃ و التکملہ) مؤلفہ علامہ زرکشی اور (قطعۃ السبکی علی المنہاج) مؤلفہ علامہ شیخ تقی الدین سبکی۔ اور کتاب (التوشیح) مؤلفہ بہاؤ الدین ابن السبکی۔ اور (شرح منہاج) مؤلفہ علامہ سراج الدین بن الملقن شافعی۔ اور (شرح التنبیہ) مؤلفہ علامہ موصوف۔ اور (الکبیر و الصغیر) جو منہاج کی شرح تقی الدین ابن قاضی شہبہ نے لکھی ہے۔ بھی پڑھیں۔ اور (شرح روض) شیخ شہاب الدین رملی سے پڑھی۔ اور اوس کے ہر سبق پر (شرح روض) اور (خادم) اور (مہمات) اور (شرح مہذب) وغیرہ کے زوائد لکھتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ شیخ استاذ میرے اس قدر جلد ان چاروں کتابوں مذکورہ کے مطالعہ پر تعجب کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ ان کتابوں کے زوائد اگر تو نہ لکھتا۔ تو مجھے اس کا وہم بھی نہ ہوتا۔ کہ تو نے ان کتابوں میں سے ایک کتاب کا بھی مطالعہ کیا ہوگا ✤

اور جس وقت میں شیخ الاسلام زکریا سے اون کی کتاب (شرح روض) پڑھتا تھا۔ تو اوس کے تمام ماخذوں اور اصول کا بھی جسقدر ہو سکا مطالعہ کیا اور اوس کے تمام قواعد کی عبارات کو بھی لکھا۔ یہانتک کہ میں اصل کتاب کے تمام اون اصول پر حاوی ہو گیا جن سے ا تمام شرحوں میں مدد لی گئی ہے۔ مثلاً (مہمات) (خادم) (شرح مہذب) (القطعۃ و التکم (شرح بن قاضی شہبہ) (الرافعی الکبیر) (البسیط) (الوسیط) (ابو جبیر) (فتاوی قفال) (فتا قاضی حسین) (فتاوی ابن صلاح) (فتاوی امام غزالی) وغیرہ۔ اور میں نے اپنے شیخ کو بارہ[۱۲] مسئ ایسے بتلائے جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کتاب (زیادۃ الروض) کے ہیں۔ جو روضہ پر لکھی گئ حالانکہ وہ تمام مسائل کتاب (روضہ) کے دوسرے بابوں میں مذکور ہیں۔ اور شیخ نے اون اپنی شرح سے لاحق کر دیا ہے۔ اور میں نے اون کو بہت سے ایسے مواقع تبلائے جن کی نسبت مشہور تھا۔ کہ وہ علامہ زرکشی کے ابحاث سے اور خادم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حالانکہ وہ شاگرد کے اقوال ہیں۔ شیخ نے شرح میں اون کی اصلاح کر دی ✤

اور (الفیہ ابن مالک) کی اکثر شروح میں نے پڑھی ہیں۔ مثلاً (شرح ابن المصنف) (شرح الاعمی والبصیر) (شرح ابن ام قاسم (المکودی) (شرح ابن عقیل) (شرح اشمونی) اور ایک ایک دفعہ نہیں پڑھیں۔ بلکہ شیخ شہاب الدین حسامی وغیرہ سے کئی کئی مرتبہ ان کے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ اور اونہی سے (شرح توضیح) مؤلفہ شیخ خالد اور (کتاب المغنی) اور اوس کے حواشی وغیرہ پڑھے +

اور شیخ شہاب الدین رملی سے (الفیہ عراقی) کی شرح جسکو خود مؤلف الفیہ نے تالیف کیا ہے۔ کئی مرتبہ پڑھی۔ اور شیخ امین الدین خطیب جامع غمری سے (الفیہ عراقی) کی وہ شرح پڑھی جس کو علامہ سخاوی نے تالیف کیا ہے۔ پھر میں نے اوسکا اختصار بھی کیا ہے۔ اور اونہی شیخ موصوف سے (الفیہ عراقی) کی دونوں شرحیں جو علامہ جلال الدین سیوطی اور شیخ زکریا نے تالیف کی ہیں۔ ایک ایک مرتبہ پڑھیں۔ اور اونہی سے (علوم الحدیث) مؤلفہ ابن الصلاح۔ اور (مختصر النووی) بھی پڑھیں۔ اور شیخ نورالدین محلی سے (شرح جمع الجوامع) مؤلفہ شیخ جلال الدین محلی۔ اور (حاشیہ جمع الجوامع) مؤلفہ علامہ ابن ابی شریف پڑھیں۔ اور یہ دونوں کتابیں پڑھنے کے زمانہ میں اسقدر زبانی یاد کرتا تھا کہ میں اپنے مکان کو لیپتا رہتا تھا۔ اور شیخ نورالدین سے اون کو پڑھتا بھی رہتا تھا۔ اور کتاب اونہی کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اور شیخ موصوف میرے اسقدر جلد یاد کر لینے اور اسقدر عمدہ مطالعہ سے حیران تھے +

اور شیخ عبدالحق سنباطی سے کتاب (عضد) اور اوس کے (حواشی) پڑھے۔ اور علامہ شیخ ملا علی عجمی سے (باب القرافہ) میں کتاب (مطول) اور اوس کا (مختصر) اور اوس کے (حواشی) پڑھے۔ اور شیخ نورالدین جارحی وغیرہ سے (شرح شاطبیہ) مؤلفہ علامہ سخاوی اور دوسری شرح مؤلفہ علامہ ابن القاصح وغیرہ پڑھی۔

اور میں نے کتب تفاسیر اور اصول تفسیر میں سے شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین شبشیبی سے (تفسیر امام بغوی) پڑھی ہے۔ اور شیخ الاسلام زکریا سے (تفسیر کشاف) اور اوس کے حواشی۔ اور (تفسیر بیضاوی) اور اوس کا (حاشیہ) جس کو شیخ جلال الدین سیوطی نے تالیف کیا ہے۔ اور اونہی کی خدمت میں رہ کر ان کتابوں کا مطالعہ بھی کرتا تھا۔ (تفسیر ابن زہرہ) (تفسیر ابن عادل)۔ (تفسیر کواشی) (تفاسیر واحدی) تینوں (تفاسیر شیخ عبدالعزیز دیرینی) تینوں (تفسیر ثعلبی) (تفسیر درمنثور) مؤلفہ شیخ جلال الدین سیوطی۔ اور بعض اور بھی جن کا یہاں ذکر نہیں کیا جاتا +

اور میرے شیخ الاسلام زکریا سے بیضاوی پڑھنے کی وجہ سے بیضاوی کے اوس حاشیہ کی ترتیب ہوئی ہے جس کو شیخ استاذ نے تالیف کیا ہے۔ اور (شرح بخاری) مؤلفہ شیخ شہاب الدین قسطلانی خود مؤلف ہی سے پڑھی۔ اور اوس کے پڑھنے کے زمانہ میں میں قرآن شریف کی تفسیر کا اس وجہ سے مطالعہ کرتا تھا کہ جو آیات بخاری شریف میں آئی ہیں۔ اون کے اندر جو اقوال مفسرین کے ہیں اون سے واقف ہو جاؤں۔ اور ان شرحوں کا بھی مطالعہ کرتا تھا۔ (شرح بخاری) مؤلفہ ابن حجر عسقلانی۔ اور (شرح البخاری) مؤلفہ علامہ کرمانی۔ اور (شرح البخاری) مؤلفہ علامہ عینی۔ اور

(شرح البخاری) مؤلفہ علامہ برماوی وغیرہ

اور شیخ شہاب الدین ہی سے یہ کتابیں بھی پڑھیں۔ (شرح مسلم) مؤلفہ امام نووی۔ اور (شرح مسلم) مؤلفہ قاضی عیاض۔ اور (القطعہ) جسے شیخ شہاب الدین مذکور نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے۔ اور (شرح ترمذی شریف) جس کو علامہ ابوبکر بن العربی مالکی نے بنام (کتاب الاحوذی) تالیف کیا ہے۔ اور (کتاب الشفاء) مؤلفہ قاضی عیاض۔ اور (المواہب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ) وغیرہ۔

(تیسری قسم) اس میں اون کتابوں کا ذکر ہے جن کا میں مطالعہ کرتا تھا۔ اور وقت ضرورت شیوخ و اساتذہ کی طرف رجوع کرتا تھا۔ چنانچہ (شرح روض) کا میں نے تقریباً پندرہ بار مطالعہ کیا۔ اور کتاب (الام) مؤلفہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا تین بار مطالعہ کیا۔ اور اوسی کے ساتھ ساتھ اون کے اصحاب کے (استدراکات) اور اون کی (تقییدات) کا جو انہوں نے اپنی شروح اور تعلیقات میں اوسی (کتاب الام) پر لکھی ہیں مطالعہ کرتا تھا۔ اور (مختصر المزنی) اور اوس کی (شرح) کا جس کو شیخ الاسلام زکریا نے تالیف کیا ہے کتنی ہی دفعہ مطالعہ کیا۔ اور (مسند الامام شافعی) کا بہت مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (الحاوی) کا صرف ایک دفعہ مطالعہ کیا اور (کتاب المحلی) مؤلفہ علامہ ابن حزم کا جو انہوں نے علم خلاف میں تیس جلدوں کے اندر لکھی ہے ایک مرتبہ مطالعہ کیا ہے۔ اور علامہ موصوف کی (کتاب الملل والنحل) کا بھی۔ اور (کتاب المعلی) کا جو شیخ محی الدین بن عربی نے (کتاب المحلی) سے مختصر کر کے لکھی ہے۔ اور (کتاب الحاوی) کا جو علامہ ماوردی نے دس جلدوں میں تالیف کی ہے۔ اور (الاحکام السلطانیہ) مؤلفہ شیخ موصوف کا بھی ایک دفعہ مطالعہ کیا۔ اور ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ (فروع ابن الحداد) اور (کتاب الشامل) مؤلفہ ابن الصباغ (کتاب العدہ) مؤلفہ ابو محمد جوینی۔ اور (کتاب المحیط والفروق) مؤلفہ موصوف۔ (الرافعی الکبیر والصغیر) اور (شرح المہذب) مؤلفہ امام نووی اور (القطعہ) مؤلفہ علامہ سبکی کا تقریباً پچاس دفعہ مطالعہ کیا۔ اور (شرح مسلم شریف) مؤلفہ امام نووی کا پانچ مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (المبہمات والتعقبات) کا دو مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور کتاب (الخادم) کا دو مرتبہ مطالعہ کامل کتاب کا کیا۔ اور ایک مرتبہ آدھی کا۔ اور کتاب (القوت) کا جس کو علامہ اذرعی نے تالیف کیا ہے۔ اور کتاب (التوسط) اور (الفتح) مؤلفہ علامہ موصوف کا۔ اور (کتاب العمدہ) مؤلفہ ابن الملقن اور اونہی کی تصنیف کردہ ان دو کتابوں (العجالہ) اور (شرح التنبیہ) کا ایک ایک دفعہ مطالعہ کیا۔ اور کتاب (تفسیر جلالین) کا تیس دفعہ مطالعہ کیا۔ اور امام جلال الدین محلی کی کتاب (شرح المنہاج) کا دس دفعہ مطالعہ کیا۔ اور بخاری شریف کی شرح (فتح الباری) اور (شرح العینی) کا ایک ایک مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور بخاری کی شرح (شرح کرمانی) کا تین مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (شرح البرماوی) کا دو مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (التنقیح) مؤلفہ علامہ زرکشی کا تین مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (شرح القسطلانی) کا بھی تین مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (شرح مسلم) مؤلفہ قاضی عیاض کا ایک مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور دوسری (شرح مسلم) مؤلفہ

فارسی کا ایک مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (تفسیر البغوی) کا تین دفعہ مطالعہ کیا۔ اور (تفسیر خازن) کا پانچ مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (تفسیر ابن عادل) کا ایک دفعہ۔ اور (تفسیر الکواشی) کا تین مرتبہ اور (تفسیر ابن زہرہ) اور (مکی) کا ایک ایک مرتبہ۔ اور تفسیر جلال الدین سیوطی کا جو منقول اور معروف ہے تین مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (تفسیر کشاف) کا معہ اوس کے حواشی کے مثلاً (حاشیۃ الطیبی) اور (حاشیۃ التفتازانی) اور (حاشیہ ابن المنیر) کا تین تین مرتبہ مطالعہ کیا اور اون تمام مواقع سے واقف ہو گیا جو معتزلہ کے موافق ہیں۔ اور پھر اون کو ایک جز میں جمع بھی کر لیا۔ اور تفسیر کشاف کے ساتھ (البحر) کا بھی مطالعہ کیا جس کو ابن حبان نے تالیف کیا ہے اور (اعراب السمین) اور (اعراب السفاقسی) کا بھی۔ اور (تفسیر بیضاوی) کا معہ اوس کے (حاشیہ) مؤلفہ شیخ زکریا کے تین مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور (تفسیر ابن النقیب مقدسی) کا جو سو جلدوں میں ہے۔ اور واحدی کی تینوں (تفاسیر) اور شیخ عبدالعزیز دیرینی کی (تینوں تفاسیر) کا کئی کئی مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور حدیث کی غیر محدود کتابوں کا مطالعہ کیا جن کو اس تھوڑے وقت میں شمار نہیں کر سکتا۔ اون میں سے بعض کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔ مثلاً (موطا امام مالک) (مسند امام احمد) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے (تینوں مسند) اور (کتاب البخاری)۔ (کتاب المسلم) (کتاب ابی داؤد) (کتاب الترمذی) (کتاب النسائی) (صحیح ابن خزیمہ) (صحیح ابن حبان) (مسند امام سعید بن عبداللہ الازدی) (مسند عبداللہ بن حمید۔) (الغیلانیات) (مسند الفردوس الکبیر) اور طبرانی کے تینوں (معاجم) کا بھی مطالعہ کیا

اور علم جامع اصول میں سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ (کتاب ابن الاثیر) اور (تینوں جوامع) مؤلفہ شیخ جلال الدین سیوطی۔ اور بیہقی کی کتاب (السنن الکبرے) کا مطالعہ بھی کیا اور پھر اوس کا میں نے اختصار بھی کیا۔ اور شیخ ابن الصلاح کا بیان ہے کہ کوئی کتاب حدیث میں ادلہ کے جامع ہونے کی حیثیت سے علامہ بیہقی کی کتاب (السنن الکبرے) سے زیادہ اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ اوس میں مؤلف نے تمام زمانہ کی حدیثیں جمع کر دی ہیں)

اور میں نے اس کتاب میزان کے اندر جمع بین الاحادیث میں جن جن اصول کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ اون میں سے یہ کتاب سب سے بڑی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر میں گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکا ہوں

اور علم لغت کی کتابوں میں سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ (صحاح الجوہری) (کتاب النہایہ) مؤلفہ ابن الاثیر۔ اور (القاموس) اور (تہذیب الاسماء) اور (اللغات) مؤلفہ امام نووی کا تین مرتبہ مطالعہ کیا ؎

اور اصول فقہ میں سے تقریباً ستر کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور اہل سنت والجماعت اور فرقہ معتزلہ اور فرقہ قدریہ اور وہ لوگ جو تصوف میں بہت منہمک رہتے ہیں۔ اور خلاف شرع باتیں کرتے ہیں ان سب کے مذاہب سے اچھی طرح واقف ہو گیا

اور علماء متقدمین اور متاخرین کے غیر محدود فتاوؤں کا مطالعہ کیا یہاں تھوڑے لکھے جاتے ہیں

(فتاوے قفال) (فتاوی قاضی حسین) (فتاوے ماوردی) (فتاوے غزالی) (فتاوے ابن الحداد) (فتاوے ابن الصلاح) (فتاوی ابن عبد السلام) (فتاوے السبکی) (فتاوے البلقینی) اور ان دونوں کی کئی کئی جلدیں ہیں۔ اور شیخ زکریا۔ اور شیخ شہاب الدین وغیرہ کے فتاوٰں کا بھی مطالعہ کیا مثلاً (فتاوی النووی الکبرے) (فتاوے النووی الصغرے) (فتاوے ابن الفرکاح) (فتاوے ابن ابی شریف) وغیرہ۔ پھر ان سب کو مشترک مضامین نکال کر میں نے یکجا جمع کیا ہے

اور علم قواعد میں سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا (قواعد ابن عبد السلام الکبرے) (قواعد ابن عبد السلام الصغرے) (قواعد العلائی) (قواعد ابن السبکی) (قواعد الزرکشی) پھر اس اخیر کا میں نے اختصار بھی کیا۔

اور میں نے کتب سیر میں سے بہت کتابوں کا مطالعہ کیا مثلاً (سیرت ابن ہشام)۔ (سیرت الکلاعی) (سیرت ابن سید الناس) (سیرت الشیخ محمد شامی)۔ اور یہ کتاب سیرت میں بڑی جامع ہے +

اور علامہ جلال الدین سیوطی (کتاب المعجزات والخصائص) کا مطالعہ کیا۔ پھر اوس کا میں نے اختصار بھی کیا +

اور علم تصوف میں بیحد کتابوں کا مطالعہ کیا جن کو میں اس وقت شمار نہیں کر سکتا۔ بعض کتابوں کا نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً (القوت) مؤلفہ ابو طالب مکی (الرعایہ) مؤلفہ حارث محاسبی (رسالۃ القشیری) (احیاء العلوم) مؤلفہ امام غزالی (عوارف المعارف) مؤلفہ امام سہروردی۔ (رسالۃ النور) مؤلفہ حضرت احمد زاہد اور اس کی دو جلدیں ہیں۔ (کتاب منح المنہ) مؤلفہ سید محمد غمری۔ اور اس کی چھ جلدیں ہیں (الفتوحات مکیہ) اس کی دس جلدیں ہیں۔ پھر اس کا میں نے اختصار بھی کیا ہے۔ اور علامہ ابن حزم کی کتاب (الملل والنحل) کا بہت مرتبہ مطالعہ کیا۔ اور تمام صحیح اور فاسد عقیدوں سے واقف ہو گیا۔

پھر میں نے ہمت کر کے مذاہب اربعہ کی بقیہ کتابوں کے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مذہب مالکی کی مستند کتاب جس پر عمل کیا جاتا ہے (کتاب المدونۃ الکبرے) کا مطالعہ کیا۔ پھر اوس کا اختصار بھی کیا۔ پھر ان کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔ (المدونۃ الصغرے) (کتاب ابن عرفہ) (ابن رشد) (شرح رسالہ ابن ابی زید) مؤلفہ علامہ تتائی بہادر دوسری (شرح رسالہ ابن ابی زید) مؤلفہ شیخ جمال الدین ابن القاسم کا بھی مطالعہ کیا۔ اور (مختصر) کی دونوں شرحوں مؤلفہ بہرام اور علامہ تتائی کا۔ اور اون کے علاوہ اور شرحوں کا بھی مطالعہ کیا۔ اور (ابن الحاجب) کا بھی مطالعہ کیا۔ اور اس میں اگر کہیں اشکال ہوتا تھا۔ تو ابن قاسم سے دریافت کر لیتا تھا۔ یا شیخ شمس الدین اللقانی اور اون کے بھائی شیخ ناصر الدین سے۔ اور مذہب مالکی میں جو جو مفتی بہا مسائل ہیں وہ سب مجھ کو معلوم ہو گئے۔ اور جن جن مسائل کے استنباط میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مخصوص ہیں اون سے بھی میں خوب واقف ہو گیا +

اور مذہب حنفیہ کی کتابوں میں سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ (شرح القدوری) (شرح

مجمع البحرین) (شرح الکنز) (فتاوی قاضی خاں) (منظومۃ النسفی) (شرح الہدایہ) (تخریج احادیث الہدایہ) مؤلفہ حافظ زیلعی اور اون میں اگر کسی جگہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ تو شیخ نور الدین طرابلسی سے دریافت کرلیتا تھا۔ یا شیخ شہاب الدین شلبی سے یا شیخ شمس الدین غزی وغیرہ سے

اور کتب مذہب حنبلی میں سے ان کتابوں کا مطالعہ کیا (شرح الخرقی) (ابن بطہ) اور اون کے علاوہ اور کتابیں۔ اور اون کے اندر جب مشکلات واقع ہوتی تھیں۔ تو شیخ الاسلام شیشینی حنبلی۔ یا شیخ الاسلام شہاب الدین فتوحی وغیرہ سے دریافت کرلیتا تھا۔ ان تمام مذکورہ کتب کا مطالعہ اللہ تعالے کے اور میرے درمیان تھا۔ اللہ تعالے اُس وقت میں برکت دے۔ اس قلیل وقت میں تھوڑی سی کتابیں اون بہت سی کتابوں میں سے جنکا میں نے مطالعہ کیا ہے پیش کردیں۔ اور اگر کسی شخص کو میرے ان سب کتابوں کے مطالعہ کرنے میں شک یا شبہ ہو۔ تو اگر وہ میرا ہمعصر ہے۔ تو ان تمام کتابوں میں سے کوئی کتاب میرے پاس لاکر پڑھے۔ اور میں اوسکا بغیر مطالعہ حل کرکے دکھلاؤں بیشک خدا تعالے ہر امر پر قادر ہے۔

اور میرے شیخ علی مرصفی رحمہ اللہ تعالے نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے ایک دن اور ایک رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم پڑھے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ محمد بن جریر طبری سے اون کے انتقال سے پہلے روشنائی والے نے ۱۰۰۸ (ایک ہزار آٹھ رطل) کے وزن کی روشنائی کا حساب کیا تھا۔ (انتہی)

اور میں (شرح مہذب) کے جزء کامل کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ اور (مہمات) اور کتاب منہ پڑھنے کے زمانہ میں ہر شب کو میں اوس کے پورے سبق پر شرح مہذب کے زوائد لکھ لیا کرتا تھا اور میرے زمانہ کے بہت لوگ یہی سمجھا کرتے تھے کہ اس نے تعلیمی مشغلہ چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں استادوں کے درسوں میں حاضر نہیں ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر فلاں شخص تعلیمی مشغلہ کو ہمیشہ دائم رکھا کرتا۔ تو آج وہ مصر میں بڑا مفتی ہوتا۔ البتہ کبھی کبھی اسباق میں شریک ہوجاتا تھا۔ اور جب جاتا تھا۔ تو نہ تو تکرار و بحث کرتا تھا۔ اور نہ کچھ کلام کرتا تھا۔ اور نہ کسی مشکل مسئلہ کا حل طلب کرتا تھا۔ کیونکہ میں اون تمام مضامین سے واقف تھا جو اوس مسئلہ میں منقول ہوتے تھے۔ تو اے صاحبو! اگر تم بھی علماء کے تمام اقوال کا احاطہ کرنا چاہتے ہو۔ تو جسقدر کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے تم بھی اون سب کا مطالعہ کرو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اور اب ہم مقصود کو شروع کرتے ہیں) پہلے ہم احادیث کو باہم جمع کرکے اور اون کو شریعت کے دونوں مرتبوں (تخفیف وتشدید) کی طرف لوٹا کر دکھلاتے ہیں۔ تاکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر عمل ہو جاوے۔ کہ (دونوں مختلف حدیثوں پر اس طرح عمل کرنا۔ کہ دونوں کیواسطے محمل علیحدہ علیحدہ نکالا جاوے۔ اس سے بہتر ہے کہ اون دونوں میں سے ایک کو لغو کر دیا جاوے) پس خدا کی توفیق سے کہتا ہوں:۔

(پہلی حدیث) جس میں علماء کا اختلاف ہے اس اعتبار سے کہ اوس حدیث کے کیا معنی اور اوس سے کیا مراد ہے وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ (اللہ تعالے نے پانی ایسا پاک پیدا فرمایا ہے کہ جس کو کوئی شے پلید نہیں کر سکتی) اسی طرح دوسری حدیث میں امام بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور سے نچوڑے ہوئے پانی کے بارے میں یہ فرماتے سُنا ہے۔ کہ (پھل بھی اچھا اور پانی بھی جو اوس سے نچوڑا جاتا ہے پاک ہے) چنانچہ اوسی موقعہ پر آپ نے اوس نچوڑے ہوئے پانی سے وضو کرکے نماز ادا کی۔ حالانکہ وہ حدیث جو ابن حبان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ پہلی حدیث مذکور کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ (پانی پاک ہے جس کو کوئی شے پلید نہیں کر سکتی۔ مگر وہ شے جس کا مزہ اور رنگت اور بو پانی کے مزے اور بو پر غالب آجائے) علیٰ ہذا القیاس وہ حدیث دوسری مذکور کے خلاف ہے جس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ (پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا آلہ ہے۔ اگرچہ دس سال کیوں نہ گذر جائیں۔ بشرطیکہ نہ ملے۔ اور جب پانی مل جائے۔ تو اوس سے وضو کرے۔ کیونکہ پانی بہت اچھی نعمت ہے) تو ان حدیثوں میں پہلی دو حدیثیں تخفیف پر مبنی ہیں۔ اور دوسری دونوں حدیثیں تشدید پر۔ پس حاصل میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف لوٹ آیا۔ چنانچہ جس شخص کو خالص پانی یا ایسا جس میں کھجور یا پڑکر تھوڑا سا تغیر ہو گیا ہو۔ مل سکے۔ اوسکو تیمم سے نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔ تو کھجور کے نچوڑے ہوئے پانی سے جس کے ساتھ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بہ اتباع شارع علیہ السلام وضو کو درست کہتے ہیں وہ پانی مراد ہے جو شراب نہ بنگیا ہو جس طرح اوسکا حد سکر تک نہ پہنچنا بالاتفاق مراد ہے۔ اور دلیل میں وہ حدیث لاتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی۔

نی اوسکا پاک ہے اور پہلی عمدہ ہے) اسکو غور سے دیکھ لو +

(دوسری حدیث جس کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جس کو مسلم میں روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ بکری کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ اوس کے چمڑے تم نے پکا کیوں نہ لیا جو تم اوسکو کام میں لا سکتے) حالانکہ بیہقی نے اس کے خلاف عبداللہ بن حکیم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہماری طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر یہ لکھا کہ مردار جانور کی نہ کھال کام میں لاؤ - اور نہ اوس کے پٹھے) پہلی حدیث میں اوس شخص کے واسطے تخفیف ہے جس کو مردار کی کھال کے استعمال کی ضرورت ہو جائے - اور اسکا قرینہ یہ ہے کہ وہ کھال جسکا پہلی حدیث میں ذکر ہے. حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی تھی جو دنیاوی اعتبار سے فقراء میں داخل ہیں. جیسا کہ بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ بکری اون کو صدقہ میں دی تھی - اور دوسری حدیث اون لوگوں کے لئے ہے جو بوجہ غنی ہونے کے اوس کھال کے محتاج نہیں ہیں - تو یہ دونوں حدیثیں بھی میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف وتشدید سے خالی نہیں ہیں +

(تیسری حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) بیہقی کی وہ روایت ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے - کہ (ناخنوں اور خون اور بالوں کو دفن کر دیا کرو - کیونکہ وہ مردار میں داخل ہیں) حالانکہ بیہقی کی وہ حدیث جو اونہوں نے مرفوعاً روایت کی ہے اس کے خلاف ہے - وہ یہ کہ (مردار کی کھال کے استعمال کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں - اگر اوس کو پکا لیا جائے اور نہ اوس کے بال اور اون اور سینگوں کے استعمال میں کچھ حرج ہے - اگر ان سب چیزوں کو دھو لیا جاوے) تو پہلی حدیث سے اون بالوں کا نجس ہونا معلوم ہوتا ہے جو نہ کھال پر قائم ہیں - اور دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اگرچہ نجس ہیں - لیکن پانی کے ساتھ کرو - تو پاک ہو سکتے ہیں - اور یہی امام حسن کا قول ہے - اور اس کی دلیل ہیں وہ حدیث ہے جو مجوس ہجر کے (یہ حبشیوں کی ایک قوم کا نام ہے) ذبیحوں کے بارے میں امام مسلم نے روایت کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ذبح کردہ جانوروں کی کھالیں پکانے سے پاک ہو جاتی ہیں - تو اس کے ضمن میں اون بالوں کی پاکی بھی ظاہر ہو گئی جو اوس پختہ کھال پر قائم ہیں پہلی حدیث اون لوگوں پر حمل کی جائیگی جو غنی ہیں - اور اس قسم کی کھال کے محتاج نہیں ہیں - اور دوسری حدیث اون لوگوں پر محمول ہے جو اوس قسم کی کھال کے محتاج ہیں - اسی طرح مردار کے بالوں کے بارے میں دونوں حدیثیں تخفیف وتشدید پر محمول ہیں +

(چوتھی حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جو مسلم وغیرہ نے ہاتھی دانت کے استعمال کی ممانعت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے - کہ آپ نے ہر کچلی دار درندہ کے استعمال سے منع فرمایا - حالانکہ دوسری حدیث جو ابوداؤد نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا کہ میں حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے پٹھے کا گلوبند اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤں۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جو بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اونہوں نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی دانت کے کنگھے کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ پہلی حدیث سے ہاتھی کی ہڈی کے استعمال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسری دونو حدیثوں سے اوسکا جواز معلوم ہوتا ہے۔ تو پہلی حدیث اون لوگوں پر محمول کی جائے گی جو بجائے اوس کی دوسری چیزوں سے کام نکال سکتے ہوں۔ یا وہ ہڈی ایسی شے میں استعمال کی جائے جس میں کچھ تری ہو۔ اور دوسری دونوں حدیثیں اون لوگوں پر محمول ہیں جو اوس کے محتاج ہیں۔ اور سوائے ہڈی کے اور کوئی چیز اوس کی بجائے نہیں پاتے۔ اور یا اوس ہڈی کا ایسی شے میں استعمال کیا جائے۔ جو خشک ہو۔ تو یہاں بھی میزان کے دونوں مرتبے تخفیف وتشدید پائے گئے +

(پانچویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) حضرت مسعود کی وہ حدیث ہے جس میں یہ بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرکوں کی مشک لائی گئی۔ تو اوس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو پانی پلایا۔ اسی طرح وہ حدیث جس کو بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ اونہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ ہم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ تو ہم مشرکین کے تمام برتن اور مشکیزوں کو کام میں لائے۔ اور ہم پر کوئی روک ٹوک نہیں کی گئی۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث جو اونہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ پہلی دونوں حدیثوں کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نصاریٰ کے ظروف کو استعمال کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ حدیث بھی مخالف ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ کہ ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اہل کتاب کے ملک میں رہتا ہوں۔ کیا میں اون کے برتنوں میں کھا پی سکتا ہوں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر دوسرے برتن دستیاب ہو سکیں تب اون میں ہرگز نہ کھاؤ۔ اور اگر دوسرے دستیاب نہ ہو سکیں تو اونہی میں دھو کر کھالیا کرو۔ تو اس آخری حدیث کی پہلی شق میں تخفیف ملحوظ ہے۔ اور پہلی دونوں حدیثوں میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صرف تشدید مقصود ہے۔ اسی طرح ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دوسری شق کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور پہلی شق کے اعتبار سے تخفیف۔ تو تشدید اوس شخص کے لئے ہے جسکو دوسرے برتن دستیاب ہو سکیں۔ اور تخفیف اوس کے لئے جو دوسرے برتن نہ پا سکے۔ تو یہ بھی میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع کرتا ہے لیکن ابو داؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اوس وقت کا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کے ظروف کا نجس ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ آمیں غور کرنا چاہئے +

چھٹی حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ وہ ہے کہ جس کو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نہیں ہے وضو اوس شخص کا جس نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو۔ حالانکہ دوسری حدیث

جسکو اونہی نے روایت کیا ہے اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (نہیں نماز ہوگی اوس شخص کی جو نہ کامل کرے وضو کو جیسا کہ حکم کیا ہے خدا تعالیٰ نے) اور وجہ مخالفت کی یہ ہے کہ حکم خداوندی سے مراد وہ آیات قرآن مجید ہیں جو وضو میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اون کے اندر وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بغیر بسم اللہ پڑھے بھی وضو کامل ہوجاتا ہے تو اب یہ کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ جو اوس کے اندر بالکل وضو کی یا اوس کے کمال کی نفی کردی۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے۔ تو یہ دونو حدیثیں بھی میزان کے دونو مرتبوں کیطرف لوٹ آئیں۔ اور اس کی پوری تفصیل اوس مقام پر آجائیگی جہاں ہم آئمہ مجتہدین کے مختلف اقوال کو جمع کرینگے ؀

اور ساتویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ (جو شخص وضو کرے۔ تو اوسپر ضرور ہے کہ وہ کلی کرے۔ اور ناک میں پانی دے۔) اور امام مسلم نے دوسری روایت کی ہے جو اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دس باتیں اگلے پیغمبروں کی سنت ہیں۔ اور اونہی میں سے کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کو بھی شمار کیا۔ تو پہلی حدیث میں چونکہ کلی کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے اوسکو تشدید پر محمول کیا جائیگا۔ اور دوسری حدیث کو تخفیف پر۔ کیونکہ اوسمیں اون دونوں باتوں کو صرف مسنون ہی بتلایا ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے ؀

آٹھویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے وہ ہے جس کو بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ وہ جب وضو کرتے تھے۔ تو ایک چلو پانی لیتے تھے۔ پھر اوسکو ہاتھ پر بہاتے تھے۔ پھر اوس ہاتھ سے سر اور کانوں کا مسح کرکے فرماتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری حدیث اس کو بیہقی ہی نے حضرت عبداللہ بن زید سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کانوں کے مسح کے واسطے دوسرا پانی لیتے تھے جس پانی سے سر کا مسح کرتے تھے۔ اوس کو کافی نہیں سمجھتے تھے اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ کا ذکر ہے کہ جب وہ وضو کرتے کرتے مسح تک پہونچتے تو بعض کانوں کا مسح کرنے کے لئے اپنی انگلیوں کو دوبارہ پانی سے تر کر لیتے تھے تو پہلی حدیث میں تخفیف مدنظر ہے۔ اور دوسری دونوں حدیثوں میں تشدید ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے ؀

اور نویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے وہ ہے جو بیہقی نے مسند ... رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے اس لئے اون کے سلام کا جواب نہ دیا۔ تو ابن مسعود کو نزدیک اور دور کے خیالات سوجھنے لگے۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوگئے تو فرمایا کہ میں نے

سلام کا جواب محض اس وجہ سے نہیں دیا تھا کہ میں نے اس کو برا جانا کہ میں اللہ تعالےٰ کا نام بغیر وضو اپنی زبان سے ادا کروں۔ اور ایک اور حدیث جسکو امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خدا تعالےٰ کا ذکر کرتے تھے۔) تو اب یوں کہا جائیگا کہ پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ اس لئے پہلی حدیث کے مورد وہ لوگ شمار کئے جائینگے جو ادب میں کمال کو پہونچے ہوئے ہیں۔ اور دوسری حدیث اون لوگوں کی تعلیم کے واسطے ہے جو پہلے لوگوں سے درجہ ادب میں کم ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں بھی میزان کے دونوں مرتبے ظاہر ہو گئے ؂

(دسویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جسکو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اور دوسری حدیث جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بیٹھکر پیشاب کیا کرتے تھے۔ اور ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کھڑے ہو کر کبھی پیشاب نہ کرو۔ تو اوس وقت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ یہانتک کہ وفات پا گئے) تو اب یہ کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ کیونکہ وہ فعل آپ کا بیان جواز کے لئے تھا۔ اور دوسری دونوں حدیثوں میں تشدید ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ دوسری حدیث کے مورد وہ لوگ ہیں جنکو ادب اور حیا میں کمال ہے۔ اور جو لوگ اون سے کم درجہ میں ہیں وہ پہلی حدیث کے مورد ہیں۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے ؂

(گیارہویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ (جو شخص ڈھیلے سے استنجا کرے۔ وہ طاق سے کرے۔) اسی طرح وہ حدیث جو بیہقی نے روایت کی ہے کہ (جب تم میں سے کوئی ڈھیلے سے استنجا کرے۔ تو اوسکو چاہئے کہ تین سے کرے۔) اور بیہقی کی ایک اور حدیث ان دونوں حدیثوں کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ (جو شخص ڈھیلے سے استنجا کرے۔ اوس کو چاہئے۔ کہ طاق سے کرے۔ جو اس پر عمل کرے۔ تو بہتر ہے۔ اور اگر نہ کرے۔ تو کچھ حرج نہیں) تو پہلی دونوں حدیثیں تشدید پر محمول ہیں۔ اور تیسری حدیث میں تخفیف ہے۔ پس تینوں حدیثیں میزان کے دونوں مرتبوں کے موافق ہو گئیں۔ اور جس عالم نے تیسری حدیث میں طاق سے مراد وہ عدد لیا ہے جو تین سے اوپر ہو۔ سو یہ قول بھی تشدید سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ روایت بھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر کو لوٹا دیا۔ اور یہ فرمایا کہ پتھر لاؤ۔ تشدید پر محمول ہے۔ لیکن اوس شخص کے اعتبار سے جو ایک سے زیادہ کا قائل نہیں ہے ؂

(بارہویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) بعض صحابہ اور تابعین کا وہ قول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی سے استنجا جائز نہیں۔ حالانکہ بعض صحابہ رضوان

اللہ علیہم اجمعین نے اوسکو جائز کہا ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک میں اس کے جواز اور عدم جواز کی کہیں تصریح نہیں ہے۔ تو یہ کہا جائیگا کہ جس نے ناجائز کہا ہے اوس نے تشدید کی ہے۔ اور جس نے جائز کہا ہے۔ اوس نے تخفیف کی ہے ؛

تیرھویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (آنکھیں سرین کی ڈاٹ ہیں۔ پس جو شخص سو جائے۔ اوس کو چاہیے۔ کہ وضو کرے) اور بیہقی کی دوسری حدیث جو اونھوں نے حذیفہ ابن یمان سے روایت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کو اپنے پیچھے سے گود میں لیا۔ اور وہ نیند کی وجہ سے بیٹھے ہوئے اپنا سر جھکا رہے تھے۔ پھر اونھوں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میرے اوپر وضو واجب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ جب تک تیرا پہلو زمین پر نہ رکھا جائے) مخالفت کی وجہ ظاہر ہے۔ کہ پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر سونے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ ایک جگہ اپنے اعضاء کو برقرار رکھے ہوئے بیٹھکر ہی کیوں نہ سویا ہو۔ اور دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹھکر سو جانے والے کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو اب یہ کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث اون لوگوں پر محمول ہے۔ جو بزرگان دین اور بڑے متقی پرہیزگار ہیں۔ اور دوسری حدیث اون لوگوں کے سواء دوسرے لوگوں پر۔ تو اس میں بھی شریعت اور میزان کے دو مرتبے تخفیف و تشدید جاری ہیں ؛

چودھواں مقام جس کے معنے میں علماء مختلف ہیں) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس سے آپ کو بارئیتعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر منظور ہے۔ کہ (اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ) یا لمس کرو تم اپنی عورتوں سے۔ اور اس بات کا بتلانا منظور ہے۔ کہ بارئیتعالیٰ کے قول مذکور میں لمس سے جماع مراد نہیں۔ بلکہ صرف چھونا مراد ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تفسیری فرمان وہ ہے جو آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ (شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ یا اوسکو چھو لیا ہوگا) کیونکہ جب حضرت ماعز اپنے سے حرکت زنا صادر ہو جانے کی اطلاع کر رہے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اون کے قول کے انکار میں یہ فرمانا کہ شاید تو نے لمس کر لیا ہوگا تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ جب لمس سے جماع اور ہمبستر ہونا مراد نہ لیا جائے اور آیت مذکورہ میں بھی لمس کا لفظ موجود ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لمس یعنی چھو لینا عورت کو بغیر ہمبستری کے وضو کو توڑ دیتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ کے پورے ترجمہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیکر نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور وضو نہیں کرتے تھے) ثابت ہوتا ہے کہ بوسہ لینے اور چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تو اب یہ بھی کہا جائیگا۔ کہ جس شخص کو باوجود بوسہ لینے اور چھونے کے اپنے نفس پر قبضہ اور پورا پورا قابو ہو اوس کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور

جسکو قابو نہ ہو۔ اوس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبے جاری ہو گئے اور علماء کے اقوال میں اس کی نظیر بھی ملتی ہے۔ کیونکہ وہ روزے دار کے بوسہ لینے میں یہی کہتے ہیں۔ کہ جس کو اپنے نفس پر پورا اعتماد ہو۔ اوس کو جائز ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور میں نے جس طرح دو مرتبے اوس شخص میں جاری کئے ہیں۔ جو بوسہ لینے والا ہے۔ اسی طرح اوس عورت میں بھی یہی دو مرتبے جاری ہوتے ہیں جس کو چھوا جاوے۔ یا جس کا بوسہ لیا جاوے ۔

(پندرھویں حدیث جس کے معنی میں علماء مختلف ہیں) وہ ہے جس کو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ کہ (تم میں سے جو اپنے پیشاب گاہ کو چھولے۔ وہ وضو کرے) اور دوسری روائیت میں ہے کہ وہ شخص بغیر وضو کئے ہرگز نماز نہ پڑھے۔ اسی طرح ایک اور روائیت میں ہے۔ کہ (جو اپنی پیشاب گاہ کو چھولے۔ وہ بغیر وضو کئے نماز نہ پڑھے) علیٰ ہذا القیاس بیہقی کی ایک اور روائیت میں ہے کہ (جو عورت اپنی پیشاب گاہ چھولے۔ اوسکو چاہیئے کہ جدید وضو کرے) حالانکہ ایک اور حدیث جو حضرت طلق بن عدی سے مروی ہے۔ ان سب مذکور حدیثوں کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونہوں نے اپنے پیشاب گاہ کو چھو لینے کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں ہے مگر ایک جزو تیرے بدن کا)۔ تو اب یوں کہا جائیگا۔ کہ پہلی چاروں حدیثیں اکابر اولیاء اللہ پر محمول ہیں۔ اور آخری حدیث حضرت طلق بن علی کی دوسرے کم درجہ کے لوگوں پر۔ لہٰذا پہلی چاروں حدیثوں میں تشدید پائی گئی۔ اور آخری حدیث میں تخفیف۔ اور دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ طلق بن علی قوم کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں پیشاب گاہ کو چھونے سے کچھ پرواہ ہی نہیں کرتا۔ ایسا سمجھتا ہوں کہ جس طرح کان کو چھولیا۔ پس دونوں مرتبے میزان کے پائے گئے ۔

سولھویں حدیث جس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے) وہ ہے جس کو بیہقی وغیرہ نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوا کر نماز پڑھی۔ اور وضو نہ کیا حالانکہ بیہقی ہی کی دوسری مرفوع حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ (جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں قے کرے۔ یا کسی کی نکسیر جاری ہوجاوے۔ یا منہ سے دفعتہً کچھ نکل پڑے۔ تو اوس کو چاہئے۔ کہ جدید وضو کرے۔ اور اگر اس درمیان میں کسی سے کلام نہ کیا ہو تو باقی بقیہ نماز ادا کرے۔ اور جسقدر پہلے پڑھ لی۔ وہ صحیح ہو چکی۔ تو پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پچھنے لگوانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس سے معلوم ہوا۔ کہ قے وغیرہ سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ پس یہی کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔

علیٰ ہذا القیاس نماز کے اندر قہقہہ والی حدیث کا بھی یہی حال ہے۔ جس کو امام بیہقی نے

روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک نابینا گڑھے میں گر گیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ تو اوس کے گرنے کی آواز سنکر گروہ کا گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز میں ہنس پڑا۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب ہنسنے والوں کو حکم دیا۔ کہ وہ وضو اور نماز دونوں کو لوٹاویں۔ حالانکہ صحابہ میں سے مدنی فقہا، نماز کے اعادہ کے تو قائل ہیں۔ وضو کے نہیں۔ تو یہاں بھی میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف و تشدید کیطرف رجوع کیا جائیگا +

سترھواں مقام جس میں علماء کا اختلاف ہے حضرت عمر رضی اللہ کا وہ قول ہے جسکو صحیح مسلم میں روایت کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت نمازیں فتح مکہ کے روز ایک ہی وضو سے پڑھیں۔ اسی طرح بیہقی کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حالانکہ صحیح بخاری وغیرہ میں اوس کے خلاف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روائت ہے۔ اور وہ یہ کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے جدید وضو فرمایا کرتے تھے۔ اور ہم جلسوں کے واسطے ایک ہی وضو تا وقت حدث کافی ہوتا تھا) تو اب یہی کہا جائیگا کہ پہلی دونوں حدیثوں میں تخفیف ملحوظ ہے۔ اور تیسری میں تشدید اوس شخص کے لحاظ سے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس امر میں اتباع چاہے۔ یہاں بھی میزان کے دونوں مرتبے ظاہر سمجھ میں آگئے +

اٹھارواں مقام۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ جو شخص جنابت کے غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا چھوڑ دے۔ وہ نماز کا اعادہ کرے۔ حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ اعادہ نہ کرے۔ تو پہلے قول کو تشدید اور دوسرے کو تخفیف پر حمل کیا جاویگا +

انیسواں مقام شیخین کی حدیث ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک ہی برتن سے غسل جنابت کر لیتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ آپ مجھ سے پیشتر پانی لے لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دونوں کے ایک ساتھ ہاتھ اوس برتن میں پڑتے تھے۔ حالانکہ بیہقی نے جو حدیث روایت کی ہے اور اوس کے راویوں کو ثقہ بھی بتلایا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد کے طہارت سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ تو اب سوا اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ پہلی حدیث میں تخفیف مقصود ہے۔ اور دوسری میں تشدید بس میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوگئے۔ اسی طرح عبد اللہ بن حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول (کہ عورت مرد کے طہارت اور غسل سے بچے ہوئے پانی کو اپنے غسل یا وضو کے کام میں لاسکتی ہے اور مرد اوس کے بچے ہوئے کو کام میں نہیں لاسکتا) تخفیف و تشدید پر محمول ہے +

اکیسویں حدیث جس کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے (وہ ہے جس کو امام مسلم

نے روایت کیا ہے۔ کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سو جانے سے پہلے جنابت کے غسل سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اور گاہے صرف وضو ہی کرکے سو جاتے تھے۔ حالانکہ بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث روایت کی ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت ہی کی حالت میں سو رہتے تھے۔ اور پانی کو چھوتے تک نہ تھے) تو اب اس قول کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالکل پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ غسل کے لئے پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ اس کا مرجع بھی تخفیف و تشدید کی ہی جانب ہے +

اکیسویں حدیث وہ ہے جس کو بیہقی نے عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے اندر صرف دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ کے مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے جب وہ تیمم کے لئے ناواقفی کی وجہ سے خاک میں لوٹ چکے اور پھر آنحضرت سے تیمم کی ماہیت دریافت کی۔ تو یہ فرمایا کہ تجھ کو صرف یہ کافی تھا۔ اور پھر اوس کو آپ نے خود کرکے دکھایا۔ کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ اور پھر ان پر پھونکا۔ اوس کے بعد اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ اور گٹوں سے آگے نہ بڑھے۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث ان دونو کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کرتے وقت ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا تو یہی کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث مخفف ہے۔ اور دوسری مشدد۔ کیونکہ قیاس اسی کو مقتضی ہے۔ کہ کسی چیز کا بدل اوسی چیز کی ہمشکل ہونا چاہئے۔ تو تخفیف و تشدید یہاں بھی موجود ہیں +

بائیسویں حدیث وہ ہے جو شیخین نے روایت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار تلاش کرنے کے لئے جس کو انہوں نے گم کردیا تھا۔ صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا۔ اتفاق سے وہیں نماز کا وقت آگیا۔ تو انہوں نے بغیر وضو کئے نماز ادا کرلی۔ جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو آپ سے اس واقعہ کو ظاہر کیا۔ تو آپ نے اس میں کچھ انکار یا ناراضی کا اظہار نہ کیا۔ حالانکہ بیہقی وغیرہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ (خدا تعالےٰ نے کسی نماز کو بغیر طہارت کے قبول نہیں فرمایا) تو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ بغیر وضو کے نماز پڑھ چکے وقت کی عزت اور حرمت کے لحاظ کی وجہ سے اون پر کچھ انکار نہ فرمایا۔ اسی طرح اگر کوئی اور شخص بھی کسی جگہ نہ پانی پائے نہ مٹی۔ تو ایسا ہی کرلے۔ پس معلوم ہوا کہ پہلی حدیث طہارت کے بارے میں مخفف ہے۔ اور نماز کے بارے میں مشدد اور دوسری حدیث طہارت کے بارے میں مشدد ہے۔ اور ہر حدیث کے لئے ایک ایک صورت ہے تو یہ دونوں حدیثیں بھی تخفیف و تشدید کی طرف رجوع کرتی ہیں +

تیئیسویں حدیث وہ ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام نہ بنے - اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس کی کراہت کے قائل ہیں - حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تیمم کر کے صحابہ کی ایک جماعت کو نماز پڑھائی - اسی لئے حضرت سعید بن جبیر اور حضرت حسن اور حضرت عطا اور زہری اس کے جواز کے قائل ہیں - تو پہلی حدیث اور دونوں خلیفوں کا قول تشدید پر مبنی ہے - اور حضرت ابن عباس کا فعل اور دوسرے صحابہ کا مذہب تخفیف پر محمول ہے ؛

چوبیسویں حدیث وہ ہے جس کو ابو داؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ غسل کیا - اوس سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے مونڈھوں پر بہت تھوڑی سی جگہ ایسی دیکھی جس پر پانی نہیں پہونچا تھا - تو آپ نے اپنے سر کے مٹھی بھر بالوں کو اوس جگہ پر نچوڑ دیا - پھر اوس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مل دیا - اسی طرح بیہقی کی یہ حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہاتھوں میں بچا ہوا پانی لگا رہ گیا تھا اوسی سے سر کا مسح کیا - حالانکہ وہ حدیث جسکو حضرت عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں - اون دونوں حدیثوں کے مخالف ہے - اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عضو کے لئے جدید پانی لیا کرتے تھے - تو یہی کہا جائیگا - کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے - اور دوسری میں تشدید ؛

ہاں احتمال اس کا بھی ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پانی کو اپنے بالوں سے نچوڑا تھا - وہ دوسری دفعہ بدن پر پانی بہاتے یا تیسری دفعہ کا ہو - تو اس صورت میں تو دو مرتبے پیدا کرنے کی حاجت ہی نہیں ؛

پچیسویں حدیث وہ ہے جس کو امام مسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈالدے - تو اوس کے اندر کی چیز کو پھینکدے - اور برتن کو سات دفعہ دھووے - اور ساتویں دفعہ مٹی سے رگڑ کر دھووے - اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب تھا - اور لوگوں کو اسی کا فتویٰ دیتے تھے - حالانکہ بیہقی کی ایک حدیث اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ کہ (اوس برتن کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ دھولو) تو پس یہی مناسب ہے کہ پہلی حدیث کو تخفیف پر محمول کیا جاوے - اور دوسری کو تشدید پر جو شخص قادر ہو - وہ پہلی پر عمل کرے - اور جو کسی وجہ سے عاجز ہو - تو وہ دوسری پر عمل کرے

چھبیسویں حدیث وہ ہے جسکو حضرت مالک وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ بلی نجس نہیں ہے - اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے - کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے دیکھا) حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے کہ بلی کی وجہ سے برتن کو اسی طرح دھونا چاہئے جس طرح کتے سے - اسی طرح وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسکو اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ کہ جب بلی برتن میں منہ ڈالدے - تو وہیں جو کچھ پانی وغیرہ ہو اوسکو بہا کر

ایک مرتبہ یا دو مرتبہ برتن کو دھونا چاہئے۔ تو پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بارے میں اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت جانتے ہوں۔ تو اون کے قولِ مذکور کو تشدید پر حمل کیا جائے گا۔ غرض دونوں مرتبے میزان کے یہاں بھی موجود ہیں +

ستائیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ (جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اوس کے پس خوردہ میں کچھ مضایقہ نہیں۔ اسی طرح بیہقی کی دوسری حدیث میں ہے۔ کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اوس کے پیشاب میں کچھ مضایقہ نہیں) حالانکہ وہ حدیثیں جن سے تمام حیوانات کے پیشابوں کا نجس ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مخالف ہیں۔ تو بس معلوم ہوا۔ کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیثوں میں تشدید +

اٹھائیسویں حدیث وہ ہے۔ کہ (پانی پاک ہے جسکو کوئی شے نجس نہیں کر سکتی) اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ پانی تمام کا تمام پاک ہے جسکو کوئی شے نجس نہیں کر سکتی) جس کو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور پھر امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مخصوص ہونے پر اجماع ہے۔ اس طرح کہ جو پانی نجاست کے مل جانے کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو۔ وہ چاہے تھوڑا ہو یا بہت۔ ناپاک ہو گیا۔ تو حدیث مذکور اور اجماع تخفیف و تشدید پر محمول ہیں +

انتیسویں حدیث وہ ہے جس کو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے موزے کے مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں قرار دی ہے۔ اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔) یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ حالانکہ بیہقی کی وہ حدیث جو اونہوں نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ اونہوں نے کہا (کہ ہمارے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن مسح کے قرار دیئے۔ اور اگر ہم مدت مسح میں کچھ اور زیادتی کا طالب ہوتا تو آپ اور بڑھا دیتے۔ اسی طرح بیہقی کی دوسری بھی اوس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ (قسم ہے خدا کی اگر سائل مدت مسح کا سوال کرتا ہی رہتا۔ تو آپ پانچ دن تک اجازت دیدیتے اور بیہقی کی ایک اور روایت بھی اوس کے مخالف ہے جس کو اونہوں نے ابو عمارہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں موزوں پر مسح کیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ ایک دن تک۔ آپ نے فرمایا بلکہ دو دن تک۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کیا دو دن تک۔ تو آپ نے فرمایا۔ بلکہ تین دن تک۔ پھر میں نے عرض کیا کیا تین دن تک۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اور جب تک تیرا جی چاہے۔ اور ایک اور روایت میں یوں بھی ہے کہ جب تک تو چاہے۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ سات دن تک شمار کرتے چلے گئے۔ اوس کے بعد یہ فرمایا کہ ہاں اور جب تک تیری خواہش ہو۔ تو اب یہی کہا جائیگا۔ کہ امام مسلم

وغیرہ کی حدیث میں تشدید ہے۔ اور بیہقی کی تمام حدیثوں میں تخفیف۔ اور یہ ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی حدیث کے محمل اکابر اور اولیاء اللہ ٹھیرائے جائیں۔ اور دوسری حدیث کے محمل اون کے سوا اور لوگ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسکا برعکس کیا جائے

تیئیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ (جب موزہ پھٹ جاوے۔ اور اوس میں پانی گھسکر اوس جگہ پہونچنے لگے کہ جسکا وضو میں دھونا ضروری ہے۔ تو اوس پر تو ہرگز مسح نہ کر) حالانکہ حضرت سفیان ثوری کا قول اسکے برخلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ موزوں پر اوسوقت تک مسح کر جب تک وہ پاؤں میں لگے رہیں چاہے پھٹ ہی کیوں نہ گئے ہوں۔ اوس کے بعد امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کے موزے اسی طرح پھٹے چرے ہوا کرتے تھے۔ تو بس مناسب یہی ہے کہ حضرت عمر کے قول کو تشدید پر حمل کیا جاوے۔ اور امام ثوری کے قول کو تخفیف پر۔ اور میں نے مسح موزے کے بارے میں کوئی روایت نہیں پائی جس سے معلوم ہوتا کہ کیسے پھٹے ہوئے پر مسح جائز ہے۔ اور کیسے پر نہیں۔ سوا اوس حدیث کے جو اوس محرم کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس کے پاس جوتے نہ ہوں اور موزے ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آپ نے اوس محرم کو حکم فرمایا کہ اون موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ تو اس حدیث سے اسقدر ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ جب موزہ تمام قدم ڈھانکے ہوئے نہ ہو۔ تو اوسپر مسح جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مثل جوتے کی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس میں بھی میزان کے دونو مرتبے پائے گئے ✦

انتیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر بالغ شخص پر جمعہ کا غسل واجب ہے۔ اسی طرح بخاری کی حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی پر جمعہ کا دن آوے تو اوسکو چاہئے کہ غسل کرے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے اوس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص دن جمعہ کے صرف وضو کرے۔ تو وہ ادائے فریضہ کے لئے کافی ہے۔ اور جو شخص غسل کرے۔ تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ تو حدیث اول تشدید پر اور حدیث ثانی کو تخفیف پر حمل کیا جائیگا۔ اور بعض علماء نے ایسا کہا ہے کہ پہلی حدیث کو اون لوگوں پر محمول کیا ہے جنکی بدبو لوگوں کو تکلیف دیتی ہو۔ اور دوسری حدیث کو اون لوگوں پر جن کے بدن میں کوئی بدبو نہ پائی جاتی ہو۔ تو اس کے اندر بھی میزان کے دونوں مرتبے موجود ہیں۔ اور بعض علماء نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کو باخصوص بالغ پر واجب ٹھیرانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بالغ ہی کی بغل سے بدبو آتی ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہونچتی ہے۔ یا بالغ ہی ایسا شخص ہوتا ہے جسکا بدن ارتکاب معاصی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور غسل کرنا بدن کو اوسکی میل کچیل دور کرکے صاف و شفاف کر دیتا ہے۔ اسلئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بالغ کی قید لگائی ہے ✦

بتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے حائضہ عورت کے بارے میں روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ (اوس کے ساتھ جو کچھ چاہو کرو سوائے جماع یعنی ہمبستری کے

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں مباشرت کرتے تھے حیض والی عورت سے مگر کپڑے سے اوپر اوپر یا یہ کہا کہ پاجامے سے اوپر اوپر۔ اسکو بھی بیہقی نے روایت کیا ہے۔ تو پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید اور بعض علماء نے پہلی حدیث کو اوس شخص پر حمل کیا ہے جو اپنے نفس کا مالک ہو۔ اور اوسکو اوس پر خوب اطمینان ہو۔ اور دوسری حدیث کو اوس شخص پر جو اپنے نفس کا مالک نہ ہو۔ میزان کے دونو مرتبے اس میں بھی ظاہر ہو گئے +

تینتیسویں حدیث وہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اوس عورت کے بارہ میں جو استحاضہ میں گرفتار ہو۔ یہ قول ہے کہ وہ صرف ظہر سے ظہر تک کے لئے غسل کرے۔ یعنی اوس کا غسل ایک وقت نماز کے لئے کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ استحاضہ والی عورت ہر دن کے لئے ایک دفعہ غسل کر لیا کرے۔ حالانکہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ان دونوں قولوں کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ استحاضہ والی عورت ہر نماز کے لئے صرف وضو کر لیا کرے۔ اور حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنی طرف سے ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کو اسکا حکم نہیں فرمایا تھا۔ تو بس یہی کہا جائیگا کہ صحابہ میں سے بعض نے تشدید کی ہے۔ اور بعض نے تخفیف۔ تو یہ اقوال مختلفہ بھی میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع کرتے ہیں +

فصل

اس کے اندر کتاب الصلوٰۃ سے کتاب الزکوٰۃ تک کی اون احادیث اور آثار کی مثالیں بیان کیجائینگی جن میں میزان کے دونو مرتبے جاری ہوتے ہیں +

تو اون میں سے پہلی حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام نے عشاء کی نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اوس وقت پڑھائی کہ جب شفق غائب ہو گئی۔ اور دوسری مرتبہ اوس وقت پڑھائی کہ جب ایک ثلث شب گذر چکی تھی پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ وقت عشاء ان دونوں وقتوں کے مابین ہے۔ یعنی شفق کے غائب ہو جانے اور ثلث شب گذر جانے کے درمیان درمیان ہی حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث (کہ عشاء کا وقت فجر تک ہے) اس کے خلاف ہے۔ تو پہلی حدیث کو تشدید پر محمول کیا جائیگا۔ اسلئے کہ اس سے وہم ہوتا ہے۔ کہ اگر شب کا ثلث اول گذر جائے۔ تو اوس کے بعد عشاء کا وقت نہیں رہتا۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے۔ کیونکہ اوس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک رہتا ہے۔ تو مرجع میزان کے دونوں مرتبوں ہی کی طرف نکلا +

یہی تقریر اوس حدیث میں ہے جس کے اندر جبرائیل علیہ السلام کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر اور نماز فجر پڑھانے کا ذکر ہے۔ اور اوس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان عصر اور صبح کی نماز کا وقت ہے۔ حالانکہ نماز عصر کے وقت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ اور صبح کے

وقت میں ارشاد ہے کہ وہ طلوع آفتاب تک رہتا ہے پس میزان کے دونو مرتبے تخفیف و تشدید
یہاں بھی پائے گئے +

دوسری حدیث یہ ہے۔ کہ اذان نہ پڑھے مگر وہ شخص جو باوضو ہو۔ اور بعض کا یہ بھی قول ہے۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی کا قول بھی اوس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صحابہ اسمیں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کہ بے وضو آدمی اذان پڑھدے۔ تو پہلی حدیث کو تشدید پر محمول کیا جائیگا۔ اور دوسری حدیث اور حضرت ابراہیم کے قول کے مطابق صحابہ کے عملدرآمد کو تخفیف پر محمول کیا جائیگا۔ مرجع اس کا بھی میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف نکلا +

تیسری حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان پڑھے وہی تکبیر پڑھے۔ حالانکہ بیہقی ہی نے مشروعیت اذان کے واقعہ میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ عبداللہ بن زید نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے بھی یہی خواب میں دیکھا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اذان کے بارہ میں۔ اور اوسی وقت حضرت بلال اذان پڑھ رہے تھے۔ تو آپ نے عبداللہ بن زید کو جماعت کھڑی ہونے کے وقت حکم دیا کہ اقامت تو پڑھ تو یوں کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف +

چوتھی حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں رات کی تمام نمازیں ایک ہی اذان اور اقامت سے پڑھیں۔ حالانکہ امام مسلم کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے رات کی دونو نمازونکو ایک اذان اور دو تکبیروں سے پڑھا۔ اسی طرح ابوداؤد کی وہ حدیث بھی مخالف ہے جو یہ ہے۔ کہ آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز دو تکبیروں سے پڑھی۔ اور پہلی نماز میں اذان نہیں پڑھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں نمازوں میں سے کسی کے لئے اذان نہیں پڑھی۔ اور بیہقی نے اسی روایت کو اون روایتوں میں سے جو حضرت ابن عمر رض سے مروی ہیں صحیح تر کہا ہے۔ تو اب پہلی حدیث اور اوس کے موافق جسقدر احادیث ہیں وہ سب تشدید پر محمول ہیں۔ اور اون کے مخالف جسقدر احادیث ہیں وہ سب تخفیف پر محمول ہیں +

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کے واسطے اذان نہ پڑھتی تھیں۔ اور تکبیر بھی۔ حالانکہ اونہی سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ بغیر اقامت کے نماز نہ پڑھتی تھیں۔ تو پس پہلی روایت کو تشدید پر حمل کیا جائیگا۔ اور دوسری کو تخفیف پر +

چھٹی حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور بعض کا مقولہ ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حالت سفر میں نماز صبح کے لئے

اذان پڑہی جاوے۔ اور دوسری نمازوں کے واسطے صرف اقامت کافی ہے۔ حالانکہ ایک حدیث اس کے مخالف ثابت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سفر میں نماز جماعت اور نماز منفرد دونوں کے واسطے اذان ہونی چاہئے۔ تو پہلی حدیث یا قول ابن عمر رضی اللہ عنہ تخفیف پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث تشدید پر۔ پس دونوں مرتبے میزان کے ظاہر ہیں ٭

ساتویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم کیا۔ کہ وہ اذان میں دو دو مرتبہ کلمات کو پڑہیں۔ اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے اِس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تعلیم دی۔ تو اون سے فرمایا کہ اذان اور تکبیر دونوں میں دو دو مرتبہ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے آپ کے کلام سے یہ نکالا کہ صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو مرتبہ ہونا چاہئے۔ تو پہلی حدیث میں اقامت کے اعتبار سے تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث میں تشدید ہے۔ اور بعض کا قول جو ابھی نقل کیا گیا ہے اوس میں صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے اعتبار سے تشدید ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی موجود ہوئے ٭

اٹھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ تو تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اور پھر اون کو سینہ پر اسطرح رکھتے تھے کہ بایاں ہاتھ نیچے ہوتا تھا اور داہنا اوپر۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اسکے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے) تو پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اس اعتبار سے کہ سینہ پر ہاتھوں کا محفوظ رکھنا بہ نسبت زیر ناف محفوظ رکھنے کے زیادہ دشوار ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہاتھ ثقیل ہونے کی وجہ سے اوپر سے نیچے کو پھسل آتے ہیں۔ اور نیچے سے اوپر کو چڑھ نہیں سکتے۔ اور احتمال اسکا بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضہ کے ہاتھوں کو اوس وقت دیکھا ہو کہ جب اوپر سے نیچے کو پھسل آئے ہوں۔ تو اون کو گمان ہوا ہو کہ شاید اُنھوں نے پہلے ہی سے ہاتھ یہاں رکھے ہیں۔ حالانکہ اُنھوں نے شروع میں ہاتھ سینہ ہی پر رکھے تھے ٭

نویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن رافع زرقی کو جو نماز اچھیطرح نہیں جانتے تھے۔ فرمایا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر پڑھ۔ اوس کے بعد جو کچھ ہوسکے قرآن شریف پڑھ۔ حالانکہ دوسری حدیث جس کو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ کہ میں پکار کر کہدوں کہ نماز نہیں ہوتی بغیر سورۃ فاتحہ کے اور اوس سے کچھ زائد کے۔ تو پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید اور ان دونوں حدیثوں میں سے کسی کے منسوخ ہونے پر علمار کا اجماع نہیں۔ تو میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی جاری ہیں ٭

دسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے مرفوعًا روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

نماز نہیں ہوتی۔ مگر اُم القرآن (سورہ فاتحہ) اور اوس سے زاید کے ساتھ۔ حالانکہ دوسری روایت میں ہے۔ کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھ۔ تو اب یوں ہی کہا جائیگا کہ اول حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف پائی جاتی ہے *

گیارہویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے بھی۔ تو میں نے اون سب کو دیکھا ہے کہ وہ الحمد للہ رب العالمین کو شروع کردیتے تھے۔ اور نہ اس کے اول میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اور نہ اوس کے ختم پر۔ اور نسائی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ (میں نے کسی کو اون میں بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے نہیں سُنا۔ اور باقی احادیث جو اس کے موافق ہیں حالانکہ امام بخاری وغیرہ نے جو حدیث روایت کی ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قرات مد کے ساتھ ہوتی تھی۔ چنانچہ جب آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑہتے تھے۔ تو ایک مد بسم اللہ پر کرتے تھے۔ اور دوسرا مد رحمٰن پر تیسرا مد رحیم پر۔ اور یہی قول حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور یہ حدیث حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے تو یہی کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث اپنے تمام طرق روایت کے ساتھ تخفیف پر مبنی ہے۔ اور دوسری حدیث اپنے تمام طریقوں کے ساتھ تشدید پر مبنی ہے *

بارہویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے واسطے کھڑے ہوتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو دونوں مونڈہوں تک اٹھاتے تھے۔ اور پھر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے تھے۔ اور ایسا ہی رکوع کی تکبیر کے وقت بھی کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کہ جب آپ نماز شروع کرتے تھے۔ تو صرف اوسوقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر تمام نماز میں کبھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ علی ہذا القیاس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو انہوں نے نماز پڑھانے کے وقت کہا تھا اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھا کر دکھاؤں۔ اور پھر اونہوں نے صرف ایک ہی دفعہ رفع یدین کیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مذکور حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ تو پہلی حدیث کو تشدید اور دوسری کو تخفیف پر محمول کیا جائیگا *

تیرہویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ کہکر رکوع سے اٹھتے تھے۔ تو اللّٰہم ربنا لک الحمد پڑہتے تھے اور حدیث میں لفظ کان یعنی تھے مداومت اور استمرار کے لئے آتا ہے۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور یہی مذہب حضرت علی اور ابوہریرہ اور ابن سیرین اور عطار رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اسی طرح شیخین کی حدیث۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس وقت

امام سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے - تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو - اسیطرح بیہقی کی ایک روایت میں ہے - کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی کو چاہیئے کہ ربنا لک الحمد کہے - اور یہ تمام روایتیں بیہقی کی اوس حدیث سے خلاف ہیں جسکو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے لیا ہے - اور مقتدیوں کے لئے دونوں ذکروں کو یعنی (سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد) مستحب ٹھیرایا ہے - تو پہلی حدیثیں تشدید پر محمول ہیں اور دوسری حدیث تخفیف پر محمول ہے سو اسوجہ سے کہ نمازیوں کے مراتب مختلف ہیں - تو جس مقتدی کو اسکا یقین ہو کہ میرے اور خدا تعالےٰ کے مابین اثبات کی خبر دینے کا کہ بار تعالےٰ نے مقتدیوں کی حمد کو قبول فرمالیا - امام واسطہ اور ذریعہ ہے - تو وہ صرف یہی کہے کہ ربنا ولک الحمد - یعنی جب امام نے قبول حمد کی خبر دیدی - تو اوس مقتدی کو اس قبول حمد پر اوس کی حمد کرنی چاہیئے - اور جس مقتدی کو اسکا یقین نہ ہو - بلکہ وہ اس مرتبہ سے بعید ہو - تو اوسکو سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہنا چاہیئے - قبول حمد کی نیک فالی کیواسطے - تو میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے ❊

چودہویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے روائیت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تھے - تو آپ کے گھٹنے زمین پر ہاتھوں سے پہلے ٹک جاتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھتے تھے - تو پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے - اور پھر گھٹنوں کو - اسی طرح ابوداؤد کی ایک روائیت میں ہے کہ جب آپ سجدہ سے اٹھتے تھے - تو گھٹنوں پر اٹھتے تھے - اور رانوں پر ٹیک لگاتے تھے - حالانکہ ابوداؤد اور بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ میں جاوے تو اس طرح نہ کرے جس طرح اونٹ کرتا ہے (یعنے پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکے - اور پھر ہاتھوں کو) بلکہ پہلے ہاتھوں کو رکھے - پھر گھٹنوں کو - تو پہلی حدیث کو مشدد کہا جائیگا - اور دوسری کو مخفف - اسوجہ سے کہ جب سجدہ سے اٹھیگا - تو دوسری حدیث کے موافق دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک سکیگا - اور اٹھنے میں آسانی ہوگی - برخلاف پہلی حدیث کے ❊

پندرہویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روائیت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا سجدہ میں ہتھیلیوں کے رکھنے کا - یعنے کھلے ہوئے ہاتھ رکھنے کا نہ مٹھی باندھکر - اسی طرح بیہقی کی دوسری حدیث ہے - کہ ہم نے شکائیت کی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ ہماری پیشانیاں اور ہتھیلیاں گرم زمین پر جلتی ہیں - تو آپ نے ہماری شکائیت کو رفع نہ کیا حالانکہ دوسری حدیث بیہقی کی اس کے مخالف ہے - جسکو انہوں نے بعض صحابہ سے روائیت کیا کہ وہ پوستین پر سجدہ کرتے تھے - جنکی آستینیں اسقدر دراز تھیں - کہ اون میں ہاتھوں کا نکالنا بہت دشوار امر تھا - اور امام نخعی کا قول ہے - کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے جبوں اور جبوں اور چادروں میں بغیر ہاتھوں کے باہر نکالے نماز پڑھ لیتے تھے - اور بیہقی کی روائیت ہے - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی - اور آپ چادر میں لپٹے ہوئے تھے سجدہ کی حالت میں اوسی پردست مبارک ٹیکتے تھے سنگریزوں کی ٹھنڈک سے بچنے کی غرض سے - اور بیہقی کی دوسری روائیت ہے - کہ آپ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو زمین کی ٹھنڈک سے بذریعہ چادر بچاتے تھے - تو اب فیصلہ ان

کیا جائیگا۔ کہ پہلی دو تو حدیثیں تشدید پر محمول ہیں۔ اور اون کی مخالف احادیث تخفیف پر۔ پس میزان کے دونوں مرتبے ظاہر ہو گئے ۔

سولہویں حدیث ۔ وہ ہے جس کو امام بخاری وغیرہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نماز کے اندر بیٹھکر کھڑے ہونے کے بارے میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روئیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو نماز پڑھانے ہوتے تھے۔ تو دوسرے سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر تھوڑی سی دیر بیٹھکر زمین پر ٹیک لگا کر اُٹھتے تھے۔ حالانکہ وہ حدیث جو بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ سے روائیت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو جاتے تھے۔ پیروں کے تلوؤں پر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ پہلی حدیث کا جواب دیتے تھے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سجدہ سے سہارا لیکر کھڑا ہونا جسمانی کمزوری کی وجہ سے تھا۔ تو بس یہی کہا جائیگا۔ کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید ۔

سترھویں حدیث وہ ہے جسے بیہقی نے روائیت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قعدہ کے اندر بیٹھتے تھے۔ تو اپنے دائیں ہاتھ کو گھٹنے پر رکھتے تھے۔ اور انگوٹھے کے نزدیک کی انگشت کو اٹھا کر کچھ جھکا دیتے تھے۔ اور اوس کے ذریعہ سے دُعا کرتے تھے۔ لیکن اوس انگشت کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث جسکو انہوں نے وائل ابن حجر سے روائیت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی انگشت کو اٹھائے ہوئے اسکو حرکت دے رہے ہیں۔ اور اوس کے ذریعہ کچھ دعا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک بیہقی کی حدیث اسکے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ نماز کے اندر انگشت کو حرکت دینا شیطان کے بھاگنے کا سبب ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اور ان دونوں حدیثوں کی توجیہہ اوس مقام پر آجائیگی جہاں آئمہ کے اقوال کو باہم جمع کیا جائیگا ۔

اٹھارھویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روئیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ تعلیم کی مجھ کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی اس اہتمام سے کہ میرا ہاتھ آپ کی ہتھیلیوں کے درمیان تھا جسطرح قرآن شریف کی کوئی سورت تعلیم فرماتے تھے۔ اور وہ تشہد یہ ہے۔ التحیات للہ والصلوات آخر تک۔ حالانکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث باوجودیکہ صحیح ہو اسکے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب امام اپنی نماز کی اخیر رکعت میں بیٹھے۔ اور تشہد پڑھنے سے پہلے بے وضو ہو جائے۔ تو اوس کی نماز پوری ہو چکی اور ایک روائیت میں ہے کہ جو امام سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہو جائے۔ تو اوس کی نماز جائز ہوگئی۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ تو دوسری حدیث کو اون لوگوں پر حمل کیا جائیگا جو ضرورت مند ہیں۔ اور پہلی حدیث اون کے سوا دوسرے لوگوں پر۔ چنانچہ اکثر دوسری قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پس میزان کے دونوں مرتبے موجود ہو گئے ۔

انیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روئیت

کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لئے بیٹھتے تھے۔ تو
آپ کا سب سے پہلا کلام یہ ہوتا تھا۔ کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ آخر تک۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو
بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت
بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اون دونوں نے کہا۔ کہ ہم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تشہد کی
تعلیم اسطرح دیا کرتے تھے۔ کہ بسم اللہ وباللہ التحیات للہ والصلوات آخر تک۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف
ہے۔ اسلئے کہ اوس میں بسم اللہ کا لفظ نہیں ہے۔ اور دوسری حدیث میں چونکہ ہے۔ اسلئے وہ تشدید
پر محمول ہے۔ تو یہاں بھی میزان کے دو تو مرتبے پائے گئے۔ اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ
جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث غلط ہے۔ تو اس قول کی بنا پر صرف ایک ہی مرتبہ میزان کا پایا جاویگا۔ مانند اوس
حدیث کے جو تنہا واقع ہوتی ہو +

بیسویں حدیث وہ ہے۔ جو پہلے مذکور ہو چکی۔ اور اوسکو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور
وہ یہ ہے۔ کہ (نہیں نماز ہوتی بغیر سورت فاتحہ کے) حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور بیہقی
کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو۔ تو امام
کا پڑھنا بعینہ اوس شخص کا پڑھنا ہے (میں کہتا ہوں) اور یہ حدیث امام موصوف کی اون لوگوں پر محمول
ہے جو اکابر میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے امام کی قرأت سنتے ہیں۔ تو اون کے قلوب خدا تعالیٰ
کی بارگاہ میں جمع ہو جاتے ہیں جسطرح باوجود امام کے پڑھ لینے کے مقتدی کا پیچھے سے پڑھنا اون
لوگوں پر محمول ہے جنکے قلوب امام کی قرأت سننے سے درگاہ الٰہی میں جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور حضرت
ابن عباس اور ابن مسعود اور ابن عمر اور صحابہ اور تابعین کا ایک گروہ پہلی حدیث کا قائل ہے۔ اور بیہقی
میں ایک اور حدیث مرفوع مروی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ
نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ کہ میں سمجھتا ہوں تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے
عرض کیا۔ ہاں۔ یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا۔ کہ ایسا مت کرو۔ البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھو۔ کیونکہ
اوس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب تم آواز سے پڑھو۔ تو کچھ مت پڑھو
سوائے سورت فاتحہ کے۔ اور حضرت عطا کا قول ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب تھا۔ کہ جن
نمازوں میں امام آہستہ قرأت پڑھتا ہے اون میں مقتدی پر قرأت واجب ہے۔ اور جن میں آواز سے
پڑھتا ہے۔ اون میں نہیں۔ پس رجوع میزان کے دو تو مرتبوں کی طرف ہو گیا۔ اور آئندہ آئمہ کے
اقوال کی توجیہات میں یہ بات آجائے گی۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نماز کے اندر صرف خدا تعالےٰ کے
نام لینے کو قرأت کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اور اس آیت کو پڑھا کرتے تھے (وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی)
اور نام لیا اپنے پروردگار کا۔ پھر نماز پڑھی۔ اور یہ بھی اوس شخص پر محمول ہے جسکو خدا تعالےٰ کے
نام لینے سے اطمینان قلب حاصل ہو جائے +

اکیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک دعائے قنوت ایک قوم پر بد دعا کرنے کی غرض
سے پڑھی۔ پھر اوس کو ترک کر دیا۔ مگر صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھتے رہے۔ یہانتک کہ دنیا سے رخصت

ہو گئے۔ اور امام بخاری کی روایت میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کی آخیر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہکر دعاء قنوت پڑھی۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث جو اونہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑہی۔ اسی طرح وہ حدیث جسکو ابو مخلد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ اور اوس میں اونہوں نے دعاء قنوت نہیں پڑھی۔ تو میں نے اون سے کہا۔ کہ میں تم کو دعائے قنوت پڑھتے نہیں دیکھتا۔ تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ میں اپنے اصحاب میں سے کسی کو یاد نہیں کرتا۔ کہ وہ دعائے قنوت پڑھتا ہو۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث میں اوس شخص کے نزدیک جو اوس کے منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہے تخفیف ہے۔ تو میزان کے دونوں مرتبے موجود ہوئے ✤

بائیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ران عورت میں داخل ہے جسکا ستر فرض ہوتا ہے) حالانکہ شیخین کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے تہ بند کھولدیا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی حدیث میں مہذب لوگوں کو تعلیم ہو۔ اور دوسری حدیث میں کسی دوسرے شخص غیر مہذب کے لیے۔ پس اس میں بھی میزان کے دونوں مرتبے موجود ہیں ✤

تیئیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اوس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جسکو اپنی نماز میں بے وضو ہوجانیکا شبہ ہو جائے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جب تک آواز نہ سن لے۔ یا بو نہ پالے۔ اوسوقت تک نماز سے نہ لوٹے۔ بلکہ مشغول رہے۔ حالانکہ بیہقی کی حدیث جو اونہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اجب تم میں سے کسی کو نماز کے اندر قے ہو جائے۔ یا ہبکائی سے دفعۃً کچھ منہ کے راستہ سے نکل پڑے۔ تو اوس کو چاہیئے کہ نماز چھوڑ دے۔ اور دوسرا وضو کر کے آوے۔ اور اس اثنا میں اگر کچھ گفتگو نہ کی ہو۔ تو اپنی نماز پر بنا کرلے۔ پس پہلی حدیث تخفیف پر اور دوسری تشدید پر محمول ہے۔ لہذا میزان کے دونو مرتبے پائے گئے۔ اور حدیث کے اندر جو قلس کا لفظ ہے۔ اوس سے مراد قے کا غالب آجانا ہے۔ تو مطلب حدیث مذکور کا یہ ہوا کہ جو شخص تم سے قصداً قے کرے۔ یا اوس پر قے غالب آجائے تو وہ ایسا کرے یعنی نماز سے لوٹ جائے۔ اور نیا وضو کرے۔ تو یہاں لفظ قلس ایسا ہے جیسا کہ باب صوم میں آتا ہے کہ جس شخص کو قے لاحق ہو جائے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگرچہ روزہ کے اندر قے آجانے اور نماز کے اندر قے آجانے میں حکم کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہے ✤

چوبیسویں حدیث وہ ہے جس کو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں پایا۔ اور

باوجود یہ سلام کر بیٹھے۔ تو آنجناب نے اوس کے جواب میں اپنے دست مبارک سے زمین کی طرف اشارہ کر دیا۔ حالانکہ بیہقی وغیرہ نے جو حدیث روائیت کی ہے۔ وہ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نمازی سلام کا جواب نماز کے بعد دے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبے صحیح ہو گئے۔ اور یہ ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی حدیث کو اون لوگوں پر محمول کیا جاوے۔ جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے بادشاہ اور امیر رئیس۔ اور دوسری حدیث اون لوگوں پر جو اون کے سوا غریب کمزور اور معمولی سمجھے جاتے ہیں جن کے سلام کا جواب حالت نماز میں رد دینے سے سلام لینے والے پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا +

پچیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے عورت اور گدہے اور سیاہ کتے کا گذر جانا نماز کو توڑ دیتا ہے جب اوس کے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصے کے برابر کوئی شے نہ ہو۔ حالانکہ وہ حدیث جو امام مسلم وغیرہ نے روائیت کی ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑہتے ہوتے تھے۔ اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح حائل ہوتی تھی جسطرح جنازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح امام بخاری کی یہ حدیث بھی مخالف ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑہتے ہوتے تھے۔ اور گدھا سامنے چرتا ہوتا تھا۔ یا کتا سامنے سے گذر جاتا تھا۔ اور اوس کو جھڑکتے نہ تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ اوس شخص کے نزدیک جو پہلی کے منسوخ ہونیکا قائل نہیں ہے۔ تو میزان کے دونوں مرتبے موجود ہو گئے +

چھبیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس شخصکو جو اپنے گھر میں نماز ادا کر کے مسجد میں آیا تھا۔ یہ فرمایا۔ کہ جب تو مسجد میں آوے۔ تو جماعت میں شریک ہو جا۔ اگرچہ تو گھر میں ہی کیوں نہ پڑھ چکا ہو۔ اور اس قسم کی اور باقی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تنہا نماز پڑھ لی جاوے تو اوسکو جماعت کے ساتھ لوٹانا چاہیے۔ حالانکہ بیہقی وغیرہ کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کوئی نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی نماز ایک دن میں دو مرتبہ فرض نہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہو کر آتے۔ اور لوگوں کو فرض نماز ادا کرتے دیکھتے۔ تو آپ بیٹھ جاتے۔ اور اون کی نماز میں شریک نہ ہوتے۔ اور امر محتمل یہ ہے۔ کہ دوسری حدیث میں فرض نماز کی دو مرتبہ پڑھنے سے ممانعت کا یہ مطلب ہو۔ کہ فرض نماز کو ایک دن میں تنہا دو مرتبہ نہ پڑھو۔ یا ممانعت کی یہ وجہ ہو۔ کہ دوسرے لوگ بعد میں آنے والے یہ نہ سمجھیں۔ کہ یہ نماز اون پر فرض جدید ہوئی ہے۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ اس عقیدہ سے دوبارہ نہ پڑھو۔ کہ وہ نماز تم پر دوسری مرتبہ فرض ہوئی ہے۔ پس وہ حدیث جو نماز کے دوبارہ جماعت کے ساتھ لوٹانے کو واجب کرتی

ہے تشدید پر محمول ہے - اور دوسری تخفیف پر - تو میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی ظاہر ہیں *

ستائیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بیہقی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں جو شخص فجر یا وتر میں دعائے قنوت بھول جائے - وہ سجدہ سہو کرے - اور وہ اسکو اوس صورت پر قیاس کرتے ہیں - کہ جو شخص دو رکعتیں پڑھکر بغیر بیٹھے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے - حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی - اور اوس میں قنوت نہ پڑھا اسی طرح بیہقی کا یہ قول بھی خلاف ہے - کہ کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ جب آپ نے قنوت ترک کر دیا ہو - تو اوس کے لئے کبھی بھی سجدۂ سہو کیا ہو - پس پہلا قول تشدید پر - اور دوسرا تخفیف پر محمول ہے *

اٹھائیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بیہقی نے حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھا - اور پھر سلام پھیرا - حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو کے بعد بغیر تشہد پڑھے سلام پھیر دیا - اسی طرح دوسری روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد دونوں سجدوں سے پہلے پڑھا - پس پہلی حدیث تخفیف پر - اور دوسری تشدید پر محمول ہے - اور ان دونوں قولوں کی توجیہہ اوس مقام پر آجائے گی - جہاں آئمہ کے اقوال کو باہم جمع کر کے دکھلایا جائیگا - انشاء اللہ تعالے *

انتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ نہیں نماز ہوتی ہے بے وضو کی - اور وضو بغیر بسم اللہ پڑھے نہیں ہوتا - اسی طرح اوس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے - اسی طرح شعبی کا یہ قول ہے - کہ جو شخص تشہد کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے - تو وہ اپنی نماز کو لوٹا وے - یا یہ فرمایا - کہ وہ نماز اوس کے لئے کافی نہیں ہوئی - حالانکہ حضرت ابو مسعود بدری کا قول اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے کہ اگر میں کوئی نماز ادا کروں - اور اوس کے اندر محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھوں - تو میں سمجھوں کہ میری نماز کامل نہیں ہوئی - تو پہلی حدیث اور اوس کے موافق تمام احادیث واقوال سے درود شریف کا وجوب اور نماز کے لئے شرط ہونا ثابت ہوتا ہے - اور حضرت ابو مسعود کے قول سے معلوم ہوتا ہے - کہ درود شریف کے بغیر نماز صحیح تو ہو جاتی ہے - لیکن کچھ نقص رہتا ہے - تو پہلی حدیث میں تشدید ہے - اور دوسرے قول ابو مسعود میں تخفیف - پس میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے *

تیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ کنجی نماز کی پاکی ہے اور تحریمہ کہنے سے نماز کے منافی افعال حرام ہو جاتے ہیں - اور سلام کرنے سے وہ سب حلال ہو جاتے ہیں - یعنی جب نمازی یہ کہدے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ

عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تسلیم سے مراد تشہد ہے۔ اور یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی نمازی السلام علیکم کہنے سے پہلے بے وضو ہو جائے۔ تو اوس کی نماز صحیح ہوگئی۔ تو وہ حدیث پہلی تفسیر کے مطابق یعنی تسلیم سے السلام علیکم مراد ہو۔ تشدید پر محمول ہے۔ اور بعد کے دونوں قول تخفیف پر محمول ہیں

اکتیسویں حدیث۔ وہ ہے جسکو حضرت امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ اور اس میں کچھ بھی قرأت نہ پڑھی۔ اور سلام پھیر دیا۔ بعد میں لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے قرأت بالکل نہیں پڑھی۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں اونٹوں پر ملک شام کو سامان لے جا رہا تھا اور ایک ایک منزل پر اوترتا ہوا جب ملک شام میں پہونچ گیا۔ تو اون اونٹوں کو اور اون کے پالانوں اور جھولوں اور بوجھوں کو فروخت کر دیا۔ نخعی رح کا قول ہے۔ کہ پھر حضرت عمر نے معہ مقتدیوں کے اوس نماز کو لوٹایا۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری روائت جو حضرت عمر رض ہی سے ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمر رض سے کہا۔ کہ آپ نے نماز مغرب میں قرأت کچھ نہ پڑھی۔ تو آپ نے اون سے دریافت کیا۔ کہ پھر رکوع اور سجدے بھی ٹھیک ادا ہوئے۔ یا نہیں۔ مقتدیوں نے عرض کیا۔ کہ وہ تو ٹھیک ادا ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ پھر کچھ ہرج نہیں۔ اسی طرح وہ حدیث بھی خلاف ہے جسکو بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روائت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ میں نے نماز ختم کر دی۔ اور قرأت پڑھی نہیں۔ تو آپ نے اوس سے دریافت فرمایا۔ کہ بھلا رکوع اور سجدے بھی ٹھیک ادا ہوئے۔ اوس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ پھر تیری نماز تمام ہوگئی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا فعل تشدید پر محمول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول تخفیف پر محمول ہے۔ اور اس کی توجیہ اوس جگہ آجائے گی۔ جہاں اقوال آئمہ کو باہم جمع کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اور احتمال اسکا بھی ہے کہ اقوال مذکورہ میں قرأت نہ پڑھنے سے مراد یہ ہو۔ کہ سورت فاتحہ کے بعد اور کوئی سورت نہ پڑھے۔ تو اب تمام حدیثیں جمع ہو جائینگی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مغرب کی نماز کو اعادہ کرنا اون کے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا جائیگا ✦

بتیسویں حدیث وہ ہے جسے شیخین نے امامت جنب کے باب میں روائت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کر دی۔ پھر یاد آگیا کہ آپ کو غسل کی حاجت ہے۔ پس آپ لوٹے۔ اور طہارت کی۔ پھر تشریف لائے۔ اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اور لوگوں کو ویسے ہی نماز پڑھانے لگے۔ اور اون کو تکبیر تحریمہ کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ حالانکہ بیہقی کی روائت اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حالانکہ آپ کو غسل کی حاجت تھی۔ پھر اوس نماز کو آپ نے بھی لوٹایا۔ اور مقتدیوں نے بھی۔ اور یہی قول حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور بیہقی کی ایک روائت میں ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صبح کی نماز حالت جنابت

میں پڑھا دی - تو اوس نماز کو آپ نے خود تو لوٹایا - لیکن مقتدیوں کو اوس کے لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اور بالکل ایسا ہی واقعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے - لیکن غسل کی حالت کے بارے میں نہیں - بلکہ بے وضو ہونے کے بارے میں یعنی حدث اصغر میں - پس حدیث اول اگر اوس کے اندر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مقتدیوں نے بھی تکبیر تحریمہ کہ لی تھی - اور نماز میں داخل ہو گئے - اوس کے بعد آپ کو یاد آیا - تو وہ تخفیف پر محمول ہے - اور دوسری حدیث معہ فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور معہ لوٹانے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز کو نہ باقی مقتدیوں کے تشدید پر محمول ہے ۔

تینتیسویں حدیث حضرت مسور بن مخرمہ کا وہ قول ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ جو نمازی حالت نماز میں اپنے کپڑے یا جوتے پر کچھ پلیدی دیکھے - تو اوسکو اوس سے دور کرے - اور نماز نئے سرے سے شروع کرے - اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنی گذشتہ نماز پر بنا کرلے - یعنی جسقدر پہلے پڑھ چکا تھا صحیح ہو چکی - باقی اب پڑھ لے - پس پہلا قول تشدید پر - اور دوسرا تخفیف پر محمول ہے ۔

چونتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے جب کوئی مسجد میں آوے - تو اپنے جوتوں کو اولٹ کر دیکھ لے - کہ اون میں نجاست تو نہیں ہے - اگر ہو تو اونکو زمین سے رگڑ دے - پھر اون کے ساتھ نماز ادا کرلے - اسی طرح وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اون سے اوس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے کپڑے کا پلو زمین پر لٹکتا جاتا ہو - اور زمین وہاں کی پلید ہو - تو انہوں نے جواب میں کہا - کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ بعد کا چلنا اوس کپڑے کو پاک کریگا - اسی طرح بیہقی کی وہ روایت جو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے - اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کی - کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم مسجد کو جاتے ہیں - تو پلید راستہ طے کرنا پڑتا ہے - آپ نے فرمایا - کہ بعض راستہ اوس کے بعض کو پاک کر دیتا ہے - اسی طرح وہ حدیث جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کہ جو شخص تم میں سے جوتوں سمیت نجاست میں چلے تو مٹی اوسکو پاک کر دیگی - حالانکہ وہ احادیث جنکو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے لیا ہے - اور اون سے ثابت ہے کہ جو کپڑا یا جوتا زمین کی نجاست سے نجس ہو جائے - تو اوسکا دھونا واجب ہے - پس یوں کہا جائیگا - کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے - اور دوسری اوس کے مخالف میں تشدید ۔

پینتیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو مل رگڑ دیتی تھی - اور امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے - کہ میں اوسکو کھرچ دیتی تھی - اور بیہقی کی روایت میں ہے - کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں - کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دور کرنے کے لئے تر ہاتھ پھیر دیتی

تھی - اور جب وہ خشک ہو جاتی تھی - تو کھرچ دیتی تھی - حالانکہ امام بخاری کی حدیث میں جو اونہوں
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے یہ آیا ہے - کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کپڑے کو منی لگ جاتی تھی - تو اوسکو پہلے دھوتے تھے - پھر نماز کو جاتے تھے - لیکن ایسا دھوتے
تھے - کہ میں اوس دھونے کی جگہ پر سفیدی کا بقیہ نشان دیکھ لیتی تھی - پس پہلی حدیث میں تخفیف
اور دوسری میں تشدید - اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس کپڑے کو دھونا خواہ منی کی نجاست
کی وجہ سے ہو - یا لطافت کے خیال سے - پس میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی موجود نکلے +

چھتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ ایک اعرابی
مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا - تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا - کہ اوس مقام پر پانی کے ڈول
ڈالے جاویں - حالانکہ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا قول جو کبار تابعین میں سے ہیں - اور امام ابو حنیفہ رضی
اللہ عنہ کا قول اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے کہ زمین کی طہارت اوسکا خشک ہو جانا ہے - پس
پہلی حدیث میں تشدید ہے - اور ان دونوں قولوں میں تخفیف ہے - اور اگر امام ابو حنیفہ اور ابو قلابہ
رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہ پہونچی ہوتی - تو وہ دونوں
اس کے ہرگز قائل نہ ہوتے - اور بعض نے تو ان دونوں کے قول مذکور کو حدیث مرفوع بتلایا ہے - اور
اوسکی تصریح کی ہے - پس میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے +

سینتیسویں حدیث وہ ہے جسکو حاکم نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور اوس کے متعلق یہ بیان
کیا ہے - کہ یہ روایت شیخین کی شرط کے موافق ہے - اور وہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد کے ہمسایہ میں سے
اذان کی پکار سنے - اور وہ باوجود ہٹا کٹا ہونے کے اوس پکار کا جواب نہ دے یعنی مسجد میں نہ جاوے
تو اوسکی نماز نہیں ہوتی - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے - کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز نہیں ہوتی
مسجد میں - پھر اون سے دریافت کیا گیا - کہ مسجد کا ہمسایہ کون ہے - تو آپ نے فرمایا - کہ جس کے کان
میں موذن اپنی اذان کی آواز پہونچا دے - بیہقی کا قول ہے - کہ حضرت علی کا قول مذکور بطور حدیث مرفوع
کے بھی مروی ہے - حالانکہ وہ حدیث جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صحابہ کو تنہا نماز پڑھنے
کی اجازت ثابت ہوتی ہے وہ اس کے مخالف ہے - کیونکہ اوسمیں آپ نے تنہا نماز پڑھنے والے کو اعادہ
نماز کا بھی حکم نہیں فرمایا پس پہلی حدیث کو تشدید پر - اور ثانی حدیث کو تخفیف پر محمول کیا جاویگا +

اڑتیسویں حدیث وہ ہے جس میں عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے امام بنانے
سے منع فرمایا ہے جس کے باپ کا پتہ نہ ہو - یعنی مشہور نہ ہو - حالانکہ شعبی اور نخعی اور زہری کا قول اس کے
خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص امام بن سکتا ہے - پس پہلا قول تشدید پر اور دوسرا
قول تخفیف پر محمول ہے +

انتالیسویں حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جسکو بیہقی نے روایت
کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ نہ امام بنایا جاوے لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے - حالانکہ بیہقی
کی دوسری حدیث جسکو اونہوں نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اوس کے مخالف
ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو مسجد میں فرض نمازیں اور جنازہ کی نمازیں پڑھایا کرتے تھے - اور

سوقت سات یا چھ سال کے تھے پس میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے +

چالیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول ندا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے اوسکو ز کے اعادہ کا حکم فرمایا۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے اف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ اور ول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے۔ تو آپ صف سے علیحدہ ہی رکوع میں شامل ہو گئے اون سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالے تیری حرص اور زیادہ کرے اس نماز کے لوٹانے کا خیال نہ کرنا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسری میں تخفیف +

اکتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ ہے کہ منع فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ امام اوپر ہو۔ اور لوگ اوس پیچھے باقی رہیں۔ اور حضرت حذیفہ کی دوسری روایت میں ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ کہ نہ نماز پڑھے امام کسی ایسے مقام پر جو مقتدیوں کے مقام سے بلند ہو۔ حالانکہ وہ یث جسکو بیہقی نے حضرت صالح سے جو توئمہ کے مولے ہیں روایت کی ہے۔ اس کے مخالف ۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد اوپر تھے۔ اور ہم سب وہی نماز پڑھ رہے تھے۔ جو امام پڑھتا تھا۔ اور نماز بھی فرض تھی پس پہلی حدیث تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی حدیث کو اوس صورت پر ول کیا جائے۔ کہ جب امام کا اونچی جگہ کھڑا ہونا تکبر سے ہو۔ اور دوسری حدیث اوس صورت پر ب تکبر نہ ہو +

بیالیسویں حدیث وہ ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم چالیس شخصوں کے ساتھ۔ اور اسی طرف ابہ اور تابعین کی ایک جماعت گئی ہے۔ اسی طرح بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ پچاس صوں سے کم پر جمعہ واجب نہیں۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث جو اونہوں نے حضرت بداللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ وہ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ون نے کہا۔ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ ہر قریہ پر واجب ہے۔ اگرچہ اوسمیں مسلمان ہوں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ یت تشریق بگر شہر میں۔ اور اسی طرح اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم۔ پس پہلی حدیث اور اوس کے ن تمام اقوال تخفیف پر محمول ہیں۔ کیونکہ اون سے چالیس سے کم لوگوں پر جمعہ کا عدم وجوب ہوتا ہے۔ اور دوسری حدیث اور جو اقوال اوس کے معاون ہیں۔ وہ سب تشدید پر محمول ہیں اون سے مقدار مذکور پر جمعہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ تو رجوع میزان کے دونوں مرتبوں ف ہو گیا +

تینتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام ترمذی اور بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور

وہ یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں اصل نماز کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں پہلی رکعت میں کہیں۔ اور پانچ دوسری میں۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں چار مرتبہ تکبیریں کہتے تھے جسطرح نماز جنازہ میں آپ کی عادت مبارک تھی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دونوں عیدوں کی نمازوں میں پانچ تکبیریں پہلی رکعت میں ہوتی ہیں۔ اور چار دوسری رکعت میں۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں عدد کے اعتبار سے تخفیف ہے۔ غرض میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی موجود ہیں ❊

چوالیسویں حدیث وہ ہے کہ جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھی۔ اور اوس کی ہر رکعت میں چار چار رکوع کئے۔ اور ایک روایت میں پانچ پانچ رکوع بھی وارد ہیں۔ اور ایک روایت میں تین تین رکوع بھی ہیں۔ حالانکہ امام بخاری کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس روز کہ جبدن آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی سورج گہن کی نماز پڑہی۔ اور اوسکی ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کیا۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا منقول ہے۔ کہ مطلب یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کے لئے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور ہر رکعت میں دو دو رکوع کئے تھے۔ پس پہلی حدیث تمام طریقوں کے کے ساتھ تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث تخفیف پر ❊

پینتالیسویں حدیث وہ ہے جسے بیہقی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہیں پڑھتے تھے اون زلزلوں کی وجہ سے جو وقوع میں آتے تھے۔ اور نہ دوسری خلاف عادت باتوں اور خدا تعالےٰ کی نشانیوں کی وجہ سے۔ جیسے عالم میں اندھیرا ہو جانا۔ یا کسی کا مرجانا۔ حالانکہ وہ حدیث جس کو امام شافعی وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زلزلہ کی وجہ سے چھ رکوع پانچ سجدوں میں ادا کئے اسطرح کہ پانچ رکوع اور دو سجدے ایک رکعت میں اور رکوع اور دو سجدے ایک رکعت میں

اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ اون سے روایت ہے کہ جب اونکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مطہرہ کی وفات کی خبر پہونچی۔ تو وہ سجدے میں گر پڑے۔ اور جب اون سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو اونہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تم خدا تعالےٰ کی کوئی نشانی دیکھو۔ تو اوسکی عالی درگاہ میں سجدہ کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی وفات سے زیادہ بڑی اور کیا نشانی ہوگی۔ اور یہ واقعہ طلوع شمس سے پہلے کا ہے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تخفیف پر محمول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اور اوس کے مناسب تمام اقوال تشدید پر محمول ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے قول کو جسکی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے۔ اوس شخص پر حمل کیا جاوے جس کے قلب میں خدا تعالےٰ کی نشانیاں گہرا اثر پیدا کریں

ہوں - اور وہ اون کے ظہور کے وقت خدا تعالے سے خائف ہونے لگے - کیونکہ ایسے شخص کے لئے ایسے وقت میں سجدہ کرنا ایسا ہے جیسے آگ پر پانی گر کر اوسکی گرمی کو دور کر دیتا ہے - اور پہلے قول کو اوس شخص پر حمل کیا جاوے جسکے قلب پر اسقدر خوف نہ ہوتا ہو - پس میزان کے دونوں مرتبے یہاں بھی موجود ہوئے

چھیالیسویں حدیث وہ ہے جسے امام مسلم وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ شناخت درمیان مسلمان مرد اور شرک و کفر کے ترک کرنا نماز کا ہے - بیہقی کی روایت میں اتنا لفظ اور زائد ہے کہ جس شخص نے اوس نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا - حالانکہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تارک نماز ایسا کافر نہیں ہوتا جو اسلام سے خارج ہو جاتا ہے - پس پہلی حدیث میں تشدید ہے - اور دوسری میں تخفیف +

سینتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں شہداء کو مع اون کے خونوں کے دفن کیا - اور نہ اون کو غسل دیا گیا - اور نہ اون پر نماز پڑھی گئی - حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز پڑھی - پس اگر ان دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث ثابت ہے تو اوسکو تخفیف پر حمل کرینگے - اور اگر دوسری حدیث ثابت ہے تو اوسکو تشدید پر - اور اگر دونوں ثابت ہوں - تو نماز سے مراد یا تو یہ ہے - کہ آپ نے اون شہدائے جنگ احد پر نماز پڑھی جنکا انتقال جنگ کے بعد ہوا - اور یا نماز سے مراد صرف دعا ہے - تو میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے - کیونکہ نماز سے وہ نماز مراد لینا جو معروف ہے اور معتاد ہے تشدید میں داخل ہے - اور صرف دعا کے معنے میں لینا تخفیف میں داخل ہے +

اڑتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ جب تم جنازہ کو دیکھو - تو کھڑے ہو جاؤ - یہانتک کہ بہت پیچھے چھوڑ دے وہ تم کو یا زمین پر رکھدیا جاوے بیہقی کی روایت میں اتنا لفظ اور زائد ہے کہ اگرچہ تم میں سے کوئی شخص اوس کے ہمراہ نہ جا رہا ہو - اسیطرح شیخین کی یہ بھی روایت ہے - کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کوئی جنازہ گذرا - تو آپ اوس کے لئے کھڑے ہوگئے - جب آپ سے کسی نے یہ کہا کہ حضور یہ تو کسی یہودی کا جنازہ ہے - تو آپ نے جواب دیا - کیا وہ ایک جان نہیں ہے - اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو صرف فرشتوں کی خاطر کھڑا ہوا تھا - اسی طرح اور باقی وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے - کہ جنازہ کے لئے قیام ضروری ہے - حالانکہ وہ حدیث جسکو امام شافعی اور امام مالک اور امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے - اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لئے پہلے کھڑے ہوا کرتے تھے - پھر کھڑے ہونے کو چھوڑ دیا تھا - اگر اوسکو دیکھ بھی لیتے تھے تب بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے - پس اگر اس آخری حدیث کو اول حدیث کا ناسخ نہ کہا جاوے تو یوں کہا جائیگا - کہ پہلی حدیث میں تشدید ہے - اور دوسری میں تخفیف +

انچاسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی پر نماز پڑھی - اور چار مرتبہ تکبیر کہی [illegible] اور بیہقی (?) کی روایت (?) میں [illegible]

کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی قبر پہ نماز پڑھی - اور اوسمیں چار مرتبہ تکبیر کہی - اسیطرح اس باب میں اور احادیث بھی ہیں حالانکہ ان سب احادیث کے وہ حدیث مخالف ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی پر نماز پڑہی - تو اوس میں پانچ مرتبہ تکبیر کہی - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر نماز پڑہی - تو اوس میں سات مرتبہ تکبیر کہی - اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا - کہ بیشک یہ مرحوم اہل بدر میں سے ہے - اور بیہقی کی دوسری روایت میں ہے - کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ پر نماز پڑھی - تو اوسمیں سات مرتبہ تکبیر کہی - اور یہ بھی اہل بدر میں سے تھے - علماء کا بیان ہے - کہ اکثر صحابہ کا یہ مذہب ہے کہ تکبیر چار مرتبہ ہونی چاہیئے - پس اس سے زائد تکبیروں کی روایات منسوخ ہیں - اور اگر اونکو منسوخ نہ کہا جاوے - تو اول تخفیف پر محمول ہے - اور باقی تشدید پر ✤

پچاسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تین وقت ہیں جن کے اندر نماز پڑھنے سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرمایا ہے - اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ ہم اون اوقات میں اپنے مردوں کو دفن کریں - اور منجملہ اون تینوں وقتوں کے ایک وقت یہ بھی ذکر کیا - کہ جس وقت آفتاب غروب ہو چکے حالانکہ امام مسلم کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کو شب کے وقت دفن کیا - اور اونکو اسکی آپ نے تقریری اجازت بھی دی - اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے - کہ جب حضرت عقبہ سے کہا گیا - کہ کیا آپ مردوں کو بوقت شب بھی دفن کر دیتے ہیں - تو اونہوں نے جواب دیا - کہ میں ہی کیا دفن کرتا ہوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شب کے وقت دفن کیا ہے - پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے - اور دوسری میں تشدید اون کے لیے ہے جن پر شب کے وقت مردہ کو دفن کرنا دشوار ہو ✤

اکیانویں حدیث وہ ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے - کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازہ پر نماز پڑھی - اور صرف ایک ہی سلام پھیرا - حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث میں ہے - کہ جو اونہوں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت کی ہے - کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی - اور دائیں بائیں دونو جانب سلام پھیرا جسطرح رکوع اور سجدے والی نماز میں پھیرتے ہیں - پس پہلی حدیث تخفیف پر اور دوسری تشدید پر محمول ہے - یہی تقریر اوس حدیث میں ہے جسکو بیہقی نے حضرت امام بن سہل سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ جب وہ جنازہ کی نماز پڑھتے تھے - تو ایک ہی سلام کرتے تھے - حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے - تو اپنے نزدیک والے لوگوں کو سنا دیتے تھے - پس میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے - اور یہ بھی ہو سکتا ہے - کہ آواز سے پڑھنے کی حدیثوں کو قوی دلوں پر حمل کیا جاوے - اور آہستہ سے پڑھنے کی حدیثوں کو اون لوگوں پر جن کے دلوں پر اوس میت کے انتقال کا صدمہ ہو - اور خشیہ اور خوف غالب ہو - اور اسوجہ سے اونکی آواز زور سے نہ نکل سکے - جیسا کہ سلف صالح کا یہی دستور تھا - اون حضرات کی حالت کا اس سے

اچھیطرح اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ جنازہ کے ساتھ چل نہیں سکتے تھے اسلیئے واپس آجاتے تھے ÷

باونویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سہل بن بیضا پر مسجد میں نماز پڑھی تھی۔ اور جب کسی نے اسکا انکار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کتنی جلدی لوگ بھول گئے اسی طرح بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر مسجد میں نماز پڑھی گئی۔ حالانکہ حدیث تریپنویں جو اونہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص مسجد کے اندر جنازہ کی نماز پڑھے۔ تو اوسکو کچھ ثواب نہیں ÷

حضرت صالح کا قول ہے۔ کہ جنازے مسجد میں رکھے جاتے تھے۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب مسجد کے سوا اور کوئی جگہ نماز کے لئے نہیں پاتے تھے۔ تو واپس چلے جاتے تھے۔ اور اوسپر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ پس پہلی حدیث اور اوس کے ہمعصر دونوں تخفیف پر محمول ہیں۔ اور دوسری حدیث تشدید پر۔ تو اگر ان دونوں مختلف حکموں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو۔ تو میزان کے دونوں مرتبے نکل پڑینگے۔ اور اسکی توجیہ اوس جگہ آجائیگی جہاں اقوال آئمہ کو جمع کرکے دکھلایا جائیگا ÷

تریپنویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب واجب ہوگئی۔ تو کوئی رونے والی نہ روے۔ صحابہ رضی عرض کیا۔ کہ حضور واجب ہوگنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ موت۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کے انتقال پر اسطرح رنج وملال ظاہر فرمایا۔ کہ آپ کی دونوں آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جسکو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔ تو آپ خود بھی روئے۔ اور قرب وجوار کے لوگوں کو رولایا۔ علے ہذا القیاس وہ حدیث بھی مخالف ہے جسکو نسائی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اون عورتوں کو ڈانٹا جو جنازے کے ساتھ رورہی تھیں۔ تو اون کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے عمر انکو چھوڑ دو۔ اسلئے کہ آنکھیں آنسوؤں سے رویا ہی کرتی ہیں۔ اور نفس کو مصیبت پہونچا ہی کرتی ہے۔ اور زمانہ عنقریب ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالے صرف آنسو بہانے اور دل سے سوگ کرنے پر عذاب نہیں دیگا بلکہ عذاب تو اسوجہ سے دیگا اور زبان کی طرف اشارہ فرمایا اور یا رحم فرما دیتا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ کیونکہ اوس سے مرف دفن تک رونے کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے۔ کیونکہ اوس سے قبل دفن اور بعد دفن دونوں

رونے کی اباحت ثابت ہے ❊

چونویں حدیث وہ ہے جسکو مسلم وغیرہ نے حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا ہم جنازہ کے پیچھے جانے سے منع کی گئی ہیں۔ مگر اس ممانعت کا ہم پر زیادہ زور نہیں ڈالا گیا۔ یعنی نہی تنزیہی ہے۔ نہ تحریمی۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند عورتوں کو دیکھا کہ وہ جنازے کا انتظار کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی اوسمیں اٹھائی جاؤگی جسمیں وہ مُردہ اٹھایا جائیگا۔ اونہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی اوس میں داخل کی جاؤگی جس میں وہ داخل کیا جائیگا۔ اونہوں نے عرض کیا۔ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی اوس میں غسل دی جاؤگی جس میں وہ غسل دیا جائیگا۔ اونہوں نے عرض کیا۔ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ تو پھر تم واپس ہو جاؤ۔ اس حال میں کہ تم گنہگار ہو۔ نہ اس حال میں کہ تم اجر لینے والی ہو۔ اسی طرح وہ حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ میت والوں کی تعزیت کر کے واپس جا رہی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اوس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ اگر تو اون کے ساتھ قبرستان تک چلی جاتی۔ تو تو جنت کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تا وقتیکہ تیرے باپ کا دادا اوسکو نہ دیکھ لیتا۔ پس امّ عطیہ کا یہ کہنا کہ اوس ممانعت کا ہم پر زیادہ زور نہیں ڈالا گیا تخفیف پر محمول ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسری حدیث میں یہ فرمانا۔ کہ پھر تم واپس ہو جاؤ۔ اس حال میں کہ تم گنہگار ہو۔ اسی طرح اوس کے بعد کے اقوال تشدید پر محمول ہیں یعنی نہی کے اندر پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے ❊

فصل۔ اس کے اندر کتاب الزکوٰۃ سے لیکر کتاب الصوم تک کی اون نظائر کو بیان کیا جائیگا جنمیں میزان کے دونوں مرتبے جاری ہوتے ہیں

پس **پہلی حدیث** وہ ہے جسکو امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے فرمایا۔ کہ غلام اور مکاتب کے مال میں اوسوقت تک زکوٰۃ نہیں ہے۔ کہ جب تک وہ آزاد نہ ہو۔ حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول جو اس سوال کا جواب ہے کہ کیا غلام کے مال میں زکوٰۃ ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر مسلمان کے مال میں زکوٰۃ ہے۔ اس تفصیل سے کہ مبلغ دو سو درہم میں پانچ درہم اور جسقدر زائد ہوتے جائیں۔ اسی کے حساب سے دیجائے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے قول کو اوس شخص پر حمل کیا جاوے جو کسی بخیل آدمی کا غلام ہو۔ اور دوسرا قول چونکہ عام ہے۔ اسلئے وہ اوس شخص پر حمل کیا جاویگا۔ جو سخی آدمی کا غلام ہو۔ کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق بعینہٖ مال کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ مکلف کے ساتھ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ جسطرح مولے خدا کا بندہ ہے۔ اسی طرح غلام بھی اوسی کا بندہ ہے۔ اور جسطرح مولے خدا کے مال میں

خلیفہ بنایا گیا ہے اسی طرح غلام اپنے سے چھوٹے موٹے کے مال میں اوس کا خلیفہ ہے۔ تو میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے ۔

دوسری حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے صدقات کے بارے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اون کو یمن کیطرف بھیجا۔ تو اونکو یہ فرمادیا کہ دانوں میں سے دانے لینا۔ اور بکریوں کے گلہ میں سے بکری لینا۔ اور اونٹوں میں سے اونٹ لینا۔ اور گایوں کے گلہ میں سے گائے لینا۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے طاؤس رضہ سے روایت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ طاؤس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا۔ کہ میرے پاس کمبل اور پرانے کپڑے لاؤ۔ تم سے بجائے صدقہ کے وہی لونگا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ بجائے خراج کے وہی منظور کرلونگا۔ کیونکہ اوسکا دینا تم پر سہل ہے۔ اور مدینہ میں مہاجرین کیواسطے بھی بہتر ہے۔ پس پہلی حدیث چونکہ تصریحاً ہر جنس سے اوسی جنس کا صدقہ لینے کو واجب کرتی ہے اسلئے تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث سے چونکہ دوسری جنس کا لے لینا بھی بشرطیکہ وہ جنس قیمت دار ہو جائز سمجھ میں آتا ہے۔ اسلئے وہ تخفیف پر محمول ہے۔ تو اگر ان روایتوں میں سے کسی روایت کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو۔ اور نہ طاؤس کی حدیث مذکور میں۔ دوسری روایت کا یہ لفظ۔ کہ بجائے خراج کے منظور کرلونگا۔ بہ نسبت پہلی روایت کے کہ بجائے صدقہ کے زیادہ صحیح نہ ثابت ہو۔ تو دونوں حدیثیں تخفیف و تشدید پر جو میزان کے دو مرتبے ہیں۔ محمول ہو سکتی ہیں ۔

اور بیہقی نے جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جب زکوۃ کے اونٹوں میں ایک بلند کوہان والی اونٹنی جو بیش قیمت ہوتی ہے۔ دیکھی۔ پھر تحصیلدار سے اوس کے متعلق بازپرس کی۔ تو اوس نے جواب دیا۔ کہ میں نے اسکو اونٹ کے بدلہ میں لیا ہے پھر آپ چپ ہو گئے۔ تو ان دونوں حدیثوں سے اموال زکوۃ میں قیمت کا لے لینا بھی جائز ثابت ہوتا ہے ۔

تیسری حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نہیں ہے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوۃ۔ مگر ہاں صرف غلاموں میں صدقہ فطر ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی سونے یا چاندی والا آدمی جو اوسکا حق نہ ادا کرتا ہو۔ یہاں تک کہ کسی نے سوال کیا کہ اور گھوڑوں میں یا حضرت۔ تو آپ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بتلائیں۔ بعض گھوڑے وہ ہیں جو انسان کے بار ہیں۔ اور بعض گھوڑے وہ ہیں جو انسان کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہیں۔ اور بعض گھوڑے ایسے ہیں جو انسان کے لئے پردہ اور روک ہیں۔ پس وہ گھوڑے جو مالک کے لئے روک ہیں۔ وہ اوس شخص کے گھوڑے ہیں جس نے اون کو خدا کی راہ میں کام لانے کی غرض سے باندھا ہے۔ پھر وہ خدا تعالےٰ کے حقوق جو اون کی پشتوں

اور گرونوں میں ہیں۔ اون کو یاد رکھتا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق جو اون کی پشتوں اور پیٹوں میں ہیں بہر حال چاہے تنگی ہو۔ یا فراخی۔ یاد رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اون گھوڑوں میں جو جنگل میں چرتے ہیں۔ زکوٰۃ ہے۔ اس تفصیل سے کہ ہر گھوڑے میں ایک دینار۔ اسیطرح بیہقی کی دوسری روایت بھی مخالف ہے۔ جو اونہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے ہر گھوڑے پر ایک ایک دینار مقرر کیا تھا۔ پس پہلی حدیث اور جو اوس کے معاون ہیں تخفیف پر مبنی ہیں اسلئے کہ اوس سے زکوٰۃ کی معافی ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں تشدید ہے ✤

چوتھی حدیث وہ ہے جس کو بیہقی نے ابو موسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کو یمن کی طرف بھیجا۔ تو اوسوقت یہ ہدایت فرمائی۔ کہ سوائے ان چار صنفوں کے۔ اور کسی چیز سے زکوٰۃ نہ لینا۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ جو گیہوں کشمش خشک کھجور۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زیتون میں دسواں حصہ اوس شخص سے لیا جائے جو اوسکا تیل نکالے۔ اور اوسکی کاشت کو آسمان نے سیراب کیا ہو۔ یا نہروں کے پانی نے۔ یا وہ زمین ایسی ہو۔ جو کسی اونچی جگہ واقع ہوئی ہو۔ اور سال میں صرف ایک مرتبہ وہاں بارش ہوتی ہو۔ تو ان سب صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ اور جس زمین کو بذریعہ کنوئیں یا حوض کے پانی دیا گیا ہو۔ اوسمیں بیسواں حصہ واجب ہے۔ یہی قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ بشرطیکہ زمینوں کی پیداوار اسقدر ہوئی ہو۔ کہ اوس کے دانے پانچ وسق وزن کے ہوں۔ تو جب وہ دانے پیلے جاویں۔ اور روغن زیتون برآمد ہو جاوے تو اوس کا دسواں حصہ لیا جاوے۔ اور وسق ملک حجاز میں تین سو بیس رطل کا ہوتا ہے۔ اور عراق میں چار سو رطل کا۔ لہذا پہلی حدیث تخفیف پر محمول ہے۔ اور دوسری تشدید پر ✤

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ شہد کی ہر دس مشکیزوں میں ایک مشک زکوٰۃ واجب ہے۔ اور بیہقی کی دوسری روایت ایں ہے۔ کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول میرے ہاں شہد کی مہال ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ دسواں حصہ ادا کرو۔ پھر اوس نے عرض کیا اچھا میں اوسکی اب حفاظت کرونگا چنانچہ اوس نے اوس مہال کا احاطہ گھیر دیا۔ حالانکہ وہ حدیث جسے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آکر دریافت کرنے لگا۔ کہ کیا شہد کی زکوٰۃ مجھ پر واجب ہے۔ تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ گھوڑوں اور شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اور یہی مذہب حضرت علی اور معاذ اور حسن رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں جو اوس کے مخالف ہے اگر اوسکا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو۔ تو تخفیف ہے ✤

چھٹی حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے - اور اونہی کی دوسری روایت میں ہے - کہ سبزیوں اور ساگوں میں زکوٰۃ نہیں ہے - اور عطار کا یہی مذہب ہے - اسی واسطے وہ کہتے ہیں - کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے - اور میوہ جات جسقدر ہیں - اون سب میں زکوٰۃ ہے - حالانکہ وہ حدیث جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے - اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے - کہ تمام اون چیزوں میں جنکو آسمان اور چشموں کے پانی نے سیراب کیا ہو - اور اوس زمین میں جو صرف بارش ہی سے سیراب کی جاتی ہو - زکوٰۃ ہے - اور وہ دسواں حصہ پیداوار کا - تو اس قول میں تمام نباتات داخل ہوگئی - پس یوں کہینگے - کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے - اور دوسری میں تشدید ✣

ساتویں حدیث وہ ہے جسکو امام مالک اور امام شافعی اور امام بیہقی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ زیوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے - حالانکہ وہ روایت جسکو امام بیہقی نے حضرت عمر ہی سے روایت کیا ہے - اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے - کہ آپ نے حضرت موسیٰ اشعری کو پروانہ لکھا - کہ اپنی طرف سے مسلمان عورتوں کو حکم کرو - کہ وہ اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا کریں - عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ زیور میں زکوٰۃ اوسوقت واجب ہے کہ جب وہ مبلغ دوسَو درہم کی قیمت کو پہونچ جاوے - پس یہی کہینگے - کہ پہلی حدیث میں تخفیف ہے - اور دوسری میں تشدید - اور یہ بھی ہوسکتا ہے - کہ پہلی حدیث کو اوس عورت کے زیور پر محمول کیا جاوے جو عرف میں فقیر شمار کی جاتی ہو - اور دوسری حدیث مالدار عورتوں پر ✣

آٹھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ ان سب صحابہ کا قول ہے - کہ جو شخص مال چھوڑ جائے - تو اگر وہ کسی ایسے شخص کے قبضہ میں ہو جو قابل اعتماد ہے - تو اوسمیں ہر سال زکوٰۃ واجب ہے - اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت ابن عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے - کہ جس کا قرضہ ایسے شخص پر لازم آتا ہو - جو معتمد اور موثوق بہ ہے - تو وہ ایسا ہی ہے کہ گویا تمہارے ہی قبضہ میں ہے - اور جو قرض ایسا ہو - کہ جسکی وصولیت امر موہوم ہو - تو اوس کی اوسوقت تک زکوٰۃ واجب نہیں کہ جب تک وہ وصول نہ ہوجائے - حالانکہ حضرت عطا وغیرہ کا قول اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ تیرا جو کسی پر قرض ہے اوسکی تجھ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے - اگرچہ وہ ایسے شخص پر ہو جو نادہند نہیں ہے - اور یہی مذہب حضرت عمر اور حضرت عائشہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا ہے - پس پہلی حدیث میں تشدید ہے - اور دوسری میں تخفیف ✣

نویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا صدقہ فرض کیا ہے - اسکی تفصیل یہ ہے کہ کھجور کا ایک صاع - اور جو کا ایک صاع - اور ایک روایت میں ہے کہ گیہوں کا ایک صاع اور جو کا ایک صاع - اور کھجور کا ایک صاع - اور پنیر کا ایک صاع - اور کشمش کا ایک صاع - حالانکہ بیہقی اور ابو داؤد کی حدیث اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ یا ایک صاع آٹے کا

پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ کیونکہ اوس سے صرف اناج ہی کا زکوٰۃ میں ادا کرنا ضروری سمجھ میں آتا ہے۔ برخلاف دوسری حدیث کے۔ کیونکہ اوس سے آٹے کا دینا بھی جائز معلوم ہوا۔ وہ تخفیف پر محمول ہے ❊

دسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا فرمایا رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عورت اپنے خاوند کے گھر میں سے فقیروں کو کھلاوے۔ اور اسراف نہ کرے۔ اور نہ حد سے بڑہجاوے۔ تو عورت اور مرد دونوں کو برابر ثواب ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ خزانچی کا بھی یہی حکم ہے۔ مرد کو تو اوس کے کمائے ہوئے مال کا ثواب ہے۔ اور اوس عورت کو اوس کے خرچ کرنے کا۔ اور ان میں سے کسی کے اجر میں بہ نسبت دوسرے کی کمی بیشی نہ ہوگی۔ حالانکہ وہ روایت جسکو بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اون سے اوس عورت کے متعلق استفسار کیا گیا جو اپنے خاوند کے گھر میں سے کچھ صدقہ میں دیدے۔ تو اونہوں نے جواب میں فرمایا۔ کہ نہیں۔ مگر ہاں اگر اپنے خرچ میں سے جو خاوند نے اوسکو دیا ہے۔ دیدے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور پھر بھی ثواب میں دونوں شریک ہیں۔ اور عورت کو یہ جائز نہیں۔ کہ وہ اپنے خاوند کے مال میں سے اوسکی اجازت کے بغیر کچھ خیرات کردے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال صحابہ رضی اس کے خلاف ہیں۔ پس پہلی حدیث میں عورت پر تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ پہلی حدیث کا محمل وہ عورت ہو جسکا خاوند سخی ہے۔ اور اوس عورت سے اور صدقہ سے راضی ہے۔ اور دوسری حدیث کا محمل وہ ہو جسکا خاوند بخیل ہے ❊

گیارہویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔ کیونکہ جو لوگوں سے اون کے مال میں سے طلب کرتا ہے۔ تو وہ در اصل آگ کی چنگاری مانگتا ہے۔ پس اوسکو اختیار ہے چاہے اوس میں کمی کرے یا زیادتی۔ حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فراسی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ میں سوال کرسکتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اور اگر تجھکو سوال کی سخت ضرورت کبھی پڑہی جائے۔ تو نیک لوگوں سے سوال کرنا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سوال کرنے والے کے چہرہ پر کھرونچیں ہونگی۔ یا یہ فرمایا۔ کہ اوسکا چہرہ چھیلا ہوا ہوگا قیامت کے روز۔ تو جو اسکو پسند کرلے۔ وہ کرے۔ اور جو چاہے چھوڑ دے۔ ہاں اگر ایسے وقت سوال کرے۔ کہ اوسوقت سوائے سوال کے چارہ نہ ہو۔ یا ایسے شخص سے سوال کرے جو سربرآوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہو۔ اور غلبہ والا آدمی ہو۔ تو خیر۔ اسی طرح یہ حدیث بیہقی کی بھی مخالف ہے کہ بخشش کرنے والا اوس کے لینے والے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اوسوقت کہ جب لینے والا سخت حاجت مند ہو۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور اوس کے مقابل میں تخفیف جیسا کہ ظاہر ہے ❊

فصل - اِس کے اندر کتاب الصوم سے لیکر کتاب الحج تک وہ نظیریں ذکر کی جائینگی جن کے اندر میزان کے دونوں مرتبے جاری ہوتے ہیں ❊

پس اون میں سے پہلی حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روائیت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ وہ فرماتی ہیں - کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لاکر دریافت فرماتے تھے - کہ کیا تمہارے پاس دوپہر کا کھانا ہے - تو میں کہدیتی کہ نہیں تو آپ فرماتے کہ اچھا پھر میرا روزہ ہے - اور ایک روائیت میں ہے - کہ آپ فرمادیتے - کہ تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں - حالانکہ وہ روائیت جسکو امام شافعی اور بیہقی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے - کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال روزہ رکھنے کا ہوتا - تو رکھ لیتے - اگرچہ زوال شمس ہوچکا ہوتا - اسی طرح وہ قول بھی مخالف ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں - اور وہ یہ ہے - کہ تم میں سے ہر ایک کو روزہ رکھنے کا اختیار ہے - بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو - پس پہلی حدیث میں تشدید ہے - کیونکہ اوس سے قبل زوال نیت کرنا ضروری سمجھ میں آتا ہے - اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے - کیونکہ اوس سے زوال کے بعد سے غروب تک نیت کا صحیح ہونا سمجھا جاتا ہے - اور جس امام نے نفلی روزہ میں رات سے نیت کرنا ضروری قرار دیا ہے - اوسکی دلیل یہ حدیث ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص طلوع فجر سے قبل رات میں روزوں کی نیت نہ کرے - اوس کے روزے نہیں ہوتے پس میزان کے دونوں مرتبے ظاہر ہیں ❊

(۲) **دوسری حدیث** وہ ہے جسکو امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ اون سے کسی نے اوسدن روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا جس کے ماہ رمضان سے ہونے میں شبہ ہو - تو آپ نے جواب دیا کہ میں ماہ شعبان کے اندر روزہ رکھنے کو رمضان کے کسی دن میں افطار کرنے سے زیادہ اچھا سمجھتی ہوں - حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے - اس کے مخالف ہے - اور وہ یہ ہے - کہ جب ماہ شعبان کا آدھا مہینہ گذر جائے - تو روزے رکھنے موقوف کرو جب تک ماہ رمضان نہ آجائے - اسی طرح دوسری روایت میں ہے - کہ جب نصف شعبان گذر جائے - تو روزہ نہ رکھو - اور بیہقی کی ایک روائیت میں ہے جو اونہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے - کہ منع فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے داخل ہونے سے ایک روز یا دو روز قبل روزہ رکھنے سے - ہاں اوس شخص کے لئے جس کی اونہی دنوں میں روزہ رکھنے کی عادت تھی - اور اتفاق سے وہ دن ان تاریخوں میں پڑ گئے - تو اوس کے لئے اجازت دی ہے - اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مخالف ہے - کہ جو شخص یوم شک میں روزہ رکھے وہ نافرمان ہے - ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا - پس پہلی حدیث میں ماہ شعبان کے اندر روزہ رکھنے کی

بابت تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث میں چونکہ شعبان کی اخیر تاریخوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسلئے اوس میں تشدید ہے۔ اور اس مقام کے آئمہ اربعہ کے اقوال کی توجیہہ اوس جگہ آجائیگی جہاں آئمہ کے اقوال کو باہم جمع کر کے دکھلایا جائیگا +

تیسری حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں ہمبستر ہونے کی وجہ سے صبح کو حالتِ جنابت میں اُٹھتے تھے۔ اور طلوع فجر ہوجانے کے بعد غسل فرماتے تھے۔ اور باایںہمہ روزہ رکھتے تھے۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ قول جسکو بیہقی نے روائیت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس نے حالتِ جنابت میں روزہ رکھا۔ اوس نے اوس روزہ افطار کرلیا۔ تو اوّل تو یہ قول منسوخ ہے۔ اور اگر اسکا نسخ ثابت نہ بھی ہو۔ تو میزان کے دونوں مرتبے جاری کر دیئے جائینگے +

چوتھی حدیث وہ ہے جسکو ابوداؤد اور بیہقی نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جسکو روزہ کی حالت میں قے آجائے۔ تو اوس پر اوس روزہ کی قضا لازم نہیں۔ اور اگر قصداً قے کرے۔ تو اوس پر قضا واجب ہے۔ حالانکہ وہ روائیت جسکو بیہقی نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ روزہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قے ہوگئی۔ تو آپ نے اوس روزہ کو افطار کرلیا۔ حالانکہ ابودرداء کی ایک اور روائیت جو مرفوع ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو شخص روزے میں قے کردے۔ اُس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ اوسکا جسکو احتلام ہوجائے۔ پس ان میں سے بعض روائیتوں میں تخفیف ہے اور بعض میں تشدید۔ اور بعض میں تفصیل۔ تو میزان کے دونوں مرتبے ظاہر ہیں +

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی کی بات نہیں ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو شیخین نے روائیت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا۔ اور سخت گرمی میں بھی۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جسکو امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ ہم ایک مرتبہ رمضان میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کر رہے تھے۔ اور ہم میں سے بعضوں کا روزہ تھا۔ اور بعضوں کا نہیں۔ اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو بُرا نہیں جانتا تھا۔ بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ جس نے اپنے اندر قوت دیکھی۔ اوس نے روزہ رکھا۔ کیونکہ اوس کے لئے یہی بہتر ہے۔ اور جس نے طاقت نہیں دیکھی اوس نے افطار کیا۔ کیونکہ اوس کے لئے یہی مناسب تھا۔ اور انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی سفر کے اندر روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کرتا تھا۔ تو آپ اوسکو یہ جواب دیدیتے تھے کہ اگر تو افطار کرے۔ تو اس میں کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے رخصت دی ہے۔ اور اگر روزہ رکھے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اگرچہ ایک ہی شق کے اعتبار سے ہے +

چھٹی حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حسین ابن حارث جدلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا ہیں نے خطیب مکہ کو یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ ہم پہلے چاند کو اپنے آپ دیکھنے کا اعتبار کریں اگر ہمیں خود نظر نہ آیا۔ تو پھر دو عادل گواہوں کا اعتبار کرینگے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اس جگہ ایک ایسا شخص موجود ہے جو اللہ اور رسول سے خوب واقف ہے۔ وہ میرے اس قول کی شہادت دے سکتا ہے۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے اوسکی طرف اشارہ بھی کیا۔ بیہقی کا بیان ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ حالانکہ بیہقی کی یہ حدیث کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ہلالِ رمضان کے بارے میں صرف ایک شخص کی شہادت قبول کی۔ اور لوگوں کو اوسی روز سے روزے رکھنے کا حکم کیا۔ پس پہلی حدیث اس اعتبار سے کہ اوس میں گواہوں کے لئے ایک عدد معیّن ہے مشدد ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ پہلی حدیث سے صرف ایک شخص کی شہادت پر روزہ واجب نہیں مخفف ہے۔ اور دوسری اسکا برعکس ✤

ساتویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعًا روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص انتقال کر جائے۔ اور اوسپر فرض روزے باقی ہوں تو اوس کی طرف سے اوسکا ولی روزے رکھے۔ حالانکہ بیہقی کی وہ روایت جو اونہوں نے حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ مت روزے رکھو۔ اپنی میّت کیطرف سے ہاں۔ کھانا کھلادو۔ پس پہلی حدیث سے چونکہ روزے رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے اوسمیں تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث سے چونکہ کھانا کھلانے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے اوسمیں تشدید ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے۔ کہ مالدار شخص کے اعتبار سے امر برعکس ہو۔ کیونکہ اون کے لئے بہ نسبت روزہ رکھنے کے کھانا کھلا دینے میں سہولت اور تخفیف ہے ✤

آٹھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عائشہ اور ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اون دونوں صاحبوں کا قول ہے کہ جس شخص پر رمضان کی قضا لازم ہو۔ تو اوسکو اختیار ہے کہ چاہے اوسکی قضا تفریق سے کرے یا پے درپے روزے رکھے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس شخص پر رمضان کے روزے لازم ہوں۔ اوس کو چاہئے۔ کہ اون کو اسطرح پورے کرے کہ درمیان میں افطار نہ کرے۔ اور یہی قول حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا ہے۔ پس پہلی حدیث تخفیف پر اور دوسری تشدید پر محمول ہے۔

نویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے عمر بن عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں سُرمہ لگایا کرتے تھے۔ اور یہ فرمایا

کرتے تھے۔ کہ لازم پکڑو سُرمہ کے پتھر کو۔ کیونکہ وہ بینائی میں ترقی کرتا ہے۔ اور بالوں کو اُگاتا ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام بیہقی نے ابونعمان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اُس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ بیان کیا مجھ سے میرے باپ نے اور اون سے میرے دادا نے۔ کہ اون سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ روزے کی حالت میں دن کو سُرمہ نہ لگا۔ ہاں رات کو لگا۔ کیونکہ پتھر کا سُرمہ بینائی کو زیادہ کرتا ہے اور بالوں کو اُگاتا ہے۔ پس پہلی حدیث سے چونکہ حالت صوم میں بھی سُرمہ لگانے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ اسلئے وہ تخفیف پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث تشدید پر +

دسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے۔ حالانکہ دوسری حدیث مرفوع اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ افطار ہوجاتا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث کا اگر منسوخ ہونا پایۂ ثبوت کو نہ پہونچے تو وہ تشدید پر محمول ہے۔ اور اس کی توجیہہ اوس مقام پر آجائیگی۔ جہاں آئمہ کے اقوال کو باہم جمع کرکے دکھلایا جائے گا +

گیارھویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ کھانا لے گئیں جو کھجور اور گھی اور پنیر سے بنایا جاتا ہے۔ تو آپ نے اوسکو کھالیا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ صبح سے تو میرا روزہ کا ارادہ تھا۔ حالانکہ یہ حدیث بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اوسی قسم مذکور کا کھانا ہدیۃً کہیں سے آیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں۔ تو آپ نے اون سے فرمایا۔ کہ اسکو اپنے پاس اُٹھالو۔ اور اسکی بجائے ایک دن قضا کرلینا اس کے مخالف ہے۔ تو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قضا کا امر فرمانا ثابت ہوجائے۔ تو پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ ورنہ احتمال ہے۔ کہ شاید اون کو قضا کے بارے میں حکم کرنا استحبابی ہو نہ وجوبی +

بارھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اعتکاف کرنے والے پر روزے لازم نہیں ہیں۔ مگر ہاں اگر وہ خود اپنے اوپر اونکو لازم کرے۔ اس کے خلاف ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف

فصل۔ اس کے اندر کتاب الحج سے لیکر کتاب البیع تک کی وہ امثلہ بیان کی جائینگی جن میں میزان کے دونوں مرتبے پائے جاتے ہیں +

پہلی حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے حدیث اسلام میں روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے

کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے خدمت میں عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اسلام یہ ہے۔ کہ گواہی دے تو اس بات کی کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ قائم کرے تو نماز کو۔ اور یہ کہ ادا کرے تو زکوٰۃ۔ اور یہ کہ حج کرے تو بیت اللہ کا۔ اور عمرہ کرے تو۔ اور یہ کہ غسل کرے تو جنابت سے۔ اور یہ کہ کامل کرے تو وضو کو۔ اور یہ کہ روزے رکھے تو رمضان کے
اسی طرح وہ حدیث جسکو بیہقی نے ایک شخص سے روایت کیا جو قبیلہ بنی عامر کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اوس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ یہانتک کہ اوس کے اندر حج اور عمرہ ادا کرنے کی بھی قوت نہیں۔ اور اسقدر مالدار نہیں جو سواری رکھ سکے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اوسکی طرف سے حج اور عمرہ تو ہی ادا کر۔ اور عبداللہ بن عون عمرہ کے وجوب میں یہہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ کہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةُ لِلّٰهِ یعنی اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرہ ایسا ہی واجب ہے جسطرح حج۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حج جہاد ہے۔ اور عمرہ مستحب ہے اسی طرح اون کی دوسری حدیث میں ہے۔ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ کیا عمرہ واجب ہے۔ اور اوسکا فرض ہونا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ حج کا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ البتہ عمرہ کرنا بہتر اور افضل ہے۔ اور شعبی آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے تھے کہ عبارت اوس کی اس طرح ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةُ لِلّٰهِ یعنی لفظ عمرہ کو مرفوع پڑھتے تھے۔ نہ منصوب۔ تاکہ حج پر عطف لازم آئے۔ اور معطوف معطوف علیہ کا حکم ایک ہوجائے۔ اور کہتے تھے۔ کہ عمرہ مستحب ہے۔ پس عمرہ کے اعتبار سے پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسری میں تخفیف۔

دوسری حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم نے حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کسوم سے گہری رنگت کا رنگا ہوا پہنا کرتی تھیں۔ اور وہ حالانکہ احرام باندھے ہوئے تھیں۔ مگر اوسمیں زعفران نہیں ہوتی تھی۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسے کپڑے پہنا کرتی تھیں جس میں کسوم کی رنگ سے پھول نکلے ہوئے ہوتے تھے۔ حالانکہ وہ احرام میں تھیں۔ اور ابو درداء کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا لائی۔ جو کسوم کی رنگت سے بھرا ہوا تھا۔ اور عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ میرا ارادہ حج کا ہے۔ کیا میں اسی کپڑے سے احرام باندھ سکتی ہوں۔ تو آپ نے اوس سے دریافت کیا۔ کہ کیا تیرے پاس اس کے سوا دوسرا کپڑا بھی ہے۔ اوس نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تو پھر اسی میں باندھ سکتی ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں اس کی دو شقوں میں سے ایک کے اندر تشدید ہے۔

تیسری حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ جو نابالغ بچہ حج کرلے۔ تو جب تک وہ بچہ رہے اوسوقت تک تو اوسکی طرف سے یہ حج کافی ہے۔ اور

جب بالغ ہو جائے۔ تو اوس پر دوسرا حج لازم ہے۔ حالانکہ بعض صحابہ کا قول بشرطیکہ وہ حدیث موقوف کے طور پر ہو۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اوس کو بعد بلوغ کے دوسرا حج لازم نہیں ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف ✦

فصل۔ اس کے اندر کتاب البیع سے لیکر کتاب الجراح تک کی وہ امثلہ بیان کیجائینگی جن کے اندر میزان کے دونوں مرتبے جاری ہیں

پہلی حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بیع سے منع فرمایا جس میں خریدار کے ساتھ دھوکا کیا جائے۔ حالانکہ بیہقی کی وہ حدیث جسکو اوس نے روایت کیا۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی ایسی چیز کو خریدلے جسکو اوس نے دیکھا نہ ہو۔ تو وہ شخص بااختیار ہے۔ کہ بعد دیکھ لینے کے چاہے اوسکو باقی رکھے۔ اور چاہے واپس کردے۔ اور ابن سیرین کا قول ہے کہ اگر وہ چیز ویسی ہی نکلے جیسے بائع نے بتلائی تھی۔ تو خریدار کو اوس کا باقی رکھنا لازم ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ کہ اوس سے لازم آتا ہے۔ کہ اوس چیز کی بیع جائز نہ ہو جسکو ہنوز مشتری نے دیکھا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دھوکے کا اندیشہ ہے۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے۔ جیساکہ ظاہر ہے ✦

دوسری حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بیع فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دوسرے پر رد کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ وہ باہم جدا نہ ہوں۔ سوائے اوس بیع کے جس میں کسی کو رد کرنے کا اختیار باقی رکھا ہو۔ اور مسلم کی ایک روایت میں اسطرح ہے۔ کہ بائع اور مشتری کو اوسوقت تک اختیار رہتا ہے جب تک کہ ان دونوں میں جدائی نہ ہوئی ہو۔ ہاں جس بیع میں کسی نے اپنے لئے اختیار کا باقی رکھنا شرط کرلیا ہو۔ تو اوس میں بعد جدائی کے بھی اختیار باقی رہتا ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بیع یا ایک دفعہ کسی کے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کو کہتے ہیں یا اوس کو جس میں بائع یا مشتری اختیار باقی رکھنا شرط کرلے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ کیونکہ اوس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بیع کا عقد کرلینے کے بعد بھی جدا ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں تشدید ہے۔ بشرطیکہ اوس قول کی صحت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ اوس میں عقد بیع کے بعد بالکل اختیار کا باطل ہونا سمجھا جاتا ہے

تیسری حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اون گیہوں کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے جو ہنوز بالوں کے اندر ہوں۔ بشرطیکہ

لیں سفید ہوگئی ہوں۔ کیونکہ یہ اونکے پختہ ہوجانے کی علامت ہے۔ پس پہلی حدیث سے چونکہ ہر ایسی بیع کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں دھوکا ہو۔ اسلئے وہ تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث اگر صحیح ثابت ہوجائے۔ تو وہ تخفیف پر محمول ہے۔ اور اس خاص صورت میں بیع کا جائز ہونا۔ اگرچہ اوس میں بھی دھوکے کا اندیشہ ہے۔ ایسا ہوگا۔ کہ گویا یہ صورت پہلی حدیث کے عام قاعدے سے مخصوص کرلی گئی ہے ؛

چوتھی حدیث وہ ہے جسکو بیہقی اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے ایک مرتبہ اپنا کوئی باغ فروخت کیا اتفاق سے پھلوں کو کسی آفت کے پہونچنے کی وجہ سے مشتری کو بڑا خسارہ ہوا۔ تو باایںہمہ اونہوں نے مشتری سے اوس کی پوری قیمت وصول کرلی۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو شیخین نے روایت کیا ہے اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے کھجوروں کو روک لیا۔ تو پھر کس بات پر تم اپنے بھائی کا مال لیتے ہو۔ اسی طرح بیہقی کی دوسری حدیث بھی اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ کھجوروں کا باغ فروخت کرے۔ اور پھر اون کو کوئی آفت پہونچ جائے۔ تو تجھ کو حلال نہیں۔ کہ اوس مشتری سے کچھ بھی لے۔ اور جب تیرا کچھ حق نہیں۔ تو اپنے بھائی کا مال کسطرح لے سکتا ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جسکو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ کہ آفتوں کی وجہ سے جس مشتری کا نقصان ہو اوسکو مجرا کیا جاوے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ بشرطیکہ حضرت سعد کو اس بارے میں کوئی حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پہونچا ہو۔ اور دوسری میں تخفیف ہے ؛

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اوس بیع سے منع فرمایا ہے جس میں کچھ شرط بھی کی گئی ہو۔ حالانکہ بخاری کی یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ خریدا۔ پھر بائع نے یہ شرط کرلی کہ میں سوار ہوکر اپنے گھر تک جاؤنگا۔ چنانچہ جب وہ اپنے مکان تک پہونچ گیا۔ تب آپ کی خدمت میں آیا۔ جب حضرت نے اوسکو نقد قیمت دیدی۔ تو وہ واپس چلا گیا۔ پس بخاری کی اس حدیث کے بعض طریقے ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بائع نے بیع مذکور کے اندر اوسپر سوار ہوکر گھر جانا شرط کرلیا تھا۔ اور بعض ایسے ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ یہ محض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بائع پر اکرام اور احسان تھا۔ اور نفس بیع میں کوئی شرط نہ تھی۔ تو اگر اول الذکر کا اعتبار کریں۔ تو پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور اگر پہلی حدیث میں شرط سے وہ شرط مراد لیں جو نفس عقد بیع میں ہو تو اوس کے اندر تخفیف ہے ؛

چھٹی حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور زنا کے مہر سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ منع فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے۔ مگر ہاں جو کتا شکاری ہو

اور حاکم نے مرفوعاً روائیت کیا ہے کہ کسی عورت کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ جائز نہیں۔ حالانکہ اس کے برخلاف اس بات پر اجماع ہے۔ کہ عورت کا اپنے حال میں بغیر خاوند کی اجازت کے تصرف کرنا جائز ہے۔ پس پہلی حدیث اگر صحیح ثابت ہو جاوے۔ تو تشدید پر محمول ہے۔ اور اجماع تخفیف پر +

چودھویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص مالدار ہو کر قرض ادا کرنے میں تاخیر اور ٹال مٹول کرے۔ وہ ظالم ہے۔ اسی طرح یہ دوسری حدیث ہے۔ کہ جب کسی کو تم میں سے مالدار معتبر شخص پر حوالہ دیا جاوے۔ تو اوسکو چاہیے کہ (حوالہ قبول کرلے) اور اوس کے پیچھے لگ کر اپنا قرضہ اوس سے وصول کرلے حالانکہ وہ روائیت جسکو بیہقی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے فرمایا کہ کسی مسلمان مرد کے مال کا حوالہ درست نہیں۔ پس پہلی حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حوالہ کر دینے کے بعد قرضخواہ اصلی مدیون سے (جس نے حوالہ کیا ہے) قرضہ نہیں طلب کر سکتا ہے۔ اسلئے اوس میں تخفیف ہے۔ اور بیہقی کی حدیث سے چونکہ اوس کے برخلاف ثبوت ہوتا ہے۔ اسلئے وہ تشدید پر محمول ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ بیہقی کی حدیث صحیح بھی ہو۔ ورنہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ کہ محمد بن الحسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب پر اسطرح استدلال کیا ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یا کفالہ کے بارے میں فرمایا۔ یا حوالہ کے بارے میں کہ مسلمان آدمی کا مال ہلاک نہیں ہوتا۔ بلکہ حوالہ کر دینے کی صورت میں بھی قرضخواہ اپنے اصلی مدیون سے مانگ سکتا ہے۔ تو چونکہ اس کے اندر لفظ حوالہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ کفالہ کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے کسی ایسی دلیل کی حاجت ہے جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ قول اونکا باب حوالہ ہی میں تھا +

پندرھویں حدیث وہ ہے جسکو حاکم اور بیہقی نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جس ہاتھ نے جو چیز لی ہو۔ وہ اسپر لازم رہتی ہے۔ جب تک ادا نہ کرے۔ اسی طرح بیہقی نے روائیت کیا ہے۔ کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے چند زرہیں عاریتہً مانگیں۔ تو صفوان نے کہا کیا غصب کرتے ہو؟ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپنے فرمایا نہیں۔ بلکہ عاریتاً لیتا ہوں۔ جب تک میں انہیں تم کو ادا نہ کرونگا۔ اوس وقت تک میں اونکا ضامن ہوں۔ پھر جب آپ نے اونکو واپس دینے کا ارادہ کیا۔ تو اون میں سے ایک زرہ گم ہو گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے فرمایا کہ اگر تم کہو۔ تو میں اوس کا تاوان دیدوں۔ تو اونہوں نے جواب میں عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میرے دل میں جسقدر ایمان ہے۔ اتنا اوس روز نہ تھا جس روز زرہیں عاریتہً دی تھیں (مقصود انکار تھا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مانگی ہوئی چیز کا ضمان دلاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگر کوئی کسی سے اونٹ مانگ لیجاتا۔ اور پھر وہ اوس کے پاس ہلاک ہو جاتا۔ تو اوس مانگ کر لے جانے والے سے تاوان دلایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی اسی قسم کی روایات

صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ مگر بیہقی کی روایت ان سب کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ قاضی شریح کہا کرتے تھے کہ منگنی پر مانگ لے جانے والے کے ذمہ ضمان اور تاوان لازم نہیں۔ بشرطیکہ اوس نے خیانت نہ کی ہو۔ پس پہلی حدیث سے چونکہ ضمان کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے اوسمیں تشدید ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ✦

سولھویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ فرمایا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام اون چیزوں میں جو تقسیم نہ کی گئی ہوں حق شفعہ لازم ہے۔ اور جب تقسیم ہو کر حدود مقرر ہو جائیں۔ اور راستے بھی بدل جائیں۔ تو پھر کسی کے واسطے شفعہ کا حق نہیں۔ حالانکہ امام بخاری کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی شفعہ کا نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مکان کا پڑوسی دوسرے لوگوں سے زیادہ حقدار ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث سے چونکہ پڑوسی کا حق ثابت ہے۔ اسلئے وہ تخفیف پر محمول ہے۔ اور اس کی توجیہہ اوس مقام پر آجائے گی جہاں علماء کے اقوال کو جمع کرکے دکھلایا جائے گا ✦

سترھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کو منکر بھی بتلایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہودی اور نصرانی کو شفعہ کا حق نہیں۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری روایت اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذمی کو حق شفعہ دلوایا تھا۔ پس اگر پہلی حدیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو جائے۔ تو اوسمیں تشدید ہے۔ اور ایاس بن معاویہ کا فعل تخفیف پر محمول ہے ✦

اٹھارھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ غائب شخص اور نابالغ بچے کا شفعہ میں حق نہیں ہوتا۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری روایت جو اونہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نابالغ کا حق شفعہ اوس کے بالغ ہونے تک باقی رہتا ہے۔ جب بالغ ہو جائے۔ تو اوسکو اختیار ہے۔ چاہے لے۔ یا چھوڑ دے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ بشرطیکہ اس کی صحت ثابت ہو جائے ✦

انیسویں حدیث۔ وہ ہے جسکو امام مسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ شفعہ ہر مشترک مال میں ہے۔ مکان ہو یا باغ ہو۔ کسی شریک کو درست نہیں کہ اپنا حصہ فروخت کرے جب تک دوسرے شریک سے نہ کہہ لے۔ پھر وہ لیوے یا چھوڑ دیوے۔ اگر بغیر کہے فروخت کر دے تو دوسرا شریک زیادہ حقدار ہے۔ جبتک اوسکو خبر نہ ہو (اور وہ چھوڑ نہ دے) حالانکہ بیہقی کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شریک شفیع ہے۔ اور شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے۔

اسی طرح بیہقی کی یہ مرفوع حدیث بھی مخالف ہے۔ کہ شفعہ غلاموں میں بھی ہے۔ اور ہر چیز میں تو چونکہ پہلی حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ حیوانات میں شفعہ نہیں۔ اسلئے وہ تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث تخفیف پر محمول ہے۔ بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے۔ کہ حیوانات میں بھی شفعہ ہوتا ہے۔ بلکہ ہر چیز میں +

بیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے قاضی شریح سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ شفعہ بقدر حق ہوتا ہے۔ حالانکہ بیہقی نے جو روایت اون فقہاء سے بیان کی ہے جنکا فیصلہ فتووں میں مدینہ طیبہ کے اندر انتہائی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے اوس شخص کے بارے میں جس کے مکان کے اندر چند شریک ہوں اور تمام شریک اپنا اپنا حق شفعہ چھوڑ دیں۔ لیکن ایک شریک نہ چھوڑے۔ اور اپنے حق کے موافق شفعہ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہ فیصلہ فرمایا کہ اوس شریک کو یہ جائز نہیں۔ اگر لینا چاہیں تو تمام شریک لیویں۔ اور نہ لینا چاہیں۔ تو کوئی نہ لے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ کیونکہ اوس کے اندر ضروری ٹھیرایا گیا کہ یا سب لیں اور یا سب چھوڑ دیں +

اکیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی شریح سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ مزدوروں سے تاوان دلوایا کرتے تھے۔ چنانچہ اونہوں نے ایک دھوبی سے جسکا مکان جل گیا تھا۔ کپڑوں کا تاوان لینا چاہا۔ تو اوس نے عرض کیا۔ کہ جب میرا مکان تک جل گیا۔ تو آپ مجھ سے تاوان کیسے لیتے ہیں۔ تو قاضی صاحب نے اوسکو جواب دیا کہ بھلا اگر کپڑے والے کا مکان جل جاتا۔ اور کچھ تیرا اوسپر چاہنا ہوتا۔ تو کیا تو اوسکو چھوڑ دیتا۔ اسی طرح بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ وہ دھوبی اور رنگریز سے تاوان لیتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگوں کی اصلاح اسی سے ہوگی + حالانکہ بیہقی کی دوسری روایت جو اونہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بطریق دیگر بیان کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہما نہ کسی حرفہ والے سے تاوان لیتے تھے نہ کسی مزدور سے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف +

بائیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے کسی کو ایک مغیبی عورت کے بلانے کے لئے جو کسی امر قبیح سے متہم ہو چکی تھی بھیجا۔ اوس عورت نے جب اس کی خبر سنی۔ تو وہ سخت گھبرائی۔ یہانتک کہ اس گھبراہٹ میں اوسکا حمل گر گیا۔ اس واقعہ میں بعض صحابہ نے یہ فتوے دیا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حمل ضائع ہو جانے کا کچھ تاوان نہیں ہے۔ بلکہ اونہوں نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ آپ تو ادب کی تعلیم دینے والے ہیں۔ اور بعض نے اس کے مخالف فتوے دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تاوان لازم قرار دیا۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید۔ کیونکہ اوسمیں لازم آتا ہے۔ کہ امام حدود کے قائم کرنے میں اور معلم ادب دینے میں تاوان دیوے۔ اور بعض نے اس میں تفصیل کی ہے۔ کہ اگر ادب

ینے والا حد شرعی سے باہر نہ ہو۔ تو اوس صورت میں تو تاوان لازم نہیں۔ اور اگر حد شرعی سے
جاوز کر جاوے۔ تو چونکہ اس حالت میں وہ شخص حد و شرعیت سے باہر ہو جائیگا
لیئے اُس پر تاوان لازم ہے +

تیئیسویں حدیث۔ وہ ہے جسکو امام بخاری نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے
ب سے زیادہ اجرت لینے کے قابل قرآن مجید ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت
دہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا
میں نے ایک شخص کو قرآن شریف کی تعلیم دی۔ تو اوس نے اوس کے صلہ میں مجھے ایک کمان
ن کی۔ میں نے اوسکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس
پسند کرے کہ تیری گردن میں آگ کا طوق ڈالا جاوے۔ تو اسکو لے لے۔ اور ایک روایت
ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اون سے فرمایا۔ کہ یہ ایک چنگھاری ہے جس کو
نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیا ہے۔ یا یہ فرمایا۔ کہ لٹکا لیا ہے۔ پس پہلی
ث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ پہلی حدیث کا محمل وہ
ٹھیرائے جائیں جو محتاج اور فقیر ہیں۔ اور دوسری حدیث کے محمل وہ لوگ جو غنی اور خوشحال ہیں
۔ تاکہ دنیوی اجر پر عبادت کو ترجیح سمجھی جاوے۔ اور عبادت کی نیت سے اوس کے پڑھنے
انے میں سعی ترقی پر رہے۔ اور اوسمیں کمی نہ ہو جائے۔

چوبیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
پچھنے لگانے والے اور قصائی اور سنار کی کمائی سے منع فرمایا (مترجم کہتا ہے۔ کہ منع فرمانے
جہ یہ ہے کہ پچھنے لگانا ایک ذلیل پیشہ ہے۔ ایسی کمائی سے اپنے خرچ میں لانا بدنما ہے۔ گو
نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہو جائیگا۔ اسی طرح قصائی کا پیشہ بھی اسوجہ
عیوب ہے کہ وہ لوگ خون کی نجاست سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور سنار لوگ اکثر جھوٹے
تے ہیں) حالانکہ دوسری حدیث جسکو بیہقی ہی نے روائیت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔
وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ اور لگانے والے کو اوس کی مزدوری
ی۔ اور اگر آپ اسکو حرام جانتے۔ تو ہر گز نہ دیتے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور
ری میں تخفیف۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نہی تحریمی نہیں ہے۔ اگر ہے تو تنزیہی ہے

پچیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص بیری کا درخت کاٹیگا۔ خدا تعالے اوسکو سر کے بل دوزخ
وندھا کریگا (مترجم کہتا ہے۔ کہ ابو داؤد نے کہا ہے کہ مراد بیری کا وہ درخت ہے۔ جو
نا میں ہو۔ اور مسافر اوس کے سایہ میں آرام پاتے ہوں) حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے
عروہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روائیت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول
اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ بیری کا درخت کاٹا کرتے تھے۔ اور آنحضرت اون کو روکتے
۔ اسی طرح بیہقی وغیرہ نے میت کے بارے میں یہ حدیث روائیت کی ہے۔ کہ اوس کو پانی

اور بیری سے غسل دینا چاہیے۔ اور اگر بیری کا کاٹنا حرام ہوتا۔ تو آپ میت کو اوس کے سا
غسل دینے کا ہرگز حکم نہ فرماتے۔ پس پہلی حدیث اگر صحیح ثابت ہوجائے۔ تو وہ تشدید پر محم
ہے۔ اور دوسری حدیث تخفیف پر (مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ پہلی حدیث کو او
درخت پر حمل کیا جائے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ اور اوس کے کاٹنے میں تکلیف۔
دوسری حدیث اوس درخت پر جس میں یہ بات نہ ہو +

چھبیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ح
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ اسلام میں اپنے بھائی کو نقصان پہونچانا نہیں ہے۔
نقصان کے بدلہ میں نقصان دینا (مترجم کہتا ہے۔ کہ مطلب یہ ہے۔ کہ نہ ابتدائً کسی مسلم
کو نقصان پہونچانا چاہیے۔ اور نہ نقصان کے بدلہ میں۔ بلکہ معاف کردے۔ اور درگذر کر
بعضوں نے کہا ہے۔ کہ ضرر سے وہ کام مراد ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہونچے
اوسکو فائدہ ہو۔ اور ضرار یہ ہے کہ نہ دوسرے کو نقصان ہو۔ اور نہ اپنے آپ کو کوئی فائدہ ہو
حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص پڑوسی کی دیوا
میں (اپنے آرام کی غرض سے) میخ گاڑنی چاہے۔ تو پڑوسی اوسکو منع نہ کرے۔ پس پہلی حد
میں تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث سے چونکہ یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ پڑوسی کو ضروری او
ہے۔ کہ اپنی دیوار میں میخ گاڑنے کی جگہ دے۔ اسلیئے وہ تشدید پر محمول ہے۔ کیونکہ جب شر
کے قوانین اس بات کے شاہد ہیں۔ کہ ہر مسلمان اپنے مال کا مختار ہے۔ تو پھر اوس کو اوس
مال میں مجبور کرنا سوائے تشدید کے اور کچھ نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
کہ میرا گمان ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ جو اونہوں نے اوس عورت کے بار
میں کیا تھا جس کا خاوند مفقود الخبر تھا۔ اوس کی وجہ ایک یہ بھی تھی۔ کہ اگر اوسکو یہ حکم د
کہ جب تک اوس کے مرجانے کی خبر عورت نہ سن لے۔ اوسوقت تک صبر کرے۔ اور دو
نکاح نہ کرے۔ تو عورت کو بڑا ضرر لاحق ہوتا جس کی حدیث مذکور میں ممانعت ہے۔ اور
کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی حکم دیا تھا۔ کہ وہ عورت مصیبت میں مبتلا کی گئی ہے
اوسکو چاہیئے۔ کہ وہ اوسوقت تک صبر کرے۔ کہ جب تک اوس کے خاوند کی موت کی
خبر نہ ملجائے۔ یعنی اوسوقت تک نکاح نہ کرے۔ پس اس مسئلہ میں بھی پہلا قول تخفیف پر مح
ہے۔ کیونکہ اوس سے نکاح کرلینے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسرا قول تشدید پر
اوس سے خبر موت آنے تک صبر کرنا ثابت ہوتا ہے +

ستائیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے پڑی ہوئی چیز پالینے کے بیان میں ذکر
اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایسی چیز کا ایک سال اعلان کرنا
حالانکہ دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ ایسی چیز کا کسی وقت ایک دفعہ اعلان کردے۔ اوس کے بعد پانے والا چاہے اوسکو کھا
(اگر کھانے کی ہو) ورنہ اپنے استعمال میں لے آوے۔ تو اگر پانے والا مضطر نہ ہو۔ تو پہلی ح

شدید پر۔ اور دوسری تخفیف پر محمول ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ نے ایک دینار پایا۔ تو آپ اوسکو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے۔ آپ نے اوس کو سول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تو آپ نے یہ فرمایا۔ کہ یہ رزق ہے۔ جو للہ تعالےٰ نے تمہارے لئے غیب سے پہونچایا ہے۔ یہ سنکر حضرت علی رضی اللہ عنہ اوسکا شت اور آٹا خرید لائے۔ اور کھانا تیار کرکے کھا لیا۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوس دینار کا تھوڑی دیر بھی اعلان نہیں کیا۔ اور اپنے خرچ میں لے ئے۔ اور اگر کیا تھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بہت تھوڑی دیر شہرت کر دینا بھی کافی ہو جاتا ہے +

اٹھائیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔ حالانکہ حاکم نے جو حدیث اون کے وارث نہ ہونے کی بیان کی ہے اس کے مخالف ہے۔ پس پہلی حدیث میں ذوی الارحام پر تخفیف ہے۔ اور اون کے ماسوا دوسرے وارثوں پر تشدید۔ اور دوسری حدیث پہلی کا برعکس ہے۔ اور ان دونوں حدیثوں کا متنہ طویل ہے جسکو ہم بغرض اختصار چھوڑتے ہیں +

انتیسویں حدیث۔ وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو چیز میں اپنے واسطے پسند کرتا ہوں۔ وہی تیرے لئے بھی۔ اے ابو ذر یتیم کے مال کا ہرگز ولی نہ بننا۔ حالانکہ بخاری کی حدیث اس کے برخلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں اور یتیم کا ذمہ دار جنت میں ایسے ہونگے۔ جیسے یہ دونوں انگلیاں۔ اور شہادت کی اونگلی اور اوس کے پاس والی کی طرف اشارہ کیا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ کیونکہ اوس کے اندر اسطرف اشارہ ہے۔ کہ کمزور آدمی کو یہی مناسب ہے۔ کہ وہ ولایت سے اجتناب کرے۔ اور دوسری حدیث میں تخفیف ہے +

تیسویں حدیث۔ وہ ہے جسکو بیہقی نے خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اوس شخص پر جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو کوئی تاوان لازم نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ حدیث جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے اوس شخص سے تاوان دلوایا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری حدیث میں تشدید۔ بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے۔ کہ آپ نے تاوان دلانے میں مقدار کے اندر کچھ کمی تو نہیں کر دی تھی +

اکتیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ صدقہ مالداروں سے لیکر فقراء کو دینا چاہئے۔ اور اسمیں فقراء اور اغنیاء کی اضافت ضمیر ہم کی طرف کی گئی ہے جو مسلمانوں کیطرف راجع ہے۔ یعنی مسلمان مالداروں سے صدقہ لیکر اونہی میں سے فقراء کو دینا چاہئے۔ حالانکہ دوسری حدیث مرفوع اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل ادیان پر صدقہ کرو۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ کیونکہ اوس سے صرف مسلمان فقیروں ہی پر خرچ کرنا سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث تخفیف پر محمول ہے۔ بشرطیکہ اوس کا مرفوع ہونا

ثابت ہو جائے۔ اور صدقہ سے مراد نفلی صدقہ نہ لیا جائے۔ اور وجہ تخفیف کی ظاہر
بتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوع اور موقوف دونو طریقوں
سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا۔ حالانکہ بیہقی کی دو
حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بیاہی عورت بہ نسبت ولی کے اپنی ذات کی زیادہ
مختار ہے۔ اور کنواری عورت اپنے بارے میں اجازت لینے کی محتاج ہے۔ پس پہلی حدیث
میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاہی عورت
کو اور اوس کے ولی کو نکاح کرنے کے حق میں برابر ٹھیرایا ہے۔ اور پھر اوس عورت کو اپنے نفس
بہ نسبت ولی کے زیادہ حقدار قرار دیا ہے۔ تو جب اوس کا نکاح ولی کے کر دینے سے درست
ہو سکتا ہے۔ تو جب وہ خود اپنا نکاح اپنے آپ کر دے۔ تو بدرجۂ اولے درست ہوگا ✤

تینتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور اوس شخص پر جسکی وجہ سے حلالہ کیا جاوے لعنت فرمائی
اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اوس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا۔ جو کسی
سے اوس کے خاوند کے واسطے حلالہ کرے۔ تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ وہ زانی ہے۔ حالانکہ
جمہور صحابہ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حلالہ اوسوقت صحیح ہے۔ جب
اوس نکاح کے عقد میں طلاق دینے کی شرط نہ کی گئی ہو۔ اور دلیل اوس کے صحیح ہونے کی یہ ہے۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس شخص کا نام محلل رکھا ہے۔ جس کے معنے حلال کرنیوالے
کے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ اس دوسرے نکاح کرنے سے پہلے خاوند کے لئے وہ عورت
حلال ہو جائے گی۔ جب دوسرا شخص اوسکو طلاق دیدیگا۔ تو اگر یہ حلالہ کا نکاح درست نہ
تو اوس شخص کا نام جو حلالہ کا نکاح کرتا ہے محلل نہ رکھتے۔ پس حدیث میں تشدید ملحوظ ہے
اور اجماع میں تخفیف۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ حدیث کو اون لوگوں پر محمول کیا جائے جو متقی
اور مہذب لوگ ہیں۔ مثلاً علماء وغیرہ۔ اور اجماع اون کے سوا دوسرے لوگوں
کے واسطے ہے۔ جو عوام کہلاتے ہیں ✤

چونتیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ۔
کہ نہ بیماری کا اڑکر لگنا کوئی چیز ہے۔ اور نہ بدفالی۔ اور نہ صفر اور نہ ہامہ) مترجم
کہتا ہے۔ کہ صفر سے مراد یہ ہے۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ ایک سانپ
پیٹ میں رہتا ہے۔ جو بھوک کے وقت آدمی کو ستاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس خیال کو باطل کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ صفر سے مراد یہاں یہ ہے کہ محرم کو پیچھے ڈالکر
صفر کو محرم کر دینا جیسے زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ صفر کے مہینے
کو منحوس سمجھتے تھے۔ جیسے اب تک عورتیں تیرہ تیزی کو نامبارک خیال کرتی ہیں۔ اسلام نے
اس خیال کو باطل کر دیا۔

اور ہامہ اُلو کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ اوسکو منحوس سمجھتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ جو شخص قتل

فتوی دیا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری روایت میں تشدید ✦

بیالیسویں حدیث جسکو امام شافعی او بیہقی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے فرمایا۔ وہ عورت جسکا خاوند لاپتہ ہوگیا ہو۔ دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور اگر بالغرض اوس نے نکاح کر لیا۔ اور اتفاق سے اوس کا پہلا خاوند آن پہونچا۔ تو وہ عورت اوسی پہلے خاوند کی ہے۔ اگر چاہے طلاق دیدے۔ اور نہیں تو اپنے نکاح میں روکے رکھے۔ حالانکہ وہ روایت جسکو امام شافعی اور امام مالک او بیہقی رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا کہ جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے۔ اور اوسکی موت وحیات کی کچھ خبر نہ لے۔ تو وہ چار برس تک انتظار کرے۔ اوس کے بعد پھر چار ماہ اور دس روز اور انتظار کر کے حلال ہو جائے۔ (یعنی اگر چاہے۔ تو دوسرے شخص سے نکاح کر لے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ تو اونہوں نے بھی اسی طرح حکم دیا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسری میں تخفیف ✦

تینتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مالک اور امام شافعی اور امام مسلم رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ پہلے قرآن شریف میں حکم تھا۔ کہ دس مرتبہ دودھ پینا حرمت رضاعت ثابت کر دیتا ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اور دس عدد کی بجائے پانچ عدد قرار دیئے گئے۔ (یعنی اگر پانچ دفعہ بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے۔ تو اوس سے اور اوس کے عزیز و اقارب سے اوس بچہ کا ایسا ہی ناتا ہو جاتا ہے جیساکہ اپنے حقیقی ماں باپ اور اون کے رشتہ داروں سے۔ حالانکہ وہ قول جسکو بیہقی نے حضرت علی اور ابن زبیر اور ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب کے نزدیک صرف دودھ پی لینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ خواہ کتنی ہی دفعہ پئے قلیل اور کثیر کی کچھ تفصیل نہیں ہے ✦

فصل۔ اس کے اندر کتاب الجراح سے لیکر فقہ کے آخری باب تک کی وہ امثلہ بیان کی جائینگی جن کے اندر میزان کے دونو مرتبے تخفیف و تشدید جاری ہوتے ہیں

اون میں سے پہلی مثال وہ حدیث ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ مشرک کے بدلے میں نہ قتل کیا جائے۔ حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کافر کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل کیا۔ اور یہ فرمایا۔ کہ میں اوس شخص کا قدر دان ہوں جو اپنے عہد میں پورا اتر جائے۔ (اشارہ ہے ذمی کافر کی رعایت کی طرف

اور وہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اوس عورت کا جہیز مرد کو دیدیا۔ حالانکہ اب تک مرد نے اوس عورت کو کچھ نہیں دیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ وہ شخص تنگدست تھا۔ جب مالدار ہو گیا تو بعد میں عورت کو کچھ دیدیا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسری میں تخفیف +

اڑتیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اوس عورت کے بارے میں جس سے کسی مرد نے نکاح کر لیا تھا۔ یہ حکم فرمایا تھا۔ کہ جب تو اس عورت سے پردے کی آڑ کرے (یعنی تنہائی کرلے) تو پھر پورا مہر دینا پڑیگا۔ حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صرف تنہائی ہوجانے سے پورا مہر لازم نہیں۔ بلکہ نصف مہر واجب ہے۔ کیونکہ محض تنہائی سے یہ کیونکر لازم آسکتا ہے۔ کہ اوس نے عورت کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔ اور اسی قول کے مطابق قاضی شریح نے بھی فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اوسوقت کہ جب مرد نے قسم کھالی تھی۔ کہ میں اس کے قریب نہیں گیا ہوں چنانچہ اوس سے نصف مہر دلوایا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسری میں تخفیف +

انتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُچکنے اور لوٹنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ منع فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں کی لوٹ سے۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہا میں سے کسی کا جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ تو آپ نے اپنے اوپر چھوارے بکھیر کر فرمایا۔ کہ جو چاہے لوٹ لے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اوسمیں تخفیف ہے +

چالیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر طلاق درست اور معتبر ہے۔ سوائے اوس شخص کی طلاق کے جو بے عقل ہو۔ اسی طرح حضرت سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے کہ جو شخص نشہ سے بے ہوش ہو جائے اوس کی طلاق صحیح ہے۔ اور اگر وہ کسی مسلمان کو قتل کردے۔ تو اوس کے بدلہ میں اوس شخص کو قتل کیا جائے۔ حالانکہ وہ روایت جسکو بیہقی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے فرمایا۔ کہ بے عقل آدمی اور نشہ سے بیہوش ہو جانے والے کی طلاق نہیں ہوتی۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف +

اکتالیسویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اوس عورت کو وارث بنایا ہے جسکو اوس کے خاوند نے اپنے مرض موت میں طلاق بائن دیدی تھی۔ حالانکہ وہ روایت جسکو بیہقی نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے اوس عورت کے وارث نہ ہونے کا

کیونکہ ذمی وہی ہوتا ہے۔ جو عہد وپیمان دیکر دارالاسلام میں رہتا ہے) پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں بشرطیکہ اوسکا صحیح ہونا ثابت ہو جائے۔ تشدید ہے +

دوسری نظیر وہ حدیث ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کردے۔ ہم اوسکو قتل کرینگے۔ اور جو اوس کو بوچا کردے۔ ہم اوس کو بوچا کردینگے اور جو اوسکو خصی کردے ہم اوسکو خصی کردینگے۔ حالانکہ دوسری حدیث بیہقی کی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بدلہ نہیں لیا جائیگا غلام کا اوس کے مالک سے۔ اور نہ لڑکے کا اوس کے باپ سے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔ کہ مسلمان اپنے غلام کے عوض میں قتل نہ کیا جائیگا۔ لیکن سزا اوسکو ضرور دیجائیگی۔ اور زمانہ دراز تک قید کیا جائیگا۔ اور اوس کو اوس کے حصہ سے محروم کیا جائیگا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے اور دوسرے دونوں قول تخفیف پر محمول ہیں +

تیسری حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس عورت کے بارے میں جس کو ضرب پہونچنے کی وجہ سے ناتمام بچہ کا اسقاط ہو گیا تھا۔ یہ حکم فرمایا کہ اوس شخص پر جس سے فعل ضرب صادر ہوا تھا لازم ہے کہ اوس کے عوض میں ایک پیشانی یعنی غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ حالانکہ بیہقی وغیرہ کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لازم کیا ہے۔ کہ وہ ایک غلام دے یا لونڈی یا گھوڑا یا خچر۔ ایسے ہی یہ روائیت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بچہ گرا دینے والے پر سو بکریوں کا جرمانہ واجب کیا ہے۔ اور ایک روائیت میں ہے کہ ایک سو بیس بکریاں دے۔ پس پہلی حدیث اور تیسری کی دونوں روائتیں تشدید پر محمول ہیں۔ کیونکہ اونمیں بکریوں کی قید ہے۔ اور کبھی بکریوں کی قیمت ایک غلام یا ایک لونڈی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور دوسری حدیث بشرطیکہ اوس کی صحت ثابت ہو جائے۔ تخفیف پر محمول ہے کیونکہ اوس میں کئی چیزوں کا اختیار دیا گیا ہے جو چاہے دیدے +

چوتھی حدیث وہ ہے جسکو امام شافعی اور بیہقی نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا کہ ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کرو حالانکہ جو کچھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے جادوگر کے قتل کرنے والے کو برا جانا اور سنلایا ہے پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں لوگوں سے قتال کرنے کا امر کیا گیا ہوں۔ یہانتک کہ وہ کلمہ توحید۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لیں۔ کیونکہ جب وہ یہ کلمہ پڑھ لینگے۔ تو اون کے خون اور مالوں کی حفاظت میرے ذمہ لازم ہو جائے گی۔ مگر پھر بھی اگر اون سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جس سے اوس کے خون کی ریختگی اسلامی حق ہو جائے۔ تو اون کو قتل کیا جائیگا۔ اور خدا تعالے جو کچھ اون سے حساب لیگا۔ وہ علیحدہ رہا +

پانچویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو

شخص اپنے دین کو بدل دے۔ اوسکو قتل کرو یعنی اوسیوقت حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا ایسے شخص سے تین مرتبہ توبہ کرائی جائیگی۔ اگر نہ کی تو قتل کیا جائیگا۔ اسی طرح وہ حدیث بھی مخالف ہے جو امام مالک اور امام شافعی اور بیہقی رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص تین دن قید میں رکھا جائیگا۔ پھر اوس سے توبہ کو کہا جائیگا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف ✦

چھٹی حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری اور بیہقی نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حد نہیں جاری کی جائیگی مگر اوس تہمت میں جو صریح ہو۔ اور ظاہر ہو۔ حالانکہ وہ روایت جسکو بیہقی وغیرہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کنایہ اور اشارہ سے تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرتے تھے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے اور دوسری میں تشدید ✦

ساتویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول خدا آپ کی اوس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو اون چوپایوں کو چرا لے جو پہاڑ میں چر رہے ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اوس پر دوہرا تاوان ہے۔ یعنی ایک تو اوس سے اوس چوپایے کو لے لیا جاویگا۔ دوسرا اوسکی مثل ایک اور چوپایہ۔ اور پھر اوسکو سزا بھی دی جائے گی۔ اوس شخص نے دوسرا سوال کیا۔ کہ آنجناب کا اوس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے۔ جو اوس پھل کو چرا لے جو درخت میں لٹک رہا ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اوس میں بھی بعینہ وہی حکم ہے۔ جو چوپایے میں گذرا۔ حالانکہ وہ حدیث جسکو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے روایت کیا ہے۔ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ کہ دن کے وقت تو مال والوں کو اپنے مال کی حفاظت خود لازم ہے البتہ اگر رات کیوقت مویشی کسی کا نقصان کر دیں تو مویشیوں۔ کے مالک سے مال والوں کا تاوان دلوایا جائیگا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ کہ اوس شخص سے صرف اوسی قدر قیمت کا تاوان دلوایا جائیگا جسقدر مال کا نقصان ہوا ہے۔ یہ نہیں کہ اوسکی ایک مثل اور دلوائی جائے۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں گذرا۔ اور پھر نقصان کی قیمت کے اندازہ میں مدعی کا قول معتبر نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ مدعی پر گواہوں کا پیش کرنا لازم ہے۔ اور مدعا علیہ پر قسم کھانا۔ پس چونکہ پہلی حدیث سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ مال کی جنایت میں دوگنہ تاوان لازم ہے۔ اسلیے تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث سے دوگنہ ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اسلیے تخفیف پر مبنی ہے ✦

آٹھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ کفن چور اور اچکنے والے اور خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے قبیلہ مخزوم کی اوس عورت کا ہاتھ کاٹا تھا جو لوگوں سے اسباب اور زیور عاریتہً مانگ لیجاتی تھی۔ اور پھر اوس سے منکر ہو بیٹھتی تھی۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اوس عورت کا ہاتھ خیانت کی وجہ سے کاٹا گیا تھا۔ ورنہ احتمال اسکا بھی ہے۔ کہ کبھی اوس نے چوری بھی کی ہو۔ اسوجہ سے ہاتھ کاٹا گیا ہو۔

نویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ منع کرتا ہوں میں تم کو ہر اوس چیز سے جو نشہ لانے والی ہو۔ خواہ وہ قلیل ہو۔ یا کثیر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نشہ لانے والی چیز تھوڑی سی بھی حرام ہے۔ اور زیادہ بھی۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ پیو۔ لیکن نہ اتنی جس سے نشہ آجائے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح بھی ہو۔ کیونکہ اوس شخص کے نزدیک جو اس حدیث کا قائل ہے شراب وغیرہ کے حرام ہونے کی علت نشہ لانا ہے۔ تو جب اوسکی مقدار سے کم ہو جس سے نشہ نہ آوے۔ تو وہ حرام نہیں۔

دسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اونہوں نے یزید ابن ابی سفیان کو غازیوں کا سردار بنا کر بھیجا۔ تو اون سے یہ فرمایا۔ کہ تم کو ایسی قومیں ملینگی۔ جنکا یہ خیال ہوگا۔ کہ ہم تو اللہ تعالے کے واسطے گرجا وغیرہ میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ تو اون کو اپنے اوسی خیال میں چھوڑ دینا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ اون کو گوشہ نشینی ہی میں چھوڑے رکھنا۔ (مطلب یہ ہے۔ کہ اون سے قتال نہ کرنا) حالانکہ بیہقی کی دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ایسے بوڑھے کو قتل کر دیا۔ جو سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے قتال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی خبر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچی۔ تو آپ نے کچھ انکار ظاہر نہ فرمایا۔ پس پہلی حدیث میں راہبوں کے لئے تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔

گیارھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے کہا۔ کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ ایک عید کا دن۔ اور دو دن اوس کے بعد کے حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عید الضحی کے تین روز بعد تک قربانی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بیہقی کی یہ روایت بھی مخالف ہے۔ کہ جس شخص کا خیال قربانی کرنے کا ہو۔ وہ مہینہ کے آخر تک کر سکتا ہے۔ پس پہلا قول تشدید پر مبنی ہے۔ اور اوس کے مخالف تخفیف پر۔

بارھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے (عقیقہ میں) لڑکے کی طرف سے اوس کے بدلے میں پوری دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ چاہے بکریاں نر ہوں یا مادہ اسکا کچھ نقصان نہیں۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے۔ پس پہلی حدیث لڑکے کے عقیقہ میں تشدید پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث تخفیف پر *

تیرھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا گوشت کھایا ہے۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آپ نے اوس کے بارے میں یہ فرمایا۔ کہ میں اس کو نہیں کھاتا ہوں۔ اور حرام بھی نہیں جانتا ہوں۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں ایک قسم کی تشدید ہے *

یہی تقریر اون احادیث میں ہے۔ جو بجو اور لومڑی اور سیہی اور گھوڑوں اور اون چوپایوں کے بارے میں وارد ہیں جو غلیظ کھاتے ہیں *

چودھویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی۔ اور آپ اون کو کھاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے اور دوسری میں تشدید *

پندرھویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگانے والے کی مزدوری سے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ منع فرمایا آپ نے خون کی قیمت سے۔ حالانکہ شیخین کی دوسری حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ اور لگانے والے کو اوس کی اجرت میں گیہوں کے دو صاع دینے کا حکم فرمایا *

سولھویں حدیث وہ ہے جسکو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر تمہاری دواؤں میں کچھ بہتری ہے۔ تو یا پچھنے لگانے والے کے نشتر لگانے میں ہے۔ اور یا آگ سے خفیف طور پر جھینکا دینے میں جو مرض کے مناسب ہو۔ اور اس کو میں پسند نہیں کرتا۔ کہ بدن کو داغ دوں۔ حالانکہ بیہقی کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے سرخ بادہ بیماری کی وجہ سے داغ دیا تھا۔ پس پہلی حدیث قریب قریب تشدید ہے۔ اور دوسری مخفف ہے *

سترھویں حدیث وہ ہے جسکو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اوس گھی کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا جس کے اندر چوہا پڑ گیا ہو آپ نے جواب دیا۔ کہ اوسکو جہاں وہ گرا ہے۔ اور اوس کے ارد گرد کے گھی کو پھینکدو۔ اور باقی کو کھالو۔ پھر سوال کیا گیا۔ کہ یا رسول خدا اگر وہ گھی جما ہوا نہ ہو۔ بلکہ پتلا پانی سا ہو۔ تو آپ نے جواب

دیا۔ کہ اوسکو اور کاموں میں لے آؤ۔ مگر کھاؤ مت۔ حالانکہ حاکم اور امام بخاری کی حدیث اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اور اوس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر کی بیع کو حرام ٹھیرایا ہے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ حضرت مردار کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ کیونکہ اوس سے کشتیوں کو مرمت کیا جاتا ہے۔ اور چمڑوں کو اوس سے چکنا کیا جاتا ہے۔ اور لوگ اوس سے روشنی کرتے ہیں (اوس کی شمع بنائے ہیں جو رات کو جلتی ہے) آپ نے فرمایا نہیں وہ حرام ہی ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ پہلی حدیث فقیر اور محتاج لوگوں پر محمول کی جاوے اور دوسری غنی اور مالدار لوگوں پر +

اٹھارھویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالے کے سواء دوسری اشیاء کے ساتھ قسم کھانے کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ مت قسم کھاؤ اپنے ماں باپوں کی۔ حالانکہ وہ حدیث جو حاکم وغیرہ نے روائیت کی ہے۔ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس شخص کے متعلق جس نے آپ سے نماز وغیرہ پر بیعت کی تھی۔ یہ فرمایا۔ کہ اگر یہ شخص سچا ہے۔ تو اوس کے باپ کی قسم۔ کہ یہ فلاحیت پا جائیگا۔ پس پہلی حدیث میں تشدید اور دوسری میں تخفیف ہے +

انتیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ اوس شخص کی شہادت قبول فرماتے تھے۔ جو کسی کو تہمت لگا کر تائب ہو جاتا تھا۔ حالانکہ بیہقی کی دوسری روائیت جو اونہوں نے قاضی شریح وغیرہ سے بیان کی ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ سب فرمایا کرتے تھے کہ تہمت لگانے والے کی گواہی کبھی قبول نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ توبہ کرلے۔ تو یہ معاملہ صرف اوس کے اور خدا تعالے کے درمیان ہے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید +

بیسویں حدیث وہ ہے جسکو بیہقی نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ غلاموں کی شہادت جائز نہیں۔ کیونکہ باریتعالے فرماتا ہے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ یعنی گواہ بناؤ دو شخص اپنے مردوں میں سے (مطلب یہ کہ گواہ بھی آزاد ہوں جسطرح تم آزاد ہو۔ غلام نہ ہوں) حالانکہ وہ حدیث جسکو بیہقی نے حضرت انس اور ابن سیرین اور قاضی شریح وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روائیت کیا ہے۔ کہ غلاموں کی گواہی جائز ہے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ تم سب کے سب غلام اور باندیاں ہو۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری میں تخفیف۔ اور یہی تقریر بچوں کی شہادت کے بارے میں ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اوسکو ناجائز کہا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جائز کہا ہے +

اکیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ سلم گواہوں کے ہوتے ہوئے قسم نہیں دیتے تھے۔ اور مدعی سے یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیرے لئے دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو دو گواہ لا۔ اور یا مدعا علیہ سے قسم لے (اگر گواہ نہ ہوں) حالانکہ وہ روائیت جسکو شافعی اور بیہقی نے روائیت کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود گواہوں کے قسم دلاتے تھے۔ اور یہی قول قاضی شریح وغیرہ کا ہے پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ اور دوسری میں تشدید۔ بالخصوص اوس وقت کہ جب گواہ میت یا غائب یا نابالغ یا مجنون کی طرف سے گواہی دیں۔ (کیونکہ یہ لوگ قسم نہیں کھا سکتے۔ اور بعض کی قسم معتبر نہیں ہوتی)

بائیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین وغیرہ نے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ولاء اوس شخص کے لئے ہے جو آزاد کرے۔ (ولاء اوس حق کو کہتے ہیں۔ جو آزاد کرنیوالے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا لونڈی پر حاصل ہوتا ہے یعنی اگر وہ مرجائے۔ تو آزاد کرنے والا بھی اوس کا ایک وارث ہوتا ہے۔ عرب لوگ اوسکو بیچڈالتے۔ اور ہبہ کر دیتے تھے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا) حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ جو شخص کسی گرے پڑے بچے کو اٹھا لائے تو اوس کی ولاء اوس شخص کے واسطے نہ ہوگی۔ بلکہ اوس بچے کی میراث (جب وہ مرجائے) تمام مسلمانوں کا حق ہوگا۔ اور اوہی پر اوس کی طرف سے تاوان بھرنا ہوگا (جب وہ کوئی قصور کرے) اور اوٹھانے والا سوائے اجر و ثواب کے اور کسی شئے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ بیہقی کی وہ حدیث جو اونہوں نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے۔ وہ اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونہوں نے حضرت سعید بن مسیب کے حق میں جب اونہوں نے ایک پھینکا ہوا بچہ اوٹھا لیا تھا۔ یہ فرمایا۔ کہ اس کی ولاء اونہی کے لئے ہے۔ اور وہ لڑکا آزاد ہے۔ اور عمر (یعنی مجھ) پر اوس کی شیر خواری کا انتظام ہے۔ پس پہلی حدیث میں تشدید ہے۔ اور دوسری حدیث یعنی حضرت عمر کا فیصلہ اگر صحیح ثابت ہوجائے۔ تو وہ تخفیف پر محمول ہے۔

تئیسویں حدیث وہ ہے جسکو شیخین نے روائیت کیا ہے۔ کہ ایک انصاری شخص نے اپنے غلام کو مدبر کردیا (مدبر اوس غلام کو کہتے ہیں جسکا مولے اوس سے یہ کہدے۔ کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے) اور اوس کی ساری پونجی یہی ایک غلام تھا۔ تو اوس کی محتاجی کا خیال کرکے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اوس غلام کو فروخت کر دیا۔ حالانکہ حاکم نے جو مرفوعاً روائیت کی ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ مدبر نہ فروخت کیا جائے۔ پس پہلی حدیث میں تخفیف ہے۔ کیونکہ اوس سے مالک کو فروخت کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری حدیث اگر صحیح ثابت ہوجائے۔ تو وہ تشدید پر محمول ہے۔ کیونکہ اوس سے مدبر کی بیع اور ہبہ کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چوبیسویں حدیث وہ ہے۔ جسکو بیہقی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روائیت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ کہ ہم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی اپنی ام ولدوں کو فروخت کیا۔ (ام ولد اوس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے کوئی بچہ اوس کے مالک کے نطفہ سے پیدا ہوجائے۔ اور اوس کا حکم یہ ہے کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اوس کی بیع وغیرہ جائز نہیں ہوتی) اور

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا۔ تو اونہوں نے ہم کو اس سے منع کر دیا۔ چنانچہ ہم نے فروخت کرنا موقوف کر دیا۔ پس اثر صحابی میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید۔ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرف گئے ہیں۔ کہ اُمّ ولد کی بیع حرام ہے۔ اور وہ مالک کے مرجانے کے بعد آزاد ہے۔ تو گویا ثانی اثر مجمع علیہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے ✦

یہاں تک اون احادیث کے باہم جمع کرنے کا بیان ختم ہوا۔ جن میں بعض علماء سے تناقض ظاہری منقول ہے۔ اور اون کے جمع کرنے کی شکل یہی تھی۔ کہ اون میں سے ہر ایک کو میزان کے ایک ایک مرتبے پر محمول کر دکھایا۔ اور بقیہ احادیث تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق قابلِ اخذ ہیں۔ تو چونکہ اون میں کسی مکلف پر مشقت نہیں ڈالی گئی ہے۔ اسلئے اون کے اندر میزان کا صرف ایک ہی مرتبہ نکلیگا۔ اسکو خوب سمجھ لو۔ اور تمام تعریفیں اوسی ذات کے لئے ہیں جو تمام عالم کی پرورش کرتی ہے ✦

یہ بات جاننی ضروری ہے

کہ میں نے قرآن مجید کی اون آیات کو جنکو آئمہ نے اپنا اپنا معمول بہا ٹھیرایا ہے۔ اور اون کے معانی میں باہم مختلف ہیں یکجا جمع کرنے سے بہ ایں وجہ نہیں چھوڑا ہے۔ کہ میں اون سے ناواقف ہوں۔ بلکہ وجہ اون کے چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ جو مضامین اون کے اندر مجتہدین لاتے ہیں۔ وہ بہت مخفی ہیں۔ برخلاف احادیث شریعت کے کیونکہ اون میں قرآن شریف کے اجمالات کی وضاحت اور تفصیل ہے ✦

اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کے اندر کی وہ انواع تشدید جن کے ذریعے سے کامل لوگ اپنے نفوس پر اون کی اصلاح کے لئے سختی ڈالتے ہیں۔ اس زمانہ میں کوئی عالم نہیں سمجھ سکتا چہ جائیکہ جاہل اور کم علم لوگ ✦

اور میں نے اس مضمون کی ایک کتاب بنام (الجواہر المصون فی علوم کتاب اللہ المکنون) تالیف کی ہے جس میں تقریباً تین ہزار علوم بیان کئے ہیں۔ اور بڑے بڑے مشائخ اسلام سے میں نے اوس کتاب پر محض اس خیال سے کہ میں اللہ والوں کو مانتا ہوں۔ تقاریظ لکھوائی ہیں چنانچہ اون میں سے ایک شیخ ناصر الدین لقانی مالکی بھی ہیں۔ جن کی تقریظ کی بعینہ عبارت یہاں درج کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے :۔

"حمد وصلوٰۃ کے بعد میں نے اس کتاب کو جو پسندیدہ طرز پر نادر الوجود واقع ہوئی ہے۔ دیکھا۔ تو اوسکو بیش بہا موتیوں اور حقائق ربانی سے پُر پایا۔ اور اس کو دیکھ کر یقین ہو گیا۔ کہ یہ کتاب بڑے بڑے جگروں کو لاجواب کرنے والی ہے۔ اس کی کما حقّہ تعریف سے گویائی کا پٹکہ تنگ ہے۔ اور فکر اس کی حقیقت اور ماہیت کے ادراک سے تھک گئی ہے"

اور میں نے اوس کتاب کے اندر بیان کے ایسے طرز کو اختیار کیا ہے جس سے کچھ پتہ نہیں

چلتا کہ یہ علم اور مضمون کونسی آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ کونسی سے۔ اور فائدہ اس میں یہ سوچا کہ کہ اہل اللہ کے علوم اون عام لوگوں میں شائع نہ ہو جائیں۔ جو باریتعالیٰ کے معارف وحقائق سے حجاب میں پڑے ہیں۔ ایک دفعہ اوس کتاب کو شیخ شہاب الدین بن شیخ عبد الحق جو اس زمانہ میں عالم جید ہیں۔ اپنے ہاں لے گئے۔ اور ایک ماہ تک اوس کے علوم میں غور کرتے رہے۔ بالآخر ایک علم کا بھی کسی آیت سے استخراج نہ کر سکے۔ جب مجبور ہو گئے۔ تو مجھ سے کہا۔ کہ یہ کتاب اس زمانہ میں تونے کس غرض سے تالیف کی ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ اہل اللہ کی نصرت کی غرض سے۔ کیونکہ آجکل لوگ اون کو قرآن وحدیث سے ناواقف بتلاتے ہیں۔ تو اونہوں نے کہا۔ کہ میں اپنے آپ کو کہتا ہوں۔ کہ میں مصر اور شام اور حجاز اور بلک روم اور ملک عجم میں بڑا عالم مشہور ہوں۔ اور اس کتاب کے کسی علم کو قرآن شریف کی کسی آیت سے استخراج نہیں کر سکتا۔ اور نہ اوس میں مجھے کچھ سمجھ پڑتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ میں پورے طور سے اوس کی تردید بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اوس میں جو کلامی حملہ ہے وہ ایسا نہیں ہے جیسا کسی گمراہ شخص یا عامی آدمی کا ہوتا ہے (انتہیٰ)

اور میرے بھائی شیخ افضل الدین نے سورۃ فاتحہ سے دو لاکھ علم ایک نکالے ہیں اور سینتالیس ہزار ایک اور نوسو ننانویں ۹۹۹ ایک۔ اور پھر کہا ہے۔ کہ یہ تو وہ علوم ہیں۔ جو علوم قرآن کے اصول ہیں پھر ان تمام علوم کو صرف بسم اللہ سے نکالکر دکھلایا ہے۔ پھر کہا ہے۔ کہ یہ تمام علوم صرف اوس نقطہ میں موجود ہیں جو بسم اللہ کی با کے نیچے لکھا ہوا ہے۔

اور شیخ موصوف کہا کرتے تھے۔ کہ ہمارے نزدیک انسان قرآن شریف کی معرفت میں کامل نہیں ہوتا جب تک اوس میں یہ ملکہ نہ ہو جائے۔ کہ قرآن مجید کے تمام علوم اور مجتہدین کے تمام مذاہب حروف ہجا کے جس حرف سے چاہے نکالکر دکھلا وے۔ اور اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے خوب ہوتی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میں چاہوں۔ تو صرف با کے نقطہ سے اسقدر علوم نکالدوں جن کے لادنے کے لئے اسی اونٹ درکار ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ جو میں نے قرآن کی اون آیات کو جن کے معانی میں مجتہدین کا باہمی اختلاف ہے۔ یکجا جمع کر کے نہیں دکھلایا کیونکہ اگر میں دکھلاتا۔ تو اوس کی صورت یہی تھی۔ کہ بعض معانی کو تخفیف پر اور بعض کو تشدید پر محمول کرتا۔ اور مرتبہ تشدید کے ذکر کرنے میں یہ خطرہ تھا۔ کہ کہیں (اوس کے بالا از فہم ہونے کی وجہ سے) لوگ اون حضرات کا انکار نہ کر بیٹھیں۔ جو خدا تعالے اور اوس کے احکام کے جاننے والے ہیں۔ اور اس کتاب کی تالیف محض اسی غرض سے ہوئی ہے۔ کہ دنیا میں آئمہ کا منکر کوئی نہ رہے۔ اس کو خوب سمجھ لو ٭

رہی یہ بات کہ میں نے اس کتاب میں اون احادیث کا ذکر کیوں کیا ہے۔ جو بعض مقلدوں کے نزدیک ضعیف ہیں۔ سو اس کی وجہ اون پر عمل کرنے کی طرف ترغیب دینا ہے۔ اسلئے کہ احتمال ہے۔ شاید وہ احادیث واقع میں صحیح ہی ہوں۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ کہ اون کو عملاً متروک نہ کیا جائے۔ اور بعض جگہ میں نے ایسا بھی کیا ہے۔ کہ اوس ضعیف حدیث کے مقابلہ میں جس کو دوسرے مجتہد نے تسلیم کیا ہو۔ حدیث صحیح لایا ہوں۔ اس سے بھی آئمہ مجتہدین کے ادب

کا پاس اور لحاظ مقصود ہے ✦

علاوہ بریں یہ بات ہے۔ کہ جو شخص نظر انصاف سے کام لیگا۔ وہ قرائن سے جان لیگا کہ اگر یہ حدیث اوس مجتہد کے نزدیک صحیح ثابت نہ ہوتی۔ تو وہ اوس سے استدلال کا کام ہرگز نہ لیتا اور ہمارے لئے اوس کی صحت کی دلیل یہی بہت ہے۔ کہ اوسکو ایک مجتہد اپنی دلیل میں لایا ہے اور جو شخص اس کتاب میزان میں گہری نظر کریگا۔ تو وہ آئمہ مجتہدین کی دلیلوں اور اون کے اقوال میں سے کوئی دلیل یا قول ایسا نہ پائیگا۔ جو شریعت کے دونوں مرتبوں میں سے کسی مرتبہ میں بھی نہ داخل ہو۔ اور اس کے بتلانے کی ضرورت نہیں۔ کہ عمل کیوقت ہر مرتبہ کے لئے عامل علیحدہ موضوع ہے۔ کیونکہ جو شخص قوی ہے۔ اوس سے تشدید پر عمل کرنے کا مطالبہ ہے۔ اور جو ضعیف ہے۔ وہ صرف رخصت پر عمل کرنے کا مخاطب ہے چنانچہ اس کی باوضاحت تقریر پہلی فصلوں میں گذر چکی ہے۔ اور سب تعریفیں اوسی خدا کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے ✦ (یہاں تک احادیث کو باہم جمع کرنے کا مضمون ختم ہوا ✦) اور سب تعریفیں پروردگار عالم کے لئے ہیں ✦

یہاں سے مجتہدین کے اقوال مختلفہ کو باہم جمع کرنے اور اون کو میزان کے دونوں مرتبوں تخفیف وتشدید کی طرف رجوع کرنے کا طور شروع کیا جاتا ہے۔ اور اس کی ترتیب اسطرح ہوگی۔ کہ پہلے ہر باب کے اندر کتاب الطہارت سے لیکر آخر ابواب فقہ تک وہ مسائل بیان ہونگے جن پر اجماع ہونے کی وجہ سے بالاتفاق مسلم ہیں (پھر وہ مسائل ذکر ہونگے جن میں علماء کا اختلاف ہے) اسی مضمون میں یہ بھی ساتھ ساتھ ذکر چلا جائیگا۔ کہ شریعت کی اہل حقیقت سے توجیہ ہوتی ہے اور حقیقت کی اہل شریعت ہے۔ اور یہ بھی کہ آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین جسطرح شریعت کے عالم ہیں۔ اسی طرح حقیقت کے جاننے والے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اون سب نے اپنے قواعد کو شریعت اور حقیقت دونوں پر مبنی کیا ہے۔ مجھے بعض نے یہاں تک خبر دی ہے۔ کہ یہ حضرات جنات کے بھی امام ہیں۔ اور اون میں ہر مذہب کے طالب موجود ہیں۔ جس کے وہ پابند ہیں۔ اور انسانوں کیطرح اپنے اپنے مذہب پر اڑے ہوئے ہیں ✦

اس کے بعد یہ بھی جان لینا چاہئے۔ کہ جس امر کا میں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص مجھ سے اس امر کے التزام میں سبقت لے گیا ہو۔ اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ حقیقت کبھی شریعت کے مخالف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ شریعت باتوں کے اسطرح بتلانے کو کہتے ہیں جسطرح وہ واقع میں ہیں۔ اور علم حقیقت بھی بعینہ اسی کا نام ہے۔ تو پھر شریعت کی حقیقت سے مخالفت کیسے ہوسکتی ہے۔ بلکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو اسطرح لازم ہیں جسطرح جسم کو سایہ اور برعکس۔ بشرطیکہ آفتاب روشن ہورہا ہو۔ البتہ اونکی باہمی تخالف کی ایک شکل یہ ہے کہ مثلاً کوئی شرعی حاکم اون گواہوں کی گواہی پر کوئی حکم صادر کردے۔ جو نفس الامر میں جھوٹے ہوں۔ اور حاکم کو اون کے صدق کے سوا، دروغگوئی کا شبہ بھی نہ ہو۔ تو اس صورت میں حقیقت کچھ اور ہوئی۔ اور شریعت کا حکم اور ہوا۔ اور جب گواہ باطن میں بھی ظاہر کیطرح سچے ہوتے تو اوس وقت حاکم کے حکم کا ظاہراً اور باطناً یعنے دنیا اور آخرت دونوں میں نافذ ہونا امر ظاہر ہے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ حاکم کا حکم جسطرح ظاہر میں نافذ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باطن میں بھی۔ محققین کے نزدیک اوسی صورت پر محمول ہے کہ جب گواہ ظاہراً عادل معلوم ہوتے ہوں۔ کیونکہ اگر ظاہراً عادل ہونے کے ساتھ باطن میں بھی عادل ہوئے۔ تب تو حکم کا ظاہراً اور باطناً نافذ ہونا یقینی امر ہے۔ اور اگر واقع میں عادل نہ ہوں۔ تو ہم کو خدائے تعالے سے حسن ظن ہے۔ کہ وہ قیامت کے دن اپنی شرع کے حاکم کی نصرت فرمائیگا۔ اور گواہوں کے دروغ کے گناہ سے درگذر فرما کر اوس حاکم سے بھی خلاف حقیقت حکم دینے پر مواخذہ نہ کریگا۔ بلکہ اوس کے حکم کو آخرت میں بھی اوسی طرح جاری فرمائیگا جسطرح دنیا میں شائع کیا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ حاکم نے حتی الوسع گواہوں کی پرکھ کرلی ہو۔ (اگر باوجود سعی بلیغ کے پھر بھی گواہوں کا غیر عادل ہونا ظاہر نہ ہو۔ تب یہ حکم ہے) اور بعض نے جو یہ کہدیا ہے۔ کہ حاکم کا حکم دنیا اور آخرت دونوں میں اوسوقت بھی نافذ ہو جاتا ہے۔ کہ جب گواہوں کا کاذب ہونا معلوم ہوجائے۔ تو اوس نے قواعد شریعت کا خلاف کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالے جو چاہتا ہے کرڈالتا ہے جب تم یہ جان چکے۔ تو میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں

کتاب طہارت کے بیانمیں

اس بارے میں چاروں امام متفق ہیں۔ کہ نماز کے لئے پانی سے طہارت حاصل کرنا واجب ہے بشرطیکہ نمازی شرعاً اور حساً دونوں طرح پانی کے استعمال کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ جیساکہ اس میں بھی سب کا اتفاق ہے۔ کہ اگر کسی وجہ سے پانی کا استعمال نہ کرسکتا ہو۔ تو اوسوقت تیمم کرنا واجب ہے۔ اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کہ گلاب اور بید کے درخت کے پانی سے بے وضو کا وضو درست نہ ہوگا۔ اور اگر پانی کسی جگہ زیادہ دیر ٹھیرے رہنے کی وجہ سے رنگت مزے وغیرہ کے اعتبار سے بدل جائے۔ تو اوس سے وضو وغیرہ درست ہے۔ اور مسواک کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ یہ سب اس باب کے وہ مسائل ہیں جن میں آئمہ اربعہ متفق ہیں۔ اور وہ مسائل جن کے اندر اماموں کا اختلاف ہے۔ وہ اس باب میں بہت ہیں +

پہلا اون میں سے شہروں کے باشندوں فقہا، کا یہ قول ہے۔ کہ تمام دریاؤں کا پانی خواہ وہ شیریں ہو یا شور خود پاک ہونے اور پلید کو پاک کرنے میں ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ برخلاف اوس قول کے جو ایک قوم سے منقول ہے۔ کہ اونہوں نے سمندر کے پانی سے وضو کو نادرست کہا ہے اسی طرح بعض نے صرف ضرورت کے وقت جائز کہا ہے۔ اور بعض نے اوس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کو درست کہا ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور اوسکے بعد کے سب قولوں میں تشدید اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالے کے اس قول میں کہ (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ) (ترجمہ) اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔ پانی کا لفظ بے قید ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ طہارت کی وضع شرعی سے اصل غرض یہ ہے۔ کہ وہ بندہ کے جسم کو اوس کمزوری سے پاک صاف کردیتی ہے جو گناہوں کے ارتکاب اور لذیذ چیزوں کے کھانے اور غفلتوں میں

پڑجانے کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔ تاکہ جس وقت بندہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کھڑ
تو اوسوقت اوسکا بدن زندہ اور گناہوں کی کمزوریوں سے پاک وصاف ہو +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اوس کے قائل کو یہ حدیث نہیں پہونچی۔ کہ (دریا کا پا
پاک ہے۔ اور اوسکا مُردار حلال ہے)

دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ دریائے شور کا پانی روئیدگی کا مادہ نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے جو و
کاشت کو مفید نہیں ہوتا۔ اور جس میں روئیدگی کا مادہ نہ ہو۔ اوس میں روحانیت نہیں ہوتی
بدن میں زندگی پیدا کر سکے۔ یا عصیانی کمزوری کو رفع کر سکے +

تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے۔ کہ دریا کے نیچے آگ ہے۔ اور آگ خدا تع
کے غیظ وغضب کا مظہر ہے۔ تو بندہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ وہ ایسی چیز کا است
کرے۔ جو مظہر غضب الٰہی سے نزدیک ہو۔ اور پھر پروردگار سے سرگوشی کرنے کھڑا ہوجا
پس یہ پانی قریب قوم لوط کے پانیوں کے حکم میں ہے۔ اور اس سے وضو کرنے کو شا
نے منع کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے دریائے شور کے پانی سے وضوء کرنے پر تیمم کو ترجیح د
ہے۔ جیساکہ گذرا۔ اور ترجیح کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ مٹی میں روحانیت ہے۔ کیونکہ او
کا پانی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ جیساکہ اسکا مفصل بیان باب تیمم میں آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

دوسرا قول وہ ہے جس کے علماء بالاتفاق قائل ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ طہارت بغیر پا
کے صحیح نہیں ہوتی۔

حالانکہ ابن ابی لیلےٰ اور اصم کا قول اسکے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر قسم کے پانی سے ط
جائز ہے۔ جہانتک کہ اون پانیوں سے بھی جو درختوں وغیرہ سے نچوڑے گئے ہوں۔ پس پہلے ق
میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ اور قول اول کی وجہ یہ ہے۔ کہ ذہن اوسی طرف
ہے۔ کہ پانی سے مراد خدا تعالےٰ کے اس قول میں کہ (وینزل علیکم من السماء ماء لیط
(ترجمہ، اور اتارتا ہے تم پر پانی آسمان سے۔ تاکہ اوس سے تم کو پاک کرے) وہ پانی ہے جس میں
قید نہ ہو۔ (تو اس سے درختوں اور پھلوں کا پانی نکل گیا۔ کیونکہ وہ بے قید نہیں ہے)

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جسقدر خالص پانی کے سواء اور پانی ہیں۔ اون سب کی اصل و
خالص پانی ہے۔ مثلاً درختوں اور ترکاریوں اور شاخوں کا پانی اوسی پانی سے بنا ہے۔ جو اون
کی جڑوں نے زمین سے پیا تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے۔ کہ اون پانیوں میں روحانیت کم
ہے۔ اسلئے نہ وہ اعضاء میں زندگی پیدا کر سکتے ہیں۔ اور نہ اون میں قوت دے سکتے ہیں۔ اور جم
علماء کے اس پانی سے طہارت کرنے کو منع کرنے کی یہی وجہ ہے +

تیسرا قول وہ ہے جس کے تینوں امام قائل ہیں کہ ازالہ نجاست کا بغیر پانی کے نہیں ہو
حالانکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نجاس
ہر بہنے والی چیز سے زائل ہوسکتی ہے۔ سوائے روغنوں اور چکنی چیزوں کے۔ پس پہلے قول میں ت
ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف +

اور قول اول کی وجہ یہ ہے۔ کہ طہارت کی مشروعیت اسلئے ہوئی ہے۔ تاکہ بدن اور کپڑے
یں زندگی آجاوے۔ اور بدن میں تو زندگی کا آنا حصل ہے۔ اور اوس کے واسطہ سے کپڑے
یں بھی آجاتی ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے۔ کہ پانی کے سوا اور بہنے والی اشیا کی روحانیت
زور ہے۔ اونکا بدن میں زندگی پیدا کرنا۔ اور کپڑے کو پاک کرنا بعید ہے۔ کیونکہ اوس میں جو قوت
ی۔ اوسکو جڑوں نے پی لیا۔ اور اوس سے ٹہنیاں اور پتیاں اور کلیاں اور پھل وغیرہ پیدا ہوگئے
ور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ درختوں وغیرہ سے نچوڑے ہوئے پانی میں کچھ روحانیت
ہمیشہ رہتی ہے۔ اور نیز نجاست بہ نسبت حدث کے کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ اسلئے اگر بعض
نیوں سے ازالہ حدث نہ ہوسکے۔ تو یہ ضرور نہیں۔ کہ اون سے نجاست کا ازالہ بھی نہ ہوسکے
نجاست کے کمزور ہونے کی دلیل وہ روائت ہے۔ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
روی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونکا یہ طریقہ تھا۔ کہ جب اون کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا
ا۔ تو اوس پر تھوک دیتی تھیں۔ اور پھر لکڑی سے کھرچ دیتی تھیں۔ تاکہ اوسکا نشان جاتا رہے
ر خبیثت دور ہو جائے +

دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ جس شخص نے صرف کلوخ سے استنجا کیا ہو۔ اوسکی نماز درست
لی ہے۔ اگرچہ کچھ اثر نجاست کا باقی رہا ہو۔ برخلاف اوس طہارت کے جو بیوضوی کو دور کرنے
لئے ہوتی ہے۔ کہ اوس میں اگر بدن پر ایک بال کے برابر بھی خشک رہ جائے۔ تو طہارت درست
یں ہوتی جب تک اوسپر پانی نہ پہونچایا جاوے +

چوتھا قول وہ ہے جس کے تینوں امام قائل ہیں۔ کہ اوس پانی سے جو آفتاب سے گرم ہوگیا ہو
ہارت مکروہ نہیں ہے۔ حالانکہ امام شافعی علیہ الرحمتہ کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور
یہ ہے۔ کہ اوس پانی کا استعمال مکروہ ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوس پانی کے استعمال کی کراہت پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ کیونکہ
یہ پانی امت کے لئے مضر ہوتا۔ تو اوس کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ضرور فرما دیتے۔ اگرچہ
حدیث واحد ہی کیوں نہ ہوتی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو اس بارے میں اثر منقول ہے۔ وہ
ت ضعیف ہے۔ لہٰذا اوس کے استعمال کی اباحت ثابت ہوئی۔ اور دوسرے قول کی وجہ
ہے۔ کہ جہانتک ممکن ہو۔ اوس امر کو لینا بہتر ہے جس میں احتیاط زیادہ ہے +

پانچواں قول وہ ہے جس کے علماء بالاتفاق قائل ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آگ سے گرم
ہوئے پانی کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔ حالانکہ مجاہد اس کے خلاف اوس کی کراہت کے
ل ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ اوس پانی کا استعمال مکروہ ہے۔ جو نجاست
ر گرم کیا گیا ہو۔ پس پہلا قول تخفیف پر محمول ہے۔ اور دوسرا قول تشدید پر۔ اور تیسرے
تفصیل ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ شارع سے کوئی نص اس کی کراہت کے بارے
وارد نہیں۔ دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ آگ خدا تعالے کے غضب کا مظہر ہے
سنچہ اوس سے خدا تعالے گناہگاروں کو عذاب دیگا۔ تو بندہ کے لئے یہ مناسب نہیں

کہ وہ اوسی شئے کا استعمال کرے جس میں اوس آگ کا اثر پہونچا ہو۔ بالخصوص اوسوقت کہ جب اوسکو نجاست سے گرم کیا ہو ۔

چھٹا قول وہ ہے۔ جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ فرض طہارت کا مستعمل پانی خود تو پاک ہے۔ لیکن پلید چیز کو پاک نہیں کرسکتا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ وہ پانی ناپاک ہے۔ اور امام صاحب کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جس طرح وہ پانی خود پاک ہے۔ اسی طرح دوسری چیز کو بھی پاک کرسکتا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول میں تخفیف ۔

جو شخص فرض طہارت کے مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنے کو منع کہتا ہے۔ اوس دلیل یہ ہے۔ کہ اوس پانی میں اوس شخص کے گناہ گھس گئے ہیں۔ اور اوسکی خطاؤں سے ملوث ہوگیا ہے۔ جیساکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ تو اوس پانی میں شرعاً غلاظت آگئی ہے۔ لیکن اسکو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو مقام ایمان میں کمال کو پہونچ گیا ہے۔ یا وہ صاحب کشف پس اوس شخص کے لئے جو مقام ایمان میں کامل ہو۔ یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ وہ اوس پانی سے طہارت حاصل کرے۔ جسطرح یہ کسی مسلمان کو مناسب نہیں۔ کہ وہ تھوک یا ناک کی ریزش یا بغل کے بدبودار پسینہ میں لتھڑا ہوا ہو۔ اور پھر کھڑا ہوکر خدائیتعالے سے مناجات کرے۔ اور معافی اور درگزر اوس چیز سے ہوا کرتا ہے جس کے رفع کرنے میں مشقت اور کلفت سخت ہو۔ جیساکہ فقہار کا قول ہے۔ کہ اگر پسوؤں کا خون تمام کپڑے کو لگ جائے۔ یا گوبر سے رلے ملے خاک کے ذرات کپڑے پر لگ جائیں۔ یا نجس چیز کا دسواں کپڑے کو اچھیطرح لگ جائے۔ اور مقدار میں کثیر ہو۔ تو اوس سے معافی نہ دیجائے گی ۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ فرض طہارت کے مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنا درست ہے۔ اوسکی دلیل یہ ہے۔ کہ گناہوں اور خطاؤں کی نجاست جو اوس مستعمل پانی میں گرگئی ایک ایسی چیز ہے جو اکثر لوگوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ اور کسی شخص سے اوس چیز کا مطالبہ ہوگا جس کا مشاہدہ نہ ہوسکتا ہو۔ تو جس شخص نے اوس پانی سے مومن کو طہارت حاصل کرنے کی مخالفت کی ہے۔ وہ تشدید کو کام میں لایا ہے۔ اور جس نے اجازت دی ہے۔ وہ تخفیف کو۔ پس پہلا قول اون علماء اور صلحاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اہل کشف ہیں۔ دوسرا عام مسلمانوں کے ساتھ ۔

اور جس شخص نے اوس مستعمل پانی کو نجس کہا ہے دنجاست چاہے مخففہ ہو یا مغلظہ اوس نے طہارت حاصل کرنے والے کے لئے احتیاط کا لحاظ کیا ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر اوس کو کشف ہونے لگا۔ تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا۔ کہ وہ مستعمل پانی جس سے عوام لوگ طہارت دوبارہ حاصل کرلیتے ہیں۔ یا کرسکتے ہیں۔ ایساہے جسطرح وہ پانی جس میں مردار

یا کوئی اور جاندار گر کر بڑی سخت سڑی ہوئی بدبو آنے لگی ہو۔

خداوند تعالے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے راضی رہے۔ اور اون کے شاگردوں سے کیونکہ اونہوں نے نجاست کی دو قسمیں ٹھیرائی ہیں ایک خفیفہ۔ دوسری غلیظہ۔ اس لئے کہ گناہ بھی دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک کبیرہ دوسرے صغیرہ۔ تو کبیرہ گناہوں کے دھونے والے پانی کی مثال ایسی ہے جیسے وہ پانی جسمیں مردار گر کر سڑ گیا ہو۔ یا اوس نے پیشاب کر دیا ہو۔ اور اوس مستعمل پانی کی مثال جس سے صغیرہ گناہوں کو دھویا گیا ہو ایسی ہے۔ جیسے وہ پانی جس میں کوئی اور جانور مر جائے کتے کے سوا خواہ وہ اون جانوروں میں سے ہو جو کھائے جاتے ہیں۔ یا اون میں سے جو نہیں کھائے جاتے۔ پس اوس مستعمل پانی کے غلیظہ نجاست ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں وضو کرنے والے کے لئے پوری احتیاط ہے۔ کیونکہ احتمال اس بات کا باقی ہے۔ کہ شاید وہ پانی کسی کبیرہ گناہ کا دھوون ہو۔ اور اوس مستعمل پانی کے نجاست متوسطہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنے والے کی طرف گمان نیک ہونا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اوس نے کوئی کبیرہ گناہ کیا ہی نہ تھا۔ صرف صغیرہ ہی کا مرتکب ہوا تھا۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ اوس مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ مکروہ ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وضو کرنے والے کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ نیک گمان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ نہ صغیرہ۔ اور نہ کبیرہ۔ البتہ اولے کے خلاف کیا ہے اور کسی امر مکروہ کا ارتکاب ضرور کر چکا ہے۔

پس پہلے قول کی مثال ایسی ہے۔ جیسے پانی میں مچھر مر جائے۔ اور خلاف اولے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے پسو وغیرہ جانور پانی میں مر جائے۔ کیونکہ اس قسم کے جانور اکثر پانی میں گر جاتے ہیں تو ہم کو عادۃً اوس میں کچھ تغیر ظاہر نہیں ہوتا۔

(مترجم کہتا ہے۔ کہ مستعمل پانی میں علماء کے تین قسم کے اختلاف ہیں۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ کس چیز سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ شیخین کا مسلک یہ ہے۔ کہ پانی سے اگر رفع حدث یا قربت اور عبادت کی نیت کی جائے۔ تو وہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط نیت عبادت ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط رفع حدث سے۔ اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ پانی کس وقت مستعمل کہلاتا ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔ کہ صحیح یہ ہے۔ کہ جس وقت عضو سے گرا مستعمل ہو گیا۔ اور جامع صغیر میں ہے۔ کہ جب گر کر کسی مقام پر رک جائے اوس وقت مستعمل ہوتا ہے۔ تیسرا اختلاف یہ ہے۔ کہ مستعمل پانی کا حکم کیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس غلیظ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس خفیف۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پاک ہے۔ مگر دوسری نجس شے کو پاک نہیں کر سکتا۔ در مختار میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور مشائخ عراق کا یہی مسلک رہا ہے۔ اور محیط میں لکھا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے۔ مؤلف میزان نے ان تینوں قولوں کی علت حقیقت کے طرز پر بیان فرما دی۔ رضی اللہ تعالے عنہ)

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ دراصل طہارت کی مشروعیت بندہ کے اعضاء میں لطافت ظاہری اور باطنی کی زیادتی کے لئے ہوئی ہے۔ اور وہ پانی جس کے اندر خطاؤں کا گر جانا بطور حس یا کشف کے معلوم ہے۔ سوا اسکے کہ وہ اعضاء میں نجاست اور غلاظت پیدا کرے۔ اور کیا کام دے سکتا ہے۔ کیونکہ اوس میں ایسی چیز پڑ گئی ہے۔ جو خود قبیح اور غلیظ ہے۔ یعنی خطائیں۔ پس اگر بندہ مستعمل پانی کا استعمال کرنے لگے۔ اور خدا تعالےٰ اوس کو باطنی آنکھیں بھی عطا فرمادے۔ تو اوس کی طبیعت ہرگز اوس کے استعمال سے خوش نہ ہوگی۔ بلکہ اوس کو اسی طرح تکدر پیدا ہوگا جس طرح اوس پانی کے استعمال سے جو باوجود قلیل ہونے کے اوس میں کوئی جانور مثل کتا یا بلی یا چوہے وغیرہ کی گر کر مر جائے۔

میں نے یہ سُنکر شیخ موصوف سے عرض کیا۔ کہ تو معلوم ہوا۔ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف تھے۔ تب ہی تو اوس پانی کی نجاست کے قائل ہوئے۔ اسی طرح اون کی شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ کیونکہ وہ بھی اوس کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ شیخ نے جواب دیا۔ کہ ہاں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور اون کے شاگرد موصوف بڑے صاحب کشف تھے۔ اور بڑی دلیل اون کے صاحب کشف ہونے کی یہی ہے۔ کہ جب وہ اوس پانی پر نظر ڈالتے تھے جس سے لوگوں نے وضو کیا ہوتا تھا۔ تو بعینہ اون خطاؤں کو دیکھ لیتے تھے۔ جو اوس پانی میں جھڑ جاتی تھیں۔ اور پھر اوس میں یہ بھی تمیز کر لیتے تھے۔ کہ یہ پانی کبیرہ گناہوں کا دھوون ہے۔ اور یہ صغیرہ گناہوں کا۔ اور یہ مکروہات۔ اور خلاف اولیٰ کا۔ گویا کہ اونکو یہ سب اشیاء اس طرح نظر آتی تھیں جس طرح ہم کو یہ اجسام محسوسہ نظر آرہے ہیں۔ پھر شیخ موصوف نے امام صاحب کا یہ قصہ بیان فرمایا کہ مجھ کو صحیح ذریعہ سے یہ خبر پہونچی ہے۔ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور ایک جوان آدمی کو وضو کرتے دیکھا جب اوس پانی پر نظر ڈالی جو اوس کے اعضاء سے ٹپک رہا تھا۔ تو فوراً اوس جوان سے فرمایا۔ کہ اے لڑکے ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ سے توبہ کر۔ اوس نے کہا میں توبہ کرتا ہوں خدا تعالےٰ سے۔ پھر ایک اور شخص کے مستعمل پانی پر نظر ڈالی۔ تو فرمایا۔ اے بھائی! زنا سے توبہ کرو۔ اوس نے کہا۔ کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر تیسرے شخص کے مستعمل پانی پر نظر ڈالی۔ تو فرمایا۔ کہ اے بھائی تم شراب خواری اور باجے گاجے کے سُننے سے توبہ کرو۔ اوس نے کہا۔ کہ میں توبہ کرتا ہوں پروردگار عالم سے۔ غرض یہ تمام مخفی امور اون کے نزدیک ایسے ہی تھے جیسے امور محسوسہ ہوتے ہیں۔ پھر ہم نے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ امام موصوف نے پروردگار عالم سے دعا کی تھی۔ کہ میری آنکھوں سے اون تمام اشیاء کو محجوب کردے کیونکہ اس میں لوگوں کے عیوب کی پردہ دری اور اون کی برائیوں پر اطلاع ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اون کی دعا کو قبول فرمالیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حالت کشف میں مستعمل پانی میں جیسی خطاؤں کا ملاحظہ فرماتے تھے۔ کبائر کا یا صغائر کا۔ یا مکروہات یا خلاف اولیٰ کا۔ اوسی کی مناسب

حکم بھی دیتے تھے - یہ نہیں کہ ہر قسم کے مستعمل پانی کی نجاست کا عام حکم دیدیتے ہوں - جیسا کہ بعض مقلدوں کا خیال ہے - ورنہ لازم آئیگا - کہ زنا اور لواطت اور شراب خوری اور نافرمانی والدین اور رشوت خوری اور چغل خوری وغیرہ کا مستعمل پانی - اجنبی عورت کو دیکھنے یا اوس کا بوسہ لینے یا اوس کو حرام پر آمادہ کرنے وغیرہ گناہوں کے مستعمل پانی کے برابر ہو جائیگا - اسی طرح دوسرے قسم کے گناہوں کا دھوون مکروہات کے ارتکاب (مثلاً دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا اور اور عذر کچھ نہ ہو - اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پہلے دھونا) کے دھوون سے برابر ہو جاوے علیٰ ہذا القیاس خلاف اولےٰ افعال کا مرتکب ہونا مثلاً (آستین اسقدر فراخ رکھنا جسقدر فراخی کی حاجت نہ ہو - اور عمامہ بڑا رکھنا - اور کھانے پینے میں خوب فراغبالی سے کام لینا اور بڑی بڑی عمارتیں رہائشی مکانات کی بنانا -) امور مکروہہ اور ممنوعہ کے ارتکاب کے برابر ہو جاوے - حالانکہ ان سب چیزوں میں جسقدر بیّن فرق ہے - اوسکو سب جانتے ہیں پھر میں نے شیخ موصوف سے عرض کیا - کہ یہ باتیں تو اہل کشف اور کامل مومنوں کی ہیں ضعیف ایمان والوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں - تو اونہوں نے فرمایا - کہ جب اون کو گناہوں کا مشاہدہ نجاست ہو گیا - جو مستعمل پانی میں گر گئے ہیں - تو وہ بھی اونہی لوگوں کے حکم میں ہیں جو کامل ایمان والے ہیں - اور اون لوگوں کے لئے بھی احتیاط اسی میں ہے کہ وہ اعضاء کے دھوون سے اجتناب کریں - اور یہ خیال کریں کہ وہ کبیرہ گناہوں کا دھوون ہے یا صغیرہ کا - لیکن اوس شخص کے ساتھ بدظنی نہ کرنی چاہئے جسکا وہ پانی استعمال کیا ہوا ہے اور اس کی صورت یہ ہے - کہ اوس مستعمل پانی کو ایسا ہی سمجھیں - جیسا کہ اوس شخص کا جو کبیرہ یا صغیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہو - مگر یہ اعتقاد نہ کیا جائے - کہ اوس بعینہٖ شخص نے بھی وہ گناہ کئے ہیں ؎

اور ایک مرتبہ میں نے شیخ موصوف کو یہ فرماتے بھی سُنا ہے - کہ ہر مقلد کو اولےٰ یہی ہے - کہ وہ مستعمل پانی کو استعمال میں نہ لائے - اور احتیاطاً اوس کو نجاست غلیظہ خیال کرے اور اگر یہ نہ ہو سکے - تو کم از کم درمیانی نجاست مانند چوپایوں کے پیشاب کی خیال کرے - کیونکہ احتمال ہے - شاید وہ شخص کسی صغیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہو - جیسا کہ عموماً لوگ ایسے ہی پائے جاتے ہیں - اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے - تو اوسکو نجاست خفیفہ تو خیال کرے - یہی سمجھکر کہ وہ شخص جس نے اس پانی سے طہارت حاصل کی ہے - اگر صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوا - تو کسی امر مکروہ کا تو ضرور ہی مرتکب ہوا ہوگا - اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے - تو اوس کے استعمال سے یونہی پرہیز کرے جیسے تربوز اور ساگ کے پانی سے اجتناب کیا جاتا ہے - یا اور اون چیزوں کے پانیوں سے - جو خود تو پاک ہیں - لیکن پلید شئے کو پاک نہیں کر سکتے - کیونکہ احتمال ہے کہ شاید اوس شخص نے کسی خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کیا ہو - مگر ہاں اس صورت میں ہاں پانی کو نجاست خفیفہ بھی نہیں کہہ سکتے - بھلا نجاست متوسطہ اور غلیظہ تو کیا کہہ سکتے ہیں ؎

اور ایک مرتبہ شیخ مذکور کو یہ بھی کہتے سُنا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب کشف تھے چنانچہ جب کبھی مستعمل پانی میں کوئی کبیرہ گناہ دیکھتے تھے۔ تو اپنے اجتہاد یا کشف سے اوس پانی کے نجاست غلیظہ ہونے کا حکم فرماتے تھے۔ اور جب کبھی پانی میں صغیرہ گناہ دیکھتے تھے۔ تو اوس کے نجاست متوسطہ ہونے کا حکم دیتے تھے۔ کیونکہ جسقدر صغیرہ گناہ ہیں۔ وہ سب کبیرہ گناہ اور امور مکروہہ کے درمیان میں ہیں۔ پس یہ ایک اور درمیانی مرتبہ نکلا۔ غلیظہ اور خفیفہ نجاست کے مابین۔ غرض اس تقریر سے یہ نکلی۔ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مستعمل پانی کے متعلق جو تین قول ہیں۔ وہ ایک ہی قسم کے مستعمل پانیمیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض مقلدوں کا خیال ہے۔ بلکہ وہ تینوں قول پانی کی مختلف قسموں کے لحاظ سے ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ چاروں امام مستعمل پانی میں احتیاط اور تقوےٰ کی وجہ سے تخفیف اور تشدید کے درمیان۔ اور تخفیف اور متوسط کے درمیان ہیں۔ اور مستعمل پانی کی مذکورہ بالا تقسیم کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے خوب ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اونہوں نے کہا۔ کہ ایک مرتبہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یارسولِ خدا آپ کو تو وہ چھوٹی سی صفیہ رضؓ ہی بس ہے۔ (توہین مقصود تھی صفیہؓ کی) اس کے جواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے عائشہ تونے اس وقت ایسا کلمہ کہا ہے۔ کہ اگر وہ دریا اور سمندر کے پانی سے ملایا جائے۔ تو وہ اوس تمام میں مخلوط ہوجائے یا اس کی مثل الفاظ فرمائے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا یہ مطلب تھا۔ کہ اگر اوس کلمہ کو جسم وار بناکر بحرِ محیط میں ڈالا جائے۔ تو اوس کے پانی کا مزہ اور رنگت اور بو بدل جائے۔ اور یا اوس میں تعفن پیدا ہوجائے۔ تو جب اتنا سا کلمہ اسقدر بڑے دریائے ناپیدا کنار میں اسقدر تغیر عظیم پیدا کر دیتا ہے۔ تو اون گناہوں کا کیا حال ہوگا۔ جو وضو کرنیوالوں کے جسم سے جھڑ کر مسجد کی نالیوں میں گر جاتے ہیں۔ پس میں تو یہی کہونگا۔ کہ خدا تعالےٰ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلدوں پر رحم فرماوے۔ کیونکہ اونہوں نے طہارت حاصل کئے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کو منع فرمادیا محض اسوجہ سے کہ اوس میں وضو کرنے والے کی خطائیں اور معاصی گر گئے ہیں۔ اور اپنے متبعین کو حکم کر دیا۔ کہ وہ نہروں اور کنوؤں اور تالابوں اور اون ڈھکے ہوئے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ جن میں مستعمل پانی لوٹ کر نہ جاتا ہو۔ کیونکہ اس قسم کے پانی اعضاء کے صاف کرنے میں اعلےٰ درجہ کا کام دیتے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی بذات خود بھی لطیف اور بے کثافت ہیں۔ اور ان کے اندر مادہ حیات کا زیادہ ہے۔ بالخصوص ہم جیسے لوگوں کے اعضاء کے لئے جو کثرتِ مخالفت کی وجہ سے قریب مرگ ہوچکے ہیں پس بعید از عقل ہے۔ کہ ان اعضاء کو وہ پانی صاف کردے۔ جو اب تک استعمال میں نہیں آیا بھلا اوس پانی کا تو ذکر ہی کیا جو مستعمل ہوچکا ہو۔ اگرچہ کثیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور میں پروردگارِ عالم کی قسم کھاکر کہتا ہوں۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ ہر حال میں اچھا ہے۔ کیونکہ جو جسم ضعیف ہے۔ اور اوسمیں مردگی سی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ غیر مستعمل پانی کے استعمال

سے قوی اور زندہ ہو جائیگا۔ اور جو جسم ضعیف نہیں ہے۔ اوس کے اندر خوبصورتی اور چمک زیادہ ہو جائے گی ✦

اور سید علی خواص رضی اللہ عنہ باوجودیکہ شافعی المذہب تھے۔ لیکن وہ مسجد کی طہارتگاہوں سے (حوض وغیرہ) وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس قسم کا پانی ہم جیسے لوگوں کے بدن کو صاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ پانی معاصی اور خطاؤں کے گر جانے سے نجس ہو گیا۔ اور کبھی وضو کر لیتے تھے۔ اور چونکہ صاحب کشف تھے۔ اسلئے فرماتے تھے۔ کہ اس پانی سے جن لوگوں نے طہارت حاصل کی ہے۔ وہ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہم کو اون کے طہارت حاصل کردہ پانی سے برکت لینی چاہیئے جسطرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا باہمی یہی دستور تھا۔ اور یہی قول امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور کبھی بذریعہ کشف پانی کے اندر گناہوں کو محسوس کر لیتے تھے۔ تو اس لیئے اوس پانی سے اجتناب فرماتے تھے۔ اور خدا تعالےٰ نے اون کو یہ قوت عطا کی تھی کہ وہ حراموں کے مستعمل پانی کو مکروہات کے مستعمل پانی اور خلاف اولے کے استعمال پانی سے تمیز کر لیتے تھے۔ اور میں ایک روز شیخ موصوف کے ہمراہ مدرسہ ازہریہ کی وضوگاہ پر گیا۔ تو شیخ نے ایک بڑے برتن سے استنجا کرنا چاہا جس میں اسی لئے پانی رکھا گیا تھا۔ تو آپ اوسکو دیکھکر لوٹ آئے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے طہارت کیوں نہ حاصل کی۔ تو جواب دیا۔ کہ میں نے اوس پانی میں ایک بہت بڑے گناہ کا دھوواں دیکھا اور اوسکو دیکھکر مجھے غیرت آئی۔۔۔ اور میں اوس شخص کو دیکھ چکا تھا جو شیخ موصوف سے قبل استنجا کرنے کے لیئے اوس جگہ آکر چلا گیا تھا۔ پس میں اوس شخص کے پیچھے پیچھے گیا۔ اور شیخ موصوف کے فرمان سے اوسکو مطلع کیا۔ تو اوس نے کہا۔ کہ شیخ سچ کہتے ہیں۔ بیشک میں نے زنا کا گناہ کیا تھا۔ پھر وہ شخص شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور توبہ کی۔ یہ وہ بات ہے جسکا میں نے شیخ سے خود مشاہدہ کیا ہے۔ (اگر کوئی سوال کرے) کہ یہ تو اوس پانی کا ذکر تھا جس کو گنہگار آدمی نے استعمال کیا ہو۔ پس اگر کسی پانی سے کوئی بے گناہ آدمی وضو کرے۔ تو اوس میں کیا حکم ہے۔

(جواب یہ ہے) بہتر یہی ہے کہ اوس پانی کو بھی قائم مقام اوسی پانی کے ٹھیرایا جائے۔ جو خود پاک ہو۔ اور دوسری پلید شئے کو پاک نہ کرے۔ کیونکہ آخر اوس پانی میں بھی نور روحانیت کمزور ہو گئی۔ جبکہ اس نے اوس شخص کے بدن سے اوس امر کو زائل کیا ہو۔ جو اوس کی نماز کی صحت کیلئے مانع تھا۔ جسطرح نابالغ بچے کے مستعمل پانی میں فقہاء یہی کہتے ہیں ✦

(اگر کوئی سوال کرے) تو پھر کیا وجہ ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اوس پانی میں تشدید کو اختیار کیا ہے جس سے حدث کی نجاست حکمیہ کو دور کیا جائے۔ اور اوس پانی میں تخفیف کی ہے جس سے نجاست حقیقیہ کو دور کیا جائے۔ کیونکہ اوسمیں اونکا یہ قول ہے۔ کہ وہ سہ بہنے والی چیز سے بشرطیکہ اوس سے ازالہ ہو سکے دور ہو جاتی ہے

(تو جواب یہ ہے) کہ نجاست حکمیہ یعنی حدث کا دروازہ بہت تنگ ہے۔ اور نجاست حقیقیہ کا دروازہ بہت فراخ ہے۔ اور دلیل یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جوتے کے نعل کے

بارے میں جب وہ نجس ہو جائے۔ یہ فرمایا ہے۔ کہ جب وہ مٹی میں رگڑنے سے صاف ہو جائے۔ تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یا اسطرح کہ اوسکو پہنکر مٹی پر چلے۔ تب بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بعد میں دوسرا قدم اوسکو پاک کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ نجاست کا جسم دور ہو گیا ہو +

(اگر کوئی سوال کرے) کہ اس کی کیا وجہ ہے جس نے کہا ہے۔ کہ نجاست آگ میں جلا دینے سے پاک ہو جاتی ہے +

(تو جواب یہ ہے) کہ اسکی وجہ ایک اور مسئلہ پر قیاس کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گناہگار مومنین کے گناہ پہلے آگ سے دور کر دیئے جائینگے۔ پھر اون کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جسطرح آگ معنوی گناہوں سے پاک کر سکتی ہے۔ اسی طرح نجاست محسوسہ کو پاک کر سکتی ہے۔ پس سمجھ لو

اور میں نے اپنے شیخ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ جس شخص کو اس امر میں کچھ شک ہو۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب بہ نسبت دوسرے اماموں کے مذہب مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنے کے بارے میں از رُوئے اتباع کے زیادہ بہتر ہے تو اوس کو مناسب ہے۔ کہ وہ نہروں اور کنوؤں کے پانی اور غیر مستعمل پانیوں سے وضوء کرکے دیکھ لے۔ کہ اوس سے اعضاء میں کسقدر صفائی پیدا ہوئی۔ مجھے یقین ہے۔ کہ وہ اوس پانی کے استعمال سے اسقدر اپنے اعضاء میں لطافت اور صفائی نہ پائے گا جس میں مختلف لوگوں کے ہاتھ پڑتے ہوں۔

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اسمیں کیا نکتہ ہے۔ جو پہلے پانی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم ہے۔ اور جب پانی موجود نہ ہو۔ تو مٹی سے طہارت حاصل کی جائے۔ یا موجود ہو۔ لیکن اوس کے استعمال کی قدرت نہ ہو +

اور اس کی وجہ یہ نکلی۔ کہ پانی سے طہارت حاصل کرنے کی علت یہ ہے۔ کہ اس سے ہمارے اون اعضاء میں جو کثرتِ معاصی اور غفلتوں کی وجہ سے مُردہ ہو چکے ہیں۔ زندگی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ کیا وہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بعض لوگ اس علت سے ناواقف رہے۔ اسی لئے اونہوں نے یہ کہدیا۔ کہ طہارت میں پانی کا استعمال کرنا محض ایک امر ہے جس کے ارتکاب سے عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ مگر اوس کی علت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

(اگر تم کہو) کہ کیا جسطرح مستعمل پانی میں اماموں کا اختلاف ہے۔ اسی طرح مستعمل مٹی میں بھی اختلاف ہے۔ یا نہیں۔ اور جسطرح پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت اوس میں خطائیں اور معاصی گر جاتے ہیں۔ اسی طرح مٹی سے تیمم کرتے وقت اوسمیں گناہ جھڑتے ہیں یا نہیں

(جواب یہ ہے) کہ ہم نے اوس کے متعلق کوئی قابلِ اعتماد امر دیکھا نہیں۔ اور شاید اسکی وجہ یہ ہو۔ کہ مٹی کی روحانیت ضعیف ہے۔ اور جو شخص علماء کے کسی کلام میں مستعمل مٹی کے اندر مستعمل پانی کی طرح گناہوں وغیرہ کے گر جانے کا قول دیکھے۔ تو اوسکو میری اس کتاب کے موقعہ سے لاحق کر دے۔ (یہ طریقہ ہے مجتہدین کے باہمی نزاعوں کی معرفت کا والحمد للہ رب العالمین

ساتواں قول وہ ہے جس کے تینوں امام قائل ہیں۔ کہ اوس پانی سے طہارت حاصل کرنا منع ہے جس میں کسی پاک شے (مثلاً زعفران وغیرہ) کے گر جانے کی وجہ سے بہت تغیر آ گیا ہو۔

حالانکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس قسم کے پانی سے طہارت حاصل کرنا صحیح ہے۔ بشرطیکہ وہ پاک چیز اوس پانی میں پکائی نہ گئی ہو۔ اور نہ وہ پانی کے اجزاء پر غالب ہو۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ تو میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ اوس قسم کے پانی کی روحانیت کمزور ہے۔ اسلئے وہ اعضا میں زندگی یا لطافت پیدا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جو شخص ایسے پانی سے طہارت حاصل کرے وہ ایسا ہے۔ جیسے طہارت حاصل نہیں کی۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ مطلق پانی کی روحانیت قوی ہے۔ مگر ہاں جب پانی کی طبیعت اوس میں نہ رہے۔ مثلاً کوئی پاک چیز پانی میں پکائی جائے۔ یا اوس میں اسقدر تغیر ہو جائے کہ پانی کے اجزاء مغلوب اور دوسری چیز غالب ہو جائے۔ تو اوسوقت روحانیت ضعیف ہو جائیگی۔ لہٰذا اوس سے تطہیر بھی درست نہ ہو گی۔

اور یہ حدیث کہ پانی پاک ہے۔ اوسکو کوئی شے پلید نہیں کر سکتی۔ مگر وہ شے جو پانی کے مزے رنگ یا بو پر غالب آ جائے۔ پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔

اور اہل کشف نے حدیث کو مطلق رکھا ہے۔ یعنی پانی ہمیشہ ہمیشہ پاک ہی رہتا ہے چاہے اوس میں کوئی پاک شے ملکر تغیر پیدا کرے یا نہ کرے۔ اور اونہوں نے یہ کہا ہے۔ کہ مطلق کو مقید بنانے کی حاجت نہیں۔ اور وجہ یہ ہے۔ کہ پانی ایک ایسی چیز ہے جس کی ذات میں کوئی شے داخل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب پانی میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے۔ تو اون دونوں کے درمیان برزخ کیطرح ایک شے ہوتی ہے۔ جو ایک کو دوسرے کے اندر داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہو۔ تو وہ دو چیزیں نہ رہنی چاہئیں۔ مگر چونکہ جب ہم اوس پاک پانی کو چلو میں لیتے ہیں۔ تو اوس کے ساتھ ہی وہ دوسری چیز بھی چلی آتی ہے۔ اس لئے اوس کے استعمال سے ہم رکتے ہیں۔ اور اسی لئے اوس پر نجس ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور درحقیقت اہل کشف اور غیر اہل کشف میں اختلاف صرف علت کا ہے۔ اہل کشف تو کہتے ہیں۔ کہ اوس پانی کے استعمال سے اس لئے منع کیا گیا ہے۔ کہ جب ہم اوس پانی کو چلو میں لینگے۔ تو اوس کے ساتھ وہ شے بھی چلی آئیگی۔ جو نجس ہے۔ اگرچہ وہ پانی بذاتِ خود نجس نہیں۔ اور غیر اہل کشف اوس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ پانی بذاتِ خود نجس ہے

آٹھواں قول وہ ہے جسپر تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ پانی اگر زیادہ زمانہ تک کسی جگہ ٹھیرے رہنے کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہو۔ تو اوس سے طہارت حاصل کرنے میں کچھ نقصان نہیں۔ حالانکہ محمد بن سیرین کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اوس سے طہارت

حاصل نہیں کرسکتے - پس پہلے قول میں تخفیف ہے - اور دوسرے میں تشدید - اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ اوس پانی میں کوئی ایسی شے پیدا نہیں ہوئی جس سے اوس کی روحانیت میں کمزوری پیدا ہوگئی ہو - اور دوسرے قول کی علت یہ ہے - کہ نفس تغیر تو پیدا ہوگیا - لہٰذا وہ پانی ایسا ہے - جیسا کھانا زیادہ دیر رکھے رہنے کی وجہ سے بُس جاتا ہے - اور اوس کو شرع اور عرف دونوں میں مکروہ سمجھا جاتا ہے - پس جس طرح اوس کھانے کا کھانا درست نہیں - اسی طرح اوس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں +

نواں قول وہ ہے - جو تینوں اماموں کے نزدیک مسلّم ہے - اور وہ یہ ہے کہ آفتاب اور آگ میں نجاست کے پاک کرنے کی تاثیر نہیں - حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ ہے کہ آفتاب اور آگ دونوں چیزیں بعض وقت بعض اشیاء کو پاک کرسکتی ہیں - چنانچہ اون کے نزدیک مُردار کی کھال خشک ہوجانے سے پاک ہوجاتی ہے - اگرچہ اوسکو مصالح وغیرہ لگاکر آگ سے پکایا نہ گیا ہو - اسی طرح جب نجس زمین آفتاب سے خشک ہوجاتی ہے تو وہ پاک ہوجاتی ہے - اور اوسپر نماز درست ہوتی ہے - لیکن تیمم اوس سے صحیح نہیں ہوتا - کیونکہ کسی شے کے فی نفسہ پاک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا - کہ وہ دوسری چیز کو بھی پاک کرسکے - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرے میں تخفیف -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ طہارت میں اصل یہ ہے کہ چاہے حدث سے ہو - یا نجاست سے بہرحال اوسکا آلہ پانی ہو +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ مقصود اوس نجاست کے جسم کا زائل ہونا ہے - اور وہ جسطرح پانی سے زائل ہوکر ہمیں حاصل ہے اسی طرح زمانہ کے طویل ہوجانے میں ۔

اور دوسری دلیل یہ ہے - کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اوس عورت کو فرمایا جسکا کپڑا لمبا ہونے کی وجہ سے نیچے زمین پر گھسٹتا تھا - کہ جب اوس کو نجاست لگ جائے - تو اوسکو دوسری شے جسپر وہ گھسٹیگا - پاک کردیگی - پس سمجھ لو -

دسواں قول وہ ہے - کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ - اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ پانی قلیل جو جاری نہ ہو نجس ہے - جب کہ قلتین کی مقدار کو نہ پہونچا ہو - اور اوس میں کوئی نجاست گرجائے - اگرچہ پانی میں کچھ تغیر نہ ہوا ہو -

حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ کہ وہ پاک ہے - بشرطیکہ پانی میں کچھ تغیر نہ ہوا ہو - اور اگر کچھ تغیر آگیا ہو - تو وہ نجس ہے - اگرچہ قلتین کی مقدار کو پہونچ گیا ہو - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرے میں تخفیف -

اور جاری پانی میں بھی یہی اختلاف ہے - کیونکہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک اوس پانی کی مثل ہے - جو بند اور رکا ہوا ہو - اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں بھی یہ دوسرا قول ہے - اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے - کہ جاری پانی بدون تغیر کے نجس نہیں ہوتا - اب وہ تغیر خواہ قلیل ہو - یا کثیر - اور مذہب شافعیہ کے ایک گروہ نے اسی کو

پسند کیا ہے۔ جیسے امام بغوی اور امام الحرمین اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔

اور اس مسئلہ میں قول مشدد کی علت یہ ہے کہ کچھ تو نجاست موجود ہے ہی۔ لہذا ہم کو اس سے بچنا چاہئے۔ اگرچہ نظر نہ آئے۔ کیونکہ خدا تعالے کا ادب اسی کو متقاضی ہے۔ کہ ہم اوس کی روبرو ایسی حالت میں کھڑے ہوں۔ کہ میلے کچیلے پانی سے طہارت حاصل کی ہو۔ کیونکہ پوشیدہ شے اوسکو اس طرح معلوم ہے جسطرح ہم کو ظاہری شے اور یہی علت اوس قول کی ہے۔ جو اوس سے پہلے ہے۔ پس جس شخص نے تشدید کی ہے۔ اوس نے خدا تعالے کے علم کا لحاظ کیا ہے۔ اور جس نے تخفیف کی ہے۔ اوس نے بندوں کے علم کی رعایت کی ہے۔ پس سمجھ لو۔

گیارھواں قول وہ ہے جس کے چاروں امام قائل ہیں۔ اور وہ یہ کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کھانے پینے کے علاوہ اور کاموں میں بھی مردوں اور عورتوں پر حرام ہے۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول۔ اور امام داؤد کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اون کا استعمال صرف کھانے اور پینے میں حرام ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دین میں امت کے لئے اوس امر کو لینا جس میں احتیاط زیادہ ہو۔ امت پر شفقت کا باعث ہے۔ کیونکہ جو شخص اون برتنوں سے وضو کرے۔ اور دل میں اوس کے تکبر ہو۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اون برتنوں میں کھانے والا۔

(یعنی جسطرح اون برتنوں کے کھانے پینے کے استعمال میں لانے سے تکبر پیدا ہوتا ہے اسی طرح دوسرے استعمالوں میں لانے سے بھی۔ مثلاً اون برتنوں سے وضو کرنے میں)

اور ایک اوس شخصکو جو اپنے بدن کو پاک کرتا ہو۔ یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ وہ متکبر اور خود پسند ہو۔ کیونکہ طہارت نماز کی کنجی ہے۔ اور نماز خدائے عزوجل کی حضوری میں ہوتی ہے۔ اور اہل کشف کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ اوس شخص کو خدا تعالے کے حضور میں داخل ہونا درست نہیں جس کے قلب میں کچھ بھی تکبر ہو۔ بلکہ وہ شخص اوس کے قرب سے اسطرح راندہ ہے جسطرح ابلیس لعین۔ پس سمجھ لو۔

رہا اون برتنوں کا استعمال وضو کے علاوہ اور کاموں میں۔ تو وہ بدرجۂ اولے درست ہوگا۔ کیونکہ جب عبادت کے موقعوں پر اون کا استعمال احتیاطاً ترک کیا گیا۔ تو غیر عبادت میں بدرجۂ اولے متروک ہونا چاہئے۔ پس سمجھ لو۔

بارھواں قول وہ ہے۔ جس کے تینوں امام قائل ہیں۔ اور وہ یہ کہ اوس برتن کا استعمال جس کے کناروں پر خوب چاندی زینت کے لئے لگائی گئی ہو۔ حرام ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اوس کے مطلقاً جواز کا اوس کے مخالف ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔

اور پہلے قول کی وجہ وہی ہے۔ جو اوپر گذری یعنی امت پر دین میں کامل شفقت کرنا۔ اسطرح جو شخص ایسے برتن کا استعمال کریگا جس کے کناروں پر چاندی یا سونا ہو۔ اوسپر یہ صادق آئیگا

کہ اوس نے ایسے برتن کا استعمال کیا جس کے بعض اجزا چاندی کے ہیں - اور تقوے کا مقتضا یہی ہے - کہ ایسے برتن سے اسی طرح اجتناب کیا جائے - جسطرح کامل چاندی کے برتن سے اور دوسرے قول کی وجہ اتنی سی بات سے درگذر کرنا ہے ٭

تیرھواں قول یہ ہے - جس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے - کہ مسواک کرنا مستحب ہے - لیکن امام داؤد رحمتہ اللہ علیہ اوس کے وجوب کے قائل ہیں - اور امام اسحاق ابن راہویہ تو اس سے بھی بڑھکر یہ کہتے ہیں - کہ جس نے قصداً مسواک کو ترک کر دیا - اوس کی نماز باطل ہے بالخصوص اوسوقت کہ جب منہ کی بدبو سے پاس کے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو - پس پہلے قول میں تخفیف ہے - اور دوسرے میں تشدید -

اور دونوں قولوں کی دلیل رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے - کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی اُمت پر مشقت کا ڈالنے والا ہو جاتا - تو اون کو مسواک کرنے کا حکم دیتا - حکم سے مراد وجوبی حکم ہے - کیونکہ اوسوقت حکم کے وجوب کے لئے ہونیکا احتمال ضرور ہوتا - لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر رحمت کی جو اوس حکم کو ترک فرما دیا - تو گویا آپ نے اپنے فرمانِ مذکور سے اِسطرف اشارہ کر دیا - کہ مسواک کرنا اوس شخص پر واجب ہے جسکو اوس کے کرنے میں کچھ مشقت نہ ہو - اسی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں - کہ جسکو اوس کے کرنے میں کچھ مشقت نہ ہو - اوسپر مسواک کرنا واجب ہے - اور جس پر مشقت ہو اوسپر واجب نہیں ہے -

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اللہ تعالےٰ سے مناجات کرتے وقت کمال تعظیم اور ادب ملحوظ رہنا چاہئیے - اور وہ خاص ہے اون بڑے بڑے علماء اور صالحین کے ساتھ - جن پر مسواک کرنا شاق نہیں - جبکہ وہ خدا تعالےٰ کی عظمت اور اپنے مقامِ خدمت کا مشاہدہ کرتے ہیں - بلکہ بعض دفعہ اونپر مسواک ترک کر دینا بار گذرتا ہے -

اور پہلے قول کی وجہ اون لوگوں کے مقام کی رعائت رکھنا ہے - جو جاہل ہیں - اور خدا تعالےٰ کی اوس عظمت کے مشاہدہ سے محجوب ہیں - اور وہ نہیں جانتے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کے مقام حضرت اور اوسکی مناجات کا وقت کس کس ادب کا مستحق ہے - کیونکہ ایسے لوگوں پر مسواک کا واجب کر دینا مشقت سے خالی نہیں - کیونکہ یہ لوگ اوس مقام سے ناواقف ہیں اور اون کے قلب پر اوس عظمتِ خداوندی کی تجلی نہیں ہوتی - جو علماء اور صلحاء پر روزِ روشن کیطرح ظاہر رہتی ہے - اور یہ بات ایسی ہے جیسے علماء کا یہ قول کہ حسنات الابرار سیئات المقربین عام مخلوق کی نیکیاں مقبولانِ الٰہی کی برائیاں ہیں ٭

چودھواں قول یہ ہے - کہ روزہ دار کے لئے زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ نہیں یہی قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے - اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ایک روائت عدم کراہت ہی کی ہے - اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی دوسری روائت میں مکروہ ہے - پس پہلے قول میں تخفیف ہے - اور دوسرے میں تشدید - اور پہلے قول کی وجہ ایک مسلمان کی رعائت کرنا ہے - کہ وہ اپنے ہمنشین سے

تکلیف۔ اور کوئی شخص اوس کے منہ کی بدبو سے اذیت نہ پاوے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے پہلے اوس چیز کا زائل کرنا ضروری ہے۔ جس سے پاس کے بیٹھنے والے کو اذیت پہونچے۔ نیز روزے دار کو بعد زوال خدائیتعالے کی ملاقات کے لئے آمادہ ہوجانا ضروری ہے۔ اسی کا نام ملاقات اصغر ہے۔ پس لابدی ہے۔ کہ پہلے پاک وصاف لطیف ونظیف بنجاوے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ روزے دار کے لئے دو فرحتیں ہیں۔ ایک وہ خوشی جو افطار کے وقت ہوتی ہے۔ دوسری وہ جو خدائیتعالے سے ملاقات کے وقت ہوگی۔) +

اگرچہ حق تعالے درحقیقت اس سے کچھ تکلیف نہیں پاتا ہے۔ کیونکہ یہ اوسی کی پیدا کرہ ہے۔ لیکن اکثر شرع کو عُرف کے تابع کردیا جاتا ہے۔ اور چند احادیث بھی ایسی مروی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدائیتعالے کو تکلیف پانے کی صفت سے موصوف کرنا جائز ہے جسطرح بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ (خدائیتعالے سے زیادہ اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں) اسی طرح دوسری حدیث قدسی میں ہے۔ کہ جس نے میرے دوست کو تکلیف دی۔ گویا اوس نے مجھ ہی کو تکلیف دی +

اور ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدائیتعالے کی طرف اس قسم کی صفات کے نسبت کرنے سے مراد اون کے انجام اور غایات ہیں۔ چنانچہ ابواب فقہ میں جو اس کا موقعہ ہے۔ پوری تفصیل موجود ہے۔ پس سمجھ لو۔

اور دوسرے قول کی وجہ روزے کے اندر رغبت دلانا ہے۔ اور اس بات کا بتلانا کہ اس قسم کی بو طریق عبادت میں پسندیدہ ہے۔ جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض شہیدوں پر اس غرض سے نماز ترک کردیتے تھے۔ تاکہ بزدلوں کو جہاد کی رغبت ہو۔ کیونکہ وہ خیال کرینگے۔ کہ جب شہید کو شہادت بذاتِ خود عمدہ مقام کیطرف لیجاتی ہے۔ تو وہ اس کا محتاج نہیں۔ کہ اوس کے لئے کوئی شخص مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔ پس جہاد جیسی عمدہ شے کو ہم کیونکر ترک کردیں۔ لہٰذا جہاد کرنے کے لئے اوس کے قلب میں تحریک پیدا اور وہ بزدلی کافور ہوجائیگی۔ پس اسکو خوب جان لو۔ اور اللہ تعالے سب سے زیادہ جاننے والا ہے +

باب نجاست کے بیان میں

اماموں کا شراب کے نجس ہونے میں اتفاق ہے۔ صرف امام داؤد سے روائت ہے کہ وہ حرام تو ہے۔ لیکن نجس نہیں بلکہ پاک ہے۔ اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ شراب اگر خود بخود سرکہ ہوجاوے۔ تو وہ پاک ہوجاوے گی۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ٹڈی اور مچھلی کا مردار پاک ہے۔ اور جنبی اور حیض والی عورت اور مشرک اگر اپنا ہاتھ تھوڑے سے پانی میں ڈبو دے تو پانی پاک ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ جو تری معدہ سے نکلے

وہ ناپاک ہے - صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے مخالف ہیں - یہانتک اس باب کے مسائل اتفاقیہ ختم ہوئے - اور جن جن مسائل میں آئمہ کا اختلاف ہے اون میں سے

پہلا قول وہ ہے جس کے چاروں امام قائل ہیں - اور وہ یہ کہ شراب نجس ہے - حالانکہ امام داؤد کا قول اس کے خلاف ہے - اور وہ یہ کہ شراب پاک تو ہے - لیکن نجس نہیں - چنانچہ گذرا - پس پہلے قول میں تشدید - اور انتہا درجہ کی ڈانٹ ہے - اور دوسرے قول میں اس اعتبار سے تخفیف ہے - کہ اوس سے (جب بدن یا کپڑے کو لگ جائے) پاکی حاصل کرنا واجب نہیں - کیونکہ اوسکا حرام ہونا اسکو مستلزم نہیں - کہ اوسکا عین نجس ہو - جسطرح جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب چیزیں اپنی صفت کے اعتبار سے نجس ہیں ؛

مترجم کہتا ہے - کہ فال کھولنے کے لئے عرب لوگوں کی یہ عادت تھی - کہ تیروں پر افعل اور لاتفعل لکھ دیتے تھے - پھر اون کو ترکش میں ڈالدیتے - فال کھولتے وقت اون میں سے ایک تیر نکالتے اگر افعل والا نکلتا - تو اوس کام کو کرتے - اور اگر لاتفعل والا نکلتا - تو اوس کام کو نہ کرتے - اور اگر سادہ تیر نکلتا - تو پھر دوبارہ کھولتے - آجکل اس قسم کی قرعہ بازی فرقہ شیعہ میں رائج ہے جسکا نام اونہوں نے استخارہ ذات الرقاع رکھا ہے - اس کو قرآن مجید میں خدا تعالے نے گندی بات بتلایا ہے - یعنی حرام ہے) اور خدا تعالے کا یہ قول بھی - کہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ سوا اسکے نہیں کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں - اوسی قبیلہ سے ہے (یعنی اون کا عین نجس نہیں - بلکہ وہ اپنی صفت کے لحاظ سے ناپاک ہیں) لہذا میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے - اگرچہ دوسرا قول نہایت ضعیف ہے - پس سمجھ لو ؛

دوسرا قول وہ ہے جس کے امام شافعی صاحب اور امام احمد اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم قائل ہیں - اور وہ یہ کہ کتا نجس ہے - اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اوس کے پاک ہونیکا مخالف ہے - پس پہلے قول میں دو اعتبار سے تشدید ہے - ایک تو اوسکی ناپاکی کے اعتبار سے - دوسری اس اعتبار سے - کہ اگر وہ کسی پاک برتن وغیرہ کو چاٹ لے - تو اوس کے پاک کرنے کے لئے سات مرتبہ دھونا چاہئے - سوائے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کہ اون کے نزدیک ایک مرتبہ دھو دینا کافی ہوتا ہے - بشرطیکہ اوسکی نجاست کا اثر اور نشان جاتا رہے - ورنہ اگر نشان نہ جاوے - تو جب تک اوس کے جاتے رہنے کا گمان غالب نہ ہو جائے - اوسوقت تک دھونا ضروری ہے - اگرچہ تین یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ دھونا پڑے - سات دفعہ کی کوئی قید نہیں جسطرح باقی نجاستوں میں یہی طریقہ ہے - اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اوس برتن کو پاک کہتے ہیں - لیکن اوس کے سات مرتبہ دھونے کو ضروری فرماتے ہیں - نہ اوس کے نجس ہونے کی وجہ سے - بلکہ ایک ایسا افعل سمجھکر جس کے ارتکاب سے عبادت کا ثواب ملتا ہے - یہی حکم اوس وقت بھی ہے - کہ جب کتا اپنا کوئی عضو برتن میں ڈالدے - کیونکہ یہ بھی مثل چاٹنے ہی کے ہے اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خلاف ہے - کیونکہ اون کے نزدیک صرف منہ ہی ڈالنے سے سات مرتبہ دھونا ضروری ہوتا ہے ؛

جو یہ کہتے ہیں کہ کُتا اپنی ذات اور صفت دونوں اعتبار سے ناپاک ہے۔ اوس کی علت یہ ہے۔ کہ صفت کا ذات سے جُدا ہونا ممکن نہیں۔ اور جو کہتے ہیں۔ کہ اوس کی ذات پاک ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اصل اشیا میں پاک ہونا ہے۔ اور نجاست ایک عارضی شے ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے قدوس ظاہر کے موجود کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ادب اسی کے اندر ہے کہ اوسکو پاک کہا جائے لیکن جب ہم نے دیکھا۔ کہ اوس کے پس خوردہ کا استعمال بدن یا دین میں نقصان پہونچاتا ہے۔ تو ہم نے اس سے اجتناب اختیار کیا۔ اور اہل کشف کا اسپر اتفاق ہے کہ کُتے کے جھوٹھے سے کھانا پینا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ یہانتک کہ اوس کے استعمال سے بندہ نہ وعظ و نصیحت کیطرف راغب رہتا ہے۔ اور نہ نیک کاموں کا شوقین۔ اور ایک شخص نے جو مالکی المذہب تھا اسکا تجربہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اوس نے اوس دودھ کو پی لیا جس میں سے کُتے نے بھی کچھ پی لیا تھا۔ تو نو ماہ برابر اوسکا قلب خیرہ سے ہٹتا رہا۔ یہانتک کہ ہلاکت کے قریب ہو گیا۔ اور ظاہر امر ہے کہ جس چیز کا یہ اثر ہو۔ اوس سے اجتناب لازمی ہے۔ اور کُتے کو نجس کہنا درست ہے خواہ ذات مع صفت کے مراد ہو۔ یا صرف صفت جسطرح خدا تعالےٰ نے مشرکوں کو اون کی صفت کے اعتبار سے نجس فرمایا ہے۔ اور وہ صفت کفر ہے اور شرک ہے۔ البتہ اون میں سے جب کوئی مسلمان ہو جائے۔ تو وہ ضرور پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر اون کی ذات نجس ہوتی۔ تو اسلام سے پاک ہرگز نہ ہوتے۔ کیونکہ ذات بعد اسلام کے بھی وہی ہے اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ ہمارے پاس کُتے کے عین نجاست ہونے سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں۔ کہ شارع نے اوس کے فروخت کرنے اور اوس کی قیمت کو صرف میں لانے سے منع فرمایا ہے۔ اور صفت کے اعتبار سے اوس کے نجس ہونے میں کچھ کلام نہیں کیونکہ اوس کا پس خوردہ دل کو مُردہ کر دیتا ہے۔ پس اوس سے ایسا ہی اجتناب واجب ہے جس طرح سانپوں کے زہر سے بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ بدن کو ضرر پہنچاتا ہے۔ حالانکہ اوس کی ذات کے پاک ہونے کا قول مشہور ہے۔ بلکہ کُتا اور زیادہ اس کے لائق ہے کہ اوس کے پس خوردہ سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ وہ دین کے اندر بھی ضرر رسانی کرتا ہے۔ شیخ مذکور کا قول ہے۔ کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔ کہ کُتے کو اوسکی صفت اور اثر کے اعتبار سے نجس کہا جائے۔ اور ذات کے اعتبار سے پاک۔ جسطرح خدا تعالےٰ نے مشرکوں کو نجس فرمایا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جُوے بت وغیرہ کو۔ اور قرعہ کے تیروں کو۔ حالانکہ علماء کا اسپر اجماع ہے۔ کہ مشرک کا بدن ناپاک نہیں ہے۔ اسی طرح جوے کے آلات اور بُت اور تیر۔

شیخ مذکور نے فرمایا ہے۔ کہ چونکہ کُتے کا جھوٹا دل کو جس پر جسم کی زندگی کا مدار ہے مُردہ کر دیتا ہے۔ یا ضعیف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ قلب مواعظ اور نصائح کے قبول کرنے سے رُک جاتا ہے۔ اور یہی چیزیں دخول جنت کا سبب ہیں۔ تو اسلئے شارع نے اوس کی پلیدی دُور کرنے میں مبالغہ کا حکم فرمایا کہ اوسکو سات مرتبہ دھوؤ۔ اون میں ایک دفعہ مٹی سے دھونا چاہیئے۔ تاکہ اوسکی پلیدی کا اثر بالکل زائل ہو جائے۔ کیونکہ جب مٹی اور پانی جمع ہو جاتے ہیں تو کاشت کو اُگا دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کُتے کے جھوٹے کو شارع کا سات مرتبہ دھونیکا

حکم دینا اوس کے جسم کے پاک ہونے کے منافی نہیں جسطرح سانپ زہردار۔ جیساکہ گذرا۔ تو محض
شفقت دینی اور رحمت کی غرض سے شارع نے اوس کے دھونے کے حکم میں اسطرح مبالغہ فرمایا
ہے۔ کہ ایک مرتبہ مٹی سے رگڑنے کا بھی ارشاد فرمایا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اوسکی صفت کو نجس کہنا اسکے منافی نہیں
کہ اوس کے جسم کو پاک کہا جائے۔ کیونکہ وہ صفت اوس کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتی انتہی
پس جس طرح امام شافعی علیہ الرحمۃ اور جو اون کے موافق ہیں کتے کو اوس کی ذات اور صفت
دونوں کے اعتبار سے نجس کہتے ہیں۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اون کے موافق کتے
کو ذات اور صفت دونوں کے اعتبار سے پاک کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جسطرح امام شافعی رح مجازاً
قول کرینگے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی تغلیباً کہدینگے۔ اور وجہ یہ ہے۔ کہ جیسے صفت
موصوف سے جدا نہیں ہوتی۔ اسیطرح موصوف بھی صفت سے منفک نہیں ہوتا۔ چنانچہ اور
اور میرے بھائی افضل الدین کا قول ہے۔ کہ کتے کے بارے میں تحقیق یہ ہے۔ کہ اوس
کی ذات تو پاک ہے۔ لیکن صفت پلید ہے ✤

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ کہ جو لوگ کتے کے خراب کئے
ہوئے برتن کے دھونے کو واجب یا مستحب کہنے کی علت اسوجہ سے غیر معقول بتلاتے ہیں
کہ اکثر لوگ اوسکو سمجھتے نہیں۔ تو اونپر کچھ اعتراض نہیں۔ اسلئے کہ واقعی امر یہی ہے۔ کہ جس ح
کا انکشاف خدا تعالےٰ نے مجھ پر فرمایا ہے۔ اوس سے بجز بعض اہل کشف کے اور کوئی واقف
نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کی علت غیر معقول کہنے والوں کو یہ الزام دیا ہے۔ کہ ا
کہنے سے لازم آتا ہے۔ کہ شارع نے امت سے ایسی بات کا خطاب کیا ہے جس کے معنے
سمجھ میں نہیں آتے۔ اور اس سے نعوذ باللہ شارع عبث فعل سے موصوف ہونے کا دا
لگتا ہے۔ جس سے شارع کا مرتبہ بہت برتر ہے۔ اودھر خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی ا
علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا ہے۔ کہ آپ لوگوں کو وہ تمام امور ظاہر کردیں۔ جو خدا تعالےٰ
اون کی طرف اتارے ہیں۔ اور ظاہر کرنے سے مراد تبلیغ ہے۔ جسکا مقتضا یہ ہے۔ کہ آپ
اون کو خدا تعالےٰ کے ارشادات لفظ او معنے دونوں اعتبار سے سمجھا دیں۔ تاکہ پھر اونکے اند
لوگوں کو کسی قسم کا اشتباہ اور التباس باقی نہ رہے۔ اور پھر باریتعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ یعنی پس اگر تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا نہ کریگا۔ یعنی خدا تع
کے ارشادات لوگوں تک اچھی طرح نہ پہنچائے۔ تو اوس کی رسالت کی تو نے تبلیغ نہ کی۔ (جب
لئے تم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے) اور خدا تعالےٰ کے کرم سے آپ عدم بیان کی خطا
سے معصوم ہیں۔ انتہی ✤

(میں کہتا ہوں) کہ اس الزام کی تردید باینطور ممکن ہے۔ کہ اس قسم کے امور اور ارشادا
شارع کبھی بعض لوگوں کے ایمان کے امتحان کی غرض سے بھی ہوتے ہیں۔ کہ دیکھیں یہ لوگ
باوجود اس حکم کی علت فہم میں نہ آنے کے اس فعل کی بجا آوری کیطرف سبقت کرتے ہیں یا تاو
اوس کی علت کے سے واقف نہ ہو جائیں۔ اوسوقت تک اوس کی بجا آوری میں توقف کرتے ہیں

اہل کشف کا بیان ہے۔ کہ جب کسی امر پر بدوں اوسکی علت سمجھے ہوئے عمل کیا جاتا ہے۔ تو وہ باعتبار ثواب کے بڑا اور مقام ایمان میں قوی ہی ہوتا ہے بہ نسبت اوس عمل کی جسکی علت معلوم ہو چکی ہو۔ کیونکہ دوسری صورت میں بسا اوقات مکلف کو اوس کی بجا آوری کے لئے صرف اوس کی علت آمادہ کرتی ہے۔ نہ صرف خدا تعالےٰ اور رسول کے فرمان کی اطاعت کرنا۔ اور یہ مقام کمال میں بہت بڑا نقص ہے واللہ اعلم بالصواب ٭

اور میں نے شیخ مذکور سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ جو شخص کتے کے پاک ہونیکا قائل ہے۔ اوس میں بھی قدرت نہیں ہے۔ کہ وہ اوس منصوص حکم کی تردید کر سکے۔ جو اوس کے خراب کردہ برتن وغیرہ کے دھونے کے بارہ میں وارد ہے۔ بلکہ وہ بھی اوسپر عمل کرنے کو لازم کہیگا۔ البتہ علماء کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا ہے۔ وہ صرف یا تو اوس حکم کی علت میں ہے یا سات مرتبہ دھونے اور نہ دھونے میں۔ اور یہ علت اور عدد کا اختلاف دین میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا۔ اِسلئے کہ جو شخص اوس کے طاہر ہونے کا قائل ہے۔ وہ اسکا بھی قائل ہے کہ برتن وغیرہ کو دھویا ضرور جاوے۔ جو ترکیب دھونے کی شارع نے بتلائی ہے۔ اوسی طریقہ سے۔ رہا یہ کہ سات مرتبہ دھونا لازم ہے۔ یا نہیں۔ سو اوس کے امر کو ہم نے اگرچہ استحباب کے لئے قرار دیا ہے۔ لیکن اجتہاد کو گنجائش ہے۔ کہ وہ اوس امر کو وجوب کے لئے تسلیم کرے۔ جیسا کہ قائلین نجاست کا مسلک ہے۔ پس جان اسکو۔ کیونکہ یہ مضمون نہایت نفیس ہے۔ اور ہم نے اس بارہ میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا ہے جس کے اندر ہم نے باریک باریک سوالات اور اون کے جوابات ذکر کئے ہیں

اور اس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اہل کشف اور اہل نقل دونوں حضرات اس امر میں متفق ہیں۔ کہ کتا نجس ہے۔ اور اوس کی وجہ سے شے طاہر کا جو اوس نے خراب کردی ہو دھونا لازمی ہے۔ اور اختلاف صرف اوسکی علت میں ہے۔ اور یہ بات تم کو معلوم ہے۔ کہ علت میں اختلاف ہونا احکام کے اندر کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا۔ پس اہل کشف اکے نزدیک اوس کی اصلی علت کتے کی صفت کا نجس ہونا ہے۔ اِسلئے کہ وہ دِل کو ایسے ہی مُردہ کر دیتی ہے۔ جسطرح شراب اور جُوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر اور اوسکو روزہ اور نماز اور یاد خدا سے روکتی ہے ٭

اور غیر اہل کشف کے نزدیک اوسکی علت یا کتے کی ذات اور صفت دونوں کا نجس ہونا ہے اور اون لوگوں کے نزدیک جو اوس کی ذات اور صفت دونوں کو پاک کہتے ہیں۔ اوس حکم کی علت غیر معقولہ ہے۔ اور وہ حکم ایک تعبدی شے ہے۔ اور اس کے اندر جو خرابی ہے۔ وہ ظاہر ہے کہ وہ یہ کہ اوس برتن وغیرہ کو شارع کا سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمانا اسکو تقاضا کرتا ہے۔ کہ وہ نجس ہو اور ضرور تقاضا کرتا ہے۔ ورنہ لازم آئیگا۔ کہ نعوذ باللہ شارع کا کلام عبث ہو۔ پس ضرور ہے کہ اوس کے نجس ہونے کو تسلیم کیا جائے۔ یا ذات کے اعتبار سے۔ یا صفت کے۔ انتہیٰ

تکملہ اقول وہ ہے جس کے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ قائل ہیں۔ اور وہ یہ کہ خنزیر نجس ہے۔ اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اوس کی وجہ سے سات دفعہ دھونا ضروری ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ اوسی کی مثل جسطرح کتے کے حکم میں گذرا

مخفی اور باطنی امور ٭

ساتواں قول امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کپڑے اور بدن کو خون لگ جائے۔ تو ایک درہم کی مقدار کے موافق معاف ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمتہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک درہم کی مقدار معاف نہیں ہے۔ یہ مسئلہ امام شافعی صاحب کا رسالہ جدیدہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح اون کے رسالہ قدیمہ میں لکھا ہے۔ کہ ہاتھ کی ہتھیلی سے کم مقدار معاف ہے اور اوس کے برابر معاف نہیں پس پہلا اور تیسرا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

آٹھواں قول امام شافعی علیہ الرحمتہ کا ہے۔ اور وہ یہ کہ آدمی کے سوا سب مُردار جانوروں کے بال اور اونکا اون اور صوف نجس ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہما کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ پاک ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تو یہانتک بڑھے ہیں۔ کہ اونہوں نے سینگ اور دانت اور ہڈی اور پَر کو بھی پاک کہا ہے۔ کیونکہ ان سب اشیاء میں روح نہیں ہے اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بال اور اُون مطلقاً پاک نہیں۔ خواہ اوس جانور کے ہوں جسکا گوشت کھایا جاتا ہے۔ یا اوس کے جسکا گوشت نہیں کھایا جاتا پہلے کی مثال جیسے چوپائے۔ اور دوسرے کی مثال جیسے کتا اور گدھا۔ اسی طرح امام اوزاعی کا قول بھی مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بال وغیرہ سب نجس اشیاء ہیں جو دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں پس پہلے قول میں تشدید۔ اور دوسرے میں اور اوس کے بعد والے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا یہ قول کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی تم پر مُردار حرام کیا گیا ہے۔ عام ہے۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ آیت کا طرز اور اوس کی روش یہ بتلاتی ہے۔ کہ میتہ سے وہ چیز میتہ کی مراد ہے۔ جو کھانے میں آتی ہے۔ نہ وہ جو کھانے سے بچ رہتی ہے۔ اور ان سب اشیاءِ مذکورہ کے کھانے کی عادت نہیں ہے۔ بلکہ کھانے کے سواء دوسرے کاموں میں لائی جاتی ہیں۔ مثلاً پہننا بچھانا۔ اگرچہ امام اوزاعی کے سوا سب کے نزدیک بغیر دھوئے کام میں لا سکتے ہیں ٭

علاوہ بریں تحقیق یہ ہے کہ بال اور پَر اور ان کی مثل چیزوں کے لئے حیوان کے زمانۂ زندگی میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔ اِسلئے کہ وہ نمو کرتا ہے۔ اور ایک قسم کی موت بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اس اعتبار سے کہ انسان ہو یا کوئی اور جاندار ان سب چیزوں کے کاٹنے سے متاثر نہیں ہوتا۔ پس سمجھ لو ٭

نواں قول امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور وہ یہ کہ خنزیر کے بالوں سے جوتا سینا درست ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اسکو منع اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ مکروہ کہتے ہیں۔ اور امام خرقی رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ میں اُسکو سِتی کے لئے زیادہ پسند کرتا ہوں پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید۔ اور تیسرے اور چوتھے میں بھی ایک قسم کی تشدید ہے۔ بشرطیکہ امام احمد کی کراہت سے مراد عدم جواز نہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا

انتفاع حاصل کیا جا سکتا ہے چاہے اوسکو دباغت بھی نہ دی ہو۔ پس پہلا قول اسوجہ سے کہ اوس میں دباغت شرط ہے۔ اور مستثنیات کثیر ہیں مشدد ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس شئے کو شارع نے نجس تبلایا ہو۔ اوس سے کمال اجتناب ہونا چاہئے کیونکہ یہ خدا تعالےٰ کے ادب کے خلاف ہے۔ کہ بندہ اوس کے ساتھ بیٹھے۔ اور اپنے ساتھ ایک ایسی چیز لئے ہوئے ہو۔ جو شرعاً نجس ہو اور دوسرے قول کی جسکا حاصل یہ ہے۔ کہ خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ اوس سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے نیز یہ بات ہے کہ خنزیر کو قتل کرنا ہمیشہ مستحب ہے۔ برخلاف کتے کے۔ کیونکہ اوسکو قتل کرنا مطلقاً مستحب نہیں۔ بلکہ اوس کے اندر تفصیل ہے ✦

تو کتا خنزیر سے حکم میں ہلکا اور ایک معمولی شئے ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ جس کا حاصل تمام مرداروں کی کھالوں سے بغیر دباغت دیئے انتفاع کا جواز ہے۔ یہ ہے کہ جسقدر احادیث دباغت کے بارے میں وارد ہیں وہ سب استحبابی ہیں اور موجب وجوب نہیں۔ پس پہلا قول اکابر علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو احتیاط اور اجتناب میں علماء سے کمتر ہیں۔ اور تیسرا قول اہل ضرورت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ اوس کے لئے بعض اقوال صحابہ بھی مؤید ہیں۔ پس سمجھ لو ✦

چھٹا قول۔ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذبح کرنا اوس جانور میں کچھ اثر نہیں کرتا جسکا گوشت حلال نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ اثر کرتا ہے۔ مگر خنزیر میں نہیں کرتا! اور اون دونوں کے نزدیک اثر یہ کرتا ہے۔ کہ اگر کسی درندہ یا کتے کو مثلاً ذبح کر لیا جائے۔ تو صرف اوسکا گوشت اور اوس کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اوسکا کھانا حرام ہی رہتا ہے۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ رہتا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اوس کے اندر خباثت ہوتی ہے۔ تو بھلا اوس میں ذبح کرنا طہارت اور عمدگی کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ اوس قسم کے جانور کا ذبح کرنا بعینہ ایسا ہے جیسے اوسکا اپنی موت سے مر جانا۔ اللہ تبارک وتعالےٰ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدح میں ارشاد فرماتا ہے کہ (ویحرم علیہم الخبائث) ترجمہ اور گندی چیزوں کو بدستور اون پر حرام فرماتے ہیں ✦

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے کہ اوس کے پاک ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اوسکا کھانا بھی حلال ہو جائے۔ کیونکہ بعض اشیاء ایسی ہیں جو پاک ہیں اور کسی بدنی اور عقلی ضرورت کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ اور اون جانوروں کا گوشت جو کھائے نہیں جاتے اگرچہ بعض نے طاہر کہا ہے۔ لیکن بدن کو ضرر دیتا ہے۔ چنانچہ اوسکا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور جس کو اس میں شک ہو۔ وہ تجربہ کرلے۔ اگر کچھ بھی نہ ہوگا۔ تو اوس کے کھانے سے اتنی بات ضرور ہوگی کہ کھانے والا اسقدر بلید ہو جائیگا۔ کہ ظاہر اور واضح امور کو نہ سمجھ سکیگا۔ چہ جائیکہ

کہ اس کے استعمال سے اکابر اہل تقویٰ سے مواخذہ کیا جائیگا - اور معمولی معمولی چھوٹے لوگوں سے نرمی کی جائیگی -

اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ جب اون کے نزدیک بال پاک ٹھیرے - تو سینے کے استعمال میں لانا بھی جائز ہوا - اور دوسرا قول اوس کے نجس ہونے پہ مبنی ہے - اور تیسرے اور چوتھے قول کی وجہ احتیاط ہے ✤

دسواں قول وہ ہے جس کے امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما قائل ہیں - اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے دو قولوں میں سے واضح قول بھی یہی ہے - اور وہ یہ کہ آدمی مرنے کے بعد پاک رہتا ہے - اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی صاحب کا مرجوح قول یہ ہے کہ وہ نجس ہوتا ہے - لیکن غسل دینے سے پاک ہو جاتا ہے - پس پہلے قول میں تخفیف - اور دوسرے میں تشدید ہے ✤

اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ آدمی کی ذات روح اور جسم دونوں کے اعتبار سے شریف ہے - اور دوسرے قول کی علت یہ ہے - کہ اون کے نزدیک آدمی کی صرف روح شریف ہے - تو جب وہ جسم سے خارج ہو گئی - تو جسم نجس ہو گیا - کیونکہ اوسکا ناپاک ہونا محض اسوجہ سے تھا کہ روح اوس میں سرایت کئے ہوئے تھی - اسلئے کہ جسم روح کی سواری تھا - اور روح خدا کا ایک خاص امر ہے - اور اللہ کا امر بالاتفاق طاہر اور قابل عظمت ہوتا ہے - لہٰذا وہ چیز جو اوس کے متصل ہوگی - وہ بھی پاک ہوگی - (یعنی جسم) اسے سمجھ لو - اور اس سے زیادہ کہنے کی اس باب میں گنجائش نہیں -

(اگر کوئی کہے) کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ آدمی کو کیونکر نجس کہتے ہیں - حالانکہ حدیث میں وارد ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجُسُ حَیًّا وَّ مَیِّتًا بیشک ایماندار آدمی نہ زندگی میں نجس ہے - اور نہ مرنے کے بعد -

تو جواب یہ ہے - کہ احتمال ہے - شاید یہ حدیث اون کو نہ ملی ہو - یا ملی ہو لیکن اوسکی صحت پایہ ثبوت کو نہ پہونچی ہو ✤

گیارھواں قول چاروں اماموں کا ہے - اور وہ یہ ہے کہ خچر اور گدھے کا پس خوردہ پاک ہے - اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اوس کے دوسرے چیز کو مطہر بننے میں توقف ہے حالانکہ امام ثوری اور اوزاعی کے نزدیک یہ ہے - کہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا - اوس کا پسخوردہ نجس ہے - پس پہلے قول میں تخفیف - اور اوس کے مقابل میں تشدید ہے - اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خچر اور گدھے کے پسخوردہ سے طہارت حاصل کرنے کی ممانعت کی علت سے اکابر علماء واقف نہیں - اسلئے عوام پر تخفیف ہونی چاہئیے - برخلاف خود اکابر کے (اونپر تخفیف نہ ہونی چاہئے) اسقدر تقریر سے دوسرے قول کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی ہوگی - پس سمجھ لو ✤

بارھواں قول امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے - اور وہ یہ کہ پیشاب اور گوبر ہر جانور کا نجس ہے - حالانکہ امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اوس جانور کا پیشاب اور گوبر

پاک ہے جسکا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور امام نخعی کا قول یہ ہے۔ کہ تمام پاک حیوانوں کے پیشاب پاک ہیں۔ اور امام الائمہ ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اون جانوروں کی بیٹ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے (مثلاً کبوتر اور چڑیاں) پاک ہے۔ اور اون کے سوا سب کا پاخانہ نجس ہے۔ پس پہلے میں تشدید۔ اور اوس کے مقابل میں تخفیف ہے۔ اگرچہ ایک تفصیل کی ایک ہی شق کے لحاظ سے ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ چوپایوں کی شان یہ ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ سے غافل ہوکر کھاتے ہیں۔ لہذا اون کا کھاتے وقت خدا کو یاد کرنا بعید ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ شریعت میں وہ چیز جسپر خدا کا نام نہ لیا جاوے گندی اور پلید ہوتی ہے۔ جیساکہ شریعت میں ثابت ہے۔ اور یہ بات اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو علماء و صلحاء ہیں۔ اور غافلوں کی مخالطت سے اون کے اندر اسلئے میل پیدا ہوجاتا ہے۔ کہ وہ انتہا درجہ کے طاہر اور مقدس ہوتے ہیں۔ برخلاف معمولی لوگوں کے۔ کہ وہ مقدس نہ ہونے کی وجہ سے اہل غفلت کی ناپاکی سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ اور اسی سے دوسرے قول کی توجیہہ بھی برآمد ہوگئی۔ اور یہ ظاہر بات ہے۔ کہ شریعت خواص اور عوام دونوں کے لئے برابر وارد ہوئی ہے۔ اور علمائے کرام شریعت کے تابع ہیں ✣

تیرھواں قول حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور وہ یہ کہ آدمی کی منی نجس ہے۔ حالانکہ امام شافعی صاحب تو اتنے بڑھے ہیں۔ کہ اونہوں نے ہر پاک حیوان کی منی کو پاک کہدیا ہے۔ رہا اوس سے تنزہ اور پاک ہونے کا حکم۔ تو اوس میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ منی چاہے تر ہو۔ یا خشک دھونا واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تر ہو تو دھونا واجب ہے۔ اور اگر خشک ہو۔ تو کھرچ دینا کافی ہے (جیساکہ حدیث میں وارد ہے) پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ منی اکثر خدا تعالےٰ سے غافل ہونے کے وقت خارج ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ آدمی ہر دم یہ خیال کرے۔ کہ میں خدا تعالےٰ کے سامنے ہوں بلکہ اکثر اوقات اوس کے جسم پر غفلت طاری ہوتی ہے۔ اور وجہ اوس کی لذت نفسانی ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ لذت نفسانیہ ہر اوس قلب کو ہلاک کردیتی ہے جسپر اوس کا ورود ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے۔ جو شارع نے منی کے نکلنے سے غسل کو واجب ٹھہرایا ہے۔ اور فائدہ اس سے یہ ہوتا ہے۔ کہ اوس بدن میں جس کے اندر فتور پڑگیا ہے۔ اور خدا تعالےٰ سے سخت محجوب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوگیا ہے۔ صاف اور قوی ہوجاوے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل باب غسل میں آجائیگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو شے خدا تعالےٰ سے حجاب کا باعث ہوتی ہے۔ وہ اکابر کے نزدیک گندی ہوتی ہے۔ البتہ چھوٹے درجہ کے لوگوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

پس حاصل یہ نکلا۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول اکابر علماء و صالحین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول عام مسلمانوں کیساتھ

خاص یہی وجہ ہے۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے منی کو کبھی دھویا ہے اور کبھی کھرچ دیا ہے تاکہ کم درجہ اور بلند درجہ دونوں قسم کے لوگوں کو تعلیم ہو جاوے ٭

چودھواں قول وہ ہے جو اوس کنوئیں کے بارے میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے جسکا پانی وضو کے کام میں لایا جاتا ہو جبکہ اوس میں سے کوئی مرا ہوا چوہا نکلے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ چوہا پھول گیا ہے۔ تو تین روز کی پڑھی ہوئی نمازوں کو دوہرایا جاوے۔ ورنہ ایک دن اور ایک رات کی نمازوں کو۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ اگر کنوئیں میں پانی تھوڑا ہے۔ تو اتنی نمازوں کو دوہرایا جاوے جتنی نمازوں کیواسطے بعد اوس کے مرجانے کے اوس پانی سے وضو کرنیکا غالب گمان ہو۔ اور اگر پانی کثیر ہو۔ اور اوس کے اندر چوہے کے مرجانے سے کسی قسم کا تغیر بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ تو کوئی نماز نہ دوہرائی جائے۔ اور اگر کچھ تغیر ہو گیا ہو۔ تو صرف اون نمازوں کو دہرایا جاوے جو تغیر کے وقت سے ابتک اوس پانی سے وضو کرکے پڑھی گئی ہیں۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کنواں سوتدار ہے۔ اور کوئی وصف پانی کے اوصاف میں سے متغیر بھی نہیں ہوا ہے۔ تو دوہرانا واجب نہیں۔ اور اگر سوتدار نہیں ہے۔ تو اوس میں دونوں روائتیں ہیں (یعنی لوٹانے اور نہ لوٹانے کی)

پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے قول۔ اور اوس کے بعد کے اقوال میں تخفیف ہے۔ پس اس اختلاف کی توجیہ اس طرح کی جائے گی۔ کہ تشدید کو اکابر کے ساتھ مخصوص کیا جائیگا۔ اور تخفیف عوام الناس کے ساتھ۔ کیونکہ ان دونوں میں طہارت اور تقدیس کے لحاظ سے بھی تو تفاوت ہے ٭

پندرھواں قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کسی شئی کے پاک اور ناپاک ہونے میں اشتباہ ہو جائے تو اجتہاد کرنا چاہئے پھر جس برتن کے پاک ہونے کا گمان غالب ہو جائے۔ اوس سے طہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسی صورت میں اجتہاد درست نہیں۔ مگر ہاں صرف اوس وقت درست ہے کہ جب پاک برتنوں کی تعداد کثیر ہو۔ اور پلید کی کم۔ اور پھر کسی برتن میں شبہ ہو جائے۔ علی ہذا القیاس امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسی صورت میں کچھ نہ سوچنا چاہئے۔ بلکہ تمام برتنوں کے پانیوں کو بہا دینا چاہئے۔ اور پھر تیمم کرنا چاہئے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے قول اور اوس کے بعد والے میں تشدید۔ اور یہ شکل دو حالتوں پر محمول ہے۔ اسطرح کہ پہلا قول عوام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا اور اوس کے بعد والا اکابر کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ بڑے مرتبہ کے لوگ تقوے میں کامل اور نہایت ورجہ کے پاکدامن ہوتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔ اور اللہ تعالے سبحانہ زیادہ جاننے والے ہیں ٭

باب موجبات حدث کے بیان میں

آئمہ کا اتفاق ہے۔ کہ جو چیز آگے پیچھے سے عادتاً نکلتی رہتی ہے۔ اوس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ پیشاب و پاخانہ ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ جس شخص نے اپنے پیشاب گاہ یا پاخانہ کے مقام کو ہاتھ کے سوا کسی اور عضو سے چھولیا۔ اوسکا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ کروٹ سے لیٹکر یا تکیہ لگاکر سوجانا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا صرف نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ وضو کو نہیں توڑتا البتہ اس میں صرف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ عنقریب آجائیگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ آگ سے پکاتے ہوئے کھانے کو کھانا اسی طرح روٹی کا کھانا وضو نہیں توڑتا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ جسکو طہارت کر لینے کا یقین ہو۔ اور حدث میں شک ہو۔ تو وہ طاہر ہی ہے (یعنی شک لغو ہے) البتہ بعض مالکی المذہب حضرات سے اسکا خلاف منقول ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ بے وضو کو قرآن مجید کا چھونا اور اوٹھانا جائز نہیں۔ ہاں امام داؤد وغیرہ سے اسکا خلاف منقول ہے۔ یعنی جائز ہے یہاں تک وہ مسائل ہوئے جنکا اس باب میں متفق علیہا ہونا مجھے معلوم ہے۔ رہے وہ مسائل جن میں آئمہ کا اختلاف ہے +

اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے جس کے تینوں امام قائل ہیں۔ کہ دونوں راستوں سے کسی ایسی چیز کا نکلنا جس کی عادت نہ ہو مثلاً کیڑا یا کنکری اور پیشاب گاہ سے ہوا کا صادر ہونا وضو کو نہیں توڑتا۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ جو ہوا پیشاب گاہ کے راستہ سے خارج ہو۔ وہ وضو کو توڑ دیتی ہے۔ ا[ور] مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ میں بھی ترجیح اسی قول کو ہے کیونکہ اونہوں نے تین چیزوں کو ناقض وضو بتلایا ہے۔ (یعنی پیشاب۔ پاخانہ۔ ریح) پس پہلے قول میں تخفیف ہے اور دوسرے میں تشدید +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ کیڑے میں تو زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ اور کنکری اگرچہ اس وجہ سے خارج ہوئی ہے کہ اوسکو کھایا تھا۔ لیکن وہ ایسی شے نہیں ہے۔ جو طعام سے پیدا ہوئی ہو۔ اور در اصل وضو کو وہی چیز توڑتی ہے۔ جو طعام سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس شخص نے کنکری کے خارج ہونے کو ناقض وضو کہا ہے۔ اوس کی علت یہ ہے۔ کہ وہ اکثر ایسی شے کے ساتھ مخلوط ہو کر خارج ہوتی ہے جس کی پیدائش طعام سے ہے۔ (یعنی پاخانہ) اوس شخص کا بھی یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ کنکری بالذات ناقض وضو ہے۔ چنانچہ اس [کی] تفصیل خاتمہ کتاب کے شروع میں آجائیگی۔ انشاء اللہ تعالے

اور جب کا یہ قول ہے۔ کہ وہ ہوا جو آگے سے نکلے۔ وضو کو توڑ دیتی ہے۔ او[ر]

کی علت یہ ہے - کہ اوسکا وقوع نہایت نادر ہے - بلکہ بعض کو تو تمام عمر میں ایک دفعہ بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آتا - پس سمجھ لو +

دوسرا مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک منی ناقض طہارت ہے - حالانکہ امام شافعی علیہ الرحمتہ کا اصح مذہب یہ ہے - کہ اوس سے طہارت نہیں ٹوٹتی - اگرچہ موجب غسل ہے - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرے میں تخفیف -

اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ منی کے نکلنے سے انسان کو اسقدر لذت آتی ہے - کہ کوئی نفسانی لذت اوسکی برابری نہیں کرسکتی - اور اوس لذت کے لئے خدا تعالے سے غافل ہوجانا لازمی امر ہے - لہذا اوسکا بہ نسبت پیشاب اور پاخانہ کی ناقض وضو ہونا زیادہ اولی ہے - لیکن لذت نفسانی کی حیثیت سے نہ اوس کی ذات کی حیثیت سے -

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے - کہ یہ حال اون بڑے بڑے اولیاء اللہ کا ہے - جو خدا تعالے سے غافل ہوجانے کو موجب حدث جانتے ہیں - اور اون کے نزدیک اس غفلت کیوجہ سے توبہ اور طہارت کرنا واجب خیال کرتے ہیں - پس پہلا قول بڑے لوگوں سے مخصوص ہے اور دوسرا عوام کے ساتھ - پس جان لو اسکو - اور خوب غور کرلو - تاکہ تم پر یہ بات روشن ہوجائے منی کو ناقض طہارت نہ کہنے میں سوا اس کے کہ اوس سے آدمی پیدا ہوتا ہے - اور کوئی حکمت نہیں - ورنہ جس چیز کے خارج ہونے کی وجہ سے انسان نماز وغیرہ سے روک دیا جائے زیادہ سخت ہے - اوس حدث اصغر سے جس کی وجہ سے محدث کو نماز سے روکا جاتا ہے - پس سمجھ لو +

تیسرا مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک پیشاب گاہ کے چھونے سے چاہے جسطرح چھوئے کبھی وضو نہیں ٹوٹتا - حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں ارجح قول یہ ہے کہ ہتھیلی کی اندرونی جانب سے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے - اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اس سے بھی مترقی ہوکر فرماتے ہیں - کہ اگر ہتھیلی کے اوپر کی جانب سے بھی چھولیا - تو وضو ٹوٹ جاتا ہے - اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - کہ اگر شہوت کے ساتھ چھووے تب تو وضو ٹوٹ جاتا ہے - ورنہ نہیں - پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید - اور تیسرے میں بھی تشدید ہے - چنانچہ کہا جائیگا - کہ پہلا قول عوام الناس کے ساتھ خاص ہے - اور دوسرا جو اوسکا مقابل ہے - اکابر علماء و صلحاء کے ساتھ مخصوص ہے - اور وجہ اصلی یہ ہے - کہ وضو اوس چیز سے ٹوٹتا ہے کہ نکلنے سے پیدا ہوتی ہے - مگر چونکہ پیشابگاہ اوس چیز سے متصل ہوتی ہے - جو اندر سے نکلتی ہے - اسلئے اوس کے چھونے کو بھی ناقض وضو کہا گیا - بلکہ حدیث میں یہانتک وارد ہے - کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاجامہ پر پانی چھڑک دیتے تھے - اسلئے کہ وہ ایک ایسی شے سے متصل ہے جو خارج سبیلین سے متصل رہتی ہے - تاکہ نجاست سے پورا اجتناب حاصل ہوجائے - اور اسلئے کہ تاکہ آپ کا خاص لوگ اقتدا کرنے لگیں - نہ عام لوگ - چنانچہ اس میں

اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ هَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِّنْكَ نہیں ہے۔ وہ (شرمگاہ) مگر تیرے گوشت کا ایک ٹکڑا۔ اور اکابر کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ مَنْ مَسَّ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھو لے۔ اوسکو چاہیئے۔ کہ جدید وضوء کرے۔ اس کی پوری تفصیل اور توضیح ہم اپنی کتاب (اسرار الشریعت) میں لکھ چکے ہیں۔ اور کچھ اس کتاب کے خاتمہ میں آجائے گی۔ وہاں دیکھ لو ❋

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلق بن علی کو جب اونہوں نے پیشاب گاہ کے چھونے کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا۔ یہ جواب کہ (ہل ہو الا بضعۃ منک) محض اس بات پر متنبہ فرمانے کے لئے دیا تھا۔ کہ جسپر اہل کشف کا اتفاق ہے۔ کہ درحقیقت وضو کو وہی شے توڑتی ہے۔ جو کھانے اور پینے سے پیدا ہو کر پیشاب گاہ سے خارج ہوتی ہے۔ خود پیشاب گاہ کا چھو لینا ناقض وضو نہیں ہوتا۔ اور طلق بن علی رضی اللہ عنہ قوم کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ اس لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اونپر تخفیف کی۔ برخلاف اکابر علماء وصلحاء کے کہ اونکو مس فرج سے جدید وضو کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ اون کے اتقاء کے رتبہ کو اوس چیز سے بچنے اندر جو خارج سبیلین سے متصل رہتی ہے اپنے رتبہ کے ہمشکل بناویں۔ برخلاف کاشتکاروں اور چرواہوں وغیرہ کے۔ کیونکہ اونکا مرتبہ اتنے بڑے تقوے کو مقتضی نہیں۔

اگر کوئی شافعی سوال کرے۔ کہ یہ حدیث (ہل ہو الا بضعۃ منک) منسوخ ہے۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ مذہب حنفیہ کے سوا اس کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں بلکہ وہ حدیث اون کے نزدیک محکم واجب العمل ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ ضرور نکالنی چاہئے جس پر یہ حدیث محمول ہو۔ اور ہم نے بتلا دیا۔ کہ یہ حدیث عام لوگوں کے لئے ہے۔ علماء وصلحاء کے واسطے نہیں۔ پس ہر دیندار حنفی کے لئے مناسب ہے کہ مس فرج سے جدید وضو کرے۔ تاکہ آئمہ کے خلاف سے بچ جائے۔ اور بغیر جدید وضو کرے نماز پڑھ لینا ہرگز مناسب نہیں۔

اگر کوئی کہے۔ کہ تم نے مس فرج سے وضو لازم ہونے کی علت یہ بیان کی۔ کہ چونکہ وہ اوس شے کے متصل ہے جو دونوں راستوں سے نکلتی ہے مس فرج کو بالذات ناقض نہیں کہتے۔ تو سوال یہ ہے کہ خود خارج سبیلین کے چھونے سے جدید وضو کیوں نہیں لازم کرتے

جواب یہ ہے۔ کہ شارع نے خارج سبیلین کے چھو لینے سے ہم پر جدید وضو اسوجہ سے نہیں لازم کیا۔ کہ اوس کے چھونے میں کچھ مزا نہیں ملتا۔ برخلاف اوس کے نکلنے کے اوس میں بندہ کو راحت اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے خارج سبیلین کے نکلنے سے شارع نے وضو واجب کر دیا۔

اور جس شخص نے پیشاب گاہ کے ہتھیلی کی پشت سے چھو لینے یا ہاتھ سے کہنی تک جگہ سے چھو لینے کو ناقض وضو کہا ہے۔ اوس کی علت احتیاط ہے۔ اسلئے کہ ہاتھ کا اطلاق کہنی تک بھی آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اذا افضٰی احدکم بیدہ الی فر-

ولیس بینہما ستر فلیتوضأ۔ یعنی جب پہونچائے کوئی تم میں سے اپنے ہاتھ کو اپنی شرمگاہ تک اور اون کے مابین کوئی آڑ نہ ہو۔ تو اوسکو جدید وضو کرنا لازم ہے ✦

اور ایک دفعہ شیخ مذکور کو یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ کوئی چیز ناقض وضو ایسی نہیں ہے۔ جو کھانے سے پیدا نہ ہوتی ہو۔ یہانتک کہ قہقہہ مار کر ہنسنا بھی جس کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ وہ بھی کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اگر انسان پُر شکم نہ ہوگا۔ تو ہرگز قہقہہ نہ مارے گا۔ کیونکہ بھوکا آدمی مسکرانے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ قہقہہ تو بڑی چیز ہے۔

اور باقی رہا پاخانے کے مقام کا گردہ چھو لینا۔ تو وہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں مرجح قول یہ ہے کہ اوس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور ان دونوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ من مس فرجہ فلیتوضأ۔ کیونکہ فرج کا لفظ پیشاب و پاخانہ دونوں مقام کے لیئے آتا ہے ✦

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک غیر کی شرمگاہ چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ وہ غیر صغیر السن ہو یا کبیر السن۔ زندہ ہو۔ یا مُردہ۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صغیر السن کی شرمگاہ چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مطلقاً کسی کی بھی شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ جب انسان کا اپنی شرمگاہ کے چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تو غیر کی شرمگاہ کے چھو لینے کو اوسپر قیاس کرینگے۔ اور دونوں میں علت جامع یہ ہے کہ جسطرح اپنی شرمگاہ کو چھونا امر قبیح ہے۔ اسی طرح دوسرے کی شرمگاہ کو چھو لینا بھی۔ پس جو چیز خود بندہ کے اندر ایسی ہے۔ کہ وضو کو توڑ دیتی ہے۔ تو وہی چیز دوسرے شخص سے ضرور ناقض وضو ہوگی۔ کیونکہ احتیاط اسی کو مقتضی ہے۔ اور اسی مذکور سے اس مسئلہ کی علت بھی سمجھ میں آگئی۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک اوس غیر کا وضو نہ ٹوٹیگا جس کی شرمگاہ کو چھوا گیا۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک ٹوٹ جائیگا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور پہلا قول چھوٹے اور معمولی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول بڑے بڑے متقیوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور اہل کشف کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جو چیز ناقض وضو ہے۔ اوسکا ارتکاب ضرور سوء ادبی ہے۔ یا خدا تعالے کے ساتھ اوسمیں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے جو قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے نکلتے وقت حدیث میں استغفار وارد ہوئی ہے حاصل یہ ہے کہ جب بندہ کسی ناقض وضو میں مشغول ہوتا ہے۔ تو وہ خدا تعالے کے مشاہدہ سے غائب ہوتا ہے۔ اور کسی محدث چیز کے نکلنے کے وقت خدا تعالے

کی حضوری ہرگز باقی نہیں رہتی ہے۔ اور اکابر علماء و صلحاء کی یہ شان ہے۔ کہ اونکو نزدیک محض خداتعالےٰ سے حضوری کا موقوف ہوجانا۔ اور غیبوبت کا طاری ہونا ہی وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ جسوجہ سے وہ حضرات دوبارہ طہارت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ اپنے اوس بدن کو زندگی بخشیں جو خداتعالےٰ کے حضور سے غائب ہوجانے کی وجہ سے مُردہ ہوگیا ہے۔ پس سمجھ لو۔ اور یہ بات ایسی ہے جیسے اونکا قول ہے۔ کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی عام لوگوں کی نیکیاں مقربانِ درگاہِ الٰہی کی برائیاں ہیں

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک خوبصورت لڑکے کے چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک اوس کے چھونے سے جدید وضوء کرنا واجب ہے۔ اور یہ امام احمد وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ شارع سے اس بارے میں کوئی حکم وارد نہیں اور اگر یہ ناقضِ وضو ہوتا۔ تو اوس کا حکم ہمارے لئے ضرور وارد ہوتا۔ چاہے ایک ہی حدیث میں ہوتا۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ بہت سے احکام علل پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس جسطرح عورت کے چھونے سے وضوء کے ٹوٹنے کی علت چھونے والے۔ یا چھوئے ہوئے یا دونوں کا شہوت میں آجانا ہے۔ تو اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احتیاط کی۔ اور یہ حکم دے دیا۔ کہ ایسے نابالغ لڑکے کے چھونے سے جو کا لونہ لینا باعثِ شہوت ہو۔ وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ امام موصوف رضی اللہ عنہ اون لوگوں میں سے ہیں جنکو شارع علیہ السلام نے اپنے بعد شریعت کا امین مقرر کیا ہے۔ پس ہر وہ امر جو شارع کے وصال کے بعد نکلا اچھا یا برا پیدا ہو۔ تو مجتہد کو اختیار ہے کہ وہ اوس کو کسی ایسے امر شرعی کے ساتھ لاحق کردے۔ جو اوسکا ہمشکل ہو۔ حاصل یہ نکلا کہ نابالغ لڑکے کے چھونے سے وضوء ٹوٹ جانے کا حکم رذیل لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نہ ٹوٹنے کا حکم اون شریف لوگوں کے ساتھ کہ اون کو صرف اوسی حرکت سے شہوت پیدا ہوتی ہے جسے خداتعالےٰ نے اون کے لئے مباح کیا ہے۔ اور اکابر حضرات بھی اوس کے چھونے سے اجتناب کریں۔ تو وہ اون کا اور زیادہ کمال تقوےٰ ہے +

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ وضوء نہ ٹوٹنا عام لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ٹوٹ جانا اکابر علماء و صلحاء کے ساتھ۔ کیونکہ اون کا مقام اس کو مقتضی ہے۔ کہ وہ ہر ایسی چیز سے بعید رہیں جسکی خداتعالےٰ نے اجازت نہ دی ہو +

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالغ مرد کا عورت کو اسطرح چھونا کہ کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو بجز اس صورت کے کہ عورت مرد کی محرمات

میں سے ہو ہر حالت میں وضو کو توڑ دیتا ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ یہ چھونا اگر شہوت کے ساتھ ہے۔ تو وضوء کو توڑ دیگا۔ ورنہ نہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عورت کو چھونا اوسوقت وضوء کو توڑتا ہے کہ جب اس چھونے سے ذکر میں انتشار پیدا ہو جائے۔ تو گویا اون کے نزدیک چھونے کے ساتھ انتشار بھی شرط ہے۔ اسی طرح امام محمد بن الحسن کا قول ہے۔ کہ چھونا وضوء کو نہیں توڑتا۔ چاہے انتشار بھی ہو جائے۔ اسی طرح امام عطاء کا قول ہے۔ کہ ایسی اجنبی عورت کا چھونا جو چھونے والے کے لئے حلال نہ ہو۔ وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ اور اگر اپنی بیوی یا لونڈی کو چھوا ہو۔ تو وضوء نہیں ٹوٹیگا۔ پس پہلے قول میں تشدید اور اوس کے مقابل میں معہ اوس تفصیل کے جو مذکور ہوئی تخفیف ہے۔ پس پہلا قول اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو شہوت کی جگہ میں احتیاط کی غرض سے اگرچہ شہوت موجود نہ ہو۔ پھر بھی وہاں احکام جاری کرتے ہیں جو شہوت کے موجود ہونے کے وقت ہوتے ہیں۔ اور دوسرا قول جو پہلے کا مقابل ہے۔ اوسوقت ہے کہ جب شہوت درحقیقت موجود ہو۔ اور شرائط مذکورہ پائے جاتے ہوں۔ پس بعض علماء تشدید کرنے والے ہیں۔ اور بعض درمیانی روش پر ہیں۔ اور بعض تخفیف کرنے والے ہیں اور اوس عورت کے بارے میں جسکو چھوا گیا ہو۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے دونوں قولوں سے مرجح قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ وضوء کے ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کے حکم میں ایسی ہی ہے جسطرح چھونے والا (یعنی اوسکا بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے) پس اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے۔ اور جس شخص نے کہا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اوس کی علت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لے کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جدید وضوء نہیں کرتے تھے۔ اور یہ قول اوس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے نفس پر قادر ہو شیخ محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص عورت کے چھو لینے کو ناقض وضو نہیں کہتا۔ اوس کی علت عورت کے اوس کمال کی طرف نظر کرنا ہے جو معنوی حیثیت سے اوس کے ساتھ قائم ہے۔ اور خدائے تعالے کے اس فرمان میں اوس کی طرف اشارہ ہے کہ (وان تظاہرا علیہ فان اللہ ہو مولٰہ وجبریل وصالح المومنین والملٰئکۃ بعد ذلک ظہیرا) ترجمہ اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں (تو یاد رکھو کہ پیغمبر کا رفیق اللہ ہے۔ اور جبرئیل اور نیک مسلمان (اور اون کے علاوہ) فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔) اور یہ ایک راز ہے جس سے وہی واقف ہو سکتا ہے جسکو محل ممدود عالم پر خدا تعالے نے آگاہی بخشی ہے۔ اور وہ اوس قوت پر مطلع ہے جو حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر موجود تھی جس کی عظمت اس سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کہ آئت مذکورہ میں خدا تعالے نے خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اولوالعزم ملٰئکۃ اور انسانوں کو اون دونوں

کا مد مقابل ٹھیرایا ہے۔ اور یہ ایک ایسا بھید ہے جسکا اظہار محجوب لوگوں پر روا نہیں ہے،
اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ کہ عورتوں کے چھونے کا ناقض وضو ہونا اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو خدا تعالےٰ نے عورتوں کے اوس کمال سے آگاہ نہیں کیا۔ کہ عالم کی پیدائش انہی سے ہے۔ اور کسی غیر موجود شئے کو پیدا کرنا کمال کا کھ ہے۔ جسطرح مشہور ہے۔ کہ وہ خیر جو متعدی ہو اوس سے بہتر ہے جو قاصر ہو۔ اور اون کے چھو دینے سے وضوء کا نہ ٹوٹنا اون اہل کمال کے ساتھ خاص ہے۔ جو وجود کے مراتب کو بطور کشف اور یقین دونوں طرح سے جانتے ہیں۔ نہ اون لوگوں کے ساتھ جو عورتوں کے اندر تو وضوء ٹوٹنے کی علت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن مذکر ہونے کو مؤنث ہونے سے زیادہ کامل خیال کرتے ہیں۔ (انتہی)

اور شیخ موصوف سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ اگر عورت کے اندر کے تمام کمالوں اور قوتوں سے قطع نظر کرکے صرف اسی ایک کمال کا لحاظ کیا جائے کہ عورت کے حال کا مقتضا ہے کہ وہ بوقت جماع بڑے بڑے سلاطین دُنیا کو سجدہ کی طرح اپنے اوپر جبہہ سائی کراتی ہے۔ تو بھی اوس کی قوت کی یہ کافی دلیل ہے۔ (انتہی)

اور میں نے شیخ موصوف سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ اولیٰ یہ ہے۔ کہ سن رسیدہ بوڑھی عورتوں اور محرمات اور نابالغوں سب عورتوں کے چھونے سے وضو ٹوٹنے کا قول کیا جائے کیونکہ وضو ٹوٹنے کی علت کبھی شہوت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اوس کی وجہ ایک خاص وصف ہے۔ جو مؤنثوں میں پایا جاتا ہے۔ پس جو شخص متقی ہے۔ جب تک اوس کے پاس کوئی ایسی نص نہ پہونچیگی جس سے اون عورتوں کو چھو لینے سے وضوء کا نہ ٹوٹنا ثابت ہوتا ہو اوسوقت تک وہ اسی کے قائل رہینگے۔ کہ اونکو چھو لینا وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے فرعون کے قصہ میں لفظ نساء (عورتوں) کا اطلاق بچیوں پر بھی کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ (یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیِ نِسَآءَهُمْ) ترجمہ ذبح کرتا ہے اون کے بیٹوں کو اور لڑکیوں کو باقی رکھتا ہے۔ دلیل یہ ہے۔ کہ فرعون اوس بچی کو ذبح نہیں کرتا تھا جس کی پیدائش کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہوتا تھا +

پس جسطرح خدا تعالےٰ نے لفظ نساء کا استعمال اون عورتوں کے لئے فرمایا ہے۔ جو بڑی عمر والی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے او لامستم النساء یا ملامست کروتم عورتوں سے۔ اور کوئی قید اوس لفظ کے ساتھ بالغہ ہونے کی نہیں لگائی ہے۔ اسی طرح اوس لفظ کا اطلاق اوس لڑکی پر بھی فرمایا ہے جو ابھی پیدا ہوئی ہو۔ اور یہی مذہب داؤد علیہ الرحمتہ کا ہے۔ پس بعض امام وہ ہیں جنہوں نے حکم نقض وضو کا مدار حصول شہوت پر قرار دیا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے محض محل شہوت کی رعایت کی ہے۔ اگرچہ شہوت کا وجود نہ ہوا ہو +

اور جو شخص آیت مذکورہ میں لمس نساء سے مراد جماع لیتا ہے۔ نہ ہاتھ سے چھونا۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہاتھ سے چھونا ایک معمولی سی بات ہے جس کی لذت انسان کو خدا تعالےٰ نے سے

اغلب یہ ہے۔ کہ غائب نہیں کر سکتی۔ برخلاف جماع کے۔ کیونکہ جماع کرنے والے کا قلب خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر رہنا دشوار امر ہے۔ بلکہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ شخص اگر مراقبہ اور حضوری سے بالکل غائب ہو جائیگا۔ اور ہوتا ہے۔ اور غائب ہو جانا اکابر اولیاء اللہ کے نزدیک بالاتفاق موجب حدث ہے۔ اور چونکہ جماع کی لذت جماع کرنے والے کے بدن کے کسی خاص حصّہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس لئے مکلّف کو غسل میں تمام بدن کے دھونے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ اوس کے بدن کے وہ اعضاء جو لذت کے سرایت کر جانے کی وجہ سے مُردہ ہو گئے ہیں۔ پانی کے لگنے سے زندہ ہو جائیں کیونکہ وہ لذت تمام بدن کو حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ منی اگرچہ فی نفسہ خون کی فرع ہے۔ لیکن یہ فرع اپنی اصل سے زیادہ قوی ہے۔ اور ظاہراً یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ پیشاب اور پاخانہ اور خون منی سے زیادہ ناپاک ہیں۔ کیونکہ منی کے اندر علّت غسل کی اوس کی شہوت کا اعضاء میں سرایت کر جانا ہے جو حقتعالیٰ کی حضوری سے غائب ہو جانے کا باعث ہے۔ نہ اوس کی رنگت اور بُو کا بُرا ہونا۔ اور جو شخص آیت میں لمس سے مراد جماع لیتا ہے اوس کی تائید خدا تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے (وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ) یعنی اگر طلاق دے دو تم اون عورتوں کو پہلے اس سے کہ صحبت کرو تم اون سے) کیونکہ اس آیت میں مسّ سے مراد جماع ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قول مذکور کا قائل اس وجہ سے اسکا قائل ہوا ہو۔ کہ اوس نے لغت عرب میں لمس اور مسّ دونوں کے ایک ہی معنے پائے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ قول عام لوگوں کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ برخلاف اکابر کے۔ کیونکہ بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علماء وصلحاء کا مقام اسکو مقتضی ہے۔ کہ وہ عورتوں کے چھونے سے بھی پرہیز کریں۔ اگرچہ شہوت نہ ہو۔ یہانتک کہ اون کو بال اور ناخن اور دانت کے چھونے سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔ جیسا کہ وہ اونٹ کے گوشت کھا کر نماز سے اوسوقت تک پرہیز کرتے ہیں جب تک جدید طہارت نہ کرلیں۔ کیونکہ اوس اونٹ کی پشت پر شیاطین سوار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ نہ اسلئے کہ وہ گوشت ہے۔ کیونکہ تمام حیوانات کے گوشت ہونے میں برابر ہیں پس اس کو سمجھ لو۔ کیونکہ یہ نفیس ہے ٭

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں کی کسی حالت پر سو جائے۔ تو اوسکا وضو اس سے نہ ٹوٹیگا۔ اگرچہ دیر تک سوتا رہے۔ ہاں اگر سوتے میں گر پڑے۔ تو ٹوٹ جائیگا۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں سو جانا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ اگرچہ دیر تک سو رہے۔ اور قیام اور قعود کی حالت میں سو جانا نہیں توڑتا۔ اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس طرح سو جائے کہ مقعد کو کسی جگہ ٹیکے ہوئے ہو۔ تو وضو نہ ٹوٹیگا۔ اگرچہ دیر تک سوتا رہے۔ ورنہ ٹوٹ جائیگا۔ علیٰ ہذا المقیاس امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول بھی اوس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ ہے

کہ اگر کھڑے ہوکر یا بیٹھکر یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں دیر تک سوتا رہے۔ تو اوس پر جدید وضو لازم ہے۔ ورنہ نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا جو اوسکا مقابل ہے مفصل ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ نماز کی حالت میں سونے والا قریب ایسا ہے کہ جیسے جاگنے والا۔ اسلئے کہ اوس کا دل خدا تعالٰے کی درگاہ سے متعلق ہے۔ اور امور دنیوی میں انہماک کم ہے۔ اور یہی حکم ہے اوس شخص کا جو اپنی مقعد کو کسی جگہ ٹیک کر سو جائے۔ کیونکہ اوس شخص کا دل بھی سونے کے اندر مستغرق نہیں۔ برخلاف اوس شخص کے جو اپنی مقعد کو بغیر زمین پر کسی جگہ ٹیکے سو جائے۔ اسی لئے شیوخ طریقت کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی نیند کو خفیف کرنا چاہے۔ اوسکو چاہئے کہ اپنے سر کے نیچے ایک اونچا سا تکیہ رکھے۔ اور اپنی دائیں جانب پر سو جائے۔ کیونکہ اس حالت میں نیند خفیف ہو جاے گی۔ اور جو شخص کہتا ہے کہ نیند وضو کو توڑ دیتی ہے۔ اگرچہ اپنی مقعد کو کسی جگہ ٹیک بھی دیا ہو۔ اگر یہ اوس سے صحیح ثابت ہو جائے۔ تو اوس کی وجہ یہ ہے کہ نوم ایک درمیانی امر ہے۔ نہ بالکل جاگنا ہی ہے۔ نہ بالکل مرجانا۔ بلکہ من وجہ اس سے مشابہ ہے۔ اور من وجہ اوس سے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو وارد ہوئی ہے کہ نیند موت کے مشابہ ہے۔ پس گویا نیند کو ناقض وضو کہنا امر احتیاطی ہے؛

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ جو شخص بہتے خون کے بدن سے نکلنے کو اور قہقہہ مار کر ہنسنے کو اور اس طرح سو جانے کو کہ اپنی مقعد کو ٹیکے ہوئے ہو۔ اور اور اوس بغل کے چھو لینے کو جس میں بدبودار پسینہ ہو۔ اسی طرح برص کے مریض کے چھو لینے کو یا کافر اور صلیب کے چھو لینے کو یا اور کسی ایسی شے کے چھو لینے کو جس کے بارے میں اخبار اور آثار وارد ہوں۔ اور اوس کی پیدائش کھانے اور پینے سے ہو ناقض وضو کہتا ہے۔ اوس کی علت عمل بالاحتیاط ہے۔

نیز یہ بات ہے۔ کہ سب مذکورہ امور انسان سے اوسی وقت وقوع میں آتے ہیں۔ کہ جب قلب خدا کے مراقبہ سے غافل ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر بندہ کا اپنے پروردگار سے مراقبہ کا وجود ہو۔ تو ضرور اپنے نفس کو ہر اوس چیز کے چھونے سے بچائیگا جو نجس ہے۔ چاہے اوس کا نجس ہونا امر محسوس ہو یا امر معنوی بغرض تعظیم درگاہ رب العزت۔ تو جب یہ سارے امور ایسے ٹھیرے جن کے مرتکب کے لئے خدا عزوجل سے غافل ہونا امر لازمی ہے۔ تو اس لئے بعض علماء نے انکو ناقض وضو قرار دیا۔ شیخ مذکور فرماتے ہیں کہ اور تمام وضو کی توڑنے والی اشیاء کھانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور کوئی ناقض وضو ایسا نہیں ہے کہ جس کی پیدائش کھانے سے نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص کھائیگا نہیں۔ وہ سوئیگا بھی نہیں۔ اور نہ اوس کے اندر جاری خون ہوگا۔ اور نماز میں قہقہہ سے ہنسیگا۔ اور نہ منہ بھر کر قے کریگا۔ اور نہ اوس کی بغل سے بدبودار پسینہ نکلیگا۔ اور نہ اوسکو برص کا مرض پیدا ہوگا۔ اور نہ جذام کا۔ اور اپنے پروردگار کی کوئی معصیت بھی

نہ کریگا - بھلا کفر اور شرک تو بڑی چیزیں ہیں - بلکہ وہ شخص مانند فرشتوں کے ہوگا
اور جو کافر کے چھو لینے کو ناقض وضو کہتے ہیں اون کی علت یہ ہے - کہ کافر خدا تعالے کے غیظ و غضب کا محل ہے - پس مومن کو خود اوس سے احتیاط لازم ہے - اسطرح کہ اگر اوسکو چھو لے - تو جدید طہارت کرلے - تاکہ غضب ربانی کے موقعہ کسے روگردانی پائی جائے پس یہ اوسی کی مثل ہے - جو وضو کے متعلق گذر چکا - کہ بعض علمائے کرام اوس اونٹ کا گوشت کھا کر جدید وضو کرتے ہیں - جو کاٹنے کی غرض سے موٹا کیا گیا ہو - کیونکہ حدیث میں وارد ہے - کہ اون کی پشتیں شیطان کا ٹھکانا ہوتی ہیں - نہ نفس گوشت ہونے کی وجہ سے اور جسطرح حدیث میں وارد ہے - اوس پانی سے وضو مت کرو جس پر خدا تعالے کا غصہ نازل ہو چکا ہو - جیسے قوم لوط علیہ السلام کے پانی - اور جسطرح حدیث میں درندوں اور تیندوے کی کھال پر سوار ہونے سے ممانعت ثابت ہے -
(مترجم یہ کہتا ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان سب کی کھالیں مرجانے کے بعد نکالی جاتی ہیں - اور بعضوں نے کہا ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے - کہ درندوں کی کھالوں پر سوار ہونا عجمی لوگوں کی وضع ہے - تو اون کی مشابہت سے منع فرمایا - بعض نے ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے - کہ اون پر چڑھنے سے تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے)
اور ممانعت کی وجہ یہ ہے - کہ اوپر سوار ہونے سے دل سخت ہوتا ہے - جیساکہ عنقریب اسکا بیان باب اللباس میں آجائیگا -
علی ہذا القیاس اگر ہم نہ کھاتے نہ پیتے تو ہم کو عورتوں کے ہاتھ لگانے اور اون سے جماع کرنے کی خواہش نہ ہوتی - اور نہ ہم میں سے کسی کی منی نکلتی - اور نہ ہم میں سے کوئی مجنون ہوتا - اور نہ اوسپر بیہوشی طاری ہوتی - اور نہ ہم کسی کی غیبت یا چغلی کرتے - اور نہ کوئی کافر صلیب کی عبادت کرتا - کیونکہ یہ سب چیزیں کھانے کے بعد حجاب پیدا ہونے کی وجہ سے وقوع میں آئی ہیں - اور اصل اس کی سردار حضرت آدم علیہ السلام کا درخت گندم کے پھل کا کھالینا ہے - کیونکہ یہ واقعہ چونکہ اوس صورت کا بیان تھا جسکا وقوع اون کی اولاد سے بانیو جب ہوا ہے - کہ وہ خدا تعالے سے اوس حجاب میں پڑ گئے ہیں - جسکا سبب محض کھانا ہے -
اسلئے اونکو حکم کیا گیا - کہ وہ لوگ ہر اوس شئے سے جو کھانے سے پیدا ہوتی ہے - اسطرح اجتناب کریں کہ اوس شئے کے ہونے سے خدا تعالے سے غفلت اور حجاب لازم رہتا ہے اور یہی وجہ ہے جو علماء نے اوس نماز کو باطل قرار دیا ہے - جس میں نمازی کھا پی لے - کیونکہ یہ بات محال ہے - کہ کھاتے وقت نماز کے اندر بندہ کو پروردگار سے کمال سرگوشی کا رتبہ مل سکے اور اسکی اصلی وجہ یہ ہے - کہ اوس شخص کو کھانے کی لذت بندہ کو مناجات پروردگار پر پوری توجہ سے مانع ہے - کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا - کہ ایک آن میں دونوں لذتیں جمع ہوسکیں - اور اوسوقت خدا تعالے کے ساتھ ادب کا بھی پورا لحاظ رہے - چنانچہ اس کی پوری تفصیل خاتمہ میں آجائیگی - انشاء اللہ تعالے +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ ہر اوس چیز سے وضو لازم ہے جس کو آگ نے چھوا ہو۔ جسطرح کھانا پکایا ہوا۔ اور روٹی۔ چنانچہ چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ کہ اوس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ اوس کے کھانے سے جدید وضو لازم ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے *

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ آگ خدائیتعالے کے غضب کا مظہر ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن خدائیتعالے گنہگاروں میں سے جسکو چاہیگا۔ آگ سے عذاب دیگا۔ لہذا یہ ہرگز مناسب نہیں کہ بندہ اوس چیز کو کھا کر جسکو آگ نے چھوا ہو۔ خدائیتعالے کے سامنے بغیر جدید کامل طہارت کئے کھڑا ہو جائے

اور پہلے قول کی وجہ علت مذکورہ کا اکثر لوگوں پر مخفی ہونا ہے۔ اور یہی وجہ ہے جو اون چیزوں کے کھا لینے سے وضوء کا لازم ہونا اون اکابر علماء کے ساتھ مخصوص ہے جو علت مذکورہ کو سمجھتے ہیں۔ برخلاف معمولی درجہ کے لوگوں کے۔ کیونکہ اون کو اوس کے کھا لینے سے جدید وضو لازم نہیں۔ اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اُمتِ مرحومہ پر انتہا درجہ کی توسیع ہے۔ پس میزان کے دو نو مرتبے برابر ہوگئے *

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کے نزدیک جس شخص کو طہارت کر لینے کا یقین ہو۔ اور حدث میں شک ہو۔ تو وہ یقین پر عمل کر لے۔ مگر ظاہر مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ ہے۔ کہ وہ شخص اوس حدث کو ترجیح دے۔ اور وضو جدید کرے۔ اور امام حسن کا قول ہے۔ کہ اگر نماز کی حالت میں حدث کے اندر شک ہو۔ تو نماز میں یقین ہی پر عمل کر لے۔ اور اگر نماز سے باہر شک ہو۔ تو شک کے مقتضاء کو پورا کرلے یعنی یہ خیال کرے کہ حدث ہو گیا۔ پس پہلے قول میں تخفیف۔ اور دوسرے میں تشدید ہے حاصل یہ ہے۔ کہ اکابر علماء اور صلحاء کو تو یقین پر عمل کرنا مناسب ہے۔ نہ شک۔ اگرچہ یہ شک اور یقین فقہاء کی ہی اصطلاح ہو۔ کیونکہ خدائیتعالے نے اون لوگوں کی مذمت کی ہے۔ جو ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ ہاں اگر ایسے وقت پیروی ظن کی کرنی پڑے کہ کسی وجہ سے یقین پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائیں تو اوسوقت مباح ہے *

اور دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کے نزدیک بے وضو آدمی کو قرآن مجید چھونا حرام ہے۔ حالانکہ امام داؤد وغیرہ اوسکو جائز کہتے ہیں۔ اسی طرح چاروں اماموں کا قول ہے کہ بے وضو آدمی اگر قرآن مجید غلاف کے ساتھ یا کسی اور چیز کے ساتھ مثلاً کوئی لکڑی کی شے اوسمیں اوسے پکڑ کر اٹھاوے۔ تو درست ہے۔ مگر امام شافعی صاحب کے نزدیک یہ بھی درست نہیں۔ اور جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ درست ہے۔ کہ قرآن مجید کو سامان کے اندر یا تفسیر اور دیناروں کے اندر اٹھانا جائز ہے۔ علی ہذا القیاس اون کے نزدیک قرآن کے ورق کو لکڑی سے کوٹنا درست ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید۔ اور داؤد وغیرہ کے قول میں

تخفیف ہے۔ اور پہلا قول غلاف اور لٹکانے کی شئے کے بارے میں مخفف ہے۔ اور اوسکا مقابل قول مشدد ہے۔ غرض دونوں مسئلوں میں میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور پہلے قول کی علت چھونے کے حکم میں تعظیم کے اندر مبالغہ کرنا ہے۔ اور خدا تعالے کے اس قول پر عمل کہ لا یمسہ الا المطہرون (نہ چھوئے اوسکو سوائے پاک لوگوں کے۔ اور دوسرے قول کی چھونے کے حکم میں علت یہ ہے۔ کہ خدا تعالے کا کلام اون نقوش میں سرایت کئے ہوئے نہیں ہے۔ جو ورق میں لکھے ہیں۔ بلکہ وہ نقوش تو صرف اوس کے کلام کی جلوہ گاہ ہیں۔ اسکی نظیر ایسی ہے۔ جیسے ستاروں کا پانی میں عکس ہوتا ہے۔ یا آدمی کی صورت آئینہ میں منتقش ہو جاتی ہے۔ تو وہ صورت جو آئینہ میں نظر آتی ہے نہ بعینہ وہ دیکھنے والا ہوتا ہے۔ اور نہ اوسکا غیر۔ اور اس مقام پر بہت سے بھید ہیں جنکو عبارت متحمل نہیں ہو سکتی۔

اور پہلے قول کی علت قرآن شریف کو لٹکانے کی شے کے ساتھ اٹھانے کے حکم میں یہ ہے۔ کہ اسطرح اٹھانے میں قرآن شریف کو چھونا نہ پڑا۔ بلکہ چھوا تو اوسی شئے کو ہے۔ پس اس کی مثال ایسی ہے جیسا قرآن شریف کا ورق لکڑی سے کو ٹدیا۔ کیونکہ ہر حالت میں قرآن شریف کی عظمت ملحوظ رہنی چاہیئے۔

اور دوسرے قول کی علت تعظیم میں مبالغہ کرنا ہے۔ نیز یہ بات ہے۔ کہ اسطرح اٹھانیوالا شخص درحقیقت ایسا ہے۔ جیساکہ کوئی شخص قرآن شریف کو اوس کی علامت سے اٹھاوے پس ہر مذہب کے واسطے ایک علت ضرور ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ تقوے کا انقسام اکابر اور اصاغر کے مختلف مقامات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ (مطلب یہ ہے۔ کہ بڑے لوگوں کو انتہائی تقوے پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کو معمولی درجہ کے تقوے پر)

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی کا قول اور امام احمد کی منجملہ مشہور روایتوں کے ایک روایت یہ ہے۔ کہ جنگل میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہوکر بیٹھنا۔ یا اوسکو پشت کرکے بیٹھنا حرام ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ جنگل اور آبادی دونوں جگہ قبلہ رخ ہوکر بیٹھنا یا پشت کرکے بیٹھنا حرام ہے۔ حالانکہ امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ دونوں جگہ قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھنا۔ یا اوس کی طرف پشت کرکے بیٹھنا حرام ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ جس شخص نے اوس جہت کو جس طرف نماز میں خدا تعالے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے پیشاب یا پاخانہ کی جہت قرار دیا۔ اوس نے بڑی بے ادبی کی۔ اسی لئے شارع نے اون دونوں جہتوں میں یہ فرماکر مغایرت فرمادی۔ لا ولکن شرقوا او غربوا (یعنے پورب یا پچھم کی طرف منہ کرو) (مترجم کہتا ہے۔ کہ یہہ حکم

باشندگانِ مدینہ کے لیئے ہے۔ جنکا قبلہ دکھن کی طرف ہے۔ پورب یا پچھم کیطرف نہیں ہے۔ اسی طرح اون شہر والوں کے لئے بھی جنکا قبلہ اون دونوں جانب نہیں ہے بلکہ دکھن یا اُتر ہے۔ لیکن جس اہل ملک کا قبلہ پورب یا پچھم ہو۔ جیسے ہندوستان اور جدہ والوں کا۔ اون کو دکھن یا اُتر کی طرف قضائے حاجت کے وقت منہ کرنا چاہیئے اور یہ حکم اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اللہ جل مجدہ کی جناب میں انتہاء درجہ کی تعظیم بجالاتے ہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ علت اکثر لوگوں سے مخفی رہتی ہے۔ لہذا وہ قول ادنے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ لوگ تعظیم خداوندی کا اسقدر لحاظ نہیں رکھ سکتے۔ جسقدر اکابر علماء صلحاء رکھتے ہیں پس ہر مقام کے واسطے علیحدہ علیحدہ لوگ مقرر ہیں۔ اسکو خوب سمجھ لو *

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعیؒ اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک استنجا واجب ہے۔ لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے۔ کہ اگر بغیر استنجا کئے کسی نے نماز پڑھلی۔ تو وہ صحیح ہو گئی۔ اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے صراحتاً بھی فرمایا ہے۔ کہ استنجا کرنا سنت ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ نجاست سے بچنے میں مبالغہ سے کام لینا چاہیئے اور (استنجے کے واجب کہنے میں مبالغہ ہوگیا)

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ چونکہ ان دونوں مقاموں سے نجاست بکثرت نکلتی رہتی ہے۔ اس لئے تخفیف مناسب ہوئی۔ اسطرح کہ استنجے کو مستحب کہدیا گیا۔ اور اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مقاموں کے سواء دوسرے اعضاء پر نجاست لگ جانے کے وقت اوس کے دھونے کو واجب کہا ہے۔ بشرطیکہ وہ درہم شرعی کی جس کو درہم بغلی بھی بولتے ہیں مقدار کو پہونچ جائے۔

(مترجم کہتا ہے۔ کہ اوس کو درہم بغلی اس مناسبت سے کہتے ہیں۔ کہ جس نے اوسکا سکہ پہلی دفعہ بنایا تھا۔ وہ عجمی تھا۔ اور اوسکو رأس البغل کہتے تھے) کیونکہ استنجے کے مقام پر عادتاً اتنی ہی مقدار کی نجاست لگ جاتی ہے۔

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک تین پتھروں سے استنجا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اون سے کم میں بھی صفائی حاصل ہو سکے۔ بخلاف امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے۔ کہ اون کے نزدیک ایک سے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ صفائی حاصل ہو جائے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ شارع کے فرمان پر بھی عمل ہو جائیگا۔ اور نجاست سے بچاؤ اور صفائی اور پاکیزگی بھی خوب ہو جائیگی۔

اور دوسرے قول کی علت حدیث کے اندر (ثلاثۃ) تین کے لفظ کو غالب پر محمول کرنا ہے۔ (یعنی چونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ اوس مقام کی صفائی تین ہی سے ہوتی ہے۔ اسلئے تین کا لفظ لایا گیا) ورنہ جب ایک ہی مرتبہ کے پونچھنے سے صفائی حاصل ہو جائے تو پھر دوسرے اور تیسرے پتھر سے پونچھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ وہاں کوئی بھی ایسی چیز نہیں رہی جسکو پونچھا جاوے۔ نیز تین کا عدد مقرر کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ اس صورت میں طاق عدد کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ (اور اوس کی تعظیم ہونی چاہیئے) اسلئے کہ وہ عدد خدا کا پسندیدہ ہونے کی وجہ سے صاحب شرف ہے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ وتر ویحب الوتر اللہ طاق ہے۔ اور طاق کو پسند کرتا ہے۔

اب تم یہ کہوگے کہ پھر اس سے تو لازم آتا ہے۔ کہ ایک کے سوا دوسرے عدد سے استنجا درست ہی نہ ہو۔ تو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ تین سے کم پتھر عادتاً صفائی کے لئے کافی نہ تھے۔ اسلئے شارع نے نجاست کے دور کرنے کو اوس امر پر مقدم کیا۔ جو عرف میں اوب سمجھا جاتا ہے (مطلب یہ ہے۔ کہ طاق عدد کا خیال نہیں کیا گیا۔ بلکہ نجاست کے دور ہو جانے کا خیال کیا گیا۔ اسی لئے حدیث میں لفظ ثلاثۃ کا وارد ہوا

دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ استنجا کرنے کا وقت کچھ ایسا ہے۔ کہ اوسوقت غفلت کے غلبہ کی وجہ سے بندہ کے قلب پر طاق ہونے کا خطرہ بھی نہیں گذرتا پس سمجھ لو +

چودھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنا کافی نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مکروہ ہوتا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ شارع علیہ السلام نے اون دونوں چیزوں سے استنجا کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور منع فرمانا اس بات کو مقتضی ہے۔ کہ اگر ان دونوں چیزوں سے استنجا کیا جائیگا۔ تو وہ فاسد ہوگا۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ وہ نہی (یعنی اون دونوں چیزوں کے ساتھ استنجا کرنے کو آپ کا منع فرمانا) تنزیہی ہے۔

پس پہلا قول اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ۔ کیونکہ منع فرمانے کی یہ علت کہ ہڈی تمہارے بھائی جنات کا رزق ہے۔ بہت سے لوگوں پر مخفی ہے۔ رہی گوبر سے منع فرمانے کی علت۔ سو وہ یہ ہے۔ کہ پتھر سے مقصود نجاست کا خفیف اور ہلکا کر دینا ہے۔ اور اللہ تعالٰے زیادہ جانتا ہے +

باب وضو کے احکام میں

اسپر تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ وضو کرنے والا اگر صرف دل سے نیت کر لے۔ اور

زبان سے کوئی لفظ نہ کہے۔ تو وضو ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے عکس کے۔ (یعنی صرف زبان سے کہے۔ اور دل سے اوس کا قصد نہ ہو۔ تو اس صورت میں اتفاق نہیں ہے) اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ طہارت شروع کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے۔ واجب نہیں۔ البتہ صرف امام احمد رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ گھنی داڑھی میں وضوء کرتے وقت خلال کرنا سنت ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ دونوں کہنیاں دونوں ہاتھوں میں داخل ہیں۔ وضوء کے اندر۔ البتہ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا خلاف ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بجائے سر کے مسح کے دونوں کانوں کا مسح کر لینا کافی نہیں ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ وضو کرنے والے کو اختیار ہے۔ کہ اوس وضوء سے جسقدر چاہے نمازیں پڑھ لے۔ جب تک کہ وہ وضوء نہ ٹوٹے۔ البتہ اس میں صرف امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ایک وضوء سے صرف پانچ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ (اس سے زیادہ نہیں) اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ ایک وضوء سے فرض تو صرف ایک ہی ادا کر سکتے ہیں۔ اور نفل جسقدر چاہیں ادا کر سکتے ہیں۔ اور یہ آیت حجت میں پیش کی ہے۔ کہ یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ (ترجمہ) اے ایمان والو جب نماز کا ارادہ کرو۔ تو دھوؤ اپنے منہوں کو (آخر تک) یہانتک وہ مسائل ہوئے۔ جو اس باب میں مجمع علیہا مجھے ملے۔ اور وہ مسائل جن کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ اون میں سے اکثر علماء کا ایک قول یہ ہے۔ کہ طہارت صحیح نہیں ہوتی۔ مگر نیت کے ساتھ۔ پس اون کے نزدیک ہر طہارت میں خواہ وہ حدث اکبر سے ہو۔ یا حدث اصغر سے نیت شرط ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ وضو نیت کا محتاج ہے۔ اور نہ غسل کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ برخلاف تیمم کے۔ کہ اوس کے اندر نیت شرط ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ انما الاعمال بالنیات (ترجمہ) سوا اس کے نہیں کہ اعمال نیتوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے تمام فروع اسلام کی نیت میں آچکے۔ پھر ہر ایک کے لئے علیحدہ نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہی قول حضرت ابن عباس اور ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہما کا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام کی کوئی فرع نیت کی محتاج نہیں رہی جب کہ صاحب اوسکا اپنے بقصد سے اسلام میں داخل ہوگیا۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو تیمم کو مستثنےٰ کر دیا ہے۔ کہ اوس کے اندر نیت کی ضرورت ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مٹی کی روحانیت کمزور ہے۔ لہٰذا وہ بدن کا وہ ضعف دور نہیں کر سکتی جو ارتکاب معاصی اور غافل ہو جانے کی وجہ سے اوس میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے جو اوس کے قوی کرنے کے لئے نیت کی حاجت ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آجائیگا

انشاء اللہ تعالےٰ۔ برخلاف پانی کے کیونکہ اوسکی روحانیت کمزور نہیں ہے۔ بلکہ قوی ہے۔ اس لئے اوس کے اندر اس کی قدرت ہے۔ کہ وہ جس جگہ گریگا۔ اوسکو زندہ کردیگا۔ اگرچہ ارادہ کرنے والے کا ارادہ نہ پایا جاتا ہو +

اور مَیں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ کہ حقیقت نیت کی یہ ہے۔ کہ مکلّف کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ اوس فعل کی فعلیت بھی ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اور جو کہتا ہے۔ کہ مکلّف کسی عبادت کو بدوں نیت کے بھی بجا لا سکتا ہے۔ اوس نے تحقیق نظر سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ تو جب کسی حنفی سے کہ جب وہ طہارت حاصل کرتا ہو۔ دریافت کرے۔ کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ تو وہ ضرور جواب دیگا کہ میں طہارت کر رہا ہوں۔ اور جو یہ بھی نہ جانیگا۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ تو وہ مکلّف ہی نہیں پھر فرمایا کہ شاید امام صاحبؒ سے عدم فرضیت نیت کا نقل کرنے والا اون کی اصطلاح سے ناواقف ہے۔ امام صاحب رح کے نزدیک فرض وہ ہے جس کا مامور بہ ہونا قرآن شریف میں بالتصریح موجود ہو۔ یا حدیث متواتر اور اجماع سے ثابت ہو۔ اور غیر فرض وہ ہے۔ جو کسی ایسی حدیث سے ثابت ہو جس کا حکم متواتر نہیں۔ پھر اگر غیر فرض کی تقسیم واجب اور مستحب کی طرف کی جائے۔ جیسے ختنہ کرنا اور استنجا کرنا۔ اور ناخن کترنا۔ کیونکہ یہ سب چیزیں حدیث سے ثابت ہیں۔ پس حدیث میں بعض احکام وہ ہیں۔ جو واجب ہیں۔ اور بعض وہ جو مستحب ہیں۔ حاصل یہ نکلا۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا نیت کی فرضیت سے منکر ہونا انکار وجوب کو مستلزم نہیں ہے +

اِس کی نظیر یہ ہے۔ کہ علمائے سلف کی اصطلاح ہے۔ کہ وہ حرام کو لفظ کراہت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ سفیان ثوری نے دودھ سے وضو کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ تو مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ دودھ سے وضو کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ یعنی دودھ سے وضو صحیح نہیں ہے۔ پس سمجھ لو۔ اور اعتراض کرنے سے قبل آئمہ کی اصطلاح سے واقفیت پیدا کر لو۔ کیونکہ یہ حضرات خدا تعالےٰ کے ساتھ بہت ادب سے پیش آتے ہیں۔ اور وجہ اصلی یہ ہے۔ کہ اس قول (مَا جَاءَ فِی الْقُرْاٰن۔ جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے اور اس لفظ (مَا جَاءَ فِی السُّنَّۃ۔ جو کچھ حدیث شریف میں آیا ہے بہت فرق ہے۔ اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ حدیث شریف کا مرجع اور حاصل بھی قرآنِ کریم ہی کی طرف لَوٹتا ہے۔ اِسوجہ سے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے۔ بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں۔ وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے وحی کی گئی۔ اور اس کی نظیر یہ ہے۔ کہ علماء نے انبیاء کے لئے دعا کرنے کے واسطے صلوٰۃ کا لفظ مخصوص کیا ہے۔ نہ رحمت کا۔ اگرچہ خدا تعالےٰ کی طرف سے (صلوٰۃ بھی رحمت ہے۔ اور اس میں فائدہ اولیاء کو انبیاء سے ممتاز کرنا ہے۔ پس ولی کے لئے رحمہ اللہ بولا جاتا ہے۔ اور یا رضی اللہ عنہ۔ اور نہیں بولا جاتا صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر اوس جگہ جہاں اولیاء کو انبیاء کے تابع کر دیا جائے۔ جیسا کہ فقہ وغیرہ کی کتابوں

میں ثابت ہے *

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے۔ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بہ نسبت دوسرے اماموں کی خدا تعالے کے ساتھ زیادہ مودب تھے۔ اور اسی وجہ سے نیت کو فرض نہیں کہا۔ اور وتر کو واجب قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حدیث سے ثابت ہوئی ہیں۔ نہ خدا تعالے کی کتاب سے۔ پس غرض اس سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدا تعالے کے فرض کردہ اور خدا تعالے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب کردہ میں فرق اور تمیز ظاہر کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں چیزوں میں صرف لفظی ہی فرق نہیں ہے۔ بلکہ معنوی بھی ہے۔ کیونکہ جس شئے کو خدا تعالے نے فرض ٹھیرایا ہو وہ بہ نسبت اوس کی زیادہ سخت ہوگی جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فرض قرار دیا ہو۔ خدا تعالے کے اپنے رسول کو اثبات کا اختیار دا اپنے کے وقت کہ آپ جس شئے کو چاہیں واجب کریں۔ جسکو چاہیں نہ کریں۔ اور اس تقریر کو شیخ مذکور نے بہت طول دیا۔ اوس کے بعد فرمایا۔ کہ ایک متدین آدمی کو مناسب ہے۔ کہ کوئی عمل بغیر نیت کے نہ کرے۔ خواہ وہ عمل اون اعمال میں سے ہو۔ جو وسائط اور ذرائع ہیں۔ اور خواہ اون میں سے جو مقاصد اور مطالب ہیں۔ اس حیثیت سے کہ شریعت میں اون کا امر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ہمارے امام نے اون کے وجوب کا قول نہ کیا ہو۔ کیونکہ وہ ہر حالت میں سنت ہے۔ اور اوسی سے مجتہد کا اجتہاد اوس کے واجب ہونے کی طرف اُٹھا ہے۔

اگر تم کہو کہ اسکی وجہ کیا ہے۔ کہ بعض نے حدث اصغر کے دور کرنے اور حدث اکبر کے دور کرنے دونوں کی نیت کو واجب کہا ہے۔ جسوقت کہ دونوں حدث مکلف پر اکٹھے ہوجاویں۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ ہر حدث کے اندر اصل یہی ہے۔ کہ اوس کے دور کرنے کی تنہا علیحدہ نیت کی جائے۔ کیونکہ کبھی کسی ایسی حکمت کیوجہ سے جو اکثر لوگوں پر مخفی ہوتی ہے۔ شارع کے نزدیک اصغر کا اکبر میں داخل ہونا صحیح نہیں ہوتا۔ اور وضو کے اندر نیت کرنے میں جو علماء کے مذاہب پر اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اون کی پوری تفصیل معنی اور عبارت دونوں حیثیت سے (الاجوبۃ عن الائمہ) میں موجود ہے اوس کو دیکھ سکتے ہو *

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اکثر اماموں کے نزدیک نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا عبادت کے قائل ہونے کا سبب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مشل مشددگی ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف پائی جاتی ہے *

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں اکثر لوگوں کی حال کی رعایت کی گئی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ خدا تعالے کی تعظیم اور اوس کی ہیبت میں اسدرجہ کو پہونچے ہوئے نہیں ہیں کہ اوس ہیبت کی وجہ سے بول نہ سکیں۔ یا جسوقت وہ کسی حکم کی بجا آوری کیطرف متوجہ ہوں

تو اونپر زبان سے بولنا بار گذرے۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے کہ اوس میں اون حضرات اکابر کے حال کی رعائت کیگئی ہے جن کے قلوب میں خدا کی عظمت ایسی مستحکم ہو چکی ہے۔ کہ اوس کے سامنے نیت کی الفاظ زبان سے ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مگر اوسی وقت کہ جب ذاتِ خداوندی ہی خود اونکو اوسکا حکم فرماوے۔ اور ہمارے نزدیک نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کا حکم کہیں ثابت نہیں +

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ میں طہارت کی نیت کے الفاظ تو زبان سے ادا کر سکتا ہوں۔ لیکن نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ کیونکہ طہارت تو صرف طریق نماز کی کنجی ہے۔ خدائیتعالے کی مناجات کے مقام سے بہت دور ہے۔ اور مقاصد و وسائل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ پس جان لو۔ اسکو کیونکہ یہ بہت نفیس مضمون ہے۔ اور عنقریب اوس مقام پر جہاں مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت جہری پڑھنے کی علت اور حکمت بیان کی جائیگی۔ یہ بات آجائیگی کہ خدائیتعالے کی خصوصیات میں سے یہ امر ہے۔ کہ بندہ جسقدر اوس کے سامنے کھڑے ہونے میں دیر لگائیگا اوسی قدر اوس کی ہیبت اور عظمت اوس کے دل پر بڑھتی جاویگی۔ برخلاف دُنیا کے بادشاہوں کے۔ اور یہی وجہ ہے۔ جو اون فرض نمازوں میں جن کے اندر قرأت آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ پہلی دونوں رکعتوں کے سوا۔ باقی رکعات میں آہستہ قرأت پڑھنا مستحب ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالے زیادہ جانتا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روائت میں وضوء میں بسم اللہ شریف پڑھنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام داؤد کا قول اور امام احمد کی دوسری روائت یہ ہے۔ کہ بسم اللہ شریف پڑھنا واجب ہے۔ کہ اوس کے بغیر وضوء نہیں ہوتا۔ خواہ بھول سے چھوٹ جاوے۔ یا قصداً چھوڑ دے۔ وضوء نہ ہوگا۔ اسی طرح امام اسحاق کا قول یہ ہے۔ کہ اگر بھول کر رہ گئی۔ تو وضوء ہوگیا۔ ورنہ نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید

اور پہلا قول اون لوگوں کے حال پر محمول ہے۔ جو خدائے عزّ و جل کی درگاہ سے بہت نزدیک ہیں۔ اور دوسرا قول اون کے سوا دوسرے لوگوں پر اسی وجہ سے خدائیتعالے کا ذکر بھی مستحب ہے۔ واجب نہیں۔

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ کہ ہر وہ شئے جس پر خدائے عزّ و جل کا اسم گرامی نہ لیا جائے وہ حکم میں مُردار کے قریب ہے۔ مثلاً طاہر نہ ہونے میں۔ اور اسکا قرینہ خدائیتعالے کے اس فرمان کے ظاہری معنے ہیں۔ کہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی نہ کھاؤ اوس شئے کو جس پر خدائیتعالے کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو۔ برخلاف اہل کتاب کے ذبیحوں کے۔ کیونکہ اوسکو شریعت نے مباح کر دیا ہے۔ انتہی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ آیت مذکورہ اگرچہ اوس شے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جسکو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ لیکن اوس کے ظاہری معنی اوسی پر دلالت کرتے ہیں۔ جو شیخ نے بیان کیئے۔ اور شیخ کے فرمان کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کہ لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ یعنے نہیں وضوء اوس شخص کا جس نے اوپر خدا کا نام نہ ذکر کیا ہو۔ کیونکہ اس حدیث کے ظاہری معنے بعض کے نزدیک یہی ہیں۔ کہ وہ وضوء صحیح ہی نہ ہوا۔ اگرچہ بعض نے نفی کمال پر بھی محمول کیا ہے۔ جیسا کہ گذرا۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمۂ ثلاثہ کے نزدیک طہارت سے قبل دونوں ہاتھوں کا دھولینا مستحب ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ لیکن اوس وقت کہ جب رات کے سونے سے جاگے۔ نہ دن کے سونے سے۔ اسی طرح بعض اہل ظاہر کا یہ قول ہے کہ یہ مطلقاً واجب ہے۔ اگرچہ وجوب تعبدی ہی ہے۔ نجاست کی وجہ سے نہیں۔ چنانچہ اون کے نزدیک اگر اوس شخص نے اپنا ہاتھ بغیر دھوئے برتن میں ڈالدیا تو پانی خراب نہ ہوگا۔ البتہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پلید ہو جائیگا۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک کلی کرنا۔ اور ناک میں پانی ڈالنا وضوء کے اندر مستحب ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے مشہور تر یہ ہے۔ کہ یہ دونوں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں واجب ہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ یا تو اسوجہ سے اس حدیث کا ظاہر اسی کو مقتضی ہے۔ کہ (تمضمضوا واستنشقوا) کلی کرو اور ناک میں پانی ڈالو۔ مگر اوس شخص کے نزدیک جو اس حدیث کی صحت کا مدعی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تا وقتیکہ کوئی شئے وجوب کے معنے مراد لینے سے مانع نہ ظاہر ہو۔

اور یا اسوجہ سے کہ یہ دونوں امر اصل میں مستحب تھے۔ لیکن انکا استحباب اجتہاد مجتہد کے واجب قرار دینے کا سبب بنگیا۔ یعنی مجتہد نے انکو واجب بنا دیا۔ اور استحباب کی وجہ یہ ہے کہ منہ اور ناک ان دونوں کے اندر کا حصّہ جنس باطن سے ہے۔ اور طہارت کی مشروعیت صرف بدن کے ظاہری حصّہ کے لئے ہوئی ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ ان دونوں عضووں کے اندرونی حصّے کے درپے ہونا ایک امر استحبابی ہے

اور وجوب کی وجہ یہ ہے۔ کہ منہ زبان اور طعام کا مکان ہے۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ زبان کتنے گناہوں میں مبتلاء ہوئی ہوگی۔ اور منہ کے ذریعہ سے پیٹ کے اندر کس قدر حرام اور مشتبہات چیزیں گئی ہونگی۔ اور حدیث میں بالتصریح مذکور ہے۔ کہ زبان بہ نسبت تمام اعضاء کے مخالفت میں بڑھی ہوئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم الا حصائد السنتھم (ترجمہ یعنی نہیں منہ کے بل ڈالیگی لوگوں کو آگ میں کوئی چیز سوائے اون کی زبانوں سے نکلی ہوئی

باتوں کے۔ لہٰذا بندہ پر لازم ہے۔ کہ جب وہ طہارت حاصل کرے۔ تو اپنے منہ کو پانی سے خوب اچھی طرح دھووے۔ اور جن جن لوگوں کی غیبت اور چغلی سے آبرو ریزی کی ہے۔ اون سے معافی مانگے۔ اور استغفار کی کثرت کرے۔ جیسا کہ کتب شریعت میں اچھی طرح ثابت ہے۔ اور اس کی وجہ کہ ناک میں پانی ڈالنا کیوں واجب ہے۔ سو یہ ہے۔ کہ ناک شیطان کی شب باشی اور تکبر کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہو چکا ہے۔ اسی طرح ناک حق اور اوس پر عمل کرنے سے مڑ لینے کا ظہور اسی سے ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص اتنی برائی سے اوسوقت تک بچ نہیں سکتا۔ کہ جب تک اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کمتر نہ سمجھنے لگے۔ جیسا کہ اس کے اندر بسیط کلام (عہود المشائخ) کے شروع میں کر چکے ہیں اگر چاہو۔ تو اوسکو دیکھو ۔

اور میرے شیخ ابراہیم دسوقی فرماتے ہیں۔ کہ غیبت کا کلمہ گوز کے نکلنے اور مینگنی کے کھانے سے بھی زیادہ نجس ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ کسی مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے کلام کو ایسی زبان سے پڑھے۔ جو غیبت اور چغلخوری اور حرام اور مشتبہات کے کھانے کی نجاست سے آلودہ ہو۔ بلکہ ایسی زبان سے پڑھنا چاہئے۔ جو ان تمام نجاستوں سے پاک ہو۔ کیونکہ اہل اللہ کا اسپر اجماع ہے۔ کہ جو شخص حرام کھاتا ہے۔ یا کسی کی غیبت کرتا ہے۔ وہ ایسی سخت نجاست کے ساتھ ملوث ہے۔ جو اوس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے سے مانع ہے۔ خواہ وہ حضوری نماز کی ہو۔ یا کسی اور قسم کی۔ اور اہل اللہ کا یہ بھی مقولہ ہے۔ کہ شارع کا امت سے مقصد یہ ہے۔ کہ اون میں سے کوئی شخص نماز کے اندر اپنے پروردگار سے ایسی حالت میں سرگوشی کرے۔ کہ وہ تمام معاصی سے ظاہراً اور باطناً پاک ہو۔

اور اونہی کا یہ بھی مقولہ ہے۔ کہ اوس شخص کی مثال جو زبان سے ناشائستہ کلام بھی بولتا ہے۔ اور پھر قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوتا ہے ایسی ہے جیسے کوئی شخص کلام مجید کو پلیدی کی جگہ پھینکدے۔ اور ایسے شخص کے کفر میں کیا شک ہے۔

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کُلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو سنت قرار دیا ہے۔ اور پھر ان دونوں کو منہ کے دھونے پر اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق مقدم اس غرض سے کیا ہے۔ کہ کہیں لوگ یہ خیال کریں کہ یہ دونوں مقام وجہ میں داخل نہیں۔ اون دونوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ اور تاوقتیکہ اون کے باطن میں گہری نظر نہ کریں۔ اوسوقت تک اون کو وہ یاد نہ آویں۔ پس اب یہ نہیں سوال کیا جا سکتا۔ کہ مناسب یہ تھا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو سنت قرار دیا ہے۔ (یعنی کُلّی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) وہ اوس سے موخر ہونا چاہئے۔ جس کی مشروعیت خود خدائے لایزال کی طرف سے ہوئی ہے اور وہ منہ کا دھونا ہے۔ کیونکہ شارع خدا کے برتر کے ساتھ سوء ادبی کرنے سے معصوم

ہے + اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اون دونوں چیزوں کو خدا تعالےٰ کی اجازت سے مسنون فرمایا ہے۔ جس طرح دونوں کانوں کے مسح کو بھی اوسی کی اجازت سے مؤخر فرمایا ہے + (انتہی)

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ سفیدی جو ڈاڑھی کے بال اور کان کے درمیان ہے چہرہ میں داخل ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام یوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک چہرہ میں داخل نہیں ہے۔ پس اون کے نزدیک اوس جگہ کا وضو میں دھونا واجب نہیں۔ اب یہی کہا جائیگا۔ کہ پہلے قول میں تشدید اور دوسرے قول میں تخفیف پائی جاتی ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ سے مخاطب ہونے کے وقت اوس جسم سے بھی مواجہہ یعنے آمنا سامنا ہوتا ہے۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ اوس جگہ سے مواجہہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو شخص دوسرے قول کا قائل ہے۔ اوس کے نزدیک شرع اس بارے میں عُرف کے تابع ہے۔ ورنہ بندہ کے بدن کا ہر جزو خواہ ظاہری ہو یا باطنی خدا تعالےٰ کے نزدیک بالکل ظاہر ہے۔ جیساکہ اس طرف خدا تعالےٰ نے اوس وقت اشارہ فرمایا ہے۔ کہ جب شبِ معراج میں اوس نے پہلے ہر نماز کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض فرمایا تھا۔ پھر اس میں اس طرح تخفیف فرمادی تھی۔ کہ صرف وضو کرلینا کافی ہے۔ اور استنجاد کرکے نماز پڑھ لیا کریں۔ تو میں راضی ہوں۔

پھر چونکہ قلب ایک ایسا مقام ہے جس سے بندہ خدا تعالےٰ کو دیکھتا ہے۔ اِسلیے خدا تعالےٰ نے حکم فرمادیا۔ کہ فوراً بہت جلد توبہ کرکے نجاستِ معنویہ سے بندہ پاک ہوجائے کیونکہ پانی تو قلب تک پہونچ نہیں سکتا۔ پس سمجھ لو +

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ اربعہ کے نزدیک کہنیاں دونوں ہاتھوں کے دھونے میں داخل ہیں۔ حالانکہ امام داؤد اور امام زفر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا یہ قول ہے۔ کہ داخل نہیں ہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دونوں کہنیاں ٹیک لگانے کی جگہ ہیں اور خلافِ شریعت امور کے ارتکاب میں ان دونوں کو پوری حرکت ہوتی ہے۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ دونوں کہنیاں دو شیئوں کا مجمع ہیں۔ ایک تو ہاتھ کا سرا ہیں۔ دوسرے دونوں ہڈیوں کا جوڑ ہیں۔ (یعنی ہاتھ کی طرف کی ہڈی اور بغل کی جانب کی ہڈی دونوں کی وہاں سے ابتدا ہے) پس معلوم ہوا۔ کہ کہنیاں محض ہاتھ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ اس لیے اون میں تخفیف کی گئی۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اظہر روایات میں وضو کے اندر تمام سر کا مسح واجب ہے۔ حالانکہ امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما کے نزدیک صرف بعض سر کا مسح واجب ہے اگرچہ پھران دونوں میں بھی اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہ اوس بعض کی مقدار کتنی ہے (یعنی تعیین بعض میں) چنانچہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ اوتنی جگہ کا مسح واجب ہے جتنی جگہ پر ہاتھ پھیرنے سے مسح کا اطلاق ہو سکے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اوس بعض کی تعیین ربع سر ہے۔ اور وہ تین انگشت سے ہونا چاہئیے۔ پس امام صاحب کے نزدیک اگر کسی نے صرف دو انگلیوں سے مسح کیا۔ تو کافی نہ ہوگا۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھ سے مسح کرنے کی تعیین نہیں پس پہلے قول میں تشدید۔ اور دوسرے میں کچھ تشدید اور تیسرے میں تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ پوری احتیاط پر عمل کرنا ہے۔ یعنی تمام اوس مقام کا مسح کرنا چاہئیے جو مقام ریاست ہے متوضی کا۔ تاکہ وضو کرنے والا تکبر سے پاک وصاف ہو جاوے جو اوس ریاست کے ضمن میں ہے۔ اور نماز کے اندر خدا تعالےٰ کی حضوری میں داخل ہو سکے۔ کیونکہ جس شخص کے اندر ایک ذرہ برابر تکبر ہوگا۔ وہ قیامت کے روز جنت میں ہرگز نہیں داخل ہو سکیگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کیونکہ جنت ہی خدا تعالےٰ کی خاص بارگاہ ہے۔ ایسے ہی نماز کی حضوری میں گفتگو ہے۔ اور جو کہتا ہے۔ کہ صرف بعض سر کا مسح ہونا چاہئیے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ بندہ بالکل تو ریاست سے خارج ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اوس کے لئے کم از کم اتنا تو ضروری ہی ہے۔ کہ وہ اپنے غیر کو کسی بات کا حکم اور کسی بات سے منع کریگا۔ اور اسی کو ریاست کہتے ہیں۔ اور جو کہتا ہے کہ چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عوام پر رحم کرنا لازم آتا ہے کیونکہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر ریاست اور تکبر کی بو غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عبودیت کے مقام سے غائب ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو دوسرے کے حکم کا تابع محض جبراً اور قہراً ہی خیال کرتے ہیں۔ اسلئے اون کے ساتھ نرمی برتنی مناسب ہے۔ کہ تین ربع تو اون کی ریاست کے باقی رکھے جائیں۔ اور صرف ایک ربع عبودیت پر اکتفا کیا جائے +

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہے حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ کافی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ ٹھوڑی کے نیچے بھی اوسکا کوئی پیچ لپیٹا ہو۔ یہ ایک روایت ہے۔ اور اگر گول ہو۔ اور اوسمیں بطور ڈھاٹے کے کوئی پیچ نہ بندھا ہو۔ تو پھر اوس پر مسح جائز نہیں ہے۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے عورت سے اپنے ایسے برقعہ پر مسح کرنے کے بارے میں جو اوس کے گلے کے نیچے سے گول ہو یہ روایت ہے۔ کہ وہ مسح درست ہے۔ ایک ہی روایت مروی ہے۔ اور کیا یہ شرط ہے۔ کہ عمامہ طہارت کے ساتھ پہنا گیا ہو۔ تو اس میں دونوں روایتیں ہیں (یعنی ایک روایت میں شرط ہے۔ اور ایک میں نہیں۔)

پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں معہ اوس شرط کے جو مذکور ہوئی تخفیف ہے
اور پہلے قول کی علت یہ ہے کہ ریاست درحقیقت سر کے اندر ہے۔ نہ اوس میں
جو سر کے اوپر عمامہ اور ٹوپی وغیرہ ہے۔ پس واجب ہے۔ کہ خود سر کا مسح کیا جائے۔ تاکہ
اوسکا تکبر اور ریاست دور ہو جائے۔
اور دوسرے قول کی وجہ اس طرف نظر کرنا ہے۔ کہ درحقیقت ریاست دل کے اندر
ہے۔ اور سر قائم مقام اوس کے ہے۔ کیونکہ احتمال ہے شاید لفظ (رائس) (سر) ریاست
سے مشتق ہو۔ تو پھر اس میں کچھ فرق نہیں۔ کہ اوس کی طرف مسح کرنے کا اشارہ اسطرح
کیا جائے۔ کہ سر کے اور ہاتھ کے درمیان کوئی شئے حائل نہیں نہ ہو۔ یا اسطرح کہ کوئی شئے
حائل ہو۔ اور اسی وجہ سے آئمہ ثلاثہ نے اسمیں تخفیف کی۔ کہ اوس کے مسح کو صرف ایک
مرتبہ کرنا مستحب قرار دیا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمتہ نے تشدید کی۔ اسطرح کہ سر کے مسح
کو تین مرتبہ کرنا مستحب ٹھیرایا۔
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ حکم اون بڑے حضرات پر محمول ہے۔ جنپر تکبر غالب
نہیں۔ اور دوسرا قول مخصوص ہے۔ اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ جن پر تکبر
کا غلبہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کو چاہئے۔ کہ اپنے سروں کا تین مرتبہ مسح کیا کریں۔
تاکہ اون کے تکبر کے زائل کرنے میں مبالغہ پایا جاوے +
دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کان سر میں داخل ہیں
اسلئے سر کے مسح کے ساتھ اون کا مسح کرنا بھی مستحب ہے۔ حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ
علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ دونوں جدا عضو ہیں۔ اس لئے اون کا مسح سر کا مسح کر لینے
کے بعد دوسرے پانی سے کرنا چاہئے +
اور امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ دونوں کان چہرے میں داخل ہیں۔
اسلئے وہ منہ کے دھونے کے ساتھ اندر اور باہر دھونے چاہئیں +
اور امام شعبی اور ایک گروہ کا یہ قول ہے۔ کہ دونوں کانوں کے سامنے کی جانب چہرہ
میں داخل ہے۔ اسلئے وہ چہرے کے ساتھ دھونی چاہئے۔ اور اون کے پیچھے کی جانب
سر میں داخل ہے۔ اس لئے اوس کا سر کے مسح کے ساتھ مسح کرنا چاہئے۔ پس پہلے قول
میں تخفیف ہے۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں تشدید ہے۔ اسی طرح سے
بعد کے قولوں میں۔
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دونوں کانوں کے اندر درحقیقت گناہوں کا وجود نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ یہ تو صرف حرام کلام کے قلب تک پہونچنے کے واسطے آلے اور ذریعے
اور راستے ہیں۔ اسی لئے اون کے اندر تخفیف کی گئی ہے۔ اور اون کے مسح کا حکم دیا گیا ہے
کیونکہ حرام کلام الٰہی کے اندر سے ہو کر گذرتا ہے۔ اور ان کو چھو کر قلب میں جاتا ہے۔
اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ دونوں کان لوگوں کے ساتھ برا گمان کرنے کا

سبب ہوتے ہیں۔ کیونکہ بہت سی باتیں اور ہر قسم کے کلام لوگوں کے بارے میں یہ سنتے ہیں۔ اور پھر اون کو قلب تک پہونچا دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کانوں کی مثال اوس شخص کی سی ہے۔ جو کسی بُری طریقے کی ابتدا کرے۔ تو اوسکا بھی گناہ ہے۔ اور اوسکا بھی جو اوس طریقہ پر عمل کرے۔ اسی لئے اونکا دھونا واجب ہوا۔ تاکہ ظاہر میں اوس گناہ کا ازالہ ہو جائے۔ اور ہمارے نزدیک بندہ پر سوء ظن اور بدگمانی سے توبہ کر لینا واجب ہے۔ تاکہ باطن کا گناہ بھی زائل ہو جائے۔ اور یہیں سے امام ابوحنیفہ کے قول کی توجیہ بھی معلوم ہو گئی۔ اسی طرح امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کی۔ اور وہ روایت یہ ہے۔ کہ اون دونوں کانوں کا صرف ایک دفعہ مسح کیا جاوے۔ اور علیٰ ہذا القیاس امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے دوسرے قول کی بھی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اور وہ قول یہ ہے۔ کہ کانوں کا تین مرتبہ مسح کرنا چاہئے۔ (مترجم کہتا ہے۔ کہ وجہ یہ ظاہر ہوتی ہے۔ کہ امام شافعی رح کے نزدیک چونکہ کان حرام کلام کے راستے ہیں۔ اسلئے اون کے مسح میں مبالغہ ہونا چاہئے۔ تاکہ اونکا گناہ زائل ہو جائے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ کان حقیقۃً محل گناہ نہیں۔ اسلئے مسح میں مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ اور اسی پر امام شافعی اور امام احمد کا پہلا قول مبنی ہے)

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک گردن کا پانی سے مسح کرنا سنت نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما اور بعض شافعیہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ مستحب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور اوس کے مقابل میں تشدید ہے ✻

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس بارہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اس لئے بدعت ہوا۔ اور دوسرے قول کی علت وہ حدیث ہے جس کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ گردن کا مسح اوس کے دھونے سے مامون کرتا ہے۔ نیز یہ تجربہ کیا ہوا ہے۔ کہ گردن کا مسح کرنے سے غم اور فکر دور ہو جاتے ہیں۔ تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جس جگہ عقل عاجز ہو جائے۔ تو وہاں تجربہ کے موافق عمل کرنا چاہئے۔

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ طہارت میں دونوں قدموں کا دھونا بشرطیکہ دھونے کی قدرت ہو۔ اور موزے پہنے ہوئے نہ ہوں۔ فرض ہے حالانکہ امام احمد اور امام اوزاعی اور امام ثوری اور امام ابن جریر رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے مسح بھی جائز ہے۔ اور آدمی کو اختیار ہے۔ چاہے اون کو دھووے یا صرف مسح کر لے پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور اوس کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا ثبوت ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور اس کے مؤید قرآن شریف کے ظاہری معنے ہیں۔ جس وقت (برجلکم) کے لام کے کسرہ کی قرأت لی جائے۔ اور پہلے

قول کی وجہ بھی پکڑ کرتا ہے۔ کہ وہ ان سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں کیوں چلے
دوسری بات یہ ہے۔ کہ دونوں قدم انسان کے تمام جسم کو چلنے کے لئے اُٹھاتے ہیں۔ اور
اوس میں چلنے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ پس جب شریعت کی مخالفت کی وجہ سے یا غفلت
کی وجہ سے قدم ضعیف ہو جائینگے۔ تو یہ ضعف اوس جسم میں بھی سرایت کریگا۔ جس کو وہ
اُٹھاتے تھے۔ جس طرح اون کے دھونے کے بعد جب اون میں قوت پیدا ہو جائے گی
تو وہ قوت بھی اوپر کی جانب سرایت کرتی چلی جائے گی۔ کیونکہ دونوں قدموں کی مثال
درخت کی اون جڑوں کی سی ہے۔ جو پانی سے سیراب ہو کر ٹہنیوں کو پتے اور پھلوں کے
نکالنے کی مدد پہونچاتی ہیں۔ پس اون کا دھونا متعین ہو گیا۔ نہ مسح کرنا۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ قدموں سے زیادہ گناہ کا صدور نہیں ہوتا
برخلاف اون اعضاء کے جنکو اُنہوں نے اُٹھایا ہے کہ اون سے گناہ زیادہ صادر ہو
ہیں۔ اسلئے اس قول کے قائل نے صرف اون کے مسح کو کافی سمجھا۔ اگرچہ اوس شخص
کے نزدیک بھی قدموں کا دھونا اون کے مسح سے زیادہ افضل ہے۔ اور یہ قول کیو
نہ صحیح ہو جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ اون دونوں قدموں کا
کرنا فرض ہے۔ نہ دھونا۔ اسکو خوب سمجھ لو +

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعض کے نزدیک وضوء کے اندر دھونے اور مسح کی
کی جگہوں کو تین مرتبہ سے کم دھونا یا مسح کرنا مکروہ ہے۔ حالانکہ بعض کہتے ہیں۔ کہ مکر
نہیں۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ
پر بھی اکتفا کیا۔ اور بعض دفعہ دو دو مرتبہ پر بس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف
ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ پہلا قول اون عام لوگوں کے حال پر محمول کیا جائے۔ جو اکثر معاص
اور غفلتوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں

اور دوسرے قول کو اون اکابر علماء صلحاء کے حال پر محمول کیا جائے۔ جو کسی معصیت
میں مبتلا نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان حضرات کے لئے چونکہ انکا بدن ہمیشہ زندہ رہتا ہے
صرف ایک مرتبہ دھو لینا یا مسح کر لینا کافی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے برعکس ہو یعنی عامی شخص کے لئے صرف ایک مرتبہ کا
ہے۔ یا دو مرتبہ۔ کیونکہ رخصت اور سہولت کا استحقاق ایسے ہی لوگوں کو ہے۔ برخلاف
اکابر کے۔ اور اسی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں
کیونکہ جب ایک دفعہ وضوء سے فارغ ہوئے۔ اور اوس میں ہر عضو کو تین تین مر
دھویا تھا۔ تو یہ ارشاد فرمایا۔ کہ (ہٰذَا وُضُوْءِیْ وَ وُضُوْءُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ) یعنی یہ
میرا وضو اور اون نبیوں کا جو مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں +

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء خدائی دربار کے ممتاز اور عظیم المرتبہ لوگ ہیں
اون سے نظافت کی زیادتی اور ہر عضو کی زندگی کا مطالبہ ہوگا۔ برخلاف عام

گے - اس کو خوب سمجھ لو ✦

چودھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی منجملہ دو روایتوں کے ایک یہ ہے - کہ وضوء کے اندر ترتیب واجب نہیں - حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما اوس کے وجوب کے قائل ہیں - پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہما نے قرآن شریف سے یہ سمجھا ہے - کہ مقصود اعضاء کا دھونا اور مسح کرنا ہے - اور یہ کہ جو چیز طہارت پر موقوف ہے (یعنی نماز) اوس کے قبل طہارت کامل ہو جائے - خواہ بعض اعضاء کی طہارت بعض پر مقدم ہو - جیسے قدموں کا دھونا منہ کے دھونے پر مقدم ہو - اور خواہ بعض کی طہارت بعض کے سے موخر ہو - جیسے مثلاً اولٹا وضو کیا جائے اور امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے - کہ میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا - کہ وضوء کے اعضاء میں سے کونسے عضو سے ابتدا کروں - اور جو لوگ ترتیب کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے ہیں - اجماع کی وجہ سے سنت اون کے نزدیک بھی ہے - گرچہ اوسی سے پھر مجتہد کے اجتہاد نے اوس کے وجوب کو ثابت کر دیا ہے - (غرض یہ ہے اصل میں ترتیب سنت تھی - لیکن اجتہاداً واجب کہا گیا - اون کے نزدیک جو اوس کے وجوب کے قائل ہیں ✦

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے - کہ ایسا وضوء جو ترتیب سے خالی ہو - رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوس کے اندر کوئی حکم یا فعل وارد نہیں - اسلئے خوف ہے کہ کہیں خلاف ترتیب کو وضوء کرنا رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عام فرمان میں نہ داخل ہو - کہ کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد (ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہ ہو - وہ مقبول نہیں - مگر چونکہ اب اوس کی نسبت اجتہاد کی طرف ہو گئی - اس لئے وہ بایں حیثیت مقبول ہو گیا - کہ شارع نے حکم مجتہد کو برقرار رکھا ہے - اور دونوں رخساروں میں سے یا دونوں کانوں میں سے ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے کی کوئی حدیث ہمارے واسطے وارد نہیں ہوئی - کیونکہ ہاتھوں کے اندر دائیں کو بائیں پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عادتاً داہنا ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے - اور نسبت بائیں کے معصیت کی طرف بھی جلدی جھکتا ہے - پس اسی وجہ سے شارع نے دائیں ہاتھ کو پہلے دھونا مستحب قرار دیا - تاکہ جسطرح اوس نے خلاف شریعت کے ارتکاب میں جلدی کی ہے - اسی طرح جلدی ہی پاک بھی ہو جائے - اور یہ بات رخساروں اور کانوں میں نہیں پائی جاتی ہے - اس لئے اون کو ایک ساتھ دھونا چاہئے - اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے ✦

پندرھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضوء

کے اندر اعضاء کا پے در پے دھونا سنت ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے دونوں قولوں میں سے شافعیہ کے نزدیک بھی یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں میں سے مشہور تر روائیت یہ ہے کہ پے در پے دھونا واجب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ طہارت کرنے والوں کے لئے اصل یہ ہے۔ کہ اون کے بدن اپنے پروردگار کے گناہوں سے ملوث اور اوس خدائے قدیر سے زیادہ دیر تک غافل نہ رہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص اس اصل پر قائم ہوگا اوس کے اعضاء ہمیشہ زندہ رہینگے۔ اور اوس کے کسی عضو کا دوسرے عضو کے دھونے سے پہلے خشک ہوجانا کچھ اثر نہ کرے گا۔ چاہے ہم وضو میں ترتیب واجب ہونے کے قائل ہوں یا نہ ہوں۔

اور جو کہتا ہے کہ پے در پے دھونا واجب ہے۔ اوسکی علت یہ ہے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طہارت کرنے والوں کے بدن کثرت معاصی اور غفلتوں کے زیادہ ہونے اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کے کھانے کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اور جب وضوء کے اندر پے در پے دھونے کا لحاظ نہ رکھا جائیگا۔ تو ایسا شخص جب نماز کے واسطے کھڑا ہوگا۔ تو اوس کے تمام اعضاء پہلے ہی خشک ہو چکے ہونگے۔ اور جب خشک ہو چکے۔ تو گویا ایسے ہوگئے کہ اوس نے دھوئے ہی نہیں۔ اور نہ اوس نے پانی سے صفائی۔ اور زندگی حاصل کی۔ جس کے ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا۔ اور اب اگرچہ اپنے پروردگار سے خطاب کریگا۔ لیکن کمال حضوری اور اوسکی سرگوشی پر کامل توجہ حاصل نہ ہوگی۔ یہ حکم عام ابدان کا ہی رہے وہ ابدان جو باعمل علماء اور صالحین کے ہیں۔ سو وہ اس پے در پے دھونے کے حکم کی سختی کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ اون کے بدن پانی سے زندگی حاصل کر چکے۔ اگرچہ اعضاء کے دھونے میں باہم فاصلہ ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ پس یہ قول کہ پے در پے دھونا واجب ہے۔ عام لوگوں کی طہارت پر محمول کیا جائیگا۔ اور دوسرا قول اوس کے مستحب ہونیکا علماء اور صلحاء کی طہارت پر حمل کیا جائیگا۔

اور میں نے حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں پے در پے دھونے کے وجوب کا قول بہت اچھا ہے۔ کیونکہ جس کے نزدیک واجب نہیں ہے اوس کے قول سے لازم آتا ہے کہ اعضاء کے دھونے میں بہت فاصلہ کرنا۔ اور زمانہ طہارت میں بہت دیر لگانا جائز ہے مثلاً یہ کہ کسی نے ظہر کے وضوء کے لئے منہ دھویا۔ صبح کی نماز کے بعد پھر جب چوتھائی دن چڑھ گیا۔ تو ہاتھ دھوئے۔ پھر جب آفتاب کا زوال ہوگیا۔ تو سر کا مسح کیا۔ پھر جب عصر کا وقت شروع ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تب اوس نے پاؤں دھوئے۔ او
اس درمیان میں وہ شخص غیبت اور چغلی اور استہزاء مذاق ہنسی اور غفلت وغیرہ میں جو معاصی ا
مکروہات ہیں یا خلاف اولے ہیں خوب مشغول رہا۔ بشرطیکہ وہ شخص ایسا ہو جس
خلاف اولے کے ارتکاب پر مواخذہ ہوگا مثلاً نفس کی پسندیدہ چیزوں کے کھانے

اوس سے مواخذہ کیا جائے۔ پس ایسا وضوء اگرچہ ظاہر شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اسپر یہ بات صادق ہے کہ یہ وضو کامل ہے۔ لیکن اس وضوء کا نفع بہت کم ہے۔ کیونکہ اس سے اعضا میں زندگی تو حاصل ہوگی نہیں جبکہ وہ اعضاء مرچکے ہوں۔ یا ضعیف ہوگئے ہوں۔ یا اون میں کچھ فتور پڑ گیا ہو۔ پس اس سے وضوء کے اندر پے درپے دھونے کا حکم خواہ وہ بطور استحباب کے ہو یا بطور وجوب کے جس حکمت پر مبنی تھا وہ فوت ہوگئی اور وہ حکمت یہی تھی۔ کہ بدن صاف ہو جائے۔ اور اوس کے اندر خدائے قادر کے سامنے سرگوشی کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے زندگی آجائے۔

پھر اگر یہ فرض کیا جائے۔ کہ وہ شخص جس نے وضوء میں پے درپے دھونے کا خیال نہیں کیا (بلکہ اوس نے درمیان میں فاصلہ وقت کا چھوڑ کر اعضاء کو دھویا ہے) وہ عضا دھونے کے درمیانی وقت میں کسی معصیت یا غفلت کے اندر مبتلا نہیں ہوا۔ تب بھی یہ بات ہے کہ بدن سوکھ کر اون اعضاء کی مثل ہو جائیگا جنپر اکثر غفلت اور بھول اور رنجیدگی اور تھکن طاری ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا اوس صورت میں بھی اون اعضاء کے اندر کوئی ایسا امر موجود نہ ہوگا جو خدائے تعالےٰ سے مناجات کرتے وقت اوس کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونے کو مقتضی ہو۔

حاصل کلام کا یہ ہے۔ کہ وضوء کے اندر پے درپے دھونا اصل میں سنت تھا۔ لیکن اوس سے اجتہاد نے وجوب پیدا کر دیا۔ پس پے درپے دھونا ہر حال میں مطلوب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جو شخص وضوء کرے وہ اوس وضو سے جسقدر چاہے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ جب تک کسی چیز ناقض وضو کا صدور نہ ہو۔ حالانکہ امام نخعی کا قول یہ ہے۔ کہ وہ شخص پانچ وقت کے فرضوں سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ہر نماز کے لئے جدید وضو واجب ہے۔ اور حجت میں وضوء کی آیت پیش کرتے ہیں (یعنی اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الخ) پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اوسپر اہل شریعت اور اہل حقیقت دونوں حضرات کا اجماع ہے۔ اور امام نخعی کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے جنگِ احزاب کے دن (مترجم کہتا ہے کہ اس سے مراد جنگ خندق کا دن ہے۔ اوس کو یوم احزاب اسلئے کہتے ہیں۔ کہ ابوسفیان اس جنگ میں عرب کے مختلف قبیلوں کو مسلمانوں پر چڑھا لایا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ قریش کے کافر دس ہزار تھے۔ اور تھامہ اور غطفان کے ایک ہزار اور ہوازان اور بنو قریظہ اور بنو نضیر اون کے علاوہ پھر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جن کی تعداد صرف پندرہ سو یا سترہ سو تھی کافروں پر اس طرح فتح دی۔ کہ اوس نے ایک آندھی بھیجی جس سے کفار پریشان ہو کر بھاگ نکلے۔ احزاب

گے معنے یوں ہیں، پانچوں نمازوں کو اکٹھا کیا۔ (ایک وضوء سے) پڑھا تھا۔ اس لئے اون سے زیادتی نہیں ہوسکتی۔ اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کے قول کی علت یہ ہے۔ کہ ظاہر قرآن سے یہی سمجھا جاتا ہے (کہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضوء ہونا چاہئے) اور یہ قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو گناہوں میں کثرت سے مبتلا ہوتے ہیں۔ اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو کبھی کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اور دوسرا قول اول اور تیسرے کے درمیان درمیان ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب غسل کے احکام میں

اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جنبی (جسکو غسل کی حاجت ہو) پر قرآن شریف کا اوٹھانا اور چھونا دونوں حرام ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ غسل میں تمام بدن کا دھونا واجب ہے اور اسپر بھی کہ جنابت میں سر کا پانی سے صرف مسح کرلینا کافی نہیں۔ کیونکہ سر کا حکم موزوں کا سا ہے۔ یعنی جسطرح جنابت کی حالت میں موزوں کا نکالنا اور پاؤں کو دھونا ضروری ہے اور اونپر مسح کرلینا کافی نہیں۔ اسی طرح حالت جنابت میں سر کا بھی حکم ہے۔ اور سر کو موزوں پر قیاس کرنے کی علت جامعہ یہ ہے کہ جسطرح موزوں پر مسح ہوتا ہے۔ ایسا ہی سر کا بھی غرض ممسوح ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ اور اس قیاس کے علاوہ مجھے کوئی صریح دلیل نہیں ملی۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے۔ جو اس باب میں مجمع علیہا یعنی اتفاقی ہیں۔

اور وہ مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ عورت اور مرد دونوں کے پیشاب گاہوں کے ملجانے سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔ اگرچہ انزال نہ ہو۔ حالانکہ امام داؤد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ غسل بغیر انزال کے واجب نہیں ہوتا۔ (یہ قول اوسوقت مخالف ہوسکتا ہے کہ جب اسکا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو۔

اسی طرح امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے۔ کہ عورت اور چوپایہ کی پیشاب گاہ میں حکم کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ چوپائے سے وطی کرنے میں اوسوقت تک غسل واجب نہیں جب تک انزال نہ ہوجائے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے قول میں آدمی اور چوپائے دونوں سے جماع کرنے کے اعتبار سے تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ دونوں صورتوں میں یہ ہے۔ کہ لذت بہرحال حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے بندہ عادتاً اپنے پروردگار کے مشاہدہ سے غائب ہوجاتا ہے

اور دوسرے قول کی وجہ لذت کا کامل نہ ہونا ہے۔ کیونکہ بغیر انزال کے لذت کامل نہیں ہوتی پس پہلا قول اون اکابر کے ساتھ خاص ہے جو تقوے اور تنزہ میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں

اور دوسرا قول اون چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اوس طریقہ پر نہیں چل سکتی جس پر اکابر ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ امر برعکس ہو۔ اس اعتبار سے کہ بعض کی شہوت غالب ہوتی ہے۔ اور بعض کی کمزور۔ پس اکابر پر بغیر انزال کے غسل واجب نہیں۔ کیونکہ جماع اور ہمبستر ہونا اکابر کو بغیر انزال کے اون کے پروردگار سے غائب نہیں کرتا۔ کیونکہ اون کی روحانیت اور خدا تیعالے سے حضوری بہت قوی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اسپر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ (ایکم یملک اربہ کما کان صلی اللہ علیہ وسلم یملک اربہ) یہ قول اوس قصہ میں سے ہے جس کے اندر روزے کی حالت یا باوضو ہونے کے وقت آپ کا اپنی بیویوں سے بوسہ لینے کا ذکر ہے۔ کہ باوجود اس کے پھر بھی آپ بغیر جدید وضو کئے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ترجمہ اوس قول کا یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تم میں کون شخص اپنے نفس پر قادر ہے۔ اسکو سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف منی کے نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ لذت نہ ہو۔ برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے کہ اون کے نزدیک جب تک لذت نہ ہو۔ اوس وقت تک صرف منی کے خارج ہونے سے غسل لازم نہیں آتا۔ پس پہلے قول میں تشدید۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور اس کے اندر بھی وہی گفتگو ہے جو جماع معہ انزال اور بلا انزال میں گذر چکی ہے۔ ہم اس کو دوبارہ لوٹاتے نہیں *

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگر جنابت کا غسل کر لینے کے بعد پیشاب گاہ سے منی خارج ہو۔ تو اگر وہ پیشاب پھرنے کے بعد نکلی ہے۔ تو غسل واجب نہیں۔ ورنہ غسل واجب ہے۔ برخلاف امام شافعی علیہ الرحمۃ کے۔ کہ اون کے نزدیک ہر حال میں غسل واجب ہے (خواہ پیشاب کرنے سے نکلی ہو۔ یا بغیر پیشاب کئے)۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ بالکل غسل واجب نہیں (خواہ پیشاب کے بعد نکلے۔ یا بغیر پیشاب کئے) پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرا تو بالکل ہی مشدد ہے۔ اور تیسرے میں ہر اعتبار سے تخفیف ہے۔ لہذا پہلے قول کی ایک شق اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول اکابر کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسری شق اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنکو عوام بولا جاتا ہے پس ہر امام میزان کے کسی نہ کسی مرتبہ میں ضرور داخل ہے *

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک صرف منی کے خارج ہونے سے غسل لازم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کود کر نہ نکلے۔ حالانکہ باقی تینوں اماموں کے نزدیک اگر کود کر نہ نکلے۔ تو غسل واجب نہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید۔ اور اوس کے مقابل میں تخفیف ہے *

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوتا۔ مگر اوس وقت کہ جب منی سر ذکر سے جُدا ہو جائے۔ حالانکہ امام احمد کا قول یہ ہے کہ غسل اوسی وقت سے واجب ہو جاتا ہے۔ کہ جس وقت منی کے پشت سے سر ذکر میں آجانے کا احساس ہو جائے۔ اگرچہ سر ذکر سے خارج نہ ہو۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور وہ عام مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔ اور وہ اکابر علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک کافر جب مسلمان ہو جائے تو اوس پر غسل واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما کے نزدیک یہ غسل مستحب ہے پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اوس شخص پر جو مسلمان ہو جائے زندہ ہو جانے کا اطلاق کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ) ایسا شخص جو کہ پہلے مُردہ تھا پھر زندہ بنا دیا ہم نے اس کو) اور اوسکا جسم مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ ہو گیا۔ پس غسل کا وجوب ثابت نہ ہوا۔ بلکہ وہ محض استحبابی طور پر زیادت تنزہ کے واسطے ہی اور اوسکی تائید خدا تعالےٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ کہ (قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ) کہدو (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اون لوگوں سے جو کافر ہیں کہ اگر وہ باز آجائیں۔ تو اون کے پچھلے کئے گناہ معاف کر دیئے جائیں)

اور پہلے قول کی علت یہ ہے کہ غسل سے زندگی میں پورا مبالغہ حاصل ہے۔ پس اسلام نے باطن کو زندہ کر دیا۔ اور پانی ظاہر کو زندہ کر دیگا۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک غسل جنابت میں بدن پر ہاتھ کا پھیرنا واجب ہے حالانکہ باقی تینوں اماموں کے نزدیک صرف مستحب ہے پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے

اور پہلے قول کی علت بدن سے اوس ضعف کے دور کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔ جو منی کے نکلنے کی لذت کے سرایت کر جانے سے پیدا ہو گیا ہے۔

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے کہ سطح بدن پر صرف پانی کا گذر جانا کافی ہے۔ کیونکہ پانی بدن کے جس حصہ پر گذرتا ہے۔ اوسکو وہ بالطبع زندہ کر دیتا ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اگر جماع اور منی کے خارج ہونے میں کسیکو قلیل لذت حاصل ہو۔ اوس کے لئے بدن پر ہاتھ کا پھیرنا مستحب ہے۔ اور جو شخص اوس کی لذت میں بے حواس ہو جائے۔ اوس کے لئے واجب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جنبی اور حیض والی عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مرد کو جائز نہیں۔ کہ وہ عورت کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ وضوء کرے۔ جبکہ وہ مرد اوس عورت کو دیکھا نہ کرتا ہو۔ اور امام محمد بن الحسن امام احمد رض کے اس بارے میں موافق ہیں

کہ عورت کو دوسری عورت یا مرد کے بچے ہوئے سے وضو کرنا درست ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے کہ اس کے اندر ادلہ ثابت ہیں۔ اور دوسرے قول کی علت یہ ہے کہ عورت کے طہارت کرنے کے پانی میں عادتاً پلیدی بہت ہوتی ہے۔ اور اسی لئے امام احمد رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی ہے۔ کہ اوس مرد نے اوس عورت کو دیکھا نہ ہو۔ تاکہ وہ اوس عورت کو علی العموم اور عورتوں پر محمول کر کے یہ نہ سمجھے۔ کہ وہ لطیف نہ ہوگی۔ بلکہ طہارت کرتے وقت اوس کے بدن پر پلیدی ہوگی۔ برخلاف اوس صورت کے کہ جب اوس عورت کا مشاہدہ کر لے غسل کرتے وقت تو اوسوقت جیسا جانیگا۔ ویسا کریگا۔ اگر اوس سے طہارت کرنا مناسب سمجھیگا۔ تو کریگا۔ ورنہ باز رہیگا۔ پس معلوم ہوا کہ اکابر علماء کے ساتھ دوسرا قول مناسب ہے۔ اور عوام لوگوں کے ساتھ پہلا قول مناسب ہے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عورت کو جب غسل کی حاجت ہو۔ اور اوسی حالت میں حیض آنے لگے۔ تو پاک ہونے کے لئے صرف ایک غسل کافی ہے۔ حالانکہ اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ اوس پر دو غسل واجب ہیں۔

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعض شافعی المذہب یہ کہتے ہیں۔ کہ محض بچے کے پیدا ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ تری نہ ظاہر ہو۔ حالانکہ بعض شافعی کا یہ قول ہے۔ کہ صرف بچے کے پیدا ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ پس پہلے قول میں تشدید۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ اس میں منی کے نکلنے کی وجہ سے اگرچہ اوسکا بچہ بنگیا ہے۔ اوس سے پورا بچاؤ اور صفائی اور احتراز ہے

اور دوسرے قول کی علت یہ ہے۔ کہ بچہ جننے کے بعد جو غسل مشروع ہوا ہے۔ وہ محض اوس نجاست کے ازالہ کے واسطے ہوا ہے۔ جو ولادت سے عادتاً پیدا ہو جاتی ہے پس جب کوئی پلیدی نہ ہو۔ تو غسل کیوں واجب ہونا چاہئے۔ نیز دردِ زہ کے وقت عورت کو درد بہت سخت محسوس ہوتا ہے۔ اسلئے وہ لذت اوسوقت بالکل معدوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے بدن میں ضُعف آجاتا ہے۔ اور اوس کے معدوم ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ دردِ زہ کے وقت خدا تعالےٰ سے غفلت نہیں ہوتی۔ بلکہ اوسوقت اور برعکس اسکے عورت کا ہر رونگٹا خدا تعالےٰ کیطرف متوجہ اور اوس کے حضور میں حاضر ہوتا ہے۔ اور یہ درد ایسی چیز ہے جو کبھی تنگی پیدا کرنے میں پانی کا کام دے جاتا ہے۔ پس جان لو۔ اور میزان کے دونوں مرتبوں کو غور سے دیکھو ٭

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ جُنبی اور حیض والی عورت پر قرآن شریف پڑھنا حرام ہے۔ اگرچہ ایک ہی آیت یا دو آیتیں ہوں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

کا قول یہ ہے۔ کہ تھوڑی سی آیت کا پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک پوری ایک آیت یا دو آیتوں کا پڑھنا درست ہے۔ اور امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ جنبی کو تمام قرآن شریف کا پڑھنا درست ہے جسطرح وہ چاہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تھوڑی سی تشدید ہے۔ اور تیسرے میں پوری تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (لَا یَقْرَأُ الْجُنُبُ وَ لَا الْحَائِضُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْآنِ) یعنے (نہ پڑھے جنبی اور نہ حیض والی عورت کچھ بھی قرآن شریف سے تو اسمیں شَیْئًا کا لفظ نکرہ لایا گیا۔ جو تھوڑی سی آیت کو بھی شامل ہے۔ مثلاً ایک حرف۔ اور اس کی تائید اہل حقیقت کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ قرآن شریف خدا کا کلام اور اس ذات کی صفات میں سے ہے جو طاہر اور مقدس ہے۔ تو یہ کس طرح مناسب ہوسکتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے مقام سے ظاہر ہو جس کے اندر حسًّا یا معنًی پلیدی موجود ہو۔ اب وہ قرآن شریف تھوڑا ہو یا بہت ہو۔

نیز قرآن شریف قرء سے نکلا ہے۔ اور اوس کے معنے جمع کرنے کے ہیں ۔ تو چونکہ قرآن شریف کے پڑھنے والے کا دل بھی صرف خدا تعالے کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اوسکا نام قرآن رکھا۔ پس شارع کا مومن سے مطلوب یہ ہے۔ کہ ایسی چیز کو جس سے خدا تعالے کے خاص حضور کو چاہے ہرگز نہ پڑھے۔ مگر ایسی حالت میں کہ طہارت میں کامل ہو۔ برخلاف جنبی اور حیض والی کے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جنبی وغیرہ قرآن شریف کے احکام اور اذکار پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ قلب کو خدا تعالے کے ساتھ جمع نہیں کرتے۔ اور امام داؤد کا قول اسی تاویل پر محمول ہے۔ کیونکہ فرقان قرآن شریف ہی ہے۔ اور اکابر کے لئے اوسکا عکس ہے برخلاف اون لوگوں کے جو خدا سے محجوب ہیں۔ پس سمجھ لو۔

رہا یہ کہ قرآن کے الفاظ کا پڑھنا کیسا ہے۔ تو تحقیق یہ ہے۔ کہ اس میں امام داؤد کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن کے اندر دو جہتیں ہیں ایک جہت خدا تعالے کے صفات کی ہے۔ اور ایک جہت مخلوق کی ہے۔ اور یہی جہت مصحف میں لکھی ہوئی ہے۔ اور زبان سے اسکا نطق کیا جاتا ہے۔ اور دلوں میں بھی یہی محفوظ ہے۔ پس داؤد علیہ الرحمۃ کا ان دونوں طریقوں اور جہتوں میں سے ایک جہت پر جاری ہوسکتا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ ہر مکلف سے تقوے اور سخت تعظیم مطلوب ہے۔ اگرچہ قرآن مجید حقیقتاً زبان اور لفظ میں حلول ہوئے نہیں ہے۔ اور اس کسے زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔ اور اللہ تعالے زیادہ جانتا ہے۔

باب تیمم کے بیان میں

اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ پانی کے موجود نہ ہونے کے وقت یا اوس کے استعمال کرسکنے کے وقت پاک مٹی سے تیمم جائز ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ اس حالت میں

میں جسطرح بے وضو تیمم کرے - اسی طرح جنبی جس کو غسل کی حاجت ہو ✤

اوراس پر بھی اتفاق ہے - کہ جب مسافر کے پاس پانی موجود ہو - لیکن پیاس سے ڈرتا ہو تو اوس کو جائز ہے کہ اوس پانی کو پینے کے واسطے رکھ لے - اور تیمم سے نماز پڑھ لے - اور اسپر بھی اتفاق ہے - کہ بے وضو آدمی جب تیمم کر چکے - اور ابھی تک نماز شروع نہ کی ہو - کہ اوس کو پانی مل جاوے تو اوس کا تیمم باطل ہو جائیگا - اور اوس پر لازم آئیگا - کہ پانی کا استعمال کرے اوراسپر بھی اتفاق ہے - کہ تیمم سے نماز پڑھنے والا اگر بعد میں نماز پڑھکر پانی کو پالے - تو اوس کا لوٹانا واجب نہیں - اگرچہ وقت باقی ہو -

اوراس پر بھی اتفاق ہے - کہ تیمم سے حدث دور نہیں ہوتا ہے - اس میں صرف امام داؤد کا خلاف ہے - اور یہ بھی مسئلہ اتفاقیہ ہے - کہ اگر کسی کو اپنی جان کے تلف ہونیکا اندیشہ ہو - تو اوس کو وضو ترک کر دینا اور اوس کی بجائے تیمم کرنا درست ہے - یہاں تک وہ مسائل ہوئے - جو اس باب میں اتفاقیہ مسائل مجھے ملے ہیں -

اور جن مسائل میں علماء اور آئمہ کا اختلاف ہے - اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت قرآنیہ میں لفظ (صعید) سے مراد مٹی ہے - پس اون کے نزدیک تیمم جائز نہیں مگر یا پاک مٹی سے اور یا اوس ریت سے جس میں غُبار ہو

حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ آیت میں صعید سے خود زمین مراد ہے - پس اون کے نزدیک - زمین کے تمام اجزاء سے تیمم جائز ہے اگرچہ ایسا پتھر ہو جس پر مٹی نہ لگی ہو اور اگرچہ ایسی ریت ہو جس میں غبار نہ ہو -

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی بڑھکر یہ فرمایا ہے - کہ تیمم ہر اوس چیز سے جائز ہوتا ہے - جو زمین سے متصل ہو - مثلاً نباتات - پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے ✤

اور پہلے قول کی علت مٹی کا روحانیت میں پانی کے نزدیک ہونا ہے - کیونکہ مٹی پانی کے تلچھٹ سے بنتی ہے - اور پانی ایسی چیز ہے - کہ خدا تعالےٰ نے ہر جاندار چیز کو اوسی سے بنایا ہے - پس مٹی پانی سے بہت قریب ہے - برخلاف پتھر کے - کیونکہ اوس کی اصل وہ جھاگ ہیں - جو پانی کی سطح پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں - پس وہ نہ تو خالص پانی ہی ہے - نہ خالص مٹی - اس لئے وہ ہر حال میں روحانیت کے اعتبار سے ضعیف ہے - برخلاف خالص مٹی کے - اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے - کہ امام شافعی وغیرہ نے پتھر سے تیمم کرنے کو اس لئے ناجائز کہا - کہ اگرچہ اوس کے اندر مٹی موجود ہے - لیکن وہ پانی کی طبیعت سے بہت بعید ہے - اور اوس کی روحانیت بھی کمزور ہے - تو اوس کے ساتھ مسح کرنے سے کوئی عضو زندگی نہیں حاصل کر سکتا - اگرچہ بدن کو اوس پر خوب رگڑا جاوے - اور بالخصوص ہمارے جیسوں کے اعضاء جو کثرت معاصی اور کثرت غفلات

اور نفس کی پسندکردہ اشیاء کے کھانے کی وجہ سے بالکل مُردہ ہوگئے ہیں +

اور دوسری دفعہ میں نے شیخ موصوف سے سُنا ہے - کہ جو شخص اوس پتھر سے تیمم کو جائز کہتا ہے جس پر مٹی ہو - اوس کی علت یہ ہے - کہ اوس نے اس طرف خیال کیا کہ پتھر کی اصل بھی مٹی ہی ہے - جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے - کہ ایک شخص نے عرض کیا - کہ یا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں خدمت گرامی میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا - کہ میں آپ سے ہر چیز کو دریافت کرلوں - آپ نے جواب میں فرمایا - کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے (انتہی) تو طبقات زمین پر جسقدر چیزیں ہیں وہ سب پانی سے بنائی گئی ہیں - پس کیچڑ وہ پانی ہے - جو جھاگ دار ہوکر جم گیا - اور پتھر وہ ہے - جو موجزن ہوا - اور اوسی وقت خدا تعالے نے پہاڑ پیدا فرمائے - اور یہی وجہ ہے جو پتھر سے اوسوقت پانی ٹپکتا ہے کہ جب اوس پر آگ جلائی جاتی ہے - اور اگر اوس کی اصل پانی نہ ہوتی - تو اوس سے پانی ہرگز نہ ٹپکتا - لیکن متقی آدمی کے لئے پتھر سے تیمم کرنا ہرگز مناسب نہیں - مگر اوس وقت کہ جب مٹی بھی میسر نہ آئے - کیونکہ پتھر ایک بہ نسبت مٹی کے ضعیف مرتبہ ہے - اور باری تعالے نے ارشاد فرمایا ہے (فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) پس ڈرو خدا سے جہانتک تم سے ہوسکے - اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں - تو اوس کو جب تک تم سے ہوسکے - بجالاؤ) پس جو شخص مٹی نہ پائے - اوس کے لئے پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے - اور اوس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے منہ کو ملے جس طرح مٹی سے ملا کرتے ہیں - اور خدا تعالے کا ارشاد ہے کہ (فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ) (پس ملو اپنے منہوں اور ہاتھوں کو اوس سے) تو ظاہرا آیت اس پر دلالت کرتی ہے - کہ تیمم کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جسم اوس شئے سے جدا ہو - جسپر ہاتھ سے ضرب لگائی جائے - اور صرف اوس شئے کی روحانیت کا جدا ہونا کافی نہیں اگرچہ وہ شئے لطیف ہی کیوں نہ ہو - اور اس مضمون کی نظیر یہ ہے - کہ جیسے حج کے باب میں ہمارے علماء کا قول ہے کہ جس کے سر پر بال نہ ہوں اوس کو بھی استرہ کا پھیر لینا مستحب ہے تاکہ سر منڈوانے والوں کے ساتھ مشابہت ہوجاوے - ایسا ہی حکم یہاں بھی ہے - کہ جو شخص پاک مٹی نہ پاوے - تو وہ پتھر پر اس طرح ضرب لگاوے جس طرح مٹی پر - تاکہ مٹی پر ضرب لگانیوالوں کے ساتھ مشابہت ہوجاوے

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے دوسری مرتبہ یہ سُنا ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تیمم کے اندر مٹی کی تخصیص اسلئے کی ہے کہ پانی نہ ملنے کے بعد مٹی کے اندر روحانیت قوی ہے بالخصوص اون اعضاء کے لئے جو ہماری طرح اکثر خطاؤں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں پس معلوم ہوا کہ مٹی کے استعمال کا واجب ہونا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - اور پتھر کے استعمال کا واجب ہونا اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - جو اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتے - لیکن وہ بھی اگر مٹی کے ساتھ تیمم کریں - تو اون کی روحانیت اور بدن کی صفائی اور بھی زائد ہوجائے +

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک تیمم سے پہلے پانی کا تلاش کرنا واجب ہے۔ بلکہ تیمم کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے۔ اور یہی روائیت امام احمد رضی اللہ عنہ کی دونوں روائتوں میں سے صحیح تر ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روائیت یہ ہے کہ صحتِ تیمم کے لئے پانی تلاش کرنا شرط نہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرا قول مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے (فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا) (ترجمہ۔ پھر نہ پاؤ تم پانی کو۔ تو تیمم کرو پاک مٹی سے) اور یہ کہ فلاں شخص نے پانی نہیں پایا تب ہی بولتے ہیں۔ کہ جب اوس نے پانی تلاش کیا۔ لیکن نہ پایا ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ خدا تعالےٰ کے اس قول کا مطلق ہونا ہے۔ کہ (فَلَمْ تَجِدُوا) (پھر نہ پاؤ تم) یعنی نہ پاؤ تم پانی کو طہارت کے ارادہ کے وقت۔ تو اس میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ کہ بغیر تلاش کئے اور بغیر پڑوسی سے طلب کئے نہ پاؤ۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ جدیدہ میں بیان کیا ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے۔ کہ دونوں ہاتھوں کو مٹی سے کہنیوں تک اس طرح ملنا چاہئے جس طرح وضو میں دھوتے ہیں۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ کہنیوں تک مسح کرنا مستحب ہے اور پہنچوں تک مسح کرنا جائز ہے۔ اور امام زہری کا قول یہ ہے۔ کہ بغلوں تک مسح ہونا چاہئے۔ پس پہلے قول اور تیسرے میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ بدل میں اصل یہ بات ہے۔ کہ وہ جہاں تک ہو سکے مبدل کی شکل پر ہونا چاہئے۔ اگرچہ بعض ہی باتوں میں مشابہت ہو۔

اور تیسرے قول کی علت مٹی کی روحانیت کا پانی کی روحانیت سے کمزور ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس قول کے قائل نے بغلوں تک مسح کرنے کو کہا ہے

اور دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں کبھی صرف پہنچوں تک مسح کرنا ثابت ہے۔ اور کبھی کہنیوں تک۔ اور دونوں قول اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہیں جن کے ہاتھوں سے گناہ بہت قلیل ہوتے ہیں۔ برخلاف اون لوگوں کے جن کے ہاتھوں سے گناہ بہت صادر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہتھیلیوں کی کمزوری کہنیوں تک ہوتی ہوئی بغلوں تک پھیل جاتی ہے۔ اسی لئے مسح وہاں تک مطلوب ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہو گئے۔

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ وضو میں تو سر کا پانی سے مسح کرنا مشروع ہوا۔ لیکن تیمم میں کیوں ترک کر دیا گیا۔ تو جواب یہ دیا کہ شارع نے وضو کے اندر سر کا مسح اس نیک فالی کے لئے مشروع کیا ہے۔ کہ گویا اس مسح کرنے سے

سر کے اندر جو ریاست نماز کے اندر خدا کی درگاہ میں داخل ہونے سے مانع تھی۔ وہ دور ہوگئی۔ اور تیمم کرنے والے نے جسوقت اپنے خوبصورت چہرہ پر مٹی کو رکھا۔ تو اوسی وقت تکبر سے خالی ہوگیا۔ پس سر کے مٹی سے مسح کرنے کی حاجت نہ رہی۔ اور ذلت و انکساری کیلئے صرف چہرہ پر مٹی کا ڈالنا کافی سمجھا گیا۔

اور میں نے شیخ موصوف سے سنا ہے۔ کہ علماء نے وقت آنے سے پہلے پانی سے طہارت کرنے کو جائز کہا ہے۔ اور تیمم کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ پانی کی روحانیت چونکہ قوی ہے اسلئے اوسکی وجہ سے اعضاء کے اندر اوسوقت تک صفائی اور زندگی باقی رہیگی۔ جب تک اوس نماز کا وقت آئے۔ جس کے لئے وضو کرلیا ہے۔ برخلاف مٹی کے۔ کیونکہ اوس کی روحانیت کمزور ہے۔ جو اعضاء کے اندر اوسوقت تک صفائی نہیں رکھ سکتی۔ جب تک آنے والی نماز کا وقت آئے۔ اسی وجہ سے علماء نے صحت تیمم کے لئے دخول وقت کو شرط قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ وقت ہی ایسی شئے ہے جس کے اندر بندہ سے نماز کا خطاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالے کے اس قول میں ارشاد ہے۔ کہ (یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ) (ترجمہ) (اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو) اور اس آیت میں اگرچہ وضو کا ذکر ہے لیکن تیمم کا حکم پانی سے طہارت کرنے کے حکم میں داخل ہے) مگر پانی سے طہارت کرنے کو ایک دوسری دلیل کی وجہ سے اس حکم سے خارج کردیا۔ اور تیمم میں یہ حکم ویسے ہی باقی رہا۔ کہ وہ بندہ کو نماز کے لئے اوسی وقت پاک کرسکتا ہے۔ کہ جب اوسکا وقت آجائے +

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر وہ نماز ایسی ہے کہ اوس کی فرضیت تیمم سے ساقط ہوسکتی ہے (مثلاً مسافر ہے) تو اوس نماز کو پورا کرے اور نہ توڑے۔ اور اگر ایسی نماز ہے۔ کہ اوس کی فرضیت تیمم سے ساقط نہیں ہوسکتی۔ (مثلاً مقیم ہے) تو اوس کے لئے افضل یہ ہے۔ کہ نماز کو توڑ دے۔ اور پھر وضو کرکے پڑھے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اس صورت میں نماز کو پورا پڑھے اور ہرگز نہ توڑے۔ اور وہ نماز صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس شخص کا تیمم باطل ہوجائیگا۔ اور اوسپر لازم ہے کہ نماز سے باہر ہوجاوے۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ہر صورت میں نماز باطل ہے۔ پس بعض امام امر طہارت کا لحاظ زیادہ کرتے ہیں۔ اور بعض نماز کی رعایت زیادہ کرتے ہیں۔ اور جو شخص کہتا ہے۔ کہ نماز کو توڑ کر وضو کرے۔ اوس کی وجہ خدا تعالے کی درگاہ کو اس سے برتر اور بالا سمجھتا ہے۔ کہ جب بندہ اوس میں ایسی طہارت کے ساتھ داخل ہوگیا جو فی الجملہ صحیح ہے۔ تو اوس سے جدا ہوجاوے (یعنی نماز کو درمیان سے توڑ دے) اور جو شخص کہتا ہے۔ کہ نماز کو توڑ کر جدید وضو کرنا چاہئے۔ اوس کی وجہ خدائے تعالے کو اس سے برتر اور بالا سمجھتا ہے۔ کہ اوس کے اندر بندہ ایسی کمزور طہارت کے ساتھ

کھڑا رہے۔ جو اوس کے اعضاء میں پورے طور سے صفائی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ اور نہ اوس سے خدائیتعالےٰ کے ساتھ سرگوشی کرنے کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے۔

میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے۔ کہ جو شخص اسکا قائل ہے کہ تیمم سے نماز پڑھنے والے کو اگر اثنائے نماز میں پانی ملجاوے۔ تو اوس نماز کو نہ توڑے۔ بلکہ پورا کرے۔ اوس کی وجہ خدائیتعالےٰ سے اس بات کی حیا کرنا ہے۔ کہ اوس کی درگاہ سے یہ خیال کر کے جُدا ہو جاوے۔ کہ تیمم سے وضوء افضل ہے۔ اسلیئے کہ باریتعالےٰ سے سرگوشی کرنا زیادہ مہتم بالشان شے ہے۔ اور اسلیئے کہ نماز منجملہ مقاصد کے ہے۔ تو اوسکو ذرایع کی وجہ سے کیوں ترک کر دیا جاوے۔ اور پھر خاصکر اوس وقت کہ جب اوس وسیلہ کی حاجت نہ ہو۔ (کیونکہ تیمم کافی ہے) اور جو شخص اسکا قائل ہے۔ کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو اوس نماز کو توڑ کر وضو کرنا چاہیئے۔ اور پھر دوسری دفعہ نماز پڑہنی چاہیئے۔ اوس کی وجہ خدائیتعالےٰ کی عظمت کا اوس کے قلب پر غالب ہونا ہے۔ کیونکہ اوس کو اس سے شرم آتی ہے۔ کہ خدائیتعالےٰ کے سامنے ایسی کمزور طہارت کے ساتھ کھڑا ہو کر سرگوشی کرتا رہے کہ جس کی روحانیت اوس کے اعضاء میں نہ زندگی پیدا کر سکتی ہے۔ نہ صفائی۔ پس وہ اس بات کا خیال کرتا ہے۔ کہ بدن کی زندگی کے ساتھ خدائیتعالےٰ سے ایک ذرہ برابر سرگوشی کرنا اوس سرگوشی سے بدرجہا افضل ہے۔ کہ جو بدن کی مردگی یا اوس کے ضعف یا اوس کے فتور کے ساتھ ہو۔ اگرچہ وہ سرگوشی پہاڑ کے برابر ہو۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ غافل قلب سے کوئی دعا قبول نہیں فرماتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ضعیف اعضاء ایسے ہی ہیں جیسے غافل یا بیکار۔ یا بھولنے والا۔ اس لیئے کہ اوس کی خدائے تبارک وتعالےٰ کی طرف توجہ بہت کمزور ہے۔ (انتہیٰ) *

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک دو فرضوں کو ایک تیمم سے جمع کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ نماز ادا نماز پڑھتا ہو یا فوت شدہ۔ اور یہی قول اصحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تیمم ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ پانی سے وضو کرنا۔ یعنی اوس سے تب تک نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ جب تک حدث نہ ہو۔ یا پانی نہ ملے۔ اور یہی قول سفیان ثوری اور امام حسن کا ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ *

اور جو یہ کہتا ہے۔ کہ ایک تیمم سے دو فرض نہیں پڑھ سکتے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہم کو اوسی حد تک ٹھیر جانا ضروری ہے کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اور ہم کو کسی حدیث میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہیں پہونچی۔ کہ آپ نے کبھی بھی ایک تیمم سے دو فرض پڑھے ہوں۔ اور ایک وضو سے کئی فرضوں کا پڑھنا ثابت ہے

چنانچہ جنگ خندق کے روز - اور اصل بات یہ ہے - کہ خدا تعالے کا ظاہر قول اس بات پر دلالت کرتا ہے - کہ ہر فرض کے لئے جدید طہارت ہونی چاہئے - اور وہ قول یہ ہے - کہ (اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ) یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو - تو دھوؤ اپنے منہوں کو الخ) تو اب ہم اسی پر تیمم کو بھی قیاس کرینگے - یعنی اوس کے اندر بھی اصل یہی ہے کہ ہر فرض کے لئے تیمم کی طہارت جدا واجب ہو -

اور دوسری وجہ یہ ہے - کہ مٹی کی روحانیت پانی کی روحانیت سے کمزور ہے - بالخصوص اوسوقت کہ جب اول وقت میں تیمم کر لیا جائے - اور نماز آخر وقت تک مؤخر کردی جائے کیونکہ ایسی صورت میں نمازی کے اعضاء بالکل ضعیف ہو جائینگے - (تاخیر ہونے کی وجہ سے) یہانتک کہ وہ شخص ایسا ہو جائیگا کہ گویا اوس نے طہارت کی ہی نہیں -

اور جس کا مذہب یہ ہے - کہ ایک تیمم سے جسقدر چاہے فرض پڑھ سکتا ہے - اوس کی وجہ یہ ہے - کہ تیمم پانی سے طہارت کرنے کا بدل ہے - پس اوس کے لئے تمام وہ باتیں جائز ہیں - جو وضوء یا غسل کی صورت میں جائز ہوتی ہیں - جس طرح اوس کے لئے یہ بھی جائز ہے - کہ وقت کے آنے سے پہلے (اگر چاہے) تو تیمم کر سکتا ہے - جیسا کہ بدل ہونے کے بموجب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسی کے قائل ہیں - اگرچہ وہ تمام امور میں بدل کو مبدل کے ساتھ لاحق نہیں کرتے ہیں - کیونکہ تیمم کئے ہوئے اعضاء پھر بھی وضو کئے ہوئے اعضاء سے کمزور ہی ہیں - اور مٹی کی روحانیت پانی کی روحانیت سے کمزور ہے

اور بعض محققین نے بیان کیا ہے - کہ تیمم ایک مستقل عبادت ہے - اور وضوء یا غسل کا بدل نہیں ہے - ہاں خدا تعالے نے تیمم کا حکم ہم کو اوس وقت کیا ہے کہ جب ہم مریض ہوں - یا پانی نہ ملتا ہو - خواہ مقیم ہوں - یا مسافر -

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ تعالے عنہم فرماتے ہیں - کہ وقت آنے سے پہلے تیمم جائز نہیں -

اور اماموں کا اس پر اتفاق ہے - کہ تیمم کرنے والا اگر نماز تیمم سے پڑھ لینے کے بعد پانی کو دیکھے - تو اوس پر نماز کا لوٹانا واجب نہیں ہے - اگرچہ وقت ابھی باقی ہو - جیسا کہ شروع باب میں گذر چکا ہے ؁

چھٹا مسئلہ یہ ہے - کہ حضرت ربیعہ اور محمد بن الحسن رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ تیمم کرنے والے کو یہ جائز نہیں - کہ وہ وضوء سے پڑھنے والوں کا امام بنے حالانکہ چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے - کہ جائز ہے - پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تخفیف ہے -

اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ امام کو مناسب اور اولےٰ ہے - کہ وہ تمام لوگوں سے طہارت میں کامل ہو - کیونکہ وہ خدائے تعالے اور اوس کے بندوں کے درمیان میں واسطہ ہے - اور خطاب کی حیثیت سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کی خدا تعالے کے حضور سے

نزدیک تر ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ تیمم ہر حال میں طہارت ہے - پس جب اوس سے تنہا نماز پڑھنا جائز ہو چکا - تو اوس سے امام بنکر نماز پڑھانا بھی درست ہے +

ساتواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کا اس پر اتفاق ہے - کہ مقیم ہونے کی صورت میں نماز جنازہ اور عیدین کی نماز کے لئے تیمم جائز نہیں - اگرچہ اون کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو +

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ تیمم جائز ہے - پس پہلے قول میں طہارت کے اعتبار سے تشدید ہے - اور نماز کے اعتبار سے تخفیف - (کیونکہ فوت ہو جانا اچھا ہے بہ نسبت تیمم کر کے پڑھنے کے) اور دوسرا برعکس ہے - اور ہر قول کے لئے ایک ایک وجہ ہے +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ - کے نزدیک جو شخص مقیم ہو - اور اوس کو پانی کا استعمال دشوار ہو - اور وقت نماز کا اسقدر تنگ ہو - کہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے - تو اگر پانی اوس سے دور ہو - یا کنوئیں میں ہو - لیکن اوس سے نکالنے کی صورت میں وہ یقین کرتا ہے - کہ وقت نکل جائیگا - تو اوس کو اجازت ہے - کہ تیمم سے نماز پڑھ لے - پھر جب پانی ملجاوے - تو اوس نماز کا اعادہ کرے - حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ تیمم سے پڑھ لے - اور پھر پانی ملنے کی صورت میں نہ لوٹاوے - اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ اوس کو صبر کرنا چاہئے یہانتک کہ پانی پالے - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرے میں بھی تشدید ہے اور تیسرے میں نماز کے اعتبار سے تخفیف ہے - اور طہارت کے اعتبار سے تشدید -

اور پہلے قول کی وجہ نماز کے اندر اور اوس طہارت کے اندر جو تحت قدرت داخل ہے احتیاط پر چلنا ہے -

اور دوسرے قول کی وجہ صرف نماز کے اندر احتیاط کا لحاظ رکھنا ہے - اور تیسرے قول کی وجہ خدا تعالے کے ساتھ کامل ادب کے اندر احتیاط کرنا ہے - کیونکہ وہ اسکو باعث شرم خیال کرتے ہیں - کہ نماز کے اندر خدا تعالے کے سامنے ایسی طہارت کے ساتھ کھڑا ہو جاوے کہ جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اعضاء میں اوس درجہ کی زندگی پیدا نہیں کر سکتی - جس کی وجہ سے نمازی اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کی طرف پورا متوجہ ہو سکے -

اور امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے - کہ جس کو پانی نہ ملے اوس کو (غلوۃ السہم) ایک تیر کے فاصلہ کے برابر چلکر پانی کو تلاش کر لے - پھر تیمم کرے - اور اوسکا اندازہ تین سو اور چار سو گز کے درمیان درمیان ہے - (انتہی) اس کو خوب ذہن لو - کیونکہ بہت قلیل علماء نے اس کی تصریح کی ہے +

نواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ

کی دو روائیتوں میں سے ایک روائیت یہ ہے - کہ اگر پانی اتنا قلیل ہو - کہ اوس سے پورا وضو نہ ہو سکے - تو مکلف پر واجب ہے - کہ جتنے اعضاء کے کام میں آسکے - اون کو دھولے - اور باقی اعضاء کے لئے تیمم کرلے -

حالانکہ باقی اماموں کا قول یہ ہے - کہ اوس پر پانی کا استعمال کرنا واجب نہیں - بلکہ پانی کو چھوڑ دے - اور تیمم سے نماز کو ادا کرلے - پس پہلا قول مشدد ہے - اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے - کہ (اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ) یعنی جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں - تو تم اوس کو حتی الامکان بجا لاؤ)

اور دوسرے قول میں تخفیف ہے - کیونکہ وہ باوجود تیمم کرنے کے پانی کے استعمال کی تکلیف نہیں دیتا - اور اوس کی وجہ یہ ہے - کہ ہم کو شارع علیہ السلام سے ایسی طہارت کا ثبوت بہم نہیں پہونچا - جو تکمیل نہ کی ہو - بلکہ صرف بعض اعضاء کو وضو میں دھو کر چھوڑ دیا ہو - اور اس قول کے قائل کے نزدیک اس آئیت میں کہ (فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً) (پھر نہ پاؤ تم پانی کو) مراد یہ ہے کہ اسقدر پانی نہ پاؤ - جو تمہاری طہارت کے لئے کافی وافی ہو - تو (فَتَيَمَّمُوْا) پھر تیمم کرو - اور پہلے قول کا قائل یہ کہتا ہے - کہ ہم بعض اعضاء کی پانی سے طہارت کر سکتے ہیں - اور تکمیل کے لئے تیمم واجب ہے +

دسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ شخص جس کے کسی عضو میں زخم ہو - یا ٹوٹ گیا ہو - یا اوس میں پھوڑا پھنسی ہو - اور اوس پر پٹی لپیٹی ہوئی ہو - اور اوس کے کھولنے میں تلف ہو جانے کا خوف ہو - تو وہ پٹی پر مسح کرلے - اور تیمم کر کے نماز ادا کرلے -

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ اگر اوس کا بعض جسم تندرست اور بعض زخمی ہے - تو اگر اکثر حصہ صحیح ہے - تو اوس کو دھونا فرض ہے - اور باقی زخمی جسم کا حکم ساقط ہے - ہاں اوس کا پانی سے مسح کرنا (اگر تکلیف نہ دے) مستحب ہے - اور اگر جسم کا زیادہ حصہ زخمی ہے - اور کم صحیح - تو اوس کو تیمم کرلینا چاہئے - اور جسقدر اعضاء صحیح ہیں - اون کو دھونا معاف ہے -

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ صحیح بدن کو دھووے - اور زخمی جسم کے عوض تیمم کرلے - اور پٹی کا مسح نہ کرے - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرے میں تخفیف ہے - کیونکہ اوس میں تفصیل ہے -

اور پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ پٹی کے مسح کے واجب کرنے میں احتیاط ہے اسلئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے - کہ پٹی کچھ اچھے اور صحیح جسم کو بھی گھیرے ہوئے ہوتی ہے - ورنہ رک کیونکر سکتی ہے

(مترجم کہتا ہے - کہ کتاب میں جبیرہ کا لفظ ہے - اور جبیرہ اوس لکڑی کو کہتے ہیں - جو ٹوٹی ہڈی درست کرنے کے لئے باندھی جاتی ہے - مگر یہاں جبیرہ سے وہ لکڑی یا زخم کی

پٹی یا مرہم کا پھاہہ جو کچھ بھی ہو مراد ہے)

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب زیادہ حصہ جسم کا صحیح نہ ہو۔ بلکہ زخمی وغیرہ ہو تو تمام جسم زخمی ہی کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں شدت تکلیف کا لحاظ بہ نسبت اعضاء کے پانی سے دھونے کے زیادہ ضروری ہے۔ اسلئے کہ امراض خطاؤں کے لئے کفارہ ہوتے ہیں۔ اور گناہوں کو گھٹا دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں خدا تعالے نے صرف تیمم کا ذکر فرمایا ہے۔ ایسی طہارت کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جو ایک ہی عبادت کے واسطے کچھ پانی سے حاصل کی جاوے۔ اور کچھ مٹی سے ◆

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جو شخص شہر میں قید کیا گیا ہو۔ اور پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔ وہ تیمم سے نماز کو پڑھے اور پھر اوس کا اعادہ ضروری نہیں

حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ جب تک قید خانہ میں رہے نماز نہ پڑھے۔ اور اپنے رہائی پانے یا پانی کے ملنے تک انتظار کرے

اور امام شافعی رضی اللہ تعالے عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تیمم سے نماز پڑھتا رہے۔ لیکن جب آزاد ہو جائے۔ یا پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے۔ اوسوقت اون نمازوں کو لوٹا وے

اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے قول میں طہارت کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور نماز کے حکم کے لحاظ سے تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوس وقت کے اعتبار سے جتنی بات کا نمازی مکلف تھا وہ بجالایا۔ لہذا اوسکا لوٹانا ضروری نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ قید ہو جانا ایک نادر عذر ہے۔ اور محققین کا قول ہے۔ کہ مکلف کا اپنی تمام وسعت کو اس طرح خرچ کر دینا۔ کہ اوس کے نفس کے لئے کچھ بھی راحت نہ رہے۔ بہت سخت تنگی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ کہ وقت کی حرمت کا لحاظ کر کے اوسوقت تو ادا کر لے۔ اور پھر اوسکو لوٹا لے۔

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص نے اپنے کجاوہ میں رکھا ہوا پانی بھول کر تیمم سے نماز پڑھ لی۔ پھر پانی کو پایا۔ تو اوس نماز کا لوٹانا جائز نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ لوٹانا واجب ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مستحب ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے ◆

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اوس نے اپنا وقتی وظیفہ ادا کر دیا۔ اسطرح کہ خدا تعالے کے سامنے ایسی طہارت کے ساتھ جو فی الجملہ صحیح تھی کھڑا ہو گیا ◆

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط پر عمل کرنا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے سامنے ایسی طہارت کے ساتھ کھڑا ہونا جو ہر اعتبار سے کامل ہو۔

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ شخص جو دونوں آلہ طہارت میں سے (یعنی پانی اور مٹی) کوئی چیز نہ پاوے۔ نماز نہ پڑھے۔ یہانتک کہ اون میں سے کسی چیز کو پالے۔

حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جو اون کے دونوں قولوں میں سے راجح ہے۔ کہ اوسکو چاہیے۔ کہ نماز پڑھ لے۔ لیکن اوسکا اعادہ ضروری ہے جب اون میں سے کوئی چیز ملجائے۔

اور امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کی دونوں روائتوں میں سے بھی ایک یہی روائیت ہے اور امام مالک کی دوسری روائیت یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز ترک کردے۔ اور لوٹانا بھی ضروری نہیں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دوسری روائیت یہ ہے کہ اوسوقت نماز پڑھ لے۔ اور پھر نہ لوٹاوے۔ پس پہلے قول میں طہارت کے لحاظ سے تشدید ہے۔ اور نماز کے لحاظ سے تخفیف ہے ✤ اور دوسرے قول میں نماز کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور طہارت کے لحاظ سے تخفیف ہے ✤

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی علت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے نماز کے لئے طہارت کو شرط ٹھیرایا ہے۔ اور جسوقت مکلف پانی اور مٹی میں سے کسی شئے کو نہ پاوے تو اوسوقت طہارت کا حکم کرنے سے سکوت فرمایا ہے۔ اور یہ تو بڑی بات ہے۔ کہ بندہ حق تعالےٰ کے حضور میں معہ اون گناہوں کے کھڑا ہو جائے۔ جو پانی کے استعمال کرنے سے جھڑتے ہیں۔ پس یہ شخص ایسا ہے۔ جیسا کسی غلام نے اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست میں لتھڑا لیا۔ یا لتھڑ گئے۔ اور پھر کسی نے پکار کر کہا۔ کہ اے غلاموں آج تم کو بادشاہ نے اپنے حضور میں حاضری کی اجازت دی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اوس غلام کو باقی اور غلام جو پاک اور صاف ہیں۔ بادشاہ کے سامنے حاضر نہ ہونے سے معذور سمجھیں گے۔ اور یہ نہ کہینگے کہ اس نے بادشاہ کے ہاں حاضر ہونے کو اپنی توہین خیال کی۔ بلکہ یہ نہ حاضر ہونا بادشاہ کی محضر کی بہت سخت تعظیم کرنے کی دلیل ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے۔ کہ وقت کی حرمت کا لحاظ کر کے نماز ادا کرلے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو صرف اونہی امور کی تکلیف دی ہے جو ہماری قدرت اور طاقت کے تحت میں ہیں۔ اور شریعت کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو امر ہو سکتا ہے۔ وہ اس امر کی وجہ سے ساقط نہیں کیا جاتا جو متعذر ہے۔ اور وہ شخص قید کی حالت میں اگرچہ طہارت پر قادر نہیں ہے۔ بلکہ طہارت متعذر ہے۔ لیکن نماز پڑھنے پر تو قادر ہے اسلئے اوسپر نماز کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور حدیث میں موجود ہے۔ کہ (اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ) (ترجمہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم کروں۔ تو تم سے جسقدر ہو سکے اوس کو بجالاؤ) نیز نماز کوئی غیر موقت شئے تو ہے نہیں۔ بلکہ اوس کے لئے وقت شرط ہے

چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے (اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا) (ترجمہ) (بیشک نماز مومنوں پر فرض ہے جسکا وقت معین ہے) کیونکہ آیت کے ظاہری معنی سے یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ اوس نماز کا وقت میں بجالانا شرط ہے۔ اور اوس کی قضا نہیں ہوتی۔ اور یہی قول بعض مالکیہ کا ہے۔ اور اس کی تائید اوس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کہ (من فاتہ یوم من رمضان لم یقضہ الابد) (ترجمہ) (جس شخص کا کوئی دن رمضان سے فوت ہو گیا۔ اوس کی قضا کبھی نہیں ہو سکتی)۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ جس شخص کو نہ پانی ملتا ہو۔ نہ مٹی۔ اوس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا عذر ہے جسکا وجود بہت کم ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کو تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آتا۔ اس لئے علمائے دین نے اپنے متبعین کو اعادہ کا محکم احتیاطاً دیا۔ کیونکہ لوٹانے میں کچھ بہت زیادہ مشقت تو ہے ہی نہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ باقی تمام اون عبادات میں جو بندہ نے خلل کے ساتھ ادا کی ہوں علماء کا اعادہ کو ساقط کر دینا محض مشقت کے خوف سے ہوتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ اعادہ کا حکم نہ کرنا اکثر اونہی امور میں ہے جنکا وجود بہت نادر ہے۔ اور پھر اوسکا اتفاق سے وقوع اکثر ہونے لگے۔ اور حدیث شریف میں ایسا مضمون وارد ہے جس سے ناقص نماز کے لوٹانے کو واجب کرنے کی اوس سے تائید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ (اوّلُ مَا یُحَاسَبُ الْعَبْدُ عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الصَّلٰوۃُ) ترجمہ (پہلی وہ چیز جسکا قیامت کے دن بندہ سے حساب لیا جائیگا۔ نماز ہے)۔ اور اس میں شک نہیں۔ اگر نماز کامل ہے۔ تو اوس کے تمام اعمال کامل ہیں۔ اور اگر وہی ناقص ہے۔ تو اوس کے تمام اعمال ناقص ہیں۔

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ کہ اگر بندہ کا امور تکلیفیہ کے حاصل کرنے کے لئے اوس کی پوری وسعت خرچ کر دینا صحیح ثابت ہو جاتا۔ تو علماء کو ہرگز یہ جائز نہ ہوتا۔ کہ وہ اوس کے اعادہ کا حکم کریں۔ مگر چونکہ علماء جانتے ہیں۔ کہ بندہ اپنے نفس کے لئے کچھ نہ کچھ راحت ضرور باقی رکھتا ہے۔ تو اسلئے اونہوں نے اوس کے لوٹانے کا حکم کیا۔ اور اسی وجہ سے بعض علمائے محققین نے کہا ہے۔ کہ (خدا تعالےٰ کے اس قول پر عمل کرنا۔ کہ (فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ) (پس ڈرو اللہ تعالےٰ سے اوس کے ڈرنے کا حق) زیادہ آسان ہے خدا تعالےٰ کے اس قول پر عمل کرنے سے۔ کہ (فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) (یعنی ڈرو خدا سے جسقدر تم سے ہو سکے)۔ شیخ نے بیان کیا۔ کہ اوس کے زیادہ آسان ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ نفس کی شان یہ ہے کہ وہ کسلمند اور راحتوں کیطرف مائل ہوتا ہے۔ پس اپنی وسعت کو اپنے پروردگار کی رضامندی میں پورے طور پر صرف نہیں کر سکتا۔ برخلاف (اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ) کے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ بندہ اسکو اسطرح حاصل کر سکتا ہے۔ کہ وہ اس امر کا دل سے کامل یقین کر لے کہ اگر خدائے تعالےٰ اوس کو اون فعلوں سے نہ بچاتا جن میں خدائے تعالےٰ کا غصہ ہوتا ہے۔ تو میں ہرگز اون فعلوں سے نہ بچ سکتا (انتہی)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے اس قول کو۔ کہ (فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) خدا تعالےٰ کے دوسرے اس قول پر کہ (فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ) محمول کیا جائے۔ اس طرح کہ ما استطعتم کے معنے یہ لئے جائیں۔ کہ اپنی وسعت اسقدر صرف کرتا جس سے اور زیادتی متصور نہ ہو۔ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

چودھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص طہارت کر چکے۔ اور اتفاق سے اوس کے بدن پر نجاست لگی رہجائے۔ اور اوس کے دور کرنے کیلئے بھی کچھ نہ ہو۔ تو اوسکو چاہئے۔ کہ اوس کے واسطے ایسا تیمم کرے جیسا کہ حدث کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور پھر نماز ادا کرے۔ اور اوس نماز کو نہ لوٹاوے

حالانکہ باقی تینوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ باوجود نجاست لگے ہونے کے ہرگز تیمم نہ کرے اور پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں۔ کہ اوسکو اوس وقت تک نماز نہ پڑھنی چاہئے کہ جب تک اوس نجاست کے ازالہ کے لئے کوئی شے نہ پالے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اوس کو چاہئے۔ کہ نماز ادا کرلے۔ اور پھر اوسکو لوٹالے۔ پس پہلے قول میں نجاست کے لحاظ سے تخفیف ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔

پندرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مشہور روائیت اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دو روائتوں میں سے زیادہ صحیح روائیت یہ ہے۔ کہ تیمم کے اندر دو ضربوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ضرب منہ کے واسطے۔ اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک حالانکہ امام احمد اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک صرف ایک ضرب منہ اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے کافی ہے۔ اسطرح کہ انگلیوں کے اندر کی جانب سے منہ کا مسح کیا جائے۔ اور ہتھیلیوں کے اندر کی جانب سے ہتھیلیوں کا۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور اوس کی تائید میں حدیث وارد ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور ان دونوں قولوں کی توجیہہ نہیں ذکر کی جاسکتی مگر دو بدو کیونکہ وہ باریک اور مخفی ہے۔ پس اے بھائی باغ باغ کر تو اپنے نفس کو حلال کے کھانے اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے سے۔ پھر تو خود شریعت کے اسرار سمجھنے لگیگا۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے

باب موزوں پر مسح کرنیکے بیان میں

تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ سفر کی حالت میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور سوائے خارجیوں کے اوس کے جواز کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور حضر کی حالت میں وہ بھی جواز کے اندر متفق ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ اگر صرف موزے کے اوپر کی جانب میں مسح کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ تو جائز ہے۔ اور اگر صرف نیچے کی جانب مسح کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ تو کافی نہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ دونوں موزوں پر صرف ایک

مرتبہ مسح کرنا کافی ہے - اور اسپر بھی اتفاق ہے - کہ جسوقت دونوں میں سے ایک پیر سے نکل جائے تو دوسرے کا نکالنا بھی واجب ہے - اور اسپر بھی اتفاق ہے - کہ مدت مسح کی ابتداء اوسوقت سے ہوگی کہ جب اون کے پہننے کے بعد پہلی دفعہ وضو ٹوٹیگا نہ وقت مسح سے مگر ہاں اسکے اندر امام احمد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے - کہ مدت مسح کی ابتداء وقت مسح سے شمار کی جائے گی - اور علامہ ابن منذر اور علامہ نووی نے اسی کو پسند کیا ہے - یہانتک وہ مسائل ہوئے جو اس باب میں مجھ کو اتفاقیہ ملے ہیں -

رہے وہ مسائل جن میں آئمہ کا اختلاف ہے - اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے - اور مسافر کے لئے تین دن اور اونکی راتیں -

حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مسافر اور مقیم کی مدت کوئی سوقت نہیں بلکہ جب تک جی چاہے مسح کرتا رہے - بشرطیکہ درمیان میں نکالا نہ ہو - اور نہ غسل کی حاجت ہوئی ہو - پس پہلے قول میں وقت معین ہونے کے لحاظ سے تشدید ہے - اور دوسرے قول میں تخفیف ہے +

اور پہلے قول کی وجہ مقیم اور مسافر کے مسح کرنے کی مدت کا معتدل ہونا ہے - کیونکہ نہ تو وہ مدت طویل ہے - اور نہ کم - اور اس مدت کا بہت سی جگہوں میں علماء اور شارع نے اعتبار کیا ہے - جیسے بیع کے خیار کی مدت اور حیض کی اقل مدت اور مقیم کی مدت مسافر کی مدت سے کم اس لئے رکھی گئی ہے - کہ خدا بتعالے کے حکم کی نافرمانی حالت اقامت میں بہ نسبت حالت سفر کی زیادہ وقوع پذیر ہوتی ہے - پس اگر مقیم کی مقررہ مدت سے یا مسافر کی مقررہ مدت سے زیادتی کردی جائے - تو دونوں پاؤں کی روحانیت نہایت کمزور ہوجائیگی - کیونکہ اونکو پانی لگے ہوئے بہت زمانہ گذر جائیگا - یہانتک کہ اونکی خشکی اس حالت تک پہونچ جاوے گی کہ وہ پاؤں ایسے ہوجاوینگے جیسے وہ پاؤں جو بوجہ شل ہو جانے کے کچھ احساس نہیں کر سکتے - پھر اون کا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنا ایسا ہو جائیگا - جیسا کہ جماد اور بیجان چیز سرگوشی کرتی ہو - یعنی روحانیت نہایت ضعیف ہوجائے گی - اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے شخص کے اجر میں کمی ضرور ہوگی - اور پروردگار کی بارگاہ عالی میں حاضری بھی بہت معمولی درجہ کی ہوگی -

اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ احکام کا واضع شارع ہے اسلئے کسی مومن کو یہ حق نہیں - کہ وہ یہ کہے - کہ شارع نے ایسا کیوں حکم کیا - ایسا کیوں نہ کیا - جب اوس حکم کی حکمت سمجھ میں نہ آوے -

اور بعض علماء کا قول ہے - کہ مقیم اور مسافر کے لئے مدت مذکورہ کا معین کرنا اون معمولی طبقے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - جن سے شب و روز گناہوں کا وقوع اکثر ہوتا رہتا ہے - اور مدت مسح کا معین نہ کرنا (جیسا کہ امام مالک کہتے ہیں) اون بڑے درجے

تک اونکو پہنے ہوئے چلنا ممکن ہو۔ اور اونکا نام موزہ رہ سکے۔ اور امام اوزاعی کا قول یہ ہے
کہ باقی پاؤں پر جو موزہ ہے اوسپر مسح کرنا درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول
یہ ہے۔ کہ اگر موزہ میں تین اُنگلیوں کے برابر پھٹن ہو۔ چاہے متفرق ہی طور پر ہو (یعنی چند
جگہ سے پھٹا ہو۔ اور سب کو یکجا کرنے سے اتنی مقدار ہو جاوے) تو اوسپر مسح جائز نہیں
اور اگر اس سے کم ہو۔ تو جائز ہے۔ پس امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول مشدد ہے
اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اوس سے کم مشدد ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ
کے قول میں اوس سے بھی کم تشدید ہے۔ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی ر
کے قول میں تخفیف ہے۔ اور امام داؤد کے قول میں بہت زیادہ تخفیف ہے۔ لہٰذا
مرتبے میزان کے برابر ہو گئے۔ اور اس مسئلہ میں حقیقت شریعت کے موافق ہو گئی۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے دونوں قول
میں سے راجح قول یہ ہے۔ کہ جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں۔ (جرموق اوس جوتے
کہتے ہیں۔ جو موزے پر پہنا جاتا ہے) اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد
رضی اللہ عنہ کا قول جواز کا ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت یہی
ہے۔ اور دوسرا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید
اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور اس تخفیف و تشدید میں حقیقت بھی شریعت کے
موافق ہے۔ کیونکہ مسح کا جائز ہونا اوس وقت ہے۔ کہ جب مسح کی حاجت ہو۔ اور نا
جائز ہونا اوس وقت کہ حاجت نہ ہو۔

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ پاتتابوں پر صرف اوس
وقت مسح جائز ہے کہ جب اون پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ
کا قول یہ ہے۔ کہ جائز ہے۔ اگرچہ باریک ہوں۔ بشرطیکہ پاؤں اون کے اندر نظر نہ
آتے ہوں۔ پس پہلے قول میں تشدید اور دوسرے میں تفصیل ہے۔ اور جواز کی وجہ
یہ ہے کہ آخر اون پر بھی تو لفظ موزے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ
ہے۔ کہ اون پر موزے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور شارع نے اس کے بیان سے سکوت
فرمایا ہے۔ پس دونوں باتیں ہوئیں۔ یعنی مسح جائز بھی۔ اور ناجائز بھی۔ لیکن یہ دونوں
حکم دو مختلف حالوں کے اعتبار سے ہیں۔ یعنی جو شخص کو ان کے سوا اور موزے دستیاب
ہوسکتے ہوں۔ وہ مسح نہ کرے۔ اور جو ان کے سوا اور نہ پاوے تو اوس کے لئے مسح جائز

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی ا
عنہ کے دو قولوں میں راجح یہ ہے۔ کہ جس نے موزہ کو پاؤں سے نکال لیا۔ اور وہ موز
پر مسح کرنے کی وجہ سے پاک تھا۔ تو اوس کو چاہئے کہ اب صرف دونوں قدموں کو د
خواہ نکالے ہوئے بہت مدت گذر چکی ہو۔ یا تھوڑی مدت گذری ہو۔ حالانکہ امام مالک
اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ اگر نکالے ہوئے بہت دیر گذر چکی ہو۔ تو

طہارت پھر سے کرے - اور امام حسن اور امام داؤد کا قول یہ ہے - کہ اوسپر نہ تو دونوں قدموں کا دھونا واجب ہے - اور نہ نئے سرے سے طہارت کرنا - بلکہ وہ یونہی نماز پڑھتا رہے جب تک پھر کوئی حدث پیدا ہو - پس پہلے قول میں تخفیف - اور دوسرے میں تشدید - اور تیسرے میں بالکل تخفیف ہے - پس پاؤں کا دھونا - اور نئے سرے سے طہارت کرنا اوس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو معاصی میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں - اور اون دونوں کا ترک کرنا اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو معاصی میں مبتلا نہیں ہوتے - مثلاً علماء اور صالحین - کیونکہ اون کے ابدان زندہ ہیں - جو موزے نکل جانے کے بعد زندہ ہونے کے لئے پانی کے محتاج نہیں - برخلاف اون لوگوں کے بدنوں کے جو گناہ کرتے رہتے ہیں - پس سمجھ لو - اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے

باب حیض کے بیان میں

اماموں کا اسپر اتفاق ہے - کہ حیض والی عورت سے حیض آنے تک نماز کا فرض ساقط ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے - کہ اوسپر نماز کی قضا بھی واجب نہیں - اور اس پر بھی اتفاق ہے - کہ اوس عورت پر جسکو حیض آتا ہو - خانہ کعبہ کا طواف اور مسجد میں ٹھیرنا حرام ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے - کہ اوس عورت سے ہمبستر ہونا حیض آنے تک حرام ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر حیض مقررہ دنوں یا عادت کے دنوں سے کم مدت میں بند ہو جائے - تو اوس میں سے بغیر غسل کئے ہمبستری حرام ہے - اور ابن المنذر کا قول ہے - کہ یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے - اور اس پر بھی اتفاق ہے - کہ حیض والی عورت کو حالت حیض میں نماز پڑھنا ایسا حرام ہے جیسا کہ اوس شخص کو جسے غسل کی حاجت ہو - اور اسپر بھی اتفاق ہے - کہ جسقدر چیزیں حیض سے حرام ہیں اوسی قدر نفاس سے بھی حرام ہیں (نفاس وہ خون جو عورت کو بچہ ہونے کے بعد آتا ہے) یہانتک وہ مسائل ہوئے - جو اس باب میں مجھے ایسے ملے ہیں - جن پر علماء کا اتفاق ہے -

اور جن مسائل میں علماء کا اختلاف ہے - اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے - کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے - کہ عورت کی ابتدائی عمر جس میں اوسکو حیض شروع ہو سکتا ہے - نو سال ہیں - اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا راجح ہے - اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں بلوغ کی ابتدائی عمر پندرہ سال ہیں - پس پہلے قول میں تشدید - اور دوسرے میں تخفیف ہے - اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے شہروں میں حرارت غالب ہوتی ہے - اور دوسرا قول اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے شہروں میں برودت غالب رہتی ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک حیض کے بند ہونے کے لئے کوئی مدت معین نہیں - بلکہ اوس کے اندر شہروں اور ملکوں کی

عادت کو دخل ہے۔ کیونکہ شہروں کی حرارت اور برودت کے لحاظ سے اوس کی مدت میں بھی
اختلاف ہوتا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے
کہ اوس کے انقطاع کی مدت ساٹھ دن ہیں۔ اور دوسری روائت میں یہ ہے۔ کہ انقطاع کی
مدت رومی عورتوں کے لئے پچپن تک ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی روائت میں یہ قول
ہے۔ کہ اوس کی مدت پچاس دن ہیں۔ خواہ وہ عورتیں عربی ہوں۔ یا غیر عربی۔ اور اون کی دوسری
روائت میں یہ ہے۔ کہ ساٹھ دن ہیں۔ اور اون کی تیسری روائت میں یہ ہے۔ کہ اگر عورت
عربی ہو۔ تو مدت ساٹھ دن ہیں۔ اور اگر عجمی ہو۔ تو پچاس دن ہیں۔ پس پہلے قول میں
تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حیض کی کم سے کم
تین روز ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ دس روز۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے
کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور رات ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں
اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول بھی پہلے قول کے مخالف ہے۔ کیونکہ اون کے
نزدیک حیض کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد معین نہیں۔ بلکہ ایک ساعت بھی ہو سکتی
ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ روز ہیں۔ پس پہلے اور دوسرے قول میں امر
نماز کے اعتبار سے تخفیف ہے۔ اور تیسرے میں نماز کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور
یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس کے برعکس ہو۔ کیونکہ جو شخص نماز کی احتیاط کرے گا۔ اوس سے
طہارت میں احتیاط کم ہو گی۔ اور برعکس۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہے

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور امام شافعی
کے نزدیک دو حیضوں کے درمیان عورت کم سے کم پندرہ روز پاک رہ سکتی ہے۔ حالانکہ
امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تیرہ روز تک پاک رہ سکتی ہے۔ اور امام مالک رضی
اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ میں دونوں حیضوں کے درمیان کوئی معتمد علیہ وقت نہیں سمجھتا
اور امام مالک کے بعض اصحاب سے مروی ہے۔ کہ کم سے کم دس روز پاک رہ سکتی ہے
پس پہلا قول متشدد اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور تیسرا قول دونوں کا احتمال رکھتا ہے
اور اس امر میں خفا نہیں۔ کہ نماز کی صحت میں احتیاط سے کام لینا بہ نسبت طہارت کے
اندر احتیاط کرنے کے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ مقاصد کا امر بہ نسبت وسائل کے
مؤکد زیادہ ہوتا ہے ٭

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک
حیض والی عورت کے گھٹنے اور ناف کے مابین کسی عضو سے نفع حاصل کرنا حرام ہے
حالانکہ امام احمد اور امام محمد بن حسن کا قول یہ ہے۔ کہ پیشاب گاہ کے سوا اور تمام اعضا
سے نفع اٹھانا حلال ہے۔ یہی قول بعض اکابر مالکیہ اور بعض اکابر شافعیہ کا ہے۔ اور
پہلا قول متشدد ہے۔ اور وہ اوس شخص پر محمول ہے۔ جو اپنے نفس پر قابو نہ رکھے۔

دوسرا قول مخفف ہے۔ اور وہ اوس شخص پر محمول ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے۔ اور پہلے کا نام (تحریم الحریم) ہے نہ تحریم العین جسطرح فرج سے نفع اٹھانا تحریم العین ہے۔ اور اسکی وجہ سے علماء کا اول کی حرمت میں اختلاف ہوا ہے۔ اور دوسرے کی حرمت میں سب متفق ہیں۔ اور اس کی نظیر یہ ہے۔ کہ روزہ دار کے بوسہ لینے کے بارے میں علماء کہتے ہیں۔ کہ یہ اوس شخص کے لئے حرام ہے جو اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو۔ اور اوس کے لئے جائز ہے جو قابو رکھتا ہو۔ اور پہلے کی تائید خدا تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ (وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ) (ترجمہ) اور مت قریب جاؤ اون عورتوں کے یہانتک کہ پاک ہو جاویں) اور ناف اور گھٹنے کے درمیان سے نفع اٹھانے کو نزدیک جانا بولتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو چراگاہ کے گرد گھومیگا۔ وہ عنقریب چراگاہ میں گر جائے گا +

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں راجح قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ جو شخص حائضہ عورت سے قصداً جماع کرے۔ تو اوس پر تاوان نہیں البتہ اوس کو خدا تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کو ایک دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ یہ اوس وقت کہ جب خون کے آگے کو آنے کے وقت جماع کرے۔ اور اگر ایسے وقت جماع کرے کہ جب خون پیچھے کو جاتا ہو۔ تو آدھے دینار کا صدقہ مستحب ہے۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ قدیمہ میں یہ کہا ہے کہ اوس پر تاوان لازم ہے۔ اور اوس کی مقدار میں دو قول ہیں مشہور یہ ہے۔ کہ ایک دینار ہے جیسا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہر حال میں ایک غلام آزاد کرے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دوسری روائیت یہ ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار کا صدقہ کرے۔ اور وہ کچھ تفصیل نہیں جو امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول میں پہلے بیان ہوئی۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرے کیں تشدید ہے۔ اور غلام کا آزاد کرنا اسجگہ بہت ہی تشدید ہے۔ اور پہلا قول اون فقیر لوگوں پر محمول ہے یا جن کے پاس مال نہیں ہے۔ اور دوسرا قول اون لوگوں پر محمول ہے۔ جو متوسط الحال ہیں۔ اور غلام کا آزاد کرنا بڑے مالدار امراء وغیرہ پر محمول ہے۔ پس سمجھ لو +

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اکثر علماء کے نزدیک حائضہ عورت سے خون بند ہو جانے کے بعد جب تک غسل نہ کرے جماع حرام ہے۔ اگرچہ خون حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت میں بند ہوا ہو۔ تو غسل کرنے سے پہلے بھی جماع جائز ہے۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ مدت سے کم میں بند ہو گیا ہو۔ تو جماع اوس وقت تک جائز نہیں۔ کہ جب تک عورت غسل نہ کر لے۔ یا ایک نماز کا وقت نہ گذر جاوے۔

اور امام اوزاعی اور امام داؤد کا قول یہ ہے۔ کہ جب عورت اپنی پیشاب گاہ کو دھولے۔ تو اوس سے جماع جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور تیسرے میں بہت تخفیف ہے۔ اور جو کہتا ہے۔ کہ اوس عورت سے جسکا خون بند ہوچکا ہو۔ اوس وقت تک جماع جائز نہیں۔ کہ جب تک وہ اپنے تمام بدن کا غسل نہ کرلے۔ اوس کی علت تنظیف اور طہارت میں مبالغہ کرنا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ رگ کے منتشر ہونے کی وجہ سے خون پیشاب گاہ کے باہر کی جانب رواں ہونے لگے۔ اور نظیر اس کی وہ ہے۔ جو حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ (فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ) (ترجمہ) کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا۔ کہ کہاں رات گذاری ہے اوس کے ہاتھ نے)

اور جو کہتا ہے۔ کہ صرف پیشاب گاہ دھو لینے کے بعد جماع درست ہے۔ سو اوس کی علت یہ ہے۔ کہ وہ نجاست جس کی وجہ سے جماع حرام کیا گیا ہے۔ اوس خون کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو پیشاب گاہ کے اندر ہوتا ہے۔ اور پیشاب گاہ سے باہر کوئی خون ایسا نہیں ہے جو جماع کرنے والے کی پیشاب گاہ کو نجس کردے۔ پس جب عورت نے اپنی پیشاب گاہ کو دھولیا ہو۔ تو اوس سے جماع جائز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تمام بدن پر پانی بہانے سے پیشاب گاہِ عورت میں کچھ طہارت زائد نہیں ہوجائے گی۔ بلکہ صرف اوسی قدر ہوگی جتنی پیشاب گاہ کے اندر کا خون دھونے سے ہوگی۔ اور اوسقدر دھو دینے سے حاصل ہوچکی۔ لہٰذا اماموں کا یہ قول کہ اوس عورت سے غسل کرنے تک جماع کرنا حرام ہے۔ اون لوگوں پر محمول ہے جن کی شہوت سخت نہیں ہے۔ مثلاً پھوس سے بڈھے۔ اور امام اوزاعی اور امام داؤد کا قول اون لوگوں پر محمول ہے جو سخت شہوت والے ہیں جیسے جوان لوگ۔ پس میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جب حیض والی عورت کا خون بند ہوجائے۔ اور غسل کے واسطے موجود نہ ہو۔ تو تیمم کرنے پھر اوس سے جماع کرنا حلال ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی مشہور روایت میں ہے۔ کہ اوس سے بغیر غسل کے جماع حلال نہیں۔ رہی نماز سو وہ تیمم کرکے پڑھ سکتی ہے۔ پس پہلا مخفف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ پہلے قول کو اون لوگوں پر محمول کیا جاوے۔ جنکو زنا کا خوف ہو۔ اور دوسرا قول اون لوگوں پر محمول ہے جنکو اسکا خوف نہ ہو۔

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ حائضہ عورت نماز کے بارہ میں جنبی کا سا حکم رکھتی ہے۔ اور قرآن پڑھنے کے بارے میں پس امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ پڑھنا بھی جائز نہیں۔ حالانکہ امام مالک کی ایک روایت میں یہ قول ہے۔ کہ وہ قرآن شریف کو پڑھ سکتی ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے۔ کہ وہ تھوڑی آیتیں قرآن شریف کی پڑھ سکتی ہے۔ اور

پہلے قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے اصحاب نے نقل کیا ہے۔ اور یہی مذہب امام داؤد کا ہے۔ پس پہلے اور تیسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت میں تشدید ہے۔ اور قواعد شرعیہ اس امر کا حکم کرتے ہیں۔ کہ جو چیز ضرورت کی وجہ سے جائز کی جاتی ہے۔ اوسکا اندازہ بقدر ضرورت ہی ہوتا ہے

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے دونو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے۔ کہ اوسکو حیض آتا ہے۔ پس پہلے قول میں نماز کے اعتبار سے تشدید ہے۔ یعنی جب حاملہ عورت خون کو دیکھے۔ تو نماز پڑھتی رہے۔ اور دوسرے قول میں نماز کے اعتبار سے تخفیف ہے۔ یعنی جب حاملہ عورت خون دیکھے۔ تو نماز نہ پڑھے۔ پس پہلے قول کے قائل نے نماز کی رعایت کی ہے۔ اور دوسرے قول کے قائل نے طہارت کے حکم کی۔ اور ہر ایک کی ایک ایک وجہ ہے۔ لیکن اوس شخص کو جس نے مقاصد کی رعایت کی ہے اوس شخص پر تقدم ہے جس نے اون امور کی رعایت کی ہے جو عمل میں وسیلہ ہیں دوسری اشے کے۔

اور علماء نے بیان کیا ہے۔ کہ حاملہ عورت سے خون نکلنے کا سبب بچہ کا ضعیف ہونا ہے۔ کیونکہ وہ حیض کے خون کو اپنی غذا بناتا ہے۔ اور جب بچہ ضعیف ہوگا۔ تو خون بہہ نکلیگا۔ پھر یہ بات بھی ہے۔ کہ بچہ کا ضعف اکثر اون مہینوں میں ہوتا ہے۔ جو شفعے (جفت) ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچہ (فرد) طاق عدد میں قوی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ بچہ جو سات ماہ میں پیدا ہو جی پڑتا ہے۔ اور جو آٹھ ماہ میں پیدا ہو نہیں جیتا اور اللہ تعالٰے سب سے زیادہ جاننے والا ہے

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک اوس عورت سے جسکو استحاضہ کی بیماری ہو ہمبستر ہونا جائز ہے۔ جیساکہ اوس کے لئے نماز روزہ ادا کرنا فرض ہے حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کی پیشاب گاہ سے جماع کرنا حرام ہے۔ مگر اوسوقت کہ جب اوس کے خاوند کو زنا کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ اوسوقت دونوں روایتوں میں سے صحیح یہ ہے۔ کہ اوسوقت جماع جائز ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے قول کو بھی اون لوگوں پر محمول کیا جائے جنکو زنا کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ استحاضہ کے خون میں حیض کے خون کے کچھ اوصاف ضرور ہوتے ہیں۔ اسلئے جماع کرنے والے کے ذکر میں نجاست اور گندگی ضرور لگیگی۔ پس سمجھ لو۔

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حیض کی کم سے کم مدت کے درمیان خون بند ہو جائے۔ تو وہ حیض ہی میں شمار ہے۔ حالانکہ یہ قول اوس کے مخالف ہے۔ کہ وہ طہر میں شمار کیا جائیگا۔ پس پہلے قول میں نماز کے

حکم کے اعتبار سے تخفیف ہے - اور دوسرے قول میں نماز کے حکم کے لحاظ سے اور طہارت کے لحاظ سے تشدید ہے - تاکہ حائضہ عورت کے خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہونے سے یہ لازم نہ آوے - کہ وہ ایسی حالت میں کھڑی ہے کہ اوس کا جسم گندگی سے آلودہ اور سڑی بدبو والا ہے - پس ہر ایک کے لئے نماز اور طہارت کے اندر احتیاط برتنے کی حیثیت سے ایک ایک وجہ ہے - اور دوسرے قول کی وجہ اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کرنا ہے - کہ (فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوۃ واذا ادبرت فاغسلی منک الدم وصلی) ترجمہ پس جب حیض کا خون آگے کو آوے - تو چھوڑ دے تو نماز کو اور جب پیچھے کو جاوے - تو دھو دے اپنے بدن سے خون کو اور نماز پڑھ لے) تو ادبرت (پیچھے کو جاوے) کا لفظ اوس صورت کو بھی شامل ہے - کہ خون حیض اپنی کم سے کم مدت میں منقطع ہو جاوے - اور اوس کو بھی کہ اکثر مدت کے بعد منقطع ہو - اور نماز کے حرام کرنے میں علت خون کا ٹپکنا تھا - اور جب وہ بند ہو گیا - اور نہیں ٹپکا - تو اوس کے لئے جائز ہے - کہ غسل کر کے نماز پڑھ لے جیسا کہ اگر خون اکثر مدت میں بند ہوتا تب بھی ایسا ہی کرتی پس سوچ لو +

تیرھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اکثر مدت نفاس کی چالیس دن ہیں - حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ اوس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہیں - اور لیث بن سعد کا قول یہ ہے - کہ اوس کی اکثر مدت ستر دن ہیں - پس پہلا قول نماز کے حکم کے بارے میں متشدد ہے - اور دوسرے میں تخفیف ہے اور لیث کا قول بہت مخفف ہے +

چودھواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک جب نفاس والی عورت کا خون اپنی انتہا سے پہلے بند ہو جائے تو اوس سے بغیر کراہت جماع درست ہے حالانکہ امام احمد کا قول یہ ہے - کہ اوس سے اس طہر میں اوس وقت تک ہمبستر ہونا درست نہیں کہ جب تک چالیس دن نہ گذر جائیں - پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے میں تشدید ہے - اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اوس شخص پر محمول کیا جاوے جسکو زنا کا خوف ہو - اور دوسرا اوس پر جسکو خوف نہ ہو (انتہیٰ)

اور اس باب کے بعض مسائل ہم نے ترک کر دیئے ہیں - اون کو اے بھائی اون مسائل پر قیاس کر لو - جو ہم ذکر کر چکے ہیں - یعنی میزان کے دونوں پلوں کی طرف لوٹا دو +

کتاب نماز کے احکام میں

مسلمانوں کا اسپر اتفاق ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں - اور اون کی سترہ رکعتیں ہیں - کہ جن کو خدا تعالے نے ہر مسلمان عقل والے بالغ پر اور ہر مسلمان عورت عقل والی بالغہ حیض و نفاس سے پاک پر فرض فرمایا ہے - اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ

جن مکلفوں پر نماز فرض ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نماز کو اوس کے وجوب سے منکر ہو کر ترک کرے۔ تو وہ کافر ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ نماز منجملہ ان فرضوں کے ہے جن کے اندر نہ کوئی جان نائب ہو سکتی ہے نہ مال قائم مقام بن سکتا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ آذان اور تکبیر پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے مشروع ہیں۔ اور اس پر اجماع ہے۔ کہ جب کسی شہر کے لوگ اوس کے چھوڑنے پر اتفاق کر بیٹھیں۔ تو اون سے جہاد کیا جائے۔ کیونکہ نماز اسلام کی علامتوں میں سے ہے۔ پس اس کو معطل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ صرف صبح کی آذان میں تثویب مشروع ہے۔ (تثویب کے معنے نماز کے لئے یہ کہکر کہ نماز کو چلو۔ نماز کو چلو دوبارہ پکارنا۔ اور یہاں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا مراد ہے) اور اسپر بھی اجماع ہے۔ کہ عیدین کی نماز اور سورج چاند دونوں کے گہن لگ جانے کی نماز اور پانی مانگنے کی نماز میں اسطرح پکارنا سنت ہے۔ کہ الصلوٰۃ جامعۃ۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ مسلمان مرد عقل والے کی اذان معتبر ہے۔ اور عورت کی آذان مردوں کے لئے معتبر نہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ نابالغ لڑکے تمیز دار کی اذان معتبر ہے۔ اسی طرح بے وضو کی آذان جبکہ غسل کی حاجت نہ ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ ظہر کا اول وقت آفتاب کے ڈھل جانے کے بعد ہے۔ اور زوال سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ نماز اخیر وقت آفتاب کا نکلنا ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ سخت گرمی کے زمانہ میں ظہر کو اپنے وقت مقررہ سے ذرا موخر کر کے پڑھنا زیادہ بہتر ہے جبکہ اوسکو جماعت کی مسجد میں پڑھے۔ یہانتک وہ مسائل ہوئے جو اس باب میں اجماعی مسائل ہیں۔ رہے وہ مسائل جن میں اختلاف ہے۔ تو اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک فرض نماز مکلف سے جب تک اوس کے اندر عقل رہے۔ ساقط نہیں ہوتا۔ چاہے صرف نماز کو دل ہی پر جاری کرلے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جس شخص کو موت نظر آنے لگے۔ اور سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت معدوم ہو جائے۔ تو اوس سے فرض ساقط ہو گیا۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ اور اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔ کیونکہ ہم کو کوئی خبر ایسی نہیں ملی۔ کہ کسی نے اوس شخص کو جو جان بلب ہو۔ نماز کا حکم کیا ہو۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی علت یہ ہے۔ کہ جس کو عنقریب موت آنے والی ہو اوس کا دل خدا تعالےٰ کے ساتھ بہ نسبت حکم نماز کی بجا آوری میں مشغول ہونے کے بہت زیادہ مطمئن ہوگا۔ کیونکہ شارع نے ہم کو نماز کے اندر جسقدر اقوال اور افعال کا حکم فرمایا ہے۔ وہ صرف خدا تعالےٰ کی حضوری کے لئے وسیلہ بنانے کی غرض سے ہے۔ اور قریب المرگ آدمی حضوری خداوندی کی انتہا تک پہونچ گیا۔ اور وہیں جاگزیں بھی ہو گیا۔ پس حکم اوس کا ایسا ہے جیسا کہ ولی مجذوب کا۔ اور یہاں بہت سے اسرار ہیں جو کتاب میں نہیں لکھے جاسکتے۔ پس سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص پر مرض یا کسی اور امر مباح کی وجہ سے بیہوشی طاری ہو جائے۔ تو اوس سے وہ تمام فرض نمازیں جو حالت بیہوشی میں اوسپر گذری ہیں۔ ساقط ہیں یعنی اون کی قضا بھی لازم نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر وہ بیہوشی ایک دن ایک رات یا اوس سے کم رہے تو قضا واجب ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ رہے۔ تو واجب نہیں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ بیہوش ہو جانا کسی حال میں مانع وجوب قضا نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تفصیل۔ اور تیسرے قول میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بیہوش آدمی حالت بیہوشی میں تکلیف سے خارج ہے اور دوسرے قول کی وجہ کامل احتیاط پر عمل کرنا ہے۔ باوجودیکہ قضا ممکن ہو۔ کیونکہ شارع نے نماز کے کامل کرنے کا سخت حکم فرمایا ہے۔ اور اس بات سے نہی فرمائی ہے۔ کہ بندہ قیامت کے دن ایسی حالت میں حاضر ہو۔ کہ اوس کی نماز ناقص ہو۔ پس ہر مذہب کے لئے ایک ایک وجہ ضرور ہے۔ لہذا اکابر علماء اور صالحین کے مناسب قضا کے وجوب کا حکم ہے۔ کیونکہ قضا کے عدم وجوب کی تخفیف محض عوام کے لئے ہے۔

اور شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حواس سے معطل کر دیئے جاتے تھے۔ (مترجم کہتا ہے کہ شبلی کی کنیت ابو بکر ہے۔ اور اسم گرامی اونکا جعفر بن یونس ہے۔ اور شبلی اون کا لقب ہے۔ یہ بہت بڑے فقیہہ عالم گذرے ہیں۔ مالکی مذہب رکھتے تھے۔ موطا کتاب اون کو حفظ یاد تھی۔ مشہور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے) یہ خبر جنید رحمۃ اللہ علیہ کو پہونچی۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ نمازوں کے وقت بھی اوس کی عقل لوٹ آتی ہے یا نہیں۔ لوگوں نے اسکا جواب نعم (ہاں) سے دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ سب تعریف اوس خدا تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اوس پر شریعت کے کسی گناہ کے بھولنے کو جاری نہیں فرمایا (انتہی)

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جو شخص سستی سے نماز کو ترک کرتا ہو۔ نہ اوس کے وجوب کے انکار کی وجہ سے۔ تو وہ بطور حد تلوار سے قتل کیا جائے۔ نہ بوجہ کافر سمجھے جانے کے۔ پھر قتل کئے جانے کے بعد اوس پر مسلمانوں کے سے احکام جاری ہونگے۔ مثلاً غسل دیا جانا۔ اور اوسپر نماز پڑھانا اور اوسکو دفن کیا جانا۔ اور اوس کے مال میں وراثت کا جاری ہونا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے۔ کہ صرف ایک نماز کی وجہ سے قتل کیا جاوے۔ بشرطیکہ اوسکو وقت ضرورت سے نکال دیا ہو۔ اور قتل کرنے سے پہلے اوس سے توبہ کرائی جائیگی اگر کر لی تو خیر۔ ورنہ قتل کر دیا جائیگا۔ حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ جب تک نماز نہ پڑھے اوسوقت تک قید رکھا جائے گا۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے جو اون کے اصحاب کے نزدیک پسندیدہ

کہ وہ صرف ایک نماز کے ترک کر دینے سے تلوار سے قتل کر دیا جائیگا۔ اور اون کے اصحاب میں سے جمہور کے نزدیک مختار یہ ہے کہ وہ شخص کفرًا مرتد کی طرح قتل کیا جائیگا۔ اور اوس پر مرتد ہی کے احکام بھی جاری ہونگے۔ پس نماز نہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ اوس کا کسی کو وارث بنایا جائیگا۔ بلکہ اوسکا مال مال غنیمت میں داخل کیا جائیگا۔ پس پہلے قول میں قتل کے اعتبار سے تشدید ہے۔ اور دوسرے قول میں قید کئے جانے کی وجہ سے بغیر قتل کے تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کو کسی ایسے گناہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے پر اجماع نہ ہو۔ کافر نہیں بناتے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم تھا۔ کہ حق جل وعلا کو عالم کا باقی رکھنا بہ نسبت اوس کے تلف کرنے کے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگرچہ وہ گنہگار اور فرمانبردار دونوں سے لاپرواہ ہے۔ اور باریتعالے کا ارشاد ہے (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (ترجمہ) اور اگر وہ کفار صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اوسطرف جھک جائیے) کہ اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ سردار داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنانے کا ارادہ کیا۔ تو جو کچھ بناتے۔ وہ منہدم ہو جاتا۔ پھر عرض کیا۔ کہ اے میرے پروردگار میں جسقدر تیرے گھر کی تعمیر کر چکتا ہوں۔ وہ منہدم ہو جاتی ہے۔ پس خدا تعالے نے اون کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میرا گھر اوس شخص کے ہاتھوں سے قائم نہیں ہو سکتا۔ جو خونریزی کرتا ہو۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ اے پروردگار کیا یہ خونریزی تیری راہ میں نہیں ہے۔ جواب ملا۔ کہ ہاں اور کیا وہ لوگ میرے بندے نہیں ہیں (انتہی)

اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ (لان یخطی الامام فی العفو احب الی اللہ من ان یخطی فی العقوبۃ) (ترجمہ) البتہ یہ بات کہ امام معافی اور درگذر کرنے میں خطا کرے خدا کو اس سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کہ وہ عذاب وسزا میں خطا کرے) کیونکہ کسی کو یہ مناسب نہیں۔ کہ کسی ایسے آدمی کو جو کہتا ہو۔ کہ میرا پروردگار اللہ تعالے ہے قتل کرے مگر اوسوقت کہ جب شارع کی طرف سے اوس کے قتل کرنے کا صریح حکم وارد ہو۔

اور تیسرے قول کی وجہ حق جل وعلا پر غیرت کا غالب ہونا ہے۔ پس اوس پر عمل کرنا امام کے اجتہاد کی وجہ سے ہوگا۔ نہ ہمیشہ۔ پس اگر امام اوس شخص کے قتل کئے جانے کو اسلام اور اہل اسلام کے لئے زیادہ بہتر سمجھے۔ تو قتل کر دے۔ جسطرح علماء نے حلاج[ع] رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کیا تھا۔ اور اوس سے کہا تھا۔ کہ تو نے اسلام کے اندر ایک ایسا سوراخ کھولا ہے جسکو صرف تیرا سر ہی بند کر سکتا ہے۔ اور اگر امام نہ قتل کرنیکو کسی مصلحت کی بنا پر اچھا سمجھے۔ تو اوس کے قتل کرنے پر نہ قتل کرنے کو ترجیح دے۔ پس سمجھ لو ۔

ع حسین بن منصور حلاج ایک شخص تھے جو (انا الحق) میں خدا ہوں کہا کرتے تھے۔ علماء کے فتوے سے قتل کئے گئے ۱۲ مترجم

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر جب فرض یا نفل نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھے۔ تو اوس کے مسلمان ہونے کا حکم دیا جائیگا۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کے مسلمان ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ مگر ہاں اوسوقت کہ جب دار الحرب میں بھی پڑھے۔ اور دونوں شہادتیں بھی ادا کرے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کے مسلمان ہونے کا حکم نہ دیا جائیگا۔ مگر اوسوقت کہ جب دار الامن میں اپنے اختیار سے پڑھے۔ کہا اونہوں نے کہ اگر سفر میں اپنی جان کے خوف سے پڑھتا ہے۔ تو اوس کے مسلمان ہونے کا حکم نہ کیا جائے گا۔ خواہ جماعت سے پڑھے یا تنہا مسجد میں پڑھے۔ یا غیر مسجد میں دار الاسلام میں پڑھے۔ یا غیر دار الاسلام میں۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ کیونکہ اوس کے اندر قواعد شریعت کے موافق ضعیفوں پر تخفیف کی گئی ہے۔ اور ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی تھی۔ کہ میں منجملہ پانچ نمازوں کے دو نمازیں ادا کرونگا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور آپ نے اوس کی بیعت کو قبول فرمالیا۔ اور آہستہ آواز سے یہ فرمایا۔ کہ عنقریب انشاء اللہ پانچوں پڑھنے لگیگا۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں عزیمت پر عمل کرنا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اوس کے مسلمان ہونے کا حکم نہیں کرتے۔ مگر اوسوقت کہ جب اوس کے مسلمان ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔ جیسا کہ یہی وجہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی بھی ہے ✦

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اذان اور تکبیر دونوں پانچوں نمازوں اور نماز جمعہ کے لئے مسنون ہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ دونوں شہری لوگوں کے لئے فرض کفایہ ہیں۔ اور امام داؤد علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ دونوں واجب ہیں لیکن اگر متروک ہو جائیں۔ تو نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر اذان بھولکر نماز پڑھ لی۔ تو نماز لوٹاوے۔ بشرطیکہ وقت باقی ہو۔ اور عطاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص تکبیر بھول جاوے۔ وہ نماز کو لوٹاوے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرے اور تیسرے میں کچھ تشدید ہے۔ اور چوتھا قول اذان کے حکم میں مشدد ہے۔ اور پانچواں قول تکبیر کے بارے میں مشدد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو اس کی حاجت نہیں کہ اون کو نماز کی طرف بلانے میں بہت سخت تاکید کی جائے۔ بلکہ اون میں سے ہر ایک ہر نماز کے لئے اوسکا وقت آجانے پر پورا کمر بستہ ہے۔ پس اذان جو اون کو وقت کی خبر دینے کے لئے ہوتی ہے۔ وہ صرف استحبابی طور پر ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ گاؤں والوں کے لئے صرف اتنا کافی ہے۔ کہ ایک آدمی اگر اوس کی آواز سب اہل قریہ کے لئے عام ہو۔ خبر کرے۔ یا بہت سارے آدمی اگر اون کی آواز سب اہل قریہ کے لئے عام ہوں۔ اون کو خبر کریں۔ تاکہ اول وقت نماز پڑھنے میں تساہل

کرنے کا دروازہ نہ کھل جاوے۔ اور لوگ اسقدر تاخیر نہ کرنے لگیں۔ کہ نماز کا وقت گذرنے کے قریب ہو جائے۔ اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ گاؤں میں جب آذان ہوتی ہے تو اوس تمام دن تک اہل قریہ عذاب کے نازل ہونے سے مامون رہتے ہیں۔ اور جس شے کی ایسی حالت ہو۔ اوس کے اندر تشدید مطلوب ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اوس میں تشدید کی ہے یعنی اذان کو واجب کہا ہے۔ اور اون کے سوا دوسروں نے بھی تشدید کی ہے۔ کہ آذان یا اقامت کے ترک ہونے سے نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں خدا تعالے کے انتہا درجہ کے خشوع اور کمال حضور کے ساتھ کھڑے ہونے کے لئے آمادگی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔ اسلئے کہ ان کے بغیر نماز ناتمام ہے۔ اور ایسی نماز پڑھنے والے پر ماری جائے گی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ پس اذان پہلا مرتبہ ہے محل جماعت میں حاضری کی خبر حاصل کرنے کا۔ اسی لئے اکابر علما مسجد میں حاضر نہیں ہوتے۔ مگر اوس وقت جبکہ موذن یہ کہے۔ کہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح۔ اور تکبیر دوسرا مرتبہ ہے حضور کی آمادگی کا۔ اور یہ قول۔ کہ اللہ اکبر تیسرا مرتبہ ہے۔ پس اسی طرح تمام احکام سمجھے جاویں۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک عورتوں کے لئے تکبیر کہنا مسنون نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ مسنون ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں اسلئے نہیں بنائی گئیں۔ کہ وہ دین کی علامت کو قائم کریں۔ بلکہ یہ کام تو صرف مردوں کا ہے

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدائے تعالے کے دین اور اوس کی علامت کے قائم کرنیکا خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہے

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان بھی کہی جائے۔ اور تکبیر بھی۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا رسالہ جدیدہ میں قول یہ ہے۔ کہ وہ تکبیر تو کہے۔ اور اذان نہ کہے۔ اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ پہلی نماز کے لئے صرف اذان کہے۔ اور دوسریوں کے لئے تکبیر بھی۔ اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔ پس پہلا قول اذان اور تکبیر دونوں اعتبار سے مشدد ہے۔ تاکہ لوگ خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے تکبیر کافی ہے۔ کیونکہ اذان تو اسلئے تھی۔ کہ لوگ جماعت کے مکان میں حاضر ہو جائیں۔ اور یہاں لوگ حاضر ہی ہیں۔ صرف خدا تعالے کے سامنے کھڑا کرنا باقی ہے۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اذان سے پہلے نماز کے لئے خوب آمادگی ہو جائیگی اور لوگوں سے اذان کے سننے اور اوس کا جواب دینے کا اجر فوت نہ ہوگا۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تکبیر دو دو مرتبہ کہنے سے ہوتی ہے جسطرح اذان۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ایک ایک مرتبہ کہنے سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سے امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی۔ مگر ہاں صرف لفظ (قد قامت الصلوٰۃ) دو دو مرتبہ ہونا چاہیئے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے۔ اور تیسرے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ اللہ اکبر اور اوس کے بعد کے لفظوں کو اس غرض سے دوبارہ پڑھنا ہے۔ کہ اسلام اور ایمان کی تجدید ہو۔ اگرچہ مکلف اون دونوں سے حالت غفلت میں خارج نہیں ہوتا۔ جسطرح صحابہ رضی اللہ عنہم باہم کہتے تھے۔ کہ آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔ ایک گھڑی مومن ہو جاویں۔ مطلب یہ ہوتا تھا۔ آکہ آؤ علم کا تذکرہ کریں۔ تاکہ ایمان میں زیادتی ہو۔ اور یہ قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کا قلب اکثر دنیاوی امور میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے آدمی کا اگر ایک مرتبہ کہنے میں دل حاضر نہ ہوگا۔ تو دوسری مرتبہ میں حاضر ہوگا۔ اس کی نظیر وہ ہے۔ جو عنقریب رکوع اور سجدوں کے اندر تین تین دفعہ ذکر کرنے کے بیان میں آجائے گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ تکبیر کو ایک ایک مرتبہ کہنا اون اکابر علماء اور صالحین کے ساتھ مخصوص ہے جو ہر وقت خدا تعالےٰ کی بڑائی کو حاضر رکھتے ہیں۔ اور اون کے لئے صرف ایک ہی دفعہ کہنے سے ایمان اور اسلام کی تجدید حاصل ہو جاتی ہے۔ پس سمجھ لو +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک دونوں شہادتوں میں ترجیع سنت ہے۔ (ترجیع یہ ہے۔ کہ پہلے شہادتین کو آہستہ سے کہا جائے۔ اور پھر دوسری بار بلند آواز سے) حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ سنت نہیں۔ پس پہلا قول مشدد۔ اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دوسرا قول علماء اور صالحین کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کے قلوب اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہمیشہ حاضر رہتے ہیں۔ پس جب اون میں سے کوئی ابتداً ہی بلند آواز سے اذان پڑھے۔ تو وہ حضوری کے حاصل کرنے کے لئے اوس کا محتاج نہیں کہ پہلے پست آواز سے ترجیع کرے۔ اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کا دل دنیا کے جنگلوں میں پراگندہ رہتا ہے۔ پس ترازو کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا +

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک صبح کی نماز کے لئے بلا کراہت دو اذانیں درست ہیں۔ جن میں سے ایک فجر سے پہلے ہو۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ صرف رمضان کے مہینہ میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ پس پہلا قول اوس حدیث کے موافق ہے۔ جو صبح کی اذان کے بارے میں وارد ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان میں دو اذانوں کی وجہ سے لوگوں کو دھوکا ہو جانے کا خوف

ہے۔ کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے۔ کہ جب دوسری اذان سُنیں۔ تو اوسکو پہلی سمجھ کر کھا پی لیں۔ اور جماع وغیرہ کرلیں۔ پس امام احمد رضی اللہ عنہ نے اذان سے روزہ کے اندر احتیاط کا لحاظ زیادہ رکھا۔ لہٰذا اونہوں نے بہت اچھا کیا۔ اور اون کی زبانِ حال یُوں کہتی ہے۔ کہ صُبح کی اذان دو مرتبہ کہنا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس غرض سے شروع فرمایا تھا۔ کہ تاکہ مدینہ والوں کو پہلی اذان سے دھوکا نہ ہوجائے۔ جیسا کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ اِنَّ بلالاً یُؤذّنُ بلیلٍ فکلوا واشربوا حتّٰی تسمعوا اذانَ ابن امّ مکتوم (ترجمہ یعنی بلال رات سے اذان کہہ دیتے ہیں۔ اِسلئے جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان نہ سُن لیا کرو۔ اوس وقت تک کھاتے پیتے رہا کرو۔ (انتہیٰ)

اور اہل مدینہ دونوں کی آوازیں پہچانتے تھے۔ اِسلئے غیر اہل مدینہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ جسوقت وہ پہلے اذان دینے والے کی آواز کو دوسرے کی آواز سے پہچانتی ہوں۔ ورنہ مکروہ ہوگی۔ جیسا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ پس میزان نکلتے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا +

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک صبح کی اذان میں حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح کے بعد تثویب مسنون ہے یعنی تثویب سے مراد اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوم کہنا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اذان کے بعد ہونی چاہئے۔ اور صبح کی نماز کے سِوا اور کسی نماز میں تثویب مشروع نہیں۔ یعنی تثویب سے مراد اذان کے بعد الصَّلوٰۃُ جامعۃٌ کہکر لوگوں کو بلانا)

اور امام حسن بن صالح رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ عشار کی نماز میں بھی تثویب مستحب ہے۔ اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ تمام نمازوں میں مستحب ہے پس پہلا قول پہلے مسئلہ میں مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور تیسرا مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ پہلے مسئلہ میں یہ ہے۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ سنّت جس میں علمار کا اختلاف ہو اذان سے موخر ہونی چاہئے۔ جسپر علماء کا اتفاق ہے خواہ بطریق اجتہاد امام یا اس لئے کہ اون کے نزدیک اس کی کوئی دلیل ثابت ہوگی۔ اور دوسرے مسئلہ میں پہلے قول کی دلیل اتباع ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ عشار کے موخر ہونے کا خوف ہے۔ یا جماعت کے ترک ہوجانے کا اون لوگوں کے لئے جو دن میں محنت مزدوری کرتے ہیں اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت اسکا احتمال ہے۔ کہ کوئی سوتا ہو۔ یا سونے کا قصد کرتا ہو۔ تو موذن اوس کو متنبہ کردے۔ کہ نماز سونے پر مقدم ہے۔ برابر ہے کہ سونے سے مراد جسم کا سونا ہو۔ یا دل کا سونا۔ یا دونوں قسم کا سونا۔ جیسا کہ اہل غفلت ہمیشہ ہی سوتا ہے

گیارھواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک جُنبی کی اذان معتبر ہے - حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا ایک روایت میں قول یہ ہے - کہ اوس کی اذان کسی حال میں معتبر نہیں - اور یہی مختار ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد -

اور اسی طرح اذان پر اجرت لینے میں اختلاف ہے - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز نہیں - اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے اکثر اصحاب اوسکو جائز کہتے ہیں - اسی طرح مؤذن کو اذان کے اندر راگ پیدا کرنے میں اختلاف ہے - تینوں اماموں کے نزدیک صحیح ہے - اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب کا قول یہ ہے - کہ صحیح نہیں - پس پہلے قول میں منجملہ تمام اقوال کے تخفیف ہے - اور دوسرے قول میں تشدید -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اذان ایک ذکر ہے - قرآن نہیں - اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ مؤذن خدا تعالےٰ کی درگاہ کی طرف دعوت دیتا ہے - اس لئے اوس کو جنابت کی حالت میں اذان دینا مناسب نہیں -

اور دوسرے مسئلہ میں پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اذان اسلام کی نشانیوں میں سے ہے - اور وہ اُمت پر واجب ہے - اور اُمت کو کسی واجب پر اُجرت لینا جائز نہیں - اور اوس میں سے دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اذان ایک ایسا عمل ہے جس کی مصلحت مسلمانوں کیطرف رجوع کرتی ہے - اور اوس کے اوقات کی رعایت کرنے میں تعب اور محنت درکار ہے - اسلئے اوس پر اُجرت لینا درست ہے -

اور ائمہ راشدین نے مؤذنوں کے واسطے حصہ دیا ہے - اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ایک تھیلی دی تھی جس کے اندر چاندی کی تھی - اور صحابہ رضؓ نے یہ خیال کیا تھا - کہ یہ اذان کہنے کے عوض ملی ہے -

اور راگ پیدا کرنے کے مسئلہ میں پہلے قول کی علت یہ ہے - کہ اس سے اوس امر میں کچھ خلل پیدا نہیں ہوتا جس کے لئے اذان مشروع ہوئی ہے - اور وہ نماز کے وقت کی خبر دینا ہے - اور اوس کے اندر دوسرے قول کی علت یہ ہے - کہ یہ کلمہ کو اس طرح زبان سے ادا کرتا ہے جسطرح وہ مشروع نہیں - کیونکہ راگ کے ساتھ اذان مشروع نہیں ہوئی - اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں داخل ہوا - کہ کُلُّ عَمَلٍ لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (ترجمہ) جس عمل پر ہمارا حکم نہ ہو - وہ صحیح نہیں *

بارھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ظہر کی نماز آفتاب ڈھل جانے سے واجب ہو جاتی ہے - اور وجوب ایسا ہوتا ہے - کہ اوس میں ہر شئے کے اپنے برابر سایہ ہو جانے تک کی گنجائش ہوتی ہے - اور وہ ظہر کا آخر وقت ہوتا ہے - یہی اون کے نزدیک مختار ہے - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ نماز ظہر کا وجوب اوس کے اخیر وقت میں متعلق ہوتا ہے - اور اوّل

وقت میں نماز نفل ہوتی ہے۔ اور تمام فقہاء اس کے خلاف پر ہیں۔ پس پہلا قول اس اعتبار سے کہ وجوب اول وقت ہی میں متعلق ہو جاتا ہے مشدد ہے۔ اور دوسرا قول اسلئے کہ وجوب اخیر وقت میں متعلق ہوتا ہے۔ مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ نماز کے اہتمام کی وجہ سے اوس کی آمادگی میں آفتاب ڈھلتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ وجوب کی حقیقت اوسی وقت ظاہر ہوگی کہ جب وقت تنگ ہو جاویگا۔ پس اوس وقت تاخیر حرام ہے۔

لہٰذا پہلا قول اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جنکو یاد خداوندی سے نہ کوئی تجارت مانع ہے۔ نہ بیع و فروخت۔ اور دوسرا قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے دنیوی مشاغل میں منہمک ہیں۔ مثلاً وہ شخص جس پر کسی کا قرض ہے۔ اور صاحب قرض اوس کے طلب کرنے میں جھگڑا کرتا ہے۔ پس وہ کمائی میں لگا رہتا ہے۔ تاکہ قرضہ پورا ادا کر دے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو ؛

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے بعد ایک مثل ہو جاوے۔ تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ عصر کا ابتدائی وقت وہ ہے جو ظہر کا اخیر وقت ہے تو ایک جزء میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا قول یہ ہے۔ کہ عصر کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے۔ کہ جب ہر چیز کا سایہ اوس کی دو مثل برابر ہو جاوے۔ اور اخیر وقت عصر کا آفتاب کے غروب کا وقت ہے۔ پس پہلا قول اس لحاظ سے مشدد ہے کہ اوس میں مکلف کو شروع وقت میں بجا آوری کا خطاب ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول میں کچھ تشدید ہے۔ اسلئے کہ اوس کے اعتبار سے مکلف ایسے وقت میں بجا آوری کا خطاب ہوتا ہے جو مشترک ہے۔ اگرچہ اوس قول میں اس اعتبار سے کہ ظہر کی نماز کو اوس وقت تک مؤخر کرنا جائز ہے تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول پورا مخفف ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ شروع وقت سے ہی نماز کا سخت اہتمام کرنا ہے۔ اور یہ قول ان عبادت گذاروں اور پرہیز گاروں کے ساتھ مخصوص ہے جنکو دنیا سے کچھ علاقہ نہیں۔ اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ جو اہتمام نماز میں پہلوں سے کم ہیں۔ اور تیسرے قول کی وجہ اول وقت اور آخر وقت میں برابری کا اعتبار کرنا ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب پرست آفتاب کو سجدہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاویں۔ کیونکہ تجلی خداوندی شروع وقت میں قوت ہوتی ہے۔ اور پھر جسقدر وقت اختتام کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اوسی قدر تجلی خفیف ہوتی جاتی ہے۔ اسطرح کہ خدا تعالےٰ بندوں پر پردہ ڈالتا جاتا ہے۔ جیساکہ تفصیل اسکی عنقریب اوس جگہ آجائے گی۔ جہاں نمازوں کے اندر پست آواز سے پڑھنے اور بلند آواز سے پڑھنے میں کلام ہوگا۔ اور یہ بیان باب صفت نماز میں آجائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ؛

چودھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ
رسالہ جدیدہ میں یہ قول ہے۔ کہ مغرب کا وقت آفتاب غروب ہونے سے ہو جاتا ہے۔
اوس سے دیر لگانا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تو مختار کے خلاف ہے۔ اور امام
شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ
اور یہی امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے۔ کہ مغرب کی نماز کے لئے دو وقت ہیں۔ ایک تو و
جو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ جدیدہ میں قول ہے
اور دوسرا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قد
قول ہے۔ اور شفق اوس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب کے غروب ہونے کے بعد آسمان میں
ہوتی ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو شام کے کھانے وغیرہ میں
مشغول ہونے کی وجہ سے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ اور دوسرا قول اون لو
کے ساتھ مخصوص ہے جنکو اس کا خوف نہ ہو۔ لیکن اون کا اول وقت میں نماز پڑھ
زیادہ بہتر ہے۔ بالخصوص اوسوقت کہ جب وہ پہلی صفوں میں خدا تعالے کے سا
کھڑا ہو۔ یہی اختلاف عشاء کے وقت میں بھی ہے۔ کیونکہ امام مالک اور امام شافعی او
امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک شفق کے غائب ہوتے ہی عشاء کا وقت شروع ہو
ہے اور فجر تک باقی رہتا ہے۔ اور ایک قول میں یہ ہے۔ کہ عشاء کی نماز ایک تہائی شب
سے زیادہ مؤخر نہ کی جاوے۔ اور دوسرے قول میں یہ ہے۔ کہ نصف شب سے ز
مؤخر نہ ہونی چاہئے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد اور تیسرے میں تشدید ہے
اور پہلا قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو ضعیف ہونے کی وجہ سے تجلی خداوند
کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور دوسرا اور تیسرا قول اکابر اولیاء و علماء کے ساتھ مخصوص
ہے۔ کیونکہ اوسوقت تجلی الٰہی زور پر ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ زینت گاہ ایزد
کا نصب غالباً اوسی وقت ہوتا ہے۔ کہ جب رات کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ او
بعض وقت نصف ثانی کے شروع میں نصب ہوتا ہے۔ اور جب تجلی کا وقوع ہو
ہے۔ تو وہ ثقل بہت ہلکا ہو جاتا ہے جو نمازی کو رات کے نصف اول میں محسو
ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوسکو وہ تمام حضرات جانتے ہیں جن کے لئے خدائے تعالے
پردہ کو کھولدیا ہے۔ یہانتک کہ وہ مثل ملائکہ کے ہو گئے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ
کہ خدا تعالے اوسوقت فرماتا ہے۔ کہ (ہل من سائل اعطیہ سؤلہ ہل من مبتلی فا
(ترجمہ) کیا کوئی مانگنے والا ہے۔ تاکہ اوسکی مانگ دوں میں۔ کیا کوئی مبتلائے رنج
ہے۔ تاکہ عافیت بخشوں میں اوسکو۔ پس اگر اوس وقت تجلی میں تخفیف نہ ہوتی۔
خدائے تبارک و تعالے اس سوال کے ساتھ اپنے بندوں پر عنایت نہ فرماتا
اس کو خوب سمجھ لو ✦

پندرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک نماز صبح میں پسندیدہ یہ ہے
کہ تغلیس کے وقت پڑھی جاوے (غلس رات کی تاریکی کو کہتے ہیں) نہ اسفار (روشنی) کے وقت
حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ پسندیدہ وقت نماز صبح کا یہ ہے کہ غلس اور
اسفار دونوں جمع ہوجاویں۔ اگر ایسا وقت نہ مل سکے۔ تو اوسوقت اسفار غلس سے بہتر ہے۔
مزدلفہ میں۔ کہ وہاں غلس میں پڑھنا اولے ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت
یہ ہے کہ نمازیوں کے حال کا اعتبار ہے۔ اگر غلس میں نماز پڑھنا ان پر شاق ہو۔ تو اسفار افضل ہے
اور اگر جمع ہوسکیں۔ تو غلس افضل ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے
اور تیسرا مخفف ہے۔ کیونکہ اوس میں تفصیل ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ ہمت کے کم ہوجانے کا خوف ہے۔ اور اوس توجہ کے گھٹ جانے کا
جو رات کے ثلث اخیر میں پروردگار کی تجلی کی وجہ سے نمازیوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ قول
ضعیف لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ خدا کے ساتھ سرگوشی کرنے میں صبح کی نماز کے اندر ہمت اور قصد کا
دراز ہونا ہے۔ اور وہ قول اون قوی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنکی یہ شان ہے۔ کہ (هُمْ
عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ) (ترجمہ) وہ اپنی نمازوں پر ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ پس جان لو
اس کو۔ کیونکہ یہ نفیس ہے۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اسپر اتفاق ہے۔ کہ سخت گرمی میں ظہر کی نماز کو اول وقت
سے مؤخر کرکے پڑھنا زیادہ بہتر ہے جبکہ وہ مسجد جماعت میں پڑھی جاوے۔ مگر اکثر اصحاب
شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے شرط ہے۔ کہ وہ شہر حار ہو۔ اور مسجد ایسی ہو جس میں
دور سے بھی نماز کا قصد ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اور پہلے قول
کی وجہ یہ ہے۔ کہ سخت گرمی کے وقت خداوند تعالے سے سرگوشی کے لئے پوری توجہ کا
ملنا کم ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو مکروہ ہے کہ ایسے وقت مقدمہ کو فیصل کرے۔ جس وقت
اس کی عادت میں کچھ برائی ہو

اور دوسرے قول کی وجہ پہلی صفوں کے ساتھ خدا تعالے کے سامنے اوس کی درگاہ
میں جاکر کھڑے ہونے کی طرف سبقت کرنا ہے۔ کیونکہ خدا تعالے کے حکم کو مؤخر کرنے
میں خواص تاخیر نہیں۔ اور یہی وجہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فاس (کلہاڑی)
سے ختنہ کیں جسکو دوسری روایت میں قدوم (تیشہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اوس
وقت کہ جب خدا تعالے نے اون کو ختنہ کرانے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ
آپ نے دیر بھی نہ کی جو استرہ مل جاتا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ خدا کے تعالے کے حکم کی تاخیر
بہت سخت ہے۔

سترھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ
نماز وسطی عصر کی نماز ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ

ہے۔ کہ وہ فجر کی نماز ہے پس پہلا قول مستند ہے اور دوسرا مخفف۔ کیونکہ عصر کے وقت خداوند تعالے کی تجلی کی طاقت صرف اکابر اولیاء اللہ رکھتے ہیں برخلاف نماز صبح کی تجلی کے۔ اور عصر کے وقت تجلی ثقیل ہونے کی وجہ سے اوس وقت کی نماز میں قرأت کو بلند آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ اور اس کی وجہ ہم پر رحمت اور شفقت کرنا ہے برخلاف صبح کی نماز کے کہ اوس وقت اکثر نرمی اور عنایت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل دل اس سے واقف ہیں پس نمازوں کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔ اور صلوٰۃ وسطی کے پہچاننے میں فائدہ یہ ہے۔ کہ اوس کے اندر خشوع و حضور پیدا کرنے کے لئے بہ نسبت دوسری نمازوں کے اون کے اسباب زیادہ مہیا کرے۔

اور سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ کہ نماز وسطی کبھی نماز صبح ہوتی ہے۔ اور کبھی نماز عصر۔ اور اسکا بھید نہیں ذکر کیا جا سکتا۔ مگر و بدو۔ اور بقیہ مسائل اس باب کے انہی پر قیاس کر لئے جائیں۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

باب نماز کی صفت کے بیان میں

تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ نماز اوس وقت تک صحیح نہیں ہوتی کہ جب تک نمازی کو وقت نماز ہو جانے کا یقین نہ ہو۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ نماز کے لئے ارکان ہیں۔ جو اوس کے اندر داخل ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ نماز میں نیت فرض ہے۔ اسی طرح تکبیر تحریمہ بھی اور قیام بھی بشرط قدرت۔ اور سجدہ۔ اور رکوع اور تشہد اخیر میں بیٹھنا (یہ سب فرض ہیں) اور تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا بالاتفاق سنت ہے۔ اور اسپر سب کا اتفاق ہے کہ جسقدر جسم عورت ہے اوس کو آنکھوں سے ڈھانکنا واجب ہے۔ اور شرط ہے نماز کے لئے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اوس نجاست کا پاک کرنا جو نمازی کے کپڑے یا بدن یا جگہ میں واجب ہے۔ اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ حدث سے پاک ہونا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے پس اگر کسی جنبی نے قوم کو نماز پڑھائی۔ تو اوس شخص کی نماز بلا اختلاف باطل ہے۔ خواہ اپنے جنبی ہونے کو نماز شروع کرتے وقت جانتا ہو۔ یا بھولا ہوا ہو۔ اسی طرح اسپر بھی اجماع ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے قبلہ رو ہونا شرط ہے۔ مگر اوس وقت کہ جب کوئی عذر ہو۔ اور وہ (مثلاً) جنگ کے اندر دشمن کا سخت خوف ہے۔ اور نفل نماز میں اوس شخص کے لئے جو کسی لمبے سفر کا قصد کئے ہوئے سواری پر سوار ہو کر کسی ضرورت سے جا رہا ہو۔ باوجودیکہ وہ شخص اس بات کا مامور ہے کہ نماز کے لئے متوجہ ہونے کے وقت اور تکبیر تحریمہ کیوقت قبلہ رو ہو۔ پھر اگر نمازی کعبہ شریفہ کے سامنے ہو۔ تو بعینہ اوس کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے اور اگر اوس سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہو۔ تو اپنے یقین سے کعبہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور اگر اوس سے غائب ہو۔ تو اپنے اجتہاد یا خبر اور خبر دینے والے کی تقلید سے قبلہ کی جہت متعین

کرے - یہانتک وہ مسائل ہوئے - جو ہم نے اس باب میں اجماعی پائے ہیں - اور اون کا میزان کے دونوں مرتبوں میں داخل ہونا صحیح نہیں -

رہے وہ مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے - سو اون میں سے پہلا مسئلہ ستر عورت کا ہے - کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم اوس کو صحت نماز کے لئے شرط قرار دیتے ہیں - اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اس میں مختلف ہیں - بعض کا تو یہ قول ہے - کہ وہ شرائط میں سے ہے - بشرطیکہ یاد رہے - اور اوس پر قدرت بھی ہو - یہانتک کہ اگر قصداً باوجود قدرت کے ستر عورت نہ کیا - بلکہ چھپانے کے جسم کو کھولکر نماز پڑھ لی - تو وہ نماز باطل ہوئی - اور بعض کا قول یہ ہے - کہ وہ ایک شرط ہے - جو فی نفسہ واجب ہے - مگر یہ کہ وہ نماز کی صحت کی شرط نہیں - پس اگر کسی نے اوسقدر جسم کو قصداً کھول کر نماز پڑھ لی - تو وہ شخص ترک واجب کی وجہ سے گناہگار تو ہوا لیکن نماز کا فرض اوس سے ساقط ہوگیا - اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے متاخرین کا پسندیدہ یہ قول ہے - کہ ستر عورت کے بغیر کسی حال میں نماز صحیح نہیں ہوتی - پس پہلا قول مع اوس قول کے جس کو متاخرین اصحاب مالک رضی اللہ عنہ نے پسند کیا ہے مشدد ہے - اور اوس کے مقابل میں ایک اعتبار سے تشدید ہے - اور ایک اعتبار سے تخفیف ہے - کیونکہ اوس میں تفصیل ہے - پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع نکلا اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ ڈھانکنے کے جسم کو کھولنا نماز کے اندر خدا تعالےٰ کے سامنے بے ادبی ہے جس کے مرتکب کو کبھی نماز کی حضوری میں داخل ہونا صحیح نہیں - اور جس شخص کو نماز کے اندر حضوری نصیب نہ ہوئی - گویا کہ اوس نے تکبیر تحریمہ نہ کہی (یعنی نماز میں شروع نہ ہوا -) اور اوس کی نماز نہ ہوئی پس وہ شخص ایسا ہے جیسا کہ کسی نے (غسل) یا وضو کیا - اور اوس کے اعضاء میں سے کوئی ٹکڑا خشک رہ گیا - یا اوس کے بدن پر نجاست رہ گئی - تو یہ اوس سے معاف نہ کیا جائیگا ۰

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ نفس الامر میں کوئی شے خدا تعالےٰ سے حاجب نہیں ہوتی - پس اس قول کے قائل کے نزدیک اوس شخص کی نماز میں جسپر کپڑا ہو - اور اوس شخص کی نماز میں جسپر کپڑا نہ ہو - بلکہ ننگا ہو - کوئی فرق نہیں - صرف اتنی بات ہے - کہ نماز کے اندر ستر عورت ایک کمال ہے جسکا نہ ہونا صحت نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا - اگرچہ اوس کے ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے - اور یہ مقام منجملہ اون مواقع کے ہے - جن کے اندر شریعت عرف کے تابع ہوتی ہے - اور باری تعالےٰ کا ارشاد ہے - کہ (یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ) (ترجمہ) اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو) اور لفظ (زینت) کی تفسیر اون کپڑوں کے ساتھ کی گئی ہے جن سے ڈھانکنے کا بدن چھپ جائے - اور میں نے شیخ علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے - کہ جو شخص خدا تعالےٰ کے سامنے زیب و زینت کے کپڑوں کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے - وہ میزبان حال اوس مجمع والوں

سے بہ طریق خدا کی نعمت کے ظاہر کرنے کے یہ کہتا ہے کہ مجھ کو دیکھو خدائے تعالٰے نے مجھ پر کیسا انعام فرمایا ہے۔ کہ میرے پاس ایسے نفیس کپڑے ہیں۔ حالانکہ میں اسکا مستحق نہ تھا۔ اور غور کرو کہ خدائیتعالٰے نے مجھ کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت فرمائی۔ اور اپنے کلام کے ساتھ سرگوشی کی توفیق دی۔ حالانکہ میں ان میں سے کسی شئے کا بھی مستحق نہ تھا۔ بخلاف اوس شخص کے جو میلے کچیلے کپڑے اور پھٹے ہوئے پہنکر کھڑا ہو۔ کیونکہ اوس کی حالت سے کفران نعمت کی بو پائی جاتی ہے۔ (انتہی)

اور شیخ موصوف سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ تم لوگ اپنی باندیوں کو حکم کرو۔ کہ وہ نماز میں ستر عورت کریں جس طرح آزاد عورتیں کرتی ہیں۔ احتیاط کے لحاظ سے۔ کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علت ستر عورت کی مونث ہونا ہے۔ نہ اوسکا کمینہ پن۔ اور لوگوں کا اوس کی طرف میلان نہ ہونا۔ کیونکہ یہ علت اوس وقت ٹوٹ جاتی ہے کہ جب لونڈی ایسی خوبصورت ہو جو حُسن اور خوبصورتی کے اندر آزاد عورت سے بھی فوقیت رکھتی ہو۔ اور جس نے کہا ہے کہ لونڈی کو مرد کی مانند ستر عورت لازم ہے۔ اوس کی علت سلف صالحین کے اوس طائفہ کی پیروی کرنا ہے۔ جنہوں نے ستر عورت کو عورتوں پر واجب ہونے کی علت یہ بیان کی ہے۔ کہ اکثر نفوس اون کے دیکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور لونڈیوں کی خواہش عادتاً نہیں کرتے مگر بعض افراد انسانی اور باقی کی طبیعت اون سے نفرت کرتی ہے (انتہی)

اور شیخ موصوف کو یہ بھی فرماتے سُنا ہے۔ کہ آزاد عورت کو نماز کی حالت میں اپنا مُنہ اور دونوں ہتھیلیاں اسلئے کھُلی رکھنی چاہئیں۔ کہ کاملین کے نزدیک خدائیتعالٰے کی تعظیم میں زیادتی کا دروازہ کھُلے۔ تاکہ اون میں ایک یہ کہہ سکے۔ کہ یہ عورت خدائیتعالٰے کے حضور اور اوس کی حفاظت میں ہے۔ اس لئے کسی کو یہ جائز نہیں۔ کہ اس عورت کو کسی طور پر بھی دیکھنے کا لالچ کرے۔ جس طرح شیرنی کا بچہ شیرنی کی گود میں ہوتا ہے۔ اور یہی بھید ہے عورت کے احرام کی حالت میں اپنا چہرہ کھولنے کا۔ کیونکہ وہ عورت خدائے تعالٰے کی خاص درگاہ میں ہے۔ پس اوس کو اپنا چہرہ کے کھولنے کا حکم ایسا ہے جیسے اوس والے کا حکم جس سے پرند کا جال میں شکار کیا جاتا ہے۔ پس جس کو خدائیتعالٰے محفوظ رکھیگا۔ وہ اوس کی درگاہ کو عظیم الشان سمجھ کر نہ احرام باندھنے والی عورت کی طرف نظر کریگا۔ اور نہ نماز پڑھنے والی کی طرف۔ اور غرض اس نہ دیکھنے سے خدائیتعالٰے کا ادب ہوگا جس کی درگاہ میں وہ عورت ہے۔ اور جس کو خدائیتعالٰے بدبخت کریگا۔ وہ اس سے غافل ہو کر اوس کی طرف دیکھیگا۔ تو خدائیتعالٰے کے غضب کا مستحق ہوگا۔ اور اسی وجہ سے علماء نے نقاب ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ جو اوس کے چہرہ پر جسم سے دور پڑا ہو حالت احرام میں اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں عام لوگ اوس عورت کے چہرہ کو جو خدائیتعالٰے کی درگاہ میں حاضر ہے۔ اوسکی بغیر اجازت کے دیکھکر مورد غضب الٰہی نہ ہو جائیں۔

اور میں نے شیخ موصوف سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ عارف اور کامل آدمی جب کسی ایسی

شئے کو دیکھتا ہے کہ اوس کا شریعت نے خلاف عادت حکم کیا ہے۔ تو وہ پہلے اوسکی حکمت میں نظر کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے اوسکو طلب کرتا ہے۔ (انتہیٰ)

اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا بمنزلہ حکمت کے ہے اس مسئلہ میں پس اس میں غور کرو کیونکہ یہ نفیس ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز کی نیّت کا تکبیر تحریمہ سے تھوڑی سی دیر پہلے کر لینا جائز ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ نیّت کا تکبیر تحریمہ سے متصل ہونا واجب ہے۔ اور اوس کے سے پہلے نیّت کرنا یا بعد میں کرنا کافی نہیں۔

اسی طرح شافعی مذہب کے امام قفالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ بسا اوقات نیّت کی انتہاء ابتداء تکبیر سے متصل نہیں ہوتی ہے۔ اور نماز منعقد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ مختار یہ ہے۔ کہ اتصال عرفی کافی ہے۔ اس طور سے کہ وہ شخص نماز سے غافل نہ شمار کیا جائے۔ یہ قول متقدمین کی پیروی کی وجہ سے ہے کیونکہ اونہوں نے اس امر میں اُمت پر رحمت کرنے کی وجہ سے نرمی برتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور اوس کے بعد والوں میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ شارع سے کسی ایسی دلیل کا ثبوت نہیں جس سے نیّت کا تکبیر کے ساتھ متصل ہونا واجب سمجھا جاتا ہو۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف تکبیر سُناتے تھے۔ تو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپ نیّت تکبیر سے پہلے کرتے تھے۔ یا پیچھے یا ساتھ ساتھ۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ تکبیر نماز کے ارکان ظاہرہ میں سے پہلا رکن ہے۔ اور رُکن کا وجود بعد وجود بنیاد کے ہوتا ہے (کیونکہ رُکن دیوار کو کہتے ہیں) پس ضرور ہے۔ کہ نماز پڑھنے والا تکبیر کے وقت نماز کے افعال اور اقوال کو اپنے ذہن میں معیّن کر لے۔

اور قفال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ عوام پر تخفیف کرنا ہے۔ اور اس کی وضاحت یوں ہے کہ جس شخص کی روحانیت اوس کی جسمانیت پر غالب ہوگی۔ تو اوس کی روح لطیف ہونے کی وجہ سے مراد کا نیّت کرتے وقت دفعۃً حاضر کرنا آسان ہوگا۔ برخلاف اوس شخص کے جس کی جسمانیت اوس کی روحانیت پر غالب ہو۔ کیونکہ وہ امور کو یکے بعد دیگرے سمجھیگا۔ (نہ دفعتًا) وجہ یہ ہے۔ کہ اوسکا پردہ لطیف نہیں ہے۔ بلکہ کثیف ہے۔ پس پہلا قول اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول عوام کے ساتھ۔ لیکن مخفی نہیں ہے۔ کہ جس شخص کی روحانیت اوس کی جسمانیت پر غالب ہوگی۔ درحقیقت نمازی وہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں داخل ہوگا جس میں داخل ہوئے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ برخلاف اون لوگوں کے جو اُن کے برعکس ہیں کیونکہ وہ صورت میں نماز پڑھتے ہیں۔ نہ حقیقتًا پس جان لو اسکو کیونکہ یہ بہت عمدہ تحقیق ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ اور وہ بغیر تلفظ کے صحیح نہیں ہوتی۔ حالانکہ امام زہری رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے۔ کہ نماز کا انعقاد صرف نیت سے ہو جاتا ہے۔ تکبیر کے تلفظ کی ضرورت نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ حق تعالےٰ کی تکبیر کا حاصل اگرچہ قلب کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اوسکا ظاہر کرنا بھی مطلوب ہے۔ تاکہ اس عالم میں خدا تعالےٰ کی بڑائی کی نشانی قائم ہو۔ اور لوگوں کو یہ یاد دلایا جائے۔ کہ وہ اپنے پروردگار کو ہر اوس بڑائی سے بڑا جانیں۔ جو اون کے لئے ظاہر ہوئی ہے۔ اور کہیں کہ اللہ تعالےٰ ہر اوس عظمت سے بڑا ہے جو ہمارے قلوب پر ظاہر ہوئی ہے۔ اور یہ اکابر علماء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔ کیونکہ بسا اوقات اون پر خدا تعالےٰ کی کوئی عظمت ظاہر ہو کر اون کی زبان کو گنگ کیا دیتی ہے۔ پھر اون میں طاقت نہیں رہتی۔ کہ اوس کو زبان سے ادا کر سکیں

اور نیز خدا تعالےٰ کی بڑائی کا اظہار بندہ سے صرف عالم حجاب میں مطلوب ہے۔ رہا عالم شہود۔ اوس میں خدا کی بڑائی تمام اہل درگاہ پر روشن ہے۔ اسلئے اوس میں کسی نشانی کے قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ تمام لوگوں کے دلوں میں اوس کی بڑائی کا مشاہدہ قائم ہے*

(اگر کوئی سوال کرے)۔ کہ نمازی کے اللہ اکبر کہنے میں کیا حکمت ہے؟ حالانکہ صوفیاء کا قول ہے۔ کہ (کُلُّ شَیٍٔ خَطَرَ بِبَالِکَ فَاللّٰہُ بِخِلَافِ ذٰلِکَ) (ترجمہ) جو چیز تیرے قلب میں گذرے پس خدا تعالےٰ اوس کے خلاف ہے۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ اس کے اندر یہ حکمت ہے۔ کہ نمازی اوس کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی عظمت پیدا کر لیگا۔ اور یہ کہ بیشک خدا تعالےٰ تمام اون امور سے بڑا ہے جو خدا تعالےٰ کی تعظیمی صفات قلب میں گذرتی ہیں۔ لیکن یہ خدا تعالےٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے جو اوس نے اون کو حکم کیا ہے۔ کہ وہ خدا کو اوس لفظ سے مخاطب کریں جو اون پر ظاہر ہو۔ مثلاً یہ کہیں۔ کہ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ (یعنی لفظ کاف)۔ ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنی ذات کو بعینہ وہ چیز ٹھیرایا ہے جو بندہ کے قلب پر ظاہر ہوئی ہے۔ پس سمجھ لو۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ سچائی بندہ کی یہی ہے کہ وہ اوس خدا کو مخاطب کرے جو تمام اون باتوں سے منزہ ہے۔ جو قلب پر گذرتی ہیں۔ جیسا کہ اکابر اولیاء اللہ کا یہی حال ہے

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لفظ اللہ اکبر ہی معتین نہیں۔ بلکہ ہر ایسے لفظ سے نماز کا انعقاد ہو سکتا ہے جو بڑائی کو مقتضی ہو۔ مثلاً عظیم اور جلیل۔ یہانتک کہ اگر صرف یہ کہا۔ کہ (اللہ) تب بھی نماز منعقد ہو جائیگی۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس لفظ سے منعقد نہیں ہوگی۔ اور لفظ

اللہ اکبر سے منعقد ہوگی۔ اِسی طرح امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ نماز نہیں منعقد ہوتی مگر صرف لفظ اللہ اکبر سے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔ اور ان اقوال کی وجہ ظاہر ہیں۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام احمد اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک جب نمازی عربی زبان میں اچھی طرح ادا کرسکتا ہو۔ اور پھر دوسری کسی زبان میں تکبیر کہے۔ تو اوس کی نماز منعقد نہ ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ منعقد ہوجائے گی۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ حقتعالے تمام لغات کا عالم ہے۔ اسلئے زبان عربی اور غیر عربی میں کچھ فرق نہیں ہوجاتا۔ اور دوسرے قول کی وجہ اوس کی پابندی ہے جو شارع سے ثابت ہے۔ یعنی اولےٰ یہ ہے۔ کہ لفظ تکبیر عربی زبان میں ادا کیا جائے۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک رکوع اور اوس سے اُٹھنے وقت کی تکبیروں میں ہاتھوں کا اُٹھانا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ سنت نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اِسی طرح اُٹھانے کی حد میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ دونوں کانوں تک اُٹھائے جائیں۔ اور امام مالک رضہ اور امام شافعی رضہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی تمام روایات میں سے مشہور یہ روائیت ہے کہ دونوں مونڈھوں کے برابر اُٹھائے جائیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تشدید ہے۔

اور پہلے مسئلہ میں قول اول کی دلیل یہ ہے۔ کہ دراصل ہاتھوں کا اُٹھانا ایسا ہے جیسا کسی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت اور واپس ہوتے وقت کورنشات بجالانا۔ پس نمازی کو رکوع میں جاتے وقت ایسا ہے۔ جیسے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے والا۔ اور رکوع سے اعتدال میں کھڑے ہونے کے لئے اُٹھنے کے وقت ایسا ہے جیسا کہ اپنے پروردگار کی درگاہ سے رخصت ہونے والا۔ پس گویا کہ جو شخص اعتدال کے لئے (اعتدال سے مراد یہاں قومہ ہے) اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ اوسکی زبان حال یہ کہتی ہے۔ کہ اَے میرے پروردگار میں نہیں ہٹتا ہوں تیری درگاہ سے بوجہ رنجیدگی کے۔ بلکہ یہ ہٹنا تیرے حکم کی اطاعت کے لئے ہے۔ اور یہی گفتگو پہلے سجدہ سے اُٹھتے وقت ہے (اعتدال کے معنے برابر کرنا ہیں جسکا وجود ہر شے میں ہوسکتا ہے خواہ رکوع ہو۔ یا سجدہ یا کوئی اور چیز) اور رہی یہ بات۔ کہ دوسروں کے نزدیک اعتدال کی قومہ سے سجدہ کا قصد کرکے سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں کا اُٹھانا مشروع کیوں نہیں۔ سو اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ سجدہ میں جانا خدا تعالے کے سامنے انتہا درجہ کی عاجزی ہے۔ اور اس کے ضمن میں خدائے تعالے کی بڑی تعظیم ہے۔ اس لئے رفع

یدین کی حاجت نہیں +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ (بادشاہ کی درگاہ میں حقیقی آنا تو اوسی وقت پایا جاچکا۔ جسوقت نمازی نے تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر جب اللہ اکبر کہدیا۔ تو اوس دل خدائیتعالےٰ کی درگاہ میں تمام نماز کے لئے حاضر ہوگیا۔ (یعنی) اب نماز کے ا کسی وقت اس حضوری سے جُدائی نہ ہوگی۔ پس ہاتھ اُٹھانے کی کیا حاجت ہے۔ او یہ قول اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور پہلا قول عوام کے ساتھ خاص ہے۔ جو خدا کی حضوری سے تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد بھی جُدا ہو جاتے ہیں پس اسکو خوب سمجھ لو

اور پہلے قول کی ہاتھ اُٹھانے کی حد میں علت یہ ہے۔ کہ سر بندہ کے تکبر کا مق ہے۔ اسلئے اوسکو (وہیں تک) ہاتھ اُٹھانے چاہئیں۔ تاکہ اس طرف اشارہ ہو جا کہ خدائیتعالےٰ کی بڑائی اوس سے بھی زیادہ ہے۔ کہ جسقدر بندہ اوس کی بڑائی سمجھتا جیساکہ فی نفسہٖ بات بھی یوں ہی ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا اوس ہیئت کے نقل کرنے میں اختلا ہے۔ کہ جس ہیئت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دررفع یدین کیا کرتے تھے۔ پ جس نے جیسا دیکھا۔ ویسا نقل کیا۔ اور اون تمام ہیئتوں میں سے ہر حالت مقصد کو پورا کردیتی ہے۔ اور وہ کورنش بجالانا ہے۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو شخص بیٹھکر نماز نہ پڑھ سکے۔ اوسکو دائیں کروٹ سے لیٹ کر اور بقبلہ رو ہوکر نماز پڑھنی چاہئے۔ اور اگر یہ بھی ہو سکے۔ تو چت لیٹے۔ اور اپنے پاؤں کو قبلہ رُخ رکھے۔ تاکہ رکوع اور سجدہ کا قبلہ کی طرف ہو جائے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے کہ سر سے اشارہ کرے۔ تو اپنی آنکھ پلک سے اشارہ کرے۔

حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جب سر کے ساتھ اشارہ کرنے عاجز ہو جائے۔ تو اوس سے فرض نماز کا ساقط ہوگیا۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ شار اس حدیث میں اتباع کرنے کی وجہ سے کہ (اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْ (ترجمہ) جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں۔ تو تم اوس میں سے جسقدر سکو بجا لا اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز کی نشانی نہیں ظاہر ہو مگر کھڑے ہونے اور بیٹھنے سے۔ اور پلکوں سے اشارہ کرنے سے کوئی علامت اور نشا ظاہر نہیں ہوتی۔ بالخصوص اوس شخص کے لئے جو قریب المرگ ہو۔ اور ہم کو سلف میں کسی کی یہ خبر نہیں پہونچی کہ اونہوں نے قریب المرگ آدمی کو جو سر سے بھی اشارہ کر سکتا ہو نماز کا حکم کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ بندہ ایسی حالت میں خدائے جل کے پاس جانے کا پختہ قصد کر رہا ہے۔ جیساکہ گذرا +

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تمام اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ فرض نماز کے اندر کت

سوقت تک کھڑا ہونا فرض ہے جب تک کھڑے ہونے کی صورت میں غرق ہونے کا اندیشہ نہ ہو سوس چکر آجانے کا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا واجب نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے حکم کا سخت اہتمام کرنا ہے وہ قول اون اکابر کے ساتھ خاص ہے جنکو کھڑے ہونے کی رعایت رکھنا اور گرنے سے نا خدا تعالےٰ کے ساتھ حضورِ قلب سے نہیں روکتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس سے ڈرنا ہے کہ کہیں کھڑے ہونے اور نہ گرنے دونوں کی یت رکھنا تشویش نہ پیدا کرے جس سے خضوع اور حضور جاتا رہے۔ جو امام صاحب کے یک صحتِ صلوٰۃ کے واسطے شرط ہے۔ اور یہ قول چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جب ایک اون میں سے بیٹھکر نماز پڑھیگا۔ تو وہ خشوع اور حضور پر قادر ہوگا۔ تو بیٹھکر ز پڑھنا اوس کے حق میں زیادہ کامل ہوا۔ کیونکہ جب کھڑا ہوگا۔ تو اوس کا قلب خدا تعالیٰ ساتھ حاضر ہوگا۔ پس سوچ لو +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ کھڑے ہونے کیوقت دہنے کو بائیں ہاتھ پر رکھنا مستحب ہے۔ اسی طرح اوس میں جو کھڑے ہونے کے قائم مقام ۔ حالانکہ امام مالک کی دونوں روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے۔ کہ دونوں ہاتھ انے چاہئیں۔ اسی طرح امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوسکو اختیار ہے ں پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا قول اور اوس کے بعد کا مخفف ہے۔ اگرچہ تخفیف ورجے متفاوت ہیں۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بندہ کے اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہونے کی ہیئت یہی ہے۔ اور یہ قول اکابر علماء اور صلحاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ برخلاف ڑے درجہ کے لوگوں کے۔ کیونکہ اون کے لئے بہتر ہاتھوں کا ڈھیلا رکھنا ہی ہے۔ یسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ دائیں کا بائیں کھنا اپنی مراعات میں اپنی طرف ذہن خرچ کرنے کا محتاج ہے۔ پس اس کی وجہ سے خداوند لےٰ سے سرگوشی کرنے کی طرف پوری توجہ نہیں ہوگی۔ اور یہی نماز کی روح اور حقیقت ۔ برخلاف ہاتھوں کو اپنی دونوں جانبوں میں لٹکانے کے۔

پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ ہاتھوں کو کس جگہ رکھنا چاہئے۔ پس امام ابوحنیفہ رضی نہ کا قول یہ ہے۔ کہ ناف کے نیچے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول ے۔ کہ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھنا چاہئے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دو تیں ہیں۔ اول میں سے مشہور روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ۔ اور اوسی کو علامہ خرقی نے اختیار کیا ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کو ہاتھ ناف کے نیچے رکھنے میں آسانی ہے برخلاف

سینہ کے نیچے رکھنے کے - کیونکہ اوس وقت اون کی حفاظت کرنا لازم ہے - اسلیئے کہ ہاتھ وزنی چیز ہیں - اور جب کھڑے کھڑے زیادہ دیر ہوگی - تو وہ نیچے کی جانب ہیں کھسک جا بینگے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا - اور اسی وجہ سے ہاتھوں کا سینہ کے نیچے رکھنا اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے - جو ایک وقت میں دونوں باتوں کی رعایت رکھ سکتے ہیں - نہ چھوٹے مرتبہ کے لوگوں کے ساتھ

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ جس کے نزدیک ہاتھوں کو سینہ کے نیچے رکھنا مستحب نہیں ہے - حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فعلاً ثبوت ہے - اوس کی وجہ یہ ہے - کہ نمازی کا یہ امر پورے طور سے ملحوظ رکھنا - کہ دونوں ہاتھ دائمی سینہ کے نیچے رہیں - غالباً خدا تعالےٰ سے مناجات کرنے کی طرف پوری توجہ ملحوظ رکھنے سے باز رکھیگا - پس دونوں ہاتھوں کا چھوڑے رکھنا یا ناف کے نیچے باندھنا باوجود مناجات اور حضوری بار تعالےٰ پر پورے طور سے متوجہ رہنے کے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ صرف اپنی کسی ہیئت کا منجملہ تمام ہیئتوں کے لحاظ رکھا جائے - پس جو شخص اپنی نفس کو اس سے عاجز جانے - کہ وہ نماز کے اندر سینہ کے نیچے ہاتھ رکھے رہے - اور اس کا پورا خیال رکھے - اور پھر باوجود اس کے خداوند تعالےٰ کی طرف کامل توجہ سے غافل نہ ہو - تو اوس کو اپنے دونوں ہاتھوں کا دونوں جانبوں میں چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے - اور امام شافعی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب (الام) میں اس کی تصریح بھی کی ہے - چنانچہ فرمایا ہے کہ اور اگر چھوڑ دے ہاتھوں کو - اور اون سے کچھ کھیل نہ کرے - تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں - اور جو شخص اپنے آپ کو امرین مذکورین کے خیال رکھنے پر ایک وقت میں قادر سمجھے - تو اوسکو سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے - اور اس سے تمام اماموں کے اقوال میں تطبیق ہوگئی (انتہیٰ)

نواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد شروع نماز کی دعا پڑھنا اسطرح کہ اوس کے بعد قرأت پڑھی جائے مستحب ہے - حالانکہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ مستحب نہیں ہے - بلکہ تکبیر پڑھکر قرأت شروع کردینی چاہیئے - پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف - اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ شروع نماز کی دعا پڑھنا ایسا ہے - جیسا بادشاہوں کے حضور میں داخل ہونے کے لیئے اجازت طلب کرنا - اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ حق تعالےٰ کسی مکان میں ہونے سے پاک ہے - لہٰذا اجازت طلب کرنے کے کوئی معنی نہیں - پس پہلے قول کا قائل اس کا جواب یہ دیتا ہے - کہ اس امر میں شریعت عرف کی تابع ہے - اور دوسرے قول کا قائل اس سے منع کرتا ہے - کیونکہ اس کے اندر خدا تعالےٰ کے متمکن ہونے کے وہم کا اندیشہ ہے - پس اسکو سمجھ لو +

دسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں صرف پہلی رکعت کے اندر اعوذ باللہ پڑھے - حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنی چاہیئے - اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ فرض نماز میں اعوذ باللہ الخ

بالکل نہ پڑہنا چاہئے۔ اسی طرح امام نخعی اور ابن سیرین کا قول یہ ہے کہ اعوذ باللہ الخ پڑھنے کا وقت اور موقعہ قرات پڑھ لینے کے بعد ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور تیسرے میں بہا تخفیف ہے۔ اسی طرح چوتھے میں۔

اور پہلے قول کی وجہ نمازی کو کمال پر محمول کرنا ہے۔ یہانتک کہ گویا اوس کے عزم کی سختی سے ابلیس نماز کے دربار سے ہنکایا جاتا ہے پس جب پہلی رکعت میں اوس سے پناہ مانگ لیگا۔ تو وہ ایسا بھاگ جائیگا۔ کہ پھر اوس نماز میں نہ آسکیگا۔

اور دوسرے قول کی وجہ نمازی کو عام لوگوں کے حال پر محمول کرنا ہے۔ یعنی اسقدر اسکا عزم قوی نہیں کہ ابلیس ہنک سکے۔ اسلئے اسکو چاہئے۔ کہ اعوذ کئی کئی مرتبہ لوٹاوے۔ تاکہ شیطان جو بار بار لوٹ کر آئے۔ تو اعوذ پڑہنے سے بھاگ جائے۔

اور تیسرے قول کی وجہ نمازی کے عزم کو فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت۔ اور اوس کے خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کو بہت شدید سمجھنا ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو شیطان کو جلا دیتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے خود تجربہ کیا ہے۔ برخلاف اوسوقت کے کہ جب نفل پڑہنے کے لئے کھڑا ہوتا ہو۔ کیونکہ اوسوقت بہت ناقص ہوتی ہے۔ اور مکلف اوس کے بجا لانے اور ترک کرنے میں مختار ہوتا ہے۔ اسلئے ابلیس اوس نماز میں اوس کے پاس رہتا ہے۔ تاکہ خود پسندی اور ریا کے وسوسے اوس کے دل میں ڈالے۔ لہٰذا اوس شخص کو اوس کے (اعوذ باللہ پڑھکر) ہنکانے کی ضرورت ہے۔ اور چوتھے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا یہ قول کہ (فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ الآیۃ) پس جب تو پڑہے قرآن۔ تو پس پناہ مانگ اللہ کے ساتھ شیطان سے) قرأت سے فارغ ہو جانے پر محمول ہے (یعنی جب قرآن کو پڑھ چکے تب اعوذ باللہ الخ پڑہنا چاہئے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے پڑہنے کے وقت شیطان حاضر ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ قرآن قرء سے نکلا ہے۔ اور قرء کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ پس جب شیطان حاضر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ تو پڑہنے والا اوس کے ہانکنے کے لئے اعوذ باللہ الخ پڑہنے کا محتاج ہے۔ اور یہ ایک باریکی ہے جسکو ہم نے لفظ قرآن سے نکالا ہے۔ اور اگر باریتعالےٰ یوں فرماتا۔ کہ (فاذا قرأت الفرقان) اور جب پڑہے تو فرقان کو الخ تو اوسوقت پڑہنے والے کو اعوذ باللہ الخ پڑہنے کی حاجت نہ ہوتی۔ اگرچہ قرآن اور فرقان ایک ہی چیز کا نام ہے۔ پس اسکو سمجھ لو۔ پس معلوم ہوا کہ صرف پہلی رکعت کے شروع میں اعوذ الخ کا پڑہنا اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب اون میں سے کوئی ایک مرتبہ شیطان سے پناہ مانگ لیتا ہے۔ تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور پھر لوٹ کر نہیں آتا جب تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو جائے۔ اور ہر رکعت میں اعوذ باللہ الخ پڑھنا معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے عزم کمزور ہوتے ہیں۔ کہ اونمیں سے کوئی اتنی قدرت نہیں رکھتا۔ کہ صرف ایک مرتبہ پناہ مانگ کر ابتدائے نماز سے آخر تک ہنکاتے رکھے۔ اسی لئے اماموں نے ایسے شخص کو ہر رکعت میں پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اوس کے پاس شیطان بار بار لوٹ کر آئیگا۔ اور اسلئے کہ اوس کی ہر رکعت کے اندر ایسی قرأت ہے کہ اوس کے اور دوسری قرأت کے مابین سجدے اور رکوع حائل ہیں۔

تو دوسری قرأت ایسی ہوگی۔ گویا کہ نئے سرے سے پڑھی گئی ہے۔ زمانہ طویل گذر جانے کے بعد۔ اور بار تیعالے نے فرمایا ہے۔ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط پس جب پڑھے تو قرآن کریم۔ تو پناہ مانگ اللہ کے ساتھ شیطان راندے ہوئے سے) تو اسمیں احتیاط پر عمل کرنا ہے

اگر تم کہو۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ کہ شیطان سے اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگنے کا حکم ہوا نہ دوسرے کسی نام کے ساتھ اسماء الہیہ میں سے۔ تو کیا اس میں کوئی حکمت ہے؟

پس جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالے کے ناموں میں سے اللہ ایک ایسا اسم ہے جو اوس کے تمام ناموں کی حقیقتوں کا جامع ہے۔ اور ابلیس تمام ناموں کی بارگاہوں سے واقف ہے۔ تو اگر خدا تیعالے بندہ کو کسی اور نام کے ساتھ مثلاً رحیم یا منتقم کے ساتھ پناہ مانگنے کا حکم کرتا۔ تو ابلیس اوس کے پاس آکر خدا کے ناموں میں سے واسع یا مجید کی بارگاہ سے بندہ کے دل میں وسوسہ ڈالتا۔ اسلئے خدا تیعالے نے ابلیس کے لئے اپنے تمام ناموں کے راستے جن میں ہو کر وہ بندہ کے دل تک پہونچ جاتا ہے۔ ایسے نام سے بند کر دیئے جو تمام ناموں کا جامع ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس بارگاہِ مقدس میں شیطان کا ذکر کرنا گندگی ہے جس سے اوس بارگاہ کا منزہ ہونا ضروری ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ خدا تیعالے نے ہم کو اس بارگاہ میں ابلیس کے ذکر کرنیکا حکم ہم پر اپنی شفقت میں مبالغہ کرنے کے واسطے فرمایا ہے تاکہ ہم اوسکے وسوسے سے محفوظ رہیں۔ جو ہم کو حقتعالے کے مشاہدہ کی بارگاہ سے باہر کر دینے والے ہیں۔ اور اگر یہ شفقت نہ ہوتی۔ تو ہم کو اس مقدس درگاہ میں ابلیس لعین کے ذکر کرنے کا حکم فرمانا سخت کو ہلکی چیز سے دفع کرنے کے باب سے نہ ہوتا۔

اگر کہا جائے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو بار تیعالے نے پناہ مانگنے کا امر کیوں فرمایا حالانکہ آپ معصوم ہیں۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے وسوسہ پر عمل کرنے سے معصوم ہیں۔ نہ شیطان کے آپ کے سامنے آنے سے جیسا کہ بار تیعالے نے اسطرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته الآية یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نہ کسی نبی کو مگر جب تمنا کی اوس نے۔ تو پڑ گیا شیطان اوس کی خواہش میں۔ پس ہر نبی شیطان کے وسوسہ پر عمل کرنے سے معصوم ہیں۔ اور اوس کے وسوسہ سے معصوم نہیں۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ شروع نماز میں اعوذ پڑھنے کا حکم امت کے لئے تشریعی حکم ہو خواہ چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں۔ یا بڑے درجہ کے کیونکہ دونوں میں سے کوئی معصوم نہیں۔ اسی لئے اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ نفس پناہ مانگنا مستحب ہے۔ نہ اوس کے ایک مرتبہ یا زیادہ مرتبہ ہونے میں۔ اسلئے کہ احتیاط اسی میں ہے۔ پس راضی رہے اللہ تعالے تمام اماموں سے کہ امت مرحومہ کے دین میں کسقدر

شفقت فرمائی ہے۔ آمین۔ آمین ثم آمین۔

اور میں نے حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ جس امام نے کہا ہے۔ کہ نمازی کو صرف پہلی رکعت میں ایک مرتبہ پناہ مانگنی چاہیئے۔ اوس کی وجہ اچھا کرنا گمان کا ہے اوس کے ساتھ اور یہ کہ اوس کے عزم کے سخت ہونے کی وجہ سے شیطان اوس سے پہلی ہی مرتبہ ایسا بھاگ جائیگا کہ پھر اوس کی طرف نہ لوٹیگا۔ اور اگر وہ نمازی اس امام سے یہ کہتا کہ شیطان میرے پاس کئی کئی مرتبہ لوٹ کر آتا ہے۔ تو ضرور اوس کو ہر مرتبہ شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم کرتے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ احتیاط ہے۔ اور یہی وجہ ہے اوس امام کی جو کہتا ہے۔ کہ ہر رکعت میں پناہ مانگنی چاہیئے۔ اور یہ قول نمازی کے ساتھ سوء ظنی نہیں ہے پس اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اس موقعہ میں خوب تامل سے کام لو۔ کیونکہ شاید تم یہ مضمون کسی کتاب میں نہ پاؤگے۔ اور اسی سے تمام اقوال آئمہ میں تطبیق ہوگئی۔ اور اس تطبیق کا طالب اپنے امام کے سوا دوسرے کے قول کو ضعیف کہنے سے مستغنی ہوگیا۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز کی ہر رکعت میں قرءت واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ صرف پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اون کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اپنی نماز کی کسی رکعت میں قرءت چھوڑ دے۔ تو سجدہ سہو کرے۔ اور نماز درست ہوگئی۔ مگر صبح کی نماز میں کیونکہ اگر اوس میں کسی رکعت کے اندر قرءت چھوڑ دے۔ تو نماز نئے سرے سے پڑھے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرے میں بھی تشدید ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبے پائے گئے

اور پہلے قول کی وجہ اتباع اور احتیاط ہے۔ اور یہ قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنکا دل اپنی نمازوں میں پراگندہ رہتا ہے۔ پس اوسکو چاہیئے کہ ہر رکعت میں قرءت کرے تاکہ اوسکا دل خدا تعالےٰ پر جس کے ساتھ کلام ہو رہا ہے۔ جمع ہو۔ کیونکہ لفظ قرآن قرء سے نکلا ہے۔ اور قرء کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ جیساکہ گذرا اور اس سے شارع علیہ السلام کے ہر رکعت میں قرءت پر اعتراض نہ وارد ہوگا۔ (یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تو نماز میں پراگندہ نہیں ہوتا تھا۔ پھر وہ ہر رکعت میں قرءت کیوں کرتے تھے) اور اسلیئے وارد نہ ہوگا۔ کہ آپ کا یہ فعل تعلیم اُمت کے لیئے تھا۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اون لوگوں کے سرگروہ ہیں۔ جنکا دل خدائے عزوجل پر جمع رہتا ہے۔ خواہ قرءت پڑھیں یا نہ پڑھیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کا دل پہلی دو رکعتوں میں خدا تعالےٰ پر جمع ہوجائیگا۔ تو یہ اجتماع اوسکو آخر نماز تک بدستور باقی رکھیگا۔ اسلیئے اوسکو دل جمعی کے لیئے قرءت کی حاجت نہیں۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نماز کے بڑے حصے میں قرات کا وجود ضروری ہے۔ خواہ وہ تین رکعت والی نماز ہو یا چار رکعت والی۔ اور باقی کم حصہ میں قرات کا پڑھنا مانند سنت کی ہے جسکا جبر سجدہ سہو سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے +

بارھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مقتدی پر قرات واجب نہیں ہے۔ چاہے آہستہ قرات والی نماز ہو یا آواز سے پڑھنے کی۔ بلکہ امام کے پیچھے کسی حال میں مقتدی کو قرات پڑھنا مسنون بھی نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہ مقتدی پر کسی حال میں قرات واجب نہیں۔ بلکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ مقتدی کو آواز سے پڑھنے کی نماز میں قرات پڑھنا مکروہ ہے۔ چاہے امام کی قرات کی آواز اوس کے کان میں آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے اوس نماز میں جس کے اندر امام آہستہ قرات کرتا ہے۔ مقتدی کے لئے قرات پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول آہستہ قرات والی نمازوں میں تو یقینی مقتدی پر قرات کے واجب ہونے کا ہے۔ اور آواز سے قرات والی نمازوں میں دو قول ہیں۔ جن میں قول مرجح یہی ہے۔ کہ اونمیں بھی مقتدی پر قرات واجب ہے۔ اور اصم اور حسن بن صالح رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ قرات سنت ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے اور چوتھے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے اور یہی دوسرے کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ من کان له امام فقراۃ الامام قراۃ له یعنی جس کا کوئی امام ہو۔ تو امام کی قرات اوس شخص کی قرات ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ شارع کا قرات سے مقصد نمازی کی خدا تعالی کے سامنے دلجمعی ہے۔ اور یہ امام کی قرات کے سُن لینے سے بھی حاصل ہے حسنًا۔ تو لفظ کے اعتبار سے کافی ہے۔ اور معنیً بڑے لوگوں کے حق میں باعتبار تابعہ کرنے کے باطن میں امام سے شروع ہو کر مقتدی تک۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قرات کو اون نمازوں میں مستحب کہنے کی وجہ جن کے اندر امام قرات آہستہ پڑھتا ہے۔ نہ اون میں جن کے اندر آواز سے پڑھتا ہے۔ خدا تعالے کا یہ فرمان ہے۔ کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور جب پڑھا جاوے قرآن تو اوس کے لئے کان لگاؤ۔ اور چپ رہو) پس آہستہ پڑھنا اس سے خارج رہا۔ کیونکہ اوس میں سُننا نہیں پایا جاتا۔ اور نہ چُپ ہونا۔ تو اون نمازوں کے اندر امام کے پیچھے قرات پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور بہر حال وہ شخص جو قرات خلف الامام کو مکروہ کہتے ہیں)۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مقتدی اگر قرات پڑھیگا۔ تو قلب اوسکا امامت جدا ہوگا۔ جیسا کہ چھوٹے درجہ کے لوگوں کا حال ہے۔ ورنہ اکابر تو امام کے ساتھ ایسے مربوط ہیں کہ اگر وہ امام کی قرات نہ بھی سُنیں (تو کچھ حرج نہیں) جیسا کہ گذر چکا۔ اور جو یہ کہتے ہیں۔ کہ مقتدی پر قرات واجب ہے۔ تو اون کی وجہ احوط پر عمل کرنا ہے اس اعتبار سے کہ نمازی کی خدا تعالے پر دلجمعی کامل طور پر نہیں ہو سکتی۔ مگر اوس وقت کہ جب خود وہ قرات پڑھے۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے فرقہ والوں میں سے اور جو شخص کہتا ہے کہ قرات سنت ہے۔ تو اوسکا قول اسپر مبنی ہے کہ قرات کا حکم استحبابی ہے

اور اس قول کا قایل اس حدیث میں کہ (لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ کو ساتھ) کمال کی نفی مراد لیتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بھی کمال کی نفی مراد ہے۔ کہ لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد نماز نہیں ہوتی مسجد کے ہمسایہ کی مگر مسجد میں)

تیرہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی روایات میں سے مشہور تر یہ قول ہے کہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی متعین ہے۔ اور دوسری سورت کا پڑھنا کافی نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ سورہ فاتحہ ہی کا پڑھنا متعین نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔ چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ امر برعکس ہو۔ اس اعتبار سے کہ بڑے لوگ چاہے قرآن کی جس آیت کو پڑھیں خدا تعالےٰ پر دل جمع کرسکتے ہیں۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔ کیونکہ قرء کے معنے لغت میں جمع کرنے کے ہیں۔ بولا جاتا ہے کہ (قرء الماء فی الحوض۔ جمع ہوگیا پانی حوض میں) جبکہ جمع ہوجائے۔ اور وضاحت اس کی یہ ہے۔ کہ جو شخص تعین سورہ فاتحہ کا قائل ہے۔ اور یہ کہتا ہے۔ کہ کسی اور سورت کا پڑھنا کافی نہیں۔ اوس کے قول کا مدار اون احادیث کے ظاہری مفہوم ہیں جو تواتر کی حد کے قریب قریب پہنچ چکی ہیں۔ اور اس کی تائید متقدمین اور متاخرین کے عمل سے ہوتی ہے۔ اور ہم نے یہ جو کہا ہے کہ وہ اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ سورت فاتحہ تمام احکام قرآن کو جامع ہے۔ تو اہل کشف کا اوسکو پڑھنا ایسا ہے۔ گویا کہ تمام قرآن کو پڑھ لیا۔ لیکن ثواب کے اعتبار سے۔ اور قرآن کے تمام احکام سمجھ لینے کے اعتبار سے۔ اور یہی وجہ ہے جو سورت فاتحہ کا نام (اُم القرآن) رکھا گیا ہے۔ علماء کا بیان ہے۔ کہ سورت فاتحہ کے وجوب کی بہت بڑی دلیل امام مسلم کی مرفوع حدیث ہے۔ کہ فرماتا ہے اللہ عز وجل کہ میں نے نماز کو اپنے اور نمازی کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے۔ اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تو حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تعریف کی میری میرے بندے نے۔ آخر حدیث تک۔ کیونکہ باری تعالےٰ نے نماز کی تفسیر پڑھنے سے کی ہے۔ اور پڑھنے کو نماز کا جزو قرار دیا ہے۔ اور جو کہتا ہے۔ کہ سورت فاتحہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ نمازی قرآن شریف سے جو کچھ پڑھے وہ کافی ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے کہ تمام قرآن اپنی ذات کے اعتبار سے خدا تعالےٰ کی صفات کیطرف لوٹتا ہے۔ اور حق تعالےٰ کی صفات میں باہمی کچھ بھی تفاضل نہیں۔ بلکہ تمام صفات آپس میں برابر ہیں۔ پس نہیں کہا جاسکتا کہ خدا تعالےٰ کی رحمت اوس کے غضب سے افضل ہے۔ اور نہ اسکا الٹا (یہ تفاضل نہ ہونا) باعتبار اون صفات کے ہے جو قائم بالذات ہیں۔ اور ان کے اندر جو تفاضل ہوتا ہے۔ تو اوس کا حاصل اون امور کی طرف لوٹتا ہے جو مخلوق سے متعلق ہیں نعمتوں اور عذاب کے لحاظ سے۔ اور قوم کا اس پر اتفاق ہے کہ اسماءِ الٰہیہ میں کچھ تفاضل نہیں ہے۔ اور وہ اسماء خداوندی درحقیقت صفات ہیں۔ پس ہر وہ شے جو بندہ کے دل کو اللہ تعالےٰ پر جمع کردے اوس کے ساتھ نماز درست ہے۔ اگرچہ

وہ کوئی نام ہی ہو خدا تعالےٰ کے ناموں سے۔ جیساکہ خداتعالےٰ کے قول کے ظاہری معنی اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد ہے (واذکر اسم ربہ فصلی) یعنی اور ذکر کیا اپنے پروردگار کے نام کا پس نماز پڑھی)

(اگر کہا جائے) کہ بعض آیتوں اور سورتوں کی بعض پر فضیلت وارد ہوئی ہے۔ تو اسکی کیا وجہ ہے؟

(پس جواب یہ ہے) کہ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ یہ تفاضل درحقیقت اوس قرءت کی طرف راجع ہے جو مخلوق ہے نہ مقروء (پڑھے ہوئے) کی طرف جو قدیم ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے۔ کہ مثلاً شارع ہم کو حکم دے کہ رکوع اور سجدہ میں فلاں ذکر پڑھو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ قرءت کرنے والا کلام اللہ کی تلاوت کرنے میں حقیقتاً اللہ تعالےٰ کا نائب ہے اور نائب کو عزت ہوتی ہے جو صفت قیام کے موقعہ میں حاصل ہے نہ ذلت جو رکوع کی حالت میں۔ جیسا کہ بیان کیا ہے اسکو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ہمارے اس تمام بیان سابق سے یہ امر واضح ہوگیا کہ جس شخص کو خداوند تعالےٰ نے تمام قرآن کے احکام سورت فاتحہ سے استنباط کرنے کی قدرت دی ہے۔ اور وہ اکابر اولیاء اللہ ہیں تو اون کے لئے یہ متعین نہیں۔ اور جو حدیث بالخصوص اوسی کے پڑھنے کے بارے میں وارد ہوی ہے وہ اس قول کے قائل کے نزدیک کمال پر محمول ہے جیسا اوسکی بعض نظیروں میں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ (لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد) (ترجمہ پہلے گذرا) کیونکہ بالکل ایسی ہی حدیث ہے جیسے (لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب) کچھ فرق نہیں جیساکہ گذرا۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اکابر کو اسکا مکلف فرمایا ہے۔ کہ وہ ہر رکعت میں قرآن شریف کے تمام ظاہری معانی پر مطلع ہوں۔ پھر اونہوں نے دیکھا کہ یہ تمام قرءت فاتحہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ تو اونہوں نے اوس کے پڑھنے کو ضروری اور لازمی قرار دیا ہے۔ اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کو اسکا مکلف کیا نہیں۔ کیونکہ ان کی قدرت سے یہ بات باہر ہے۔ پس تینوں اماموں کا کلام اکابر اولیاء اللہ کے ساتھ خاص ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا کلام عوام کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس کی وجہ کہ عوام کی نماز میں سورت فاتحہ کا متعین ہونا باعث تخفیف ہے یہ ہے کہ وہ لوگ تمام قرآن کے معانی صرف سورت فاتحہ سے سمجھنے کے مکلف نہیں ہیں۔ جیساکہ کبھی سورہ فاتحہ کے سوا دوسری کسی سورت کا پڑھنا خواص پر بھی تشدید ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ اونکو اسکی تکلیف دی جاتی ہے۔ کہ وہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ پر اپنے قلب کو جمع کریں۔ اور دوسری کوئی سورت قرآن شریف کی ام یعنی اصل تو ہے نہیں جیسے سورت فاتحہ ہے۔ تو اس لئے غالب اثر کے اندر قلب کی جدائی ہی ہے۔ انتہیٰ

چودھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک بسم اللہ سورت فاتحہ میں داخل نہیں ہے۔ اسلئے وہ واجب نہیں۔ سوالا۔ امام شافعی اور

امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ بسم اللہ سورت فاتحہ سے ہے۔ اسلیئے وہ واجب ہے اور اوسکو آواز سے پڑھنے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ پس امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ اوسکو آواز سے پڑھنا چاہیئے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ پڑھنا چاہیئے۔ اور اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوسکو چھوڑ دینا مستحب ہے۔ اور الحمد للہ رب العالمین سے شروع نماز ہونا چاہیئے۔ اور ابن ابی لیلےٰ کا قول یہ ہے کہ نمازی کو اختیار ہے۔ اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔ پس دونوں مسئلوں میں میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف حاصل لوٹ گیا۔

اور پہلے مسئلہ میں پہلے قول کی غایت یہ ہے۔ اور یہی دوسرے مسئلہ میں پہلے قول کی ہے۔ کہ شارع کا اتباع اسی میں ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ شریف کو کبھی سورت فاتحہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور کبھی ترک کرتے تھے پس جس مجتہد کو جونسی حالت کی خبر پہونچی دونوں حالتوں میں سے اوس نے اوسی کو لے لیا۔ اور اس فعل میں بیان تشریعی ہے۔ اکابر کے لئے جو اہل کشف میں سے ہیں۔ اور چھوٹے درجے کے لوگوں کیلیئے جو اہل حجاب میں سے ہیں۔ پس وہ شخص جس نے پردہ کو اٹھا دیا ہے۔ نماز میں داخل ہوتے وقت اور اپنے قلب سے حق تعالےٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ تو اوسکو اسم خداوندی کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اوسکو مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ اہل حجاب کا شیوہ ہے۔ اور جس نے پردہ کو نہیں اٹھایا ہے۔ تو اوس کے لئے خدا کا اسم بزرگ ذکر کرنا مناسب ہے تاکہ اوس کو خدا اپنے پر تریاد فرما دے۔ جیسا کہ خدا کی بعض غیبی نداؤں میں وارد ہوا ہے۔ کہ (اذا لم ترنی فالزم اسمی) جب تو مجھ کو نہ دیکھے۔ تو میرے نام کو لازم پکڑ) اسی سے ہم نے استنباط کیا ہے۔ کہ جو شخص اوسکو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ اوس کے نام کے ذکر کرنے کا مامور نہیں ہے۔ اسی لئے کسی نے بطور معمہ و چیستان کے اپنے اس شعر میں کہا ہے

اشعار

بذکر اللہ تزداد الذنوب — وتنطمس البصائر والقلوب
وذکر اللہ افضل کل شیٔ — وشمس الذات لیس لہا مغیب

ترجمہ اسکا یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور آنکھوں اور دلوں کا نور جاتا رہتا ہے۔ اور اللہ کا ذکر تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اور ذات خداوندی کا آفتاب نہیں ہے اوس کے لئے غروب۔

مترجم کہتا ہے مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالےٰ کے ذکر کی ضرورت اوسی وقت ہوتی ہے جب اوس سے غائب ہو۔ اسلیئے جسقدر ذکر الہی کی کثرت ہوگی اوسی قدر گناہوں کا صادر ہو چکنا جو حجاب کا ثمرہ ہے۔ سمجھا جائیگا۔ اور اس کی تائید شبلی علیہ الرحمۃ کے قول سے بھی ہوتی ہے جسوقت اون سے

لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کو کس وقت راحت ملتی ہے۔ تو شیخ نے جواب دیا کہ جب میں خدا کا ذکر کرنیوالا نہ نظر آؤں۔ مطلب یہ کہ چونکہ خدا کا ذکر اوسی وقت ہوتا ہے کہ جب اوس کی حضوری سے حجاب ہو۔ پس شبلی علیہ الرحمۃ کی تمنا اور خواہش یہ معلوم ہوئی۔ کہ خداوند تعالے کے شہود کا مرتبہ حاصل ہو۔ کیونکہ ایک وہی مرتبہ ایسا ہے کہ شبلی اوس میں خدا کا زبان سے ذکر کرتے نہ پائے جاینگے۔ اسلئے کہ اوس کا مشاہدہ اور قلب سے سرگوشی کرنا اوسوقت کافی ہوگا۔ اور حق تعالے کی درگاہ حیرانی اور خاموشی کا مقام ہے۔ کیونکہ جو چیز اوس درگاہوں کے اہلوں کو راستہ بتاتی ہے۔ وہ بہت سخت ہے۔ یعنی ہیبت اور تجلی۔ خدا تعالے فرماتا ہے کہ (وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا) (ترجمہ) اور نیچی ہو جاوینگی آوازیں واسطے رحمن کے۔ پس نہ سنے گا تو مگر آواز آہستہ)

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ زبان سے ذکر کرنا بڑے اور چھوٹے دونوں درجہ کے لوگوں کے واسطے مشروع ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی بڑائی کا پردہ کسی کے لئے نہیں اُٹھ سکتا۔ یہانتک کہ انبیاء کے واسطے بھی۔ لہذا حجاب ضرور رہتا ہے ہاں صرف باریک ہوجاتا ہے۔ (انتہیٰ) اور یہ بہت نفیس کلام ہے۔ جو کسی کتاب میں نہیں مل سکتا۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے کہ خدا تعالے کا ذکر دو قسم پر ہے۔ ایک زبان کا۔ دوسرا ذکر حضوری کا۔ جس طرح ذکر کا ترک کرنا بھی دو قسم پر ہے ایک ترک کرنا غفلت کی وجہ سے۔ دوسرا ترک کرنا حضوری کی وجہ سے۔ کیونکہ اوس وقت دہشت ہوتی ہے۔ پس دونوں ذکروں میں سے پہلی قسم گھٹیا درجہ کی ہے۔ اور دوسری قسم بڑھیا درجہ کی۔ اور ترک کی دونوں قسموں میں سے پہلی قسم بُری ہے۔ اور دوسری پسندیدہ اور اوسی قسم پر ہم نے شیخ شبلی علیہ الرحمۃ کے قول مذکور کو محمول کیا ہے۔

اور میں نے سیدی شیخ علی مرصفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو کبھی بسم اللہ کو ترک فرماتے تھے۔ اور کبھی پڑھتے تھے۔ اوس کی وجہ اپنی اُمت کے تندرست اور ضعیف دونوں قسم کے لوگوں کو تعلیم تھی۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کے ساتھ ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ کیونکہ آپ ہی اوس دربار کے امین ہیں۔ اور آپ ہی اوس کے بھائی۔ اور آپ ہی اوس کے امام ہیں

اور میں نے شیخ سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ اگر حقتعالے اکابر کو نماز کے اندر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے وقت قرأت اور باقی اذکار کو باآواز پڑھنے کا حکم نہ فرماتا۔ تو اون میں سے کوئی بھی ایک کلمہ بولنے کی جرأت نہ کرسکتا۔ اسلئے کہ اوس درگاہ والوں پر بالعموم ہیبت طاری ہوتی ہے۔ لیکن بسا اوقات حقتعالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسقدر تجلی فرماتا تھا جو آپ کی طاقت سے باہر ہوتی تھی۔ تو اوسوقت آپ بسم اللہ یا تکبیر کو بلند آواز سے نہیں کہہ سکتے تھے۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ اح

فرمان کے ہو جائیگا کہ (انما انسی لیستن بی) (ترجمہ) سو اس کے نہیں کہ میں بھولتا ہوں۔ تاکہ سنت پکڑی جائے ساتھ میرے) پس سمجھ لو

پندرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعض شوافع کے نزدیک مناسب ہے۔ کہ قرأت اخفاء اور اظہار اور تفخیم اور ترقیق اور ادغام وغیرہ کے ساتھ ہو۔ حالانکہ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ نماز کے اندر یہ مناسب نہیں تاکہ بندہ کو حقتعالے سے سرگوشی کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول کرنے سے باز نہ رکھے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔ اور پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی پیروی ہے۔ کہ (حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ) (ترجمہ) اچھا کرو قرآن کو ساتھ آوازوں اپنی کے) مطلب یہ ہے۔ کہ اچھا کرو آواز دل اپنی کو قرآن کے الفاظ کے ساتھ ورنہ قرآن اپنی ذات کے اعتبار سے وہی قرآن ہے جسکو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ قدیم ہے۔ اور منجملہ خدا تعالے کی صفات کے ایک صفت ہے۔ اور تحسین اور اچھا کرنا اگر ہو سکتا ہے۔ تو قرأت اور تلاوت کے لحاظ سے ہو سکتا ہے نہ اوس قرآن کے لحاظ سے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور باایں ہمہ پس رعایت رکھنا اسکا نماز میں مخصوص ہے۔ اکابر علماء صلحا کیساتھ جنکو اسکا رعایت رکھنا خدا تعالی سے بے توجہ نہیں بنا سکتا۔ اور نہ رعایت رکھنا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنکو اس امر میں مشغول ہو کر خدا تعالے سے بے توجہی ہو سکتی ہے۔ اور اگلے اور پچھلے لوگوں میں اکثر کا یہی حال ہے۔ اور پروردگار عالم بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا اوس شخص کے بارہ میں جو نہ سورۃ فاتحہ اچھی طرح پڑھ سکتا ہو۔ اور نہ کوئی اور سورت قرآن کی یہ قول ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کی مقدار برابر کھڑا رہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ شخص بقدر سورۃ فاتحہ کی تسبیح پڑھتا رہے پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوس طریقہ پر کھڑا ہونا چاہئے جسطرح وارد ہوا ہے۔ اور ہمارے واسطے کہیں وارد نہیں ہوا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ یا کوئی اور آیت و سورت قرآن کی نہ پڑھ سکے۔ تو وہ اوس کی بجائے خدا تعالی کی تسبیح کرے۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ پیروی کرنا نئی بات کے نکالنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نئی بات اچھی ہی ہو۔ (جسکو بدعت حسنہ کہدیتے ہیں) اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف کے پڑھنے میں وہ خصوصیت ہوتی ہے۔ جو دوسرے اذکار میں نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ لفظ قرآن قرء سے نکلا جس کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ پس وہ جمع کرتا ہے دل کو اللہ تعالے پر۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ قیاس کرنا ہے دوسرے ذکروں پر اور علت جامعہ خدا تعالے کے قول کے ظاہری معنی ہیں کہ (وذکر اسم ربہ فصلی) (ترجمہ) اور ذکر کیا نام اپنے پروردگار کا پس نماز پڑھی)۔ کیونکہ خدا تعالے کا ذکر اکثر بندہ کے قلب کو خدا تعالے پر جمع کر دیتا ہے

پس نزدیک ہے کہ وہ ذکر اللہ تعالےٰ کے دربار پر دلجمعی پیدا کرنے میں قرآن شریف کیساتھ لاحق ہو جائے۔ اور رہا یہ کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اوس ذکر کی تخصیص سُبحان اللہ و الحمد للہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ کی ہے۔ سو اوسکی وجہ وہ حدیث ہے۔ جو مرفوعاً وارد ہوئی ہے۔ کہ (انہ احبّ الکلام الی اللہ عزوجل) (ترجمہ) بیشک یہ زیادہ پسندیدہ کلاموں کا ہے خدا کے نزدیک (پس اسکو خوب سمجھ لو۔

ستر ہواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نمازی کو اختیار ہے کہ قرأت چاہے فارسی زبان میں پڑھے یا عربی میں حالانکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگر نمازی سورۃ فاتحہ کو عربی زبان میں اچھی طرح پڑھ سکتا ہو۔ تو اوس کو دوسری زبان میں پڑھنا کافی نہ ہوگا۔ اور اگر عربی میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا ہو۔ تو (اگر) وہ اپنی زبان میں بھی پڑھیگا۔ تو کافی ہے۔ حالانکہ باقی اور اماموں کا یہ مسلک ہے کہ عربی کے سوا دوسری زبان میں قرأت پڑھنا مطلقًا کافی نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مفصل ہے اور تیسرا مشدد۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ بشرطیکہ امام صاحب کا اوس سے رجوع فرمانا ثابت ہو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ تمام لغات اور زبانوں کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی نہی وارد نہیں جس سے فارسی زبان میں قرأت کرنا ناجائز سمجھا جائے۔ لہٰذا اسکو مجتہدین کے اجتہاد کیطرف رجوع کر دیا۔ (اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ غیر عربی میں قرأت پڑھنا قرآن شریف کو معجز ہونے سے خارج کرتا ہے (تو ہم یہ جواب دینگے) کہ نمازی کی اس قرأت سے باعتبار معنے کے اعجاز حاصل ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اسپر قادر نہیں ہے۔ کہ فارسی میں قرآن شریف کی مثل پڑھ سکے۔ اور تیسرے قول کی وجہ اوس طریقہ سے کھڑا ہونا ہے جسطرح ہم کو شارع اور اون کے اصحاب سے پہنچا ہے۔ اور ہم کو کوئی خبر نہیں پہنچی۔ کہ اون میں سے کسی نے قرآن کو غیر عربی میں پڑھا ہو۔ اسی طرح شارع علیہ السلام نے۔ پس ہمارا اوسی طرز پر کھڑا ہونا جو ہمکو پہنچا ہے زیادہ بہتر ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث دیکھی ہو۔ کیونکہ آپ کی امامت اور بزرگی اس سے برتر ہے کہ آپ ایک ایسی بات پر جرأت کریں جسکی کوئی دلیل نہ پائیں۔

اور میں نے بعض حنفیوں سے سُنا ہے کہ تمام لغات اور زبانیں وحدہ لاشریک کے نزدیک اوس سے سرگوشی کرنے کے دربار میں ایک سی ہیں۔ پس ہر شخص اپنی زبان میں سرگوشی کر سکتا ہے۔ اور اس کی تائید علماء کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ کہ بعض اون اذکار کا جو حدیث میں وارد ہیں۔ دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا جائز ہے (انتہیٰ)

اور جو کچھ اسمیں خدشہ ہے وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر وہ دروازہ جسکو شارع نے نہ کھولا ہو کسی کو اوس کے کھولنے کا حق نہیں۔ اور علماء کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی قرآن شریف کی دوسری لغت میں تبلیغ کی ہو۔ بجز اوس

طریقے کے کہ نازل ہوا ہے۔ اور رہا باریتعالے کا یہ فرمانا کہ (لتبین للناس ما نزل الیہم) (ترجمہ) تاکہ کھولکر بیان کردے۔ تو لوگوں کو وہ جو اوتارا گیا ہے اون کی طرف۔ سو یہ اوس کے منافی نہیں ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ کیونکہ بیان اور کھولکر کہنا کبھی دوسری زبان میں بھی ہوتا ہے۔ اوس شخص کے واسطے جو اوس لغت کو نہ سمجھتا ہو جو اوتارا گیا ہے۔ اسی لئے بعض اصحاب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ امام صاحب کا صاحبین کے قول کیطرف رجوع کرنا ثابت ہے۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

اٹھارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر نمازی نماز پڑھنے میں قرآن شریف کو دیکھکر کچھ پڑھ لے تو نماز اوس کی باطل ہوجاتی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اوس کی نماز صحیح ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ کہ یہ فعل نماز میں جائز ہے۔ فرض میں نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے۔ اور تیسرا مفصل ہے۔ پس میزان کی دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ لکھے ہوئے کو دیکھنے کی صورت میں پوری سرگوشی سے بے توجہ ہونا ہی اور یہ قول معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ اس فعل کا سرگوشی سے بے توجہ نہ کرنا ہے۔ اور یہ قول اکابر علماء صلحاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا (یہ کہا جائے) کہ بے توجہ تو اون کو بھی کرتا ہے۔ مگر علماء نے اوس کے اندر نرمی فرمائی ہے کیونکہ قرآن شریف کا پڑھنا نماز کے متعلقات میں سے ہے۔ اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نفلی نماز ایک ہلکی اور معمولی شے ہے۔ اور اس کی دلیل اوس کے چھوڑنے کا جواز ہے۔ برخلاف فرض کے۔ اسلئے علماء نے اوس میں ایسی شے کو احتیاط کی وجہ سے ناجائز کہا ہے۔ جو خدا تعالے کیطرف سے توجہ ہٹا دے۔

انیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لفظ آمین آواز سے نہ کہنا چاہئے۔ اس حکم میں مقتدی اور امام دونوں برابر ہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے۔ کہ امام اور مقتدی دونوں کو آواز سے کہنا چاہئے۔ اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ مقتدی کو باآواز کہنا چاہئے۔ اور امام کے لئے دونوں روائیتیں ہیں اور ترجیح کسیکو نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔ اور تیسرے میں تشدید ہے پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ لفظ آمین سورت فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ اور بعض مرتبہ عام آدمیوں کو یہ وہم نہ ہوجائے۔ کہ یہ سورت فاتحہ کا جز ہے۔ اس لئے اوس کو آواز سے نہ پڑھنا بہتر ہے۔ بہ نسبت بعض عوام کے اوس کو جزو فاتحہ جان لینے کے۔

آئے بار خدا نہیں ہے کوئی صورت. مگر اوسوقت کہ جب سب کے سب نماز پڑھنے والے عالم ہوں۔اور جانتے ہوں۔ کہ آمین سورت فاتحہ کا جزو نہیں ہے جسطرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے۔ تو اوس وقت البتہ اوس کو آواز سے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آمین کہتے وقت نمازی کا خشوع قوی ہو جاتا ہے۔اس لئے اوس وقت لفظ آمین دل سے کہہ لینا کافی ہے

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔کہ لفظ آمین کو آواز سے پڑھنے میں عاجزی کا اظہار ہے۔اور اسبات کا کہ ہم صراط مستقیم کی رہ یابی کے لئے دعا کرنے کے اور اوس کے قبول ہونے کے محتاج ہیں!

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عادتاً مقتدی کو امام سے خشوع اور خضوع کم ہوتا ہے کیونکہ خدا کی طرف سے امداد سب سے پہلے امام پر اوترتی ہے۔پھر اوس کا فیض تمام مقتدیوں پر تقسیم ہوتا ہے پس لازم ہے کہ امام پر بوجھ اور خوف اسقدر ہو۔کہ جس کو تمام مقتدیوں پر تقسیم کیا جاسکے۔اسی وجہ سے پہلی دونوں روایتوں میں سے ایک روایت کے اندر امام پر تخفیف کا لحاظ کیا گیا ہے۔اور دوسری روائت میں اوس پر تشدید کی گئی ہے۔اس خیال سے کہ امام میں قوت اور کمال ہے۔پس اس کو خوب سمجھ لو +

بیسواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک اور امام شافعی کے دونوں قولوں میں سے قول مرجح بھی یہی ہے۔کہ پہلی دونوں رکعتوں کے سوا اور رکعتوں میں سورت فاتحہ کے بعد اور کوئی سورت پڑھنا مسنون نہیں ہے۔حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے قول میں یہ ہے کہ مسنون ہے اسلئے کہ اس بارہ میں امام مسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث وارد ہے۔پس پہلا قول مخفف ہے۔اور دوسرا مشدد۔پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔کہ اکثر جانیں پہلی دونوں رکعتوں کے بعد اللہ عزوجل کی درگاہ سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔پس اگر اون دونوں رکعتوں کے بعد بھی امام کوئی سورت پڑھے تو اکثر اوقات نکل جائیگا نفس گاہ سے اپنے معاش کے کاموں اور اون کے احوال کی تدبیر (میں مصروف ہونے لگے) واسطے پھر رہ جائے وہ نفس مثل جسم بلا روح کی خدائے تعالٰے کے سامنے کھڑا ہوا۔پس نہ مقبول ہو نماز اوس کی۔اور دوسرے قول کی وجہ بعد سورت فاتحہ کے اور سورت کا پڑھنا صحیح مسلم میں ثابت ہے۔اور یہ قول اون اکابر علماء کے ساتھ مخصوص ہے جنکا قرأت امام کے دراز ہو جانے کی وجہ سے اور حضور زیادہ ہوتا ہے۔اور خشوع میں ترقی ہوتی ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دونوں رکعتوں کے بعد نماز میں کبھی چھوٹے درجہ کے لوگوں کی رعایت کی وجہ سے تخفیف فرماتے تھے اور کبھی اکابر کے حال کی رعایت کرکے نماز کو دراز کرتے تھے۔غرض اس سے تعلیم امت تھی

اور یہیں سے ظاہر ہو جائیگی تم کو اَے بھائی تحقیق مدار کی اوس شخص کے قول میں جو کہتا ہے کہ قیام کا دراز کرنا رکوع اور سجود کے دراز کرنے سے ہمیشہ افضل ہے۔ اور داؤں کے مخالف دوسرے کے نزدیک اسکا الٹا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قول دو شخصوں کے حق میں ہیں۔ پس جو شخص اوس تجلی کی برداشت کرنے سے عاجز ہو۔ جو رکوع اور سجود میں ہوتی ہے۔ اوس کے حق میں قیام کا دراز کرنا افضل ہے تاکہ نہ ہلاک ہو جاوے روح اوس کی رکوع اور سجود سے جب سجدہ اور رکوع کرے برخلاف اوس شخص کے جو اون تجلیوں کی برداشت کرنے پر قادر ہو جو سجدوں میں ہوتی ہیں۔ پس رحم فرماوے اللہ تعالے اماموں پر بوجہ اس کے کہ اُنہوں نے یہ تفصیل فرمائی جو مذکور ہوئی۔ کیونکہ اون کے اتباع کرنے والوں میں سے جس نے یہ کہا ہے۔ کہ ہر شخص کے اعتبار سے قیام کا دراز کرنا افضل ہے اوسکا قول معمولی لوگوں کے حق میں ہے۔ اور جس نے کہا ہے کہ رکوع اور سجود کی کثرت افضل ہے۔ اوس کا یہ قول اکابر کے حق میں ہے۔ اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ قیام بہ نسبت رکوع کی دوری کا مقام ہے۔ اور رکوع بہ نسبت سجدہ کی دوری کی جگہ ہے۔ کیونکہ بندہ جب اپنے پروردگار سے کلام کرنے کے ساتھ سرگوشی کرنے کو دراز کرتا ہے قیام کے وقت تو اوس کے لئے درگاہِ خداوندی سے ہیبت اور تعظیم کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ پس اوس کو اوس کی وجہ سے جھکنا پڑتا ہے۔ اِسلئے احسان کیا خدائے تعالے نے اوس پر رکوع دینے حکم کا۔ اور جب رکوع سے فارغ ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالے کی بڑائی سے ایک اور شئے ظاہر ہوتی ہے۔ جو اوس سے کہ حالت قیام میں مناجات کرتے وقت ظاہر تھی زائد ہوتی ہے۔ اس لئے رحم فرماتا ہے خداوند تعالے کہ اوسکو سر کے رکوع سے اوپر اٹھانے کا حکم فرماتا ہے۔ تاکہ وہ خدا تعالے کی اوس عظمت کے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ جو حالتِ سجدہ میں ظاہر ہوگی۔ اور اگر سر کے اٹھانے کا حکم نہ ہوتا۔ تو شاید پگھل جاتا جسم اوس کا۔ اور سجدہ ادا کرنے سے بھی عاجز ہو جاتا۔ پھر جب سجدہ کر لیا۔ اور اوس کے لئے ایک اور بڑائی ظاہر ہوئی۔ جو اوس سے بھی بڑی ہے کہ حالت رکوع میں ظاہر ہوئی تھی۔ اِسلئے خدائے تعالے نے اپنی رحمت سے اوسکو سر اٹھانے کا حکم فرمایا تاکہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے۔ اور اپنے واسطے آرام اور قوت حاصل کرے جس سے اوس عظمت کی برداشت کر سکے جو دوسرے سجدہ میں ظاہر ہوگی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالے کی تجلیات کے خصائص میں سے یہ بات ہے کہ دوسرے سجدہ کی تجلی پہلے سجدہ کی تجلی سے اور دوسرے سجدہ سے تیسرے سجدہ کی تجلی بڑی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بڑھتی رہتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے جو شارع نے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد جلسہ استراحت کو حقیقی نمازی پر رحم کرنے کی غرض سے مسنون فرمایا ہے۔ اور اگر سجدۂ ثانیہ سے سر اٹھاتے ہی بغیر جلسۂ استراحت کے کھڑے ہو جانے کا حکم فرما دیتا۔ تو طاقت سے باہر بات کی تکلیف دینا لازم آجاتا۔ یہ اوس نمازی کا ذکر ہے جو حقیقی نماز پڑھتا ہے۔ اور رہے وہ جو عادت کی نماز پڑھتے ہیں۔ اوس کو

ہمارے بیان مذکور میں کوئی ذائقہ نہیں مل سکتا۔ اور اوسکو محض رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی نیت سے ان افعال کا بجالانا کافی ہے۔

اور میں نے سیدی شیخ عبد القادر دشطوطی رحمتہ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی بندہ پر رحمت ہے۔ جو اوس نے اوسکو دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے۔ خواہ خدا تعالے کے سامنے نماز کے اندر قرءت کی وجہ سے قیام کو طویل کر دے۔ خواہ رکوع اور سجدہ کو طویل کر دے۔ اور قیام میں تخفیف۔ پس جو خدا تعالے کے روبرو رکوع اور سجدہ کو طویل نہ کر سکے تو قیام کے طویل کرنے کا مامور ہے۔ اور اسکا کہ رکوع اور سجدہ میں تخفیف کرے۔ اور جس کو اتنی قدرت ہو کہ وہ خدا تعالے کے سامنے قرب کے مقام میں (یعنی) رکوع اور سجدے میں زیادہ دیر ٹھیر سکے تو وہ رکوع اور سجدہ کے طویل کرنے کا مامور ہے۔ اور اس کی وجہ تاکہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کے طویل ہونے سے خوشی حاصل کرے۔ اور ہونا چاہئے اوس کے لئے ایک ایسا وقت بھی جس کے اندر اپنے واسطے اور اپنے بھائیوں مسلمانوں کے واسطے اوس کو غنیمت شمار کر کے دعا مانگے۔ تو یہ اوس کی تمام زندگی میں اپنے پروردگار پر دلجمعی کا آخر درجہ ہوتا ہے۔ شیخ نے کہا کہ ایک مرتبہ میرے قلب میں خدا تعالے کی ہیبت نے جگہ پکڑ لی۔ پس میں اوس سے حجاب کا سوال کرنے لگا۔ اور میری ایسی حالت ہوئی۔ کہ جب میں یاد کرتا۔ کہ میں خدائے تعالے کے سامنے کھڑا ہوں۔ یا سجدہ کر رہا ہوں۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میری ہڈیاں اسطرح پگلتی ہیں جس طرح آگ سے رانگ پگلتا ہے۔ اور اوسوقت میں خدائے تعالے سے محجوب ہونے کو اوس کی اپنے اوپر رحمت شمار کرتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو حجاب کے اپنے آپ سے اٹھ جانے کی تاب نہ رہی تھی (انتہی)

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمتہ اللہ علیہ سے سُنا ہے۔ کہ بندہ کے لئے حقتعالے کے مشاہدہ سے پردہ میں ہونا کمزوروں کے واسطے رحمت ہے۔ اور کاملین پر عذاب ہے۔ پس عاجز اور کمزور حالت حجاب میں خوش عیشی کرتا ہے۔ اور کامل آدمی اوس سے تکلیف پاتا ہے (انتہی)

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ خدا تعالے کی بندہ پر رحمتوں میں سے ہے یہ کہ جو اوس کے رکوع اور سجدہ کی حالت میں دُنیا کے خطرے دل کے اندر آتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ درگاہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وراثت کیوجہ سے قاب قوسین کی درگاہ سے نزدیک ہوتی ہے۔ اور اوس میں ٹھیرنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہے اور نہ یہ ہر ایک کسی کا کام ہے۔ کہ اوس تجلی کا متحمل ہو سکے۔ جو اوس درگاہ میں بندہ کے ستونوں کو ڈھا دیتی ہے۔ پس جب خدا تعالے اوس درگاہ میں بندہ کے ساتھ رحمت کرنا چاہتا ہے۔ تو اوس کے قلب میں دُنیا کی کسی بات کا خطرہ گذارتا ہے۔ کیونکہ موجودات میں اوس عظمت الٰہی کے مشاہدہ سے حجاب کی کچھ بو ہے اور اگر یہ خطرات نہ ہوتے تو البتہ بسا اوقات پگل جاتی ہڈی اور گوشت اوس کا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے جوڑ اوس کے۔ یا بالکل ناتوان ہو جاتا۔ جیسا کہ بعض شاگردان سیدی عبد القادر جیلی رضی اللہ عنہ کا وقوعہ ہوا کہ اونہوں نے سجدہ کیا پس ناتوان ہونے لگے۔ یہانتک کہ ایسے ہو گئے جیسے پانی کا قطرہ جب اوسکو زمین پر رکھا جائے۔ پس پکڑ لیا اوسکو سیدی عبد القادر نے

روئی کے پھوئے سے - اور اوس کو زمین میں دفن کر دیا - اور فرمایا سبحان اللہ جب اوس پر خدا تعالے کی تجلی ہوئی - تو اپنی اصل کیطرف لوٹ گیا - (انتہی)

اور ہم نے جو کچھ بیان کیا اس کی تائید اوس سے بھی ہوتی ہے جو حدیث اسراء کے بعض طرق روایت میں وارد ہوا ہے - اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا تعالے کی مخصوص درگاہ میں داخل ہوئے - تو حقتعالے کی ہیبت سے لرزنے لگے - اور اکس طرح ڈگمگانے لگے جسطرح وہ چراغ ڈگمگاتا ہے - جس پہ باریک ہوا چلکر اوس کو اِدھر اُدھر مائل کر دیتی ہے - لیکن بجھاتی نہیں - ناگاہ اوس وقت آپ نے ایک آواز سُنی - جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سے مشابہ تھی - کہ (یا محمد قِف اِنَّ ربّکَ یُصَلِّی) (ترجمہ) اے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ٹھیرئیے - کیونکہ آپ کا پروردگار رحمت بھیجتا ہے) حالانکہ باریتعالے کو کوئی ایک حال دوسرے حال سے بے توجہ نہیں کر سکتا - پس اوس آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلبستگی ہوئی - اور آپ سے وہ وحشت دور ہوئی - جس کو آپ اپنے اندر پاتے تھے - اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالے کے اس قول کے معنی بھی معلوم ہو گئے - کہ (ھُوَ الَّذِی یصلی علیکم وملئکتہ) (ترجمہ) وہ وہ ذات ہے کہ رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اپنے فرشتوں پر - اور آپ اس قول کو یاد فرمانے لگے - پس اس آواز کے سُننے سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تقویت اور تائید ہوئی - حالانکہ آپ حق تعالے کی تجلیات کے برداشت کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ سخت ہیں - کیونکہ آپ ہی اوس درگاہ کے امین ہیں - اور آپ ہی امام اور آپ ہی بھائی - اور آپ حق تعالے کی عظمت کے پہچاننے میں سب لوگوں سے زیادہ ہیں -

اور میں نے سیدی عبد القادر دشطوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ کسی بندہ کو حقتعالے سے اُنسیت کا ہونا ممکن نہیں - کیونکہ بندہ اور خدا تعالے کے درمیان جنس کا اختلاف ہے اور اس کے سوا نہیں کہ درحقیقت بندہ صرف اوسی شئے سے مانوس ہو سکتا ہے جسکا خدا تعالے اوسپر احسان فرماتا ہے - نہ خود اللہ تعالے سے - مثلاً (بندہ) اپنے اعمال کے نور سے اور حقتعالے کی نزدیکیاں حاصل ہونے سے مانوس ہوتا ہے - کیونکہ تقریب کی درگاہ کے خصوصیات میں سے ہیبت اور خاموشی اور تعظیم اور راہ بتلانا اللہ تعالے پر - اور ہر وہ شخص جو دعوٰی کرے مقام قرب کا باوجود راہ بتلانے کے اللہ تعالے پر تو وہ تقریب کی درگاہ سے واقف نہیں - بلکہ وہ ستر ہزار پردوں میں چھپا ہوا ہے (انتہی)

اور میں نے سیدی علی مرصفی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے - کہ کامل آدمی پر نماز میں قیام کا طویل ہونا زیادہ سخت ہے تلوار کے مارنے سے - کیونکہ قیام میں حجاب اور تکبر - اور اللہ تعالے کے سامنے عجز اور انکساری نہ ہونے کی بُو ہے - پس جب تجھ کو یہ خبر پہونچے - کہ بڑے لوگوں میں سے کسی نے قیام کو طویل کیا - تو یہ سمجھنا چاہیئے - کہ اپنے قوم پر جو ضعیف ہیں رحم کرنے کے لیئے اس فعل سے اون کو تعلیم شرعی کی - ورنہ ہمارا یہ عقیدہ ہے - کہ اکابر صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کا مقام باقی

اولیاء اللہ سے یقینی پڑھا ہوا ہے۔ اور یہ حضرت باوجود رکوع اور سجدہ کی تطویل پر قادر ہونے کے پھر بھی کبھی قیام کی حالت میں ثلث قرآن پڑھتے تھے۔ اور کبھی نصف قرآن۔ اور کبھی قرآن کے تین ربع اور کبھی تمام قرآن اور یہ ایک رکعت کے قیام میں (انتہی)

اور میں نے سیدی شیخ احمد اسطیح رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کہ بعض اولیاء اللہ وہ ہیں جن پر خداتعالےٰ نے حجاب ڈالنے کی وجہ سے رحم فرمایا ہے۔ اور اگر اون کے لئے اپنی عظمت کو ظاہر کردے۔ تو پھر وہ کبھی خداتعالےٰ کے سامنے کھڑے ہوسکیں۔ پس وہ دنیاوی امور میں ہوشیار اور بیدار ہیں۔ اور جب خداتعالےٰ کی عظمت اون کے سامنے کردی جاتی ہے۔ تو مجذوب ہوجاتے ہیں۔ کہ نہ سمجھ بوجھ سکیں کسی چیز کو۔ پس حیران ہوتی ہیں لوگ اون کی حالت سے کہ اون کو دنیا کی باتوں میں ہوشیار اور بیدار دیکھتے ہیں۔ اور نماز کے نام ایک رکعت بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ تب میں نے شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ کہ جب وہ اس حالت سے صحت پائینگے۔ اور ہوش میں آئینگے۔ تو کیا اون پر اون نمازوں کی قضا واجب ہوگی جب کہ وہ نماز پر قادر ہوجائینگے۔ تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ ہاں واجب ہوگی (انتہی)

پس جان لو اسکو اور اس میں خوب غور کرو۔ کیونکہ تم یہ مضمون کسی کتاب میں نہ پاؤگے۔ اور تم کو چاہئے کہ کسی شیخ صادق کے ہاتھ پر نماز میں اپنے پروردگار کے ساتھ حضور کی کا مقام حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ تم دنیا سے رخصت ہوجاؤ۔ حالانکہ تم نے کوئی ایک نماز بھی ایسی نہ پڑھی ہو جو ہم نے ذکر کی۔ اور جس وقت کاملین کے احوال سنو۔ تو صرف سر ہلا دینے پر اکتفا کرو۔ اور تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کے واسطے ہیں ✣

اکیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ نمازی جب اون نمازوں میں قرأت آواز سے پڑھے جن کے اندر آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ یا اسکا الٹا کرے۔ تو اوس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ مگر اوس قول میں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب سے حکایت کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ جب وہ قصداً ایسا کرے گا۔ تو نماز باطل ہوگی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور پہلے قول کی وجہ کسی ایسی حدیث صریح کا وارد نہ ہونا ہے جس سے اس فعل کا ممنوع ہونا ثابت ہو۔ اور دوسرے قول کی وجہ عام ہونا اس قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کہ (کل عمل لیس علیہ امرنا فہو رد) (ترجمہ) ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہ ہو۔ وہ مقبول نہیں) بالخصوص اوس وقت کہ جب قصداً ایسا کرے۔ کیونکہ یہ شریعت کے مخالف ہے۔ اور مخالفت شرع قاری کے وصال کا منقطع ہونا ہے۔ پس ایسے پڑھنے والے سے نماز کے معنے فوت ہوگئے۔ بلکہ اوس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ پس اسکو سمجھ لو ✣

بائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تہ

نماز پڑھنے والے کو اون نمازوں میں جن کے اندر آواز سے قرءت کی جاتی ہے آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ مستحب نہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اوس کو اختیار ہے اگر چاہے اسقدر آواز سے پڑھے کہ اپنے آپ کو سُنا جاوے۔ اور اگر چاہے تو اسقدر آواز سے پڑھے۔ کہ دوسرے بھی سُن لیں اور جو چاہے تو آہستہ سے پڑھے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرا مخفف ہے پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا

اور پہلے قول کی وجہ تنہا نماز پڑھنے والے کو اسقدر قوی سمجھنا ہے کہ اوس عظمت کا تحمل کر سکے جو قرءت کیوقت اوسکو ظاہر ہوگی۔ جیساکہ کاملین کا یہی حال ہے۔ لہذا اوسکو آواز سے پڑھنا چاہیے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اسپر قادر نہ ہونا ہے کہ اوس عظمت کی برداشت کر سکے۔ اس لیئے وہ سخت ہیبت کی وجہ سے آواز سے قرءت نہیں پڑھ سکتا

اور تیسرے قول کی وجہ اس امر میں کسی حکم آواز سے پڑھنے یا آہستہ پڑھنے کا وارد نہ ہونا ہے لہذا نمازی کی قدرت اور اوس کے اختیار پر موقوف ہے۔

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ اس میں کیا حکمت ہے جو بعض نمازوں کے اندر آواز سے قرءت ہوتی ہے۔ اور بعض میں نہیں۔ اور جن میں آواز سے ہوتی ہے اون میں صرف پہلی ہی دو رکعتوں میں کیوں ہوتی ہے۔ بعد کی رکعتوں میں کیوں نہیں۔

(تو جواب یہ ہے) کہ اسکا تجلی کے وزنی ہونے پر مدار ہے۔ جیساکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لوں اوس کے قلوب کے واسطے اون نمازوں کے وقت یا ایک رکعت یا دو رکعتوں کے اندر تخفیف ہونے پر (مطلب یہ کہ کونسے وقت اور کون کونسی رکعتوں میں تجلی خداوندی وزنی ہوتی ہے اور کس کس وقت اور کون کونسی میں ہلکی) کیونکہ دن کے وقت کی تجلی رات کے وقت کی تجلی سے زیادہ وزنی اور ثقیل ہوتی ہے۔

(پھر اگر کوئی کہے) کہ جمعہ کی اور صبح کی اور عیدین کی نماز تو دن ہی میں ہوتی ہے۔ (حالانکہ اون میں آواز سے قرءت کا حکم ہے)

(تو جواب یہ ہے) کہ اس کے سوا نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اسلیئے آواز سے پڑھتے تھے۔ کہ وہ وقت برزخی (درمیانی) ہے جسکا ایک رخ دن کیطرف ہے اور ایک رات کیطرف۔ تو رات کی طرف رخ ہونے کا ثمرہ تو یہ ہوا۔ کہ اوس میں قرءت آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ اور دن کیطرف رخ ہونے کا ثمرہ یہ ہے کہ روزہ دار کیلئے طلوع فجر کے وقت سے ہی اون تمام چیزوں سے رکنا شرط ہے جن سے روزہ کا افطار ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بات ہے کہ صبح کی نماز نیند سے جاگنے کے بعد جو موت کے مشابہ ہے۔ دن کی نمازوں میں سے پہلی نماز ہے جس سے بندہ ابتدا کرتا ہے۔ پس گویا کہ یہ نماز اُٹھنا اور دوسری مرتبہ پیدا ہونا ہے۔ اسلیئے اوس وقت قوت سخت ہو گئی جسکو اسکا کہ کام کاج کی مشقت لاحق نہیں ہوا

ہوتی۔ اور نہ اوس سے گناہ کرنے اور غفلتوں کے عادی ہونے اور نفسانی پسندیدہ چیزوں کے کھانے کا ضعف مخلوط ہوا ہے۔ اسی وجہ سے صبح کی نماز میں آواز سے قرأت پڑھنے کا حکم کیا گیا۔ کیونکہ اوس کو اوس وقت اس پر قدرت ہے۔ اور اوس کی روحانیت جسمانیت پر غالب ہے جیسے ملائکہ۔

اور میں نے سیدی عبد القادر و شطوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کہ اگر حقتعالےٰ دن کے وقت میں اہل حرفہ اور کام کاج کرنے والوں کو اپنے کامل مشاہدہ سے محجوب نہ فرماتا۔ تو اون میں سے کوئی بھی اپنے حرفہ کا کام کرنے کی طاقت نہ رکھتا۔ اور لوگوں کی مصلحتیں بیکار ہو جاتیں۔ یہی وجہ ہے جو اون کے لئے دن کی نمازوں میں آہستہ قرأت پڑھنے کو مشروع فرمایا۔ یہ اون پر اوس کی رحمت ہے۔ کیونکہ اگر دن کے وقت میں پردہ نہ ڈالتا تو نہ کام کر سکتے اپنے پیشہ کا۔ مگر وہ افراد جو خدا کے ولی ہیں (انتہی)

اور رہا امام اور مسبوق نماز جمعہ اور عیدین میں۔ تو اون کو ان دونوں نمازوں میں آواز سے قرأت کرنے کا اس لئے حکم فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہیں۔ اور قدرت کی وجہ اوس مخلوق کی عادتاً کثرت ہے کہ جو ان دونوں نمازوں میں جمع ہوتے ہیں اور اون کا مانوس ہو جانا۔ بنا علیہ امام اور مسبوق آواز سے قرأت کرنے پر قوی ہونگے۔ اسلئے کہ مخلوق کے حاضر ہونے کی وجہ سے اوس تجلی پر پردہ ہوگا جو جمعہ اور عیدین میں اوس کے قلب پر واقع ہوگی۔ یا یہ کہا جائے۔ کہ ان دونوں نمازوں میں حق تعالےٰ قوت عطا کرنے سے مدد فرماتا ہے اس جہت سے کہ وہ عالم پر امام ہونے میں شارع کا قائم مقام ہے۔ اور پروردگار کا کلام اور اوس کی تکبیر و تہلیل مقتدیوں کو سنانے میں واسطہ اور ذریعہ ہے۔ یا اس کے علاوہ اور اسرار ہیں جو اون کے اہل کے لئے صرف وہ بدوہی تبلائے جا سکتے ہیں۔ اور مسبوق کا اعتراض وارد نہ ہوگا۔ کیونکہ اوس کو امام کیطرف سے مدد پہونچتی ہے۔

(اگر تو کہے) کہ پھر عشاء کی نماز کے اندر اخیر کی دونوں رکعتوں اور نماز مغرب کی تیسری رکعت میں آہستہ قرأت کیوں مشروع ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں رات کے وقت کی نمازیں ہیں۔ اور رات کے وقت تجلی ہلکی ہوتی ہے

(تو جواب یہ ہے) کہ اس کی وجہ اُمت کے ضعیف لوگوں پر رحم کرنا ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ کی تجلی کی یہ شان ہے۔ کہ وہ محجوب لوگوں پر پہلے پہل ہلکی ہوتی ہے۔ اور آخر میں ثقیل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بڑائی اون کے دلوں پر رفتہ رفتہ تھوڑی تھوڑی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ پس دوسری رکعت میں بہ نسبت پہلی رکعت کی تجلی ثقیل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اور اگر حق تعالےٰ اون کو مغرب کی تیسری رکعت یا عشاء کی دوسری رکعتوں میں آواز سے قرأت کرنے کی تکلیف دیتا تو ایسا اوقات وہ اس سے اسلئے عاجز ہو جاتے۔ کہ اون پر خدا تعالےٰ کی وہ عظمت ظاہر ہوتی جس کی وہ برداشت نہ کر سکتے۔

(اگر کہا جائے) کہ اوس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ جو مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی دوسری رکعتوں میں ثقیل تجلی کا متحمل ہو سکے

(تو جواب یہ ہے) کہ اوس کا حکم اس بارہ میں سنت کا اتباع ہے۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ نے تجلی کے وزنی اور ہلکے ہونے کا ایک ضابطہ مقرر فرما دیا ہے۔ اور اعتبار اکثر مخلوق کے حال کا ہے۔ نہ بعض افراد انسانی کا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نمازی کو وزنی تجلی اوس رکعت میں حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کے اندر قرأت آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اور وہ اوس کی برداشت بھی کر لیتا ہے۔ پس منجملہ ادب کے ہے یہ کہ وہ آہستہ پڑھے سنت کی پیروی کی غرض سے۔ اور اظہار ضعف کی نیت سے۔ اور ہم نے جو یہ ذکر کیا۔ کہ جب بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑا رہتا ہے تو تجلی ثقیل ہوتی ہے برعکس اوس کے کہ جب بندہ دنیاوی بادشاہ کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑا رہے کہ اوس کی ہیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔ تو اس کی تائید اوس سے بھی ہوتی ہے۔ جو سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کے اس قول کی کہ (المتکبر) تفسیر بیان کرنے میں جو تقریر فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ باریتعالیٰ نے اپنا نام متکبر اسلئے رکھا ہے۔ کہ وہ بندۂ مومن کے قلب میں تھوڑا تھوڑا بڑا بنتا رہتا ہے (یعنی جس قدر حجاب اُٹھتا جاتا ہے) یہ مراد نہیں ہے۔ کہ حق تعالیٰ فی نفسہ تکبر کرنے میں بڑھتا رہتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی جملہ صفات اور اوس کی ذات زیادتی کی قابلیت نہیں رکھتی ہیں۔ جس طرح نقصان کو قبول نہیں کرتیں۔ اور سوا اس کے نہیں کہ زیادتی اور نقصان بندہ کے مشاہدہ کی طرف رجوع کرتا ہے باعتبار اوس کے خدا تعالیٰ کی درگاہ سے نزدیک اور دور ہونے کے مانند دیکھنے بندہ کے اپنے سایہ کو چراغ میں کہ جسقدر چراغ سے نزدیک ہوتا ہے۔ اوسی قدر اوس کے دیکھنے میں چراغ کی روشنی اور سایہ دونوں بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس قدر اوس سے دور ہوتا ہے اتنے ہی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے یہ بھی سُنا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی تجلیات جو قلوب عبادیہ نازل ہوتی ہیں۔ اون کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں۔ کہ ہمیشہ اوسی وقت اور ویسی ہی ہوں (خواہ بڑے لوگوں کے حال کے اعتبار سے یا چھوٹے لوگوں کے اور خواہ فرائض کے لحاظ سے یا نوافل کے۔ کیونکہ کبھی حقتعالیٰ اکابر اور اصاغر دونوں پر ایسی تجلی ظاہر فرماتا ہے جس کے باوجود آواز سے قرأت نہیں پڑھ سکتے۔ اسی وجہ سے اوس نے امت مرحومہ پر رحم فرمایا۔ کہ اون کو بعض نمازوں اور بعض ذکروں میں آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں کیا۔ اور باریتعالیٰ نے اون کو تجلی کے وزنی ہونے کی صورت میں اوسی وقت آواز سے پڑھنے کا حکم کیا۔ کہ جب بعض لوگوں نے اوس کی طاقت رکھی ✤ تعالیٰ

بالخصوص اون کامل اور عارف لوگوں کے حق میں جنکا پردہ کھل گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ

کے جلال اور اوس کی عظمت کے شاہد بن چکے ہیں۔
اور مغرب و عشاء و جمعہ و عیدین کی پہلی دو رکعتوں میں آواز سے قرءت کرنے کی حکمت گذر چکی ہے۔ اور وہ یہ کہ رات کے وقت تجلی خفیف ہوتی ہے۔ اور جمعہ اور عیدین میں یہ بات ہے۔ کہ ان دونوں نمازوں میں جماعت کی کثرت کی وجہ سے انسیت بہت ہو جاتی ہے۔ پس نہیں کھلتی اُن کے واسطے خدا تعالیٰ کی عظمت پورا کھلنا جو عارف کامل کے لیے واقعہ ہوتی ہے۔ جبکہ وہ تنہا نماز پڑھتا ہے۔ اور اسی طرح نماز جماعت کے باب میں آ جائیگا۔ کہ باطن میں اوس کے مشروع ہونے کی اصل علت نمازیوں کا تمام بادشاہوں کے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہونے پر قوت پانا ہے۔ بوجہ مانوس ہو جانے بعض اون کے کے بعض سے اوس عالی دربار میں جس کے اندر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور اگر جماعت مشروع نہ ہوتی۔ تو تنہا نماز پڑھنے والا ہرگز اس پر قادر نہ ہوتا۔ کہ وہ اکیلا خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا۔ پس نماز جماعت پر ابھارنا امت کے لئے باعث رحمت اور اون پر موجب شفقت کا ہوا تاکہ اوس نماز کو ایسے کامل طور پر ادا کریں کہ اوس میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے۔
(اگر کہا جائے) کہ پھر تم کیوں کہتے ہو۔ کہ آفتاب گہہ جانے میں اکابر کے لئے مستحب آہستہ پڑھنا ہے۔ حالانکہ وہ دن کے وقت کی تجلی برداشت کر سکتے ہیں۔
(تو جواب یہ ہے) کہ سوائے اس کے نہیں۔ کہ اکابر کو اس وقت میں آہستہ قرءت پڑھنے کا حکم مثل چھوٹے درجہ کے لوگوں کے اسواسطے دیا کہ آفتاب کے گہہ جانے میں ڈرانا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اون نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس لئے اوس میں دن کے وقت کی تجلی سے کچھ اور زیادہ ہوئی۔ اور نیز اکابر کو اس کا امر ہے کہ وہ اپنے گروہوں کو رونے اور ڈرنے اور خدا تعالیٰ سے لرزنے میں تعلیم دیں۔ پس اگر یہ اون کے دلوں میں واقع نہ ہو۔ تو قصداً ایسا کریں۔ تاکہ اوس بارے میں اون کی قوم اون کا اتباع کرے
اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ (فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوا فَتَبَاكُوا) (ترجمہ) پس اگر نہ رونا آوے تم کو۔ تو رونے والوں کی سی شکل بناؤ) اسی پر محمول ہے۔ یعنی کاملین کے حق میں ہے جن کے مرید اور متبعین ہوتے ہیں۔ نہ ہر شخص کے حق میں۔
پس تم جان گئے۔ کہ اکابر کو آفتاب گہہ جانے کی نماز میں آواز سے قرءت پڑھنے کی تکلیف گویا صرف اس وجہ سے ہے۔ کہ جس قدر تجلی اون کے دلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ دن کے وقت کی تجلی سے زاید ہوتی ہے۔ اور یہیں سے معلوم ہو سکتی ہے چاند گہن کی نماز میں آواز سے پڑھنے کی حکمت۔ اگرچہ چاند کا گہنا بھی خدائے تعالیٰ کی اون نشانیوں میں سے ہے جن سے وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ (اور وہ یہ کہ) یہ رات کے وقت ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت کی تجلی بہ نسبت دن کے وقت کی تجلی کے ضعیف ہوتی ہے

یا یہ کہا جائے کہ چاند گہن کی نشانی آفتاب کے گہہ جانے سے ضعیف ہے ۔ کیونکہ چاند کی روشنی اہل کشف کے نزدیک آفتاب کی روشنی سے حاصل ہے نہ برعکس ۔ اور نیز پس البتہ حق تعالیٰ کی تجلی رات کے وقت مہربانی اور عنایت کے ساتھ ہوتی ہے ۔ اسکی دلیل خداتعالیٰ کا رات کے دوسرے نصف میں یہ فرمانا ہے کہ ھل من سائل فاعطیہ سؤلہ ھل من تائب فاتوب علیہ ھل من مستغفر فاغفر لہ ھل من مبتلیٰ فاعافیہ (ترجمہ) کیا کوئی سوال کرنے والا ہے پس میں دوں اوسکو اوس کی مانگ ۔ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے ۔ پس توبہ قبول کروں میں اوس کی ۔ کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے ۔ پس بخشدوں میں اوسکو ۔ کیا کوئی دکھی مصیبت میں مبتلا ہے پس آرام دوں میں اوسکو) اور یہ فرمانا اوسکا نہیں ہوسکتا مگر بعد اس کے کہ بندوں کو اپنے آپ سے کلام کرنے اور اپنی طرف آہستہ اور آواز سے گڑگڑانے اور زاری کرنے کی قوت عنایت فرمادے

اور میں نے سیدی عبدالقادر دمشطوطی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے کہ اس دارِ دُنیا میں حق تعالےٰ کی بڑائی کی تجلیات مہربانی اور رحم سے مخلوط ہیں ۔ اور اگر حق تعالےٰ خالص جلال کے ساتھ تجلی ظاہر فرمائے ۔ تو کوئی بھی اوس کے تحمل کی طاقت نہ رکھے (انتہیٰ)

(اگر تم کہو) کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے جو پانی مانگنے کی نماز میں امام سے باآواز قرءت پڑھنا طلب کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ بارش کا نازل نہ ہونا وغیرہ اوس قبیلہ سے ہے کہ جن چیزوں سے خداتعالےٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ۔

(تو جواب یہ ہے) کہ اس نماز میں آواز سے قرءت پڑھنے کا سبب اللہ تعالےٰ کے سامنے عاجزی اور خواری کا ظاہر کرنا ہے ۔ اور نیز لوگ بارش کے واسطے مجبور ہوتے ہیں بمنزلہ مضطر کی اور مضطر کی آواز بلند ہوجانے میں کچھ حرج نہیں جبکہ وہ اپنی حاجت طلب کرتا ہو ۔ یا اوس کے مقدمات اور اسباب مانگتا ہو ۔ کیونکہ وہ اس بارہ میں معذور ہے ۔ پس وہ اوس شخص کی مانند ہے ۔ کہ اسکو حاکم مارتا ہو ۔ اور وہ چیختا اور فریاد کرتا ہو ۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے ۔ کہ اگر اکثر لوگوں کے دل امور معاش میں مشغول نہ ہوتے ۔ تو البتہ خدا کے خوف سے مرجاتے بوجہ عظیم ہونے اوس شے کے جو دن کی نماز میں اون کے دلوں پر ظاہر ہوتی ہے

(اگر تم کہو) کہ پھر کیا وجہ ہے ۔ کہ جنازہ کی نماز میں خواہ دن میں پڑھی جائے یا رات میں اوس شخص کے نزدیک جو رات میں آواز سے پڑھنے کا قائل نہیں کبھی بھی آواز سے قرءت مطلوب نہیں ہوتی ۔

(تو جواب یہ ہے) کہ جنازہ کی نماز میں امام اور تنہا پڑھنے والے سے باآواز قرءت مطلوب ہونا جسطرح مقتدیوں سے نہیں ہوتا ۔ اسوجہ سے ہے کہ اون پر میت کی وجہ سے غم اور اس کے گھر والوں کو بڑا درد ۔ اور موت اور قبر اور اوس کے بعد کے مصائب یاد ہوتے ہیں ۔ اسی لئے جنازہ کے ساتھ چلنے میں سُنت چُپ رہنا ہے یہ چلنے والوں کے ساتھ رحمت ہے کیونکہ

اگر شارع اون کو قرءت یا آواز سے ذکر کرنے کا حکم تکلیف فرما دیتا۔ تو اون پر یہ بہت شاق گذرتا اور شارع اس سے بری ہے کہ اپنی اُمت کو ایسے امر کی تکلیف دے جو اون پر گراں ہو۔

اور ہمارے علماء نے جنازہ کے آگے ذکر کرنے والوں پر انکار نہ کرنے میں اوس وقت تسامح فرمایا ہے۔ کہ جب اکثر لوگوں کے دل میت اور اوس کے گھر والوں سے فارغ ہونے لگے اور اوس کی بجائے اہل دنیا کی حکایات اور قصوں میں مشغول ہونے لگے۔ یہانتک کہ بعض جنازہ کے ہمراہ ہنسنے لگے۔ تو جب اونہوں نے لوگوں کو اس فعل میں مبتلا دیکھا۔ تو برقرار رکھا اونہوں نے لوگوں کو ذکر پر۔ اور اونہوں نے جانا کہ یہ (ذکر) اس مقام میں بیکار باتوں سے بہتر ہے۔

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں چپ رہنا اسلئے سُنت ہے۔ کہ باری تعالےٰ حاضرین پر قہر کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ یہانتک کہ کامل مومن اوس دم بولنے کی بھی سکت نہیں رکھتا۔ پس اون کو چپ رہنے کا حکم فرمانا اللہ تعالےٰ کی اون پر رحمت ہے۔ (وَاِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ) اور بیشک اللہ تعالےٰ لوگوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنے والا ہے (انتہیٰ)

پس جان لو اس کو۔ اور اس میں خوب غور کرو۔ کیونکہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یہ بہت عُمدہ مضمون ہے جسکو تم کسی کتاب میں نہ پاؤگے۔

تیئیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ رکوع کے لئے تکبیر کہنا مشروع ہے مگر وہ قول جو حضرت سعید بن جبیر اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے (اس کے خلاف ہے) اور وہ یہ کہ اون کے نزدیک نہ تکبیر کہی جاوے مگر نماز کو شروع کرتے وقت۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہر دفعہ خدائیتعالےٰ کی درگاہ میں آنے کے وقت تکبیر مطلوب ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ رکوع کا دربار بہ نسبت قیام کے دربار کے خدائے تعالےٰ سے نزدیکی کی درگاہ ہے۔ پس گویا کہ نمازی خدائیتعالےٰ کی نئی درگاہ میں آیا ہے جس طرح نماز کے شروع کے وقت اور یہ مبتدی اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ جو قرب الٰہی کے مقامات میں ہر لحظہ ترقی کرتے ہیں جسطرح حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اون اکابر کے حق میں ہے جو مراتب قُرب میں ترقی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم نے اون کے مقام میں ذکر کیا ہے۔ اون اکابر کے حق میں ہے جو ایسی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ اون کو اسکا یقین کامل ہو گیا ہے کہ حق تعالےٰ اپنی ذات میں زیادتی کی قابلیت نہیں رکھتا ہے۔ پس اون کو خدائے تعالےٰ کی جسقدر بڑائی نماز کے افتتاح کے وقت ظاہر ہوئی ہے۔ اوسی پر آخر نماز میں بھی اون کے مشاہدہ کی انتہاء ہوگی۔ پس واسطے ہر آدمی کے ایک ایک مرتبہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

چوبیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں

اطمینان اور تسلی سنت ہے۔ واجب نہیں حالانکہ باقی تینوں اماموں کے نزدیک واجب ہے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ اکثر لوگوں کا اوس چیز کے برداشت کرنے سے عاجز ہونا ہے جو رکوع اور سجدہ میں اون کے دلوں پر ظاہر ہوگی۔ تو اگر کوئی شخص اوسوقت اطمینان کرلے۔ تو جلجائے

اور دوسرے قول کی وجہ اکابر کا خدا تعالے کی اون کے دلوں پر پہلے درپے نازل ہونیوالی عظمت کا متحمل ہونا ہے۔ پس پہلے قول کے قائل نے ضعیفوں کی رعایت کی ہے۔ اور دوسرے قول کے قائل نے قوی لوگوں کے حال کا لحاظ کیا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے آدمی علیحدہ علیحدہ ہیں ✣

پچیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں تسبیح کا پڑھنا سنت ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ اون کے اندر واجب ہے ہر ایک مرتبہ۔ اور یہی اختلاف سمع اللہ لمن حمدہ کہنے میں اور دونوں سجدوں کے درمیان دعا پڑھنے میں ہے۔ مگر اتنی بات ہے۔ کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھول کر رہ جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کے وقت نمازی کو خدا تعالے کی عظمت ظاہر ہوچکی۔ اس لئے ان دونوں سے خدائے تعالے کے سامنے پورا عجز اور انکسار حاصل ہوگیا۔ پس نماز پڑھنے والا ہاتھ پاؤں سے فعل کرنے اور دل سے اعتقاد رکھنے کی وجہ سے اس سے بے پروا ہوگیا۔ کہ زبان سے تسبیح پڑھے۔ اور یہ بھی اونہوں نے کہاہے۔ کہ غیر معصوم کسی کی پاکی بیان کرنا درحقیقت جرح کرنا اور عیب لگاتا ہے۔ مطلب یہ کہ غیر معصوم آدمی کا کسی کی پاکی بیان کرنا یہ وہم پیدا کرتاہے۔ کہ شاید حق تعالے کی جناب میں کوئی نقص اور عیب نعوذ باللہ لاحق تھا۔ جب ہی تو اوس نے اوس عیب سے اپنی تنزیہہ کرانی چاہی (یعنی تسبیح کا حکم فرمایا) اور یہ اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنکو کسی نقص کے لاحق ہونے کا وہم راہ پا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ (واقع ہیں) اوس کے دفع کرنے اور حق تعالے کی اوس نقص سے تنزیہہ بیان کرنے کے محتاج ہیں۔ اگرچہ یہ وہم نقص کا اون کے نزدیک قرار نہیں پکڑتا ہے۔ اور اس قسم کے لوگوں کے لئے یہی لائق ہے۔ کہ اون پر تسبیح پڑھنا واجب ٹھیرایا جائے۔ تاکہ وہ وہم دفع ہوجائے۔ جو اون کے ذہن میں آیا تھا۔ برخلاف اکابر کے۔ کیونکہ اون کا یہ کہنا کہ (سبحان اللہ) طریق تلاوت ہے خدا کے ناموں کی تنزیہہ کے۔ نہ تنزیہ کرنے کو جس طرح چھوٹے لوگوں کو وہم ہوا تھا کبھی اکابر کے اندر بھی بہت کمزور سا جز چھوٹے لوگوں کے وہم کا ہوتا ہے۔ اسی لئے اون کے حق میں اسکا پڑھنا مستحب ہوا۔ نہ واجب۔ تاکہ خدائے تعالے کی تنزیہہ بیان کرنے میں

وہ مجبز ہلاک اور فناہ ہوجائے۔ اور اوس خبز سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی خالی نہیں (کیونکہ اون کے سوا سب غیر معصوم ہیں)

اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے جو رکوع کی حالت میں (سبحان ربی العظیم) کہا جاتا ہے۔ اور سجدہ کی حالت میں (سبحان ربی الاعلیٰ) خواہ کہنے والا امت کے خاص لوگوں میں سے ہو۔ یا عام سے

(تو جواب یہ ہے) کہ اس کے اندر یہ حکمت ہے۔ کہ رکوع کے وقت رکوع کرنے والے کے قلب میں کچھہ لقبیہ تکبر کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے خدائے تعالےٰ کے سامنے کامل خشوع وخضوع نہیں ہوسکتا۔ پس گویا کہ وہ خدا کی عظمت کے ذریعہ سے جو اوس کے دل میں باقی رہی ہے۔ اپنے آپ کو اوس تکبر سے بری کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح کہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ بڑائی صرف اوس خدا کے لئے ہے۔ جو اکیلا ہے۔ اور اوس بڑائی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ برخلاف سجدہ کرنے والے کے۔ کہ جب وہ کہتا ہے۔ کہ (سبحان ربی الاعلیٰ) کیونکہ اوس نے اپنے نفس کو انتہا درجہ کی ذلت میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ کامل شخص سجدہ کی حالت میں یہ خیال کرتا ہے۔ کہ میرا نفس تمام تحتانی زمینوں کے نیچے ہے۔ پس اس کو جان لو۔

چھبیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے چاہئیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ تسبیح تین بار ہونی چاہئے۔ حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں سرینوں کے درمیان رکھے۔ اسی طرح وہ جو امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ پانچ بار تسبیح پڑھنی چاہئے۔ جبوقت امام ہو۔ تاکہ مقتدی لوگ اوسکو تین بار اچھیطرح سے کہہ سکیں۔ پس پہلے مسئلہ میں پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے۔ اور پہلا قول دوسرے مسئلہ میں مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور دونوں مسئلوں کی وجہ ظاہر ہے جس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

ستائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک رکوع سے اٹھنا واجب ہے اور تمام اعضاء کو برابر کرنا بھی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ واجب نہیں۔ اور اوس کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ رکوع ہی سے سیدھا سجدہ میں جھکتا چلا جائے اگرچہ مکروہ ہے پس پہلا قول مشدد ہے جو اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے جو چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ بندہ جب قرب کے مقام رکوع اور سجدہ میں جن کے اندر بہ نسبت قیام قرب الٰہی زائد ہے پہونچ گیا۔ تو پھر اوس کے لئے اس میں کیا فائدہ کہ پھر مقام بعد اور محل الحجاب (یعنی قیام) کیطرف لوٹے۔ اگر وہ وزنی تجلی کی برداشت سے عاجز

نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے دل پر پے درپے وارد ہونے والی تجلیات الٰہی کا اگر اچھی طرح متحمل ہو۔ تو محل قرب سے اُٹھنے میں کوئی بھی فائدہ نہیں۔ یہانتک کہ بعض اماموں نے ضعیفوں کے حال کی رعائیت کر کے اوس نماز کو باطل کہدیا ہے جس کے اندر رکوع میں اطمینان اور رکوع اور سجدہ سے اٹھکر اعضاء کو برابر یعنی اعتدال نہ کیا گیا ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ضعیف شخص درگاہِ قرب میں زیادہ دیر نہیں ٹھیر سکتا۔ اِسلئے شارع نے اوس پر رحم فرمایا۔ کہ اوس کو مقام بُعد کیطرف لوٹنے کا حکم فرمایا جو مقام اوس سے پہلے اوسکو حاصل تھا۔ تاکہ اپنے قلب کو آرام دے جس سے سجدہ اور رکوع کی ثقیل تجلی کو برداشت کرنے پر قادر ہو جائے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ قومہ اور رکوع اور سجدہ سے اٹھکر اعتدال کرنا نہیں مشروع ہوا مگر ضعیف لوگوں سے سختی دُور کرنے کی غرض سے جو اون کو رکوع اور سجدہ کی ثقیل تجلی کی مشقت سے لاحق ہو جاتی ہے۔ یہانتک کہ بعض اماموں نے اون اکابر کے لئے رحمت کرنے میں مبالغہ کیا ہے جو حق تعالےٰ کی پے درپے نازل ہونے والی تجلیات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اسطرح کہ اون کو اعتدال کے طویل کرنے کا حکم کیا ہے کیونکہ اون کو اس میں کامل راحت ملتی ہے۔ جیسا کہ بعض نے اس طرح اکابر کے اوپر رحم کرنے میں مبالغہ کیا ہے۔ کہ اون کو اعتدال میں اطمینان اور تسلی نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اعتدال میں حجاب ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ رفع حجاب کا مزہ چکھ چُکے ہیں۔ اور حق تعالےٰ کی درگاہ سے قریب ہونے کی لذت پا چکے ہیں۔ جیسا کہ بعض امام اس امر میں درمیانی چال چلے ہیں۔ اور کہا ہے کہ اعتدال میں بقدر اوس ذکر کی جو اوس وقت کے لئے وارد ہوا ہے۔ تطویل کرنی چاہیے۔ پس تمام امام مخفف اور مشدد اور متوسط کے مابین ہیں بلحاظ لوگوں کے مختلف مراتب کے۔ کہ بعض بڑے مرتبہ کے ہیں اور بعض ادنےٰ مرتبہ کے

اور میں نے سیدی عبد القادر دشطوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے۔ کہ اگر بعض علماء نے اعتدال کے طویل کرنے کا قول نہ کیا ہوتا۔ تو چھوٹے درجہ کے لوگ خدا کے ساتھ حاضر ہو جانے کے بعد ہرگز اس پر قادر نہ ہوتے کہ بغیر اعتدال کئے سجدہ میں چلے جاتے۔ پس گویا کہ بعض علماء کا اوس کے طویل کرنے کا قول کرنا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ رحمت ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے ساتھ اوس عظمت کے ثقل سے جو اون کو سجدہ اور رکوع کی حالت میں ظاہر ہوئی ہے راحت حاصل کر لیتے ہیں۔ پس اگر رکوع کے بعد اُٹھنا نہ ہوتا۔ تو اون میں سے کوئی ایک بھی اوس عظمت کا ثقل برداشت کرنے پر قادر نہ ہوتا۔ جو اوس پر پہلے اور دوسرے سجدہ میں ظاہر ہوتی ہے (انتہیٰ)

اور میں نے سیدی علی مرصفوی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا ہے کہ اعتدال کا دراز کرنا چھوٹے لوگوں پر نعمت ہے۔ اور بڑے لوگوں پر عذاب۔ پس جس طرح مرید رکوع اور سجدہ کے طویل ہونے سے چیخ پکار کرتا ہے۔ اسی طرح کامل آدمی اعتدال کے طویل ہونے سے چیخ پکار کرتا ہے۔ اسی لئے مرید رکوع اور سجدہ سے سر اُٹھانے کا مشتاق رہتا ہے۔ اور کامل آدمی

رکوع اور سجدہ کی طرف جانے کا مشتاق ہوتا ہے - کیونکہ اعتدال میں اوس کے واسطے حجاب کی طرف لوٹنا ہوتا ہے - اور یہ کاملین پر بڑا سخت عذاب ہے - یہانتک کہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ یہ فرمایا کرتے تھے - کہ (اے بار خدایا جب تو مجھ کو کوئی عذاب دے - تو اپنے مشاہدہ سے پردہ ڈالنے کا عذاب نہ دیجیئے)

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین علیہ الرحمۃ سے سُنا ہے - کہ رکوع اور سجدہ میں اطمینان کا دراز کرنا اکابر کے ساتھ مخصوص ہے - اور قیام اور دونوں اعتدالوں کا طویل ہونا چھوٹے لوگوں کے ساتھ خاص ہے - کیونکہ چھوٹے لوگوں میں سے جب کوئی کھڑا ہوگا - تو وہ بہت آرام اور راحت میں ہوگا - اور اکابر میں سے جب کوئی کھڑا ہوگا - تو نہایت تکلیف اور مشقت میں ہوگا - یہی وجہ ہے - کہ اون کی عادت ہے - کہ جب وہ قیام کو طویل کرتے ہیں تو اون کے پیروں پر ورم آجاتا ہے - اگرچہ یہ اسی پر موقوف نہیں - کہ اون کو اس مشقت کا احساس بھی ہوتا ہو - جیساکہ جب کوئی اپنے پروردگار کے مشاہدہ کی لذت میں اپنے آپ سے غائب ہوجائے - تو اوس کے نزدیک ایک سال ایسا گذر جائیگا - جیسے بجلی چمک گئی - کہ اوس عالت میں اوس کو کسی تعب اور مشقت کا احساس نہ ہوگا - پس اس کو سمجھہ لو -

اور یہ بھی میں نے اونہی سے سُنا تھا - کہ نمازی کو مناسب ہے - کہ جب وہ تنہا ہو - تو اوسوقت تک رکوع نہ کرے جب تک خدا تعالٰے کی عظمت اوس پر ظاہر نہ ہو جائے - اور قیام سے عاجز نہ آجائے - پھر اوسوقت رکوع کرنے کا حکم کیا جائے گا - اور جب تک کھڑے رہنے پر قادر رہیگا - اوسوقت تک اوس کو اختیار ہوگا چاہے رکوع کرے - اور چاہے قرأت کو طویل کرے - لیکن رکوع کی اصل وضع اسی کو مقتضی ہے - کہ جب تک وہ عظمت نہ ظاہر ہو جس کے ہوتے ہوئے قیام کی بندہ کو طاقت نہیں رہتی - اور جب تک کھڑے رہنے کی طاقت باقی رہے اوس وقت تک اوس کو رکوع کرنا مناسب نہیں -

مَیں نے اون سے کہا - کہ یہ اوس شخص کے لیئے ہے جو خدا تعالٰے کی اوس عظمت کا مشاہدہ کرے جو اوس کے قلب پر ظاہر ہو تو اوس شخص کے واسطے کیا حکم ہے جو اپنے قیام اور رکوع یا سجدہ میں اس سے غافل ہو -

تو اُنھوں نے جواب دیا - کہ ایسے شخص کے حق میں اطمینان اور اعتدال دونوں کا طویل کرنا بہتر ہے - اور یہ اوس کے ساتھ رحمت ہے - برعکس اوس شخص کے جو طبقۂ ادنے ہیں سے ہو - اور اپنے پروردگار کے ساتھ حاضر باش ہو - اور ایسے شخص کا رکوع میں تعب کو جھیلنا گویا کہ اوس عظمت کے ثقل کی برداشت کے لئے آمادگی ہوگی - جو اوس کو سجدہ میں پیش آنے والی ہے - تاکہ اپنے پروردگار کی درگاہ سے زیادہ قریب ہوجائے - جیساکہ وارد ہوا ہے - کبھی سجدہ کرنے والے کے سامنے خدا تعالٰے کی عظمت پیش آجاتی ہے - تو اوس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں - پھر وہ پورے طور پر اُٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا - اور کبھی چھوٹے لوگوں کے سامنے رکوع یا سجدہ کی حالت میں خدائے تعالٰے کی عظمت پیش آجاتی

ہے۔ تو ان کی اوس سے روح نکلنے لگتی ہے۔ اس لئے بہت جلد بغیر فرمانبرداری کے رکوع یا سجدہ سے اُٹھ جاتے ہیں۔ پس ایسا آدمی پورے طور پر اطمینان نہ کرنے میں کبھی معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسا شخص بالخصوص سجدہ میں زیادہ سعدہ وریت کے قابل ہے۔ جیسا کہ تجربہ کیا گیا ہے۔ اور جو آدمی اس سے دلچسپی لینا چاہے تو اوس کو چاہئے کہ سجدہ کے اندر اپنے حواس کو اکٹھا کرے۔ اور اپنے ذہن سے تمام موجودات کو نکالدے۔ اسطرح کہ ہر شے کو بھول جائے سوائے پروردگار عالم کے۔ پس عنقریب وہ جلنے لگیگا۔ اور اوس کے جوڑ پگھلنے لگینگے۔ اور اگر وہ راحت لینے کے لئے نہ بیٹھے (یعنی جلسہ استراحت نہ کرے) تو قیام کیطرف کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہ رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اعتدال کو طویل کرتے تھے۔ اور کبھی اوس میں تخفیف فرماتے تھے۔ (اور مقصود اس سے) اپنی اُمت کے ضعیف اور قوی دونوں قسم کے لوگوں کو تعلیم شرعی ہوتی تھی۔

اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ سجدہ کے بعد کے اعتدال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسا طویل کیا کرتے تھے۔ کہ ہم یہ خیال کرنے لگتے تھے۔ کہ شاید آپ بھول گئے اور کبھی اوس میں اسقدر تخفیف کرتے تھے۔ کہ گویا آپ ایسے پتھر پر بیٹھے ہیں جس کو آگ سے گرم کیا گیا ہو۔

اور اسی طرح جلسہ استراحت کے بارہ میں وارد ہوا ہے۔ کہ اوس کے اندر کبھی آپ جلدی کرتے تھے۔ اور کبھی دیر کرتے تھے۔ جسقدر وہ تجلی وزنی ہوتی تھی۔ جو سجدہ کی حالت میں آپ پر واقع ہوتی تھی۔ اس کے اندر بھی اقویاءِ اُمت اور ضعفاءِ اُمت کو تعلیم تھی۔

(اگر تم کہو) کہ کیا اوس شخص کے لئے جو اوس عظمت کے تحمل پر قادر ہو جو سجدہ میں ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جلسۂ استراحت کو ترک کرے۔ چونکہ اوس کو اوس کی حاجت نہیں۔ یا شارع کے اتباع کی غرض سے ترک نہ کرے۔ بلکہ کرے

(پس جواب یہ ہے) کہ اوس کے لئے بہتر جلسہ استراحت کا کرنا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جلسۂ استراحت کے مشروع ہونے کی کوئی دوسری علت ہو سوا اوس عظمت کی برداشت سے عاجز ہونے کے جو بندہ کو سجدہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ کہا جائے کہ ایسا کرنا بلا ضرورت نماز کے اندر عبث اور لاطائل امر ہے (انتہی)

(اگر تم کہو) کہ پھر اس حدیث کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو۔ کہ (لا صلوٰۃ لمن لم یقم صلبہ فی الصّلوٰۃ) (ترجمہ، نہیں ہے نماز اوس کی جس نے نہیں سیدھا کیا اپنی پشت کو نماز کے اندر)

(تو جواب یہ ہے) کہ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اوس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اوس رکوع اور سجدہ میں زیادہ دیر ٹھیرنے کی طاقت نہیں۔ اور یہ حکم چھوٹے لوگوں کیسا تھ مخصوص ہے جیسا کہ گذرا۔ اور اگر وہ اوس کو طویل کردے۔ تو نکل جائے جان

اوس کی - یا پریشان ہو جائے - یا بیقرار ہو جائے - پھر اوس کی روح درگاہ ایزدی سے باہر ہو جائے - اور جب درگاہ سے نکل گئی - تو اوس کی نماز یا تو بالکل نہ ہوئی - یا ہوئی تو ناتمام اور ناقص ہوئی - اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ جس کی روح سخت روگ اور تنگی کی وجہ سے نکل گئی - تو اوس کا نماز میں کھڑا ہونا ایسا ہوگا جیسا مجبور اور زبردستی کیا گیا آدمی بغیر ایمان اور نیت کے نماز پڑھے - اِس لئے نماز اوس کی باطل ہے جس کا اوس کو کچھ ثواب نہیں - اور نہ فرض ساقط ہوا - اور اگر کوئی اوس حدیث سے ہم پر حجت قائم کرے - جو (مسئی الصلوٰۃ) بُرے طور پر نماز پڑھنے والے کے بارہ میں وارد ہے تو ہم اوس کو یہ جواب دینگے - کہ یہ اوس کے خلاف نہیں - جو ہم نے بیان کیا - یعنی یہ کہ اعتدال کو طویل کرنا چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - اور وہ جو کہ نماز کو بُری طرح پڑھتا تھا - وہ خلاد بن رافع زرقی تھے - جو چھوٹے درجہ کے لوگوں میں ہیں جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ قول کہ (انہ مسئی الصلوٰۃ) بیشک وہ بُرا کرنے والا اپنی نماز کو) اس طرف مشیر بھی ہے - اور یہ شخص بڑے درجہ کے صحابہ میں سے نہ تھے - کیونکہ بڑے صحابیوں میں سے کسی کا بھی (مسئی الصلوٰۃ) نام نہیں رکھا جا سکتا - پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (مسئی الصلوٰۃ) بُری طرح نماز پڑھنے والے) اور ہر اوس شخص کو جو اوس کی سی نماز پڑھتا ہو اطمینان کرنے کا حکم فرمانا اوس پر رحمت ہے - اس ڈر سے کہ کہیں اعتدال کے طویل نہ کرنے میں اکابر حضرات کے مشابہ نہ بنجائے - تاکہ اوس کی جان ہلاک ہو - اور حق تعالیٰ کی درگاہ سے باہر ہو جائے - یا نفاق میں مبتلا ہو جائے - کہ حضرات اکابر جیسا بننے کی غرض سے اپنا قوی ہونا ظاہر کرے - پس گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کو یہ فرمایا - کہ اپنی تمام نمازیں یہی کیا کر - جب تک تجھ کو حضرات اکابر کا مرتبہ نہ حاصل ہو - یا یہ مطلب ہے - کہ ایسا کر لو (اور یہ) کمال کے حصول کا سبب ہے - نہ بطریق وجوب

اور ہماری اس تمام تقریر سے تم جان گئے ہوگے - کہ آئمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اقوال کے قواعد کو نہیں مبنی کیا مگر اون دلائل پر جو صحیح ہیں - غرض اس سے امت کو شریعت کی تعلیم ہے - اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع - اور تم یہ بھی جان گئے ہوگے - کہ رکوع اور سجدہ سے فی نفسہٖ اُٹھنا اماموں کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے - اختلاف صرف اس میں ہے - کہ اُٹھنے میں مبالغہ کرنا چاہئے - یا نہیں - پس حضرات اکابر رکوع اور سجدہ کی پے در پے نازل ہونے والی تجلیات کا تحمل کر سکتے ہیں - اور معمولی لوگ اس پر قادر نہیں ہو سکتے - مگر رکوع اور سجدہ سے اُٹھنے میں مبالغہ کرنے کے بعد - اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - کہ جو شخص مقام قرب میں پہونچ گیا ہو - اوس کو پھر حجاب کے مقام کیطرف لوٹنے کا حکم نہ کیا جائیگا - مگر کسی حکمت کی وجہ سے - اور شاید کہ وہ اوس بندہ کا اپنے دل پر پے در پے نازل ہونے والی تجلیات ربانی

کے تحمل سے عاجز ہونا ہو۔

(پس اگر کہا جائے) کہ پھر اس میں کیا حکمت ہے کہ سجدہ دو ہوتے ہیں۔ نہ رکوع (وہ ایک رکعت میں ایک ہی ہوتا ہے) مگر یہ نماز گہن کے سوا ہیں (کیونکہ اوس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکوع کے اندر بھی تکرار ہے)

(تو جواب یہ ہے) کہ اوس کی حکمت اوس تجلی کا ثقیل ہونا ہے جو سجدہ میں صادر ہوتی ہے نہ رکوع میں۔ اسی لئے بندہ سجدہ سے اٹھنے کے بعد پھر اعتدال کرکے سجدہ کیطرف لوٹنے کا ماسور کیا گیا ہے۔ تاکہ اوسکو آرام مل جائے۔ یہ اوس پر رحمت ہے۔ تاکہ سجدہ کی حالت میں اپنے نفس اور اپنے بھائیوں کے لئے پورے طور پر دعا اور استغفار کرلے۔ اور یہ حکم چھوٹے درجہ۔ اور بڑے درجہ دونوں قسم کے آدمیوں کے لئے برابر ہے۔ تو اگر فرض کیا کجائے کہ حضرات اکابر میں سے کسیکو خدا تعالےٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی قوت عطا فرماوے۔ تو اوس کے واسطے ضرور ہے کہ وہ دو سجدے اس طرح کرے کہ اون دونوں کے درمیان آرام لے۔ ورنہ کبھی ہلاک ہوجائیگا۔ اور رہا نماز گہن میں رکوع کا مکرر ہونا۔ پس اسلئے ہے کہ اوس میں تجلی آلٰہی وزنی ہوتی ہے۔ اور نشانیوں کا دکھلانا ہوتا ہے۔ پس اوس کے اندر عظمت ظاہر ہونے والی مانند اوس عظمت کے ہے۔ جو سجدہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ اوس سے بھی بڑی کیونکہ اوس کے اندر پانچ مرتبہ تکرار رکوع ثابت ہے۔ اور حکمت اس کے اندر خدائے تعالےٰ کی اوس عظمت کے مشاہدہ کی طرف پست ہونے کے لئے تیار کرنا ہے۔ جو بغیر نشانیوں کے وقوع کے مکلف کے لئے ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ پس گویا کہ رکوع کے پانچ بار تکرر کرنے کی غرض یہ ہے۔ کہ بندہ کو وقت وقوع نشانیوں کے ماسوا دوسرے اوقات میں بھی خضوع کی طرف لوٹایا جائے۔ کیونکہ نشانیاں تو بڑی شے ہیں جن کا وقوع بندہ کے سخت غافل ہوجانے اور خدا کی درگاہ تعظیم سے اوس کا دل بھاگ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس اسکو سوچ لو۔

اور میں نے بعض علما کو فرماتے سنا ہے۔ کہ سوا اس کے نہیں کہ سجدہ ہر رکعت میں دو مرتبہ۔ اور رکوع صرف ایک مرتبہ اس وجہ سے مشروع ہوا۔ کہ پہلا سجدہ تو خدا تعالےٰ کے ہمکو سجدہ کرنے کا جو حکم ہے اوس کے بجالانے کی غرض سے ہے۔ اور دوسرا سجدہ اس امر کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو اسپر قدرت عنایت فرمائی (انتہیٰ)

اور ہم نے نماز وغیرہ کے اسرار بیان کرنے میں مفصل کلام اپنی موٹی کتاب میں لکھا ہے جسکا نام (الفتح المبین فی اسرار احکام الدین) ہے۔ اور تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کیلئے ہیں

اٹھائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک امام اس کے سوا اور کچھ نہ پڑھے۔ کہ سمع اللہ لمن حمدہ۔ اور مقتدی اس سے زیادہ کچھ نہ کہیں کہ ربنا ولک الحمد۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اون کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ تنہا نماز پڑھنے والا زیادہ کرے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ امام اور مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے ہر ایک کے لئے مستحب یہ ہے۔ کہ وہ دونوں ذکروں کو جمع کریں۔ پس

پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا اشد د۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ امام مقتدیوں اور اون کے رب کے درمیان واسطہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی دعا کے مقبول اور اپنی حمد کے منظور ہو جانے کو نہیں جان سکتے۔ مگر بذریعہ امام ہی کے۔ لہذا جب امام یہ کہے کہ (سمع اللہ لمن حمدہ) تو گویا وہ اون کو خبر دے رہا ہے۔ کہ اللہ تعالے نے تمہاری حمد کو قبول فرمالیا ہے۔ اس لئے اون کو اس کا حکم کیا گیا۔ کہ وہ سب کے سب بلکہ یہ کہیں۔ کہ (ربنا ولک الحمد) (ترجمہ) اے پروردگار ہمارے اور تیرے ہی واسطے تعریف ہے) یعنی ہماری حمد قبول کرنے پر۔ اور اس کی تائید یہ حدیث کرتی ہے۔ کہ (جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ تو تم سب ربنا ولک الحمد کہو

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ باوجود امام کے مقتدیوں اور اون کے پروردگار کے درمیان اون کے حمد کے الفاظ پہونچانے میں واسطہ ہونے کے پھر بھی واقفیت قبولیت سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اون میں سے ہر ایک اس بارہ میں امام کی مثل ہے۔ تو پس اونکا یہ کہنا۔ کہ سمع اللہ لمن حمدہ یا تو بطور کشف اور دلی مشاہدہ کے ہے۔ اور یا بطور ایمان اور خدا تعالے کے ساتھ گمان اچھا کرنے کے ہے۔ اور یہ قول اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کا حجاب اٹھ چکا ہے۔ اور پہلا قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے امام کی وجہ سے خدا سے آڑ میں ہیں

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے۔ کہ رکوع سے اٹھکر نمازی نے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کی مقامی مناسبت یہ ہے۔ کہ رکوع قرب کا پہلا مرتبہ ہے۔ اور جس وقت قرات پڑھنے کے لئے کھڑا تھا تو اپنے یہ جاننے کے میدان سے دور تھا کہ حق تعالے نے اپنے بندہ کی حمد کو جو ذکر قیام کے ارکان میں سے بڑا رکن ہے قبول فرمایا ہے (یا نہیں) اور رکوع میں جھک گیا۔ تو سجدہ کی درگاہ سے قریب ہو گیا۔ پس سن لیا۔ یا یہ جان لیا۔ کہ حق تعالے نے اپنے بندہ کی بیان کردہ حمد کو قبول فرمالیا۔ پھر اون کو خوشخبری کے طریقہ پر اس کی خبر کردی (انتہی)

تو یہ معلوم ہوا۔ کہ حضرات اکابر امام کی تبعیت میں مقید نہیں ہوتے۔ مگر نماز کے ظاہری افعال رکوع اور سجدہ وغیرہ میں۔ اور وہ بھی اللہ تعالے کے ہمراہ ہیں جسطرح امام اللہ کے ساتھ ہے (انتہی) پس اسکو خوب سمجھ لو۔

انتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اون سات اعضا میں سے جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے۔ پیشانی اور ناک پر سجدہ کرنا فرض ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا پیشانی پر سجدہ کرنے میں ایک ہی قول ہے۔ یعنی واجب ہے۔ اور باقی اعضا میں دونوں قول ہیں۔ مگر اون میں سے زیادہ ظاہر وجوب ہی کا قول ہے۔ اور یہی امام احمد رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب ہے۔ اور رہا ناک پر سجدہ کرنا۔ سو امام شافعی رضی اللہ عنہ کا صحیح تر مذہب اوس کے مستحب ہونے کا ہے۔ اور یہی ایک روایت ہے امام احمد رضی اللہ

عنہ کی دو روایتوں میں سے ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اوس روایت میں جو ابن قاسم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہ ہے کہ فرض پیشانی اور ناک پر سجدہ کرنے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تو اگر اس میں کچھ خلل ہو جائے۔ تو وقت اگر باقی ہو پس لوٹانا نماز کا مستحب ہے۔ اور اگر وقت نکل چکا ہے۔ تو نہ لوٹاوے۔ پس پہلا قول ایک اعتبار سے مخفف ہے۔ اسی طرح دوسرا قول دوسرے اعتبار سے مخفف ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بندہ سے مقصود سر سے عجز کا ظاہر کرنا ہے۔ تاکہ رگڑے زمین سے اپنے چہرہ کو جو اوس کے تمام اعضا میں سے بزرگ ہے خواہ وہ رگڑنا بذریعہ پیشانی کے ہو۔ یا بذریعہ ناک کے۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک ناک کا زمین پر رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس لحاظ سے کہ لفظ انف نکلا ہے لفظ انفہ سے جس کے معنے تکبر کرنے کے ہیں۔ پس جب اوس نے ناک کو زمین پر رکھدیا تو گویا وہ اوس تکبر سے خارج ہو گیا جو خدا کے سامنے اوس کے اندر تھا۔ کیونکہ خدائی دربار میں داخل ہونا اوس شخص پر حرام کر دیا گیا ہے جس کے اندر تھوڑا سا ذرہ بھی تکبر کا ہو۔ اسلئے کہ خدائی دربار درحقیقت سب جنتوں میں سے بڑی جنت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ پس اس کو سمجھ لو۔

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی کہ پیشانی کا رکھنا واجب ہے یقیناً نہ ناک کا وجہ یہ ہے۔ کہ پیشانی سجدہ کے تمام اعضا میں بزرگ اور صاحب عظمت ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ کہ (الحج عرفة) اور (التوبة الندم) یعنے حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔ اور توبہ نادم ہونے کا۔ اور ناک چونکہ نہ خالص گوشت ہے نہ خالص ہڈی۔ اسلئے اس کا ایک رخ وجوب کی جانب ہے۔ اور دوسرا استحباب کیطرف پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وجوب کو لے لیا۔ اور اون کے سواء امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے استحباب کو۔

اور جس شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ ساتوں اعضا میں سے کسی جز کا رکھدینا واجب ہے۔ اوس کی علت یہ ہے۔ کہ کمال انکسار ہی نہیں حاصل ہوتی۔ مگر سب اعضا کے رکھنے سے۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ (میں حکم کیا گیا ہوں سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ نہیں حکم کئے جا سکتے مگر مراتب کمال کے اعلےٰ درجہ کا۔

تیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ نمازی کو عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا کافی ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ کہ یہ کافی نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا

مشدد و - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی علت یہ ہے۔ کہ انکساری اور عاجزی بسر اور چہرہ سے موجود ہوتی ہے اور دوسرے قول کی وجہ عمل بالا احتیاط ہے۔ یعنی یہ کہ اون اعضاء پر جو عبرگ سمجھے جاتے ہیں۔ آڑ کے ساتھ سجدہ کافی نہیں۔ برخلاف دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے۔ کہ اون پر باوجود آڑ کے بھی سجدہ کافی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان اعضاء سے خضوع کا اظہار چاہے آڑ کے ساتھ ہو۔ یا بلا آڑ دونوں طرح برابر ہے۔ برخلاف پیشانی کے کیونکہ اوس کا زمین پر اس طرح رکھنا۔ کہ زمین اور اوس کے مابین نمازی کا لباس آڑ ہو تو یہ خدائے تعالےٰ کے سامنے نمازی کے تکبر کرنے کو بتلاتا ہے۔ اور متکبر شخص اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور جب اوس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ تو اوس کی نماز درست نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے وہ نماز سجدہ کرنے کے وقت باطل ہوئی۔ اور اس سے پہلے اوس نے جو کچھ پڑھا تھا صحیح تھا

اکتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے۔ کہ دونوں ہاتھوں کا کھولنا واجب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے۔ کہ وہ واجب ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ وہ ہے۔ جو ہم اس سے پہلے مسئلہ میں بیان کرچکے ہیں۔ اور وہ یہ کہ دونوں ہاتھوں کو بغیر آڑ یا آڑ کے ساتھ رکھنے میں کچھ خضوع کے اندر فرق نہیں پیدا ہوتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ پیشانی پر قیاس کرنا ہے۔ اوس شخص کے اعتبار سے جس نے اوس کے کھلے رہنے کو واجب قرار دیا ہے۔

بتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ سنت ہے۔ پس پہلا قول اون ضعیفوں کے حال پر محمول ہے۔ جو اون تجلیوں کی برداشت کرنے سے عاجز ہیں جنکا حالت سجدہ میں اون کے دلوں پر پے درپے ورود ہوتا ہے پس اون پر شارع نے رحم فرمایا ہے۔ کہ اون کو دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کا حکم فرمایا تاکہ سجدے کی مشقت سے اپنے نفس کو آرام دے لیں۔

اور دوسرا قول اون اکابر کے حال پر محمول ہے۔ جو اس کی برداشت کرنے پر قادر ہیں۔ پس زیادہ دیر بیٹھنا اون کے حق میں واجب نہیں۔ کیونکہ اون کو اسکی سخت حاجت نہیں۔ پس اگر تمام امام دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو واجب نہ کہتے۔ تو چھوٹے درجے کے لوگوں کو سجدہ طویل کرنے میں جب خدا تعالےٰ کی عظمت اون پر ظاہر ہوتی۔ تو ایسے امر کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔ کہ جس کی وہ طاقت نہ رکھتے۔ پس گویا کہ اون پر دونوں سجدوں کے مابین

دیر تک بیٹھنا ایسا واجب ہے جسطرح کوئی بطور شفقت اور رحمت کے واجب ہوتی ہے۔ جس
میں احتمال ہے۔ کہ خدائے تعالےٰ اوس کے تارک کو عذاب نہ فرماوے۔ اور یہ بھی احتمال ہے
کہ عذاب دے جس طرح اوس چیز پر جو اصلی حرام ہوتی ہے (عذاب دیتا ہے) وجہ یہ ہے کہ
بندہ جب تکلیف کرکے حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تو اوس کی روح حق تعالےٰ کی عالی درگاہ سے
خارج ہو جاتی ہے۔ اور یہ نماز کے اندر حرام ہے۔ جب تک اس کی ضرورت نہ پیش آوے۔
اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو چیز حرام کا سبب ہوتی ہے وہ خود بھی حرام ہوتی ہے۔ پس اسکو سمجھ لو
تینتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جلسہ استراحت کا مستحب نہیں
بلکہ سجدہ سے فارغ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں پر سہارا دے کر
اُٹھ سکتا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ استراحت کا جلسہ سنت
ہے۔ اِسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر
نہ ٹیکے پس پہلا قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے حق میں مشدد ہے جن پر خدا تعالےٰ
کی عظمت اسقدر نازل نہیں ہوتی جسکا وہ تحمل نہ کرسکیں۔ اور بڑے لوگوں کے حق میں مخفف
ہے۔ اسی طرح تمام اون لوگوں کے حق میں جن پر خدائے تعالےٰ کی عظمت اسقدر نازل ہوتی
ہے۔ کہ جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ (اگرچہ) وہ منجملہ چھوٹے لوگوں کے ہوں۔ اور جو
یہ کہتا ہے۔ کہ اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک سکتے ہیں۔ اوس کی وجہ ضعف
اور اپنے پروردگار کے سامنے خوف کا ظاہر کرنا ہے۔ اور جو کہتا ہے۔ کہ اون کو زمین پر
رکھکر نہ اُٹھنا چاہیے۔ اوس کی وجہ ہمت اور قوت کا ظاہر کرنا ہے خدائے تعالےٰ کے احکام
کی تعظیم کی غرض سے۔ تاکہ بندہ سُستی کی بُری صفت سے خارج ہو جائے۔

چونتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک پہلا تشہد مستحب ہے
حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ واجب ہے۔ پس پہلا قول بڑے
لوگوں کے واسطے ہے۔ کیونکہ وہ دوسری رکعت کے سجدہ میں جو تجلیات عظمت خداوندی
کی ظاہر ہوتی ہیں۔ اون کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ پس اون کے حق میں بیٹھنا مستحب ہوا۔ کیونکہ
وہ ہر حال میں راحت کا مقام ہے۔ اور اوس کے اندر التحیات پڑھنا اِسلئے مشروع ہوا۔
کہ تشہد اول ایسا ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ کی درگاہ پر نئے سرے سے توجہ کرنا بہ نسبت اوس
زیادہ قرب کے جو سجدہ میں حاصل تھا۔ پس گویا کہ وہ سر اُٹھانے سے درگاہِ خداوندی سے
خارج ہو گیا۔ حالانکہ درحقیقت خارج نہیں ہوا ہے۔ لہذا یہ تشہد چھوٹے لوگوں کے حق میں
بہ نسبت بڑے لوگوں کے زیادہ ضروری ہے۔ برخلاف تشہد اخیر کے۔ کہ اوس کے واجب
ہونے پر سب اماموں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ اوس کے اندر چھوٹے بڑے سب لوگوں پر تجلی وزنی
ہے۔ اِس لئے کہ حق تعالےٰ کی تجلیات کے خصوصیات میں سے ہے۔ کہ اون کا آخری
حصہ تمام اول کے حصوں سے زیادہ وزن دار ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوس کی تفصیل کئی
مرتبہ گذر چکی ہے۔

اور جس نے کہا ہے کہ پہلا تشہد۔ اور اوس کے واسطے بیٹھنا واجب ہے - اوس کی وجہ امت مرحومہ پر بہت شفقت اور رحم کرنا ہے - اس احتمال کی وجہ سے کہ اون پر سجدہ کی حالت میں اسقدر عظمت الٰہی ظاہر ہو جس کی وہ طاقت نہ رکھیں - پس اون پر بیٹھنے کو واجب کرنا شفقت کا سا واجب کرنا ہے - اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے -

پینتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے تشہد کے واسطے بیٹھنے میں سنت پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھنا ہے - اور دوسرے تشہد کے لئے بیٹھنے میں سرین پر بیٹھنا سنت طریقہ ہے - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہدوں میں پاؤں بچھا کر اوسپر بیٹھنا سنت ہے - اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں میں سرین پر بیٹھنا اور دونوں پاؤں کو باہر نکالنا سنت ہے - پس پہلے قول میں تفصیل ہے - اور اوس میں تخفیف ہے - اور دوسرا قول مخفف - اور تیسرا مشدد ہے - پس میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ اتباع اور پیروی کرنا ہے - اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ افتراش (یعنی بچھانا) حقتعالےٰ کے سامنے بیٹھنے کا نام ہے - چاہے جسطرح ہو - اور اوس میں اسطرف اشارہ ہے - کہ حقتعالےٰ کی درگاہ میں چلنا ابھی تک ختم نہیں ہوا - تاکہ سرین کو زمین پر رکھکر بیٹھا جائے اور اسی طرح اوس شخص کی بھی یہی ادب ہے جو کہتا ہے - کہ دونوں تشہدوں میں پاؤں کو (زمین پر) بچھا کر بیٹھنا چاہئے - اور رہا اخیر کے تشہد میں پاؤں کو بچھا کر اوس پر بیٹھنا - سو اوسکی وجہ اون لوگوں کے ساتھ خاص ہے - جو نماز میں اپنے خدا کیطرف چلنے کے انقطاع کا مشاہدہ کر لیتے ہیں - اور انہوں نے پاؤں کے بچھانے کا تجربہ کیا ہے - تو اوسکو انہوں نے قلب کے خداوند تعالےٰ کیطرف متوجہ کرنے اور اوس کے ساتھ حضوری پیدا کرنے میں بہت معین پایا

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ سرین پر بیٹھنے سے ہر اوس شخص کو جسے سجدہ کرنے میں مشقت لاحق ہوئی ہو - بڑا آرام حاصل ہوتا ہے - پس ہر ایک کے لئے ایک وجہ ہے -

چھتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک اخیر کے تشہد میں نبی علیہ السلام پر درود شریف پڑہنا سنت ہے - حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کی دونوں روایتوں میں سے مشہور زیادہ یہ قول ہے - کہ وہ فرض ہے کہ اوس کے چھوٹ جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اصل میں نماز کی وضع صرف اللہ تعالےٰ کے ذکر اور اوس سے بذریعہ اوس کے کلام کے سرگوشی کرنے کے لئے ہوئی ہے - مگر چونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے اور حق تعالےٰ کے درمیان تمام اون احکام میں جو خدائے تعالےٰ نے ہمارے واسطے مشروع فرمائے - اور بذریعہ اون کے ہم سے عبادت کرائی ہے - بہت بڑے واسطے ہیں - اسلئے منجملہ آداب کے ہوا - کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالےٰ سے اس خوبصورت

کو نہ بھولیں۔ کہ خدا تعالے آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ کیونکہ وہ اوس درگاہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ پس مستحب ہونا درود کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اوسکا واجب ہونا اکابر کے ساتھ خاص ہے۔

اور توضیح اسکی یہ ہے۔ کہ کبھی حق تعالے کی تجلی چھوٹے لوگوں کے قلوب پر بھی نازل ہوتی ہے۔ تو پھر وہ اوس کے جمال اور جلال کے درمیان حیران رہ جاتے ہیں۔ اور اوس ذات خداوندی کے ماسوا ہر شئے کے مشاہدہ سے بالکل نکلجاتے ہیں۔ تو اگر اون پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑہنا واجب کر دیتے۔ تو یہ اون پر بہت شاق اور دشوار ہوتا۔ برخلاف اون حضرات اکابر کے کہ جنکو حقتعالے نے اون کے دلوں پر نازل ہونیوالی تجلیات کے تحمل پر قدرت بخشی ہے۔ اور وہ باوجود حقتعالے کے مشاہدہ کے مخلوق کے دیکھنے پر بھی قادر ہیں۔ کہ اون کے حق میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑہنا واجب ہے۔ تاکہ ہر مستحق کو اوس کا حق دیدیں۔ پس چھوٹے لوگوں کا حال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سا ہے۔ کہ جب حق تعالے نے آسمان سے اون کے بری ہونے کی (آیت) نازل فرمائی۔ اور اون کے والد ماجد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے اون سے کہا کہ قُومِی اِلٰی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاشْکُرِی مِنْ فَضْلِہٖ (ترجمہ) کھڑی ہو جاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف۔ اور اون کے فضل کا شکریہ ادا کرو) تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ نہیں کھڑی ہونگی میں اون کی طرف اور نہ تعریف کرونگی میں بجز اللہ تعالے کے (انتہی)

کہ (اوسوقت) تھیں وہ مخلوق سے الگ۔ کیونکہ اون پر خدائے تعالے کی بہت بڑی نعمت نازل ہو رہی تھی۔ یعنے آسمان سے اون کا بری ہونا اوتر رہا تھا۔ اور اگر وہ اوسوقت اپنے باپ کے مقام میں ہوتیں۔ تو ضرور اپنے باپ کی سنتیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑی ہو کر آپ کے فضل کا شکریہ ادا کرتیں۔ کیونکہ حقتعالے نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسقدر لحاظ نہیں فرمایا۔ مگر اپنے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کیوجہ سے۔ اور ہم نے اپنی کتاب (الاجوبۃ عن العلماء) میں ذکر کیا ہے۔ کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب (شفاء) میں یہ کہا۔ کہ (امام شافعی علیہ الرحمۃ لوگوں سے جدا ثابت ہوئے ہیں اپنے اس قول میں کہ نماز کے اندر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑہنا واجب ہے) امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مرتبہ میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ یہ اور اون کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس طرف کہ آپ باوجود حق تعالے کے مشاہدہ کے پھر مخلوق کیطرف نظر کر سکتے تھے کہ نہ تو حقتعالے کیطرف نظر کرنا مخلوق کے مشاہدہ سے مانع ہوتا تھا۔ اور نہ اوسکا برعکس۔ لہذا لوگوں کے ساتھ گمان کرنے کی وجہ سے (یعنی یہ کہ) وہ مقام کمال تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو اس کا وجوبا حکم دیدیا۔ کہ وہ نماز میں درود شریف پڑہیں۔ جس طرح امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما نے احتیاط پر عمل کر کے امت پر اس کو واجب نہیں کیا۔ اس احتمال کی

وجہ ہے کہ سب دانمازی تشہد کے واسطے بیٹھنے کے وقت مخلوق کے مشاہدہ سے نکلجاویں۔ (یعنے مخلوق کیطرف نظر نہ رہے) پھر اون پر غیر خدا کی طرف نظر کرنے کی طرف تکلیف دیاجانا (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درود شریف پڑھنے کے لیئے) بار گزرے۔

پس معلوم ہوا۔ کہ قاضی عیاض رضہ کا قول مذکور امام شافعی علیہ الرحمتہ کے قول کی تضعیف کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ جیساکہ ذہن اسی طرف سبقت کرتا ہے۔ بلکہ مقصود اون کا یہ ہے۔ کہ امام شافعی علیہ الرحمتہ چھوٹے لوگوں کی رعائیت سے جدا ہوئے ہیں۔ جیساکہ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اور اکابر کے حال کی رعائیت کی ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو واجب ثابت کیا ہے۔ اور یہ اوس کی تائید کرتا ہے۔ جس کی طرف قاضی عیاض رضہ اپنی کتاب شفاء میں مائل ہوئے ہیں۔ یعنی تعظیم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کیونکہ کتاب شفاء تمام کی تمام انبیاء کی تعظیم کے لیئے بنائی گئی ہے۔ تو کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے۔ کہ قاضی عیاض رضہ نے اپنے قول مذکور سے وہ جدائی اور تفرد مراد لیا ہو۔ جو کمزوری ہے۔ یہ بہت ہی بعید تر امر ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ کہ سوائے اس کے نہیں کہ شارع نے تشہد کے اندر نمازی کے لیئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا اسلیئے امر فرمایا ہے۔ کہ تاکہ غافلوں کو اون کے خدا تعالے کے سامنے بیٹھنے کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس درگاہ میں مشاہدہ کرنے کی تنبیہ فرماوے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اللہ تبارک وتعالے کی درگاہ سے جدا نہیں ہوتے ہیں۔ لہذا آپ سے درود وسلام کرکے خطاب کریں (انتہی)

اور اس کی پوری تفصیل ہم اپنی کتاب (طہارۃ الجسم والفؤاد من سوء الظن باللہ تعالے وبالعباد) کے چھٹے باب میں بیان کرچکے ہیں۔ اگر چاہو تو اوس کو دیکھو۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

سینتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نمازی کا سلام پھیرنا نماز کا رکن نہیں ہے۔ حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ وہ منجملہ ارکان نماز کے ایک رکن ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سلام نماز کے تمام ہوجانے کے بعد اوس سے خروج ہے۔ اس لئے اوس کے ترک ہوجانے سے نماز کی ہیئت میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز سے حلال ہونا بذریعہ سلام کے واجب ہے جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لئے نیت واجب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ افتتاحھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم (ترجمہ) شروع ہونا نماز کا تکبیر سے ہے اور اوس سے حلال کرنے والی شے سلام کرنا ہے) پس نکلنا نمازی کا بغیر سلام کے نماز کو باطل کرنے والا ہے۔ بوجہ نہ پائے جانے اوس شے کے جو نماز سے حلال کرتی ہے۔ لہذا سلام واجب ہوا۔ مانند حلال ہوجانے بندہ کے حج کے عملوں سے۔ پس پہلا

قول اون حضرات اکابر کے ساتھ مخصوص ہے ۔ جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرنے والے ہیں ۔ کہ نہیں نکلتے ہیں قلوب اون کے خدائے تعالےٰ کی درگاہ سے ۔ تو نماز کا سلام اون کے حق میں مستحب ہوا واجب نہیں ۔ کیونکہ شاید جس وقت حق تعالےٰ کی عنایت اون سے پیچھا پھیر لے ۔ تو اون کے واسطے کوئی راستہ حقتعالےٰ کی درگاہ سے خارج ہونے کا پیدا ہو جائے

اور دوسرا قول اون عام لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے ۔ جو اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ۔ کہ رات اور دن میں حق تعالےٰ کی درگاہ سے نکلتے بھی ہیں ۔ اور اوس میں داخل بھی ہوتے ہیں پس اسکو سمجھ لو +

اڑتیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ بعض اصحاب شوافع کے نزدیک دونوں شہادتوں کا تشہد کے اندر درود شریف پر مقدم کرنا واجب ہے ۔ حالانکہ اون میں سے بعض اصحاب کا یہ قول ہے کہ یہ واجب نہیں ہے ۔ پس پہلا قول مشدد ہے ۔ اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ دونوں شہادتوں کا ذکر ایمان کا جز ہے ۔ اور ایمان کا رتبہ تمام اون عبادات پر مقدم ہے ۔ کہ منجملہ جن کے خدا تعالےٰ سے درخواست کرنا ہے ۔ اسکی کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے ۔ اور جو شخص بھی بہ نظر حقیقت دیکھیگا ۔ تو وہ ذکر شہادتین کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے سے مقدم کرنے کو واجب یقین کریگا ۔ اس لحاظ سے کہ (التحیات) اور دونوں شہادتیں آپ کے پروردگار سے متعلق ہیں ۔ اور آپ پر درود وسلام پڑہنا خود آپ ہی کے ساتھ متعلق ہے ۔ اگرچہ ان دونوں (درود وسلام) سے خدائے تعالےٰ کا نام جدا نہیں ہوتا ۔ (مثلاً) یہ کہا جاتا ہے ۔ کہ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ) پس اسکو سمجھ لو +

اور جو یہ کہتا ہے ۔ کہ درود وسلام سے شہادتین کا مقدم کرنا واجب نہیں ہے ۔ اوسکی وجہ یہ ہے ۔ کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے اسکا کوئی حکم وارد نہیں ہوا ۔ اور علما نے جو ان دونوں کو تشہد میں داخل کیا ہے ۔ اور انہوں نے کہا ہے ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو اون کا حکم فرمایا ہے ۔ اور اون کے موقعوں میں سے شروع موقعہ یہ ہے ۔ کہ وہ اول یا آخر تشہد کے اخیر میں ہوں ۔ اور اصلی دلیل علماء کی ان کو نماز میں داخل کرنے کی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے ۔ کہ (قد امرنا اللہ ان نصلی علیک یا رسول اللہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا علیک فی صلوتنا) (ترجمہ) تحقیق حکم کیا ہے ہم کو اللہ تعالےٰ نے اسکا کہ ہم درود شریف پڑھیں آپ پر یا رسول اللہ ۔ تو پھر کس طرح درود شریف پڑھیں آپ پر جبکہ ہم درود شریف پڑھیں آپ پر اپنی نمازمیں) تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول کہ (فی صلوتنا) اسکا بھی محتمل ہے ۔ کہ اس لفظ (صلوٰت) سے اون کی مراد وہ نماز ہو جو رکوع سجدہ والی ہوتی ہے ۔ اور اسکا بھی کہ (لفظ مذکور سے) لفظ صلوۃ مراد ہو ۔ جس سے نبی علیہ السلام پر درود شریف پڑھا جاتا ہے ۔ اور علماء نے اس درود وسلام کو شروع نماز میں اس لئے نہیں کیا ۔ کہ عادتاً واسطوں کا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ۔ مگر بعد شکریہ خدا تعالےٰ کے ۔ پس پہلی دونوں

رکعتیں بمنزلہ شکریہ خدا تعالے کے ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکر گذاری ہے۔ کیونکہ آپ ہی ہمارے معلم ہیں ہم کس طرح نماز پڑھیں۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

انتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک امام اور تنہا نماز پڑھنے والے پر صرف پہلا سلام واجب ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے مقتدی پر بھی پہلے ہی سلام کو واجب قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ دونوں سلام واجب ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ پہلا سلام بھی سنت ہے جس طرح دوسرا سنت ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ دوسرا سلام نہ امام کے لئے سنت ہے۔ نہ منفرد کے لئے۔ اور رہا مقتدی سو اوس کے واسطے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے۔ کہ تین سلام پھیرے دو سلام داہنی اور بائیں جانب۔ اور تیسرا اپنے سامنے کی جانب کہ جواب دے۔ اوس کے ساتھ اپنے امام کو۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرا مشدد ہے۔ اور تیسرا مخفف جس طرح اوس قول میں جو امام اور منفرد کے لئے دوسرے سلام کے بارہ میں گذرا (یعنی او میں بھی پہلے قول کے اندر تخفیف اور دوسرا مشدد۔ اور تیسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز سے حلال ہونا صرف پہلے ہی سلام سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ حلال ہونا نہیں حاصل ہوتا۔ مگر دونوں سلاموں سے۔ بوجہ اس حدیث کے (وتحلیلہا التسلیم، اور سلام کرنا نماز سے حلال کرتا ہے) تسلیم میں پہلا اور دوسرا دونوں سلام داخل ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی یعنی دونوں سلاموں کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز کی صورت تو صرف تشہد پر تمام ہو گئی۔ اسلئے سلام ایسا ہے۔ گویا کہ بادشاہ کی درگاہ سے نکلنے کی اجازت طلب کرنا۔ اس جیسے امر میں صرف استحباب کافی ہے۔ جیسا کہ سلام کے بعد نماز سے نکلنے کی نیت کرنا۔ اور تین سلاموں کے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

چالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز سے خارج ہونے کی نیت کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دونوں قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے۔ کہ وہ مستحب ہے۔ پس پہلا قول خدا تعالے کے ادب کو ملحوظ رکھنے میں مشدد ہے۔ اور وہ بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول ادب کے لحاظ میں مخفف ہے۔ اور وہ چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا میزان دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا۔

علما نے بیان کیا ہے۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خارج ہونے کی نیت سلام کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ امام موصوف نے کہا ہے۔ کہ نیت کرے امام سلام کے ساتھ نماز سے خارج ہونے کی۔ اور رہا مقتدی سو وہ پہلے سلام کے ساتھ حلال ہو

نیت کرے - اور دوسرے سے امام پر رد کرنے کی -

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے - کہ نیت کرے سلام سے حفاظت کرنے
لے فرشتوں اور اون لوگوں پر سلام کرنے کی جو اوس کے دائیں بائیں ہیں -

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے - کہ تنہا نماز پڑھنے والا اون پر سلام کرنے کی
نیت کرے - جو اوس کے دائیں بائیں ہیں - فرشتے اور انسان اور جنات اور امام کو چاہیے کہ پہلے سلام
ے نماز سے خارج ہونے کی نیت کرے - اور مقتدیوں کو سلام کرنے کی - اور مقتدی امام کے جواب
نیت کرے

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نماز سے خارج ہونے کی نیت کرنی چاہیئے اس طرح
اوس کے ساتھ اور کسی کی نیت نہ ہو - اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں - کہ توجیہ کی محتاج
ہیں - مگر امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول پس وجہ اوس کی ایک کرنا ہے قصد کا تمام اموریں واسطے
تناب کے شرک فی العبادت سے کیونکہ کہا گیا ہے - کہ سلام نماز کی پشت ہے - پس
س کو خوب سمجھ لو -

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جس نے کہا ہے - کہ نماز
ے خارج ہونے کی نیت کرنا واجب ہے - اوس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی اللہ تعالے کی خاص
گاہ میں تھا - اور ظاہر ہے کہ منجملہ ادب کے ہے یہ بات کہ بڑے لوگ جب بادشاہوں کے
بار سے کسی ایسے مقام کی طرف واپس ہوں جو بزرگی میں اوس دربار سے کم درجہ ہو - تو
اجازت طلب کریں - تاکہ اون کے بھائیوں کے دل اوس دربار میں مائل ہوں - اور
شاہوں کے ساتھ اون کے ادب کا حق ادا ہو جائے - تو اس بارہ میں شرع عرف کے
ع ہے - اگرچہ حق تعالے کاملین کے نزدیک کسی مخصوص جہت میں ممکن نہیں ہے اسی
ے اجازت طلب کرنا چھوٹے لوگوں کے لئے واجب ہوا - اور اون بڑے لوگوں
حق میں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام وجود حق جل وعلا کا ہی دربار ہے مستحب ہوا - کیونکہ وہ
یں دیکھتے ہیں اون کے دربار سے جدا ہونے کو اور نہ اوس سے خارج ہونے کو - اور
اگر یہ امر واجب ہوتا - تو شارع ضرور ہم کو اوسکا حکم فرماتا - اگرچہ ایک ہی حدیث میں
- اور کسی حدیث میں بھی ہم کو اس کی تصریح نہیں پہونچی - اور نہ کوئی صحابی رضی کا قول
ئے اس کے نہیں - کہ علماء نے اس کو اوس پر قیاس کیا ہے جو قوم پر سلام کرنے کے
میں وارد ہوا ہے - کہ (جب ارادہ کرے انسان لوگوں کی مجلس سے کھڑے ہونے
تو کہے کہ نہیں ہے دار اولی زیادہ حقدار آخرت سے) یا اس حدیث کے عموم سے
ہے - کہ (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ) اس کے سوا نہیں کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے
- کیونکہ نماز سے خارج ہونا بھی ایک عمل ہے - لیکن اس میں جو کچھ خدشہ ہے - وہ
نہیں - پس اسکو سمجھ لو -

(مترجم کہتا ہے کہ شاید اس میں خدشہ یہ ہو - کہ نماز سے خارج ہونا تو عمل نہیں ہے

بلکہ ترک عمل ہے - واللہ اعلم؎

اور جب شارع نے اوس کے ساتھ امر فرمانے سے سکوت کیا - تو نہیں رہی کوئی گنجائش مگر یہ کہ اس کو غلاموں کے آداب میں سے شمار کیا جائے - نہ کچھ اور - بلکہ بعض علماء کا قول ہے کہ صرف یہ وجہ اس امر کو مستحبات شرعیہ میں داخل نہیں کرسکتی - کیونکہ شارع کا منصب اس سے برتر ہے کہ کسی امر کے مشروع کرنے میں اوس کے کوئی برابر ہوسکے - اور اس کو خوب طویل کرکے بیان کیا ہے - پھر کہا ہے اور سوچو - کہ جب تمہارا ہمنشین تمہاری مجلس سے بغیر تم سے اجازت حاصل کئے کھڑا ہوجائے - تو تمہارے قلب میں اوس سے کس قدر وحشت پیدا ہوگی - برخلاف اوس صورت کے کہ جب تم سے اجازت حاصل کرلے - کیونکہ اوسوقت تم کو اوس سے انسیت اور محبت پیدا ہوگی - وجہ یہ کہ اوس نے تمہاری مجلس کو اس سے برتر خیال کیا - کہ بغیر تمہاری اجازت کے اوس سے جدا ہوجائے - اور جو بات مخلوق کے ساتھ ادب کا باعث ہوتی ہے - وہ حق تعالےٰ کے ساتھ ادب ہونے میں زیادہ بہتر ہے اور اس تقریر گذشتہ سے اوس عالم کے قول کی توجیہ بھی سمجھ میں آگئی جس نے کہا ہے کہ نمازی نماز پڑھکر جس طرف اوس کو حاجت ہو اوس طرف پھر کر بیٹھے - اور اگر اوس کو کوئی حاجت نہ ہو - تو جس طرف چاہے اوس طرف پھر کر بیٹھے - اور علماء میں سے جس نے یہ کہا ہے کہ اپنی داہنی جانب سے پھر کر بیٹھے - اوس کی علت بھی معلوم ہوگئی - کیونکہ بڑے لوگ تمام وجود کو حق تعالےٰ کی درگاہ اور اوسی کا دربار جانتے ہیں - اونکے نزدیک کسی ایک جہت کو دوسری جہت پر ترجیح نہیں - مگر اوسوقت کہ شارع سے کسی جہت کا مرجح ہونا نصاً ثابت ہوجائے - اور سوا اس کے نہیں - کہ علماء نے اوس جانب کو کہ بندہ کے مقصد کے لحاظ سے اوسکو اوس طرف حاجت ہو داہنی جانب پر اسلئے مقدم کیا ہے کہ داہنی جانب سے شروع کرنا سنت ہے - اسلئے اوس جانب میں حاضر ہونا مستحب ہے - اور جب اوس کی حاجت اوس کے منہ کی جہت یا بائیں جانب ہو تو داہنی جانب اگر پھریگا - تو اوسکا نفس اوس سے جھگڑا کریگا اس لئے اوس سنت میں حاضر نہ ہوسکیگا - اور یہ اوسی جیسی بات ہے جو علماء نے بیان کیا ہے کہ نمازی کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ تمام اون امور سے فارغ کرلے - جو اوس کے قلب کو مشغول کرنے والے ہیں - مثلاً پیشاب پاخانہ کھانا پینا - اور مثل اسکی (انتہی)

اور شیخ موصوف سے دوسری بار یہ سنا ہے - کہ علماء کا لوگوں کو اس بارہ میں اختیار دینا کہ نمازی نماز سے فارغ ہوکر جس جانب کو چاہے اوس جانب میں پھر کر بیٹھے - بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - اور اونکا لوگوں کو داہنی جانب پھر کر بیٹھنے کا حکم کرنا باوجود اوس شلد کے اون بڑوں سے بڑے حضرات کے ساتھ مخصوص ہے جو نماز کے دربار کو مزید فضیلت کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں - پس اون میں سے کوئی اوس جانب سے منتقل نہ ہوگا مگر یہ جانکر کہ یہ جانب جس طرف انتقال ہوگا - مفضول ہے - لہذا داہنی جانب شرف میں

مفضول پر زائید ہے۔ کیونکہ شارع جس جانب اور جس قطعہ کو دوسری جانب اور قطعہ پر ترجیح دے۔ تو ہم اوس کی اس بارہ میں تقلید کرینگے۔ اور اپنی عقل اور مشاہدہ کے فیصلہ کو منسوخ کرینگے۔ کیونکہ وہ ہم سے امور کا زیادہ جاننے والا ہے۔ قرینہ یہ کہ ہم کو اوسکا حکم کیا گیا ہے کہ جب ہم مسجد میں داخل ہوں۔ تو دائیں پاؤں کو پہلے رکھیں۔ اور جب مسجد سے باہر کو جاویں تو پہلے بایاں پاؤں نکالیں۔ پس اسکو سمجھ لو۔

اور یہیں سے تم کو اوس عالم کے قول کی توجیہہ بھی معلوم ہو جائے گی جس نے یہ کہا ہے۔ کہ نمازی کے لئے یہ مستحب ہے۔ کہ جب وہ نفل نماز پڑھنی چاہے۔ تو فرض نماز کے مقام سے ہٹ جائے۔ اور اس کا برعکس۔ اور اس عالم نے یہ نہیں کہا مگر قطعات ارض کے مابین انصاف کرنے کے لحاظ سے کیونکہ وہ قطعے جو خیر اون پر کی جاتی ہے۔ اوس کی وجہ سے تمام دن فخر کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ وارد ہوا ہے۔ کہ زمین کا ٹکڑا اپنے ساتھ والے ٹکڑے پر اوسوقت فخر کرتا ہے کہ جب اوسپر کوئی ذاکر گذرتا ہے۔ اور (فخر یہ) اوس سے کہتا ہے کہ کیا تجھ پر کوئی خدا کا ذکر کرنے والا گذرا ہے۔ اس دن میں جس طرح مجھ پر گذرا ہے۔ اور وجہ ترجیح کی اوس شخص کے قول میں جس نے کہا ہے کہ نفل نماز کے لئے فرض نماز کی جگہ سے نمازی ہٹ جائے نہ اسکا عکس۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے کی درگاہ فرائض میں زیادہ بزرگ ہوتی ہے۔ نوافل میں سرگوشی کرنے کی درگاہ سے۔ اور اس کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔ کہ (وما تقرب الی المتقربون بمثل اداء ما افترضت علیہم) (ترجمہ) اور نہیں نزدیکی حاصل کر سکتے مجھ سے نزدیک ہونے والے برابر اون عبادتوں کے جو میں نے اون پر فرض کی ہیں۔) لہٰذا قطعات ارض فضیلت میں اون امور کے تابع ہوئے جو اون کے اندر کئے جاتے ہیں۔ اور اون امور میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے پس ان تمام مسائل میں حکم میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف راجع ہو گیا۔ یعنی تخفیف اور تشدید کی طرف۔ پس سوچو اوسکو جو میں نے اس باب میں ذکر کیا۔ کیونکہ تم یہ کسی اور کتاب میں نہ پاؤ گے اور ان مسائل میں ہم نے علماء کے اقوال کی توجیہہ مرتبہ اسلام کے مقام کے اعتبار سے کی ہے نہ مقام مرتبہ ایمان اور احسان اور ایقان کے۔ کیونکہ اوس کے مطالب عالیہ اکثر سمجھوں سے بالاتر ہیں۔ اور تمام تعریفیں اوس اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

باب نماز کی شرطوں کے بیان میں

تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ نماز کے اندر جسم عورت (ستر) کا چھپانا واجب ہے۔ اور اس پر بھی کہ ستر عورت نماز کے صحیح ہونے کے واسطے شرط ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرد کی ناف چھپانے کے جسم سے خارج ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ بے وضوی اور غسل کی حاجت سے پاک ہونا۔ اسی طرح نجاست سے پاکی حاصل کرنا جو کپڑے

یا بدن یا جگہ میں ہو واجب ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ قبلہ رو ہونا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ مگر عذر کے وقت مثلاً کارزار گرم ہو۔ اور لڑائی زور پر ہو کفار سے۔ اور مثلاً نفلے سفر میں سواری پر نفل پڑھتے ہوں اور مثلاً مریض ہو۔ کہ کسی آدمی کو جو اسکو قبلہ رو کر دے نہ پائے۔ یا مثلاً دشمن کے خوف سے سرحد پر تاک میں بٹھلایا گیا ہو۔ اور مثلاً کوئی پانی میں غرق ہو۔ اور مانند اسکی اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اوس عذر والے آدمی پر تکبیر کہنے اور نماز کے لئے متوجہ ہوتے وقت استقبال قبلہ واجب ہے۔ اور نماز کے بقیہ شرائط مجمع علیہا اس باب سے پہلے باب کے شروع میں بیان ہو چکے ہیں۔ پس اوس کی طرف رجوع کرو۔

رہے وہ مسائل جن میں اختلاف ہے سو اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور یہی ایک روائیت ہے امام احمد اور امام مالک رضی اللہ عنہما کی دو روائیتوں میں سے۔ کہ مرد کا (عورت) چھپانے کا جسم اوس کی ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما سے دوسری روائیت یہ ہے کہ صرف پیشاب گاہ اور پاخانہ کے مقام عورت (چھپانے کا جسم) ہے۔ پس پہلا قول متشدد ہے۔ اور وہ اکابر ناس کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے علماء اور امراء۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور اراذل ناس کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے ملاح لوگ۔ اور بعض کاشتکار اور کمہار وغیرہ۔ جو اپنی رانوں کے کھلنے سے عار نہیں کرتے ہیں۔ پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا +

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک مرد کا گھٹنا (جسم عورت) میں داخل نہیں ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ داخل ہے۔ یہی قول بعض اصحاب شافعی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ جو بعض چھوٹے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا قول متشدد ہے۔ جو اکابر ناس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اوس مسئلہ کے طرز پر جو اس سے پہلے گذرا۔

اور تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہم کی دو روائیتوں میں سے ایک روائیت یہ ہے۔ کہ آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے سوائے منہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ تمام بدن عورت ہے۔ سوا منہ اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے۔ اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ کہ تمام بدن اوس کا عورت ہے۔ سوا اوس کے منہ کے کہ صرف وہ خارج ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے عورت پر ستر کے بارہ میں۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور تیسرا متشدد ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور دوسرے کی وجہ عورت پر فراخی کرنا۔ کہ اوس کے دونوں قدموں کو ستر کے واجب ہونے سے نکال دیا۔ اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ

منہ ہی فتنہ کا بڑا مقام ہے ۔

اور اسکا بھید کہ عورت کو منہ اور دوسرے اون اعضاء کا جو مذکور ہوئے نماز میں کھولنا واجب ہے ۔ اور شارع نے اسکا لحاظ نہیں فرمایا ۔ کہ دیکھنے والوں کی نظر عورتوں کی خوبصورتیوں پر واقع ہوتی رہی ہے یہ ہے ۔ کہ یہ کھولنا کاملین کے لئے خدا تعالےٰ کو یاد دلانے والا ہے ۔ اور اس بات کو کہ حقتعالےٰ نے عورت کو اسکا حکم نہیں فرمایا ۔ مگر تاکہ قائم کرے حجت کو اون لوگوں پر جو اللہ تعالےٰ سے حیاء کرنے کا اور اوس کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنے کا دعوے کرتے ہیں ۔ اور تاکہ عذاب دے اون لوگوں کو جو حق تعالےٰ کے دربار میں اوس کے حرم پر نظر ڈالیں (اور عورت تو) جو خدا کی باندی ہے ۔ اپنے قلب سے خدا تعالےٰ کے جلال اور اوس کے جمال کے مشاہدہ کی طرف نظر کرے ۔ اور وہ فاسق نظر چرا کر عورت کی طرف دیکھے ۔ اور اسکا لحاظ نہ کرے ۔ کہ حقتعالیٰ مجھہ کو دیکھتا ہے ۔ کیونکہ صاحب ادب شخص جب پہلی مرتبہ عورت کو ایسی حالت میں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف چہرہ کھولے ہوئے ہو ۔ دزدیدہ نگاہ سے دیکھیگا ۔ تو (فوراً) اوس ذات کے مراقبہ سے جس کے دربار میں وہ عورت کھڑی ہے متنبہ ہو جائے گا ۔ پس آزاد عورت نماز کے اندر خدا تعالےٰ کے سامنے اس طرح ہے جیسے شیرنی کا بچہ شیرنی کی گود میں ہو ۔ اور اللہ تعالےٰ کی شان اس سے بھی برتر و اعلےٰ ہے ۔ پس یہ بھید ہے عورت کے اپنا چہرہ کھولنے کا نماز کے اندر (اسی طرح) حج یا عمرہ کے احرام میں جیسا کہ اسطرف اشارہ اس سے پہلے باب میں گذر چکا ہے

چوتھا مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک باندی کے جسم کا عورت نماز کے اندر مرد کی مثل ناف اور گھٹنے کے مابین ہے ۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے ۔ اور اون سے دوسری روایت یہ ہے ۔ کہ باندی کا (جسم عورت) صرف پیشاب اور پاخانہ کا مقام ہے ۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے ۔ کہ اوس کا عورت مثل عورت مرد کے ہے ۔ اور کچھ زائد ہے ۔ اور وہ یہ کہ باندی کی تمام پشت اور تمام پیٹ عورت ہے

اسی طرح بعض شوافع کا یہ قول ہے ۔ کہ باندی کا تمام جسم عورت ہے ۔ مگر اوس کے وہ اعضاء جو خرید کے وقت آزمانے کے ہیں ۔ اور وہ سر ہے ۔ دونوں کلائیاں ہیں ۔ اور پنڈلی ہے پس پہلے قول میں تخفیف ہے ۔ اور دوسرا بہت مخفف ہے ۔ اور تیسرے میں تشدید ہے اسی طرح اوس کے بعد کا قول ۔ اور پہلے قول کی وجہ اوس طریقہ پر عمل کرنا ہے جس پر سلف صالحین تھے ۔ وہ یہ کہ باندیوں کیطرف نماز سے باہر بھی شہوت کی نظر نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ نماز میں ۔ پس عورت سے اوس جسم کا جو سر کرنا ہے اون اعضا کی طرف جنکا کھلنا واس لونڈی کو برا معلوم ہو ۔ اور وہ ناف اور گھٹنے کا درمیان ہے ۔ بعض باندیوں کے نزدیک اور بعض کے نزدیک پیشاب اور پاخانہ کا مقام ہے ۔ اور اس کے سوا تمام اعضاء دوسری بعض کے نزدیک الٹ پلٹ کرنے کے مقامات ہیں ۔ پس اسکو خوب سمجھلو ۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں مقاموں سے درہم کی مقدار کھل جائے۔ تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اور جب اس سے زیادہ کھلجائے۔ تو باطل ہوجائیگی۔ اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ اگر ران چوتھائی حصہ سے کم کھل جائے۔ تو نماز باطل نہ ہوگی۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ باطل ہوجائے گی خواہ قلیل کھلے یا کثیر۔

اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر تھوڑا کھلا ہے۔ تو مضر نہیں۔ اور اگر زیادہ کھلا ہے۔ تو باطل ہوگئی۔ اور تھوڑا اور بہت کا معیار عُرف ہے۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ جب ستر پر قادر ہو۔ اور بھولا ہوا بھی نہ ہو۔ اور پھر جسم عورت کو کھول کر نماز پڑھے۔ تو اوس کی نماز باطل ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور تیسرا اوس کے اندر تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس کو اوس قدر نجاست پر قیاس کیا ہے۔ جو بدن میں لگی ہو۔ تو معاف ہے۔ اور علتِ جامعہ یہ ہے۔ کہ ان دونوں میں ہر ایک سے بچنا واجب ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ موزے کے پھٹ جانے پر قیاس کرنا ہے۔ پس وہ مضر ہوتا ہے۔ اگرچہ تھوڑا ہی پھٹا ہو۔

اور تیسرے قول کی وجہ یہ حدیث ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان (ترجمہ، اُٹھا دیا گیا ہے میری اُمت سے خطاء اور بھول جانا۔ مع اس حدیث کے۔ کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں۔ تو اوس میں سے جسقدر سکھو۔ بجالاؤ۔) اور جس امر پر بندہ قادر نہ ہو وہ اوس میں کچھ نقص نہیں پیدا کر سکتا۔ جو کچھ کر چکا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ برہنہ آدمی کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ (جب بدن ڈھانکنے کو کچھ نہ ہو)

اور امام احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرض نماز میں دونوں مونڈھوں کے ڈھانکنے کو واجب کیا ہے۔ اور نفل نماز میں دو روائتیں ہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ اور توجیہ اس کی ظاہر ہے ٭

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب نمازی کپڑا نہ پاوے۔ تو اوسکو لازم ہے۔ کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے رکوع کرے۔ سجدہ کرے۔ اور نماز اوس کی درست ہوگی۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوسکو اختیار ہے چاہے بیٹھکر پڑھے۔ چاہے کھڑے ہوکر

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ کھڑے ہوکر پڑھے۔ اور رکوع و سجدہ اشارہ سے ادا کرے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف اور تیسرے قول میں اشارہ کی اجازت کے اعتبار سے تخفیف ہے

پس پہلے قول کی دلیل اس حدیث کی پیروی کرنا ہے۔ کہ (جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں۔ تو تم اوس میں سے جس قدر اسکو بجا لاؤ) مع اس قاعدہ کے کہ آسان مشکل امر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس حکم کا مدار نمازی کی حیاء زیادہ ہونے اور کم ہونے پر ہے۔ (اگر اوسکو لوگوں سے بہت حیاء ہوگی۔ تو بیٹھکر پڑھے گا۔ ورنہ کھڑے ہوکر) اسی طرح تیسرا قول اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو بہت حیاء والے ہیں۔ اور یہ تمام حق تعالے کی بندوں کے واسطے رحمت ہے پس اسکو خوب سمجھ لو +

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک اوس نجاست سے پاکی حاصل کرنا جو کپڑے یا بدن یا جگہ میں لگی ہو۔ نماز صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اون کی جمیع روایتوں میں سے صحیح روایت کے اندر یہ قول ہے۔ کہ اگر باوجود اوس نجاست کے جاننے کے نماز پڑھ لی تب تو صحیح نہ ہوئی۔ اور اگر ناواقفی یا بھولے سے پڑھی۔ تو صحیح ہوگئی۔ اور امام موصوف سے دوسری روائیت یہ ہے۔ کہ اوس کی نماز مطلقاً صحیح ہے۔ اگرچہ نجاست کو جان بوجھکر قصداً پڑھی ہو۔ اور امام موصوف سے تیسری روائیت یہ ہے۔ کہ وہ نماز مطلقاً باطل ہے پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ احتیاط پر اسی صورت میں عمل ہے

اور دوسرے قول کی وجہ ناواقفی اور بھول کا عذر ہے۔ اور اون کی دوسری روائیت کی وجہ یہ ہے۔ کہ قلب کی رعائیت ظاہری اعضاء کی رعائیت سے غالب ہوتی ہے۔ جیساکہ امام مسلم کی مرفوع حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واجسامکم ولکن ینظر الی قلوبکم (ترجمہ: بیشک اللہ تعالے نہیں دیکھتا تمہاری صورتوں اور جسموں کی طرف۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔ (انتہی)

پس اس قول کے قائل نے کہا۔ کہ جس شئے کو خدا تعالے نہ دیکھے۔ اوس کے اندر امر سہل ہے برخلاف دل کے۔ اور اس پر شیخین کی مرفوع حدیث سے اعتراض نہ وارد ہوگا۔ (اور وہ حدیث یہ ہے) کہ جب آوے حیض تو چھوڑ تو نماز کو۔ اور جب وہ پیچھا پھیرے۔ تو دھو اپنے بدن سے خون۔ اور نماز پڑھ (کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول۔ کہ ترک کر تو نماز کو۔ ہوسکتا ہے کہ خون کی وجہ سے نہ ہو۔ بلکہ کسی اور وجہ سے ہو۔ جو حیض میں پائی جاتی ہو۔ کیونکہ انتہا درجہ حیض کا یہ ہے۔ کہ ہو وہ مانند سلس البول (ہردم پیشاب جاری رہنے) کے۔ پس اپنے بدن سے خون دھوکر جب وقت نماز کا آئے۔ نماز پڑھ سکتی ہے۔

اور بعض شوافع نے امام مالک رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ حدیث مذکور

سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز سے باہر نجاست سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جب باہر نماز سے نجاست سے اجتناب واجب ہوا۔ تو نماز میں تو بدرجہ اولے واجب ہوگا اور خون بے متغیر جانے کو علت ٹھیرایا ہے

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کرنے والوں میں سے یہ حدیث بھی ہے۔ کہ (نہ پڑھے جنبی اور نہ حائض کچھ قرآن شریف سے) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حیض والی عورت کو جنبی کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور جنبی ہونا ایک ایسا امر ہے جس کا ورود بدن پر عرضی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حیض

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ اُمت کا اسپر اجماع ہے۔ کہ (نماز کے لئے) حدث سے طاہر ہونا (ضروری ہے) - اسپر اجماع نہیں۔ کہ ناپاکی سے پاکی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وجہ سے کہ اور بعض اماموں نے نرمی کی ہے جیساکہ گذرا خون کو درہم کے وزن سے اندازہ کرنے میں نہ مسور کی دال کے برابر بدن کے ٹکڑے سے جبکہ اوسکو پانی نہ پہنچا ہو۔ (غسل یا وضو کرتے ہیں) اور اس سے بھی اون کی تائید ہوتی ہے کہ شارع سے کوئی تصریح اس کی وارد نہیں۔ کہ نجاست کے ساتھ نماز مقبول نہیں ہوتی جیساکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ (نہیں قبول کرتا اللہ تعالےٰ تم میں سے کسی کی نماز کو جب اوسکو حدث ہو جاوے۔ یہاں تک کہ وضو کرے) پس اس کو سمجھ لو +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جو شخص کسی ایسے جنبی کے پیچھے نماز پڑھے جس کو اپنے جنبی ہونے کی خبر نہ ہو۔ اور نہ اوس شخص کو امام کے جنبی ہونے کا علم ہو۔ تو اوس کی نماز صحیح ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز اوس کی باطل ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے نہیں مواخذہ کرے گا بندہ سے مگر اوس کا جسے وہ جانتا ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور باوجود بڑی مشقت نہ ہونے کے بری الذمہ ہونے کی سعی کرنا ہے +

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال جدیدہ میں سے یہ قول ہے۔ اور یہی امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے۔ کہ جس نمازی کو حدث پیش آجائے۔ اوس کی نماز باطل ہوئی۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اقوال قدیمہ میں سے یہ قول ہے۔ کہ وہ شخص طہارت کر لینے کے بعد اپنی نماز پر بنا کرے۔ اسی طرح امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر اوسکا حدث نکسیر جاری ہونے والی یا قے سے ہوا ہے تب تو اپنی پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرے۔ اور اگر ریح یا ہنسنے سے ہوا ہے۔ تو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ پس پہلا قول

مشدد ہے - اور دوسرا مخفف ہے - اور تیسرے میں تخفیف ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے - اور حدث سابق کی طرف التفات کرنا - کیونکہ حدیث میں وارد ہے - کہ (نہیں قبول فرماتا خدا تعالےٰ تم میں سے کسیکی نماز کو جب وہ محدث ہو جائے - یہاں تک کہ پھر وضو کرے) پس یہ حدیث اوس حدث کو بھی شامل ہے جو نمازی کے نماز میں داخل ہونے سے پہلے واقع ہوا ہو - اور اوسکو بھی جو اثنائے نماز میں واقع ہو -

اور دوسرے قول کی وجہ اوس حدث میں جو قبل نماز کے واقع ہو - اور اوس میں جو اثنائے نماز میں واقع ہو - فرق کرنا ہے - (اور اس قول کا قائل کہتا ہے) کہ جو نماز حدث کے وقوع سے پہلے ادا ہو چکی وہ صحیح ہے - لہٰذا اس نماز کا حکم مثل دو نمازوں کے حکم کی ہے - پس نہیں باطل ہوتی ایک نماز دوسری نماز میں حدث ہو جانے سے (اسی طرح اس صورت مذکورہ میں)

دسواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کا اس پر اتفاق ہے - کہ وجوب نماز کے لئے وقت موجود ہونے کا گمان غالب کافی ہے - حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ گمان غالب کافی نہیں ہے - بلکہ دخول وقت کا یقین شرط ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ ظن یقین کے قریب ہوتا ہے - پس وہ خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت خاصہ کے اندر کافی ہے -

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ حضرت خداوندی اور اوس کے دربار میں حاضر ہونے کو بڑا جاننا چاہئے - اور اجازت کے واسطے یقین متعین ہے - کیونکہ ظن کبھی خطا کرتا ہے - لہٰذا پہلا قول چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے - اور دوسرا قول بڑے لوگوں کے ساتھ جنکی نظر انجاموں کیطرف ہوتی ہے - اور کسی فقیہ نے بے وقت اذان سنکر - اس لئے نماز کو کھڑا ہو گیا - تو اوسکا (عذر) سوا اس کے کچھ نہ ہوا - کہ وہ بھول گیا -

گیارھواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک جب نمازی نے اپنے سوچنے سے کسی جانب کو پڑھ لی - پھر معلوم ہوا - کہ قبلہ میں خطا ہوئی - تو اوس نماز کا اعادہ نہیں ہے - حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دونوں قولوں میں سے قول مرجح یہ ہے - کہ وہ اوس نماز کی قضا کرے اگر وقت نکل گیا ہو - اور اعادہ کرے اگر وقت باقی ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور پہلا قول عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے - اور دوسرا بڑے لوگوں کیساتھ جو دین میں محتاط ہیں - (اور قبلہ میں خطا کرنے والا کبھی اپنے قصور کرنے کی طرف

منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ جس کے ارتکاب کی وجہ سے اوسکا قلب تیرہ ہوگیا۔ یہانتک کہ کعبہ شریفہ کے دیکھنے سے بھی محجوب ہوا۔ اور اوس کی جہت کو نہ پہچان سکا۔

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ اوس شخص کی نماز باطل نہیں ہوتی جو بھولکر (نماز میں) کلام کرے۔ یا کلام کرنے کی حرمت سے ناواقف ہو۔ یا سبقت لسانی سے ایسا ہو جائے۔ اور بہت دراز نہ کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ بھولکر کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نہ سلام کرنے سے۔ اور اگر کلام کو بہت دراز کرے۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اقوی باطل ہونا ہے۔ اور امام ملک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اگر کلام نماز کی مصلحت سے ہے۔ مثلاً امام کو اوس کا سہو بتلانا جبکہ وہ بغیر کلام کے متنبہ نہ ہو۔ تو نماز باطل نہیں ہوتی۔

اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے۔ کہ اگر اوس کلام میں کوئی مصلحت ہو مثلاً گم شدہ کو راستہ بتلانا اور کسی نقصان دہندہ سے بچانا۔ اور موڑنا۔ تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ پس پہلے مسئلہ میں قول اول مخفف ہے۔ اور اوس میں دوسرا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے مسئلہ میں پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرا مخفف ہے۔ لہذا دونوں مسئلوں میں میزان کو دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے مسئلہ میں قول اول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بھول اور جہالت عذر ہے۔ اسی طرح سبقت لسانی جیسا کہ اوس کی تمام نظیروں میں۔

اور پہلے مسئلہ کے دوسرے قول کی وجہ اس عذر (مذکور) کا قبول نہ ہونا ہے۔ اسلئے کہ نماز کے اندر ایسے افعال مشروع ہیں جو نماز کو یاد دلانے والے ہیں۔ اور رہی ناواقفی۔ تو یہ عذر نہیں ہو سکتا کیونکہ اوسکا قصور ہے۔ جو اوس نے اپنے دین کے اوس امر کو نہ سیکھا جو اوس پر واجب تھا۔ اسی وجہ سے وہ معذور نہ سمجھا جائیگا۔

اور اس کی وجہ کہ جب کلام کو طویل کردے۔ تو نماز باطل ہوتی ہے ریس ظاہر ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت دادہ کلام کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کلام نماز کے اچھا کرنے کے لئے ہے۔

اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کلام کی اجازت دی ہے۔ اوس کی وجہ مومن کا صاحب حرمت ہونا۔ اور تمام اون امور کے دفع کرنے کا جن سے مومن کو ضرر رسانی ہوتی ہو۔ ہمارا وجوباً مکلف ہونا ہے۔ اور شریعت کے قواعد اس جیسے فعل کو بطلان نماز کی رعایت کرنے پر مقدم کرتے ہیں اوس شخص کے نزدیک جو اس (کلام کرنے) سے نماز کے باطل ہونے کا یقین کرتا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ (ہر بھلائی ثواب کے لحاظ سے نماز ہے) انتہی

اور یہ اس لئے کہ بھلائی کرنے والا بھلائی کرنے میں حق تعالے کے حکم کے تحت میں

ہے - لہٰذا اس فعل کے ارتکاب سے خارج از نماز نہ ہوگا - اگرچہ نام کے اعتبار سے نماز نہ کہینگے - پس اسکو سمجھ لو -

تیرھواں مسئلہ یہ ہے - کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے - کہ نماز میں بھولے سے کھالینا اسی طرح پی لینا نماز کو باطل کر دیتا ہے - مگر امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک نفل نماز میں - پس پہلا قول کھانے کے بارہ میں مشدد ہے - اور دوسرا مخفف -

اور پہلے قول کی کھانے اور پینے کے بارہ میں وجہ یہ ہے - کہ انسان کو کھانے اور پینے سے لذت حاصل ہوتی ہے - لہٰذا بندہ کھانے پینے اور خدا تعالےٰ کے مراقبہ اور اوس کے ساتھ حاضر رہنے کے باوجود اوس سے سرگوشی کرنے کو جمع کرنا چاہتا ہے - پس نہیں قدرت رکھتا - اسپر تو جب نمازی کے نزدیک اس امر میں تعارض پڑا - تو علماء نے نماز کے اندر کھانے اور پینے کو حرام کر دیا - اور نمازی کو حکم کیا - کہ وہ نماز میں داخل ہونے سے قبل کھانے پینے سے فارغ ہو جایا کرے - تاکہ اوس کو نماز کے اندر خدا تعالےٰ کے ماسوا کسی شے کیطرف توجہ نہ ہو -

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی نفل نماز میں پینے کے متعلق جو روایت ہے اوس کی وجہ بندہ کا اوس میں اپنے نفس کا مالک اور امیر ہونا ہے - کہ اگر چاہے تو اوس سے خارج ہو جاوے - اور چاہے - تو اوس میں لگا رہے جب تک اوس سے سلام پھیرے - اور نیز اسمیں شک نہیں - کہ اللہ تعالےٰ نے بڑے لوگوں پر واجب کیا ہے - کہ وہ اپنے قلوب سے فرض نماز میں سوائے نماز کے دوسری غیر چیز کی طرف متوجہ نہ ہوں - اور اس میں شک نہیں - کہ اللہ تعالےٰ نے اون کے دلوں پر رضامندی کی ٹھنڈک اوتار دی ہے - اسلئے اون کے نفوس کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے - لہٰذا وہ اوس شے کے محتاج نہیں جو اوس آگ کو بجھائے - اور نہیں ہے یہ حال نوافل - کیونکہ روح نوافل میں شدت پیاس کی وجہ سے قریب نکلنے کے ہو جاتی ہے پس اسی لئے اوس میں پینے کی اجازت کے ساتھ بندہ پر نرمی کی گئی ہے - جیسا کہ اس کو وہ شخص جانتا ہے جس نے حقیقی نماز پڑھی ہو - پس سمجھ لو +

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نماز نفل میں پی لیتے تھے - اور حضرت طاؤس رح کا قول ہے - کہ نفل نماز کے اندر پی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں -

چودھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ شخص کہ پیش آجائے - اوسکو کوئی شے نماز میں - تو وہ اگر مذکر ہے - تو تسبیح پڑھے - اور اگر مونث ہے تو تالی بجائے - حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ دونوں تسبیح پڑھیں - لہٰذا پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد ہے - اور پہلا قول اوس عورت پر محمول ہے جس کی آواز سے فتنہ کا اندیشہ ہو - اور دوسرا قول اوس عورت پر جس کی آواز سے فتنہ کا خوف نہ ہو - مع اس کے کہ اون کو اس پر محمول کیا جائے - کہ حدیث دہانہ مارنے کی اون کو نہ پہونچی ہوگی +

اور اس تمام سے مقصود متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ تو جب یہ مقصود عورت کو تسبیح پڑھنے سے بھی حاصل ہے۔ پس یہ اوس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ہر حال میں اللہ تعالےٰ کا ذکر ہی ہے۔ برخلاف ہاتھ پر ہاتھ مارنے کے پس سمجھ لو

پندرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ آئمہ کے نزدیک جب تسبیح کا سمجھانا ڈرانے یا اجازت کے لئے ہو۔ تو وہ نماز کو باطل نہیں کرتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ باطل کردیتا ہے۔ مگر یہ کہ امام کو متنبہ کرنا یا سامنے سے گذرنے والے کو دفع کرنا مقصود ہو کہ اوس سے نماز باطل نہ ہوگی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ اور وہ چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ یہ امر کمال نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں خیر خواہی ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا موقعہ تنہا خدا کے ساتھ مشغول ہونے کا ہے۔ لہٰذا اوس کے غیر کا ذکر اگرچہ وہ دل ہی کے ساتھ ہو۔ نماز کو باطل کردیگا۔ اور یہ قول بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعض اماموں کے نزدیک اللہ تعالےٰ کے خوف سے رونا نماز کو باطل کردیتا ہے۔ اور نہیں باطل کرتا۔ دوسرے گروہ کے نزدیک۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بندہ پر واجب تھا۔ کہ وہ مشقت کے طریق پر چلتا یہانتک کہ دل سے روتا نہ آنکھوں سے۔ اور قرآن شریف کی تمام نصائح سنتا۔ اور بکاء ذرا بھی ظاہر نہ کرتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے خوف سے رونا قلب کو اللہ تعالےٰ پر جمع کرتا ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

سترھواں مسئلہ۔ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کے نزدیک سلام کے جواب کے لئے نماز ہی کی طرف سے اشارہ کافی ہے۔ جب اوس پر کوئی سلام کرے۔ حالانکہ امام ثوری اور امام عطاء رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ نماز سے فارغ ہوجانے کے بعد جواب دے اور ابن المسیب اور امام حسن رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ لفظوں میں جواب دے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سلام سے جو مقصود ہے۔ وہ اشارہ کرنے میں بھی حاصل ہے۔ اور وہ شر سے محفوظ رہتا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ نماز کی حالت میں حق تعالےٰ کیطرف توجہ کی رعایت رکھنا ہی نہ اوس کی مخلوق کیطرف۔ باوجود اس کے کہ مقصود بعد فراغت کے جواب دینے سے بھی حاصل ہے

اور تیسرے قول کی وجہ کسی ضرر کے پہونچنے کا خوف ہے۔ جو فقت لفظوں سے جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ قول اوس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو ظلم کرنے والے پر جواب دے مثلاً وہ حاکم جو جاہل ہو۔

اٹھارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک نماز پڑھنے کے آگے کسی جاندار کے گذر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگرچہ حیض والی عورت ہو۔ یا گدھا ہو یا سیاہ کتا ہو۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ سیاہ کتا نماز کو قطع کرتا ہے۔ اور میرے دل میں گدھے اور عورت سے قطع ہو جانے کا کچھ شبہ ہے۔ اور اون اشیاء کے گذرنے سے جنکا ذکر ہوا۔ (گدھا۔ عورت۔ کتا) جنہوں نے نماز کے باطل ہوجانے کا قول کیا ہے۔ اون میں سے حضرت ابن عباس اور انس اور ابن المسیب رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے آخر عمر میں یہ فرمانا ہے۔ کہ (نہیں قطع کرتا نماز کو گذر جانا کسی شئے کا) اور یہ قول اون بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جنکو قبلہ کی جانب میں کوئی شے حق تعالےٰ کے مشاہدہ سے حاجب نہیں ہوتی۔ اور نہ اونکے قلب کو بے توجہ کرتی ہے خدا تعالےٰ سے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اوسکا خوف حق تعالےٰ کی اون عنایات کے مشاہدہ سے جو نمازی کے قلب اور آنکھوں پر ظاہر ہو رہی ہیں حاجب اور شاغل ہوتا ہے۔ اسلئے یہ قول چھوٹے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

علماء نے لکھا ہے۔ کہ گدھے اور عورت اور سیاہ کتے کے نماز کو قاطع ہونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ ان سب اشیاء مذکورہ سے شیطان جدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہل کشف کے درمیان یہ امر مشاہد ہے۔ اور شیطان نہیں گذرتا ہے کسی گروہ پر۔ مگر لگتا ہے اوسکو اوس سے پرچھاواں کہ وہ گروہ جو حق تعالےٰ کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اوسکو قطع کر دیتا ہے اور جب اوسکا مشاہدہ قطع ہو گیا۔ تو نماز بھی قطع ہو گئی۔ یعنی اوس کے مشاہدہ کا لگاؤ۔ اور ایسی جیسی چیز اکابر کے مشاہدہ کو اسلئے قطع نہیں کرتی۔ کہ وہ جگہ پکڑ چکے اور اون کا اللہ تعالےٰ سے تعلق معرفت شدید ہو گیا ہے۔ پس وہ منجملہ تمام مخلوقات کے نہیں دیکھتے مگر اوس بھید کی طرف جو اون کے ساتھ قائم ہے۔ اور وہ منجملہ خدا کے حکم کے ہے نہ اوس سے خارج۔ پس سمجھ لو۔

انیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ اور اوس کے پہلو میں عورت ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نماز اوس کی اوس سے باطل ہوئی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور یا اون بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو اللہ تعالےٰ سے کوئی شے روگردان نہیں کرتی۔

اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور پہلے قول کی توضیح مشاہدہ کرنا اکابر کا ہے عورت کے اندر کمال باطن کا۔ جس کی وجہ سے حق تعالےٰ

نے اپنے آپ کو اور جبریل اور صلحاء مومنین اور اون کے بعد تمام فرشتوں کو معین بنایا ہے واسطے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما پر اور جس کی وجہ سے عورت دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ سے جماع کے وقت اپنے لئے سجدہ کرانے کی ہیئت کو مستدعی ہوتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے ملائکہ سے بھی قوی تر اور اون سے بھی حیاء کرنے میں بہت زیادہ وہ حضرات ہیں جو عورتوں کے خونوں سے پیدا ہوئے۔ (یعنی انبیاء علیہم السلام) اور جس کی وجہ سے عورت اوس محبت کو اپنے جی میں پوشیدہ رکھتی ہے۔ جو مرد سے جماع کرنیکے باعث پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ عورت کی خواہش جماع مرد کی شہوت سے ستر حصہ دوچند ہے اور اس کے سوا اور اسرار ہیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے۔ کہ جو شخص خدا تعالے کے اس قول میں تامل کریگا۔ کہ (وان تظاہرا آخر آیت تک) تو وہ یقیناً جان لیگا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقام عبودیت میں تمام مخلوق سے مطلقاً اکمل ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالے نے اون کی اسقدر مدد عظیم فرمائی۔ اور اگر آپ کے اندر قادر سمجھنے اور دعوے کرنے کی ذرا بھی بو ہوتی۔ تو آپ کے نفس کو آپ ہی کے سپرد کر دینا اسکا پورا بدلہ ہوتا۔ اور اس سے زیادہ (اس باب میں) نہیں کہا جاسکتا (انتہی)

اور رہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ۔ سو وہ یہ ہے کہ اوس عورت کا نقصان اور اوس کی طرف طبعی میلان ہونا ظاہر ہے۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بڑے لوگوں کا عمل بھی اسی کے ساتھ ہے بوجہ اوس جز کے جو اون کے اندر موجود ہے اور عورت کے نقص اور اوس کی طرف طبعی میلان کی شہادت دیتا ہے شہوت کے ساتھ۔ پس رحم فرماوے خدائے تعالے اماموں پر جب تک اون کے وہ باریک مضامین و مطالب باقی رہیں جو بعض مقلدوں پر پوشیدہ ہیں۔ پس اسکو سمجھ لو۔

بیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ نماز کے اندر سانپ اور بچھو کا مار ڈالنا مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اوس کے مکروہ ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اللہ تعالے کے دربار میں حاضر ہوکر غیر خدا سے ڈرتے ہیں۔ اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اللہ تعالے کے دربار میں خدائے تعالے کی تعظیم کی وجہ سے اوس کے دشمن کی بھی عزت کرتے ہیں۔ حالانکہ اکابر اون کی عزت کرنے کے حکم کے مشاہدہ سے غائب ہیں۔ اور اسی کی مثل پسو اور جوں ہے۔ پس ان جانوروں کو نہ قتل کرے یہانتک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔ پس ہر مجتہد کے لئے ایک ایک علت ہے

اکیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اون جگہوں میں جہاں نماز پڑھنے سے نہی وارد ہوئی ہے۔ نماز کراہت کے ساتھ درست ہے اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن اونہوں نے قبرستان کو مستثنی کیا ہے

جو کھدوا دیا گیا ہو۔ اور اگر کھدوایا ہوا نہ ہو۔ تو نماز داون کے نزدیک وہاں بھی) مکروہ ہے لیکن اگر پڑھ لے۔ تو ادا ہو گئی۔

حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نماز بالکل باطل ہوتی ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔ اور تیسرا قول مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز کی جگہ افعال نماز سے باہر ہے۔ لہذا وہ جگہ پڑوسی مثل ملے جلے کے ہے۔ مانند اوس شخص کی جو نماز پڑہتا ہو۔ حالانکہ اوس کے پہلو میں کافر ہو یا شراب یا جوا جنکو اللہ تعالے نے گندی چیزیں بتلایا ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ اللہ تعالے کے دربار کو اس سے بلند مرتبہ جاننا ہے۔ کہ اوس میں بندہ ایسے مقامات میں مناجات کرے مثلاً قبروں کی جگہ اور جانوروں کے ذبح ہونے کی جگہ (جس کو کمیلہ کہتے ہیں)، اور بیچ رستہ اور اونٹوں کے تھان (اون کے بندھنے کی جگہ) کیونکہ خدا تعالے نے اپنے دربار کو ان جیسی چیزوں سے پاک رکھنے کی رعائت فرمائی ہے۔ اور منع فرمایا ہے اس سے کہ بندہ ان جگہوں میں خدا تعالے سے خطاب کرے اور ہم کو عمدہ لباس پاک اور خوشبودار پہننے کا حکم فرمایا ہے۔ اپنے دربار کی بلندی مرتبہ ظاہر کرنے کے واسطے اور اسی لئے اکابر اولیاء اللہ نے مثلاً سیدی عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ اور سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ مدین رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ اور اون کے صاحبزادہ سیدی محمد رحمۃ اللہ علیہ ایسے مقامات میں نماز پڑھتے تھے جو عمدہ اور عود اور عنبر و کافور سے دھونی دیئے گئے ہوتے تھے۔ اپنے پروردگار کے دربار کی تعظیم کی وجہ سے۔ لیکن جمہور علماء و صالحین باوجود نماز اون کو محبوب ہونے کے زمین یا بوریہ پر یا مثل اس کی اون چیزوں پر جن کے اندر زیب و زینت نہیں اس ڈر سے پڑھتے ہیں۔ کہ کہیں اون کے متبعین باوجود اون کے مقاصد سے ناواقف ہونے کے اس بارہ میں (عمدہ زیب و زینت کے کپڑوں پر نماز پڑھنے میں) اون کی پیروی نہ کرنے لگیں۔ (کیونکہ اس پیروی میں) عجب اور تکبر کی وجہ سے اپنے پروردگار سے اون کے محجوب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (کیونکہ جب ایسا ہو جائے گا) تو ان شیوخ مذکورین میں سے (ضرور) لزوم منجملہ گمراہ کرنے والے اماموں کے لکھا جائیگا۔ اور سیدی عبدالقادر اور اون کے متبعین کے حال کو اس پر محمول کیا جائیگا۔ کہ اون کی ایسی حالت تھی جس کی وجہ سے اپنے مرید کو ابھارتے تھے۔ کہ وہ اونکا اس بارہ میں اتباع کرے

اور رہی وجہ کعبہ کی پشت پر نماز کے مکروہ ہونے کی۔ سو وہ نہیں ذکر کی جا سکتی۔ مگر ودبدو۔ پس اسکو سمجھ لو۔ اور اپنے آپ کو ایسے شخص کے انکار کرنے کی طرف سبقت کرنے سے دور رکھو جس کے لئے جامع ازہر جیسی جگہ یا حرم وغیرہ میں کارشید مصلی بچھایا جاتا ہے تاکہ اوس پر وہ نماز ادا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالے کے ایسے بندے بھی ہیں جنکو اوس نے زینت اور مجالست کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور اون کے دلوں کو عیبوں سے پاک بنایا ہے۔ اور

ایسے بھی لوگ ہیں جنکو اوس نے ذلت اور انکساری کے واسطے پیدا فرمایا ہے - اور پھر اون پر وہ ہیبت کے ساتھ جلوہ فرماتا ہے - تاکہ اون کے نفوس کو پست کردے - یہانتک کہ ایسے ہوجائیں - کہ اپنے سروں کو نہ اٹھا سکیں - اور اون کی علامت ونشانی اون کی گردنوں کا اون کے مونڈھوں کیطرف مائل ہونا - اور اون کا علی الدوام اپنے سینوں پر نظر رکھنا ہے - پس اس کو جان لو - اور تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کے لیئے ہیں - اور رحمت بھیجے اللہ تعالے اپنے رسول ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اون کی اولاد واصحاب پر اور سلام +

باب سجدۂ سہو کے بیانمین

تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ نماز میں سہو کی وجہ سے سجدہ کرنا مشروع ہے - اور اسپر کہ جو شخص نماز میں کچھ بھول جائے - تو سجدۂ سہو کرنے سے اوس کی مکافات ہوجاتی ہے - اور چاروں اماموں کا اس پر بھی اتفاق ہے - کہ جب مقتدی امام کے پیچھے کچھ بھول جائے - تو سجدہ سہو نہ کرے - اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب امام کو سہو ہوجائے تو مقتدی کو اوس کا سہو لاحق ہوگا - یہانتک اجماعی مسائل ہوئے - رہے وہ جن میں آئمہ کا اختلاف ہے - سو اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے - کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حنفیوں میں سے ہیں - یہ مذہب ہے - کہ سہو کی وجہ سے سجدہ کرنا واجب ہے - حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ اگر نماز میں بھولنے سے کچھ کمی ہوجائے تو واجب ہے - اور اگر کچھ زیادتی ہوجائے تو سنت ہے - اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کا قول ایک روایت میں یہ ہے - اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ہے - کہ سجدہ سہو ہر صورت میں مسنون ہے - پس پہلا قول مشدد ہے - اور اکابر اولیاء اللہ کیساتھ مخصوص ہے - اور دوسرے قول میں تشدید ہے - اور تیسرا قول مخفف ہے -

اور پہلے قول کی وجہ حق تعالے کے دربار کو اس سے برتر اور بالاتر خیال کرنا ہے - کہ اوس کے اندر اوس شئے سے سہو کیا جاوے جس کا اوس نے امر فرمایا ہے - خواہ وہ سہو موجودات کے ساتھ مشغول ہوجانے کی وجہ سے ہو - خواہ اسوجہ سے کہ نمازی پر بڑی ہیبت وجلال کا ظہور ہوا ہو - موجودات کے ساتھ مشغول ہوجانے کی صورت میں تو ظاہر ہے - اور پروردگار عالم کی عظمت وجلال کے ظہور کی وجہ سے سہو ہوجانے کی صورت میں حکم مذکور کی وجہ مجاہدہ میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے مقام کمال تک پہنچنے سے قاصر رہنا ہے - ورنہ ہوتا وہ کہ قادر ہوتا اوس تجلی کی برداشت پر اور پہچانتا اوسکو جو کچھ کرتا - اور جو کچھ چھوڑتا - اور اوسکو پروردگار کا مشاہدہ اوس چیز سے حاجب نہ ہوتا جس کو وہ کرتا - اور نہ اوسکا عکس (لیکن وہ اس سے قاصر رہا -) جیسے کہ تھے اسپر انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام - اور اسی وجہ سے فرمایا ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ رسوا اس کے نہیں۔ کہ میں بھولتا ہوں تاکہ اوسکو میری وجہ سے مسنون کیا جائے) تو خبر دی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اپنے ایسے مقام تک پہونچ جانیکی۔ کہ جس مقام میں نہ سہو واقع ہوتا ہے۔ نہ نسیان۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے اندر اکابر صحابہ و تابعین تابع ہوئے ہیں یہانتک کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وارد ہوا ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں۔ پس لشکر کا سامان تیار کرتا ہوں۔ اور اوسکو ترتیب دیتا ہوں۔ حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ اور جس نے کہا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ضعف اور نقص کے اظہار کے لئے فرمایا ہے۔ تو اوس نے ایسے بڑے پیشوا کے مقام کو خلل ناک کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں اون افعال کو بھول جائے۔ جو اس میں کئے جاتے ہیں بوجہ عظیم ہونے اوس عظمت خداوندی کے جو اوسپر ظاہر ہوئی ہے۔ تو وہ باعتبار اوس مقام کے کامل ہے جو اوس کے نیچے ہے۔ (اور وہ اوس شخص کا مقام ہے) جو کائنات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے نماز کے اندر سہو کرتا ہے۔ اور ناقص ہے باعتبار اوس مقام کے جو اوس سے بلند ہے۔ جیسا کہ ہم اوس کی تقریر کر چکے ہیں پس اسکو سمجھ لو۔ کیونکہ یہ نفیس ہے۔ اور شاید کہ یہ تم نے مجھ سے پہلے کسی سے نہ سنا ہوگا

اور رہی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی وجہ۔ پس وہ نقص کے اندر تو ظاہر ہے۔ اوس خلل کی مکافات کرنے کیلئے جو وقوع میں آچکا ہے۔ تاکہ اوس کی آج کے دن کی نماز یہانتک ترقی کرے کہ کمال تک پہنچ جائے۔ اور زیادہ کرنے کی صورت میں وجہ یہ ہے کہ وہ نماز کامل واقع ہو چکی۔ اسلئے اوس صورت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں

اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بھول اور اکثر مومنوں کے حق میں بخشا ہوا ہے (یعنی معاف ہے) اس لئے اوس کے واسطے توبہ کر لینی کافی ہے۔ اور اگر چاہے۔ تو سہو کے دو سجدے کر لے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دستور یہ تھا اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا کہ وہ ہر فریضہ کے بعد سجدہ سہو کرتے تھے۔ اگرچہ ظاہر سنتوں میں سے بھی کسی کے ترک ہو جانے سے نماز میں خلل واقع نہ ہوتا تھا۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہم جیسوں کی نماز خلل سے سالم نہیں رہ سکتی۔ نقل کیا ہے اسکو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب (نوادر الاصول) میں۔ اور اس کی نظیر حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ (ہمارے جیسوں کے لئے نفل نہیں ہیں۔ بلکہ تمام نوافل خلل کے پورا کرنے والے ہیں۔ کیونکہ نوافل نہیں ہوتے مگر اوس شخص کے جس کے فرائض مکمل ہو چکی ہوں مثلاً انبیاء علیہم السلام) انتہی

اور اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جب سجدہ سہو کو بھولے سے ترک کر دیا۔ تو نماز اوسکی باطل نہ ہوگی مگر امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی ایک روایت میں

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ایک روایت میں یہ قول ہے کہ

سجدہ سہو کرنے کا موقعہ سلام سے قبل ہے - اور یہی قول امام شافعی علیہ الرحمۃ کے دو قولوں میں سے مرجح ہے حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ اگر سجدہ سہو کمی کر دینے کی وجہ سے لازم ہوا ہے - تب تو اوسکا موقعہ سلام سے قبل ہے - اور اگر زیادہ کر دینے کیوجہ سے ہو - تو بعد سلام کے اوسکا موقعہ ہے - اور اگر نمازی پر دو سہو جمع ہو جاویں ایک نقص اور دوسرا زیادتی کا تو اون کے نزدیک اوسکا محل قبل سلام ہے - اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے - کہ وہ سلام سے قبل ہوتا ہے - مگر یہ کہ اپنی نماز میں بھولکر نقصان کر دینے کی وجہ سے سلام پھیر دے - یا عدد رکعات میں شک کرے - پھر اوسوقت غالب گمان پر بنا کرے - تو وہ شخص بعد سلام کے سجدہ کرے - پس پہلا قول سہو کرنے والے پر مخفف ہے - بوجہ کرنے سجدہ اوس کے بجے پہلے سلام سے - کیونکہ (سلام سے قبل) نمازی کی نیت میں نماز سے خارج ہوجانے کی وجہ سے تنزل پیدا نہ ہوگا - جیسا کہ نمازی کو بعد سلام کے واقع ہوتا ہے - اور دوسرے قول میں تخفیف ہے - اسی طرح اوس سے بعد کے میں - لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول اور اوس کی جو اوس کے موافق ہے وجہ اتباع ہے - باوجود نہ داخل کر سکنے نفل کے فریضہ میں سلام سے قبل اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ ظاہر ہے - اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی پس ہوگیا سجدہ سہو کا فعل زیادہ مشابہ اون نوافل سے جو فرض کے بعد ہوتے ہیں جابر ہوتے ہیں

تیسرا مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کا قول تنہا نماز پڑھنے والے کے بارہ میں یہ ہے - کہ جو شخص عدد رکعات میں شک کرے - تو دونوں گمانوں میں سے کم کو لے - اور یقین پر بنا کرے -

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے امام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ غلبہ ظن پر بنا کرے - اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول ہے - کہ اگر اوس کو اسی مرتبہ شک ہوا ہے - تو نماز اوس کی باطل ہوئی - اور اگر اوسکو شک کی عادت ہے - اور اوس سے یہ بار بار ہوتا رہتا ہے - تو سوچے - اور غالب ظن پر بنا کرے - پس اگر اوسکا کچھ ظن نہ ہو - تو اقل پر بنا کرے -

اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے - کہ اکثر کو لے - اور سجدہ سہو کرلے - اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے - کہ جب نماز کے اندر شک ہو جائے - تو نماز باطل ہوئی - پس پہلے قائل نے احتیاط کو لیا ہے - اور دوسرا قول مفصل ہے - اور تیسرا مخفف ہے - اور چوتھا مشدد ہے -

اور بڑے لوگوں کے لئے لائق اقل پر بنا کرنا ہے - اور عوام کو اکثر کا لینا مناسب ہے بوجہ زیادہ ہلاک ہونے اون کے نفوس کے حق تعالے کے دربار سے - پس اگر لینگے وہ اقل کو تو حاصل ہوگی - اونکو رنجیدگی اور تنگی اور ہوجائیگی نماز اون کی مانند نماز مجبور کئے گئے کی - اور ایسی نماز میں کچھ ثواب نہیں - اور بڑوں سے بڑے لوگوں کے لئے لائق نماز کا باطل

ہو جاتا ہے۔ پس سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص نے پہلے تشہد کو چھوڑ دیا۔ پھر کھڑے ہو جانے کے بعد یاد آیا۔ تو تشہد کے لئے نہ لوٹے۔ یا کھڑے ہونے سے پہلے یاد آیا تو لوٹے۔ اور سجدہ سہو کرے۔ بشرطیکہ رکوع کی حد تک پہونچ گیا ہو حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد یاد آیا۔ اور ابتک قرءت شروع نہیں کی ہے۔ تو اوس کو اختیار ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ لوٹے

اسی طرح امام نخعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہی ہے۔ کہ لوٹ جاوے۔ جب تک قرءت شروع نہ کی ہو۔ اسی طرح امام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ لوٹ جاوے جب تک رکوع نہ کیا ہو۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر اوسکا سرین زمین سے جدا ہو گیا ہے۔ تو نہ لوٹے۔ پس پہلے قول اور اوس کے بعد والے میں تخفیف ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول میں باعتبار نہ لوٹنے کے تشدید ہے۔ اور تشہد کی طرف لوٹنے کے لحاظ سے تخفیف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ پہلے تشہد میں بیٹھنا سوا اس کے نہیں کہ وہ سجدہ کے اندر خدا تعالے کے سامنے ہونے کی مشقت سے راحت حاصل کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے تو جب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ تو پھر بیٹھنے کے واسطے لوٹنے میں کوئی فائدہ نہ رہا۔ بالخصوص جبکہ وہ خدائے تعالے کے سامنے کھڑا ہو کر نماز کرنے لگا۔

اور امام نخعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ کہ اوسکا رجوع کرنا تاکہ وہ راحت حاصل کرے۔ اور کھڑے ہو کر حق تعالے سے خطاب کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اس سے بہتر ہے۔ کہ خدائے تعالے سے سستی اور اعضا کے ڈھیلے ہونے کے ساتھ خطاب کرے۔

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ضعف کا ظاہر کرنا۔ اور غفلت کا تدارک کرنا ہے۔ اور اوس بھول کا جو مامور بہ کے ترک کرنے میں ہو گئی ہے

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نمازی کا زمین سے جدا ہو جانا اگرچہ وہ بھول سے ہو۔ نمازی کے حالت قیام میں خدا سے مناجات کرنے کے تحمل پر قوی ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ جلوس کا اصلی محل وظیفہ بندگی کے ختم ہو جانے کے بعد ہے اور یہ بات اخیر کے جلسہ میں پائی جاتی ہے۔ پس نہیں مسنون فرمایا شارع نے پہلے جلسہ کو مگر اس لئے کہ تاکہ ضعیف لوگ جو تین رکعت یا چار رکعت والی نماز بغیر اوس کے درمیان میں بیٹھنے کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آرام لے لیں

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ پھر صرف اخیر کا تشہد کیوں فرض ہوا۔ نہ پہلا تشہد۔ حالانکہ ہر ایک تشہد۔ دو سجدوں کے بعد ہے۔

(تو جواب یہ ہے) کہ اخیر کے تشہد کے واسطے بیٹھنا نمازی پر زیادہ رحمت کے لئے واجب ہوا۔ اسوجہ سے کہ حق تعالے کی تجلی اخیر کے سجدہ میں اوس سجدہ کی تجلی سے زیادہ

سخت ہے۔ جو تشہد اول سے قبل ہے۔ اور یہ حقتعالٰے کی تجلیات کے خصوصیات میں سے ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل باب صفت نماز میں گذر چکی ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو نمازی پانچویں رکعت کے لئے بھولے سے کھڑا ہو گیا۔ پھر یاد آیا۔ تو بیٹھ جاوے۔ پس اگر وہ چوتھی رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھا تھا۔ تو پانچویں میں بیٹھے۔ اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر چوتھی میں تشہد پڑھ چکا تھا۔ تو صرف سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک روائیت میں یہ قول ہے۔ کہ اگر پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے یاد آیا تو بیٹھنے کے لئے لوٹ جائے۔ اور اگر پانچویں کا ایک سجدہ کر چکنے کے بعد یاد آیا۔ تو اگر وہ چوتھی رکعت میں بمقدار تشہد کی بیٹھ چکا ہے۔ تو اوس کے فرض باطل اور تمام رکعتیں نفل ہو گئیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جس نے مغرب کی نماز بھول کر چار رکعتیں پڑھیں۔ تو وہ سجدہ سہو کر لے۔ اور اوس کی نماز درست ہوئی۔ حالانکہ امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ وہ اوس کی طرف ایک رکعت اور ملا وے۔ اور پھر سجدہ سہو کرے۔ تا کہ مغرب کی نماز شفعہ نہ بنجائے (یعنی اوسکے عدد جوڑ والے نہ ہو جائیں بلکہ طاق رہیں) لہذا پہلا قول مخفف ہے اور محجوب لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنکا حجاب اُٹھ چکا ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ عوام النّاس شفعہ کے مشاہدہ سے متاثر نہیں ہوتے۔ برخلاف اکابر کے کہ اون کے بدن اوس کے مشاہدہ سے پگھل جاتے ہیں۔ اور اونکو راحت نہیں ملتی مگر طاق کے مشاہدہ میں۔ اور اگر حق تعالٰے بعض نمازوں کو شفعہ (جوڑ دار جفت) نہ بناتا۔ اور اکابر کو اون کے ادا کرنے کی قدرت نہ عنائیت نہ کرتا۔ تو وہ ہرگز اوس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہوتے۔ جیسا کہ اسکو اللہ تعالٰے سے سرگوشی کرنے والے خوب جانتے ہیں

(پس اگر کوئی کہے) کہ اکابر نے خود حق تعالٰے کو شفعہ بنا دیا۔ (کیونکہ وہ حقتعالٰے کیساتھ ملکر جفت ہو گئے)

(تو جواب یہ ہے) کہ نہیں شفعہ بنا سکتا حق تعالٰے کو مگر موجود ہونا کسی ایسے شخص کا جو خدا تعالٰے کے ساتھ حاضر ہونے والے کا غیر ہو۔ اور خود حاضر ہونیوالا۔ سو وہ اوس کے طاق ہونے میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ طاق ہونا نہ پایا جائیگا۔ مگر تیسرے مرتبہ میں جا کر۔ کیونکہ دوسرے مرتبہ میں طاق ہو نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر دوسرے طاق کے موجود ہوئے خدا تعالٰے کی تشفیع ہو نہیں سکتی۔ اِسلئے کہ تشفیع کا مطلب یہ ہے کہ ایک طاق علاوہ پہلے طاق کے جس کی تشفیع کرنی ہے۔ اور موجود ہو) فرمایا ہے باری تعالٰے نے مایکون من نجوی ثلاثة الا و

ہو رابعھم (ترجمہ ؛ نہیں ہوتا سرگوشی کرنا تین کا مگر وہ چوتھا اونکا ہوتا ہے) اور کھولنا آڑ کا اس مسئلہ کے چہرہ سے نہیں ذکر کیا جاسکتا۔ مگر دو بدو۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ جس کو ایک جماعت نے ایک رکعت چھوڑ دینے کی خبر دی۔ تو اونکی خبر کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اوس پر واجب ہے کہ خود اپنے یقین پر عمل کرے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی بہت سی روایات میں سے ایک روایت کے اندر قول یہ ہے۔ کہ وہ اون کی خبر کی طرف متوجہ ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ اپنے نفس کے واسطے احتیاط کو لینا ہے۔ کیونکہ وہ بہ نسبت دوسرے کے اپنے افعال کو زیادہ جانتا ہے۔ لہٰذا تکلیف کے ذمہ سے نہیں باہر ہوسکتا۔ مگر اسی طریقہ سے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دوسرے کی گواہی احوط ہے۔ کیونکہ نفس بسا اوقات اپنے صاحب کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ اور نہیں ہوتا ایسا اجنبی کے حق میں۔ پس اس کو سمجھ لو +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازی سجدہ سہو نہ کرے امر مسنون کے ترک کرنے کی وجہ سے۔ مگر دعاء قنوت۔ اور تشہد اول اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف (کے ترک کرنے سے)۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تکبیرات عیدین کے ترک اور آہستہ پڑھنے کے موقعہ میں آواز سے پڑھنے اور اس کے عکس میں (بھی) اگر امام ہو۔ سجدہ سہو کرے۔ اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے۔ لیکن اون کے سجدۂ سہو کے مواقع مختلف ہیں۔ چنانچہ اگر آہستہ پڑھنے کے موقعہ میں آواز سے پڑھ دیا۔ تو بعد سلام کے سجدہ کرے۔ اور اگر اس کا عکس کیا۔ تو قبل سلام کے سجدہ کرے۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ اپنے فعل کی وجہ سے اگر سجدہ سہو کرے بہتر ہے۔ اور اگر ترک کرے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ قنوت اور تشہد اول ارکان نماز سے مشابہ ہیں۔ پس وہ اپنی مکافات کے لئے سجدہ سہو کے مستحق ہیں واسطے حاصل کرنے نماز کی کامل شکل کے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہو کہ عید کی تسبیحات و تکبیرات اتنے مجمع کبیر میں اسلام کے شعار میں سے ہیں۔ پس یہ غافلوں کو حق تعالےٰ کی بڑائی یاد دلاتی ہیں جس وقت وہ لوگ مجمع کثیر کے دیکھنے اور زیب و زینت کا لباس پہننے اور اوس دن عادتاً لہو و لعب کے دیکھنے سے حق تعالےٰ کے مشاہدہ سے غائب ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح آہستہ پڑھنے کے موقعہ میں آواز سے پڑھنے اور اس کے عکس میں گفتگو ہے۔ کیونکہ شارع علیہ

السلام نے نہیں مسنون فرمایا اوسکو گر واسطے حاصل کرتے کمال کے نمازوں میں پس جو شخص آواز سے پڑھنے کے موقعہ میں آہستہ سے پڑھے - یا اس کا عکس کرے - تو اوس نے اپنی نماز کے کمال میں نقص کر دیا - جیساکہ اوس کی پوری تفصیل باب صفت نماز میں گذر چکی ہے - جہاں آواز سے پڑھنے اور آہستہ پڑھنے کی حکمت میں گفتگو کی ہے -

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ اکثر لوگوں کے حال کا لحاظ کرنا ہے - کہ وہ اپنی نمازوں میں نقص (ضرور) کرتے ہیں - پس قریب قریب اون کی کوئی نماز نقص سے سالم نہیں ہوتی - اگرچہ اوس سے اجتناب میں مبالغہ ہی کیوں نہ کریں - لہٰذا اسی وجہ سے سجدہ سہو نمازی کے اختیار پر چھوڑا گیا - کہ اگر وہ اپنے اندر ارادہ اور ہمت پائے - تو سجدہ کرے - ورنہ نہیں *

نواں مسئلہ یہ ہے - کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے - کہ جب نماز میں چند مرتبہ سہو ہو جائے - تو وہی سجدے سہو کے کافی ہیں - حالانکہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ جب سہو دو مختلف جنسوں کا ہو - مثلاً ایک سہو کچھ نماز میں زیادہ کرنے کا ہو - اور دوسرا کم کرنے کا - تو ہر سہو کے لیے دو سجدوں کی ضرورت ہے - اسی طرح ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ مطلقاً ہر سہو کے لئے دو سجدہ کرے پس پہلا قول مخفف ہے - اور عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے -

اور دوسرے قول میں تشدید ہے - اور اون لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو متوسط الحال ہیں - اور متوسط المقام ہیں - اور تیسرا قول مشدد ہے اور اون اکابر کے ساتھ مخصوص ہے جو کمال احتیاط میں مبالغہ کرنے والے ہیں -

دسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی چند روایات میں سے ایک روایت یہ ہے - کہ مقتدی کو سجدہ سہو کرنا چاہیے جبوقت اوس کے امام نے سہو کیا ہو - اور سجدہ سہو چھوڑ دیا ہو - حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ نہ سجدہ کرے مگر اوسوقت کہ جب امام بھی سجدہ کرے - پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور سخت تعلق ہونا اور جبر نقصان کا حاصل کرنا باوجود ختم ہو جانے پیروی (امام کے)

اور دوسرے قول کی وجہ خدا تعالے کے اس قول پر مبنی ہے کہ (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی) (ترجمہ) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا - اور تعلق و رابطہ کے (امام کے ساتھ) ضعیف ہونے پر - پس پہلا قول اون اکابر کے ساتھ خاص ہے جو اپنے امام کو اپنا جز سمجھتے ہیں - جیساکہ یہ حدیث اسطرف اشارہ کرتی ہے - کہ (مثل المومنین کالجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ جمیع الجسد بالحمی والسہر) تمام ایمان والوں کی مثال مثل ایک بدن

کی ہے۔ جب کسی عضو میں بیماری آئی تو تمام بدن کے اعضاء ایک دوسرے کو بلا لیتے ہیں۔ جاگنے اور بخار میں مبتلا ہونے کے لئے)

اور دوسرا قول ادن چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے امام کو مثل اپنے ہمسایہ کی سمجھتے ہیں نہ اپنا جز۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے

باب سجدۂ تلاوت کے بیان میں

اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ تلاوت کے سجدہ کی وہی شرطیں ہیں۔ جو نماز کی ہیں۔ اور ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے حکایت ہے۔ کہ اونہوں نے فرمایا۔ کہ حیض والی عورت اپنے سر سے اشارہ کرے۔ جب آیت سجدہ کو سنے۔ اور یہ پڑھے۔ کہ (سجد وجہی اللذی خلقہ وصورہ) اور اماموں کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ یا مستحب۔ پس امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ واجب ہے۔ اور اون کے غیر نے کہا ہے کہ وہ تلاوت کے وقت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کے لئے سنت ہے۔ لہذا پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بنی آدم کی شان سے تکبر کرنا ہے۔ اور تکبر حرام ہے۔ کہ اوس کے دور کرنے اور اوس سے خارج ہونے کی سعی واجب ہے (اوس کی صورت یہ ہے)، کہ اللہ تعالے کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے۔ پس جو آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت سجدہ نہ کریگا۔ (مثلاً اس آیت کی تلاوت کے وقت کہ (الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السموات والارض) یا اسکو سنکر نہ کرے گا۔ تو مشابہ ہوگا حال اوس کا اوس شخص کے حال کے جو باز رہا سجدہ کرنے سے بمشابہت ظاہری۔ پس واجب ہوا سجدہ کرنا تاکہ صفت تکبر سے خارج ہو جائے۔

اور توضیح اس کی یہ ہے کہ تکبر جن اور انسان کے ساتھ مخصوص ہے اون کے سوا حیوانات اور جمادات میں نہیں پایا جاتا۔ اسوجہ سے کہ جو اسماء الہیہ ان کی ایجاد کیطرف متوجہ ہوئے تھے وہ حنان اور لطیف جیسے نام ہیں۔ برخلاف اون کے ماسوا باقی مخلوقات کے۔ کہ اون کے موجود کرنے کی طرف وہ اسماء متوجہ ہوئے ہیں جن میں تکبر اور عظمت خداوندی ہے پس اسی وجہ سے وہ ان اسماء کے مفاہیم سے خارج ہو کر ذلیل اور عاجز بن گئے۔ کہ وہ تکبر کے ذائقہ سے بھی واقف نہیں۔ برخلاف جن اور انسانوں کے۔ کہ وہ متکبر نکلے۔ کہ وہ ذلت اور انکساری کا ذائقہ نہیں جانتے۔ تو اگر وہ تکبر کریں۔ تو وہ ان کی طبیعت کا مقتضا ہے۔ اور اگر انکساری کریں تو وہ مقتضائے طبیعت سے باہر ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ اور اسی وجہ سے اون پر ریاضت اور مجاہدہ واجب ہوا ہے۔ تاکہ تکبر اور ریاست کی محبت سے خارج ہو جائیں۔ اور اپنی اصلی بندگی سے واقف ہو جائیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ سجدۂ تلاوت کا وجوب اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو مقام تواضع و انکساری میں کامل نہیں ہوئے ہیں۔ اور اوسکا استحباب اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ کہ جن کے نفوس میں جسقدر تکبر تھا اوسکو حق تعالے نے میٹ دیا ہے۔ اور اون میں سے ہر ایک اپنے نفس کو اوسکا مستحق جانتا ہے۔ کہ اوسے زمین میں دھنسا دیا جائے۔ اگر خدا تعالے کی طرف سے معافی اور درگذر نہ ہوتا۔ اور تمام مخلوق کے قلوب اون کی ذلت و انکساری کی خدا تعالے کے سامنے شہادت دینے لگینگے (انتہی)

پس خدا تعالے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر رحم فرماوے۔ کہ اون کی نظر کس قدر دقیق تھی۔ اور اون کے مقامات استنباطات کسقدر پوشیدہ تھے۔ اور رحم فرماوے باقی اماموں پر بھی۔ کہ اونہوں نے عوام پر کس قدر تخفیف فرمائی۔ کہ سجدۂ تلاوت کو اونپر واجب نہ ٹھیرایا۔ کیونکہ وہ اوس تکبر کی وجہ سے جو اونکے اندر ہے (حقتعالے) کی معافی کے باڑہ اور احاطہ کے درمیان ہیں۔ کہ کوئی اوس باڑے سے خارج نہیں۔ بلکہ بسا اوقات سجدہ کرنے سے اپنے آپ کو نہ سجدہ کرنے والوں سے بڑھا ہوا سمجھتے ہیں۔ پس اون کے اندر اوس کبر میں جو اصلی تھا۔ اور زیادتی واقع ہو جاتی ہے۔ اور ذلت و انکساری کے موقعہ میں (بھی) تکبر کرنے لگتے ہیں۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو شخص (آیت کو) سنتا ہو بغیر کان لگائے تو اوس کے حق میں سجدہ ادا کرنے کی تاکید نہیں ہے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ دونوں شخص تاکید سجدہ میں برابر ہیں۔ (یعنی اتفاقی سننے والا اور کان لگا کر سننے والا)

پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور عوام الناس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔ اور وہ اکابر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دونوں مرتبوں کی علت نہیں ذکر کی جا سکتی مگر بالمقابل اوس کے اہل سے۔ کیونکہ یہ توحید کے باریک مسائل میں سے ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جب تلاوت کرنے والا نماز سے باہر ہو۔ اور کان لگا کر سننے والا نماز میں۔ تو سننے والا نماز میں سجدہ نہ کرے۔ اور نہ اوس سے فارغ ہو جانے کے بعد

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ جب نماز سے فارغ ہو جائے۔ تو سجدہ کرے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سننے والا جب نماز میں ہے۔ تو وہ اپنے پروردگار کے ساتھ ایسی سرگوشی میں مشغول ہے جس کا اوسکو اوس وقت میں حکم کیا گیا ہے۔ پس نہ امر کیا جائیگا اوس سرگوشی کے سوا کسی شئے میں مشغول ہونے کا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی۔ کہ امام کی شان سے مقتدی کا اوس کے ساتھ مربوط ہونا ہے۔ تو نہ جائز ہوتا مقتدی کو سجدۂ تلاوت اپنے سوا۔

دوسرے کے تلاوت کرنے سے۔ پس گویا کہ امام اللہ تعالےٰ کا کلام بندوں پر تلاوت کرنے میں حق تعالےٰ کا نائب ہے۔ اور نہیں ہے یہ بات بجز امام ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دونوں امروں پر اکٹھا عمل ہوجائے پس نہ مشغول ہونا لازم آئیگا۔ اوس سرگوشی کے سوا دوسری شئے کے ساتھ جسکا نماز میں امر کیا گیا ہے۔

اور جب اوس نماز سے فارغ ہوگیا تو قضا کرے۔ اوس سجدۂ تلاوت کی جو اوس سے اس وجہ سے فوت ہوگیا۔ کہ وہ اب تک اوس مرتبہ تک نہیں پہونچا۔ کہ (سجدۂ تلاوت اور مناجات کو) جمع کرسکتا (اور نہ پہونچنے کی وجہ) ریاضت و مشقت کا نہ کرنا ہے +

اور بعض علماء وہ ہیں۔ جو شہادت دیتے ہیں۔ اس کی کہ حق تعالےٰ ہی اپنی کلام کو اپنے اوپر تلاوت فرماتا ہے۔ اور بندہ بالکل معدوم محض ہے۔ یا اوسی خدا تعالےٰ کا وجود ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار کا کلام اپنے پروردگار پر پڑھتا ہے۔ تو ایسا شخص دوسرے مرتبہ میں سجدہ کرے۔ نہ اول میں۔ اور میں نے اب تک اس مقام مذکور کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ یہ بات ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس سورت میں صرف پہلا ہی سجدہ ہے۔ پس پہلا قول مشدد۔ اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ اس قول باریتعالےٰ میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا ہے۔ کہ (یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا) (ترجمہ) اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو)۔ پس وَاسْجُدُوْا کا لفظ اوس سجدہ کو بھی شامل ہے۔ جو نماز میں رکعت کا جزو ہے اور سجدۂ تلاوت کو بھی۔ لیکن سجدہ کو رکوع کے ساتھ ذکر کرنا اسکا قرینہ ہے۔ کہ یہ سجدہ اوس نماز کا ہے جو رکوع والی ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مراد باریتعالےٰ کے اس لفظ سے کہ وَاسْجُدُوْا اصلی سجدہ ہے۔ جو نماز میں ہوتا ہے۔ نہ عارضی۔ اور رہا پہلا سجدہ سورہ حج میں کا سو اوس کے اندر امام اعظم باقی اماموں کے ساتھ اسلئے موافق ہوگئے ہیں۔ کہ اوس آیت میں ایسے آدمی کے لئے جو سجدہ نہ کرتا ہو عذاب کی وعید فرمائی گئی ہے

اور توضیح اسکی یہ ہے۔ کہ بندہ سے بڑے بڑے موارد الٰہیہ میں حاضر نہ ہونے کے باعث مواخذہ سخت ہوگا۔ بہ نسبت کم درجہ اور چھوٹے موارد الٰہیہ میں حاضر نہ ہونے کے مواخذہ سے۔ کیونکہ باریتعالےٰ نے خبر دی ہے۔ کہ ہر وہ شئے جو زمین اور آسمان میں ہے اور آفتاب و ماہتاب۔ اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے کل کے کل اچھی اشیاء پیدا

کروہ ہیں - پھر فرمایا (اور بہت لوگ ہیں - اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے) اور بہت سے لوگوں پر جو عذاب ثابت ہوا ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسی شے کو اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں - جو درجہ میں اون سے کم ہے - اور اُن کے واسطے بہتر یہ تھا - کہ وہ پہلے سجدہ کرنے والے ہوتے - اور یہ بات اوس قبیلہ سے ہے جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اون کے اس قول میں شہادت دیتی ہے - کہ سجدہ سہو کا واجب ہے - پس اسکو سمجھ لو ۔

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ پھر کونسے دروازہ سے واقع ہوا بشر کا اللہ کے لئے سجدہ نہ کرنا - حالانکہ کسی کو اپنے پروردگار پر کبھی تکبر کرنا درست نہ ہوا - اور اگر تکبر کا وقوع ہو سکا ہی تو مخلوقات میں سے اپنی جنس پر (یعنی انسان پر)

(تو جواب یہ ہے) کہ نہ سجدہ کرنا صفات عبودیت سے غائب ہو جانے کی وجہ سے ہے - اسی لئے تارک سجدہ کافر اور خدا تعالے کے انبیاء و اولیاء کا قاتل ہوتا ہے - کیونکہ یہ سب اوسکو ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں جس سے اوسکا سینہ تنگ ہوتا ہے - پس اسکو سمجھ لو - اور اس سے زیادہ کیا تحریر کیا جاسکتا ہے

اور شیخ ابو مدین جب اس حدیث سے سوال کیے گئے - کہ (اذا احب اللہ عبداً نادی منادٍ من السماء ان اللہ تعالے یحب فلاناً فاحبوه فیحبه اهل السماء ویوضع له القبول فی الارض) ترجمہ جب اللہ تعالے کسی بندہ کو محبوب بنا لیتا ہے - تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے - کہ بیشک اللہ تعالے فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہے تم بھی اوسکو دوست رکھو - تو آسمان والے اوسکو دوست بنا لیتے ہیں - اور رکھدی جاتی ہے اوسکی مقبولیت زمین میں) انتہی آخر حدیث تک پس جب اس بات کو پکارا جاتا ہے - تو انبیاء اور اولیاء کو قتل کرنا تو بھلا اس پکار سے کیا رہا پھر فرمایا - کہ تحقیق سُنا ہے اونہوں نے پکار کو - اور لیکن وقت دشمنی کرنے اون کے کے انبیاء اور اولیاء سے بمقتضائے قبضتین (دو مٹھیوں) کے پس اسی وجہ سے بعض قوم نے انبیاء اور اولیاء کی اطاعت کی - اور دوسرے بعض نے اون کی نافرمانی کی جیسا کہ فرمایا ہے باریتعالے نے (وکذالک جعلنا لکل نبیٍ عدواً من المجرمین) ترجمہ اور ایسے ہی کیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے) یعنی اسی طرح ہر ولی کے واسطے بھی کیونکہ انبیاء اور اولیاء اوپر اخلاق الٰہیہ یہ ہیں اون کے ساتھ پیروی کرنے میں - اور اسی لئے مقرر فرمایا ہے - باریتعالے نے ایک قوم کیلئے خدا تعالے کو سجدہ نہ کرنا جو اوس کے حکم کی اطاعت سے کنایہ ہوتا ہے - تاکہ انبیاء اور اولیاء اوس کی اس میں پیروی کریں - جب اون کی قوم اون کے حکم کی نافرمانی کرے - پس اسکو سمجھ لو -

پانچواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے منجملہ اون کی دو روایتوں کے کہ سورہ ص کا سجدہ ضروری اور مہتم بالشان سجدوں میں سے ہے - اور نہیں ہے سجدہ شکر - حالانکہ امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے۔ اور یہی مشہور بھی ہے کہ وہ سجدہ شکر کا سجدہ ہے کہ نماز سے علیحدہ مستحب ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اوسکو نہیں ذکر فرمایا مگر اشارۃً اوس کی تلاوت یا امام سے سننے کے وقت ہم کو سجدہ کی ترغیب کے لئے بالخصوص جب ہم میں سے کوئی کسی معصیت میں مبتلا ہوا ہو۔ اور توبہ نہ کی ہو۔ یا توبہ کی ہو لیکن اوس کے قبول ہونے کا ظن نہ ہو۔ تو وہ شخص نماز کے اندر سجدہ کرنے کا اوس سے باہر سجدہ کرنے کے لحاظ سے زیادہ مامور ہے کیونکہ نماز ایک ایسا دربار ہے۔ کہ بندوں سے اوس کے اندر معافی اور رضامندی غالب ہوتی ہے اور یہ قول چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ وہ شخص جو اوسکو سجدۂ شکر ٹھیراتا ہے۔ اسکو اون اکابر کے ساتھ مخصوص کرتا ہے کہ جو کسی گناہ میں بھی واقع نہیں ہوتے یا واقع تو ہوئے۔ لیکن اون کو قبول توبہ کا ظن غالب ہے۔ اور سوا اس کے نہیں کہ شافعیہ نے جو اوس سجدہ سے نماز کے باطل ہوجانے کا قول کیا ہے۔ اوس کی علت یہ ہے۔ کہ وہ سجدہ بوجہ ایک امر کے ہے جسکا اوس نماز سے کچھ بھی تعلق نہیں جس میں وہ ہے۔

اور ہم تک نہیں پہونچا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سجدہ نماز میں ادا کیا ہو۔ پس اس قول کے قائلوں میں نہ داخل ہوجائیں گے (کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد) ہر عمل کہ نہ ہو اوسپر امر ہمارا۔ تو وہ مقبول نہیں) جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر مذہب کی ایک وجہ ہے۔ پس اسے سمجھ لو +

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ سُور مفصل میں تین سجدہ ہیں (اسطرح) کہ ایک سورۂ نجم میں اور ایک سورۂ انشقاق میں اور ایک سورۂ علق میں حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ اور باقی سجدوں میں دوسرے اماموں کے موافق ہیں۔ اور وہ گیارہ سجدے ہیں سورہ حج کے اخیر سجدہ کے ماسوا۔ اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے اسی طرح دوسرے قول کی وجہ بھی اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ (نہیں سجدہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سور مفصل میں سے (مفصل قرآن شریف کی اوس منزل کو کہتے ہیں جو سورہ حجرات سے لے کر آخر قرآن تک ہے) کسی سورت میں جسوقت سے کہ کوچ فرمایا طرف مدینہ کی۔ پس ہر امام ٹھیر گیا اوس حد پر جو اوس کو پہونچی۔ باوجود اس کے کہ جس نے مفصل کی سورتوں میں سجدہ کو ثابت اوس نے تشدید کی ہے۔ اور جس نے اوس کے اندر سجدہ کا انکار کیا ہے۔ اوس نے تخفیف کی ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فراتے سُنا ہے کہ سوا اس کے نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل کی سورتوں میں بعد مدینہ کی طرف چلے جانے کے اسوجہ سے سجدہ نہیں کیا کہ جسوقت صحابہ رضوان اللہ علیہم مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کر گئے

تھے۔ تو اون میں سے اکثر کے نفوس بکمال ایمان و انقیاد میں مستقر ہو چکے تھے۔ برخلاف اونہیں صحابہ رض کے جبکہ وہ مکہ معظمہ میں تھے۔ کہ اوسوقت اون میں سے بہت طائفے ایسے تھے جن کے اندر کچھ تکبر باقی تھا۔ اِس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اون کے ہمراہ بہت سجدے کرتے تھے۔ تاکہ زائل کردیں اوس کبر کو جو تا لیف قلوب والوں کے نفوس میں تھا اون صحابہ میں سے جو ایمان میں قریب العہد تھے ۔ (انتہیٰ)

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک رکوع سجدۂ تلاوت کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ جب سجدہ کی آیت نماز میں تلاوت کرے۔ حالانکہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ رکوع سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا ۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو رکوع میں سجدہ کی مثل خضوع نہیں کرتے۔ پس اسی وجہ سے رکوع اون کے نزدیک قائم مقام سجدہ کے نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بڑے درجہ کے لوگ رکوع کو بھی اوسی تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح سجدہ کو اس لئے رکوع سجدہ کے قائم مقام ہو جائیگا۔ پس رحم فرماوے اللہ تعالےٰ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر کہ اون کے مطالب کس قدر باریک ہیں اور راضی رہے اللہ تعالےٰ دوسرے اماموں سے ۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک امام کے لئے نماز میں آیت سجدہ کو پڑہنا مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ سجدہ کی آیت اوس نماز میں تلاوت کرنا جن میں آہستہ آواز سے قرءت کی جاتی ہے مکروہ ہے نہ اون میں جن کے اندر آواز سے قرءت پڑھی جاتی ہے۔ اور یہی قول امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہانتک کہ اونھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آیت سجدہ کو آہستہ آواز سے پڑھا تو سجدہ تلاوت نہ کرے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ نہ وارد ہونا ممانعت کا ہے نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کرنے سے۔ اور یہ قول اون بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو باوجود قیام کے طویل نہ ہونے کے بھی سجدہ کی طرف نزول کرنے پر قدرت رکھتے ہیں ۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی اور امام کبھی اپنی استعداد کی کمی کی وجہ سے سجدہ کی نزول کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ لہٰذا قیام کا طویل ہونا مطلوب ہے۔ یہانتک کہ اون کے لئے سجدہ کی اجازت حاصل ہو جائے۔ اور یہ جب کہ جسوقت وہ اوس تجلی کی برداشت پر قوت پالیں جو سجدہ میں ہوتی ہے۔ پس اسی وجہ سے امام کے لئے آیت سجدہ کا پڑہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ (لازم آئیگا کہ) امام نے بار ڈالا اپنے نفس پر اور مقتدیوں پر سجدہ کا۔ اور اگر وہ آیتِ سجدہ نہ پڑہتا تو نہ خطاب کیا جاتا سجدہ تلاوت کی بجا آوری

کا باوجود اس مشقت کے۔ پس اسکو سمجھ لو ۔

نواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب امام تلاوت کا سجدہ کرے اور مقتدی اوس کی متابعت نہ کرے تو نماز اوس کی باطل ہے۔ جیسا کہ (اوس صورت میں باطل ہے) جب امام کے ہمراہ قنوت کو ترک کر دے۔ حالانکہ اون کے ماسوا کا قول یہ ہے۔ کہ نماز باطل نہیں۔ کیونکہ یہ نماز میں سنت ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل امام سے مخالفت کرنا ہے۔ اور مخالفت اقتدا کی قاطع ہے۔ اور جب اقتدا جاتی رہی۔ تو اللہ تعالےٰ کے دربار سے اتصال کی بات دور ہوئی اور جب اتصال جاتا رہا تو نماز باطل ہوئی۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ متابعت واجب نہیں۔ مگر اون امور میں جو نماز کے رکن ہیں۔ پس ہر ایک کی ایک وجہ ہے ۔

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لئے صرف سلام کی ضرورت ہے بغیر تشہد کے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے اور یہی امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے کہ سجدۂ تلاوت کرنے والا جھکنے اور اٹھنے دونوں کے واسطے تکبیر کہے۔ اور سلام نہ پھیرے۔ پس پہلا قول مشدد ہے سلام کی وجہ سے۔ اور دوسرا مخفف ہے بوجہ سلام واجب نہ ہونے کے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا گویا کہ ایک ایسے دربار میں ہوتا ہے۔ کہ مخلوق سے عادتاً اوسمیں غیبوبت ہے۔ لہٰذا اوسکا سجدہ سے فراغت پانا ایسا ہے جیسا کہ کسی قوم سے غائب ہو کر پھر اون کے سامنے آنا۔

اور دوسرے قول کی وجہ عادتاً اوس غیبوبت کا زمانہ قلیل ہونا ہے۔ پس گویا کہ سجدہ کرنیوالا حاضرین سے چھپا ہی نہیں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ آدمی ہمارے نزدیک ولائت میں کامل نہیں ہوتا تاوقتیکہ حق تعالےٰ کے سامنے ایسا سجدہ نہ کرنے لگے۔ کہ مخلوق کے مشاہدہ سے غائب ہو جائے۔ بلکہ اوس راز کا مشاہدہ کرنے لگے جو مخلوق کے ساتھ قائم ہے۔ اور یہ یقیناً خدا تعالےٰ کے حکم سے ہے۔ اور جو کچھ اس سے زائد باقی ہیں وہ کمزور ہیں جنکا درحقیقت وجود ہی نہیں۔ اور گویا کہ وہ معدوم ہیں۔ اور سلام نہیں ہوتا۔ مگر موجود پر۔ اور موجود جو ہے وہ چھپا ہوا اور غائب نہیں۔ پس اسکو سمجھ لو۔ اور یہاں بہت سے راز ہیں جو کتاب میں نہیں لکھے جا سکتے

پس رحم فرماوے اللہ تعالےٰ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر۔ کیونکہ اونہوں نے نہیں قول کیا مگر اسے سلام پھیرنے کے وجوب کا اسی علت کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی کہ کوئی شے ایسی موجود نہیں جس پر اوس سے غائب ہو جانے کے

بعد سلام کرے۔ کیونکہ نماز تو اور اجتماعی دربار ہے۔ جس میں غائب ہونا نہیں ہو سکتا

گیارھواں مسئلہ یہ ہے کہ اماموں کے نزدیک اگر کسی نے بغیر طہارت کے کوئی آیت سجدہ کی تلاوت کی۔ تو اوسے دم بھی سجدہ نہ کرے اور نہ بعد طاہر ہو جانے کے حالانکہ بعض شوافع کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کو چاہئے کہ طہارت کرکے سجدہ کرے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کا مخاطب نہیں ہوتا مگر وہ شخص جو طاہر ہو

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوس شخص پر اوس کے قرآن کو بدون طہارت تلاوت کرنے کی وجہ سے ملامت متوجہ ہوگی نہ اصل کے لحاظ سے اوسپر خطاب متوجہ ہوگا۔ (یعنی طہارت کے وقت سجدہ کرے) لہٰذا اوس کے پورا کرنے کے ساتھ حکم کیا گیا

بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر کوئی مجلس واحد میں آیت واحدہ کو کئی مرتبہ دہرائے۔ تو اوس کے لئے تمام سے ایک مرتبہ سجدہ کر لینا کافی ہے حالانکہ باقی اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ کافی نہیں۔ بلکہ جتنی مرتبہ آیت سجدہ کو پڑھے اتنی ہی دفعہ سجدہ کرنا ضروری ہے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے۔

باب سجدہ شکر کے بیان میں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سجدہ کو نعمت کے تجدد یا کسی کلفت کے دفع ہونے کے وقت مستحب کہا ہے تاکہ سجدہ کرے واسطے شکر ادا کرنے خداوند نعمت کے۔ اور یہی قول امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام طحاوی رضی اللہ عنہ سجدہ شکر کے قایل نہیں ہیں۔ بلکہ امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ نے امام صاحب سے اوسکا مکروہ ہونا نقل کیا ہے۔ جسطرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اوسکو نماز سے باہر مکروہ کہا ہے۔ اور شیخ عبدالوہاب مالکی کا قول ہے۔ کہ سجدۂ شکر میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نعمتیں بندہ پر ہمیشہ رہتی ہیں جیسا کہ تکالیف ہمیشہ اوس سے مندفع ہوتی رہتی ہیں پس نہیں احاطہ کر سکتا بندہ اللہ تعالےٰ کی تعریف کا۔ مگر چونکہ اوس کی طرف بڑی بڑی نعمتیں اور بڑی بڑی تکالیف متجدد ہوتی رہتی ہیں اسلئے اوسوقت سجدہ کرنا زیادہ اچھا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ بندہ کا سجدہ شکر کرنے سے وہم میں ڈالنا ہے۔ کہ شاید حق تعالےٰ کی نعمتیں یہی ہیں جو متجدد ہوتی رہتی ہیں اور مندفع۔ اور اس سے قلتِ شکر کی خبر

تی ہے۔ پس اسی بناء پر مکروہ جانا ہے جس نے اسے مکروہ کہا ہے۔ تو گویا کہ اس سجدہ کا تارک کہتا ہے نہیں احاطہ کر سکتا میں حق تعالےٰ کی ثناء کا اگر سجدہ شروع کرتا میں اپنے سجود ہوتے ی۔ اور ہمیشہ رہتا میں اوسی سجدہ میں ابد الآبدین تک باوجود فرض کرنے اس کے کہ وہ مخلوق ہے یرا۔ تو پس کیونکر شکر ادا ہو سکتا ہے حالانکہ میں اور میرے افعال تمام اوسی حق تعالےٰ کے پیدا کرائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ترک سجدہ تمنتوں اور اونکا سجدہ وغیرہ سے مقابلہ ناممکن ہونے کے ر کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے۔ پس اسکو سمجھ لو ✣

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک نمازی کو مستحب ہے۔ کہ جب وہ ی رحمت کی آیت پر گذرے تو رحمت کا سوال کرے اور اگر عذاب کی آیت پر گذرے۔ تو و مانگے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرض نماز میں اس کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں پس لا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ بندہ کا رحمت کیطرف احتیاج و افتقار ظاہر کرنا اور ترک عقوبت و عذاب حاجتمندی ثابت کرنا ہے۔ بالخصوص محل قرب میں جو نماز ہے۔ اور یہ قول اون اکابر کے ساتھ صوص ہے جو باوجود حقتعالےٰ کی اون تجلیات کے برداشت پر قادر ہونے کے جو اون کے ب پر وارد ہیں۔ گویائی کی قدرت رکھتے ہیں

اور دوسرا قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو اللہ تعالےٰ کی یبت گونگا بنا دے۔ کیونکہ اگر وہ سوال کرنے کا حکم کیئے جائیں تو ہرگز گویائی پر قادر نہ ہوں۔ یا خدا تعالےٰ کی اونپر رحمت ہے کہ اوس امام نے اون کو فرائض میں سوال کرنے کی تکلیف نہ ی۔ کیونکہ اون میں سخت ہیبت اور عظمت الٰہی ہوتی ہے۔ برخلاف نفلوں کے۔ کیونکہ اون پردہ مغلیظ ہوتا ہے۔ اور ہیبت خفیف ہوتی ہے۔ پس اسکو سمجھ لو۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ ننے والا ہے ✣

باب نفل نماز کے بیان میں

چاروں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ وہ نوافل جو مقررہ ہیں اور ہمیشہ فرضوں کے ساتھ ے جاتے ہیں سنت ہیں۔ اور وہ دو رکعتیں قبل فجر ہیں۔ اور دو رکعتیں قبل ظہر و رکعتیں بعد ظہر۔ اور دو رکعتیں بعد مغرب۔ اور دو رکعتیں بعد عشاء ہیں۔ رح اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ جو فرائض فوت ہو جائیں اون کی قضا واجب ہے۔ یہ سائل ہوئے جن میں اتفاق ہے

رہے وہ جن میں اختلاف ہے سو اون میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک فرضوں کے ساتھ کی مقررہ نمازوں میں سب سے زیادہ وتر ہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اون میں سب سے زیادہ مؤکد

قبل فجر کی دو رکعتیں ہیں - اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وتر واجب ہیں
پس پہلا اور دوسرا قول مخفف ہے بوجہ اس کے کہ وتر یا دو رکعتیں قبل فجر والی سنت موکدہ ہیں ا
تیسرا قول مشدد ہے بوجہ ٹھیرانے وتر کے واجب

اور پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں
ایک اعرابی کو جب اوس نے یہ سوال کیا کہ کیا مجھ پر ان پانچ کے سوا اور بھی واجب ہیں ؟ یہ فر
ہے کہ نہیں مگر یہ کہ نفل گذارے تو - پس ظاہر اس فرمان کا پانچ نمازوں سے زائد کے وجوب کی نف
ہے - مگر اوس وقت کہ جب کسی عارضہ کی وجہ سے وجوب ہو جاتا ہے مثلاً نذر کرنے کی وجہ
اور دوسرے قول کی وجہ نماز وتر میں شارع کیطرف سے بہت تاکید ہونا اور فجر کی رکعتوں میں
کا اوس سے کم ہونا ہے - اور جس امر کی شارع نے بہت تاکید فرمائی ہو - وہ وجوب سے زیادہ
ہے - پس ہوگا مرتبہ اوسکا اوپر نفل کے اور کم فرض سے - اور اس میں حقتعالے کا اسقدر ادب
کہ مخفی نہیں کامل پر - پس رحم فرماوے اللہ تعالے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر
اونہوں نے فرض و واجب اور اون کے معانی میں غیریت کا لحاظ رکھا پس کیا اوس نے
جسے خدا تعالے نے فرض ٹھیرایا ہے بلند مرتبہ اوس سے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
فرض فرمایا - اگرچہ آپ اپنی نفس کی خواہش سے کچھ نہیں فرما سکتے - اسمیں ادب ہے اللہ
اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کے ساتھ - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی
جیسی بات کی وجہ سے مدح کو واجب ہے - کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگا
تشریع کا مرتبہ بلند رکھنا خود حضور کی تشریع کے رتبہ پر واجب ہے - اگرچہ یہ مسلم ہے کہ آپ
تشریع بھی بدون خدا تعالے کی اجازت کے نہیں ہو سکتی - اور نہیں لحاظ کیا اسکا اوس شخص
جس نے فرض اور واجب کو مترادف کہا ہے - اور کہدیا کہ صرف لفظی اختلاف ہے ۔

اور حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اون دونوں میں سے ایک کو دوس
پر فضیلت ہے اور اختلاف معنوی بھی ہے جسطرح لفظی ہے - مگر یہ کہ وہ حکم جس کو شارع
واجب کیا ہے اللہ تعالے کے نزدیک مرتبہ میں اوسی کے برابر ہو جس کو خدا تعالے نے
فرمایا ہے - کیونکہ ہم اللہ تعالے کی وہی باتیں جان سکتے ہیں جو شارع نے اوس سے لک
کو دی ہیں - اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے - اوسکا فائدہ یہ ہے کہ مکلف واجب کو اس ط
بجا لاوے کہ اوس کی وقعت دل کے اندر مثل فرض کی رکھتا ہو - اور اس کی نظیر جو ہم نے اسجگہ
کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے واسطے دعا کرنے کے لئے لفظ صلوٰۃ مخصوص کیا گیا ہے نہ ج
کا اور رضا رکا - یعنی یہ بولا جاتا ہے - کہ صلی اللہ علیہ - اور یہ نہیں کہ رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ
لغت کے اعتبار سے وہ صلوات جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے رحمت ہے - اس سے غرض
کی شان کو اولیاء کی شان سے بڑھانا ہے - اور اکثر ایسا ہوتا ہے - کہ شارع چند اشیاء کو ایک ہی ط
مسنون کرتا ہے - لیکن مجتہد اپنے اجتہاد سے اونمیں سے بعض اشیاء کو واجب کر دیتا ہے - ج
ختنہ کرنا - کیونکہ شارع نے اسکو ناخن کترنے اور بغل کے بال اکھیڑنے اور اس کے سوا اون ام

ساتھ ذکر کیا ہے۔ جو فطری خصائل میں سے ہیں مثلاً استنجا کرنا۔ کیونکہ وہ جبلی عادات میں سے ہے۔ اور مالکیہ اوس کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ اسلئے کہ بعض سنتیں اون کے نزدیک ایسی ہیں جو واجب ہیں۔ اور بعض وہ جو واجب نہیں ہیں ✽

اور بعض علماء کو چونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح مذکور سے ذہول ہو گیا۔ اسلئے اون کو امام موصوف کے اس قول سے کہ (وہ سنت ہے) یہ گمان ہوا کہ وہ اوس کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ بنا بر علیہ اپنے درس میں اس کی تقریر کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استنجا کرنا سنت ہے۔ پس اگر کسی نے بغیر استنجا کئے نماز پڑھ لی۔ تو اون کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہو گئی۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔ بلکہ وہ استنجے کو واجب کہتے ہیں۔ اسوجہ سے کہ وہ نجاست ہے۔ جس کا ازالہ نماز سے قبل واجب ہے پس اسکو غور سے سمجھ لو ✽

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عصر سے قبل چار رکعتیں اور ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعتیں مستحب ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اس کا بیان کرنے کے بعد بندہ کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر چاہے تو چار پڑھے اور جو چاہے تو دو پڑھے اور یہ امام موصوف نے عشاء کی اون سنتوں میں جو فرضوں سے پہلے ہیں تشدید کی ہے۔ کیونکہ اونکا چار قرار دیا ہے جیسا کہ فرضوں کے بعد بھی چار ہی عدد سنتوں کا ٹھیرایا ہے۔ پس پہلا قول ظہر اور عصر کی سنتوں میں مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔ اور عشاء کی سنتوں میں اسکا عکس ہے

اور پہلے قول کی وجہ ظہر اور عصر اور عشاء میں فرض ظہر اور عصر میں داخل ہونے سے پہلے نفل زائدہ مشغولیت کا طویل ہونا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کو ظہر کے وقت اللہ تعالےٰ کے جلال کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور عصر کے وقت خوب اپنے پروردگار سے نزدیک ہوتے ہیں لفظ عصر ماخوذ ہے اوس لفظ عصر سے جس کے معنے ملانے کے ہیں جیسے بولتے ہیں عصر الثوب (کپڑے کا نچوڑنا) اور اسوجہ سے عشاء کے وقت اکثر لوگوں پر کثیف پردہ ہے۔ پس قریب قریب اون میں سے کوئی نماز ہائے مذکورہ میں اپنے پروردگار سے مناجات کی لذت نہیں پا سکتا۔

اور رہیں وہ چار رکعتیں جو عشاء کے بعد ہیں۔ تو وہ جبر نقصان کی طرح ہیں۔ کیونکہ اونمیں کثافت پردہ کی وجہ سے کمال حضور نہیں ہوا۔ پس اسکو سمجھ لو

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک دن اور رات کے وقت نماز نفل میں سنت یہ ہے کہ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے۔ پس اگر ایک رکعت پڑھکر سلام پھیر دیا۔ تو تینوں اماموں کے نزدیک جائز ہے خلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا۔ کیونکہ انہوں نے ہر رکعت میں سلام پھیرنے سے منع کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ رات کے وقت چاہے دو رکعتیں پڑھے یا چار یا چھ یا آٹھ ایک ہی سلام سے (اوسکو اختیار ہے) اور دن کے وقت ہر چار رکعتوں پر سلام پھیرے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرے

میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ اکثر لوگوں کے حال کی رعائت رکھنا ہے۔ پس وہ باوجود تجلی وزنی ہونے کے حق تعالے کے سامنے کھڑے ہونے پر قادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا نمازی کا ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرنا اکابر اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے درمیان درمیان ہوگا۔ اور جس نے کہا ہے کہ ہر رکعت پر سلام پھیرے۔ اوس کی وجہ اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے حال کی رعائت رکھنا ہے۔ جو رات یا دن کی نماز میں ایک رکعت کی مقدار سے زائد خدا کے تعالے کے سامنے کھڑے ہونے کی قدرت نہیں رکھتے ۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ اون بڑے لوگوں کے حال کی رعائت کرنا ہے جو باوجود تجلی وزنی ہونے کے حق تعالے کے سامنے مقدار دو رکعتوں سے زیادہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور جس شخص نے دن میں دو رکعتوں سے زیادہ پڑھنے کو منع کیا ہے اوس کی وجہ دن کے وقت اکابر پر خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہونے کا ثقل اور اون کا اسکو محسوس کر لینا ہے۔ برعکس اون کے جو چھوٹے درجہ کے لوگ ہیں کہ تجلی کے ثقل کی زیادتی اور کمی محسوس ہی نہیں کر سکتے

پس رحم فرماوے حق تعالے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر کہ اونہوں نے لوگوں اور اصحاب کے مقامات کی کسقدر رعایت رکھی ہے۔ اور رحم فرماوے اللہ تعالے باقی اماموں پر کہ اونہوں نے اُمّت پر کسقدر شفقت فرمائی ہے

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک کم سے کم عدد وتر کا ایک رکعت ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں۔ اور کمال کا ادنی تین رکعتیں ہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں ایک سلام کے ساتھ نہ اس سے کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وتر ایک رکعت ہوتی ہے جس سے پہلے شفع ہو جو جدا ہو۔ اور اوس سے قبل جو شفع ہو اوس کی کوئی حد نہیں اور لیکن کم سے کم اوس کی تعداد دو رکعتیں ہیں۔ پس پہلے قول میں تشدید۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے۔ اور تیسرا تخفیف کے قریب ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ شارع کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔ اور اس میں کہ بندہ کو وتر نماز کے اندر زیادتی کمی کا اختیار ہے۔ حکمت یہ ہے کہ شارع نے اپنی اُمّت کے مختلف طبقات کے احوال کی رعائت کی ہے۔ بہ لحاظ اس کے کہ نماز وتر کی اخیر رکعت میں دیر سے حضور نصیب ہوتا ہے اور بعض کو جلدی۔ ایسی اخیر رکعت جو فردی فرد[1] ہے۔ جیسا کہ فرمایا باری تعالے نے (وکلھم آتیہ یوم القیامۃ فردا) (ترجمہ) اور ہر ایک اون میں کا آنے والا ہے اوس کے پاس قیامت کے دن تنہا پس جو شخص کہ استعداد اوس کی قوی ہے اور اوسکو پہلی ہی رکعت میں اللہ تعالے کے ساتھ حضور حاصل ہو جاتا ہے یا تیسری رکعت میں تو وہ اوسی پر اکتفا کرے۔ اور جسکو حضور حاصل نہیں ہوتا۔ تو اوس کے لئے زیادتی جائز ہے۔ یہانتک کہ حضور حاصل ہو جاوے اور یہ گیارہ رکعت

[1] یعنی طاق ... ۱۲ منہ

سے یا تیرہ سے یا اس سے بھی زائد سے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ کہ تین رکعتوں پر زیادتی نہ کی جاوے یہ ہے۔ کہ وہ وتر رات کے وتر ہیں جس طرح فرض مغرب دن کے وتر ہیں۔ اور ثابت شدہ قوانین سے ہے یہ کہ مشبہ بہ مشبہ سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ پس حتی الامکان نہ اوس پر زیادتی مناسب ہے نہ اوس سے کمی

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ نفل نام نہیں رکھا جاتا مگر اوس شئے کا جس کی نظیر منجملہ فرائض کے ہو۔ اور جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اوس کو نفل نہیں کہا جائیگا۔ البتہ اوس کے بارہ میں صرف اسقدر کہدینگے۔ کہ یہ عمل اچھا اور بھلا ہے

اور شیخ موصوف سے بارہا سنا ہے کہ نفل نہیں ہوتا۔ مگر اوس شخص کے لئے جس کے فرائض مکمل ہو چکے ہوں۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ وہی معصوم ہیں۔ اور بعض اولیاء اللہ کبھی انبیاء کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ تو اون کے لئے بڑے نام (کوئی شئے) نفل ہو جاتی ہے ٭

اور میں نے شیخ موصوف کو یہ بھی فرماتے سنا ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے اس قول کی کہ نمازی وتر کی رکعت میں سورت اخلاص اور معوذتین پڑھے۔ یہ وجہ ہے کہ جس نے وتر نماز پڑھی اوس نے ایک بیان کیا خدا تعالے کو اور شرک اوس سے مٹ گیا۔ اور نیک بختی کے رستہ میں داخل ہوا اور یہ ابلیس کو بہت مبغوض ہے۔ فلہذا ان دونوں اماموں نے معوذتین پڑھنے کا حکم کیا۔ شیطان کے مکر اور اوس کے وسوسہ کے دور کرنے کے لئے۔ پس یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی کہ وتر کی اخیر رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھے وجہ یہ ہے کہ اوس (عالی) دربار میں شیطان کے وسوسہ کا کچھ خوف نہیں۔ اور یہ قول بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ (انتہیٰ)

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص نے وتر پڑھکر تہجد کی نماز پڑھی وہ وتر کو نہ لوٹاوے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ اوس وتر کو ایک رکعت اور ملاکر شفع بناوے پھر اوس کو لوٹاوے۔ پس پہلا قول اعادۂ وتر کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی پیروی کرنا ہے کہ (لا وتران فی لیلۃ) (ترجمہ) ایک شب میں دو مرتبہ وتر نہیں)۔ اور یہ قول اون بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکی توحید پر ابلیس کا کچھ بس نہیں چلتا۔

اور دوسرے قول کی وجہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اتباع ہے۔ اور یہ قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو کثرت توحید سے ملال میں نہیں پڑتے۔ اور نہ شیطان

کا اوسپر کچھ طلب ہے ۔ اور حدیث سابق کے معنے یہ ہیں ۔ کہ جس نے قبل سونے کے وتر پڑھ لئے تو اوس نے اپنے حق کو پورا کر دیا ۔ پس جب سو چکنے کے بعد نماز پڑھنے کا ارادہ کرلے ۔ تو اوس کے لیئے جائز ہے ۔ کہ اوس کو شفع پر ختم کرے ۔ تاکہ شارع کے اس قول پر عمل ہوجائے کہ (لا وتران فی لیلۃ) تو مطلب یہ کہ جس شخص نے اپنی آخر نماز کو رات کے وقت شفع سے ختم کیا ۔ تو وہ اس بارہ میں میرے امر اور سنت کے تحت میں ہے ۔ اور جو اس کو سمجھ گیا اوس کو پھر نقض کی حاجت نہ ہوگی ۔ پس اسکو خوب سمجھ لو ✦

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے نصف ثانی میں وتر کی آخر رکعت میں قنوت پڑھنا مستحب ہے ۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک تمام سال وتر کے اندر قنوت مستحب ہے اور یہی قول شوافع میں سے ایک جماعت کا ہے جیسے ابن عبدان اور ابو منصور بن مہران اور ابو الولید نیشا پوری پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد ۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ شارع نے صرف رمضان شریف کے نصف ثانی میں ایسا کیا ہے نہ دوسرے زمانہ میں ۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوس کو پڑھنا ۔ اور ہر فعل (آپ کا) ہمیشگی کو مقتضی ہے پس امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے احتیاط کو لے لیا ۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ توحید کے بعد دعا کرنا وتر کو رد نہیں کرتا ۔ جیسے خدا تعالےٰ نے کیلئے اوس کی فردیت اور احدیت اور واحدیت کی گواہی دینا ۔ اور اوس دربار میں مومنین (مرد) اور مومن (عورتوں) کے لیئے دعا کرنا ۔ اور وہاں صرف اپنے نفس کو دعا کے ساتھ مخصوص نہ کرنا جوانمردی کی بات ہے پس اسکو سمجھ لو ✦

ساتواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک ماہ رمضان میں تراویح کی نماز بیس رکعت ہیں ۔ اور اونکو جماعت سے پڑھنا افضل ہے ۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی چند روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ چھتیس رکعت ہیں اور اگر ان کو مکان میں پڑھے تو مجھ کو پسند ہے ۔ اور یہی قول امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا ہے ۔ کیونکہ اونہوں نے کہا ہے کہ جو شخص تراویح کو اپنے مکان میں ایسے پڑھ سکتا ہو جیسے امام کے ساتھ تو اچھا یہی ہے کہ اپنے گھر میں پڑھے ۔ پس پہلے قول میں اس اعتبار سے کہ تراویح کو جماعت سے پڑھنے کا حکم ہے تشدید ہے ۔ اور عدد کے اعتبار سے تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تراویح کی جماعت کرنا نمازیوں پر رحمت کا سبب ہے ۔ کیونکہ ان میں سے کوئی اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہو کر بیس رکعت نہیں پڑھ سکتا ۔ اس لیئے اون کیواسطے بہتر یہ ہے کہ تراویح کو جماعت سے پڑھیں اس خوف سے کہ کہیں اون کے نفس اللہ تعالےٰ کی ہیبت سے ہلاک نہ ہو جائیں ۔ اور اوس کی درگاہ سے باہر نہ ہو جائیں بوجہ نہ ہونے اوس شخص کے کہ جس کی خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے میں پیروی کریں برخلاف اوس صورت کے کہ جب

وہ جماعت سے پڑھیں اور یہ قول ضعیف لوگوں کے ساتھ خاص ہے

اور دوسرے قول کی وجہ اون بڑے لوگوں کے حال کی رعایت کرنا ہے جو خدا تعالےٰ کے سامنے تنہا بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور اون کو مسجد میں لوگوں کے سامنے ریار کے ساتھ کھڑے ہونے کے وقت اپنی جانوں کا بھی خوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آ جائیگی انشاء اللہ تعالےٰ جہاں فرائض کی جماعت کرنے کا بیان ہوگا۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک فوت شدہ نمازوں کی قضا اون اوقات میں جائز ہے جن میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی نماز ہے کہ اوس کے لئے ایک سبب ہے۔ لہذا ایسا ہو گیا جیسا بادشاہ کا اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دیدینا بعد اس کے کہ اوس نے لوگوں کو اوس میں داخل ہونے سے منع کر دیا ہو +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے منع کرنا عام اور کسی نماز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ پس شامل ہے (ممانعت کا قول) قضا نمازوں کو جس طرح اوا کو شامل ہے۔

اور توضیح اس کی یہ ہے کہ یہ اوقات حق تعالےٰ کے غضب کے اوقات ہیں۔ اور بادشاہوں کے غضبناک ہونے کے وقت اون کے سامنے کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ زوال کا وقت ایسا ہے کہ اوسوقت کسی انسان کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا برخلاف زوال کے بعد کے کیونکہ اوسدم اگر کوئی انسان سجدہ نہ بھی کرتا ہو۔ تو اوس کا سایہ (سجدہ کرنے میں) انسان کے قائم مقام ہوتا ہے +

اور رہا یہ کہ علمار نے جمعہ کے روز استواء اور ٹھیک دوپہر کے وقت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ سو اوس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں وارد ہے کہ ان جہنم تسجر کل یوم وقت الاستواء الا یوم الجمعۃ (ترجمہ) بیشک دوزخ ایندھن سے بھرا جاتا ہے۔ ہر دن ٹھیک دوپہر کے وقت مگر جمعہ کے دن (کہ اوس روز ایسا نہیں ہوتا) اور اوس کو ایندھن سے بھرنا غضب الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کی وجہ کہ اوقات مکروہ میں حرم مکہ کے اندر نماز پڑھنا نہی سے مستثنیٰ فرمایا ہے کہ بندہ اوس جگہ بلکہ حقیقی (خدا) کے خاص دربار میں ہوتا ہے ایسا کہ گویا (اوس کے) گھر والوں یا منجملہ اوس کے خادموں کے ہے جو خدمت کرنے کی غرض سے کسی وقت بھی اوس کے پاس جانے سے منع نہیں کئے جا سکتے +

اور اس کی وجہ کہ عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک اور صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک نماز سے منع فرمایا یہانتک کہ بقدر ایک نیزہ کی چڑھ جاوے یہ ہے کہ آفتاب پرست اوسوقت آفتاب کو سجدہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں پس منع فرمایا ہم کو شرع نے اوسوقت خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے اندر اون کی موافقت کرنے سے تاکہ اون کی شرکت سے دور رہیں

اونکی سے صورت عبادت میں اگرچہ ارادہ اور قصد مختلف ہو (آفتاب پرست اور خدا پرست کا) پس جس نے عصر یا صبح کی نماز اول وقت پڑھی - تو اوس کے حق میں نہی نہی تحریم ہے - یعنی ایسی تحریم جس طرح وسائل اور ذرائع کی تحریم ہوتی ہے - نہ تحریم مقاصد (کیونکہ مقصد تو خدا کی عبادت کرنا ہے) جیساکہ حیض والی عورت سے ناف اور گھٹنے کے درمیان کسی عضو سے نفع حاصل کرنے کے بیان تحریم میں گذر چکا ہے - کہ اگرچہ اصلی حرام صرف عورت کی شرمگاہ سے نفع اٹھانا ہے -

اور ہم کو پہنچا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو عصر کے بعد نفل نماز پڑھتے دیکھا - تو آپ اونپر درّہ لے کر چڑھ آئے - پس حضرت حذیفہ رضی نے کہا کہ سوا اس کے نہیں کہ ہم کفار کی موافقت کی وجہ سے منع کئے گئے تھے - اور وہ اب سجدہ (آفتاب) کو نہیں کرتے - تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اون سے فرمایا کہ کیا یہ وجہ تمام لوگ جانتے ہیں (انتہیٰ)

یہ سبب ہے نمازی کے لئے جب وہ عصر اور صبح کی نماز پڑھ چکے - تو علماء نے اور نماز کا دروازہ بند کر دیا - تاکہ یہ امر ترقی کرتے کرتے آفتاب کو سجدہ کرنے میں موافقت کفار تک نہ پہونچ جائے - پس اسکو سمجھ لو +

نواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے مرجح قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اوس شخص کے لئے جس کی مقررہ سنتوں میں سے کوئی سنت (نماز) فوت ہو جائے مسنون ہے - کہ اوس کی قضا کرے اگرچہ اوقات مکروہ ہی میں کر لے مثل فرائض کی - حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اوس کی فرض کے ساتھ قضا کر سکتا ہے جبکہ فرض بھی فوت ہو گیا ہو - اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ وہ قضا نہ کی جائے - اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول قدیم ہے - پس پہلا تشدید ہے - اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے - اور تیسرا تخفیف ہے - لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اونکو فرضوں پر قیاس کیا گیا جب وہ فوت ہو جائیں علت جامع یہ ہے کہ اون سنتوں کے واسطے (مثل فرض کی) اوقات مقرر ہیں - اور وہ سنتیں اوس نقصان کو پورا کر دیتی ہیں جو فرائض میں ہو جاتا ہے - پس جس نے اونکی پورے طور پر قضا کی تو اوس نے اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا ادب برتا - اسوجہ سے کہ اوس کی طرف ناقص شئے کا ہدیہ نہیں کیا - جیسے اوس کی نظیر قربانی اور کفارہ وغیرہ میں ہے - اگرچہ سب کچھ اوسی کی طرف آتا جاتا ہے

اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے - کہ جو مقررہ سنت مع اپنے فرض کے فوت ہو چکی ہے - وہ ادا کے مشابہ ہے - پس فرض نہ اٹھے - مگر اسطرح کہ اوس کے نقصان کو پورا کرنے والا (یعنی سنت) اوس کے ہمراہ ہو -

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - کہ مغرب کے بعد دو رکعتوں کو جلد پڑھ لو - کیونکہ وہ فرضوں کے ساتھ (آسمان کی طرف) اٹھائی جاتی ہیں - پس اسی پر اون کے سوا دوسری سنتوں کو بھی قیاس کرینگے +

اور علماء نے ذکر کیا ہے۔ کہ بادشاہان دُنیا کے آداب میں سے ہے۔ کہ اون کے خدمتگار کے عضا
میں کوئی نقص نہ ہو جیسے برص یا جذام۔ تاکہ نہ پڑے نظر اون کی ناقص پر۔ اور جو بات بادشاہان دُنیا کے
ساتھ ادب میں ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ ہی اس قسم کی بلاؤں کا پیدا کنندہ ہے۔ پس اسکو سمجھ لو +

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قدیم قول کی کہ مقررہ سنتوں کی قضاء نہیں
ہوتی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہر وقت کے لئے خدمت کا حصہ ہے۔ اور جب کوئی وقت خدمت سے خالی
وقت ہو گیا۔ تو وہ وقت خالی ہی چلا گیا۔ پس کس وجہ سے ارادہ کرتا ہے بندہ اسکا کہ آنے والے
وقت کو اوس عبادت سے خلل کر دے۔ اور گذرے ہوئے وقت کو اوس سے پُر کر دے۔ کیونکہ بہر
صورت ایک نہ ایک وقت کا عبادت سے خالی رہ جانا ضرور لازم آتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ وہ کرتا ہے
سب صحیفہ میں (لکھا ہوا) ہے۔ پس جو شخص اپنی عبادت مستقبلہ کو وقت ماضی کے لئے ٹھیرا لے
گویا اوس نے صحیفہ کی نیچے کی جانب کے لکھے ہوئے کو شروع صحیفہ کیطرف نقل کر دیا۔ اور
خاص بڑے لوگوں کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسرا قول بالخصوص چھوٹے درجہ کے لوگوں
کے اعتبار سے ہے۔

پس رحم فرماوے اللہ تعالیٰ آئمہ مجتہدین پر کہ اُنہوں نے حقتعالیٰ اور اوس کے بندے اور
بعض کا بعض کے ساتھ کسقدر ادب ملحوظ کیا ہے۔ کیونکہ ہر وہ بات جس کو ایک مجتہد نے ذکر
نہیں کیا۔ اوسکو دوسرے نے ذکر کیا ہے بندوں کے فوقانی اور تحتانی خواص اور مجوبین کے درجات
کی رعایت کی وجہ سے

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اوس شخص کے
لئے جو مسجد میں داخل ہوا۔ اور جماعت کھڑی ہو چکی ہے۔ یہ جائز نہیں۔ کہ تحیۃ المسجد پڑھے۔ یا کوئی
نماز۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ جب صبح کی نماز میں دوسری
رکعت نہ ملنے کا اندیشہ نہ ہو۔ تو مسجد سے باہر فجر کی دونوں سنتوں کے پڑھنے میں مشغول ہو جائے
(اوسوقت) کہ جب جماعت کے کھڑے ہوتے وقت وہ شخص مسجد سے باہر ہو۔ پس پہلا قول تشدد
تحیۃ المسجد کے بارہ میں۔ اور دوسرے قول میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ فرضوں میں بندہ پہ ہیبت اور تعظیم کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور بندہ کو معلوم
ہے۔ کہ اگر وہ فرائض میں ادب کے اندر کچھ خلل ڈالے۔ تو اللہ تعالیٰ اوس سے بہ نسبت اوس صورت
کے زیادہ پکڑ کریگا کہ جب وہ نوافل میں ادب کے اندر خلل انداز ہو۔ پس قصد اوس بندہ کا بہ نماز
تحیۃ المسجد کے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اوس ہیبت اور تعظیم کی برداشت پر جو فرائض میں اوس کے
لئے آنے والی ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ اس کی سخت رعایت رکھتا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ اوس نماز کی
کم سے کم ایک رکعت ملجائے۔ اس امید کی وجہ سے کہ شاید اللہ تعالیٰ اوسے کو اون لوگوں
میں سے جنہوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے کسی خاص بندہ کے طفیل میں بخشدے۔ اور اوس خاص
کی تمام مقتدیوں کے حق میں شفاعت قبول فرماوے۔ یا اوس کے ساتھ تمام لوگوں کو بخشدے +

و کا باعث ہو۔ اور سلطان کو شاہان زمانہ کے ساتھ ادب

اور کبھی کسی بندہ کے دل میں حق تعالےٰ کی ہیبت مستحکم ہو جاتی ہے - تو وہ فرض نماز میں خ
تعالےٰ کے سامنے تنہا کھڑا ہونے پر قادر نہیں رہتا - پس ایسے شخص کو جماعت کے ساتھ کھڑ
ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں حاضری کے ادب کے ساتھ مشغول رہے
(یعنی سنتیں پڑھے) اور اوس فرض نماز میں حق تعالےٰ کے ساتھ حضوری کو بوجہ جلجانے اور ر
کے شدت ہیبت سے فوت کر دے - جیسا کہ اوسکو وہ شخص خوب جانتا ہے - جس نے اصلی
اور واقعی طریقہ پر نماز پڑھی ہو - اسکو غور سے دیکھو - اور سمجھو - کیونکہ یہ بہت نفیس مضمون ہے

گیارھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر وہ وقت جس
اندر نماز پڑھنے سے شارع نے منع فرمایا ہے - نہیں صحیح ہے قضا کرنا کسی نماز کا اون میں اور ن
نفل پڑھنا مگر سجدۂ تلاوت (کہ وہ صحیح ہے) حالانکہ امام شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے
ہر وہ نماز جسکا کوئی سبب پہلے گذر چکا ہو - اون اوقات میں ادا کرنا جائز ہے - جیسے نماز تحیۃ الم
المسجد و تحیۃ وضو) اور طواف کی دو رکعتیں اور وہ نماز جس کی نذر مانی ہو - اور سجدۂ تلاوت اور وہ رکعتیں
وضو کے بعد والی - پس پہلا قول مشدد ہے - اوس وقت نماز کے صحیح نہ ہونے میں - اور دوسر
قول میں تخفیف ہے - اور ان دونوں قولوں کی توجیہ اسی باب میں گذر چکی ہے - اور اماموں کا اسپر اتفاق
ہے - کہ نماز عصر اور صبح پڑھ لینے کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے - یہانتک کہ آفتاب غروب ہو جا
یا طلوع ہو جائے - اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز طلوع آفتاب
کے وقت پڑھی وہ صحیح نہ ہوئی - اور جو نماز صبح میں شروع ہوا - پھر درمیان نماز میں آفتاب
طلوع کیا تو نماز باطل ہوئی

بارھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم
نزدیک فجر کی دونوں سنتوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے - حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول
یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے - پس پہلا قول کراہت میں مشدد ہے - اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اسی میں ہے - کیونکہ
ہم کو نہیں پہونچا - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بعد دونوں سنتوں نماز فجر کے نفل پڑھا کرتے
ہوں - ہاں سوا اس کے نہیں کہ آپ اپنے اصحاب سے باتیں کیا کرتے تھے - اور اگر کوئی بات
کرنے کو نہیں ملتا تھا - تو کروٹ سے لیٹ جاتے تھے - اور اپنے سر کو ہاتھ کھڑی کر کے اوس
اٹھائے رکھتے تھے - یہانتک کہ نماز کے لئے تکبیر پڑھی جاتی - پھر بیشک یہ قول اون لوگوں کے
ساتھ خاص ہے جو شب خیز ہیں - اور اللہ تعالےٰ کی تجلی کے وقت کو پا لیتے ہیں - یہانتک
بوجہ خوف اون کے جوڑ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں - لہٰذا فجر کی دونوں رکعتوں کے بعد
(اون کے لئے) نماز کا ترک کرنا مثل دوا کی ہے اوس تعب اور مشقت کے ازالہ کی جو اون
پہونچ چکی ہے - پس یہ قول ایسے لوگوں کے حال پر محمول کیا جائیگا - اور امام ابو حنیفہ رضی
اللہ عنہ کا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں پر محمول ہے - جو باوجود جاگنے کے تجلی الٰہی میں حاضر ہو
کی قوت نہیں رکھتے - اور (نہیں تو) اوس وقت سوئے پڑے رہتے ہیں - اور اسی قول کو اکا

کے حال پر بھی محمول کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ جو تجلی الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اون کو خداتعالےٰ نے اون کے تحمل پر قادر بنایا ہے۔ تو اون کے لئے بھی نفل پڑہنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ اس پر قادر ہیں جیسے چھوٹے درجے کے لوگ۔ پس اسکو سمجھ لو +

تیرھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑہنے کی نہی سے مکہ شریفہ میں نفل پڑہنا مستثنیٰ ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ اور یہی امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مکہ شریفہ میں نفل پڑھنے والا مثل بادشاہ کے خدمتگار کی ہے۔ جو گھر میں رہتا ہے۔ اور اوس کو اجازت ہے کہ جس وقت چاہے رات میں دن میں اوس کی خدمت میں حاضر ہو برخلاف اون لوگوں کے جو اطراف واکناف سے بادشاہ کے پاس آتے ہیں۔ کہ وہ اوس کے پاس نہیں جاسکتے :۔ تاوقتیکہ بادشاہ کے خدام کے ذریعے سے اونکو داخل ہونے کی صریح اجازت نہ ہو جائے۔ اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے امیر کبیر کیوں نہ ہوں پس اسکو سمجھ لو

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدمتگار کو اگرچہ بادشاہ کے پاس ہر وقت حاضر ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی اون کو اسقدر ادب ضروری ہے۔ کہ بغیر نئی اجازت کے نہ حاضر ہوں۔ کیونکہ حق تعالےٰ پر کسی قسم کی قید اور نعوذ باللہ پابندی نہیں۔ لہٰذا اوس کے لئے جائز ہے کہ اپنی دی ہوئی اجازت سے رجوع کر جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ احکام شرعیہ میں نسخ ہوتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ آجکل اس مسئلہ میں اہل اسلام کا باہم نزاع ہے۔ کہ اللہ تبارک نے اپنے فرمان کے غلاف پر قدرت ہے۔ یا نہیں۔ اس کتاب کے مضمون مذکورہ سے یقین کی تائید ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

باب نماز جماعت کے بیان میں

اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑہنا مشروع ہے۔ اور اسپر کہ اوس کو اوس میں ظاہر کرنا واجب ہے۔ پھر اگر وہ لوگ اوس جماعت سے باز رہیں۔ تو اون سے قتال کیا جائے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ مقتدی کو جماعت کی نیت کرنا واجب ہے۔ اور اسپر بھی کہ کم سے کم جماعت والوں کی دو ہیں۔ ایک امام اور ایک مقتدی جو اوس کی داہنی جانب کھڑا ہو۔ پس اگر داہنی جانب کھڑا نہ ہو۔ تو امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز اوس کی باطل ہے۔ جب کہ دوسرا آجائیگا۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ جب امام سلام پھیرے۔ اور مقتدی لوگ مسبوق لوگ ہوں مسبوق اوسے کہتے ہیں جو امام کے ساتھ ایک رکعت یا زیادہ ہو جانے کے بعد شریک ہو کی نماز میں اگر اپنے لوگوں میں سے اشارہ کرکے ایسے شخص کو آگے کر دینا جو اون کی نماز کو پورا کر دے۔ تو جائز نہ ہوگا۔ برخلاف غیر جمعہ کے۔ کہ اوس میں اگر ایسا کیا تو علماء اوس میں مختلف ہیں

ہیں - جیسا کہ عنقریب آ جائیگا

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جو نمازی وقتی فرض میں داخل ہوا پھر جماعت کھڑی ہوئی - اور یہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہے - تو اوس شخص کو اپنی نماز قطع کرنا جائز نہیں ہے جماعت میں شریک ہونے کے لئے -

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ جب صفوف لگاتار چلی جائیں - اور ان کے درمیان میں کوئی رستہ یا کوئی نہر حائل نہ ہو - تو اقتدا صحیح ہے

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کا مقتدی بن سکتا ہے

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ نابینا کا امام بننا مکروہ نہیں - مگر ابن سیرین کے نزدیک جیسا کہ عنقریب آ جائیگا -

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ فرائض میں عورت مردوں کی امام بنے - تو صحیح نہیں - اور اسپر بھی کہ محدث کے پیچھے نماز جائز نہیں -

اسی طرح اسپر بھی اتفاق ہے کہ مقتدی کا امام سے بلا ضرورت بلند ہونا مکروہ ہے - یہانتک وہ مسائل ہوئے جو اس باب میں مجھ کو اتفاقی معلوم ہوئے - رہے وہ جنمیں اختلاف ہے سو اون میں سے

پہلا مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمعہ کے سوا باقی فرائض میں جماعت فرض کفایہ ہے - اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں سے بھی صحیح تر یہی ہے - حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ جماعت سنت ہے - اور یہی قول اکثر اصحاب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ہے - اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے - لیکن نماز کے صحیح ہونے کی اون کے نزدیک جماعت شرط نہیں ہے - ہاں اگر جماعت کے ہوتے ہوئے تنہا ہو کر نماز پڑھی - تو سخت گنہگار ہوا - اور نماز اوسکی صحیح ہوئی - پس پہلے قول میں تشدید ہے - اور دوسرا مخفف ہے - اور تیسرا مشدد ہے - لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ مقصود اصلی جماعت سے دین کے شعار کا قائم کرنا ہے - دونوں عالم ظاہر اور باطن میں بوجہ الفت حاصل کرنے قلوب اور ابدان کے - پس ضرور ہے - کہ شہر میں ایک ایسا گروہ موجود ہو جو جماعت کو قائم رکھے - ورنہ دین کے پوشیدہ کرنے اور ایک دوسرے کی مدد اور تقویت کے فوت ہو جانے تک نوبت پہنچیگی - اور اہل کفر کا کلمہ اہل ایمان کے بول پر غالب آ جائیگا -

اور نیز جماعت کی نماز چھوٹے درجہ کے لوگوں کے لئے منجملہ رحمت خداوندی کے ہے - تاکہ کثرت جماعت کے مشاہدہ سے ڈھیٹ ہو جاویں - اور بوجہ دیکھنے بعض اون کے کے بعض کو رب الارباب کے روبرو ایسے دربار میں کھڑے ہوئے کہ جس میں ملائکہ اور انبیاء کے اعضاء قریب بہت ٹوٹ جانے کے ہوتے ہیں - پس اگر تنہا نماز پڑھنے والا اوس دربار میں اکیلا کھڑا ہو جاوے - اور پھر حق تعالے کی ہیبت اوس کے لئے ظاہر ہو تو اپنی نماز کے تمام کرنے تک بوجہ اوس کے اعضاء کے جدا

کھل جانے کے کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوگا یہانتک کہ لرزنے لگے۔ پس گویا حق تعالےٰ کی اوس کے ساتھ رحمت ہے کہ اوسکو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا (تاکہ) اوسکو اون لوگوں کے ساتھ میں پیروی کرنا صحیح ہو۔ اور ارادہ پختہ ہو جاوے۔ جیسا کہ اوس کو وہی شخص خوب سمجھتا ہے جس نے حقیقی نماز پڑھی ہے۔ کیونکہ جو لوگ عادت کی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ اسکو کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ انتہا اوس شخص کی یہ ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اطمینان کے ساتھ ادا کرے اور جو کچھ اذکار اور آیات قرآنیہ پڑھی جائیں۔ اون کے معانی کا لحاظ کرلے۔ اور ایسا شخص اوس سے غائب ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اسلئے کہ وہ صرف افعال واقوال ظاہری کی رعایت رکھتا ہے پس اسکو سمجھ لو +

اور جس نے یہ کہا ہے کہ جماعت سنت ہے۔ اوس کی وجہ جماعت کو اون سنتوں کے ساتھ لاحق کرنا ہے جسکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ اور اون کو واجب نہیں فرمایا جیسا کہ مجتہد کو جائز ہے کہ جماعت کو واجبات کے ساتھ لاحق کردے۔ جیسا کہ نماز جمعہ میں اپنے اجتہاد کے تقاضے سے۔ اور اسی طرح حکم ہے تمام اون امور میں جسکو شارع نے کیا ہے۔ اور ہم کو یہ نہیں تلایا۔ کہ وہ واجب ہے یا مستحب ہے۔ پس جو امام کا مقلد ہو۔ وہ اوس کے حکم کا اتباع کریگا۔ خواہ وہ واجب کہے یا مستحب۔ اور جو مقلد نہ ہو۔ تو اوس کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا کافی ہے اوس فعل کی بجا آوری میں۔ اسطرح کہ وہ اوسکو بجالاوے۔ اور اس سے قطع نظر رکھے۔ کہ وہ فعل واجب ہے یا فرض ہے یا سنت تاکہ (یہ لازم نہ آوے) کہ اس نے روک ٹوک کردی اوس امر میں جسکو شارع نے فراخ کیا تھا۔ رہا یہ کہ اس نے فراخ کردیا۔ اوس امر کو جسے شارع نے تنگ کیا تھا۔ اور اللہ والوں کی ایک جماعت اسی ڈھنگ پر ہے

اور جس نے کہا ہے کہ جماعت فرض عین ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے کہ قائل نے ظاہر احادیث کو لیا ہے۔ (اور یہ خیال کیا ہے) کہ سخت خوف اور کفار سے کارزار گرم ہونے کے وقت (بھی) حق تعالےٰ نے جماعت کا حکم فرمایا ہے۔ تو اگر وہ واجب عین نہ ہوتی۔ تو ضرور خداوند تعالےٰ اوس کے ساتھ ایسے وقت کہ جب لوگ سخت پریشان ہو رہے ہوں نرمی فرماتا مگر ایسا نہیں۔ بلکہ حکم فرمایا ہے خدا تعالےٰ نے جماعت کا بندوں کو سخت قتل وقتال کے وقت (بھی اور) حکم (بھی) عام۔ اور نہیں نرمی فرمائی کسی سے جماعت سے پیچھے رہ جانے میں۔ مگر اون باقی مقاتلین کے لئے جو ایک گروہ کے نماز میں مشغول ہونے اور اوس سے مناجات کرنے کے وقت حفاظت کرنے کے لئے رہ جائیں۔ پھر جب گروہ مذکور اسقدر نماز پڑھ چکیں جتنی اون کے واسطے مشروع ہے۔ تو تکبیر تحریمہ قائم کریں حفاظت کرنے والے اوس امام کے ساتھ اسی طرح

اور اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ حفاظت کرنے والے نہ ہوں۔ تو نمازیوں کا خدا تعالےٰ کے ساتھ حضور کامل نہ ہو۔ بلکہ بعض تو اس خوف سے کہ کہیں دشمن دھوکے سے نہ مار ڈالے ادھر ادھر دیکھنے لگینگے۔ کیونکہ (بندوں میں) وہ جزو ضرور موجود ہے کہ غیر اللہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ قلیل تو ہو جاتا ہے۔ لیکن بالکل معدوم نہیں ہوتا پس اسکو سمجھ لو +

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک زیادہ لوگوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنا بہتر ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت اوسی قدر ہے جسقدر کثیر لوگوں کے ساتھ پڑھنے کی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور اون کمزور لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو صرف ایک یا دو آدمیوں کے ساتھ خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے پر قادر نہیں۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور اون قوی لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو صرف ایک آدمی کے ساتھ بھی خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے کو طویل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اون کو خدا تعالےٰ کا علم جزو بشری سے زائد اور اوسپر غالب ہے۔ برخلاف اون کے غیر کے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک عورتوں کے لئے اپنے گھروں میں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اون کی جماعت مکروہ ہے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جماعت نہیں مشروع ہوئی۔ مگر بعض قلوب مومنین کی بعض سے الفت پیدا کرنے کی غرض سے تاکہ (سب کے اتفاق سے) دین کی مدد اور اوس کی علامات کا قائم کرنا حاصل ہو۔ کیونکہ قلوب جب الفت پذیر نہ ہونگے۔ تو امر منکر کے ازالہ میں بعض بعض کو مانع آئینگے۔ بوجہ بغض رکھنے کے اوس شخص سے جو اوسکے ازالہ چاہتا ہے پس فاسد ہو جائیگا انتظام دین کا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عورتیں ایسے کاموں کے واسطے تیار نہیں کی گئی ہیں۔

اور پہلے قول کی وجہ ثابت رکھنا شارع کا ہے اپنے زمانہ میں عورتوں کی جماعت کو اور برقائم کرنے اون کے جماعت کو اپنے گھروں میں اور مسجدوں میں مردوں کے پیچھے پس اون کی جماعت میں اگرچہ جہاد اور ازالہ منکرات کی غرض نصرت دین نہیں ہے۔ لیکن اوس میں مومن اور مسلمان عورتوں کے قلوب کے الفت پذیر ہو جانے کا (فائدہ ہے) اور یہ باطن کے اعتبار سے خدا تعالےٰ کے سامنے نصرت دین کیطرف رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ خدمت کا مکلف ہونا مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہے۔ پس اسے سمجھ لو۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک امام پر جمعہ کے سوا اور نمازوں میں امامت کی نیت کرنا واجب نہیں۔ البتہ صرف مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ امام کو اپنے امام ہونے کی نیت کرنا واجب نہیں ہے مگر اوس وقت کہ عورتیں اوس کے پیچھے (نماز پڑھتی) ہوں۔ اور اگر مرد ہی مرد ہوں۔ تو واجب نہیں۔ اور امام موصوف نے مستثنیٰ کیا ہے نماز عرفہ اور نماز عیدین کو اور کہا ہے۔ کہ ان تینوں نمازوں میں مطلقاً امامت کی نیت کرنا ضروری ہے

اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ امامت کی نیت کرنا شرط ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف ہے ایک اعتبار سے اور تشدید ہے دوسرے

اعتبار سے - اور تیسرا قول مشدد ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول کی وجہ شارع سے امامت کی نیت کا امر وارد نہ ہونا ہے - اور نیز جب مقتدیوں نے اپنے افعال کو امام کے افعال سے مربوط کردیا (کہ جو فعل وہ کرے وہی مقتدی بھی) تو صورت ارتباط (جو امامت واقتدار کی غائیت ہے) حاصل ہوگئی - اور یہ قدر شعار دین کے قائم کرنے کے لئے کافی ہے -

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول میں سے شق اول کی وجہ عورتوں کا شعار دین کے قائم کرنے میں امداد اور تقویت بخشنے کے اندر مردوں کے ساتھ ضعیف تعلق ہونا ہے - اسلئے مردوں کو حاجت ہے کہ امام اپنی نیت کو ان کی طرف متوجہ کرے تاکہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ تعلق قوی ہوجائے -

اور اسی سے اوس صورت کی بھی توجیہ معلوم ہوگئی - کہ جب مقتدی مرد ہی مرد ہوں - اور جمعہ وعیدین کی نماز کے مستثنے کرنے کی وجہ اسی طرح عرفہ میں جمع ہوکر نماز پڑھنے کے استثناء کی وجہ شارع کا ان نمازوں کے ساتھ سخت حکم کرنا ہے - اور ان نمازوں میں شعار اسلام ہونا اوسی وقت ظاہر ہوسکتا ہے کہ جب مجمع کثیر ہو - پس ان کے سوا اور نمازوں میں امام اپنے ساتھ مضبوط ارتباط پیدا کرنے کا محتاج نہیں

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے تاکہ مقتدی کا امام سے یقیناً ارتباط ہوجائے - اسی طرح اس کا عکس - اور یہ قول ضعیفوں کے ساتھ خاص ہے -

اور پہلا قول ان قوی دلوں کے ساتھ خاص ہے - جو امام کے ساتھ اپنے ارتباط کو اپنے قلوب میں امر محسوس کیطرح دیکھتے ہیں - یہاں تک کہ بعض پیراون کے حال میں ذرا سا التباس بھی نہیں ہوتا - اگر مبلغ (وہ شخص جو امام کے پیچھے بلند آواز سے تکبیرات کہتا ہے) غلطی بھی کرجائے - مثلاً رکوع کی تکبیر کہدے - حالانکہ ابھی تک امام رکوع میں نہیں گیا ہو (تو وہ بعض دھوکے میں نہیں آتے) اور تعلق حقیقی اسی تعلق کا نام ہے - سلف صالح کی یہی حالت تھی - رحمہم اللہ تعالےٰ

پس معلوم ہوا - کہ جو اپنے امام کے ساتھ باطنی ارتباط کا مدعی ہو - اور غلطی (مذکورہ) میں مبلغ (مکبر) کا پیرو ہوجائے - (تو ایسا کرنا) درحقیقت اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالنا ہے پس اسکو سوچو -

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے - کہ اگر تنہا نماز پڑھنے والے نے (اثنائے نماز میں) بغیر اوس نماز کے توڑے ہوئے جماعت میں داخل ہونے کی نیت کرلی تو صحیح ہے -

حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس سے اوس کی نماز باطل ہوگئی - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوس نے اپنی نماز کو جماعت کے ساتھ مزید کرنا چاہا ہے - تو

(گویا) خبر ہیں زیادتی کی۔ ہے۔ یا اپنی طاقت کے موافق شعار اسلام کے قائم کرنے میں لوگوں کا شریک ہوا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اثنائے نماز میں امام بنانے کی نیت کرنا ایسا ہے جیسے حق تعالےٰ سے بے توجہ ہو کر مخلوق کے ساتھ مشغول ہونا۔ برخلاف اس کے کہ شروع نماز میں امام بنا لے۔ کہ (اس صورت میں) اوس کے ساتھ نرمی کی گئی ہے۔ تاکہ اپنے امام سے مربوط ہو جاوے۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ قول اول اون بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو مقام جمع کے صاحب ہیں کہ اس کی وجہ سے حق تعالےٰ کے مشاہدہ سے خارج نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس نے اور اون کا مشاہدہ زائد ہوتا ہے بہ نسبت اوس مشاہدہ کی جو تنہا نماز پڑھنے کے وقت تھا۔ اور اس میں خدا تعالےٰ کے ساتھ بہت ادب ہے جو عارف پر مخفی نہیں۔ کیونکہ شخص ایسا نہیں کہ شروع نماز سے لیکر آخر نماز تک تنہا پڑھتا رہے۔ اور حق تعالےٰ سے خطاب کرنے پر بھی قدرت رکھے بغیر واسطہ کے۔ پس اس کو خوب سمجھ لو +

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مقتدی کو جسقدر امام کے ساتھ نماز ملجائے۔ تو وہ تشہدوں کے بارہ میں شروع نماز (کا حکم رکھتی) ہے (مثلاً اون میں درود شریف وغیرہ نہ پڑھے) اور قرأت کے بارہ میں آخر نماز کا (حکم رکھتی) ہے۔ (مثلاً جتنی یعنیں امام کے ساتھ نہیں پڑھیں۔ اون کو جب تنہا پڑھے) تو اون میں سورہ فاتحہ معہ ضم سورۃ پڑھنا ہوگی) حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ نماز فعل اور حکم دونوں لحاظ سے شروع نماز (کا حکم رکھتی) ہے۔ پس جسقدر رکعتیں باقی رہی ہیں۔ اون میں قنوت کا اعادہ کرے۔

اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ نماز آخر نماز (کے حکم میں) ہے) اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرے میں تشدید۔ اور تیسرے میں تخفیف۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

پہلے قول کی وجہ امام کے افعال کی مخالفت سے اوس کی ظاہری مخالفت لازم نہ آنا ہے تاکہ نہ لوٹا وے قرأت کو۔ بلکہ بسا اوقات نمازی کا تنہا قرأت پڑھنا اوس کے امام کے ساتھ قرأت پڑھنے سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ حضوری ہونے کے اعتبار سے

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ تاکہ موافق ہو جانے نمازی امام کے ساتھ اون رکعتوں میں جن میں (امام بھی ساتھ ہے)۔ اور نہ مخالفت لازم آئے امام سے۔ اور پھر ادا کرے اون امور کو دوسری مرتبہ اپنے اصلی موقعہ میں۔ یہی وجہ ہے۔ جو نمازی کو تشہد اور تسبیحات میں امام کی موافقت کرنی ہوتی ہے (اور تشہد میں بھی مشغول نہیں ہوتا (یعنی امام کو جس حالت میں پاوے اوسی میں شریک ہونا ہوتا ہے) کیونکہ اسجگہ امام کی موافقت بہت مہتم بالشان چیز ہے

اور تیسرے قول کی وجہ اکتفا کرنا ہے مسبوق کا اونہیں امور پر جو اوس نے امام کے ساتھ کئے ہیں۔ مثلاً تشہد اور قنوت اور سوا اس کے۔ اور یہ قول چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن پر قنوت اور تشہد میں تنہا رہکر خدا تعالےٰ سے مناجات بہت گراں ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اون بڑے درجے کے لوگوں کے حال پر محمول ہے جو خدا تعالےٰ سے تنہائی کی حالت میں مناجات کرنے پر قدرت ہے پس اسکو سمجھ لو۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسی طرح امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک جو شخص مسجد میں داخل ہوا کہ امام مسجد نماز سے فارغ ہو گیا۔ (یعنی جماعت ہوگئی) تو اوسکو مکروہ ہے کہ اوسی مسجد میں دوسری جماعت نئے سرے سے کرے۔ مگر یہ کہ وہ مسجد لوگوں کی عام گذرگاہ پر ہو۔ (مثلاً بازار اسٹیشن وغیرہ) حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جماعت کے بعد دوسری جماعت کرنا کسی حال میں مکروہ نہیں۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرا متحقق ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ امام سے دل کی پراگندگی اور اوسکو پریشانی ہونے کا کھٹکا ہے۔ اسوجہ سے اوسپر (دوسرے) کو ترجیح دی گئی پس وہ لوگوں کو اس کے بعد اسطرح نماز پڑھائیگا کہ دل میں اس کے کدورت ہوگی۔ اور اوسکی کدورت مقتدیوں کے دلوں میں بھی سرایت کریگی۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جماعت کے قائم کرنے میں اجر اور ثواب ہے۔ اگرچہ وہ (ہمیشہ) پہلے امام کے ساتھ نماز پڑھا کرتے ہوں۔ یا (کم از کم) جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائیگی۔ اگر وہ لوگ (ہمیشہ) امام اول کے ساتھ نماز نہ پڑھتے ہوں گے۔ اور بسا اوقات جماعت ثانیہ میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو نماز کے اندر خدا تعالےٰ کے سامنے تنہا کھڑے ہونے سے حیا کرتے ہیں۔ اور یا سخت ہیبت کیوجہ سے تنہا کھڑے ہونے کی بالکل طاقت ہی نہیں رکھتے پس اسکو سمجھ لو۔

اٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس شخص نے تنہا نماز پڑھ لی پھر ایک جماعت کو تنہا نماز پڑھتے پایا۔ تو اوس کے لئے اون کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے یہی قول امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے سوا مغرب کی نماز کے پس اگر کسی نے جماعت سے نماز پڑھ لی پھر ایک اور جماعت کو نماز پڑھتے پایا۔ تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب سے راجح قول یہ ہے کہ اوس نماز کا اعادہ کرے (یعنی جماعت اخری میں شریک ہو جاوے) اور یہی قول امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے سوا صبح اور عصر کے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اون کی دوسری روایت یہ ہے کہ جس نے جماعت سے نماز پڑھ لی۔ وہ اعادہ نہ کرے۔ اور جس نے تنہا نماز پڑھی۔ وہ جماعت سے ملجاوے تو اعادہ کرے سوا مغرب کی نماز کے

اور امام اوزاعی نے کہا ہے کہ سوا صبح اور مغرب کے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ اعادہ کرے سوا ظہر اور عشاء کے۔ اور امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اعادہ کرے سوا صبح اور عصر کے۔ پس پہلے قول میں اوس شخص کے مسئلہ کے اعتبار سے جس نے تنہا پڑھی تھی۔ اور

اوس کے اعتبار سے جس نے جماعت سے پڑھی ہو تشدید ہے - اور تیسرے قول میں تخفیف ہے
اسی طرح اوس کے بعد والے میں - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے - اور بسا اوقات پہلی نماز میں کوئی نقص رہا ہوا ہوتا ہے
تو اوسکا دوسری نماز میں جبر ہو جاتا ہے - اور سوا اس کے نہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے مغرب
کی نماز کو لوگوں پر تخفیف کرنے کی غرض سے مستثنیٰ کیا ہے - کیونکہ اوس کا وقت تنگ ہے - اور
عادتاً شام کا کھانا بھی اوسوقت مزاحم ہوتا ہے - اور سوا اس کے نہیں - کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے نماز صبح
اور عصر کو اس لئے مستثنیٰ کیا ہے کہ شارع نے اون کے ادا کر لینے کے بعد آفتاب کے غروب یا طلوع
ہونے تک اور نماز پڑھنے سے نہی فرمائی ہے - باوجود اس کے کہ اعادہ کی صورت میں دفرض نماز کے
بعد نفل کی بونماز آتی ہے - اور وہ جواز ترک ہے - اگرچہ اوس میں قیام کا واجب ہونا بشرط قدرت اور
بغیر کسی عذر کے نماز سے خروج کا حرام ہونا اوسکی فرضیت کے آثار ہیں پس معلوم ہوا کہ لوٹائی ہوئی نماز
کے اندر دو جہتیں ہیں ایک نفل ہونا - دوسرا فرض ہونا - ایک جہت - اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ
قول کی وجہ وہ ہے جو ہم بیان کر چکے (یعنی) نماز صبح کے بعد اور کسی نماز پڑھنے سے نہی کا وارد ہونا - اور
مغرب کے بعد لوگوں پر تخفیف کی فرصت

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ کہ ظہر اور عصر میں اعادہ کرے یہ ہے کہ ظہر کا وقت
ایسا وقت ہے جس میں حجاب غالب ہوتا ہے پس اوسوقت بندہ کامل نماز ادا نہیں کر سکتا - پس
اوس نماز کا اعادہ جبر نقصان کریگا - اور رہی نماز عشاء سو وہ دن بھر کی اوس مشقت و محنت کے
بعد ہوتی ہے جو عادتاً دنیوں اور معیشتوں کے کرنے سے لاحق ہوتی ہے) باوجودیکہ اوسوقت بھی
حجاب غالب ہوتا ہے - اور اسی وجہ سے شارع نے اپنی اُمت کے واسطے عشاء کو اسقدر موخر کرنا
کہ تہائی رات گذر جائے مستحب قرار دیا ہے - جیسا کہ اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے
(لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل) ترجمہ اگر یہ نہ ہوتا کہ میں مشقت ڈالنے
والا ہونگا اپنی اُمت پر تو البتہ موخر کرتا میں نماز عشاء کو تہائی رات تک - اور امام حسن رضی اللہ عنہ
کے قول کی وجہ وہی ہے جو امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ہے - اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے

نواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کا (قول جدید) میں یہ قول ہے کہ نمازی جب
کو دوسری مرتبہ پڑھے تو فرض تو پہلے ہی ادا ہو چکے - یہ دوسری مرتبہ کی نماز نفل ہوگی - اور
امام شافعی رضی اللہ عنہ کا (قدیم) میں قول یہ ہے کہ دوسری دفعہ کی نماز سے فرض ادا ہونگے - اسی طرح
امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور امام اوزاعی اور امام شعبی رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ دونوں دفعہ کی نماز
اکٹھی ملکر فرض کو ادا کریگی - پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد - تیسرے میں تشدید ہے
میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب نمازی نے پہلی دفعہ نماز ادا کر لی - تو اوس سے خطاب دفع
ساقط ہوگیا -

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور اوس نقص کے لئے جو شاید پہلی رکعت میں واقع ہ

ہ تکبیر کی نیت کرتا ہے

اور تیسرے قول کی وجہ دونوں نمازوں میں سے تعیین فرضیت کے علم کو خدا کی طرف لوٹانا ہے شارع کے ب کی وجہ سے اسلئے کہ شارع نے اوس کے وجوب کے بیان سے سکوت فرمایا ہے۔ اور یہی قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور انہوں نے فرمایا ہے جس وقت اون سے اس کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ ذالک الی اللہ یعنی یہ خدا کی طرف ہے (اوسیکو اس کا علم ہے) یحتسب اللہ منہما ماشاء یعنی اللہ تعالے دونوں نمازوں میں سے جسے چاہے (فرضوں میں) شمار فرمالے۔

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک امام کو اگر کسی کے نماز میں شامل ہونے کے لئے آنیکا علم ہوجائے۔ حالانکہ وہ امام رکوع یا آخری تشہد میں ہو تو اوسکو مستحب ہے کہ اوس شخص کا انتظار کرے تاکہ اوسکو رکعت یا کم از کم نماز جماعت میں شمول نصیب ہوجائے حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ اوسکو مکروہ کہتے ہیں۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہی ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے بوجہ مستحب ہونے انتظار کے۔ اور دوسرا قول بالکل انتظار کے ترک کی وجہ سے مخفف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اپنے بھائی مسلمان کی اعانت اور مدد ہے کہ اوس کو رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے میں یا بیٹھنے والوں کے ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے بیٹھنے میں اللہ تعالے کے واسطے عجز و انکساری کرنے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس سے بھاگنا ہے کہ مخلوق کی رعایت کو حق تعالے خالق کی رعایت کے شریک کردیا جائے اگرچہ ایسے شخص کو سخت نہ پایا جائے گا۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ سوا اس کے نہیں کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اوس شخص کا انتظار جو جماعت میں داخل ہونے کا ارادہ کرچکا ہو اور امام کو اوسکا آجانا محسوس ہوجائے اسلئے مستحب ہے کہ اون دونوں اماموں نے پیش امام کے ساتھ حسن ظن رکھا ہے اسطرح کہ امام کے متعلق یہ خیال کیا کہ اوسکو اوس شخص کا انتظار حقتعالے سے بے توجہ نہ بنائیگا۔ کیونکہ امامت امام اعظم کا منصب ہے۔ اور اگر یہ دونوں امام موصوف یہ خیال کرتے کہ انتظار کرنا امام کو حقتعالے سے بے توجہ کردے گا تو ہرگز انتظار کو مستحب نہ کرتے۔ پس اسکو سمجھ لو +

اور میں نے شیخ موصوف کو یہ فرماتے سنا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا کلام اوس شخص کے ساتھ خاص ہے جسکو خدا تعالے نے قوت عطا فرمائی۔ اور چند آنکھیں دی ہیں پس ایک آنکھ سے حقتعالے کی طرف دیکھتا ہے۔ اور ایک آنکھ سے مخلوق کیطرف۔ اور اون کے اعمال کی طرف اور ایک آنکھ سے مخلوق اور حقتعالے دونوں کی طرف۔ پس معلوم ہوا۔ کہ کراہت چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور رہے بڑے درجہ کے لوگ سو اون کو یہ قطعاً نقصان نہیں پہونچاتا پس اسکو خوب سمجھ لو +

گیارھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کے

مذہب میں سے قول راجح ہے یہ ہے کہ اگر مقتدی بلا عذر اپنے امام سے جدا ہونے کی نیت کرے تو نماز باطل نہ ہوگی - حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ باطل ہوتی - پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نماز کو امام کے پیچھے تمام کرنا سوا اس کے نہیں کہ وہ ایک ادب کی بات ہے - اس دلیل سے کہ نماز اوس کی تنہا بھی صحیح ہو سکتی ہے - ماسوا جمعہ اور اوس نماز کے جو (جماعت کی وجہ سے) دوبارہ پڑھی جاتی ہے +

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوگیا - تو گویا اوس نے اپنی نیت کو مربوط کر دیا امام کے پیچھے نماز کو تمام کرنے کے ساتھ (تو بلا عذر امام سے جدا ہونے کی صورت میں) گویا کہ اوس نے بلا وجہ نماز کو قطع کر دیا - اور یہ امر نماز کو باطل کر دیتا ہے - اور پیش امام کا منصب اس سے برتر ہے کہ اوس کی طاعت و موافقت سے خارج ہونے کو جائز کہا جائے جسطرح امام اعظم (یعنی خلیفہ اسلام) کہ اوس کی اطاعت سے خروج جائز نہیں بلکہ نماز میں پیش امام ہونا امام اعظم کا اصل منصب ہے پس جو شخص اپنے امام سے جدا ہو وہ فاسق ہوگیا - اور مر گیا - زمانۂ جاہلیت کے مرنے کا سا - اور اوس شخص کی جو رسول کریم صلوات اللہ علیہ کے اتباع سے جدا اور اون کی شریعت سے خارج ہوا - بالخصوص جبکہ اوس کی جدائی سے امام کے جرح قدح کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہو - پس اسکو سمجھ لو +

بارھواں[12] مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک مقتدی کو اپنے امام کی اقتدا کرنا جبکہ دونوں کے درمیان نہر یا رستہ حائل ہو صحیح ہے - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صحیح نہیں پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود مقتدی کا اپنے امام کے انتقالات سے واقف ہونا ہے اور وہ حاصل ہے

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ شرط ارتباط یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے مابین کوئی شے حائل نہ ہو اگرچہ حائل معنوی ہی ہو پس جسطرح ارتباط کی صورت اجسام کے لحاظ سے درمیان اون دونوں کے منقطع ہوگی - اسی طرح قلوب کے اعتبار سے بھی جیسا کہ اشارہ کیا ہے اسطرف اس حدیث نے کہ (ولا تختلفوا علیہ فتختلف قلوبکم) یعنی امام سے اختلاف کرو تو کہ مختلف ہو جائیں قلوب تمہارے) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اختلاف صدور کیوجہ سے اختلاف قلوب کا - اور اون کے مستوی نہ رہنے کا موقف (جماعت گاہ) میں پس ہر قول کے لئے ایک وجہ ضرور ہے +

تیرھواں[13] مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک جس شخص نے اپنے مکان میں وہ نماز پڑھی جو امام مسجد میں پڑھ رہا تھا - اور درمیان میں کوئی شے ایسی حائل تھی صفوں کو نہیں دیکھنے دیتی تھی تو صحیح نہیں - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صحیح ہے - یہ قول وہ ہے جو امام موصوف سے مشہور ہے پس پہلا قول مشدد ہے

اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ اوس شعار کا ضائع ہو جانا ہے جو نماز جماعت سے مخلوق کو ظاہر تھا دوسرے قول کی وجہ اوس باطن میں جو خدا تعالیٰ کا علم اور اوس کا دربار ہے شعار اسلام کا حاصل ہونا ہے۔ پس ہر ایک قول کی وجہ ضرور ہے

اور میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اوس امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے جو بیت المقدس یا مکہ شریفہ میں نماز پڑھاتا ہے۔ حالانکہ خود وہ شخص مصر میں ہے کہ اوس کو نہ پہاڑ حائل ہیں نہ کچھ اور لیکن اس شخص کو امر شارع کے امتثال کی۔ یعنی شرکت مکان واحد میں مجتمع ہو کر نماز پڑھنے کی فضیلت فوت ہو گئی۔

اور سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ مکہ شریفہ اور بیت المقدس وغیرہ متبرک مقامات میں جاتے تھے اور وہاں امام کے ساتھ نماز پڑھکر واپس چلے آتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اتباع سنت زیادہ بہتر ہے۔ اور ایسے ہی سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ نے مجھ کو خبر دی ہے (انتہیٰ)

چودھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کا مقتدی بننا جائز نہیں جسطرح ائمہ مذکورین کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ کوئی آدمی کسی کے پیچھے وہ فرض نماز پڑھے جو امام نہ پڑھتا ہو۔ بلکہ امام دوسرے فرض پڑھ رہا ہو (مثلاً امام عصر کے فرض پڑھتا ہے۔ اور مقتدی ظہر کے) حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا

پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ظاہری معنے ہیں۔ کہ (ولا تختلفوا علیہ الخ) اور مت اختلاف کرو اسکا (یعنی امام کا۔ تو کہ مختلف ہو جائیں قلوب تمہارے کیونکہ یہ قول اوس اختلاف کو بھی شامل ہے جو افعال باطنہ میں ہو جسطرح اوس اختلاف کو شامل ہے جو افعال ظاہرہ میں ہوتا ہے برابر سرابر

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اختلاف جو افعال قلوب میں ہوتا ہے ایسا اختلاف ہے جس سے لوگوں کے نزدیک امام کی مخالفت ظاہر نہیں ہوتی۔ پس تینوں اماموں نے مخالفت قلبیہ کی بھی رعایت کی۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ظاہری مخالفت کا لحاظ کیا۔ اور یہ امر بلا شبہ ہے کہ جو باطن اور ظاہر دونوں امروں کی رعایت کرے۔ وہ زیادہ کامل ہے۔ اوس سے جو اون میں سے صرف ایک کی رعایت کرے۔ باوجود جائز ہونے ہر ایک کے اون دونوں فعلوں میں سے الگ الگ پس خوب سمجھ لو +

پندرھواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک جمعہ میں تمیزدار نابالغ لڑکے کا امام بننا صحیح نہیں۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں بھی اوسکا اقتدا جائز ہے جسطرح اور باقی نمازوں میں جائز ہے۔ اگرچہ یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ امامت کے لئے نابالغ سے بالغ

زیادہ بہتر ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جمعہ وغیرہ کی نمازوں میں منصب امامت امام اعظم (خلیفہ اسلام) کا منصب ہے۔ اور علماء کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ خلافت کے شرائط میں سے بلوغ بھی شرط ہے

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصد صرف یہ ہے کہ نماز کے واجبات و مستحبات میں خلل نہ ڈالے۔ اور یہ بات اوس نابالغ سے حاصل ہے جو فرائض اور سنن میں تمیز کر سکے۔ اور حالت حدث اور نجس ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے حفاظت رکھے۔

اور نیز وہ بے گناہ ہے برخلاف بالغ کے (کہ وہ گناہ سے معصوم نہیں) لہٰذا نابالغ تمیزدار اوس امام کے مشابہ ہوا جو عادل ہو۔ اور گناہوں سے بچتا ہو۔ پس خوب سمجھ لو۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جمعہ کے سوا اور نمازوں میں غلام کا امام بننا صحیح ہے بلاکراہت۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام کا امام بننا مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

پہلے قول کی وجہ صحابہ رضہ کے لئے غلام کی امامت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا اور یہ قول ہے کہ (الا لا فضل لحر على عبد ولا عبد على حر الا بالتقوى) (ترجمہ) خبردار آزاد کو غلام پر اور غلام کو آزاد پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر بوجہ تقوٰے کے) اور بسا اوقات غلام بہ نسبت آزاد کی خدا تعالٰے سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اپنے پروردگار کے سامنے ذلت اور انکساری کے اعتبار سے زائد ہے۔ اسلئے وہ اللہ کے نزدیک اوس آزاد پر مقدم ہے جو تکبر کرتا اور اپنے نفس کو معزز جانتا ہو

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں امامت کا منصب (امام اعظم خلیفۃ المسلمین) کا منصب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوس کا حرّا ور آزاد ہونا شرط ہے۔ پس اسی طرح اوس کے قائم مقام (پیش امام) میں بھی اگرچہ بدل میں ہر اعتبار سے یہ ضرور نہیں کہ وہ مبدل کی صورت پر ہو پس اسکو سمجھ لو۔

سترھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نابینا اور بینا دونوں امامت میں برابر ہیں۔ حالانکہ ابن سیرین اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک بینا زیادہ بہتر ہے اور اسی کو شافعیہ میں سے ابواسحاق شیرازی اور ایک گروہ نے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ (نابینا کے پیچھے) نماز بالاتفاق صحیح ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا

پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں شارع سے نہی کا وارد نہ ہونا ہے۔ باانیکہ اللہ تعالٰے کے نزدیک دل کی روشنی پر دار مدار ہے نہ کہ ظاہری بینائی پر۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ امامت کا منصب امام اعظم (خلیفۃ المسلمین) کا منصب ہے۔ پس جسطرح امام اعظم نابینا نہیں ہوتا اسی طرح اوسکا نائب بھی

اٹھارھواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک اوس شخص کی امامت مکروہ ہے

جسکا باپ معروف نہ ہو۔ (یعنی مجہول النسب ہو) حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ طلب کرنا اماموں کا ہے اتصال سند کو امام سے لیکر خطاب خداوندی کے دربار تک اور جس کے باپ کو مقتدی نہ جانتے ہوں تو اوسکا سلسلۂ نسب بھی مقطوع ہے اور دربار خطاب الٰہی سے وصل بھی۔ کیونکہ حرامی کا ہمارے اور خدا تعالےٰ سے قرءت پڑھنے اور ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کے ساتھ مخاطب ہونے کے مابین واسطہ ہونا مناسب نہیں۔ بوجہ ناقص ہونے اوس کے۔ اور اسلئے کہ وہ معصیت سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ اسطرف خدا تعالےٰ کا زناہ کے بارے میں یہ فرمان اشارہ کرتا ہے کہ (اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۚ وَمَقْتًا ۚ وَسَآءَ سَبِيْلًا) (ترجمہ) کیونکہ وہ ہے بیحیائی اور ناخوشی اللہ کی اور برا طریقہ)

نیز بعض علماء سے روائیت ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے سند باطن کی رعائیت فرمائی ہے جسطرح اوس نے سند ظاہر کی رعائیت کی ہے۔ بلکہ (سند باطن کی رعائیت) اولیٰ ہے

دوسرے قول کی وجہ اس بارہ میں نہی کا وارد نہ ہونا ہے۔ اور اس قول کا قائل کہتا ہے۔ کہ ہمکو خدا تعالےٰ نے سننے اور اوس کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے جس کو وہ ہم پر حاکم بنائے۔ اگرچہ وہ ناقص بھی ہو (کیونکہ اس میں) خدا تعالےٰ کے ساتھ ادب ہے۔ جس نے اوس کو حاکم بنایا ہے۔ اور اوس کا نقصان خود اوسی کی طرف لوٹتا ہے۔ اوس سے متجاوز ہو کر ہم تک نہیں پہونچتا۔ پس خوب سمجھ لو +

انیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک رعائیت یہ ہے کہ فاسق کی امامت صحیح ہے (مگر) مکروہ ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے مشہور روائیت یہ ہے کہ اگر فسق اوسکا تاویل کے ساتھ نہیں ہے (یعنی جس گناہ کا مرتکب ہے اوس کی کچھ تاویل کر کے مباح نہیں بتاتا ہے) تو اوس کی امامت صحیح نہیں۔ اور جس نے اوس کے پیچھے نماز پڑھی ہو اوس کو اوس نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر اوس کا فسق تاویل کے ساتھ ہے تو جب تک وقت رہے اوسوقت تک لوٹاوے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا اون شرطوں کے ساتھ جنکو قائل نے ذکر کیا مشدد +

پہلے قول کی وجہ حجاج کے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز پڑھنا ہے حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (وکفی بہ فاسقاً) یعنی وہ فاسق ہونے میں بس ہے۔ اور لوگوں نے اون صحابہ رض و تابعین کو شمار کیا جنہیں اوس نے شہید کیا۔ تو تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہونچی۔ اور آئمہ مذکورین نے اوس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز کو اس لئے صحیح رکھا کہ احتمال ہے شاید وہ ہر گناہ کے بعد صحیح توبہ کر لیتا ہو۔ اور اوس کے پیچھے مکروہ اس لئے کہا کہ احتمال ہے شاید معصیت پر ہمیشہ قائم رہے۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ کسی فاسق کے پیچھے نماز

پڑھنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا - (یعنی فاسق کے پیچھے نماز ممکن نہیں) اسلئے کہ جب وہ نماز کے افعال
پورے طور پر ادا کرتا ہے - اسطرح کہ وہ اللہ تعالے کی تکبیر اور قرات اور رکوع اور سجدہ اور تسبیح
اور استغفار میں مشغول ہے تکبیر تحریمہ کے وقت سے لیکر سلام پھیرنے تک تو اوس کے کسی جز
میں بھی فسق کے ساتھ موصوف نہیں ہوا اور سوا اس کے نہیں کہ کراہت اسوجہ سے آئی - کہ
ذہن اوس فسق کو ضرور باقی رکھتا ہے - جو اوس نے نماز سے باہر کیا ہے - یہانتک کہ (اوسکو کرتے
کرتے) نماز میں داخل ہوگیا - اور یہ ایک ایسا نقص ہے جو مقتدیوں کے (قلوب میں) امام کیطرف
سے کراہت پیدا کرنے کا موجب ہے - اور شریعت نے تصریح کی ہے کہ اوس شخص کی نماز جو امام
بنا کسی قوم کا اور لوگ اوس کو مکروہ سمجھتے ہیں (اوس سے ناخوش ہیں) تو نماز اوس کی (آسمان تک)
نہیں اُٹھائی جاتی - اور ارشاد فرمایا ہے - کہ (اجعلوا اما مکم خیارکم فانکم وفدکم فیما بینکم
وبین ربکم) (ترجمہ) اور اپنے میں سے بہتر لوگوں کو امام بناؤ - کیونکہ وہ تمہارے واسطے خود
تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان وفد ہیں (انتہی)

اور جس نے کہا ہے کہ اوس کی امامت صحیح نہیں - اوس کی وجہ ارتباط باطنی کی جہت سے حقتعالی
کی درگاہ کے ساتھ مقتدیوں کی سند کا متصل نہ ہونا ہے - کیونکہ فاسق کے واسطے حق تعالے کے خاص
دربار میں داخل ہونا کبھی صحیح نہیں - تا وقتیکہ اپنے تمام گناہوں سے پاک نہ ہو جائے - اسلئے کہ تمام
باطنی گناہوں کا حکم چہ جائیکہ ظاہری گناہ مثل نجاست محسوسہ کی ہے اللہ تعالے کے نزدیک
پس جسطرح وہ شخص جس نے بدن نجس کے ساتھ نماز پڑھی تو اوس سے درگذر نہ کیا جائیگا - یا کوئی
تھوڑی سی جگہ بلا طہارت رہگئی تو اوس کی نماز صحیح نہ ہوگی پس اسیطرح وہ شخص جو گناہوں میں لتھڑ
گیا - اور اون کو بے حیائی کے ساتھ کرنے لگا پس اسکو خوب سمجھ لو

بیسواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ تراویح کی نماز میں مردوں
کے واسطے عورت کا امام بننا جائز نہیں - حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اون کے جواز کا ہے
لیکن اس شرط سے کہ عورت پیچھے ہو پس پہلا قول مشدد ہے - اور دوسرا مخفف -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے عورت کو مردوں کا امام بننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ
نماز کی امامت امام اعظم کا منصب رکھتی ہے - اور وہ عورت نہیں بن سکتی -

اور دوسرے قول کی وجہ تراویح کے اندر عورت کی امامت کے بارے میں نہی کا وارد نہ ہونا ہے
کیونکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک تراویح کی جماعت بدعت ہے - اگرچہ بدعت حسنہ ہے برخلاف
عیدین اور گہن اور استسقاء وغیرہ اون نمازوں کے جن کے اندر جماعت مشروع ہے کہ اون میں عورت
کی امامت بالاتفاق صحیح نہیں بوجہ برتر جاننے منصب شارع کے کہ اوس سے مرد تو پیچھے کھڑے
ہوں - اور عورتیں اوس کے سامنے آگے بڑہیں - کیونکہ یہ اوس منصب کو معمولی شے سمجھنے پر دلالت
کرتا ہے پس اسکو سمجھ لو +

(**اکیسواں مسئلہ**) یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک زیادہ فقیہ جو سورہ فاتحہ اچھی
طرح پڑھ سکے زیادہ قاری سے اولی ہے - حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ زیادہ قاری

تمام قرآن کو اچھی طرح پڑھ سکے - نہ نماز کے احکام کو وہ اولی ہے - پس پہلا قول فقہ کے جاننے میں نہ
ی ہونے میں مشتدد ہے - اور دوسرا قول پہلے کا عکس ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی
ف رجوع ہو گیا *
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کا حرف واجبات نماز کو جاننا اوس قاری سے بہتر ہے - جو واجبات
نہ جانتا ہو -
دوسرے قول کی وجہ اوسکا عکس ہے - کیونکہ قاری اکثر وحی کا حامل ہے - بالخصوص اوسوقت
جب تمام قرآن کا حافظ بھی ہو - اور اس قول کا قائل کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ امام سہو یا اون
میں واقع ہونے سے سلامت رہے جو نماز کی صحت میں مخل ہیں - اور ہو سکتا ہے کہ امام احمد رضی
عنہ کا قول اوس قاری پر محمول کیا جائے جو فقہ سے بھی واقف ہو - جیسا کہ سلف صالح رحمہم اللہ
ہی تھے - پس اس صورت میں امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول) باقی اماموں کے مخالف نہ ہوگا -
س اسکو سوچلو *
بائیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قاری کی اُمّی کے
پیچھے نماز صحیح نہیں - کیونکہ دونوں کی نماز باطل ہے - حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول
ف قاری ہی کی نماز کے باطل ہونیکا ہے - اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بلا خلاف اُمّی کی
کی صحت اور قاری کی نماز کے باطل ہونے کے قائل ہیں - یہ قول امام موصوف کے دو قولوں
سے مرجح ہے - پس پہلا قول مشدد اور دوسرے میں تشدید ہے - اسی طرح تیسرے میں
ائمہ نے بیان کیا ہے کہ اُمّی وہی شخص ہے جو سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھ سکے
پہلے قول کی وجہ منصب امامت سے اُمّی کا ناقص رہنا ہے - پس اُمّی شخص مثل اوس
عورت کی ہے کہ جو مرد کو نماز پڑھاوے - اگرچہ کہا گیا ہے کہ عورت کی نماز صحیح ہوتی ہے نہ مرد کی
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اُمّی کی نماز فی نفسہٖ صحیح ہے - کیونکہ وہ جسقدر فصاحت پر قادر
ہے اوس کے موافق نماز پڑھی ہے برخلاف قاری کے کہ اوس کو جائز نہ تھا - کہ وہ کسی ناقص
ت والے کے پیچھے نماز پڑھتا - اور اسی سے امام شافعی کے راجح قول کی توجیہ بھی ہو گئی
اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کو اون لوگوں پر محمول کیا جاوے جو صاحب تقوے اور احتیاط
کرنے والے ہیں اور دوسرا اور تیسرا اون پر جو احتیاط میں لوگوں سے کم درجہ ہیں پس اسکو سوچلو
تئیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اوس
ں کی نماز صحیح ہے جس نے غیر جمعہ میں محدث کے پیچھے نماز پڑھ لی - پھر ظاہر ہوا کہ اوسکو
ن تھا - (غسل کی حاجت یا صرف بے وضو) اور نماز جمعہ میں صحیح نہیں - مگر اوسوقت کہ جب نمازیوں
اوسقدر تعداد (جو جمعہ کے واسطے شرط ہے) امام کے بغیر پوری ہو - حالانکہ امام ابو حنیفہ
اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اوس کی نماز ہر حال میں باطل ہے جس نے محدث کے پیچھے پڑھی
طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ اگر امام اپنے محدث ہونے کو بھولا ہوا ہے - تو
یوں کی نماز صحیح ہے - اور اگر جانتا ہے - تو باطل ہے - پس پہلے اور تیسرے قول میں

تشدید ہے ۔ اور دوسرا مشدد ہے ۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا +
پہلے قول کی وجہ مقتدی کا اپنے امام کو حدث سے طاہر خیال کرنے پر عمل کرنا ہے ۔ مگر ج
میں کیونکہ اوس میں عدد کا پورا ہونا شرط ہے ۔ اور جمعہ کی نماز میں مقتدیوں کی سب کی نماز صحیح ہے
بے وضو کی نماز صحیح نہیں ۔ اسی وجہ سے جمعہ کے اندر امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنے میں آ
لے تشدید کی ہے ۔ نہ اوس کے سوا میں
دوسرے قول کی وجہ اللہ تعالے کے اس قول پر عمل کرنا ہے کہ (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰ
(ترجمہ) اور نہیں اٹھائے گی کوئی اٹھانے والی بوجھ دوسرے کا) اور امام مالک رح کے قول می
اول کی توجیہ مثل توجیہ قول پہلے کل ہے +
چوبیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھڑے ہوکر پڑ
والے کی نماز اوس شخص کے پیچھے صحیح ہے جو عذر کی وجہ سے بیٹھکر پڑھتا ہو ۔ حالانکہ امام ابو حن
اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ مقتدیوں کو بھی بیٹھکر اوس کے پیچھے پڑھنی چاہئے ۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے ۔ پس پہلا قول مخفف ہے اجا
کو لینے والا ہے ۔ اور دوسرا قول بیٹھنے کے بارے میں مشدد ہے رخصت کو لینے والا ہے
میزان کے دونوں مرتبے برابر ہوگئے +
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے ہرایک کو امام اور مقتدی سے اسکا مکلف کیا ہے
کہ اپنی وسعت کو خرچ کرلے ۔ اور ہرایک نے اپنی اپنی وسعت کو خرچ کیا +
دوسرے قول کی وجہ اس حدیث کے ساتھ عمل کرنا ہے کہ (اور جب پڑھے امام بیٹھکر تو پڑھو تم س
بھی بیٹھکر) اور یہ حدیث اگرچہ ایک جماعت کے نزدیک منسوخ ہے ۔ لیکن نہیں ۔ اس قول کے قا
کے نزدیک اوسکا منسوخ ہونا ثابت نہیں ۔ بلکہ اس قائل نے حدیث مذکور پر عمل کرنے کو جائز
تاکہ افعال ظاہرہ میں امام کی مخالفت کا دروازہ بالکل بند ہوجاوے ۔ پس اسکو سمجھ لو ۔
پچیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک رکوع
سجدہ کرنے والے کو اوس شخص کا اقتدار درست ہے جو رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتا ہو ۔ حا
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں پس پہلا قو
مخفف ہے اور دوسرا مشدد ۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا +
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے مخلوق میں سے ہرایک کو صرف اوس کی طاقت کے موا
تکلیف دی ہے اور ہرایک اپنی طاقت کو صرف کرچکا
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھنے والا امام ہونے کی صلاحیت نہیں رکھ
کیونکہ اشارہ میں اکثر لوگوں کو پتہ نہیں چل سکتا ۔ اور لبا اوقات ایسا ہوگا کہ اون مقتدیوں پر
رکوع اور سجدہ پر قدرت رکھتے ہیں حرکات (امام) میں التباس ہوجائیگا پس اون کو ا
کی تابعداری کی فضیلت فوت ہوجائے گی ۔ اور امام کی شان ایسی ہونی چاہئے ۔ کہ لوگوں
فضیلت حاصل کرادے ۔ نہ کہ اوس میں کمی کرادے ۔ اور اسی جگہ سے علماء نے

ے۔ کہ امام کا کوئی تصرف نہیں۔ مگر مصلحتوں کے ساتھ۔ پس خوب سمجھ لو

چھبیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد اور امام مالک رضی اللہ عنہم کے
یک امام کو نماز پڑھانے کے لئے اٹھنا مناسب نہیں۔ مگر اوسوقت کہ جب موذن تکبیر اکہکر
ع ہو جائے۔ پھر اوس کے بعد کھڑا ہو اور صفوف کو ہموار کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی
عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ اوسوقت اٹھے کہ جب موذن تکبیر پڑھتے پڑھتے اس کلمہ پر
نچے کہ (حی علی الصلوۃ) اور تمام مقتدی بھی اوس کی تابعداری کریں۔ پھر جب اس کلمہ پر
پہنچے کہ (قد قامت الصلوۃ) تو امام تکبیر کہکر نماز میں داخل ہو جائے۔ اور جب
ت بالکل ختم ہو جائے۔ تو امام قرأت میں شروع ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور
وسرا مشدد +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کامل اجازت حقتعالے کے سامنے کھڑے ہونے کی نہیں
سل ہوتی۔ مگر اوسوقت کہ جب اقامت کے الفاظ تمام ہو جائیں۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ موذن کا یہ قول کہ (حی علی الصلوۃ) کھڑے ہونے کی اجازت
ہے۔ یعنی چلے آؤ خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے۔ پس بعض تو لوگوں میں
ی کرنے والے ہونگے۔ اور بعض تاخیر۔ جو لوگ خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہونے
رف جلدی کرنے والے ہونگے۔ وہ جنت میں خدا تعالے سے بہت نزدیک ہونگے اور
راط پر بہت جلد کھڑے ہو جائینگے۔ پس اسکو سمجھ لو۔

ستائیسواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک ایک مقتدی امام کی دہنی
ب کھڑا ہو۔ پس اگر اوس کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ اور امام کی دائیں جانب کوئی نہ ہوا۔ تو
اوس کی باطل نہ ہوگی۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ باطل ہو جائیگی۔ اسی طرح
بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مقتدی (اگر ایک ہو تو) امام کی بائیں جانب
ہو۔ اسی طرح امام نخعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ رکوع کرنے تک
(اس اثناء میں اگر کوئی) اور آجائے۔ (تو خیر) ورنہ رکوع کرتے وقت امام کی دہنی جانب
کھڑا ہو جائے۔ پس پہلا قول نماز باطل نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد
ے۔ اور تیسرا مخفف ہے۔ اور چوتھا مفصل ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف
ع ہو گیا +

پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور یہ کہ دائیں جانب کو (بائیں جانب پر) شرف ہے
دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سنت کی مخالفت ہے۔ اور احادیث میں تصریح
ے کہ ہر وہ عمل جو سنت کے خلاف ہو مقبول نہیں۔

تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ بائیں جانب دل کا مقام ہے۔ اور دل اقتداء میں مقتدی کا قطب
۔ اور اسی وجہ سے جو شخص قطب کی بائیں جانب بیٹھتا ہے۔ وہ بلند ہوتا ہے از روئے مقام
اوس شخص سے جو اوس کی دہنی جانب بیٹھتا ہے۔ اور جب قطب کی وفات ہو جاتی ہے۔ تو

اوس کی قطبیت کا وارث وہی ہوتا ہے جو اوس کی بائیں جانب بیٹھتا ہے۔ اور پھر اوس
دائیں جانب کا بیٹھنے والا (اس قطب ثانی) کی بائیں جانب بیٹھ جاتا ہے۔ اور نیز اکابر دوا
بھی اسی طریقہ پر چلے آئے ہیں +

چوتھے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ درحقیقت مقتدی کے کھڑے ہونیکا مقام امام کے پیچھے
یعنی اوس کے بعد ہے۔ جس طرح افعال (رکوع سجدہ سلام قیام قعود) میں (مقتدی
مرتبہ) امام کے پیچھے ہے پس اسکو جان لو۔

اٹھائیسواں مسئلہ یہ ہے کہ اماموں کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ دو آدمی جب ا
آجائیں۔ تو امام کے پیچھے صف باندھیں۔ حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ امام او
دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو پس پہلے قول کی دلیل (شارع کی) پیروی کرنا ہے۔ اور د
قول کی دلیل یہ ہے کہ اوس میں برابری ہے درمیان دونوں شخصوں کے +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دو آدمی صف دکھلائے جاسکتے ہیں

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ صف تین آدمیوں سے ہوتی ہے یا زیادہ سے +

انتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب (جماعت ک
وقت) مرد بھی ہوں۔ اور بچے بھی۔ اور مخنث بھی۔ اور عورتیں بھی۔ تو امام کے پیچھے مرد کھڑے ہو
پھر بچے پھر مخنث۔ پھر عورتیں۔ حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ اور یہی بعض اصحا
شافعی رح کا ہے۔ کہ ہر دو مردوں کے درمیان ایک بچہ کھڑا ہو۔ تاکہ وہ دونوں سے نما
پڑھنا سیکھے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بالغ مردوں کا آگے کرنا بہتر ہے۔ اور بچہ مردوں کی خبر
سے ہر حال ہیں۔ اور مخنث میں احتمال ہے۔ کہ وہ مذکر ہو۔ اسلئے عورتوں سے آگے رہے
دوسرے قول کی وجہ بچے کو اوس شخص سے جو اوس کی دائیں جانب میں ہے۔ اور او
سے جو اوس کی بائیں جانب میں ہے تعلیم افعال نماز کی رعایت رکھنا ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ تعلیم
کا بہ نسبت اس کی سہل ہے۔ کہ صرف اوس شخص سے تعلیم حاصل کرائے جائے جو اوس کے
سامنے ہو۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

تیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جب عورت مردوں کی
صف میں کھڑی ہو جائے۔ تو اون میں سے کسی کی نماز باطل نہ ہوگی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی
اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اون مردوں کی نماز باطل ہو جاوے گی جو اوس کی دائیں جانب اور
بائیں جانب اور اوس کے پیچھے ہیں۔ نہ خود اوس عورت کی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور د
اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنکو دنیاوی خواہشات میں سے کوئی شے
خواہ عورتیں ہوں۔ یا اون کے سوا کوئی اور چیز خدا تعالیٰ سے بے توجہ نہیں کراتیں۔ اور دوس
قول مشدد ہے۔ اور اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طبعاً خوا
کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا +

اکتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک جس نے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھی۔ تو اوس کی نماز صحیح ہوئی۔ (اگرچہ اون میں سے بعض کے نزدیک مکروہ ہوئی۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر اوس نے امام کے ساتھ حالت تنہائی میں رکوع کرلیا۔ تو نماز باطل ہوئی۔ اسی طرح امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ (اوس شخص کی نماز نہیں ہوتی۔ جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے) پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے اور تیسرا مشدد ہے +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیروی کا دار و مدار افعال میں اقتدا کرنے پر ہے۔ نہ کھڑے ہوتے میں۔ اور مکروہ ہونے کی وجہ یہ کہ وہ شخص اجتماع کی اوس صورت ظاہرہ سے خارج ہوگیا۔ جو مشروعیت جماعت کی غائیت ہے۔ کیونکہ یہ ظاہری اجتماع قلوب کی وہلہ ہے۔ جیسا کہ اسطرف حدیث (تسویۃ الصفوف) کے اس جملہ نے اشارہ کیا ہے۔ کہ (ولا تختلفوا علیہ) اور مت مخالفت کرو اوس کی یعنی امام کی) تو تمہارے قلوب مختلف ہوجائیں

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ صف کے پیچھے کھڑے ہونے والے کا حکم اوس شخص کا سا ہے جو اپنی نماز کو امام سے مربوط کرے۔ اور اوسی کے ساتھ رکن ادا کرے۔ اور یہ شخص امام کے پیچھے اپنی نماز کے ارتباط کو قطع کرتا ہے۔ برخلاف اوس صورت کے کہ جب رکوع نہ کیا ہو کہ اوسوقت اوس کی نماز کے صحیح ہونے کا حکم کیا جائیگا۔ بوجہ کوتاہ ہونے زمانہ کے۔ اور اسی سے امام نخعی کے قول کی توجیہ بھی معلوم ہوسکتی ہے۔

بتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے کہ جو کھڑے ہونے میں اپنے امام سے آگے ہوجائیگا اوس کی نماز باطل ہوگی۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اوس کی نماز کے صحیح ہونے کا ہے۔ پس پہلا قول کھڑے ہونے کے بارے میں مشدد ہے۔ اور دوسرا اوس میں مخفف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ ظاہر کے اعتبار سے امام کے منصب کی رعائیت رکھنا ہے۔ اس جہت سے کہ اپنے امام کے آگے کھڑے ہونے میں جسقدر بے ادبی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور اس قول کے قائل کے نزدیک وہ شخص اپنے امام کا مقتدی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امام کی جگہ خود کھڑا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے امام کو زمین میں اپنا نائب مقرر کیا ہے لیکن صرف اوسکا حکم اور اوس کی نہی پہونچانے کے بارے میں۔ پس جسطرح حقتعالٰے کسی خاص جہت میں متمکن نہیں۔ اسی طرح اوس کا نائب بھی معنے کے لحاظ سے۔ اور جس طرح ہم نہیں چاہتے مگر وہ جو خدا تعالٰے چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ کسی معین جہت میں نہیں۔ اسی طرح اوس کے نائب میں گفتگو ہے۔ کہ واجب ہے ہمارے افعال کا اوس کے افعال کے تابع ہونا۔ اگرچہ قبلہ کی جہت میں نہ ہو اور اس قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف سے بھی ہوتی ہے۔ کہ ایک گروہ

صحابہ رضی اللہ عنہم اسکا قائل ہے کہ اوسوقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام تھے - اگرچہ کھڑے ہونے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے تھے - اور آپ نے اونکو اسقدر بڑی اجازت فرمادی تھی - اور یہ بہت بڑی دلیل ہے - اس کی کہ مقتدی کی نماز باوجود اوس کے امام سے آگے کھڑے ہونے کے صحیح ہوتی ہے - لیکن چونکہ اس احتمال کو بھی راستہ ہے - کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی ہی ہوں - اسلئے تینوں اماموں کے نزدیک اس سے حجت پکڑنا ساقط ہے - پس خوب سمجھ لو - اور یہاں چند اسرار ہیں - جن کو اہل اللہ ہی جان سکتے ہیں - کتاب میں مذکور نہیں ہو سکتے ✦

تینتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص نے اپنے گھر میں اوس امام کے ساتھ نماز پڑھی - جو مسجد میں پڑھتا تھا - اور امام کی تکبیرات کی آواز اسکو گھر میں آتی تھی - تو نماز اوس کی صحیح ہے - مگر جمعہ کی نماز میں - کیونکہ وہ نہیں صحیح مگر جامع مسجد میں یا اوس کے اون صحنوں میں جو اوس مسجد کے متصل ہوں - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے نماز ہر اوس شخص کی جو اوس کے پیچھے پڑھے خواہ جمعہ کی ہو یا غیر جمعہ کی - اسی طرح امام عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اعتبار امام کی تکبیرات انتقال کی علم کا ہے نہ امام کے مشاہدہ کا - اور نہ صفوف میں کسی قسم کے نقصان ہونے کا - اور یہی قول امام نخعی اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہما کا ہے - اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے - پس پہلے قول میں تشدید ہے اور دوسرا مخفف ہے -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ شارع کا لوگوں کے جمعہ میں جمع ہونے سے مقصد سخت الفت کا پیدا ہونا ہے - تاکہ جہاد کے قیام میں ایک دوسرے کا مددگار اور قوت بازو ہو - اور شعائر اسلام کے قائم کرنے میں ایک دوسرے کا معاون ہو پس امام مالک رضی اللہ عنہ نے خوف کیا کہ کہیں قیام گاہ نماز میں مختلف ہونے کی وجہ سے اون کے قلوب مختلف نہ ہو جائیں - اسلئے اس میں تشدید کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر قیاس کر کے کہ (سَوُّوا صفوفکم ولا تختلفوا علیہ فتختلف قلوبکم) (ترجمہ، برابر کرو اپنی صفوں کو اور امام سے اختلاف نہ کرو - کہیں تمہارے قلوب مختلف نہ ہو جائیں) لہٰذا قیام گاہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے قلوب میں اختلاف واقع ہو جانے کا محکم کر دیا - اور جب قلوب مختلف ہو گئے - تو ایک دوسرے کی کاٹ اور ایک دوسرے کے پیچھے پڑنا اور دشمنی واقع ہو جائے گی - اور ہر ایک دوسرے کی اوس کے اقوال اور افعال میں مخالفت کرنے لگیگا - اگرچہ وہ افعال و اقوال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہوں - اور جس کو کچھ شک ہو - تو وہ تجربہ کرے

اور مجھ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت یاد پڑتی ہے - کہ اون سے اوس کوٹھے میں نماز پڑھنے کی بابت دریافت کیا گیا جو مسجد کے متصل ہو - کہ آیا وہ مسجد کے صحن کے ساتھ داخل ہوگا - تاکہ اوس میں ہر نماز صحیح ہو جائے - تو امام موصوف نے جواب دیا کہ اگر اوس کوٹھڑی میں داخل ہونے کے لئے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تب تو اوس میں

نماز صحیح نہیں۔ ورنہ صحیح ہے۔ (انتہی)

اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہر وہ مکان جس میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کرنے کی حاجت ہو۔ تو وہ لوگوں کے گھروں سے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے گھر مخلوق سے اجازت حاصل کرنے کے محتاج نہیں۔

اور اصل مسئلہ میں دوسرے قول اور اوس کے بعد والے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اعتبار صرف امام کی تکبیرات انتقالیہ کے علم کا ہے پس جس جگہ مقتدی امام کی تکبیرات انتقال کو جان سکے وہاں اوس کی نماز صحیح ہے۔ اور وہ ایسا ہے گویا کہ امام کے ساتھ ایک ہی جگہ ہے۔ اور یہیں سے تو جان لیگا تو اوس شخص کی نماز کا صحیح ہونا جو مصر میں اوس شخص کے پیچھے پڑھتا تھا۔ جو حرم مکہ یا بیت المقدس میں پڑھاتا ہوتا تھا۔ جبوقت کہ اوس سے وہ مقام کھل جاتا تھا۔ اور وہاں کے امام کی تکبیرات انتقال جان لیتا تھا۔ کیونکہ اس مرتبہ والے لوگوں کے قلوب خود مجتمع و الفت پذیر ہیں۔ اگرچہ اون کے اور اون کے امام کے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہو اسلئے کہ ان کے قلوب سے حسد اور بغض سب نکل چکا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ قرب اجسام کے محتاج نہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کے اجسام باوجود بُعد کے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں بہ نسبت اوس قرب کی جو دنیا دوست آدمی کو اپنے بھائی کے مونڈھے سے متصل ہونے میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے باریتعالےٰ نے (وتحسبہم جمیعًا وقلوبہم شتّٰی) (ترجمہ) اور گمان کرتے ہو تم اون کو اکٹھے ہوئے۔ حالانکہ قلوب اون کے مختلف ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب مُسافر کی نماز کے بیان میں

تمام اماموں کا اسپر اتفاق ہے کہ سفر میں قصر جائز ہے۔ اور اسپر کہ جب سفر تین دن کی مسافت سے زیادہ ہو۔ تو قصر کرنا افضل ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو مجھے اس باب میں متفق علیہا ملے رہے وہ جن میں اختلاف ہے۔ سو اون میں سے **پہلا مسئلہ** یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قصر عزیمت ہے (عزیمت وہ فعل جو فضیلت والا ہے) حالانکہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے کہ اوس سفر میں جو جائز ہے قصر کرنا رخصت ہے (رخصت عزیمت کا مقابل ہے) اسی طرح امام داؤد علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے کہ قصر صرف اوس سفر میں جائز ہے۔ جو واجب ہو۔ (مثلاً حج وغیرہ)

اور امام داؤد علیہ الرحمۃ سے یہ بھی روایت ہے کہ قصر خوف کے وقت مخصوص ہے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور تیسرے میں کچھ تشدید ہے۔ اسی طرح چوتھے میں۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نفوس قصر کرنے سے اعتراض کرتے

ہیں - اسلئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اوسپر تشدید فرمائی - جیسا کہ موزے کے مسح میں اماموں نے کہا ہے - کہ جب نفس اوس سے نفرت کرے - تو موزہ پر مسح واجب ہے - تا کہ باطن میں شارع کی نافرمانی سے باہر ہو -

اور دوسرے قول کی وجہ لوگوں پر تخفیف کرنا ہے - کیونکہ سفر مشقت کے شبہ کا مقام ہے - اور اگر بندہ نے کسی امر حق کے بارے میں سفر کیا تو اگر وہ اپنے اندر قوت پائے - تو اوس کے لئے پوری رکعات پڑھنا افضل ہے - اور جو مشقت پائے - تو اوس کے لئے شارع کی رخصت اولے ہے

اور شارع کا مقصد یہ ہے کہ بندے سینہ کھول کر خوشی کے ساتھ عبادت بجا لائیں - اور وہ لوگ اس کو اوس خدا تعالے کا فضل شمار کریں جس نے اونکو ایسی عبادت کا اہل بنایا نہ وہ لوگ جو خدا تعالے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں - اور اوس سے اسطرح مناجات کرتے ہیں جسطرح انبیاء اور ملائکہ کرتے ہیں (کیونکہ ثانی الذکر کا مرتبہ پہلوں سے بڑھا ہوا ہے) اور جو شخص اپنے اندر تنگی پاوے اپنے پروردگار کے سامنے دیر تک کھڑے رہنے سے - تو اوس کے لئے قصر کرنا افضل ہے - تا کہ اس طور نہ کھڑا رہنا پڑے جسطرح کوئی مجبور کیا گیا شخص پھر اللہ تعالے اوسپر اسوجہ سے غضب فرماوے - فرمایا ہے باریتعالے نے (فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام) (ترجمہ) پس جس شخص کو اللہ تعالے ہدایت کرنا چاہتا ہے تو کھول دیتا ہے اوس کے سینے کو واسطے اسلام کے) ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء - (ترجمہ) اور وہ شخص کہ چاہے اللہ تعالے گمراہ کرنا اوسکا تو کر دیتا ہے اوس کے سینہ کو تنگ سخت گویا کہ چڑھتا ہے آسمان میں) پس پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے - اور دوسرا درمیانی درجہ کے لوگوں کے ساتھ +

اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ جس سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قصر کیا - وہ سفر واجب تھا - کیونکہ وہ آپ کی حیات میں آپ کے امر سے تھا - اور امام داؤد علیہ السلام علماء اہل ظاہر کے سرگروہ ہیں - اسلئے وہ اوسی حد پر ٹھیر گئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا - اور ہر اوس سفر کو جو واجب ہو اوس پر قیاس کر لیا - اور اسی طرح خاص کرنا اون کا قصر کو - (دوسری روایت میں) وقت خوف کے ساتھ کہ یہ بھی اوس حد پر ہے جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے - پس اسکو خوب سمجھ لو +

دوسرا مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک سفر معصیت میں قصر جائز نہیں اور باقی سفر کی رخصتیں بھی کسی حال میں جائز نہیں - حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول سفر معصیت میں رخصتوں کے جواز کا ہے - پس پہلا قول مشدد ہے - اور دوسرا مخفف - لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ رخصتیں معاصی پر مرتب نہیں ہوتی ہیں (یعنی معاصی سے رخصتوں کا کچھ تعلق نہیں) اور باریتعالے نے اوس شخص کے بارے میں جو مردار کھانے کی

طرف مضطر ہو جائے سارشاد فرمایا۔ کہ (فمن اضطرّ فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم) (ترجمہ، پس جو شخص مضطر ہو جائے سخت بھوک میں اس حال میں کہ نہ قصد کرنے والا ہو گناہ کا) اور فرمایا ہو کہ (فمن اضطرّ غیر باغٍ ولا عادٍ) (ترجمہ، پس جو مضطر ہو جائے اس حال میں کہ نہ فساد کرنے والا ہو۔ اور نہ حد سے گذرنے والا) اور جو فساد کرنے والا یا اللہ تعالےٰ کی حدود سے گذرنے والا ہو تو وہ خدا کا دشمن ہے اوسپر نزول رحمت کا استحقاق نہیں اور نہ تخفیف کا۔ بلکہ اوسکو تمام عالم مبغوض سمجھیگا۔ اور جسکو تمام عالم مبغوض رکھے اوس کو مناسب ہے کہ خدمت زیادہ کرے۔ اور رکوع وسجدے بہت کرے۔ تاکہ اوسکا مولیٰ اوسکو قبول کرے۔ اور اوس سے راضی ہو جائے اور یہ بعید بات ہے کہ اوسکا پروردگار پوری نماز پڑہنے سے بغیر قصر کیئے رضامند ہو جائے۔

اور بہت زیادہ باریک وجہ یہ ہے۔ کہ اوسکا تکلیف کرکے دو رکعتیں اور بڑہاکر اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کو طویل کردینا ایسی حالت میں کہ پروردگار اوسپر غصہ ہو رہا ہو۔ دوزخ میں داخل ہونے سے بھی اوس کے واسطے زیادہ سخت ہے۔ پس جب تک وہ اوس کے سامنے کھڑا رہیگا۔ خدا تعالےٰ اوس کو نظر غضب سے دیکھتا رہیگا۔ اور یہ باطن کے اعتبار سے اوس کے لئے سخت عذاب ہے۔

اور یہیں سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ اسطرح کہ گناہ کا سفر کرنے والے کو اس خوف سے قصر ہی کرنا چاہیئے کہ کہیں خدا تعالےٰ کے سامنے زیادہ دیر کھڑے رہنے سے ایسی حالت میں کہ وہ غضبناک ہو نا راضی بڑھ نہ جائے۔ پس اوس کے حق میں قصر کرنا رحمت ہے۔

اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اصل میں رخصتوں کی وضع گھٹیا مرتبہ کے لوگوں کے لئے ہوئی ہے۔ اور وہ گناہگار ہیں۔ کیونکہ اون سے ادنیٰ مرتبہ کے آدمی اور کون ہونگے۔ لہٰذا سفر معصیت کرنے والے کے لئے قصر کا عدم جواز اس باب سے ہو گیا۔ کہ (وبلوناهم بالحسنات والسيئات لعلهم يرجعون) (ترجمہ، اور آزمایا ہم نے اون کو بذریعہ بھلائیوں اور برائیوں کے تاکہ کوٹیں وہ) پس جس عالم نے گناہ کے واسطے سفر کرنے والے کے لئے قصر کو ناجائز کہا ہے۔ اوسکا مقصد یہ ہے کہ اس سے وہ اپنی بدکاری پر متنبہ ہو کر توبہ کرے۔ پھر رخصت کو لیوے۔ اسی طرح جس نے اوس کے لئے قصر کو جائز کہا ہے۔ اوسکا مقصد یہ ہے کہ وہ غور کرے۔ کہ باوجود میرے عاصی ہونے کے خدا تعالےٰ نے کسقدر وسعت کو جائز کیا ہے۔ اور اپنے احسان کو مجھ سے قطع نہیں فرمایا۔ تاکہ اوسکو خدا تعالےٰ سے شرم آوے۔ اور اپنے عصیان سے باز آجائے پس راضی رہے خدا تعالےٰ تمام اماموں سے کہ کسقدر باریک مفاہیم ہیں اون کے۔ اور بدلہ دے اونکو اللہ تعالےٰ بہتر بدلہ اون کے نبی کی تمام امت کی جانب سے

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جب سفر تین منزل کو پہونچ جائے۔ اور مسافت تین دن کی اسی سے تعبیر کی جاتی ہے۔ تو پورا کرنا نماز کا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ پورا کرنا نماز کا جائز نہیں۔ اور یہی قول بعض مالکیہ کا ہے پس پہلا

قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ پورا پڑھنا نماز کا اصل ہے - اور قصر کرنا (یعنی چار رکعت فرض سے دو رکعت پڑھنا) عارضی شے ہے - تو جب انسان اصل کیطرف رجوع کرے - تو اس میں اوس پر کچھ حرج نہیں -

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ اس رخصت میں شارع اور آپ کے جمہور اصحاب کی پیروی ہے - کیونکہ پوری نماز پڑھنا شارع کی رخصت کو مٹاتا ہے - حالانکہ شارع نے اوس رخصت کو وضع نہیں فرمایا مگر باوجود جاننے اوس کے کے مصالح عباد کو - پس رخصت پر عمل کرنیوالا پیروی کرنے والا ہے - اور پوری نماز پڑھنے والے پر کبھی مبتدع کا بھی اطلاق کیا جا سکتا ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

چوتھا مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک قصر نہ کرے مگر اوسوقت کہ جب اپنے شہر کی آبادی سے نکل جاوے - حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ قصر نہ کرے - یہانتک کہ اپنے شہر کی آبادی سے مفارق ہو جاوے اور شہر کی دائیں یا بائیں جانب سے محاذات بھی نہ رہے -

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہ قصر کرے جب تک شہر سے تین میل تجاوز نہ کرجائے اسی طرح حارث بن ابی ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اوسکو اپنے گھر میں سفر کے لئے نکلنے سے قبل ہی قصر کرنا جائز ہے - اور نماز پڑھائی اونہوں نے لوگوں کو ایک مرتبہ دو رکعتیں (قصر کیوجہ سے) اپنے گھر میں - حالانکہ اوس میں حضرت اسود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بہت سے اصحاب شریک تھے -

اسی طرح مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ اگر وہ (سفر کے واسطے) دن میں نکلے - تو قصر نہ کرے - یہانتک کہ رات ہو جائے - اور اگر رات میں نکلے - تو نہ قصر کرے - یہاں تک کہ دن ہو جائے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے - اور تیسرا بہت مخفف ہے - اور اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت اور چوتھا قول مشدد ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا -

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ قصر سفر میں مسافر کے آبادی سے جدا ہو جانے کے وقت مشروع ہوا ہے - اگرچہ مفارقت ایک ہی جانب سے ہوتی ہو -

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ قصر حقیقت میں سفر کے اندر نہیں مشروع ہوا مگر شہر کی تمام جانب سے متجاوز ہو جانے کے وقت

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ مسافر مسافر نہیں نام رکھا جاتا مگر اوسوقت کہ جب شہر سے جدا ہو کر اتنی دور تک چلا جائے - کہ جو غالباً شہر سے بے تعلق ہو - اور اسکا کھیتوں اور باغوں سے متجاوز کر جاتا ہے - اور وہ غالباً شہر سے تین میل سے زیادہ دور تک نہیں ہوتے ہیں *

اور جس نے کہا ہے۔ کہ جب سفر کا عزم کر چکے۔ تو اپنے گھر ہی میں قصر شروع کر دے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اوس کے نزدیک نیت سفر کا موجود ہو جانا ہی قصر کو مباح کرتا ہے۔ اور نیت پائی جا چکی +

اور مجاہد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشقت جو رخصت کا سبب ہے مسافر کو عادتاً محسوس نہیں ہوتی۔ مگر بعد ایک دن یا ایک رات کے +

اور ان تمام وجوہ سے باریک تر وجہ یہ ہے۔ کہ مسافر جسقدر رفتہ رفتہ چلے گا اوس درگاہ سے قریب ہوگا۔ جو مسافر کے قصد کا منتہی ہے اوسی قدر تخفیف کا مامور ہوگا تاکہ مدت کو طے کرے۔ اور اوس درگاہ میں اپنے رب کا ہم جلیس ہو۔

اور غور کرو اس کی مثال سراب کی سی ہے (سراب وہ ذرات جو دور سے پانی معلوم ہوتے ہیں) جب پیاسا آدمی اوس کا قصد کرے اس گمان پر۔ کہ وہ پانی ہے کیسے پا سکتا ہے اللہ تعالے کو اوس کے پاس۔ اور یہ ایک راز ہے جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو خلقیوں کے تمام مراتب میں حق جل وعلا کی پہچان کرتا ہے۔ اسلئے کہ حق تعالے نے ہم کو وصیت کی ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی۔ اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالے نہیں وصیت کرے گا ہم کو کسی اچھی خصلت کی مگر وہ اچھی خصلت اول کے لئے بالاصالۃ ثابت ہوگی۔ اور کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کو اپنے ساتھ ہماری روح نکلنے کے وقت اچھا ظن کرنے کا حکم کرے اور نہ پورا کرے اوس کو جو ہمارا اوس کے ساتھ اچھا گمان ہے۔ یعنی دیکھنا اوسکا ہماری رفتار کی انتہا پر۔ اور ہمارے ارادہ کے ختم پر۔ پس اسکو خوب سمجھ لو +

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ اگر مسافر اپنی نماز کے کسی جز میں مقیم کا مقتدی ہو جائے۔ تو نماز کا پورا پڑھنا (بغیر قصر کے) واجب ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ پوری نماز پڑھنے کے وجوب کے لئے کم از کم امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر اوس کے پیچھے ایک بھی پوری رکعت نہ پاوے تو پوری نماز پڑھنا واجب نہیں۔ (بلکہ قصر کرے) یہانتک کہ اگر اوس شخص کا مقتدی ہوا جو جمعہ کی نماز پڑھتا تھا۔ اور اس نے نیت کی ظہر کے قصر کی۔ تب بھی اوس کو پوری چار رکعتیں واجب ہونگی۔ کیونکہ نماز جمعہ فی نفسہا مقیم کی نماز ہے۔ اسی طرح امام محمد رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ امام مقیم کے پیچھے مقتدی کو قصر کرنا جائز ہے۔ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ پس پہلا قول اس بارے میں کہ مقیم کے پیچھے نماز پڑھنے والے مسافر کو پوری نماز پڑھنا ضروری ہے مشدد ہے۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے نماز جمعہ کی صورت میں۔ اور تیسرا قول مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ امام کا رتبہ اس سے ارفع اور برتر سمجھنا ہے۔ کہ کوئی شخص اوس کی تابعداری خلاف کرے۔ جبکہ اوس کا اقتدا کر لیا۔ اور اپنے نفس کی پیروی کرے

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی امام کا تابع اوسی وقت بولا جاتا ہے کہ جب

اوس کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے وکیونکہ باقی رکعات پہلی رکعت کی تکرار ہیں۔
اور تیسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی...... شیت کے موافق عمل کرتا ہے جس کو اوس نے حق تعالےٰ کے ساتھ مربوط کردیا۔ اور اوسکو منسوخ کردیا۔ جسکا ربط مخلوق کے ساتھ تھا۔ کیونکہ کامل ادب یہی ہے۔ بالخصوص اگر نماز کے طویل کرنے سے تکلیف پاتا ہو۔ اس جہت سے کہ اوس مقصد تک پہونچنے کی مسافت جو حق تعالےٰ کے خاص دربار میں حاضر ہو کر اوس کے پاس بیٹھنے سے عبارت ہے طویل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس کی توضیح ابھی گذر چکی ہے اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک ملاح جب ایسی کشتی میں سفر کرے جس میں اوس کے اہل وعیال اور مال بھی ہو۔ تو اوس کے لئے قصر جائز ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ قصر نہ کرے۔ فرمایا امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہ اسی طرح کرایہ پر (گاڑی وغیرہ) چلانے والا جو ہمیشہ مسافرت کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے اندر بھی امام احمد رضی اللہ عنہ کی تینوں اماموں نے مخالفت کی ہے۔ پس کہا ہے اونہوں نے کہ اوس کو نماز کے قصر کرنے اور روزہ کے افطار کرنے کی رخصت ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا قول دونوں مسئلوں میں مشدد ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اصلی وطن اور اپنے اہل اور اپنے اصحاب سے سفر کرنے والا ہے۔ اسلئے کہ کشتی درحقیقت اوسکا وطن نہیں ہے پس گویا کہ وہ کشتی تیرا رہی ہے اوس کو خشکی ہیں۔ لہٰذا جائز ہوا اوس کے لئے قصر کرنا۔ اور افطار کرنا +

اور دوسرے قول کی وجہ دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ جس شخص کا اہل اور مال کشتی میں موجود ہو۔ تو گویا کہ وہ اپنے شہر میں حاضر ہے۔ اسلئے وہ سفر کی رخصتوں کا مستحق نہیں۔ اور مدار اسکا اس بات پر ہے کہ سفر اسفار سے مشتق ہے۔ (اسفار کے معنی روشن کرنا کھولنا) پس ہر وہ شخص کہ پہلے حق تعالےٰ کا دربار کھل جائے۔ تو اوس کے لئے قصر جائز ہوگا۔ اوس کے اندر جلدی سے داخل ہونے کی خواہش ہیں۔ کیونکہ کاملین کے نزدیک نماز منجملہ سفر کے شمار کیجاتی ہے۔ لہٰذا اون میں سے کوئی اللہ تعالےٰ کے خاص دربار میں داخل نہیں ہوتا مگر نماز کی انتہار کے وقت اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ چاروں اماموں اور اون کے سوا جمہور علمار کا یہ قول ہے کہ نماز کے قصر کرنے والے کے لئے سنن رواتب (مقررہ) سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسکو مکروہ کہا ہے۔ اور جس کو ایسا کرتے دیکھا۔ اوسکو انکار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر شارع ہم سے اس کی خواہش رکھتا۔ تو سفر میں ہمارے لئے قصر کو مباح نہ فرماتا۔ پس پہلے قول میں اس بات کو مسافر کی ہمت کی طرف لوٹایا ہے اور اوس کے عزم کی طرف۔ اور دوسرے قول میں اوس کے ساتھ سخت رحمت برتی گئی ہے اور اوس ہی کا نہی شفقت نام رکھا گیا ہے۔ اور اس کے لئے شریعت میں بہت نظیریں ہیں۔ کیونکہ

شارع مومنین سے بہ نسبت اون کی جانوں کے زیادہ قریب ہے + پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالٰے کے سامنے کھڑے ہونے کی خواہش کو منع کرنا کسی کے لئے مناسب نہیں۔ مگر کسی دلیل کے ساتھ۔ اور ہمارے واسطے کوئی دلیل اس امر کے متعلق اون ارشادات میں وارد نہیں ہوئی جو ہم تک پہونچے ہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سفر عادتاً مشقت اور خدا تعالٰے کے مراقبہ سے دل کو مشغول کرنے کا محل ہے۔ پس جو تکلف کرکے اللہ تعالٰے کے سامنے کھڑا ہو۔ تو اوس نے حد سے زیادہ اپنے نفس کو تکلیف دی۔ پھر وہ اپنی دلجمعی پر قادر نہ ہوگا جیسا کہ حضوریں غالبًا اوس کے لئے واقع ہوتا ہے۔ پس گویا کہ حکم اوسکا مثل اوس شخص کی ہے جس کو حق تعالٰے نے اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی۔ لہذا وہ اوس فعل پر بدو نہ کیا جائیگا جو اوس نے کیا۔ کیونکہ شارع باربرداری کا ضامن نہیں ہوا۔ مگر اوس شخص کے لئے جو اوس کے حکم کے ماتحت ہو۔ اور جب اکثر لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنی فرض نمازوں میں اول سے لیکر آخر تک اللہ تعالٰے کے ساتھ حاضر نہیں ہوتے۔ پس جو اوپر زائد نمازیں پڑھینگے۔ اون میں حضور کیونکر ممکن ہے۔ پس اسکو سمجھ لو۔ اور جمہور کی تابعداری کرو۔ کیونکہ جمہور صحابہ رض اور تابعین رح کا اتباع اونکی مخالفت سے بہتر ہے۔ بشرطیکہ نفل پڑھنے والے کو حضوری حاصل ہو۔ ورنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بہتر ہے۔ پس جمہور صحابہ کے قول کو بڑے درجہ کے لوگوں پر محمول کیا جائے گا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوٹے درجہ کے لوگوں پر۔ اور اللہ تعالٰے زیادہ جاننے والا ہے

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اگر مسافر نے آنے اور جانے کے دو روز کے علاوہ چار دن ٹھیرنے کی نیت کی۔ تو وہ مقیم کے حکم میں ہو گیا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ مقیم نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ پندرہ یا زیادہ دن ٹھیرنے کی نیت کر لے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول انیس دن کا ہے۔

اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر اوس نے اتنی مدت تک ٹھیرنے کی نیت کی جس میں بیس نمازوں سے زیادہ ادا ہو سکتی ہیں۔ تو نماز پوری کرے۔ (یعنی مقیم کے حکم میں ہے) پس پہلا قول مشدد ہے اور ایسے ہی چوتھا۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول مخفف ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول میں تخفیف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ احتیاط اسی کے اندر ہے (کہ) رخصت کا زمانہ قلیل رہا۔ اور یہ قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو فرائض کو ایک قسم کے نقص کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس نے آئمہ نے اون کے قصر کی ایک ایسی مدت مقرر فرمائی جو درمیانی ہے۔ تاکہ زمانۂ رخصت دراز نہ ہو جائے۔ جو اون کی نمازکے تمام نہ ہونے کی وجہ سے اون

کی پونجی میں نقصان کا باعث ہو۔ بخلاف بڑے درجہ کے لوگوں کے جو فرائض کو اوس کمال کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ جو اون کے شایانِ مرتبہ ہے۔ کہ اون کے لئے چار دن سے زیادتی جائز ہے۔ اسلئے کہ اون کی نماز کا ہر قدم چھوٹے لوگوں کے اعمال کے پلّوں کی برابری کرتا ہے۔ اور صحیح ہو سکتا ہے کہ دوسرے قول کی علت پہلے قول کی علت ٹھیرائی جائے۔ اور برعکس۔ اس اعتبار سے کہ بڑے درجہ کے لوگ اللہ تعالٰے کے سامنے دیر تک کھڑے رہنے پر قادر ہوتے ہیں۔ لیکن سفر وقت طویلہ پر صبر نہیں کر سکتے۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔ اور یہاں چند رموز ہیں جن کے ذائقہ کو اللہ والے ہی چکھ سکتے ہیں۔ اور کتاب میں مذکور نہیں ہو سکتے۔

اور اس سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی علت بھی معلوم ہو گئی۔ کہ مسافر اگر کسی شہر میں اس نیت سے مقیم ہو۔ کہ جب فلاں حاجت جس کے حصول کی ہر وقت امید ہے حاصل ہو جائے گی۔ تو یہاں سے کوچ کر جاؤنگا۔ تو وہ شخص ہمیشہ قصر کرے (جب تک اوس شہر میں رہنا ہو۔ ایک ماہ۔ ایک سال۔ دو سال) (اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کی بھی کہ اونکے راجح مذہب کے موافق اٹھارہ دن قصر کرے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ چار دن۔ اور اللہ تعالٰے زیادہ جاننے والا ہے۔

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کے نزدیک جس شخص کی اپنے مکان پر نمازیں قضا ہو گئی ہوں۔ پھر وہ مسافر ہو جائے۔ اور سفر ہی میں اون کی قضا کرنی چاہے۔ تو وہ قصر نہ کرے۔ بلکہ پوری کرکے پڑھے۔ ابن منذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ میں اس مسئلہ میں کسی کو مخالف نہیں جانتا۔ حالانکہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اور امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کو جائز ہے کہ قضا کی نمازیں قصر کرکے پڑھے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہ جس کی حالت سفر میں نمازیں فوت ہو جائیں۔ تو اوس کے لئے حالت حضر میں (قضا کرتے وقت) قصر کرنا جائز ہے۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ اوس پر نماز کا پورا کرنا واجب ہے۔ (یعنی قصر جائز نہیں) پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سفر کی فوت شدہ نماز جو وقت فوت ہوئی ہے۔ تو نہیں تھی وہ مگر صرف دو رکعتیں۔ پھر جب وہ سفر سے واپس آگیا۔ تو اوس کی قضا اوسی حالت سے کریگا جس حالت پر فوت ہوئی تھی۔ (یعنی دو رکعتیں)

اور دوسرے قول کی وجہ اوس عذر کا زائل ہو جانا ہے جو جواز قصر کو مباح کرنے والا تھا۔ اور وہ سفر تھا۔ اور قیاس کرنا ہے اوس نماز پر جو سفر سے قبل مکان پر فوت ہو جائے تو سفر میں (بوقتِ قضا) اون کا قصر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جب وہ فوت ہوئی تھی تو چار رکعت

والی تھی۔ اسلئے قضا ادا کے مشابہ ہونی چاہئے۔ پس امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو دیندار اور صاحب احتیاط ہیں۔ اور پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ وہی لوگ مستحقین رخصت ہیں

گیارھواں مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک نماز ظہر اور عصر میں اور مغرب وعشاء میں جمع کرنا جائز ہے۔ خواہ دونوں نمازوں میں سے پہلی نماز کے وقت میں دونوں کو اکٹھا کرے۔ خواہ پچھلی نماز کے وقت میں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ سفر کے عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھ لینا کسی حال میں جائز نہیں۔ مگر مزدلفہ اور عرفہ میں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا اور اللہ تعالےٰ کے فضل پر بندہ کی جانب سے زیادہ اعتماد کرنے کی طرف میلان ہے۔ کہ بندہ جس وقت چاہے۔ ماسوا اوقات کراہت کے اوس کے دربار میں داخل ہو سکتا ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ ادب کا ہمیشہ پاس رکھنا ہے۔ اور اوس سے بھی زیادتی کرنا جسقدر کہ بندہ حق تعالےٰ کے دربار سے نزدیک ہو پس نہ کھڑا ہووے اوس کے سامنے مگر ہر نماز میں خاص اجازت حاصل کرکے نہ عام اجازت سے۔ اسلئے کہ حق تعالےٰ پر کچھ پابندی نہیں۔ کیونکہ اوسکو اختیار ہے کہ پہلے بندہ کو اجازت دیدے۔ کہ میرے دربار میں جب چاہے داخل ہو جائے۔ پھر وہ اوس اجازت سے لوٹ جائے۔ اس کی دلیل بعض احکام شرعیہ میں نسخ کا واقع ہونا ہے۔ پس اسکو سمجھ لو۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

بارھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک بارش کے وقت نماز ظہر وعصر میں جمع کرنا جائز نہیں۔ خواہ پہلی نماز کے وقت دوسری کو جمع کیا جائے۔ یا پچھلی نماز کے وقت پہلی کو جمع کیا جائے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ان دونوں کو تقدیماً جمع کرنا جائز ہے (اسطرح) کہ دونوں نمازوں میں سے پہلی نماز کے وقت میں دونوں کو اکٹھا کرکے پڑھے۔

اسی طرح امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بارش کے عذر کی وجہ سے اکٹھا پڑھنا جائز ہے۔ نہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو خواہ بارش زور کی ہو یا ہلکی ہو اتنی کہ کپڑا تر ہو جائے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ دن کے وقت بارش میں چلنے سے زیادہ مشقت نہیں ہوتی ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ کیونکہ (جمع کرنے سے) جماعت کے ساتھ

نماز ملتی ہے۔ ورنہ اگر بارش زیادہ ہوگئی۔ تو جماعت کی جگہ چلکر آنا دشوار ہو جائیگا ✦

اور اسی وجہ سے پہلی نماز کے وقت میں دونوں نمازوں کو اکٹھا کرکے پڑھنا جائز ہوا۔ نہ اسطرح کہ پچھلی نماز کے وقت میں دونوں کو اکٹھا کرکے پڑھا جائے۔

اور اسی سے امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ جاننا چاہئے۔ کہ رخصت اوسی شخص کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو کسی ایسے بعید مقام پر جماعت کی نماز پڑھتا ہو کہ اوس کے رستہ میں بارش سے سخت تکلیف ہوتی ہو۔ اور اگر وہ شخص مسجد ہی میں ہو یا اپنے مکان میں جماعت کی نماز پڑھتا ہو۔ یا جماعت کی جگہ تک کسی آڑ (چھت چھتہ چھتری وغیرہ) میں جاسکتا ہو۔ یا جماعت کی جگہ اوس کے دروازہ سے لگی ہوئی ہو (تو ان سب صورتوں میں) امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا صحیح مذہب یہ ہے۔ کہ (اکٹھا کرکے پڑھنا) جائز نہیں اور منقول ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے (املاء) میں جواز پر تصریح کی ہے ✦

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارش نہ ہونے کے وقت کیچڑ کی وجہ سے نمازوں کا اکٹھا کرنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ جائز ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا میں نے کوئی کلام نہیں دیکھا۔ کیونکہ اون کے نزدیک عرفہ اور مزدلفہ کے سوا اور کسی وقت جمع کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ گذرا پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف اور دونو کی وجہ ظاہر ہے

چودھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مرض اور خوف کی وجہ سے دو نمازوں کا اکٹھا کرنا جائز نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اس کے جواز کا ہے۔ اور اسی کو متاخرین اصحاب کی ایک جماعت نے پسند کیا ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ بہت قوی ہے اور بلا خوف و مرض کے اکٹھا کرنا سو اس کو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حاجت کے وقت جائز کیا ہے۔ جب تک کہ اس کی عادت و دستور نہ بنالے۔ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشدد ہے اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول مخفف ہے۔ اسی طرح ابن سیرین اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اور پہلے قول کی وجہ اوس کے جواز کے بارے میں کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ اور جو لوگ ان کے موافق ہیں۔ ان کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مرض اور خوف غالباً بارش اور کیچڑ سے مشقت میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ اور ابن منذر رضی اللہ عنہ کے قول کی دلیل مجھے معلوم نہ ہوئی۔ اور را اور اوی یہ تھا۔ کہ ان دونوں سے ان کے مطلقاً جواز کی تصریح نہ ہوتی۔

اے بھائی امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول میں غور کرو۔ کہ جب ان سے کہا گیا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں بغیر خوف اور مرض کے نمازوں کو جمع کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے۔ کہ بارش کے عذر سے (ایسا کیا) انہوں نے کسی بات کا اپنی جانب سے یقین نہیں کرلیا (بلکہ) ان کو تو نہایت درجہ کا مؤدب پاویگا۔ پس اے بھائی اپنے آپ کو اس سے بعید رکھ۔ کہ تو اس قول کو نقل کرے۔ جو ابن سیرین یا ابن منذر کی طرف سے ذکر کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا ضعف نہ بیان کرے۔ اور یہ کہ نماز کو وقت سے پہلے پڑھ لینا جو عذر کی وجہ سے ہوا یہ صرف اسی نماز کے اندر ہے۔ جس کے جمع کا جواز شریعت میں وارد ہوا ہے۔

بلاف ان کے جن کا جمع کرنا اجماعاً ناجائز ہے جس طرح نماز صبح کو نماز عشاء کے ساتھ یا مغرب کی نماز کو عصر کی نماز کے ساتھ جمع کرنا وغیرہ (اور ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ اور ابن منذر رضی اللہ عنہما ہر دو نمازوں کے جمع کے قائل ہیں)

باب نماز خوف کے بیان میں

اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ خوف کی نماز کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ثابت ہے امام غزنی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ان کا قول ہے۔ کہ یہ نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص تھی

اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ نماز خوف حضر میں چار رکعتیں ہیں۔ اور سفر میں قصر کرنے والے کے واسطے دو رکعتیں اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ تمام وہ صفات جو اس نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں معتبر ہیں

سوا اس کے نہیں کہ اختلاف ترجیع ایک ایک آیت کو دو دو بار تین تین بار پڑھنا بعض نے کہا۔ ترجیع سے مراد آواز کو دراز کرنا ہے منترجم ہیں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ مرد کے لئے ریشم پہننا جائز نہیں۔ ایسے ہی اس پر بیٹھنا اور اس کی طرف تکیہ لگانا مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بالخصوص ریشم کے پہننے کی حرمت منقول ہے یہ وہ مسائل ہیں۔ جو میں نے متفق علیہا اس باب میں پائے۔ رہے وہ جن میں اختلاف ہے۔ سو ان میں سے (پہلا مسئلہ یہ ہے) کہ تینوں اماموں کے نزدیک اس خوف کی وجہ سے جس کے موجود ہو جانیکا ڈر ہو۔ نماز خوف پڑھنا جائز نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے جواز کا ہے پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ آیات و احادیث میں خوف کا مطلق ہونا ہے۔ پس اس میں خوف بھی آ گیا۔ جو موجود ہو۔ اور وہ بھی جس کے وجود کی توقع ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس بزدل آدمی پر محمول کیا جاوے۔ جس پر رعب کا اثر بہت سخت ہوتا ہو۔ نہ بہادر نہ دلیر لوگوں پر

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں اور ان کے غیر کے نزدیک وہ نماز جماعت سے اور تنہا تنہا پڑھی جاوے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ جماعت سے ادا نہ کی جاوے۔ پس پہلے قول میں اس جہت سے کہ لوگوں کو اختیار ہے چاہے جماعت سے پڑھیں یا تنہا تنہا امت پر تخفیف ہے اور دوسرا قول اس جہت سے کہ اس میں ترک جماعت کی تشدید ہے۔ امت پر پورا مخفف ہے۔ اگر لوگ اس کو جماعت سے ادا کرنے کو اختیار کریں۔ تو اس وقت ان پر مشدد ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ ممانعت جماعت میں کوئی نص وارد نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں لوگوں پر توسیع ہے۔ بوجہ نہ مربوط ہونے ان کے کے فعل کے ساتھ کیونکہ ہر ایک اپنے نفس پر ڈرنے میں مشغول ہو گا۔ اور جب امام سے مربوط ہو گا۔ تو

قتال اس پر آسان ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک وقت میں اکھٹی دو چیزوں کی رعایت کرنے سے عاجز ہے۔ ان میں امام ہے۔ اور دوسرا دشمن۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک نماز خوف حضر میں جائز ہے۔ پس نماز پڑھاو امام ہر فرقہ کو دو دو رکعتیں حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز خوف حضر میں نہ ادا کی جاو پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نماز خوف کے حضر میں اجازت دی ہے۔ اور دونوں قوتوں کی ظاہر ہے۔ اور وہ خوف کا پایا جانا کیونکہ شارع نے نہیں تصریح کی خوف کو سفر کے ساتھ مقید کرنے کی

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ جب لڑائی زور پر ہو جائے۔ اور خوف سخت ہو۔ تو جس طرح ممکن ہو پڑھیں۔ اور نماز کو اٹھا نہ رکھیں اس وقت کے لئے کہ جب لڑائی سے رک جائیں۔ خواہ وہ پیادے ہوں یا سوار قبلہ رو ہوں یا نہیں رکوع اور سجدہ کیلئے اپنے سروں سے اشارہ کریں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ نماز نہ پڑھیں۔ یہاں تک کہ لڑائی سے رک جائیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دو مخفف لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔ پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ لوگ خوف کے وقت نماز کا حکم نہیں کئے گئے۔ مگر واسطے برکت حاصل کرنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے نائب کے اقتدا کے ساتھ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وصال فرما گئے۔ تو یہ فرض جاتا رہا۔ اور نماز کو مؤخر کرنا باوجود ان افعال سے باز رہنے کے جو اللہ تعالےٰ بے توجہ کرنے والے ہیں۔ زیادہ بہتر ہے اس شخص کے لئے جو بذریعہ کشف و مشاہدہ حق تعالےٰ کی حضور کے اندازہ کو جانتا ہے۔ کیونکہ جہاد کی بناء ایک قسم کے حجاب پر ہے۔ اور باوجود کشف و مشاہدہ کفار سے جہاد کرنے پر سوا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اور کوئی قادر نہیں۔ اور جو شخص تدبر ساتھ خداوند تعالےٰ کے اس قول کو سوچیگا۔ یا ایھا النبیُّ جاھد الکفار والمنافقین الخ ترجمہ اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور سختی کرو ان پر۔ اور اس کو جو حق تعالےٰ نے جو آپ کے سوا امت کیلئے فرمایا ہے کہ ولیجدوا فیکم۔ ترجمہ اور چاہیئے کہ پاویں وہ تمہارے اندر سختی تو اس پر یہ مضمون واضح ہو جاویگا۔ جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح وہی لوگ ہیں۔ جو آپ کے پورے وارث ہیں نہ کوئی اور۔ پس امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کا قول درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور باقی اماموں کا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ۔ پس اس کو سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہ ہے۔ کہ نماز خوف میں ہتھیار اٹھا کر (ساتھ رکھنا) واجب ہے۔ ان کے سوا دوسروں کا قول یہ ہے۔ کہ واجب نہیں۔ پس پہلا قول ان چھوٹے درجے کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو مخلوق کے حملے سے ڈرتے ہیں اس حال میں کہ وہ حق تعالےٰ کے سامنے ہو بوجہ غلیظ ہونے حجاب ان کے کے

اور دوسرا قول ان بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ ہے جو خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑ

ہونے کے وقت کسی سے خائف نہیں ہوتے بوجہ قوی ہونے ان کے اس یقین کے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے دشمن سے ہماری حفاظت فرمائیگا۔ پس نہ باقی رہا ہتھیاروں کا اٹھانا) مگر مستحب نہ واجب

اور استحباب کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہتھیاروں کا اٹھانا اللہ کے ساتھ یقین اور اس پر بھروسہ رکھنے کے منافی نہیں۔ جیسا کہ علماء نے دوا کرنے کے بارے میں کہا ہے (کہ دوا سے علاج کرنا توکل کے منافی نہیں) پس میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی جماعت کو دیکھ کر دشمن سمجھا۔ (اس وجہ سے) نماز خوف پڑھلی۔ پھر خیال سابق کا غلط ہونا ظاہر ہوا (کہ وہ جماعت دشمن کی نہ تھی) تو اس نماز کی قضا کریں۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ وہ قضا نہ کریں۔

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا اور اس خیال کا اعتبار نہ ہونا ہے جس کا خطا ہونا ظاہر ہو جاوے۔

اور دوسرے قول کی وجہ نماز کے وقت عذر کا پایا جانا ہے۔ لیکن (اس نماز کے) اعادہ کا استحباب مخفی نہیں۔ پس خوب سمجھ لو

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا قول یہ ہے۔ کہ لڑائی میں ریشم کا پہننا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے۔ کہ نہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے اور دوسرا مشدد

اور پہلے قول کی وجہ اس علت کا موجود نہ ہونا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ریشم پہننا حرام کیا گیا ہے۔ اور وہ عورتوں کی طرح زنانہ پن ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا پہننے والا لڑائی کے اندر ہیجڑے پن کی طرف منسوب نہ کیا جائیگا۔ اور سوا اس کے نہیں۔ کہ ضرورت پر عمل کیا جاویگا۔ باوجودیکہ شارع نے لڑائی کے وقت تکبر کرنے میں نرمی فرمائی ہے۔ اس کا قرینہ لڑائی میں اکڑ کر چلنے کا جواز ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ بہادر لوگوں کی متعدی کے منافی ہے اور (اس سے) آنکھوں میں ان کا دبدبہ جاتا رہیگا۔ برخلاف اس شخص کے جو ایسا لباس پہنے ہو۔ جو عیش کا نہ ہو جیسی دبیز چمڑا اور کھجور کا پٹھا مثلاً (کہ لوگ اس کو جفاکش سمجھ کر اس سے مرعوب ہونگے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ ریشم کی طرف تکیہ لگانا مثل اس کے پہننے کے حرام ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ کا قول اس روایت میں جو ان سے منقول ہے یہ ہے صرف اس کا پہننا ہی حرام ہے پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ لہذا میزان کے دونوں قولوں کی طرف رجوع ہوگیا۔

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ اس لئے کہ لفظ (استعمال) جو ریشم کی ممانعت کی حدیث میں وارد ہے۔ وہ اس پر بیٹھنے اور اس کی طرف تکیہ لگانے کو بھی شامل ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ صرف اس حد پر ٹھہر جانا ہے۔ جو حدیث میں وارد ہو چکا اور حدیث کی نص پر اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو جہانوں کا پروردگار ہے۔

باب نماز جمعہ کے بیان میں

اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز واجب ہے فرض عین ہے۔ اور اماموں نے اس شخص کی تو
کی ہے جس نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ وہ مقیم پر واجب ہے۔ نہ
برگز زہری رحمتہ اللہ علیہ اور نخعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں (کہ ان کے نزدیک) مسافر پر جب و
آذان سن لے واجب ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ مسافر جب ایسے شہر میں گذرے جس میں
ہوتا ہو تو اس کو جمعہ کے ادا کرنے اور ظہر پڑھنے میں اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے
نماز جمعہ اس نابینا پر واجب نہیں جو ہاتھ پکڑ کے لے جانے والے کو نہ پاوے اور اگر اس کو ایسا آد
مل سکے۔ تو اس پر واجب ہے۔ مگر نزدیک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے (کہ ان کے نزدیک واجب
اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ دونو خطبوں میں کھڑا ہونا مشروع ہے۔ اختلاف صرف کھڑے ہونے
وجوب میں ہے۔ جیسا کہ عنقریب آجائیگا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ جب لوگوں سے نماز جمعہ فو
ہو جائے۔ تو اس کی جگہ ظہر پڑھیں۔ یہ وہ مسائل ہیں۔ جو میں نے اسی باب میں متفق علیہا پائے
رہے وہ جن میں اماموں کا اختلاف ہے۔ سو ان میں سے

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تمام اماموں کا قول یہ ہے کہ نماز نابالغ بچے اور غلام اور مسافر اور عورت
واجب نہیں۔ مگر ایک روایت میں خاص غلام کے اندر جو امام احمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ا
داؤد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ واجب ہے (یعنی تمام مذکورین پر) پس پہلا قول مخفف ہے۔
دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونو مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی سواری حق تعالے کے سامنے ا
کے غیر کی سواری سے زیادہ بلند مرتبہ ہے لہذا اس کے ساتھ کامل لوگ زیادہ مناسب ہیں (یعنی
میں نابالغیت اور رقیت کا نقص نہ ہو) کیونکہ کامل لوگ تیاری سے ظاہر میں ہوتے ہیں۔ اور۔ ناواجب
ہونا نماز جمعہ کا مسافر پر سو اس کی وجہ غالباً اس کے ذہن کا پراگندہ ہونا ہے۔ اس لئے وہ اس
عظیم میں اپنے رب عزوجل کے سامنے حضور اور خشوع پر قادر نہ ہوگا۔

اور دوسرے قول کی وجہ تمام پر جمعہ واجب ہونے کی صورت یا صرف غلام پر واجب ہونے کی شق
میں احتیاط کو لینا ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے۔ کہ تمام نمازیں آزاد مرد کی مثل غلام پر واجب ہوں۔ اس علت
جامعہ سے کہ دونوں سے دونوں اللہ عزوجل کے بندے ہیں۔ اور اللہ تعالی کا اپنے بندوں کو مکلف
کرنے کا خطاب ان کو بھی شامل ہے۔ اور اگر کسی خاص حکم کی تکلیف کے وجوب سے شارع نے
غلام کو مستثنی کر دیا ہو تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کے ساتھ شفقت اور رحمت ہے۔ ا
کی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر غلام جمعہ کی نماز پڑھ لے۔ تو صحیح ہو جاتی ہے۔ پس اس کو اس نماز سے رو
نہیں۔ مگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے اور امام داؤد کے قول کے مؤیدین میں سے یہ ہے۔ کہ نماز جمعہ
مشقت ہلکی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہفتہ میں صرف ایک بار ادا کی جاتی ہے۔ بالخصوص جب

مولیٰ اس کو نماز کا امر کردے (کہ اس وقت تو بہت ہی آسانی ہو جائے) پس اس کو سمجھ لو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک اس نابینا پر جو نماز جمعہ کی جگہ سے دور رہتا ہو۔ جمعہ واجب ہے۔ بشرطیکہ اس کو پکڑ کرلے جانے والا مل جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نابینا پر جمعہ واجب نہیں۔ اگرچہ لے جانے والا مل سکے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔ لہٰذا میزان کے دونو مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ نابینا سے اس مشقت کا زائل ہو جانا ہے جس کی وجہ سے جمعہ کی حاضری میں اس پر تخفیف کی گئی تھی (جمعہ اس پر واجب نہ تھا)

اور دوسرے قول کی وجہ خدا تعالٰی کے اس قول کا مطلق ہونا ہے۔ کہ لیس علی الاعمٰی حرج ترجمہ نہیں ہے۔ نابینا پر کوئی تنگی۔ پس جس طرح اس پر جہاد کے بارے میں تخفیف کی گئی تھی۔ اسی طرح جمعہ میں بھی کہا جائیگا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ تینوں اماموں کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے۔ جو آذان سنے۔ اور وہ ایسے مقام کا رہنے والا ہو۔ جو شہر سے خارج ہے۔ کہ اس مقام کے رہنے والوں پر جمعہ واجب نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ واجب نہیں۔ آذان بڑی سنا کرے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ احتیاط کو لئے ہوئے ہے اور دوسرا قول مخفف ہے اور رخصت (سہولت) کو لئے ہوئے ہے لہٰذا میزان کے دونو مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ خدا تعالٰی کے ظاہر قول پر عمل کرنا ہے کہ (یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ) ترجمہ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے ندا دی جاوے۔ تو دوڑو خدا کے ذکر کی طرف (پس ہر اس شخص کو جو ندا سنے نماز جمعہ میں حاضر ہونے کو (قول مذکور نے) لازم کیا۔

اور دوسرے قول کی وجہ منحصر ہونا اس قول کا ہے۔ اہل مصر (شہر) کے ساتھ جن پر ان کے شہر میں اداء جمعہ واجب ہے۔ پس پہلا قول اکابر اہل دین وتقوے اور محتاط لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا قول چھوٹے اور معمولی درجہ کے لوگوں کے ساتھ۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک ان لوگوں کے حق میں (جن کو کسی وجہ سے) نماز جمعہ کی جگہ تک جانا ممکن نہ ہو۔ ظہر کی نماز جماعت سے مکروہ نہیں۔ بلکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ ان کے نزدیک جماعت ظہر مستحب ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر مذکور کی جماعت مکروہ ہے۔ پس پہلے قول میں بہ جہت عدم مشروعیت جماعت کے نماز ظہر مذکور میں تخفیف ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول میں اس جہت سے کہ اس کی جماعت مستحب ہے تشدید ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ترک جماعت کے قول میں تشدید ہے۔

اور پہلے قول کی [illegible] حکم کا ہے ظہر مذکور میں جماعت کرنے کا۔ اس لئے کہ جو راز نماز جمعہ میں بہ حیثیت [illegible] کے پایا جاتا ہے۔ وہ نماز ظہر میں نہیں پایا جاتا جیسا

کہ اس کو اہل کشف جانتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ مومن کی شان اس گروہ عظیم میں جو خدا تعالیٰ کی جانب سے کوئی حصہ نہ ملنے پر غمگین اور سخت نادم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ (جماعت جمعہ نہ ملنا) ایک مصیبت ہے۔ اور اہل مصائب کو جب غم شامل ہو جاتا ہے تو تنہائی ان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ بلکہ انہیں اپنے دروازوں کو بند کر لینا چاہیئے پس وہ امام کی اقتدا اور اس کے تمام افعال میں (پیروی) کی رعایت رکھنے کے لئے فارغ نہیں ہو سکتے۔ پس اس کو سمجھ لو۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب عید کا دن جمعہ کے روز واقع ہو جائے تو اہل شہر سے نماز عید پڑھ لینے کی وجہ سے نماز جمعہ ساقط نہ ہو گی۔ برخلاف گاؤں والوں کے جبکہ وہ نماز عید میں شریک ہوئے ہوں۔ کہ (کہ ان سے ساقط ہو جائیگی اور ان کو جمعہ چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس چلا جانا جائز ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول دونو اہل شہر اور گاؤں والوں پر جمعہ کے وجوب کا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نہ اہل شہر پر واجب ہے نہ گاؤں والوں پر۔ بلکہ ان تمام سے فرضیت جمعہ اداء نماز عید کی وجہ سے ساقط ہو گئی۔ اور وہ ظہر کی نماز پڑھیں۔ اسی طرح عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ اس دن ظہر اور جمعہ دونو ساقط۔ پس نہیں نماز ہے بعد نماز عید کے مگر عصر کی پس پہلے قول میں گاؤں والوں پر تخفیف ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے۔ اور چوتھا بہت مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ شہریوں کے بارے میں یہ ہے۔ کہ جمعہ اور عید میں تداخل نہیں ہوتا اور ظاہر شریعت ہم سے اس دن دونوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ عید میں بطور استحباب کے اور جمعہ میں بطور وجوب کے اور یہ جو واقع ہوا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی۔ اور اس روز اسی پر اکتفا کیا۔ اور جمعہ کے وقت تشریف نہ لائے تو اس کے بارے میں بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال سے قبل جمعہ پڑھ لیا تھا اور عید کو چھوڑ دیا تھا۔ باوجودیکہ جمعہ پر بھی لفظ عید بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ثابت ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ شارع نے گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہ کرنے کی تخفیف صرف اسی وقت فرمائی ہے۔ کہ جب وہ نماز جمعہ کی جگہ حاضر نہ ہوں اور جب حاضر ہو جاویں۔ تو پھر ان کی واسطے ترک جمعہ کا کوئی عذر باقی نہیں رہا اسے بار عدایا نہیں ہے کوئی صورت۔ مگر یہ کہ ان میں سے کسی کو زیادہ دیر تک انتظار کرنے سے ضرر پہنچتا ہو۔ تو اس وقت تو نہ جانے میں کچھ حرج نہیں۔ جیسا کہ اس کیلئے قواعد شریعت شاہد ہیں

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سے مقصود اس دن قلوب کو الفت پذیر ہونا ہے۔ اور یہ غرض نماز عید سے حاصل ہو چکی۔ باوجودیکہ قلوب رات کے آخری حصہ سے دن چڑھنے تک عید کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ اور وہ اپنے تمام مشغلوں اور تمام ان خواہشات نفسانی سے جو ان کے لئے اس دن مباح ہیں۔ نماز ادا کر لینے تک

رکے رہتے ہیں۔ پس ان پر نماز جمعہ اور خطبہ کے سننے کی وجہ سے دوسری بار تشدید زیادہ نہ کی جاویگی۔ لہذا ظہر ان پر زیادہ خفیف ہے۔ اور بالخصوص عید کا دن جو کھانے اور پینے اور جماع کا دن ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہی ہے۔ کہ اس میں ظاہری پیروی ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم جمعہ میں صرف نماز عید پر اکتفا فرمایا۔ نہ یہ کہ آپ نے اس روز زوال سے قبل جمعہ کی نماز پڑھ لی تھی۔ پس اس کو سمجھ لو۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس شخص پر نماز جمعہ لازم ہو زوال سے پہلے سفر کرنا جائز ہے۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول اس کے عدم جواز کا ہے۔ مگر یہ کہ جہاد ہو (کہ اس وقت جائز ہے) پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ لزوم نماز کا مکلف کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا۔ مگر بعد دخول وقت کے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سفر غالباً جمعہ فوت ہو جانے کا سبب ہوتا ہے اور اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے۔ کہ زوال کے بعد سفر حرام ہے۔ مگر یہ کہ راستہ میں نماز جمعہ کا ملنا ممکن ہو۔ یا رفقاء سفر سے پیچھے رہ جانے میں ضرر کا اندیشہ ہے۔ اور یہاں ایک اور علت ہے جو علت مذکورہ سے زیادہ باریک ہے۔ مگر نہیں ذکر کی جا سکتی مگر روبرو۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ سے قبل نوافل مستحب ہیں۔ اور اس کے بعد بھی جس طرح نماز ظہر میں حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین کا قول یہ ہے۔ کہ مستحب نہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جمعہ سے پہلے نوافل کا ادا کرنا شامل آمادگی کے ہے۔ واسطے کمال حضور و تعظیم کے نماز جمعہ میں۔ اور یہ قول ان چھوٹے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس بات کو نہیں سمجھتے۔ جو نماز کے اندر ہے۔ اور نہ ان کیلئے اس میں حق تعالیٰ کی عظمت کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا کلام ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے لئے حق تعالیٰ کی عظمت کا ظہور اسی وقت سے ہو جاتا ہے۔ کہ جب سے وہ اپنے گھروں میں جاتے ہیں۔ پس وہ جماعت کی جگہ میں نہیں داخل ہوتے۔ مگر اس حال میں کہ وہ خدا تعالیٰ کی انتہائی ہیبت و تعظیم کے اندر ہوتے ہیں۔ لہذا ان کو بذریعہ نوافل کے آمادگی کی ضرورت نہیں۔ اور نماز عید سے پہلے نوافل نہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ پس اس کو جان لو۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس اذان سے قبل بیع حرام ہے۔ جو جمعہ کے دن خطیب کے سامنے ہوتی ہے۔ لیکن (اگر کی) تو صحیح ہو جاویگی۔ حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ بیع صحیح

ہوگی پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بیع ہر حال میں مشروع ہے۔ کیونکہ اس کی حاجت ہے اور یہ قول ان بڑے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس کی وجہ سے حق تعالیٰ سے بے توجہ نہیں ہو سکتے۔ بوجہ قوی ہونے استعداد ان کی کے اور حاضر رہنے قلوب ان کے کے۔

اور دوسرے قول کی وجہ۔ اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے بے توجہ ہو جانے کا خوف ہے اور یہ قول ان چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کو بیع حق تعالیٰ سے اعراض کرا دیتی ہے یعنی اس کے ذکر اور مراقبہ سے اور اللہ تعالیٰ نے اکابر کی مدح فرمائی ہے۔ اپنے اس قول سے کہ (رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الخ) ترجمہ وہ لوگ مرد ہیں کہ نہیں بھلاتے ان کو تجارت اور نہ بیچنا اللہ تعالیٰ کے ذکر (نماز) سے پس تعریف کی ان کی رجولیت (مرد ہونے سے) اس لئے کہ وہ باوجود اسباب میں مشغول ہونے کے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگرداں نہیں ہوتے۔ پس خوب سمجھ لو۔

نواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک خطبہ کے وقت اس شخص کو کلام کرنا جائز ہے۔ جو اس کو سنتا نہ ہو۔ لیکن چپ رہنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں پر جو کلام سنتا ہو اور جو نہ سنتا ہو کلام کرنا حرام ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ چپ رہنا واجب ہے۔ خواہ خطیب سے نزدیک ہو یا دور۔ پس پہلے قول میں تخفیف ہے۔ اور دوسرا قول کلام کے بارے میں مشدد ہے۔ اور تیسرا قول بھی اسی طرح ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کمال عطا فرماتا ہے۔ کہ ان کی ہر حال میں خدا تعالیٰ سے معیت رہتی ہے۔ نہ کوئی شغل ان سے روگردانی کراتا ہے۔ اور نہ کسی شے کی یاد ان کو اس سے بھلاتی ہے۔ اور یہ قول بلند طبقہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ اس جہت سے کہ اکثر لوگ کلام کرنے سے خدا تعالیٰ سے بے توجہ ہو جاتے ہیں۔ پس ان سے وہ کلام فوت ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ خطیب حق تعالیٰ کی زبان پر لوگوں کو نصیحت کرتا ہے۔ اور ان سے وہ مقصود بھی فوت ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے خطبہ مشروع ہوا ہے۔ اور وہ بذریعہ وعظ یاد دہانی کے اللہ تعالیٰ دل کو جمع کرنا ہے۔ کیونکہ خطبہ حق تعالیٰ کے دربار میں داخل ہونے کی دہلیز ہے۔ اور جو اس کو نہ سنیگا۔ اسے قوت و استعداد حاصل نہ ہوگی جس کی وجہ سے نماز جمعہ کے اندر اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہوتا۔ اور اس وقت اس کو دل جمعی حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ جمعیت سے مقصود یہی تھا۔ اور اس کی نماز فقط صورت کی نماز ہوگی۔ اور عنقریب آجاویگا۔ کہ نماز جمعہ کا (جمعہ) نام نہیں رکھا گیا۔ مگر اس بات پر دل جمعی کے واسطے کہ حق تعالیٰ کے لئے ایک خاص اجتماع ہو رہا ہے

اور تیسرے قول کی وجہ بعینہ دوسرے قول کی سی ہے۔

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا (قدیم) میں یہ قول ہے۔ کہ کلام کرنا اس شخص کو حرام ہے۔ جو خطبہ سنتا ہو۔ یہاں تک کہ خطیب کو بھی۔ مگر امام مالک رضی اللہ عنہ نے بالخصوص خطیب کیلئے کلام کرنے کو جائز کہا ہے (مگر)

امام جس میں نماز کے واسطے مصلحت ہو مثلاً ان لوگوں کو ڈانٹنا جو لوگوں کی گردنوں پر گذر کر اندر داخل ہوں اگر وہ کسی خاص انسان سے مخاطب ہو کر کلام کرے۔ تو اس کو اس کا جواب دینا بھی جائز ہے۔ جیسا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ (اپنی کتاب) الام میں فرمایا ہے۔ کہ دونوں سے حرام کسی پر بھی نہیں۔ (خطیب اور سامع میں سے) بلکہ مکروہ ہے۔ اور مشہور امام احمد رضی اللہ عنہ سے یہ ہے۔ کہ سننے والے کو کلام حرام ہے۔ نہ خطبہ پڑھنے والے کو پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے کلام میں تشدید ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ (رسالہ جدید) میں جو کلام ہے۔ اس میں تخفیف ہے (یعنی کتاب الام میں)

اور پہلے قول کی وجہ خدا تعالے کے ظاہر قول پر عمل کرنا ہے۔ کہ (اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا) یعنی اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے۔ تو اس کو سنو اور چپ رہو۔ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن خطبہ سننے کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً لوگوں کی گردنوں پر گذرنے والے کو ڈانٹنا منجملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے۔ ایسا امر اور نہی جس کی وجہ سے خطبہ موضوع ہوا ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خطیب کا مرتبہ اس کا مقتضی ہے۔ کہ اس پر روک ٹوک نہ کی جائے۔ کیونکہ وہ شارع کا نائب ہے۔ اس لئے وہ تمام خطاب کے تحت میں داخل نہ ہوگا بنا بر ایک قول کے دونوں میں سے (کیونکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے دو قول ہیں۔ ایک مشہور جو کہ مذکور ہوا دوسرا غیر مشہور غیر مذکور)

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے (رسالہ جدید) والے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ آیت مذکورہ میں چپ ہونے کا امر استحبابی ہے۔ لہذا کلام صرف مکروہ ہوا۔ بالخصوص اس شخص کے حق میں جو سنتا ہو کہ امام کو خدا تعالیٰ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جیسا کہ دربار جمع یا جمع الجمع والوں کا یہی حال ہے

گیارہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ صحیح نہیں مگر ایسی آبادیوں میں جہاں وہ لوگ رہتے بستے ہوں۔ جن سے جمعہ کا انعقاد ہو سکے۔ خواہ شہر ہو یا گاؤں۔ حالانکہ بعض کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ صحیح نہیں ہوتا۔ مگر ایسے قریہ میں کہ جس کے مکانات پاس پاس ملے جلے ہوں اور اس میں مسجد یا بازار ہو اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ صحیح نہیں مگر ایسے شہر میں جہاں جامع مسجد ہو۔ اور وہاں کے باشندوں کا کوئی بادشاہ (حاکم ہو) پس پہلا قول اس جہت سے کہ اس میں خاص ایک آبادی کی شرط ہے۔ مشدد ہے۔ اور دوسرا قول اس اعتبار سے کہ اس میں مکانات کا متصل ہونا اور بازار شرط ہے بہت زیادہ مشدد ہے اور تیسرا قول مشدد سے بھی زیادہ مشدد ہے

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اسی طرح دوسرے قول کی کیونکہ ہم تک نہیں پہنچا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کسی شہر یا قریہ کے سوا کسی جنگل اور سفر میں جمعہ قائم کیا ہو۔ اور ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما نے مسجد بازار اور مکانات اور بادشاہ کی شرط نہیں لگائی۔ مگر کسی دلیل کی وجہ سے جو ان کو ملی ہو علماء نے بیان کیا ہے۔ کہ پہلا قریہ

جس میں بحرین کے دیہات سے لوٹنے کے بعد جمعہ پڑھا گیا۔ ایک قریہ ہے جس کا نام جو
اور اس میں مسجد بھی تھی۔ اور بازار بھی۔ اور تیسرے کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ جن کا کوئی حاکم نہ
تو ان کا حال تتر بتر ہوگا۔ کہ ان کی کسی بات کا انتظام نہ ہوگا۔ اور بعض کاملین نے بیان کیا
یہ تمام شرطیں اماموں نے صرف لوگوں پر تخفیف کی غرض سے لگائی ہیں۔ اور اس کے صحیح
شرط نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر مسلمان لوگ بغیر آبادی اور بغیر حاکم کے بھی نماز جمعہ پڑھیں۔ تو ان
یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے ان پر نماز جمعہ فرض کی ہے۔ اور ان شرائط سے سکو
ہے۔ جو اماموں نے کی ہیں۔ (انتہٰی)

بارہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ نماز جمعہ صحیح نہیں ہو
اپنا وطن بنائی ہوئی جگہ ہیں۔ پس اگر نکلے لوگ شہر سے یا قریہ سے اور جمعہ کو قائم کیا۔ تو صحیح نہ
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صحیح ہے۔ بشرطیکہ وہ مقام (جہاں نماز جمعہ پڑھی
سے نزدیک ہو۔ جیسے عید گاہ وغیرہ۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف

پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور یہ کہ نماز جمعہ اپنے وطن میں بنائی ہوئی جگہ میں پڑ
وہاں کی بلاء کو دفع کرتا ہے۔ اور جب شہر سے باہر جمعہ پڑھا جائیگا۔ تو ایسی جگہ سے دفع کر
لازم آئیگا جہاں کوئی رہتا نہیں *

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز کسی شے کے نزدیک
ہے۔ اس کا حکم اسی شے کا سا ہوتا ہے۔ تو اگر نزدیک کو چھوڑ کر اس قدر دور باہر کی جانب چلے
اگر کوئی دیکھنے والا اس جگہ کو دیکھے۔ تو اس کو اس میں شک ہو۔ کہ آیا یہ مسجد نمازیوں سے
کچھ تعلق رکھتی ہے یا نہیں۔ تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔

تیرہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جمعہ کا قائم کرنا حاکم کی اجازت
بغیر صحیح ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے۔ کہ اس سے اجازت حاصل کر لی جائے۔ حالانکہ امام
رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ کا انعقاد اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس پہلا
ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ نماز جمعہ کو مثل باقی نمازوں کے ٹھیرانا ہے۔ وہ باقی نمازیں جن کی
ہمیں عام اذان کے ساتھ حکم دیا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ دراصل جمعہ کے امام کا منصب امام اعظم (خلیفہ
کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس کو باقی نمازوں پر جمعہ کے ساتھ مزید خصوصیت ہے
خلیفہ اسلام اور حاکم اسلام کو) اور اس سے اجازت لینا واجب ہوا۔ اور اسی وجہ سے علما
ضرورت ایک شہر میں متعدد جمعے کرنے کو ناجائز کہا ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان عنقریب

چودہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جمعہ
نہیں ہوتا۔ مگر چالیس آدمیوں سے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ چار
منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ کی نماز چالیس سے

ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ تین یا چار آدمیوں پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ اسی طرح امام اوزاعی اور امام ابو یوسف اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ تین آدمیوں سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ابو ثور رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ جمعہ مثل باقی نمازوں کے ہے۔ جب وہاں امام اور خطیب موجود ہو۔ تو نماز صحیح ہے۔ اگر ایک خطبہ پڑھیگا۔ تو دوسرا اس کو سنیگا۔ اور اگر ان میں سے ایک نماز پڑھ ہو ائیگا۔ تو اس کا مقتدی بن جاویگا۔ پس پہلا قول عدد اہل جمعہ میں مشہد وہے۔ اور اس کے بعد والے میں تخفیف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اول جمعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ وہ چالیس یوں کے ساتھ تھا۔

اور اس کے بعد کے تمام اقوال آئمہ کی وجہ تمہ صحیح ثابت ہونا کسی دلیل کا عدد معین کے وجوب ہے۔

اور علما نے بیان کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ کا چالیس آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھنا بقت حال تھی۔ اور اگر آپ چالیس آدمیوں سے کم بھی اس وقت پاتے۔ تو جمعہ ان کے نے پڑھتے جمعہ جیسے شعار اسلام کو قائم کرنے کے لئے کیونکہ اسے خدا تعالےٰ نے جماعت کا پیدا کرنے کیلئے فرض فرمایا ہے۔ اور اسی لئے حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس کو پسند کیا ہے۔ کہ ہر جماعت کے ساتھ جمعہ صحیح ہے۔ جن سے ان کے شہر میں شعار جمعہ کا قیام ہو سکے۔ اور یہ امر بندگان شہر کی قلت اور کثرت کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ پس چھوٹے سے شہر میں صرف ایک ہی جگہ قائم کرنا صحیح ہے۔ اور بڑے شہر میں ضرور ہے۔ کہ متعدد جگہوں میں پڑھا جاوے۔ جیسا کہ لوگوں کا یہ ہی حال ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے۔ کہ اصل وجہ جماعت کے نماز جمعہ میں مشروع ہونے کی۔ بندے کا اکیلا ہو کر خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے پر قادر نہ ہونا ہے مشروع فرمادی خدا تعالےٰ نے جماعت تاکہ بندہ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر مانوس ہو۔ یہاں کہ باوجود اللہ تعالےٰ کے اس عظمت کے مشاہدہ کے جو اس کے قلب کے لئے ظاہر ہوتی ہے کے تمام کرنے پر قادر ہو جائے۔ اور علماء کا اختلاف اس عدد کے بارے میں جس سے جمعہ کا ہو سکے۔ لوگوں کے مقامات قوت وضعف پر مبنی ہے۔ پس جو لوگ ان میں سے قوی ہیں وہ چالیس سے کم کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ دو اور تین ہوں ۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ یا ایک ہو جیسا کہ اوروں نے بھی کہا ہے اور جو ان میں سے کمزور لوگ ہیں۔ ان کے لئے کافی نہیں۔ مگر چالیس یا پچاس آدمیوں کے ساتھ پڑھنا جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے

پندرہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا قول ہے۔ کہ اگر چالیس مسافر یا غلام جمع ہو کر جمعہ کی نماز پڑھیں۔ تو صحیح نہ ہوگی۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ صحیح ہو جاویگی۔

بشرطیکہ وہ ایسی جگہ ہوں جو جمعہ کے ہو سکنے کی جگہ ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ ہم کو نہیں پہنچا کہ شارع نے جمعہ مسافر اور غلام پر واجب کیا ہو۔ یا مسافروں اور غلاموں کو اس کے قائم کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور سوا اس کے نہیں کہ جمعہ کو غیر مسافرین اور غیر غلام کے تابع ٹھیرایا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ اس بارے میں نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اگر جمعہ کا وطن میں شرط ہوتا۔ تو اس کو شارع ضرور بیان فرما دیتے۔ اگرچہ ایک ہی حدیث میں۔

سولہواں مسئلہ۔ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جمعہ کی نماز میں نابالغ لڑکے کا امام ہونا صحیح نہیں۔ کیونکہ انہوں نے فرائض میں اس کی امامت کو منع کیا ہے تو جمعہ میں تو بوجہ اولیٰ منع کرنا چاہیے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے۔ کہ جمعہ میں نابالغ لڑکے کا امام ہونا صحیح ہے اگر اس کے سوا عدد جمعہ پورا ہو۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز جمعہ کی امامت در اصل منصب امام اعظم ہے۔ اور امام (خلیفۂ اسلام) نہیں ہوتا ہے مگر بالغ۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نائب کا تمام صفات میں اصل کی مثل ہونا ضروری نہیں اور اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ روح بالغ ہی پیدا کی گئی ہے۔ کہ وہ زیادتی کو قبول نہیں کرتی پس نابالغ لڑکے اور بڈھے کی روح میں کچھ فرق نہیں۔ پس ہر وہ نماز کہ نابالغ لڑکے سے صحیح ہے اس کے اندر اس کا امام بننا بھی صحیح ہے۔ اور جو اس میں کچھ نزاع کرے۔ اس پر دلیل لازم ہے۔

ستر ہواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک جب امام اس عدد کے ساتھ جو جمعہ میں معتبر ہے۔ تحریمہ باندھے۔ اس کے بعد لوگ وہاں سے الگ ہو جاویں۔ تو اگر امام نے ایک رکعت پڑھ لی ہے۔ اور اس کا چاہے ایک ہی سجدہ کیا ہے۔ تو نماز کو جمعہ کی نماز سمجھ کر پورا کرے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اگر امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد ہی لوگ الگ ہو جائیں۔ تو بھی جمعہ ہی پورا کرے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے اصح اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز جمعہ باطل ہے اس کو نماز ظہر بنا کر پورا کرے۔ پس پہلے قول میں تخفیف اور دوسرا قول مخفف ہے اور تیسرا مشدد ہے۔

اور پہلے اور دوسرے قول کی وجہ حاصل ہو جانا۔ اسم جماعت کا ہے جمعہ کے اندر اس کے شروع کرنے کے وقت جو مذکور ہوا۔ اور تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ بوجہ نہ ہونے اس عدد کے جو اس کے قائل کے نزدیک جمعہ میں معتبر ہے

اٹھارہواں مسئلہ۔ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جمعہ کا ادا کرنا صحیح نہیں۔ مگر ظہر کے وقت۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ زوال سے پہلے بھی صحیح ہے۔ پس جمعہ کو وقت کے اندر شروع کیا۔ اور نماز کو اس قدر دراز کیا۔ کہ وقت نکل گیا۔ تو اس کو ا

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر پورا کرنا چاہیے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ وقت نکل جانے سے نماز باطل ہوئی۔ اور نماز ظہر ابتداء سے شروع کرے۔ اور امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ نماز جمعہ غروب آفتاب تک پڑھی جا سکتی ہے اگرچہ فراغت اس سے بعد غروب ہی ہو۔ پس پہلا قول ادا نماز بعد زوال شرط ہونے کی وجہ سے مشدد ہے۔ اور دوسرا قول اس جہت سے کہ زوال سے قبل تعجیل نماز کی رخصت ہے۔ مخفف ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس صورت میں کہ جب نماز کو اس قدر دراز کیا گیا ہو کہ وقت بھی جاتا رہا ہو۔ نماز کے باطل ہونے میں مشدد ہے۔ اور چوتھا قول مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور یہ کہ لوگوں میں تخفیف ہے۔ اس وجہ سے کہ تجلی بعد زوال کے خفیف ہوتی ہے۔ برخلاف اسی تجلی کے قبل زوال کے کہ اس وقت وزنی ہوتی ہے۔ انہیں طاقت رکھتے اس کی مگر کاملین اولیاء اللہ اور اسی وجہ سے شارع نے صبح کی نماز کے بعد کسی نماز کو مشروع نہیں کیا۔ سوا چاشت کی نماز کے۔ اور یہ بات بہت بعید ہے۔ کہ ہم جیسوں میں سے کوئی شخص اس نماز کی ادائگی پر ہمیشگی کر سکے۔ اس لئے کہ جس قدر زوال نزدیک ہوتا ہے۔ اسی قدر تجلی وزنی ہوتی ہے۔ اور اسی سے امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کے بہ حیثیت مخفف ہونے کے وجہ معلوم ہو سکتی ہے۔ اگرچہ حق تعالےٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کہ اس کی تجلی کا وقت طویل ہو۔ اسی قدر اس میں ثقل اور وزن زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ اس کو اہل کشف خوب جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ہر شخص اس کے ثقل کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم نے اس کو مخفف بتلایا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

انتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور احمد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ مسبوق (جس کی امام کے ساتھ سے ایک یا دو یا تین رکعتیں رہ جاویں) جب امام کے ساتھ ایک رکعت پالے۔ تو اس نے جمعہ کو پالیا اور اگر ایک رکعت سے کم پالے تو نماز ظہر کی چار رکعتیں پڑھے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مسبوق جس قدر بھی امام کی نماز پالے۔ تو اس نے جمعہ پالیا۔ اسی طرح طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ جمعہ نہیں مل سکتا۔ مگر دونوں خطبوں کے پالینے سے پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف اور تیسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ رکعت اولی معظم افعال صلوٰۃ ہے۔ اور دوسری رکعت پہلی کی تکرار کی طرح ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس نے امام کے ساتھ فی الجملہ جماعت کو پالیا۔

اور تیسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہا گیا ہے کہ دونوں خطبے دو رکعتوں کی بجائے ہیں یعنی ظہر کی چار رکعتیں تھیں۔ ان میں سے دو رکعتیں رہ گئیں اور بجائے دو کے دو خطبے مقرر کئے جاوینگے۔ اس رکعت کی طرف کہ جس کے ساتھ تینوں اماموں نے قول کیا ہے لہذا مسبوق اس کی وجہ سے ایسا ہو جاویگا۔ جیسا کہ تین رکعتوں کو پانے والا۔ اور یہ بالاتفاق معظم نماز ہے۔

بیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ نماز سے قبل دو خطبے انعقاد جمعہ کی صحت کے واسطے شرط ہیں۔ حالانکہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ دو سنت ہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ کیونکہ ہم کو نہیں پہنچا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز بغیر دو خطبوں کے پڑھی ہو۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان کے وجوب کی ہے

اور دوسرے قول کی وجہ ان کے وجوب کے بارے میں کسی نص کا نہ وارد ہونا ہے۔ کیونکہ اگر وہ دو خطبے واجب ہوتے۔ تو ضرور ان کے وجوب کی تصریح وارد ہوتی۔ اگرچہ ایک ہی حدیث میں ہوتی۔

اور اہل کشف کا یہ مقولہ ہے۔ کہ جب شارع کسی فعل کو کرے۔ تو اس کے وجوب یا استحباب کی تصریح سے سکوت کرے۔ تو ادب یہ ہے۔ کہ اس فعل میں شارع کی پیروی کی جاوے۔ اس کے وجوب یا استحباب کے قول کی ترجیح سے قطع نظر کرکے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کسی کو ہمارا ترجیح دینا خصوصیت سے ہو سکتا ہے۔ کہ شارع یہ مقصود نہ ہو اور رہا یہ کہ اماموں نے خطبہ کے بعد متصل ہی (بدون کسی عرفی فاصلہ کے نماز جمعہ کو کھڑا ہو جانا اس وجہ سے واجب کیا ہے۔ تاکہ اس طریقہ پر عمل ہو جائے جس پر خلفاء راشدین تھے۔ اور اس خوف کی وجہ سے کہیں وہ مقصد فوت نہ ہو جائے جس کی وجہ سے خطبہ مشروع ہوا ہے۔ کیونکہ خطبہ سوا اس کے نہیں۔ کہ اللہ تعالے کے ساتھ خاص دلجمعی حاصل کرنے کے طریق کے واسطے آمادہ کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے۔ ایسی دلجمعی جو اس دلجمعی پر زائد ہو جو بقیہ پانچوں نمازوں میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب نمازی اس تخویف اور تحذیر اور ترغیب کو سنیگا۔ جس کا ذکر خطیب کرتا ہے۔ تو ضرور اللہ تعالے کے سامنے دلجمعی کے ساتھ کھڑے ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیگا۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب درمیان میں فاصلہ واقع ہو جائے۔ تو بسا اوقات قلب اللہ تعالے سے غفلت میں پڑ جائیگا۔ اور اس خطیب کی نصیحت کو بھول جائیگا۔ اور اس کی وجہ کہ شارع نے ایک ہی خطبہ پر اکتفا کیوں نہ کیا۔ نہ جمعہ میں نہ نماز عیدین میں سو یہ ہے۔ کہ تاکہ وعظ کو دو مرتبہ دہرانے سے دلجمعی میں مبالغہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ بعض لوگ بسا اوقات پہلے وعظ کے سننے سے ذہول کر جاتے ہیں۔ اور اگر وہی ایک ہوتا۔

اور اسی وجہ سے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جو ایک ہی خطبہ کے وجوب کا قول کرتا ہے۔ مناسب ہے۔ کہ اسے اکابر علما کے حال پر محمول کیا جاوے۔ اور دو خطبوں کے وجوب کو چھوٹے درجہ کے لوگوں پر۔ کیونکہ بڑے درجہ کے لوگ چونکہ پاک قلوب والے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے پروردگار پر دلجمعی کے حاصل کرنے میں ان تنبیہ پر اکتفا کر سکتے ہیں۔ برخلاف ان کے غیر کے اور یہی گفتگو خطبہ عیدین اور کسوفین اور نماز استسقاء میں ہے

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ پھر پنجگانہ نمازوں سے پہلے ان کے اندر حق تعالے پر حضور قلب کے واسطے آمادہ کرنے کو دو خطبے مثل جمعہ کے کیوں نہ شروع ہوئے

(تو جواب یہ ہے) کہ امت پر تخفیف کرنے کی غرض سے مشروع نہ ہوئے۔ دوسرے یہ کہ

پانچوں نمازیں زمانہ کے اعتبار سے ایک دوسری سے نزدیک ہیں برخلاف اون نمازوں کے جو ہفتہ میں ایک دفعہ یا سال میں ایک مرتبہ آتی ہیں۔ کیونکہ قلب بسا اوقات دُنیا کے وادیوں میں پراگندہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دلجمعی کے طریق کو درست کرنے کی حاجت پڑتی ہے۔ پس سمجھ لو +

اکیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول اور امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے جو راجح ہے۔ کہ جمعہ کے خطبہ میں وہ مضمون پڑہنا ضروری ہے جس کو عادتاً خطبہ کہیں۔ اور وہ پانچوں ارکان حمد باریتعالے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف تقوے کی وصیت۔ کسی آیت کا پڑہنا۔ مومنین اور مومنات کے لئے دعا کرنا پر مشتمل ہو +

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ اور یہی امام مالک رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ اگر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ بھی پڑھدیا تو کافی ہو جائیگا۔ اور اگر الحمد للہ کہکر ممبر سے اُتر آیا۔ تو کافی ہو گیا۔ اور کچھ پڑہنے کی حاجت نہیں۔ اور اسمیں امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کا خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اسقدر کلام ضروری ہے جسکا عادتاً خطبہ نام رکھا جا سکے اور خطبہ نہیں جائز مگر ایسے لفظ کے ساتھ جس سے تالیف قلب ہوتی ہو۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور اوس کے بعد کا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ ہم کو نہیں پہونچا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا ہو۔ اور ارکان خمسہ مذکورہ کی طرف تعرض نہ فرمایا ہو +

اور اوس کے بعد کے قول کی وجہ لوگوں کا ذکر خداوندی اور اوس کی حمد کرنے اور لا الہ الا اللہ پڑہنے سے نصیحت کو حاصل کرنا ہے۔ اور قرآن شریف میں وارد ہے۔ کہ (وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى) (ترجمہ اور پڑہا نام پروردگار اپنے کا پس نماز پڑہی) تو جب خدا تعالے کا نام لینا نماز کے اندر قرأت قرآن کے لئے کافی ہے۔ تو جمعہ کے خطبہ میں بدرجۂ اولے کافی ہونا چاہئے۔

اور اہل لغت کا بیان ہے کہ جو کلام امر عظیم کو شامل ہو۔ اوس کو خطبہ کہہ سکتے ہیں۔ اور پروردگار کا اسم متبرک امر جلیل اور امر عظیم ہے۔ بالاتفاق +

(بائیسواں مسئلہ) یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک صاحب قدرت پر دونوں خطبوں میں کھڑا ہونا واجب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک واجب نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالے کی طرف دعوت دینے والے کا منصب ایک بڑے امر کے اظہار اور خدا تعالے کے امر کا سخت اہتمام ثابت کرنے کو مقتضی ہے۔ اور بیٹھکر خطبہ پڑہنا اس کے منافی ہے۔ پس دونوں خطبوں کے وقت قیام کے وجوب کا قول متعین ہو گیا۔ بالخصوص اوس شخص کے نزدیک جو دونوں خطبوں کو دو رکعتوں کا بدل کہتا ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصد کلمات وعظ حاضرین کے سماع تک پہونچانا ہے۔ اور یہ غرض بیٹھکر خطبہ پڑہنے سے بھی اوس شخص کے نزدیک حاصل ہے جو دونوں خطبوں کو

مستحب کہتا ہے جیسے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پس اسکو خوب جان لو ✤

تیئیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں خطبوں کے بابت بیٹھنا واجب ہے۔ حالانکہ اون کے سوا اوروں کے نزدیک واجب نہیں پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دلیل اوس کی پیروی کرنا ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے۔ اور دلیل اوس کی نماز میں جلسہ پر قیاس کرنا ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا ✤

چوبیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مرجوح قول یہ ہے۔ کہ دونوں خطبوں میں طاہر ہونا شرط نہیں ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دونوں قولوں میں سے راجح قول یہ ہے۔ کہ دونوں خطبوں میں طاہر ہونا شرط ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہوگیا ✤

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا۔ کہ دونوں خطبے خالص قرآن شریف ہی ہونگے۔ اور قرآن شریف حالت حدث میں بالاتفاق پڑھنا جائز ہے ✤

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے مع شارع اور خلفائے راشدین کے اتباع کے اور اسوجہ سے کہ احتمال ہے۔ کہ دونوں خطبے دونوں رکعتوں کے قائم مقام ہوں۔ شارع کے نزدیک جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ لہذا بہت اچھا کیا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہ دونوں خطبوں کے واسطے طہارت کو شرط قرار دیا۔ اگرچہ راجح اون کے نزدیک یہ ہے کہ جمعہ پوری کامل نماز ہے اور دونوں خطبے قائم مقام دونوں رکعتوں کے نہیں ہیں (جو ظہر میں ہیں اور جمعہ میں نہیں) اور یہ قول انتہا درجہ کی احتیاط میں ہے۔ پس شرط کی امام موصوف نے طہارت کی۔ اس احتمال کی بنا پر کہ شاید دونوں خطبے بجائے (ظہر کی) دو رکعتوں کے ہوں (اگرچہ) اون کے نزدیک ان دونوں خطبوں کی قائم مقامی یقینی امر نہیں۔ کیونکہ شارع کی جانب سے اس بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا ✤

پچیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک خطیب کو مستحب ہے۔ کہ جب وہ منبر پر چڑھے۔ تو حاضرین کو سلام کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ یہ مکروہ ہے۔ اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور یہ کہ خطیب منبر پر چڑھتے وقت لوگوں کو پشت کرنیکی وجہ سے اون سے روگرداں ہوا۔ اسلئے اوس کے واسطے اوسی قاعدہ سے سلام کرنا مسنون ہوا جیسا کہ اس موقعہ کے علاوہ مسنون ہے ✤ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ سلام امام کے واسطے اسوجہ سے مشروع ہوا ہے۔ کہ اوس سے لوگوں کو تکلیف پہونچی اور خطیب کا مرتبہ فی نفسہ لوگوں کو عظیم معلوم ہوتا ہے بلکہ بعض لوگ جب خطیب اونپر گذرتا ہے تو اوس کے لباس کو چھو کر برکت حاصل کرتے ہیں۔ لہذا لوگوں کو سلام کرنا خطیب کے ساتھ لوگوں کی بدظنی پر مبنی ہوگا۔ اسلئے مکروہ ہے۔ پس اسکو سمجھ لو ✤

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین جب منبر پر چڑھتے تھے تو سلام کرتے تھے۔

(تو جواب یہ ہے) کہ انبیاء و صالحین کا سلام کرنا حاضرین کے لئے خوشخبری پر محمول ہے۔ یعنی لوگ اس سے امن میں ہو۔ کہ تم اوس شئے کی مخالفت کرو جس کے ساتھ ہم تم کو شارع علیہ السلام کی زبان پر نصیحت کرتے ہیں اور یہ مراد نہیں۔ کہ تم ہم سے امن میں رہو۔ کہ ہم تم کو کوئی تکلیف نہ دینگے اسکی نظیر اوس جگہ گذر چکی ہے۔ جہاں نمازی کے تشہد پڑھتے وقت السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہنے میں بحث کی ہے۔ یعنی آپ ہم سے اس بارے میں بے خوف ہو کر آپ کی شریعت کی مخالفت کریں۔ کیونکہ امن دراصل نہیں ہوتا ہے۔ مگر اعلیٰ کی جانب سے ادنیٰ کے لئے ۔

چھبیسواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک جمعہ کی نماز وہی شخص پڑھاوے جس نے خطبہ پڑھا ہو۔ مگر کسی عذر کی وجہ سے (کہ اوس وقت دوسرا بھی پڑھا سکتا ہے) یہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے راجح روایت ہے۔ اور امام کی دوسری روایت یہ ہے۔ کہ نماز نہ پڑھاوے مگر وہی جو خطبہ پڑھے (یعنی ہر حال میں) اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے۔ کہ جائز ہے (کہ دوسرا پڑھاوے) اور یہی امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور تیسرا مخفف ہے۔ لہذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا ۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی شارع کی ہے۔ کیونکہ ہم کو خبر نہیں ملی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں۔ یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے قرن میں نماز جمعہ خطبہ پڑھنے والے کے سوا کسی اور نے پڑھائی ہو۔ اور اسی سے امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب معلوم ہو سکتا ہے۔

ستائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا قول یہ ہے کہ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھنا مستحب ہے۔ یا سورہ سبح اور سورہ غاشیہ۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ کسی ایک سورت کا پڑھنا متعین نہیں۔ کہ دوسری نہ پڑھی جاوے پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے اور دوسرے قول کی وجہ قرآن شریف سے بے رغبتی کا دروازہ بند کرنا ہے۔ کہ اوس میں سے کچھ پڑھا جاوے۔ اور کچھ نہ پڑھا جاوے۔ جیسا کہ اس امر میں اکثر وہ لوگ واقع ہو جاتے ہیں۔ جو تمام قرآن شریف کی تعظیم کی طرف علی التسویہ نہیں کرتے ۔

اور پہلے قول کا قائل کہتا ہے کہ اگرچہ قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف مساوی ہے لیکن ہم شارع کے امر کا امتثال کرتے ہیں۔ کہ آپ نے بعض نمازوں میں بعض خاص سورتوں کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے ۔

اٹھائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تمام فقہاء کے نزدیک جمعہ کے واسطے غسل کرنا

سنت ہے۔ حالانکہ امام داؤد اور امام حسن رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ سنت نہیں۔ پس
مسئلہ دو ہے۔ اور دوسرا مخفف

اور پہلے قول کی دلیل پیروی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے دربار کو معنوی اور حسی دونو قسم
اندازہ سے بالاتر سمجھنا اور یہ چاہنا کہ حق تعالےٰ کی نظر نہ پڑے مگر ایسے بدن پر جو پاک صاف ہو۔
حق تعالےٰ کو کسی نیک اور بد کے دیکھنے سے کوئی چیز حاجب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ہر ایک
کے اجسام کا مدبر ہے *

اور دوسرے قول کی وجہ حق تعالےٰ کے دربار میں ذلت اور انکساری کے ساتھ حاضر ہو
پسند کرتا ہے۔ اور بندہ کا اپنے آپ کو میلا کچیلا دیکھنا تاکہ حق تعالےٰ اوسکو پاک صاف فر
اور اگر اوس نے اپنے جسم کو پاک صاف کرلیا۔ تو بسا اوقات اوس کی نظر اپنے پاک و صاف
ہونے کی طرف جائیگی۔ اسلئے اپنی خواری کے شاہد ہے اور طلب مغفرت سے غائب ہو
پس بندہ کا اپنے جسم کو میلا کچیلا رکھنا طلب مغفرت اور اوس کے پروردگار کے سامنے ذلت
و انکساری کا مشاہدہ یاد دلاتا رہیگا۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اوسکو دیکھکر پاک و صاف بناوے
اور اوس پر اوسکی رحمت ہو۔ لہٰذا ہر مجتہد کی ایک دلیل ضرور ہے

انتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک غسل کا مطلوب ہونا
شخص کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نماز جمعہ میں حاضر ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
قول یہ ہے کہ یہ ہر شخص کے لئے مستحب ہے۔ خواہ وہ جمعہ میں حاضر ہو یا نہ ہو *

اور پہلے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ من اتی الجمعۃ
فلیغتسل (ترجمہ) (جو شخص جمعہ میں آئے۔ وہ غسل کرے) تو اس میں غسل کو اوس
آدمی کے ساتھ خاص کیا ہے جو نماز جمعہ میں حاضر ہو۔

اور دوسرے قول کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ظاہر ہے۔ کہ
علی کل مسلم ان یغسل جسدہ فی سبعۃ ایام (ترجمہ ضروری ہے ہر مسلمان کو
ہر ہفتہ میں اپنے جسم کو دھویا کرے) اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جمعہ کے روز تمام مسلم
پہ بالعموم خدا تعالےٰ کی امداد نازل ہوتی ہے۔ خواہ وہ نماز جمعہ میں حاضر ہوں یا نہ ہوں۔ پس
میں سے کوئی اپنے پاک ہونے اور زندگی جسم اور اوس کے صاف ہو جانے کی وجہ
اوس امداد کو لے لیتا ہے۔ کیونکہ مخالفات شریعت کے ارتکاب سے اون کے اجسام
ہو جاتے ہیں۔ یا غفلات کے ارتکاب کیوجہ سے اور یا انسانی ناپسندیدہ اشیاء کے کھانے
وجہ سے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ غسل کو حاضرین نماز جمعہ کے ساتھ مخصوص کرنے کو
میں بعض کا قول غسل کے واجب ہونیکا ہے۔ اور بعض کا سنت ہونے کا۔ لیکن بنا
یہ ہے کہ وجوب کے قول کو اون لوگوں پر محمول کیا جائے۔ جن کے بدن اور کپڑوں کی
سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے قصاب اور لوہار وغیرہ اور سنت ہونے کے
کو عطاروں اور تاجروں وغیرہ پر محمول کیا جائے *

۳۰ تیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جنبی شخص نے اگر رفع جنابت
جمعہ دونوں کی نیت سے غسل کیا۔ تو کافی ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ
۔ کہ اون دونوں میں سے ایک کے لئے بھی کافی نہ ہوا۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور
مشدد۔ اور پہلا قول اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جن کو خدا تعالےٰ نے
گناہوں میں واقع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اون کے ابدان زندہ ہو چکے ہیں۔ کہ
کے زندہ کرنے یا صاف کرنے کے لئے دوسری بار غسل کرنے کی حاجت نہیں ✤
اور دوسرا قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اکثر گناہوں میں
ہوتے رہتے ہیں۔ اسوجہ سے وہ اپنے بدنوں کو زندگی بخشنے کے لئے دوبارہ غسل کرنے کے
ج ہیں پس خدائے تعالےٰ اماموں پر رحم فرمائے کہ اون احکام کے استخراج میں جو چھوٹے
اور بڑے درجہ دونوں قسم کے لوگوں کے لائق ہیں کسقدر وقت نظر سے کام لیا ہے۔
اکتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول اور امام
ی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول راجح یہ ہے کہ جو شخص سجدہ سے روکا جاوے۔ اور
تو کسی انسان کی پشت پر سجدہ کرنا ممکن ہو۔ تو ایسا کرے۔ اور دوسرا قول امام شافعی رضی اللہ
یہ ہے۔ کہ اگر چاہے تو سجدہ کو موخر کردے۔ یہانتک کہ تنگی دور ہوجاوے۔۔۔ اور
ہے۔ تو کسی انسان کی پشت پر سجدہ کرے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ پشت
ہ کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ رکا رہے۔ یہانتک کہ زمین پر سجدہ کرسکے۔ پس پہلا قول مخفف
۔ اور دوسرا مشدد ✤
اور پہلے قول کی وجہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے۔ کہ اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم
(جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں تو اوس سے جسقدر تم سے ہوسکے بجالاؤ) اور وہ
جو تنگی کی وجہ سے) سجدہ نہ کرسکا اس بارے میں شارع کے حکم سے عاجز رہا۔ کہ اپنے امام
رہ کرنے میں اتباع کرتا۔ ہاں پشت پر سجدہ کرنے کی قدرت رہی پس سجدہ کرنے کا حکم
کے سجدہ کے پیچھے شارع علیہ السلام سے ثابت ہوا۔ اور رہا اوسوقت تک انتظار کرنا۔ کہ
تنگی دور ہوجاوے۔ سو اس سے سکوت کیا ہے۔ اور منطوق کے مقتضی پر عمل کرنا۔ بہ نسبت
عنہ کے اقتضاء پر عمل کرنے سے اولےٰ ہوتا ہے ✤
اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ عاجزی اور انکساری کے اعتبار سے سجدہ بہ نسبت نماز کے
افعال سے بڑا ہے (اور عاجزی وانکساری) صرف اوسی وقت پائی جاسکتی ہے۔ کہ جب حقیقی
پر (جو مٹی ہے) سجدہ کیا جائے۔ جو لوسپر (جو زمین پر) بچھایا ہوا ہو مثلاً بوریہ
ٹاٹ وغیرہ ✤
اور رہا آدمی کی پشت پر سجدہ کرنا۔ تو بسا اوقات اس سے تکبر کی شان پیدا ہوگی۔ اگرچہ
صورت کے ہی لحاظ سے ہوگی۔ اسی طرح اگرچہ آدمی کی اصل خلقت بھی مٹی ہی سے ہے
اسکو خوب سمجھ لو۔ کیونکہ آدمی کی پشت پر سجدہ کرنے والا گویا کہ اوس پشت والے کو غلام

بنتا ہے۔ اور یہ بات مقام عبودیت کے اوس احاطہ سے خارج ہے۔ جو پروردگار عالم کے سامنے ذلیل اور عاجز ہو جاتا ہے

بتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک امام جب نماز کے اندر بے وضو ہو جائے۔ تو اوس کو اپنا خلیفہ بنانا جائز ہے۔ اور یہی جدید راجح قول مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حالانکہ امام موصوف کا قول قدیم یہ ہے کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا قول مشدد۔ لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کیطرف رجوع ہو گیا۔

اور پہلے قول کی وجہ مقتدیوں کی مصلحت کو ملحوظ رکھنا۔ اور بذریعہ تمام جمعہ اور بعض جمعہ میں کامل اقتدار کرنے کے کمال اجر حاصل ہونے میں سبب پیدا کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مقتدیوں کو اجر فی الجماعۃ اپنے اجسام امام کے پیچھے کرنے سے حاصل ہو چکا۔ اور امام سے جدائی ایک عارضی وجہ سے ہوئی ہے۔ تو اون کے لئے نیت کی وجہ سے جس وقت وہ فعل سے عاجز ہو گئے۔ انشاء اللہ تعالےٰ حصول کمال اجر کی امید کی جاسکتی ہے۔

تینتیسواں مسئلہ یہ ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک ایک شہر میں چند جمعے قائم کرنا جائز نہیں۔ مگر جب آدمی زیادہ ہوں۔ اور اون تمام کا یکجا مجتمع ہونا دشوار ہو۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ جب چند جامع مسجدوں میں جمعہ ہونے لگے۔ پرانی جامع مسجد میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اس میں کوئی قول نہیں۔ لیکن امام ابویوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ جب شہر کی دو جانبیں ہیں تو اوس میں دو جمعوں کا قائم کرنا درست ہے۔ اور اگر اوس کی ایک ہی جانب ہے۔ تو جائز نہیں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی عبارت یہ ہے کہ جب شہر بڑا ہو۔ اور اوس کے محلے کثیر ہوں۔ جیسے بغداد۔ تو اوس میں دو جمعے جائز ہیں۔ اور اگر اون کو ایک جمعہ سے زیادہ کی حاجت نہ ہو۔ تو جائز نہیں۔ اور امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ ایک شہر میں حسب حاجت متعدد جمعے ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ دو سے زیادہ ہوں۔ اور امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ جمعہ کی نماز باقی نمازوں کی مثل ہے۔ اہل شہروں کے لئے جائز ہے۔ کہ وہ جمعہ اپنی اپنی مسجدوں میں پڑھ لیا کریں۔ پس پہلا قول اور اوس کے متعلقات میں تخفیف ہے اور امام داؤد کا قول مخفف ہے۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جمعہ کی امامت منصب امام اعظم سے ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم صرف امام اعظم ہی کے پیچھے پڑھتے تھے۔ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اس بارہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کی اور اوس کی یہ حالت تھی کہ جو شخص اوس مسجد کے علاوہ جس میں امام اعظم ہوتا۔ کسی اور مسجد میں نماز جمعہ پڑھ لیتا۔ تو لوگ اوس کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور کہنے لگتے۔ کہ فلاں شخص امامت میں مخالفت کرتا ہے (یعنی امام اعظم کی) پھر اس سے بہت فتنے پیدا ہوتے تھے۔ اسلئے آئمہ رضی اللہ عنہم نے اس دروازہ کو یعنی دوسری

میں جمعہ پڑھنے کے راستہ مسدود فرما دیا۔ صرف ایسے عذر کے وقت جائز رکھا۔ جسکو امام اعظم قبول کرے۔ مثلاً مسجد اسقدر تنگ ہو۔ کہ تمام اہل شہر اوس میں نہ آسکیں۔ پس یہ سبب ہے ائمہ کے اس قول کا کہ ایک شہر میں متعدد جمعے قائم کرنا جائز نہیں۔ مگر جس وقت ان سب کا اجتماع ایک جگہ دشوار ہو۔ تو معلوم ہوا کہ جمعہ ثانیہ کا باطل ہونا ذات نماز کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ یہ صرف فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے۔

اور امام اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمّال کو لکھا۔ کہ اقیموا الجماعۃ فی مساجدکم فاذا کان یوم الجمعۃ فاجتمعوا کلکم خلف امام واحد (ترجمہ) قائم کرو تم جماعت اپنی مساجد میں اور جب جمعہ کا روز ہو۔ تو تمام کے تمام ایک امام کے پیچھے جمع ہو جاؤ۔ اور جب یہ بات یعنی خوف فتنہ تعدد جمعہ کی وجہ سے محتمل نہ ہو۔ تو اقامت جماعت کی اصل غرض کی بنا پر تعدد جائز ہے۔ اور شاید امام داؤد علیہ الرحمۃ کی مراد اس قول سے کہ نماز جمعہ مثل بقیہ نمازوں کے ہے یہی ہو۔ اور اس کی تائید لوگوں کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔ کہ شہروں میں متعدد جمعے پڑھے جاتے ہیں۔ اور اوس کے سبب کی تفتیش میں مبالغہ نہیں کیا جاتا۔ اور شاید یہی مقصود شارع کا ہو۔ اور اگر تعدد جمعہ ممنوع ہوتا۔ کہ کسی حال میں اوسکا ارتکاب جائز نہ ہوتا۔ تو حدیث میں ضرور وارد ہوتا۔ اگرچہ حدیث واحد ہی ہوتی۔ پس اسی وجہ سے جاری ہی تھا قصد شارع علیہ السلام کا اپنی امت پر آسانی فرمانے میں۔ کہ تمام شہروں کے اندر تعدد جمعہ جائز فرما دیا۔ اسوجہ سے کہ تعدد لوگوں پر ایک مکان میں جمع ہونے سے سہل ہے۔ پس اسکو خوب سمجھ لو۔

(اگر تم کہو) کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ بعض شافعیہ جمعہ سے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی نماز دوبارہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالے نے جمعہ کے روز نماز ظہر کو فرض نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف نماز جمعہ کو فرض فرمایا ہے۔ لہذا ظہر صرف اوسوقت پڑھا جا سکتا ہے کہ مثلاً جمعہ کے شرائط موجود نہ ہوں۔

(تو جواب یہ ہے) کہ وجہ اس کی احتیاط ہے۔ اور اس شبہ سے بری ہونا کہ ائمہ نے تعدد جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ قطع نظر اوس سے جو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی خوف فتنہ کا۔ یا خوف بلا ضرورت تعدد جمعہ کر لینے کا جیسا کہ مصر وغیرہ کی اکثر مساجد میں دیکھا جاتا ہے۔ پس بہت سے وہ اندھے جو چند ٹکوں کے بدلے میں مردوں کی قبروں پر اور دروازوں پر قرآن شریف پڑھتے ہیں خطبہ پڑھکر لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ حالانکہ تمام اماموں کا مذہب اسکو مقتضی ہے۔ کہ تعدد جمعہ کا جواز حاجت اور ضرورت کے ساتھ مشروط ہے۔ پس اوس کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا انتہا درجہ کی احتیاط ہے۔ اگرچہ امام داؤد کے مذہب کی بنا پر جمعہ صحیح ہو جاتا ہے۔ پس اسکو بخوبی سمجھ لو۔

چونتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک

جب جمعہ کی نماز نہ ملے - اور اوس کی بجائے ظہر پڑھیں - تو وہ تنہا تنہا ہوگی (یعنی بلا جماعت) حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ جماعت کے ساتھ بھی درست ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ قاعدہ یہ ہے کہ آسان امر دشوار کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا - اور جمعہ کا ملنا دشوار ہو چکا - البتہ ظہر با جماعت سہل ہے - لہٰذا اون کو جماعت کرنے سے منع نہ کیا جائے گا - بنا بر اوس امر کے جو مشروعیت جماعت میں اصل غرض ہے اور پہلے قول کی وجہ لوگوں پر تخفیف کرنا ہے - کیونکہ جمعہ میں جماعت کا واجب ہونا نماز جمعہ پڑھنے کیساتھ مشروط ہے - اور جب وہ فوت ہو چکی - تو اوس کے بدل (یعنی ظہر) میں تخفیف کی جائے گی - کہ وہ تنہا تنہا پڑھی جاوے - اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے

باب نماز عیدین کے بیان میں

اماموں کا اتفاق ہے - کہ نماز عیدین مشروع ہے - اور اسپر بھی اتفاق ہے کہ اون دونو نمازوں کے پہلے تکبیر تحریمہ واجب ہے - اور اسپر بھی کہ تمام تکبیروں کے ساتھ رفع یدین مشروع ہے - مگر ایک روائیت میں امام مالک رضی اللہ عنہ سے - اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے - کہ تکبیر پڑھنا احرام باندھنے والے کے لئے سنت ہے جماعت کے پیچھے - یہ وہ مسائل ہیں جو اس باب میں متفق علیہا میں نے پائے - رہے وہ جنمیں اختلاف ہے - سو اون میں سے

پہلا مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روائیت یہ ہے - کہ نماز عیدین واجب علی الاعیان ہے - جیسے نماز جمعہ - حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ نماز عیدین سنت ہے - اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ نماز عیدین فرض کفایہ ہے - پس پہلا قول مشدد ہے - اور دوسرا مخفف - اور تیسرے میں تشدید ہے - لہٰذا میزان کے دونوں مرتبوں کی طرف رجوع ہو گیا -

اور پہلے قول کی وجہ شارع کی جانب سے اون دونوں نمازوں کے بارے میں کسی حکم کی تصریح نہ ہونا ہے - لہٰذا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے احتیاط کو ملحوظ فرما کر اون دونوں کو فرض عین قرار دیا - باوجودیکہ اوس کے ادا کرنے میں کوئی زیادہ مشقت بھی نہیں - اسلیئے کہ دونوں سال میں ایک ایک مرتبہ ادا کی جاتی ہیں - پس صورت کے اعتبار سے نماز جمعہ اور نماز عیدین میں کچھ فرق نہیں - کیونکہ دونوں عیدوں کی نمازیں دو خطبوں کے ساتھ دو دو رکعتیں ہیں - جنکو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

باجماعت ادا کیا ہے *

اور دوسرے قول کی وجہ لوگوں پر توسیع اختیار کرنا ہے ۔ باوجود اس حدیث پر عمل کرنے کے کہ (الدین یسر) (ترجمہ دین آسان ہے) اور جو امداد ان دونوں نمازوں میں نازل ہوتی ہے ۔ وہ جمعہ سے زیادہ ہوتی ہے ۔ اسوجہ سے کہ نماز عیدین کے اندر امداد اون لوگوں کو بھی حاصل ہوتی ہے جو اون کو باجماعت ادا کرتے ہیں ۔ اور اون کو بھی جو اون کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ۔ بخلاف نماز جمعہ کے ۔ کیونکہ اوس کی امداد صرف اونہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اوس کی جماعت میں حاضر ہوتے ہیں ۔ مگر وہ جو کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہ ہو ۔ (کہ اوسکو بھی امداد پہونچتی ہے)

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اون دونوں نمازوں کو جماعت سے ادا فرمایا ہے ۔ اور بہت سے ایسے لوگوں کو برقرار رکھا ہے ۔ جو ان دونوں نمازوں میں حاضر نہیں ہوئے ۔ لہٰذا فرض کفایہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوئی ۔ اور جو شخص ان دونوں نمازوں میں حق تعالےٰ کے سامنے حاضر ہوگا ۔ وہ ایسا ہوا ۔ جیسے غیر حاضروں کے لئے شفاعت کرنے والا ۔ پس غیر حاضروں میں سے اوسقدر مقدار کے لوگوں کو فضل حاصل ہوگا ۔ جسقدر ، اون میں شفاعت کرائے جائینگے ۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے ۔ کہ فرض کفایہ فرض عین سے افضل ہے ۔ کیونکہ فرض کفایہ اپنے مرتکب سے بھی تنگی کو ساقط کرتا ہے ۔ اور غیر مرتکب سے بھی ۔ پس خوب سمجھ لو *

دوسرا مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز عیدین کے شرائط میں سے عدد ہے ۔ اور وطن میں ہونا ہے ۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے ۔ کہ امام (حاکم اسلام) کی اجازت بھی شرط ہے جسطرح نماز جمعہ میں ۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط اور زیادہ فرمائی ہے ۔ کہ نماز عیدین شہر میں قایم کی جائے ۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے ۔ کہ ان میں سے کچھ بھی شرط نہیں ۔ اور دونوں نمازیں تنہا تنہا پڑھنی جائز ہیں ۔ جو چاہے خواہ مرد ہوں ۔ یا عورتیں ۔ پس پہلا قول مشدد ہے ۔ اور دوسرا مخفف ۔

اور پہلے قول کی وجہ وہ ہے ۔ جو ابھی گذری ۔ کہ یہ دونوں نمازیں خطبوں اور رکعت کے دو عدد ہونے میں اور مرتبہ کے اعتبار سے بہ نسبت اور نماز ہائے پنجگانہ کے عظیم ہونے میں نماز جمعہ کے مشابہ ہیں *

اور دوسرے قول کی وجہ کلام شارع کے ظاہری معنی کا اتباع ہے ۔ اس جہت سے کہ شارع نے ایام عید کو کھانے اور پینے کے دن ٹھیرائے ہیں ۔ اور ایک روائت میں ہے کہ جماع کے دن ۔ پس جبکہ شارع علیہ السلام نے ان دونوں دنوں میں افعال مذکورہ کے ارتکاب کے متعلق تخفیف فرمائی ہے ۔ نہ جمعہ کے دن میں ۔ لہٰذا ان دونوں نمازوں میں حاضر ہونا مستحب ہوا ۔ نہ واجب ۔ اور نیز جب یہ وارد ہو چکا ہے ۔ کہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی

اِسلئے اماموں نے اوس شخص کے واسطے جو منجملہ اوس گروہ کے جو حق پر ثابت ہونگے اوس دن دین اور ایمان پر قائم ہوگا - احتیاطاً نماز جمعہ میں حاضر ہونا - اور عبادت کی طرف متوجہ ہونا واجب قرار دیا ہے - تاکہ اوسپر ایسی حالت میں قیامت قائم نہ ہوجائے - کہ وہ اپنے خورد و نوش وغیرہ میں مشغول ہوکر غفلت میں پڑے ہوں - برخلاف عید کے کہ اوس دن قیامت کا قائم ہونا حدیث میں وارد نہیں ہوا - اور نماز عیدین کے تنہا جائز ہونے میں حکمت یہ ہے - کہ بندہ پر خود اوس کا اپنے امام سے ارتباط واجب نہ ہونا - کہ کوئی حرکت امام کے بغیر نہ کرسکے موجب وسعت کا ہے - پس خوب سمجھ لو ٭

تیسرا مسئلہ یہ ہے - کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد پہلی رکعت میں تین تکبیریں - اور دوسری رکعت میں پانچ رکعتیں کہنا مستحب ہے حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ پہلی رکعت میں چھ تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ کہنی چاہئیں - اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے - پھر امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے - کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ذکر مستحب ہے - اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے - کہ تمام تکبیروں میں یکے بعد دیگرے اتصال کرے - پس پہلا قول عدد تکبیرات میں مخفف ہے - اور دوسرے میں کچھ تخفیف ہے - اور تیسرے میں تشدید ہے - اور جس نے کہا ہے - کہ تمام تکبیرات میں اتصال ہونا چاہئے - اوس کا قول مخفف ہے - اور جس نے کہا ہے - کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ذکر مستحب ہے اوس کا قول مشدد ہے ٭

اور تکبیرات کے درمیان فرق کرنے کی وجہ ظاہر ہے - اِسلئے کہ ہر امام اوسکا تابع ہے جو اوس کو شارع اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے پہونچا ہے ٭

اور رہی وجہ اوس شخص کے قول کی جس نے کہا ہے کہ تکبیرات میں اتصال کرے - سو وہ یہ ہے - کہ شارع کے کلام سے متبادر یہی سمجھا جاتا ہے - اور یہ قول اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے - جو حق تعالےٰ کی پے درپے نازل ہونے والی تجلیات کی برداشت پر قادر ہیں ٭

اور جس نے کہا ہے - کہ ہر دو تکبیروں کے مابین ذکر مستحب ہے - اوس کی وجہ یہ ہے کہ انواع ذکر کے ساتھ مشغول رہنا مع تکبیر کے اس میں اکثر لوگوں پر تخفیف ہے - کیونکہ اکثر لوگ بڑائی اور عظمت کے پے درپے نازل ہونے والی تجلیات کو اپنے قلب پر متحمل کرلے کی قدرت نہیں رکھتے - اِسلئے ذہن کو سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ واحد کے معانی کی طرف متوجہ کرنا مع تکبیر کے ایسا ہوا جیسا کہ بندہ کو عظمت و کبریائی کی تجلیات کے متحمل ہونے کی قدرت اور قوت بخشنے والا - پس خوب سمجھ لو ٭

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سُنا ہے - کہ اس کی وجہ کہ علماء

نمازِ جمعہ کے لئے جماعت کو شرط ٹھیرایا ہے۔ نہ نماز عیدین کے لئے یہ ہے۔ کہ حق
نے کی تجلی نماز جمعہ میں نماز عیدین کی تجلی سے سخت ہوتی ہے۔ اسی لئے نماز جمعہ میں جماعت
عین ہے۔ اور نماز عیدین میں سنت ہے +

اور اس کی توضیح یہی ہے۔ کہ جمعہ کی نماز اگر تنہا تنہا مشروع ہوتی۔ تو اوس
ت اور عظمت کی شدت کی وجہ سے جو لوگوں کے قلوب پر ظاہر ہوتی ہے۔
زیوں کے بدن پگھل جاتے۔ لہٰذا اون کی نماز جماعت کے ساتھ مشروع کرنے
اون پر رحمت ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اپنے ہم جنس انسانوں کی وجہ سے
مانوس ہو جائینگے +

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ جزء بشری جو ہر ایک بندہ میں ہوتا ہے۔ موجود ہے۔ پھر
نے اسی پر اکتفا کیوں نہ فرمایا۔ کہ وہ حجاب سے مانوس ہو جائے گا +

(تو ہم جواب یہ دینگے۔ کہ) جزء مذکور کی وجہ سے اسقدر انسیت حاصل نہیں ہو سکتی
ندہ اوس کے ہوتے ہوئے بغیر اس کے کہ افعال یا اقوال نماز میں سے کچھ بھول کرے
مذکور کے تحمل پر قادر ہو جائے۔ پس جبکہ اوس سے مقصود مسطور حاصل نہیں ہوتا
م نے اوس کو مثل معدوم کی ٹھیرا دیا۔ اور بندہ کے لئے جماعت کو مشروع کر دیا جیسی
اور نماز جماعت کے باب میں گذر چکا ہے۔ کہ جماعت کے مشروع کرنے میں مخلوق
ساتھ رحمت ہے +

(اگر کوئی کہنے والا کہے) کہ پھر نماز عید کی جماعت میں نماز جمعہ سے لوگ زیادہ کیوں ہوتے
ہیں؟

(تو جواب یہ ہے) کہ عید کی جماعت اس لئے بھاری ہوتی ہے۔ کہ کثیر لوگوں کے مشاہدہ
جہ سے نمازی اوس عظمت کے مشاہدہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ جو اوس پر ظاہر ہوتی
۔ تاکہ اوس دن کی مسرت اون کو کامل طور سے حاصل ہو جائے۔ اور اگر وہ لوگوں کی
ت کا مشاہدہ نہ کرے۔ تو اوس دن پوری مسرت حاصل نہ ہو۔ لہٰذا نمازیوں کی کثرت
وجود تجلی ربانی کا ثقیل نہ ہونا عید کے روز کمال سرور کا باعث ہے پس اس کو خوب
لو +

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک
ں رکعتوں میں قرأت تکبیروں سے پہلے ہونی چاہئے۔ اور یہی ایک روایت ہے امام
رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور
حمد رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ دونوں قرأتوں میں مغایرت کرے
طرح کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات ہوں۔ اور دوسری میں بعد قرأت
پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں کچھ تشدید ہے +

پہلے قول کی وجہ حالانکہ وہ پہلے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ

قرأت خدا تعالےٰ کی بڑائی کے مشاہدہ کے بعد ہونی چاہیئے۔ کہ اوس نے اپنے ساتھ حاضر ہونے کی قوت اور اپنے کلام کے سمجھنے کی مدد فرمائی ✦

اور دوسری رکعت میں تکبیرات کو قرأت کے بعد کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ بڑے درجہ کے لوگ تلاوتِ کلام الٰہی کی وجہ سے حق تعالےٰ کی تعظیم زیادہ کرتے ہیں۔ اِس تلاوت کا مقدم کرنا حق تعالےٰ کی اون کے قلوب پر نازل ہونے والی تجلی کے کا معاون اور ممد ہوا۔ برعکس چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔ کیونکہ اون کے قلوب کے سامنے پہلے عظمت خداوندی آتی ہے۔ پھر خدائے تعالےٰ اون پر رحم فرما کر حجاب ڈال دیتا ہے۔ تاکہ وہ اُس کی بڑائی اور عظمت کے مشاہدہ سے پگھل نہ جائیں۔ کہ وہ کاملین کے نزدیک معروف ہے۔ جو حقیقی نماز پڑھنے والے ہیں ✦

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس کو امام کے ساتھ نماز عید نہ ملے۔ وہ اوس کی قضا نہ کرے۔ حالانکہ امام احمد اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے۔ کہ اوس کی تنہا رکعت قضا کی جائے۔ (یعنی بلا جماعت) پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرے میں اس جہت سے کہ وہ تنہا تنہا ہونی چاہیئے تخفیف ہے۔ اور اس جہت سے کہ اوس کی قضا چاہیئے۔ تشدید ہے ✦

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے میں جو فضیلت تھی۔ وہ فوت ہو کر قضا کرنے سے لوٹ نہیں سکتی ✦

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز فوت شدہ کی دوسری مرتبہ جماعت کرنے میں امام اور مقتدیوں پر مشقت ہے۔ حالانکہ بالخصوص اوس کی قضا کرنے کے بارہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔

اور نیز اوس نماز کی تنہا قضا کرنا بندہ کو اوس خدائی امداد کے فوت ہو جانے کا اشارہ کرتا ہے۔ جو امام کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں اوس کو حاصل ہوتی۔ پس وہ خیال کرتا ہے۔ کہ تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں بھی اپنے پروردگار کے ساتھ حاضر ہو۔ جیسے امام کے ساتھ پڑھنے میں حاضر ہوتا۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا اوس کا تنہا پڑھنا اوس اجر اور ثواب کی طرف متنبہ کرتا ہے۔ جو اوس سے جاتا رہا۔ تاکہ آئندہ میں امام کے ساتھ حاضر ہونے کی حرص کا عزم کرلے۔ پس اسکو خوب سمجھ لو ✦

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز عید کی قضا دو رکعتیں ہونی چاہیئے۔ جس طرح امام کے ساتھ دو ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ظہر کی مثل چار رکعتوں کی قضا ہونی چاہیئے۔ اور امام موصوف کے محققین اصحاب کے نزدیک یہی روائت مختار ہے۔ اور اون کی دوسری روائت یہ ہے۔ کہ نمازی کو اختیار ہے۔ خواہ دو رکعتیں قضا کرے۔ یا چار۔ پ

مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد ٭

پہلے قول کی وجہ اس بارے میں اصل کی بناء پر قضاء کا ادا کے مثل ہونا ہے ٭

دوسرے قول کی وجہ نماز عید کو نماز جمعہ پر قیاس کرنا ہے۔ اس بارہ میں کہ اوس کا خطبہ رکعتوں کا بدل ہے۔ (جس طرح جمعہ کی نماز میں) تو جب اوس کی امام کے ساتھ دو ...ہیں اور دونو خطبے جاتے رہے۔ تو اوس کو چار رکعتیں قضاء کرنا منجملہ احتیاط کے ہے۔ پس اگر کسی نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔ تو صحیح ہو جائے گی۔ لیکن احتیاط جاتی رہیگی ...ماز جمعہ کے بیان میں گذر چکا ہے۔ کہ جب شارع کسی فعل کو عمل میں لاوے۔ اور رسم نہ ظاہر کرے۔ کہ یہ فعل واجب ہے۔ یا مستحب۔ تو ادب یہ ہے۔ کہ اوس کو ...ل خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کی جہت سے بجا لائیں۔ قطع نظر اس کے ...م اس کے وجوب یا استحباب کا یقین کریں۔ اور نماز عید منجملہ ایسے ہی افعال کے ...۔ پس غور سے سمجھو ٭

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کا قول ہے۔ کہ نماز عید کو جنگل میں شہر ...ے باہر ادا کرنا بہ نسبت مسجد میں ادا کرنے کے افضل ہے۔ حالانکہ شافعیہ کا قول یہ ...ے۔ کہ اوس کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ بشرطیکہ مسجد وسیع ہو۔ پس پہلا قول ...ل کی طرف نکلنے کی جہت سے مشدد ہے۔ اور اوس میں اس اعتبار سے کہ لوگوں کو مسجد ...حصور نہیں کیا گیا تخفیف ہے۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے ...دوسرا قول مخفف ہے۔ بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے کہ ...ٹے درجہ کے لوگ عید کے دن اپنے نفوس کو مسجد میں محصور کرنے کی قدرت نہیں ...تے۔ مگر بہت مشقت کے ساتھ۔ کیونکہ وہ زینت اور کھانے اور اون خواہشات حاصل کرنے کا دن ہے۔ جن کو شارع نے مباح فرمایا ہے۔ لہذا اون کو نماز عید ...ن میں ادا کرنا باعث رفق ہوا۔ اور رہے بڑے درجہ کے لوگ۔ سو وہ خدا کے ...لے کے سامنے اپنے ٹھیرنے کو اوسی کے گھر میں آسمان اور زمین کے درمیان کی فراخی سے زیادہ وسیع جانتے ہیں۔ اور اون کا مقولہ ہے۔ مصرع

سَمُّ الخِیَاطِ مَعَ الاَحبَابِ مَیدَانٌ

ترجمہ۔ سوزن کا ناکہ دوستوں کی ہمراہی میں ایک میدان ہے ٭ پس خوب سمجھ لو ٭

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا جائز نہیں۔ اور اوس کے بعد جائز ہے۔ ...نماز عید عیدگاہ میں ہو۔ یا دوسری جگہ۔ اور خواہ امام ہو۔ یا غیر امام ٭ اس کی کچھ تفریق ...یں ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جب نماز عید عیدگاہ میں ہوا ...ے۔ تو نہ اوس سے قبل نفل جائز ہیں۔ اور نہ اوس سے بعد۔ خواہ امام ہو۔ یا مقتدی ہی

اور امام موصوف سے مسجد کے بارہ میں دونوں روائتیں ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز عید سے قبل اور اوس کے بعد مسجد میں بھی نفل پڑھ سکتے ہیں۔ اور غیر مسجد میں بجز امام کے سواء دکوہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ جب وہ لوگوں پر ظاہر ہوگیا۔ تو نماز عید سے قبل نوافل نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز عید سے قبل اور اوس کے بعد مطلقاً نوافل ناجائز ہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرے میں تشدید ہے۔ اس جہت سے کہ اوس میں دونوں روائتیں ہیں۔ اور تیسرے قول میں تخفیف ہے۔ اور چوتھا قول ترک نوافل کی جہت سے مخفف ہے *

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ شارع کی جانب سے قبل نماز عید نوافل کے جائز ہونے میں کوئی نص وارد نہیں۔ اور ہر وہ عمل کہ جسپر شارع کی جانب سے کوئی حکم نہ ہو۔ وہ غیر مقبول ہے۔ سو بعض اون امور کے جو عمومات شریعت سے خارج نہ ہونے کے باعث شریعت اون کے لئے شاہد ہے۔ کہ وہ (کلیہ مذکورہ سے) مستثنیٰ ہیں *

توضیح اس کی یہ ہے۔ کہ ہمارے لئے ہمارے تمام امور میں شارع ہی دلیل ہے پس ہر وہ شے جسکا ارتکاب شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں۔ اوس سے ممانعت کی جائے گی۔ بناء اوس قاعدہ کے جو شریعت میں اصل ہے۔ کیونکہ اگر شارع جانتا۔ کہ حق تعالےٰ نے نماز عید سے قبل کسی کو نفل پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ تو ہم کو اوس کی خبر ضرور دیتا۔ یا خود اوسکو کرتا۔ اور ہم کو نہیں پہونچا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید سے قبل نوافل پڑھے ہوں۔ رہا یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بعد نماز عید نوافل کی اجازت دی ہے۔ سو اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو علت نماز عید سے قبل (عدم جواز نوافل کی تھی) وہ زائل ہوگئی۔ یعنی خدائے تعالےٰ کی ہیبت عظیمہ جو بندہ کے واسطے نماز عید سے پہلے ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف بعد نماز عید کے کیونکہ بندہ کو تیاری اور آمادگی خطبہ سننے سے حاصل ہو چکی۔ اسلئے وہ بعد نماز نفل پڑھنے پر قادر ہوگیا۔ اور خدائے تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت کے ضمن میں نماز کے بعد اور خطبہ سے قبل نفل پڑھنے کی اجازت حاصل کرلی۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ کہ صحرا میں نہ قبل نماز عید۔ نفل پڑھے۔ نہ بعد نماز عید۔ اکثر لوگوں پر تخفیف کرنا ہے۔ کیونکہ امام نے صحرا میں اون کو نماز نہیں پڑھائی۔ مگر اس لئے کہ تا لوگوں کو جو مسجد میں نماز پڑھنے سے تنگی حاصل ہوئی تھی۔ اوس کا علاج ہو جاوے۔ پس اگر لوگوں کو صحرا میں نوافل پڑھنے کا حکم کردیا جاوے۔ تو وہ مقصد فوت ہو جاوے جس کا قصد امام نے کیا ہے۔ اور اون کا (صحرا میں) نماز پڑھنا ایسا ہو جائے۔ جیسے کہ مسجد میں پڑھنا۔ بہ لحاظ اس کے کہ اون کے قلوب میں تنگی اور گھٹن ہو گی۔ فلہذا وہ خدائے تعالےٰ کے سامنے ایسے کھڑے ہونگے۔ جیسے کسل مند یا مجبور کئے گئے لوگ۔ پس اسکو سمجھ لو *

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ کہ غیر امام کے لئے قبل نماز عید نفل پڑھنا

مگر وہ نہیں - یعنی تمام اون بڑے درجہ کے لوگوں کے لئے جو خدائے تعالےٰ کی مناجات اور اوس کے سامنے کھڑے ہونے سے خوش ہوتے ہیں - اور اس سے تنگ نہیں ہوتے ہیں - اور جن کے نفوس عید کے دن کھیل اور کھانے پینے کی خواہش نہیں کرتے ہیں - برخلاف امام کے - کیونکہ لوگ اوس کی پیروی کے مامور ہیں - اسلئے جب وہ نفل پڑھیگا تو مقتدی بھی پڑھینگے - اور اون میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنپر اون کے حظوظ نفسانی غالب ہیں - لہٰذا امام نماز میں اونپر تنگی کے پیدا ہو جانے کا سبب قرار پائیگا - پس بعض لوگ ایسے ہونگے - جو صورت کے اعتبار سے نماز میں کھڑے ہیں - اور حقیقت میں اوس سے خارج ہیں ✦

اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے جب اس منصوص کی طرف نظر کی - تو فرمایا کہ نہ امام نوافل پڑھے - اور نہ غیر امام - اور نہ نماز سے پہلے - اور نہ اوس کے بعد - ضعیف لوگوں پر تخفیف کی غرض سے - پس خوب سمجھ لو ✦

نواں مسئلہ یہ ہے - کہ چاروں اماموں کا قول یہ ہے - کہ نماز عید کے لئے مستحب ہے - کہ (اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ) نماز تیار ہے) کے ساتھ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پکارا جائے - حالانکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ اوس کے واسطے اذان پڑھی جائے - ابن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول ہے - کہ پہلا وہ شخص جس نے نماز عید کے واسطے اذان پڑھی - وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے - پس پہلا قول مخفف ہے الفاظِ نداء کے اعتبار سے (کیونکہ مختصر ہیں) اور دوسرا قول اوسی اعتبار سے مشدد ہے ✦

پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا - اور اوسکو باجماعت ادا کرنے کی تنبیہ کرنا ہے - تاکہ لوگ مستثنیٰ کرکے تنہا نہ ادا کرنے لگ جائیں - کیونکہ نماز عید میں جماعت ہی مقصود اعظم ہے - اور اس وجہ سے کہ ہر بندہ اوسکو سال میں ایک دفعہ ادا کرتا ہے ✦

اور ابن زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ فرائض پر قیاس کرنا ہے - علت جامعہ مشروعیت ہے - اور شاید حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس بارہ میں کوئی خبر نہ پہونچی ہو - ورنہ باوجود نص کے وارد ہونے کے قیاس کی حاجت نہیں ✦

دسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سورہ **ق** پڑھنا مستحب ہے - اور دوسری رکعت میں سورہ **اقتربت** - یا پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھنا - اور دوسری میں سورہ غاشیہ - حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ دونوں رکعتوں میں صرف سورہ سَبِّحِ اور سورہ غاشیہ پڑھی جاوے - اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ ان میں کسی سورت کو خاص کرکے پڑھنا مستحب نہیں ہے - پس

پہلا قول تشدد ہے - اور دوسرا مخفف - اور تیسرا اخف -
اور پہلا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے - اور دوسرا درمیانیوں کے ساتھ - اور تیسرا چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ -
اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عید اور جمعہ کے دن اکثر کاروبار چھوڑ دیئے جاتے ہیں - اور نفسانی خواہشوں میں مشغولی ہوتی ہے - اس لئے بندہ لبسا اوقات آخرت اور روز قیامت کے ہولناک امور کو بھول جاتا ہے - پس اس معین سورت کا پڑھنا بندہ کے لئے اون ہولناک امور کی یاد دہانی کا کام دیگا - تاکہ اللہ تعالٰے اور آخرت سے غافل ہونے کا زمانہ اوس پر دراز نہ ہو جائے - اور پھر اوس کا قلب مُردہ یا ضعیف ہو جائے - اگرچہ کامل شخص کی شرط یہ ہے - کہ وہ عید کے روز خوشی اور غم دونوں کو جمع کرے ؛
(اگر تم کہو) کہ مثل (اذا الشمس کورت) وغیرہ سورتوں کی بہ نسبت قٓ اور سبح اسم کے قیامت کے واقعات کو زیادہ یاد دلانے والی ہیں ؛
(تو جواب یہ ہے) کہ اس عالم میں حق تعالٰے کی تجلی اکثر جمال کیساتھ مخلوط ہوتی ہے مخلوق کی رحمت کے واسطے - اور اگر حق تعالٰے خالص جلال کے ساتھ مخلوق کو رونمائی فرما دے تو بہت سے لوگ مر جاویں - اسی بنا پر نماز عید میں سورہ سبح کا پڑھنا مناسب ہے کیونکہ اوس میں تسبیح اور خدائے تعالٰے کی بزرگی - اور اوس کے کمال کی صفات کا بیان ہے یہی بات سورہ قٓ میں اور سورہ اقتربت میں ہے - کہ وہ صفات جمال کے ساتھ مخلوط ہیں - اوس شخص کے نزدیک جو غور سے کام لے ؛
اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ اسکا خوف ہوتا ہے - کہ کہیں قرآن کے کسی حصہ سے اعراض نہ ہو جائے - پھر بندہ کا نفس سوائے معینہ سورتوں کے اور سورتوں کے پڑھنے کو مکروہ سمجھنے لگے - پس کامل شخص اگرچہ کوئی معین سورت بھی پڑھیگا - تو اوس کے سوا اور سورتوں سے روگردانی نہ کرے گا - اور ناقص شخص لبسا اوقات اوس کے ماسوا سے روگردان ہو جائیگا - اسلئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دروازہ ہی بند کر دیا - یہ کہکر کہ کسی سورت کی تخصیص نہیں - خدائے تعالٰے امام موصوف پر رحم فرمادے کہ اون کی نظر شریعت میں کسقدر باریک تھی - اور اُمت کے کسی مزلت میں پڑ جانے سے کسقدر خائف تھے - اور رحم فرمائے خدائے تعالٰے باقی اماموں پر ؛
گیارھواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے - کہ اگر لوگوں نے رمضان کی تیسویں تاریخ کو زوال کے بعد رویت ہلال کی شہادت دی - تو نماز کی قضا کی جائے - حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - کہ قضا نہ کی جائے - اور یہی مذہب امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے - پس اگر اوس روز لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو - تو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک

دوسرے روز پڑھی جاوے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نماز عید الفطر دوسرے اور تیسرے دن تک قضاءً پڑھی جاسکتی ہے پس پہلے قول میں قضا کے امر کی جہت سے تشدید ہے اور دوسرا قول قضا کا امر نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور تیسرا قول متوسط ہے

اور پہلے قول کی وجہ فوت شدہ کے تدارک کی طرف سبقت کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ امت پر تخفیف چاہنا ہے۔ کہ بعد زوال جب کہ ان کے نفوس تحصیل شہوات کے لئے کھل گئے۔ تو ان کو خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کے حکم سے تنگ نہ کیا جاویگا۔ باوجودیکہ ان کے نفوس صبح ہی سے نماز کے واسطے مستعد تھے لیکن زوال تک کسی نے چاند دیکھنے کی شہادت نہ دی۔

اور تیسرے قول کی وجہ ظاہر ہے اس لئے کہ قلب تیسرے روز کے بعد نماز سے روگردانی کرتا ہے اور اس وقت عید کی خوشی دور ہو جاتی ہے۔ اور جب تیسرے روز کے بعد بھی اس کی قضا کا حکم کیا جاوے۔ تو کھڑا تو ہو جائیگا لیکن اس طرح کہ نمازی کا قلب ایسا پراگندہ ہوگا کہ گویا نماز میں نہیں ہے۔

بارھواں مسئلہ یہ ہے کہ اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ عید الضحےٰ میں تکبیر مسنون ہے۔ اسی طرح عید الفطر میں سوا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حالانکہ امام داؤد رضی اللہ عنہ کا قول اس کے وجوب کا ہے .... ابی ہبیرہ کا قول ہے۔ کہ صحیح یہ ہے کہ عید الفطر کی تکبیر عید الضحےٰ کے دن کی تکبیر سے زیادہ مؤکد ہے۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (ترجمہ) اور چاہیئے کہ پورا کرو تم شمار کو اور چاہیئے کہ بڑائی (تکبیر) پڑھو اللہ کی موافق اوس کے کہ ہدایت کی ہے اوس نے (تم کو) پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور تیسرا اشد ہے۔ اور دوسرا اور چوتھا مخفف ہے۔

پہلے قول اور تیسرے کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور احتیاط کو لینا ہے کیونکہ اصل میں امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک کوئی وجوب سے پھیرنے والا نہ پھیرے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے اور یہی امام نخعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی ہے کہ عید کا دن سرور اور فرحت کا دن ہے۔ اور تکبیر ہیبت اور تعظیم کی طرف اشارہ کرنے کو مقتضی ہے غم اور پریشانی کو اور دور کرتی ہے۔ فرحت اور سرور کو جو عید کے دن مطلوب ہے پس یہ قول ان چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو عظمت اور سرور دونو کے مشاہدہ کو جمع نہیں کرسکتے اور پہلا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک عید الفطر کے دن میں تکبیر پڑھی جاوے نہ اس کی شب میں اور امام موصوف کے نزدیک انتہا تکبیر کی یہ ہے کہ امام عیدگاہ کی طرف چل دے۔ اور ایک قول اون کا یہ ہے۔ کہ امام نماز عید کی تحریمہ باندھ لے اور یہی قول امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے راجح ہے۔ اور تیسرا قول امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ہے۔ کہ امام عیدگاہ سے واپس چل دے اس وقت تک تکبیر کا وقت ہے اور ابتدا تکبیر کی چاند دیکھنے کے وقت سے ہے۔ اور یہ ایک روایت ہے امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں

میں ہے اور انتہا تکبیر کے بارہ میں ان سے دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب امام عید گاہ جانے کو نکلے۔ دوسری یہ کہ جب وہ دونو خطبوں سے فارغ ہو جائے۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول مخفف ہے وقت تکبیر کے بارہ میں اور ان کا دوسرا قول معہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے بعد کے قولوں کے کچھ مشدد ہے۔ اس جہت سے کہ وقت کو امام کی نماز سے فراغت پاکر نکلنے تک طویل کیا گیا۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے ایک قول جو امام مالک رضی اللہ عنہ کے تیسرے قول کی مثل ہے۔ کچھ مشدد ہے۔ اور دوسری روایت امام احمد رضی اللہ عنہ کی اشد ہے۔ اس جہت سے کہ انتہا دونو خطبوں سے فارغ ہونے پر ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر پڑھنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے اور دن میں تعظیم کا ظاہر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ اسی وقت عبودیت کے نشانات ظاہر کرتے ہیں۔ برخلاف رات کے کہ اس وقت سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھسے پڑے رہتے ہیں۔ نہ اپنی معاش کے لئے تتر بتر ہوتے ہیں۔ اور نہ سڑکوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور باقی اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔

چودھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک دو دو دفعہ اللہ اکبر کہا جاوے شروع میں بھی اور آخر میں بھی اس طرح کہ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ خواہ تین مرتبہ اللہ اکبر کہے خواہ دو دفعہ اللہ اکبر پڑھے اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ اور شاید ہر امام کی اپنے قول پر دلیل وہ ہے۔ جو اس کو شارع علیہ السلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے پہنچا۔

پندرھواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک ابتدا تکبیر کی عید الضحیٰ میں عرفہ کے روز صبح کی نماز سے ہے یہاں تک کہ یوم نحر (میں عید الضحےٰ) کی نماز کیلئے تکبیر پڑھی جاوے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول ظاہر یہ ہے۔ کہ یوم نحر (دسویں تاریخ) کے دن ظہر کے وقت سے تکبیر شروع کی جاوے۔ اور ایام تشریق کے اخیر دن کی صبح پر ختم کی جائے۔ اور وہ قربانی کے دنوں کا چوتھا دن ہے (یعنی تیرھویں تاریخ) خواہ وہ شخص حلال ہو یا احرام باندھے اور اصحاب شافعی رضی اللہ عنہ کا عمل اس پر ہے کہ غیر حاجی کو یوم عرفہ کی صبح سے تکبیر شروع کرنی چاہیے یہاں تک کہ ایام تشریق کے اخیر دن کا عصر پڑھ لیا جائے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور اس کے بعد کے مشدد ہیں۔

اور پہلے قول کی وجہ لوگوں پر تخفیف کرنا ہے۔ اور یہ قول ان چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو حق تعالےٰ کی عظمت اور ہیبت کے مشاہدہ کو عادت بنانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ کہ آخر ایام تشریق تک اس کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ بلکہ اس سے ان کی روح فنا ہوتی ہے۔ اور اس مشاہدہ سے برعکس ان پر حجاب پڑتا ہے اور اس قول کا مقابل ان بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو اس کے عادی ہو جانے پر قادر ہیں۔ اور ان کو حق تعالےٰ کی بڑائی کا ظہور زمانہ ایام تشریق بعد سرور اور فرحت کی رعایت اور لحاظ سے روگردانی نہیں کرتا ہے۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔

اور توضیح اس کی یہ ہے کہ قوم (صوفیوں) کے نزدیک کسی بندہ کا درحقیقت تکبیر خداوندی اسی وقت نام رکھا جاتا ہے۔ کہ جب اس کی عظمت کو اپنے قلب میں حاضر اور جاگزیں کرلے۔ اور یہی وہ تکبیر جو صرف زبان سے ہو۔ اور قلب غافل ہو۔ تو وہ شارع کا مقصود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے قول سے چھوٹے درجہ کے لوگوں کے حق میں شمار تکبیر نے الجملہ حاصل ہے۔

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ جس شخص نے خواہ وہ محرم ہو یا حلال ان اوقات میں تنہا نماز پڑھی اور تکبیر نہ کہے۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ وہ تکبیر پڑھے

اور رہا نوافل کے بعد تو اماموں کا اتفاق ہے۔ کہ ان کے بعد تکبیر نہ پڑھی جائے۔ مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول راجح یہ ہے۔ کہ (پڑھی جائے) پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا دونو مسئلوں میں مشدد ہے۔

اور مسئلہ اولیٰ میں پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو شخص تنہا نماز پڑھتا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ کی ہیبت اور قلب میں اس کی تعظیم سخت ہوتی ہے۔ اس لئے تکبیر کا تلفظ اس پر بہت بار ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اس کے مکلف ہونے کا سزاوار نہیں۔ کیونکہ ہیبت نے تو اس کو گھیر لیا۔ لہذا ظاہری شعار کے قائم کرنیکا اس سے مطالبہ نہ کیا جائیگا۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا ان بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ جو اپنی آواز تکبیر کے ساتھ بلند کرنے پر قادر ہیں۔ باوجودیکہ ان کے قلوب میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ہیبت جاگزیں ہے۔

اور اسی سے ان نوافل کے بعد جو تنہا بلا جماعت پڑھے جائیں تکبیر پڑھنے میں جو دو قول ہیں ان کی بھی وجہ معلوم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات نوافل پڑھنے والے کو ہیبت گھیر لیتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ جب نوافل جماعت کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ کیونکہ اس وقت انسان اپنے ہم جنس کو دیکھ کر عادتاً مانوس ہوجاتا ہے۔ پس اس پر تکبیر کا بلند آواز سے پڑھنا بار نہیں گذرتا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب دونو گہنوں کی نماز کے بیان میں

اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے یہ اور بڑھایا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ اس باب میں مجھے یہی مسئلہ متفق علیہا ملا ہے رہے وہ جن میں اختلاف ہے۔ سو ان میں سے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک دونو گہنوں میں سنت یہ ہے۔ کہ دو رکعتیں پڑھی جاویں۔ اس طرح کہ ہر دو رکعتوں میں

دو قیام ہوں۔ دو قرائتیں ہوں۔ دو رکوع ہوں دو سجدے ہوں حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا
یہ ہے۔ کہ دو رکعتیں فجر کی دو رکعتوں کی مثل پڑھی جائیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا
مخفف۔

پہلے قول کی وجہ ارکان مذکورہ کی تکرار سے خدا تعالے کے سامنے زیادت عجز کا طلب کرنا
بوجہ سخت ہونے اس خوف کے جو بندوں کو گہن کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ اس لئے بسا اوقات
ان کے قلوب پر ہیبت بہت سخت ہوتی ہے جس کی وجہ سے پہلی مرتبہ کے رکوع اور سجدہ میں
لوگوں کو خدا تعالے کے سامنے کمال عجز و حضور کی مراعات حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی تتمہ یہ
کہ یہ دونو (رکوع اور سجدہ) مقام قرب میں ادا کئے جاتے ہیں۔

اور نیز جب کہ حدیث میں وارد ہے۔ کہ چاند اور سورج کا دکھلانا خدا تعالے کی اخروی
کی نظیر ہے (دنیا میں) تو اس لحاظ سے گہن دنیا میں دجال کے فتنہ سے بھی بڑا فتنہ ہے۔ کیونکہ
تعالے کے دربار میں کسی قسم کا نقص نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی۔ کہ حق تعالے نے ا
احسان سے عارفین کو مراتب تکرار سے اپنی معرفت عطا کی ہے۔ تو وہ اپنے دین کے اندر فتنہ میں
جاتے۔ اور اس مقام پر چند اسرار ہیں۔ جو فہم سے بالاتر ہیں۔ اور کتاب میں تحریر نہیں ہو سکتے۔ پس
آدمی اس کو سمجھ گیا جو ہم نے بیان کیا۔ یا جس کی طرف اشارہ کیا۔ تو وہ جان گیا ہوگا۔ کہ رکوع
قیام اور سجدہ کی تکرار کرنا اس نقص کی مکافات کرنے والا ہے جو ہر رکن کی پہلی بار ادائگی میں رہ
ہے۔ اور اسی سے اس کی توجیہ بھی معلوم ہو سکتی ہے جو شارع علیہ السلام سے وارد ہے
آپ نے ان دونو رکعتوں کو (سجدہ اور رکوع) تین تین بار اور چار چار بار اور پانچ پانچ مرتبہ ا
اور اس کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب
کے اندر ہیبت اور تعظیم کا زیادہ ہونا ہے۔ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا
تو اکثر لوگوں پر اس ہیبت و تعظیم میں کمی آگئی۔ پس وہ نہیں چھوڑتے کمال خشوع اور خضوع
کو لہذا آئمہ کا کلام بڑے درجہ اور متوسط لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور امام ابو حنیفہ رضی
عنہ کا کلام ان چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ
وہ لوگ اس وجہ سے کہ ان کے قلوب میں ہیبت و تعظیم کا تجدد حاضر رہتا ہے۔ ایک ہی حالت
پر رہتے ہیں۔ بناءً علیہ ارکان مذکورہ میں سے کسی رکن کی تکرار کے حاجت مند نہیں ہوتے
طرح باقی نمازوں میں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک قرأت میں اخفا کرنا چاہیے
حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ باآواز ہونی چاہیئے۔ پس پہلا قول مخفف ہے
ان چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن پر خدا تعالیٰ کی ہیبت غالب آگئی
لئے وہ آواز سے قرأت پڑھنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور ان بڑے
درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو باوجود شدت ہیبت کے بھی بولنے پر قادر ہیں
تعالے نے فرمایا ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ترجمہ اللہ تعالے

کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر اوسکی حسب طاقت) پس خوب سمجھ لو

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ
مشہور روایت یہ ہے۔ کہ نہ چاند گہن کے لئے دو خطبے مستحب ہیں۔ اور نہ سورج گہن
لئے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ دونوں نمازوں کے لئے دو خطبے
مستحب ہیں مثل جمعہ کی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور اون بڑے درجہ کے لوگوں کے
ساتھ مخصوص ہے جن کے قلوب میں صرف گہن کے دیکھنے ہی سے خوف قائم ہو جاتا ہے
اس لئے اون کو خطبہ اور وعظ سننے اور ڈرائے جانے کی ضرورت نہیں۔ اور دوسرا قول خطبہ
کے استحباب کے اعتبار سے مشدد ہے۔ اور اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص
ہے جو اوس مقصد سے غائب ہیں جو سورج گہن میں ہے۔ اور اون کے باطن میں خوف
نہیں بیٹھتا۔ اسلئے وہ باوجود گہن کے مشاہدہ کے خطبہ سننے کے بھی حاجتمند ہیں تاکہ اون کے
دلوں میں خوف جاگزین ہو اور اوس سے قیامت کے دن کے ہولناک واقعات کو یاد
کریں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہو۔ کہ اوس دن کے واسطے اعمال صالحہ تیار کر لیں۔ اور گناہوں کو
ترک کر دیں۔ اور چونکہ لوگوں میں بعض ڈرپوک ہوتے ہیں۔ اور بعض نہیں۔ ہر زمانہ میں۔ اس لئے
شارع علیہ السلام اور آئمہ رضی اللہ عنہم نے اون کمزور لوگوں کی رعایت فرمائی ہے۔ جو ان دونوں نمازوں کی
جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جن کے لئے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ ایسی رعایت جو پوری مصلحت پر مبنی
ہے۔ تاکہ وہ شخص جس کے قلب میں گہن کے دیکھنے سے خوف نہیں بیٹھا ہے۔ ڈرنے لگے۔ اور جس کے
دل میں گہن کے دیکھنے سے خوف بیٹھ گیا ہے۔ اوس کا خوف اور زائد ہو جاسکے۔ پس اسکو جان لو۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی مشہور
روایت یہ ہے۔ کہ اگر اتفاق سے گہن کا وقوع ایسے وقت ہو گیا جس میں نماز مکروہ ہے۔ تو اوس وقت
نماز نہ پڑھی جائے۔ بلکہ اوس کی بجائے تسبیح پڑھنی چاہئے۔
حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تمام اوقات میں نماز پڑھنی چاہئے۔ امام مالک رضی
اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ پس پہلا قول اس اعتبار سے کہ ہم کو خدا تعالی
کے سامنے ایسے وقت میں نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ جس وقت کھڑے ہونے سے ہم کو پہلے منع کر دیا
گیا ہے مخفف ہے۔ اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور اکابر اہل کشف کے ساتھ مخصوص ہے جو
تمام اوس وقت حق تعالے کے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت اور عدم اجازت سے مطلع
رہتے ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ پہلے قول کی توجیہ اسطرح کی جائے۔ کہ وہ اون بڑے درجہ کے لوگوں
کے ساتھ مخصوص ہے جو جانتے ہیں کہ حق تعالے پر کسی بات کی قید نہیں۔ یہاں تک کہ نہ اوس
کے لوگوں کے خطوب پر اتقاد فرمائے۔ اسلئے کہ جائز ہے کہ حق تعالے اوس امر کی اجازت سے پھر جاوے
اسلئے عبادت کے واسطے واجب ہے کہ اوس فعل کی بجا آوری میں توقف کریں۔ جس کی اجازت اونکو
الہام دی گئی ہے۔ برخلاف اوس کے جو شارع علیہ السلام سے پہونچا ہے۔ کیونکہ وہاں ادب

یہی ہے۔ کہ جس بات کا حکم ہو۔ اوس کے بجا لانے کی طرف سبقت کی جائے۔ اور ذرا بھی توقف نہ ہو۔ پس خوب سمجھ لو +

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک چاند گہن میں جماعت مستحب نہیں۔ بلکہ ہر شخص اپنی علیحدہ پڑھے۔ حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ جماعت مستحب ہے۔ جس طرح سورج گہن میں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی تجلی رات کے گہن میں وزنی ہوتی ہے۔ اور اوس وقت قلوب پر ہیبت بہت سخت ہوتی ہے۔ اس لئے لوگوں پر تخفیف کی گئی ہے۔ کہ اون کو امام کے ساتھ مربوط رہنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ تاکہ اوس کے افعال کی (اتباع کے واسطے) رعایت رکھنی پڑے۔ پس یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بڑے درجہ کے لوگ بسا اوقات اپنے امام کے افعال کی رعایت رکھنے پر قادر ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ اون کے قلوب میں عظمت وہیبت قائم ہوتی ہے وجہ یہ ہے۔ کہ اون میں سے بعض کے قلوب کو بعض سے تقویت اور امداد پہونچتی رہتی ہے۔ لہٰذا اون کے واسطے جماعت زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ جماعت کی فضیلت کو حاصل کریں۔ جس طرح آواز سے قرات پڑہنا بھی اون کے حق میں مفید ہے۔ برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے۔ کہ اونپر بولنا بھی بار ہوتا ہے۔ جیساکہ اوس کی نظیر ابھی گذر چکی ہے +

اور امام ثوری اور امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے۔ کہ لوگ امام کے تابع ہیں۔ اگر وہ جماعت سے پڑھے تو لوگ بھی اوس کے ساتھ جماعت سے ادا کریں۔ اور اگر وہ تنہا پڑھے تو لوگ بھی تنہا پڑھیں +

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک گہن کے سوا اور خدا کی نشانی کے وقت نماز پڑہنا مسنون نہیں۔ جس طرح زلزلے اور بجلی کی کڑک اور دن کے وقت (آندھی وغیرہ سے) اندھیرا ہو جانا۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ہر علامت اور نشانی کے وقت باجماعت نماز پڑھی جاوے۔ اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ بلاجماعت تنہا تنہا نماز پڑہیں۔ اور اسی پر عمل بھی ہے۔ اور حضرت امیرالمؤمنین امام سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زلزلہ کے وقت نماز پڑھی۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد +

اور پہلے قول کی وجہ اس بارہ میں کسی نص کا وارد نہ ہونا ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ گہن پر قیاس کرنا ہے۔ علت جامعہ یہ ہے۔ کہ تمام نشانیاں منجملہ اون امور کے ہیں جن سے حق تعالےٰ اپنے بندوں کو ڈرانا۔ اور روز قیامت کے ہولناک منظر کو یاد دلاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

باب پانی طلب کرنیکی نماز کے بیان میں

علماء کا اتفاق ہے۔ کہ پانی کا مانگنا مسنون ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ جب اسقدر بارش کثیر ہونے لگے جس سے ضرر کا سخت اندیشہ ہو۔ تو سنت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالے سے اوس کے بند کرنے کی دعاء کریں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو میں نے اس باب میں مجمع علیہا پائے۔ رہے وہ جن میں اختلاف ہے۔ سو اون میں سے

پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے۔ کہ پانی طلب کرنے کی نماز جماعت کے ساتھ سنت ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کے واسطے نماز پڑھنا مسنون نہیں۔ بلکہ صرف یہ ہونا چاہئے کہ امام باہر جائے۔ اور دعاء کرے۔ ہاں اگر لوگ تنہا تنہا نماز بھی پڑھنے لگیں۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف

پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حاجت اور ضرورت تمام لوگوں کو عام ہوگئی۔ اور ہر شخص خدا تعالے سے زاری کر کے اپنی ضرورت کے ارتفاع کی بذریعہ اپنے ہر ہر رونگٹے کے دعاء کرنے لگا اسلئے توجہ میں دوسرے سے مدد لینے کی حاجت نہ رہی

باوجودیکہ اس قول کے قائل کو اس بارہ میں کوئی نص نہیں پہونچی۔ یا نص اون لوگوں کے حق میں ہے۔ جن میں سے بعض بعض سے مدد لیکر قوت حاصل کرتے ہیں +

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک پانی طلب کرنے کی نماز مثل نماز عید کے ہے۔ لہذا اوس میں قرات بالجہر کی جائے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس نماز کی دو رکعتیں ہیں مثل اور نمازوں کی اور اوس نماز میں اوسوقت قرات آواز سے پڑھی جائے۔ جب اوس نماز کا وقت ہو جس میں قرات آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور دوسرے میں تخفیف۔ اور دونوں کی وجہ ظاہر ہے +

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں میں سے مشہور روایت یہ ہے۔ کہ پانی طلب کرنے کی نماز کے لئے دو خطبے مستحب ہیں۔ اور وہ نماز کے بعد ہونے چاہئیں۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ کہ اوس کے لئے خطبہ نہ پڑھا جائے۔ اور اس کے سوا نہیں کہ وہ نماز صرف دعاء اور استغفار کا نام ہے۔ پس پہلے قول میں تشدید ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت دو خطبوں

کی وجہ سے مشدد ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت مخفف ہے ۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اسی طرح دوسرے قول کی۔ اور یہ قول چھوٹے درجے کے اہل حجاب لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ وہی ہیں جو خطبہ اور وعظ سننے کے حاجتمند ہیں تاکہ اون کے باطن لطیف اور اونکا حجاب باریک ہو جاوے۔ پھر خدا تعالےٰ سے ایسی حالت میں دعا کریں۔ کہ اون کے قلوب صاف اور قبولیت کے امیدوار ہوں۔ برخلاف بڑے درجہ کے لوگوں کے کہ وہ ایسی بات کے حاجتمند نہیں۔ اسلیئے کہ اونکی استعداد قوی ہے۔ اور یہی وجہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کی ہے۔ پس اگر کوئی خطیب اکابر علماء کے سامنے خطبہ پڑھے۔ تو اوس کی وجہ وہ حجاب ہے۔ جو اون کے اندر کچھ بقیہ رہ گیا ہے۔ یا اس غرض سے کہ اون کی ہمراہی میں چھوٹے درجہ کے لوگ بھی ہیں پس اس کو سمجھ لو ۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک دوسرے خطبہ میں امام امام اور مقتدی دونوں کو چادر الٹنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مستحب نہیں۔ اسی طرح امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ صرف امام کے واسطے مشروع ہے۔ نہ مقتدیوں کے لیئے۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف۔ اور تیسرے میں امام پر تشدید ہے ۔

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا۔ اور نیک فالی حاصل کرنا ہے۔ اور یہ قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنہیں خدا تعالےٰ نے اون چیزوں کی اطلاع نہیں دی۔ جو اون کے لیئے مقدر کی ہیں۔ اور نہ اسکی کہ اون کی قسمت میں اس سال پانی برسنا ہے یا نہیں اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بڑے درجہ کے لوگ چادر الٹنے سے نیک فالی حاصل کرنے کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اونکو بطریق کشف اون کے تقدیری امور اور پانی کے نزول یا عدم نزول سے مطلع فرما دیا ہے۔ پس اگر امام باوجود بڑے درجہ کے لوگ ہونے کے بھی چادر الٹے۔ اور وہ اوس کا اتباع کریں۔ تو اوس کی وجہ حق تعالےٰ کی آزادی اور خود مختاری کا وسیع ہونا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اون چیزوں سے رجوع کر جائے جنکی اکابر کو اطلاع بخشی ہے ۔

اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر امام حجاب والا ہے۔ تب اوس کو نیک فالی لینی ہی چاہیئے۔ اور اگر اہل کشف میں سے ہے۔ تو اون لوگوں کی طرف سے نیک فالی حاصل کرے۔ جو مقتدیوں میں حجاب والے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے ۔

کتاب جنازوں کے بیان میں

علماء کا اتفاق ہے۔ کہ موت کو اکثر یاد رکھنا مستحب ہے۔ اور اس پر بھی کہ حالت تندرستی میں ہر اوس شخص کو جو مالدار ہو۔ یا اوس کے پاس کسی اور کا مال ہو وصیت کرنا مستحب ہے۔ اور اسپر بھی کہ وصیت حالتِ مرض میں سنت مؤکدہ ہے۔ اور اسپر بھی کہ جب موت کا آجانا یقینی معلوم ہو جائے۔ تو میت کو قبلہ رُخ کر دیا جائے۔

اور چاروں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ میت کی تجہیز خود اوسی کے سرمایہ سے ہو۔ جو قرض کی ادائگی پر بھی مقدم ہے۔ اور امام طاوس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اگر اوس کا مال کثیر ہے۔ تو اوسی کے اصل مال سے ہو۔ ورنہ (اگر قلیل ہو) تو اوس کے ثلث میں سے ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ اور اس پر بھی کہ زوجہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ اور اس پر بھی کہ جو حمل گر جائے۔ تو اگر وہ چالیس دن کی مدت تک نہ پہونچا ہو۔ تو نہ اوسکو غسل دیا جائے۔ نہ اوس کی نماز پڑھی جائے۔ اور اس پر بھی کہ جو بچہ آواز کرے اور روئے اوس کا حکم بڑے بچہ کا سا ہے۔

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بچہ کی اوس وقت تک نماز نہ پڑھی جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔

اور اسپر اونکا اجماع ہے کہ اگر بچہ بغیر ختنہ کیا ہوا مر گیا۔ تو اب اوسکی ختنہ نہ کی جائیگی بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اسپر بھی کہ جو شہید کفار کی لڑائی میں فوت ہوا ہو۔ اوس کو غسل نہ دیا جائے۔ اور اس پر بھی کہ نفاس والی عورت کو غسل دیا جائے۔ اور اوس کی نماز بھی پڑھی جائے۔ اور اون کا اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ اس قدر نہلانا واجب ہے جس سے طہارت حاصل ہو جائے۔ اور اس پر بھی کہ غسل طاق مرتبہ ہونا چاہئے۔ اور اسپر بھی کہ پانی بیری کے پتوں میں پکایا گیا ہو۔ اور اخیر مرتبہ میں کافور ڈالا جائے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ میت کو کفن دینا واجب ہے۔ جو قرض اور ورثہ پر مقدم ہے۔ اگرچہ تکفین تجہیز کی بار برداری میں داخل ہے۔ جسطرح گذرا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ احرام باندھے ہوئے کو نہ خوشبو لگائی جائے۔ نہ سلا یا ہوا کفن پہنایا جائے۔ نہ اوس کے سر کو ڈھونی دی جائے۔ مگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ محرم کا احرام اوس کے مرجانے سے باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اوس کے ساتھ وہ تمام کام کئے جائینگے۔ جو باقی مردوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے۔ اختلاف صرف کراہت اور عدم کراہت میں ہے۔ اور چاروں امام اسپر متفق ہیں کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ اور اس پر بھی کہ خودکشی کرنے والے کی نماز پڑھی

جائے۔ اور اختلاف صرف اس میں ہے کہ امام اعظم (خلیفہ اسلام) بھی اوس پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ جنازہ میت کو اٹھانا بھلائی اور تعظیم کی بات ہے۔ اور اس پر بھی اون سب کا اتفاق ہے۔ کہ یہ جائز نہیں۔ کہ کسی مردہ کی قبر کو اس غرض سے کھدوا جائے۔ کہ اوس کے پاس کوئی دوسری میت دفن کی جائے۔ البتہ جب پہلے مردہ کو دفن ہوئے اس قدر زمانہ گذر چکا ہو۔ جس میں وہ بوسیدہ اور خاک بن جائے۔ تو اوس وقت جائز ہے ◆

اور عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔ کہ جب کسی میت کو مدفون ہوئے ایک سال گذر جائے تو اوس جگہ کاشتکاری کر سکتے ہو۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ تابوت میں رکھکر دفن کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور اسپر بھی کہ اہل میت کی تعزیت کرنا مستحب ہے۔ اور اسپر اجماع ہے کہ کچی اینٹ اور بانس قبر کے واسطے مستحب ہیں۔ اور پختہ اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ لحد بنانا سنت ہے۔ اور شق سنت نہیں ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ میت کے واسطے مغفرت طلب کرنا۔ اور اوس کے لئے دعا اور صدقہ اور غلام آزاد کرنا۔ اور اوس کی طرف سے حج کرنا میت کے واسطے نافع ہے۔ اور اسپر بھی اتفاق ہے۔ کہ جو مردہ دفن کر دیا گیا۔ اور ابھی تک اوس پر نماز نہیں پڑھی گئی۔ تو اوس کی قبر پر نماز پڑھی جائے۔ اور اس پر بھی کہ رات کے وقت دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالے زیادہ جاننے والا ہے یہاں تک وہ مسائل ہوئے جن پر چاروں اماموں کا متفق ہونا مجھ کو معلوم ہے۔ رہے وہ جن میں اختلاف ہے۔ سو اون میں سے

پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ آدمی مرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نجس ہو جاتا ہے۔ اور غسل سے پاک بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہی قول امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد ◆

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ کہ (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ) (ترجمہ) اور البتہ تکرم بنایا ہے ہم نے بنی آدم کو) اور تکریم کا تقاضا یہ ہے۔ کہ پس مرگ اوسکو نجس نہ کہا جائے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ (ان المسلم لا ینجس حیًا ولا میتًا) (ترجمہ) بیشک مسلمان نجس نہیں ہوتا ہے نہ حالت حیات میں۔ اور نہ بعد مرنے کے) اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ روح ہی وہ شے ہے۔ جو آدمی کے بدن کو پاک رکھتی ہے۔ پس جب وہ نکلجائے۔ تو وہ نجس ہو جائیگا۔ بنا بر مقتضیٰ کے اصل قاعدہ کے۔

اور پہلے قائل نے اسکا جواب یوں دیا۔ کہ درحقیقت اوس سے روح نکلی نہیں۔ البتہ صرف اوسکا مدبر ہونا جاتا رہا۔ اسکی وجہ یہ کہ بجز عالم علوی سے متعلق ہو گئی۔ دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ اوس سے منکر نکیر سوال کرینگے۔ اور اوسکو قبر کے اندر عذاب بھی ہوگا۔ اسی طرح اوس کو راحت

و تاریلم بھی عطا کیا جائیگا۔ اور میت کو ان تمام امور کا احساس بھی ہوگا۔ اور اس مقام پر چند اسرار ہیں۔ جنکو اللہ والے ہی جانتے ہیں۔ اور کتاب میں مسطور نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کتاب ہر اس و ناکس کے ہاتھ میں جائیگی۔ خواہ وہ اوسکا اہل ہو۔ یا نہ ہو +

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک افضل یہ ہے۔ کہ میت کو کرتہ سے برہنہ کرکے غسل دیا جائے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ جسم نہانی اوسکا مستور ہو +

حالانکہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ افضل معہ کرتہ کے غسل دینا ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے۔ کہ آسمان کے نیچے غسل دیا جاتے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ اولیٰ چھت کے نیچے ہے۔ پس پہلا قول اس اعتبار سے کہ اوسکو کرتہ نہ پہنایا جائے مخفف ہے۔ اور دوسرا قول اوس کے پہنانے کے حکم کی وجہ سے مشدد ہے +

اور پہلے قول کی وجہ اس طرف اشارہ کرنا ہے۔ کہ انجام کار لوگوں کا مرنے کے بعد دنیا سے برہنہ ہو کر جانا ہے۔ غرض اس سے لوگوں پر قہر کا دکھلانا ہے۔ تاکہ زندے آدمی اس سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ برہنہ ہو کر جانا عبرت حاصل کرنے کے لئے زیادہ ظاہر ہے۔ اور نیز اس میں یہ بھی غرض ہے۔ کہ جو رحمت آسمان سے نازل ہوگی۔ وہ میت کے جسم کو مس کرے گی۔ جیسا کہ اس طرف اوس شخص نے اشارہ کیا ہے جس نے کہا ہے۔ کہ چھت کے نیچے غسل نہ دیا جائے +

اور جس نے کہا ہے۔ کہ معہ کرتہ کے غسل دیا جائے۔ اوسکی وجہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے میں پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ آپ کو کرتہ میں غسل دیا گیا تھا۔ پس پہلا قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے +

اور دوسرا قول بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ

اور جس نے کہا ہے۔ کہ چھت کے نیچے غسل دیا جائے۔ اوس کی وجہ احتیاط کو لینا ہے کہ مبادا اوس پر کوئی آسمان سے نازل ہونے والی بلا نہ آپڑے۔ کیونکہ شاید وہ کسی گناہ پر اصرار کرتا کرتا مر گیا ہو۔ تو گویا کہ چھت اوس پر نازل ہونے والی بلا کو روک لے گی۔ پس خوب سمجھ لو +

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کے نزدیک میت کو سرد پانی سے غسل دینا بہتر ہے۔ مگر ضرورت کیوقت۔ مثلاً سردی سخت پڑ رہی ہو۔ یا میل بدن پر زیادہ ہو۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ہر حال میں گرم پانی بہتر ہے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا پانی گرم کرنے کے حکم کے اعتبار سے مشدد ہے اور پہلے قول کی وجہ نعمتوں کا استعمال کرکے نیک فال لینا ہے۔ اس قرینہ سے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے پیچھے آگ لے جانے کو منع فرمایا ہے +

اور دوسرے قول کی وجہ خدائے تعالٰے کی قضا و حکم پر رضا مندی کے اظہار سے نیک فال لینا ہے۔ کہ اگر وہ چاہے کہ دوزخ میں ڈالے۔ تو اوس کے حکم و مرضی پر راضی ہے۔ یہ وہ حکمت ہے۔ جو مجھے ابھی ظاہر ہوئی ہے ✦

چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک خاوند کو جائز ہے۔ کہ اپنی بیوی کو غسل دے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد ✦

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ ان دو قولوں میں سے ایک قول پر مبنی ہے۔ کہ موت طلاق رجعی کے حکم میں ہے۔ اور دوسرا قول اس قول پر کہ موت طلاق بائن کے حکم میں ہے جیسا کہ باب رجعت میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور جب کوئی عورت مر جائے۔ کہ اوس کا خاوند بھی نہیں۔ اور نہ کوئی عورت غسل دینے والی ہے۔ تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک اوسے صرف تیمم کرا دیا جائے۔ حضرت امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا راجح قول بھی یہی ہے۔ اور موخر الذکر صاحبان کی دوسری روایت یہ ہے کہ مرد غسل دے۔ اس طرح کہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹے۔ اور پھر اوسے دھووے۔ اور امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ بغیر غسل و تیمم کے دفن کر دی جائے ✦

اور تیمم کرائے جانے کی وجہ یہ ہے۔ کہ سلامت رہنا نفع حاصل کرنے سے مقدم ہے لہذا بندہ کا ایسی عورت کے بدن چھونے سے چھوٹ جانا جو اوس کے واسطے حلال نہیں اسپر مقدم ہے کہ بندہ اوس عورت کے بدن کو نظیف اور پاک و صاف بنا دے بالخصوص اوس کے نزدیک جو میت کو مر جانے کی وجہ سے نجس جانتا ہو ✦

اور اوس شخص کی وجہ جو ہاتھ پر کپڑا وغیرہ باندھنے کا قائل ہے۔ غاسل اور مغسول دونوں کی مصلحت حاصل کرنے کی سعی کرنا ہے ✦

اور جو کہتا ہے۔ کہ اوس کو بلا غسل ہی اپنی حالت پر دفن کر دیا جائے۔ اوس کی وجہ دو امروں کا متعارض ہو جانا ہے۔ ایک میت کے غسل کا امر۔ دوسرا اجنبی کے چھونے کی نہی۔ (اس قول کے قائل کے نزدیک ، پھر کوئی امر ترجیح دینے والا اوس کے واسطے ظاہر نہ ہوا جسے وہ بجا لاتا (اس لئے دونوں کو ترک کر دیا)

پانچواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک مسلمان کو جائز ہے کہ اپنے رشتہ دار کافر کو غسل دے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد ✦

اور پہلے قول کی وجہ قرابت خاکی کے حق کو فی الجملہ پورا کرنا ہے۔ اگرچہ غسل دینا کافر کو پاک و صاف نہیں کر سکتا ✦

اور دوسرے قول کی وجہ مسلمان کو اپنے کافر رشتہ دار سے قطع رحمی اور بے تعلقی کا اظہار واجب ہونا ہے۔ کیونکہ اب اون دونوں میں نہ باہمی دوستی ہے۔ نہ در حقیقت تعلق جو

تو گویا اوسکو غسل دینے میں فی الجملہ اوسکی جانب میلان اور اوس سے دوستی پیدا کرنیکا اظہار ہے۔
یہ صورت ہی کے اعتبار سے ہے۔ پس پہلا قول اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے
سے کا فرشتہ دار کیطرف میلان اور اوس کے فراق پر حزین ہونیکا اندیشہ اور خوف نہو۔ اور دوسرا
ی چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے
اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے
کو غسل دیا تھا ✣

چھٹا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک غسل دینے والے کو مستحب ہے
یت کا وضو کراوے مثل زندے کی اور اوس کے دانتوں پر مسواک کرے۔ اور اوس کے نتھنوں
ی انگلیاں ڈالکر صاف کرے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ یہ مستحب نہیں
ر تینوں اماموں کا قول ہے۔ کہ عورت کے سر کے بالوں کو...... تین حصے کرنا پھر بعد غسل
ونکو پیچھے کی جانب ڈالدینا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ
پنے حال پر چھوڑ دیئے جائیں۔ لڑی نہ بنائی جاوے۔ پس تمام اقوال مخفف اور مشدد کے
ن ہیں ✣
اور مسئلہ اولے میں اماموں کے قول کی وجہ کہ میت کو مانند زندے کے وضو کرایا جاوے۔ آخر
مع غسل کے یہ ہے کہ موت حکم میں حدث اصغر کے ہے ✣
اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ موت حدث اکبر کی مثل ہے۔ پس ان کے
ب اصغر اکبر میں داخل ہے۔ اور پہلے قائلین تداخل کے قائل نہیں۔ اور احتیاط اسی میں زیادہ ہے
نا کہ جنابت کی وجہ سے غسل کرنے کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اور مسواک کرنا اور نتھنوں کو صاف
داخل ہونے اور نہ ہونے میں اوس کے تابع ہے۔ یہی گفتگو داڑھی کے کھولنے اور نہ کھولنے
ہے ✣
اور جو کہتا ہے کہ عورت کے بال بطور لڑی کے گوندھے جاویں تین حصے۔ اوس کے تین مرتبہ دھونے
س کرتا ہے۔ رہی اسکی حکمت کہ وہ بال عورت کے پیچھے کی طرف ڈالدیئے جائیں۔ سو وہ یہ
کہ تاکہ بال اوس کے چہرہ کو ڈھانک نہ دیں۔ کہ پھر رحمت خداوندی اوس کے چہرہ کے بشرہ
نہ پہونچ سکے۔ کیونکہ بال منجملہ اون امور کے ہیں۔ جو بعض اعتبار سے جسم سے جدا ہیں۔ اور
ہوتے رہتے ہیں۔ برخلاف بشرہ کے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے۔ جیسے علماء نے نماز میں
باندھنے کو اسلئے مکروہ کہا ہے۔ تاکہ ڈھاٹا اوس رحمت کے لئے حاجب نہ ہو جائے جو
کے سامنے نازل ہوتی ہے
اور جس نے بغیر گوندھے بالوں کے لٹکا دینے کا قول کیا ہے۔ اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ اہل
ب کی علامت ہے۔ اور یہ شکل اون طاعات پر جو میت سے فوت ہو گئیں۔ ہو اون نمازوں
کے اندر زمانہ حیض میں نقص ہوا۔ حزن اور ندامت کے اظہار کو خوب ظاہر کرتی ہے۔ تاکہ
لے کو اوسے دیکھکر رحم آوے اور بخشدے۔ مجھے یہی حکمت ظاہر ہوئی۔ اور اللہ تعالےٰ

خوب اچھی طرح جاننے والا ہے ✦

ساتواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک حاملہ عورت اگر مرجائے۔ اور اوس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو۔ تو اوس کے پیٹ کو چیرا جائے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نہ چیرا جاوے۔ پس پہلا قول بچہ کی حرمت کے حکم کی حیثیت سے متشدد ہے۔ اور دوسرا قول نہ چیرنے کی حیثیت سے مخفف ہے۔ اور میت کی حرمت کے لحاظ سے متشدد ہے

آٹھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناقص بچہ اگر چار ماہ کی مدت کے بعد پیدا ہو۔ اور کوئی علامت زندگی کی مثلاً چھینک اور حرکت اور دودھ پینا پائی جائے۔ تو اوس کو غسل بھی دیا جائے۔ اور اوسکی نماز بھی پڑھی جائے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ہر علامت زندگی میں یہی حکم ہے۔ جسکا ذکر ہوا۔ مگر حرکت کرنے کی صورت میں نہیں۔ کیونکہ یہ شرط ہے کہ حرکت ایسی ہو۔ کہ دیر تک رہے۔ اور اوس سے زندگی متیقن ہوجائے اسی طرح امام شافعی رضی اللہ عنہ کا رسالہ جدیدہ میں اقول یہ ہے۔ کہ اوس کی نماز نہ پڑھی جائے۔ مگر یہ کہ اور علامات زندگی بھی ظاہر ہوں۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کو غسل دیا جائے۔ اور اوس کی نماز بھی پڑھی جائے۔ سو غسل کے بارے میں چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ کہ دیا جاوے اور وجوہ ان اقوال کی ظاہر ہیں ✦

نواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے۔ کہ غسل دینے والے کو نیت غسل واجب نہیں حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اوس کے وجوب کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا متشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مقصود غسل دینے سے نظافت پیدا کرنا ہے۔ اور اوس کے حصول کے واسطے نیت کچھ ضرور نہیں ✦

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ غسل دینے والا طہارت حاصل کرنے میں میت کا قائم مقام ہے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مقصود ہونے کی حیثیت سے غلبہ اوس میں نظافت کو ہے۔ تو وہ لامحالہ منجملہ اعمال صالحہ کے ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ انما الاعمال بالنیات اس کے سوا نہیں۔ کہ اعتبار اعمال کا نیتوں ہی کی جہت سے ہے۔ پس کوئی نیک عمل بدون نیت معتبر نہ ہوگا ✦

دسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور اصحاب شافعی رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے۔ کہ اگر میت کے جسم سے بعد غسل کوئی شے خارج ہو۔ تو صرف اوس شے کا ازالہ واجب ہے نہ غسل۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ غسل کا لوٹانا واجب ہے۔ اگرچہ وہ شے پیشاب گاہ سے خارج ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا متشدد ✦

اور دوسرے قول کی وجہ تنظیف میں مبالغہ کرنا ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی

ہے۔ اور اوسکی وجہ یہ کہ یہ اوس میت کا دنیا میں آخری زمانہ ہے۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ ہم اوس کے ساتھ زندے کا سا معاملہ برتینگے۔ تو اوس پر صرف وضو ہی واجب ہوگا۔ غسل بھی نہیں۔

پہلے قول کی وجہ میت سے سہولت کا برتاؤ کرنا ہے۔ کیونکہ میت خود ازالہ نجاست کا مکلف نہیں۔ وجہ یہ کہ وہ سرے سے مکلف ہی نہیں ✦

گیارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک میت کی بغل کے بال اکھاڑنا اور زیر ناف کے بال مونڈنا اور مونچھ کے بال لینا مکروہ ہے۔ بلکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اسقدر تشدید کی ہے۔ کہ جو ایسا کرے۔ اوسکو سزا دیجائے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے رسالہ جدیدہ میں اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے۔ کہ غیر محرم کے واسطے اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور رسالہ قدیمہ میں اسطرح ہے۔ کہ مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ کہ آٹھ صحابی۔ اپنی مونچھیں مونڈتے تھے

پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ امور منجملہ اوس نظافت کے ہیں جسکا بندہ کو جبتک دنیا میں رہے حکم کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ اسمیں میت کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ✦

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں بدن میت کے ساتھ تصرف کرنا ہے۔ جسکی شارع نے اپنے حکم کے ذریعہ سے تصریح نہیں فرمائی۔ لہذا اوسکا ترک اوس کے فعل پر مقدم ہوا ✦

بارھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ شہید پر نماز پڑھی جائے۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ نہ پڑھی جائے۔ اسوجہ سے کہ وہ شفاعت کنندہ کا محتاج نہیں ہے ✦

پس پہلا قول شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص زیادتی اجر سے بے پروا نہیں ہے۔ اس دلیل سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی۔ اور آپ کے عہد مبارک میں نابالغ بچوں پر نماز پڑھی گئی۔ اور آپ کے بعد اب تک پڑھی جاتی ہے ✦

اور دوسرے قول کی دلیل شہید کی نماز ترک کردینے سے لوگوں کو جہاد پر آمادہ اور جری کرنا ہے (کیونکہ وہ) خیال کرتے ہیں کہ ہم کیوں نہ جہاد کریں تاکہ شہید مریں۔ اور خداتعالے ہمارے گناہ معاف اور ہم کو شفاعت کنندوں سے غنی فرماوے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی شہید پر نماز پڑھی۔ اور کبھی ترک کی۔ اور یہ دونوں فعل دو وقتوں پر محمول ہیں۔ کیونکہ جب آپ نے بعض لوگوں کو جہاد سے خائف اور بزدل دیکھا۔ تو اونکو جہاد پر جری بنانے کے لئے شہداء کی نماز کو ترک کیا۔ اور جب لوگوں کو جہاد کیطرف پیشقدمی کرتے دیکھا۔ تو اون پر نماز پڑھی۔ اسلئے کہ وہ مقصود زائل ہوگیا

جسکی وجہ سے نماز ترک کی جاتی +

تیرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جس شخصکو چوپایے نے پامال کر دیا نہ حالانکہ وہ مشرکین سے جنگ میں ہے۔ یا اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ یا خود اوسکا ہتھیار اوس کے لگ گیا۔ پھر میدان کارزار میں فوت ہوگیا۔ تو اوسکو غسل دیا جائے۔ اور اوسکی نماز پڑہی جائے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نہ اوسے غسل دیا جائے۔ اور نہ اوسکی نماز پڑہی جائے +

پس پہلا قول شہادت حاصل نہ ہونے کے لحاظ سے مشدد ہے۔ اور دوسرا اوس کے حاصل ہونے کے اعتبار سے مخفف ہے +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ عرف میں شہید وہ ہے۔ جسے کافر نے قصداً قتل کیا ہو۔ برخلاف اوس شخص کے جس کو مثلاً کسی چوپایہ نے پامال کر دیا۔ (کہ عرفاً اوسے شہید نہ کہینگے)

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ چوپایہ یا ہتھیار کا فعل قائم مقام کافر کے فعل کے ہے اس اعتبار سے کہ وہ ایک آلہ ہے جس سے مسلمان کارزار میں قتل کیا گیا ہے۔ بعد اس کے کہ وہ خدا تعالےٰ سے اوس کے راستہ میں قتل ہونے کی بیعت کر چکا ہے۔ اور اس جگہ چند اسرار ہیں جنکو اللہ والے ہی جانتے ہیں کتاب میں اونکا ذکر نہیں ہو سکتا +

چودھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر مرتبہ پانی بہانے میں برگ کنار مستحب ہیں۔ حالانکہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے۔ کہ صرف ایک مرتبہ میں ہوں۔ پس پہلا قول مشدد ہے اور دوسرا مخفف اور بیری کے پتے استعمال میں لانے کی وجہ ظاہر ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ میل کچیل دور کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور باطنی حکمت نہیں ذکر کی جاسکتی۔ بگر وو بہو +

پندرھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک زرد اور زعفران سے رنگے ہوئے اور ریشم کے کپڑے میں عورت کو کفنانا مکروہ ہے + حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ مکروہ نہیں۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ لباس مذکور کا پہننا عورت کے واسطے حالت زندگی میں اسوجہ سے مکروہ نہ تھا۔ کہ اس لباس میں زینت ہے۔ جس سے جماع کی خواہش ہوتی ہے۔ اور وہ مقصود موت سے فوت ہوگیا +

دوسرے قول کی وجہ شارع کا اسکو عورت کے واسطے مطلقاً مباح کرنا ہے۔ بدون تصریح کراہت کے۔ لہذا یہ اباحت حالت زندگی اور موت دونوں کو شامل ہوگی۔

اور رہی یہ حدیث کہ (من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرۃ) ترجمہ جس نے دنیا میں ریشم پہن لیا۔ وہ آخرت میں اوسے نہ پہنیگا) تو اوس میں تاویل کی گئی ہے +

سولھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام احمد رضی اللہ

عنہم کے نزدیک اگر عورت کا اپنا ذاتی مال ہو۔ تو کفن اوسی سے دیا جائے۔ اور اگر نہ ہو۔ تو امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ خاوند پر لازم ہے۔ اور امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ بیت المال سے بنایا جائے۔ جیسا کہ اس صورت میں کہ خاوند تنگدست ہو۔ کہ اس صورت میں بالاتفاق بیت المال سے بنایا جاوے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ زوجہ کا کفن خاوند پر کسی حال میں واجب نہیں۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ کفن عورت کے چھوڑے ہوئے مال سے بنے۔ اگر نہ ہو۔ تو اوس پر واجب ہے۔ جس پر اسکا نفقہ تھا۔ خواہ وہ عزیز رشتہ دار ہو۔ اور خواہ عورت کا مولیٰ ہو۔ یا خاوند ہو۔ اور اصحاب امام شافعی میں سے محققین کا قول یہ ہے۔ کہ ہر حال میں خاوند پر واجب ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ اور ان تمام اقوال کی وجوہ ظاہر ہیں۔ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں +

سترھواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کے نزدیک میت پر نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ حالانکہ اصحاب امام مالک رضی اللہ عنہ میں سے حضرت اصبغ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔ اور اس بارہ میں شارع کی جانب سے کوئی نص وارد نہیں۔ اور ہوسکتا ہے۔ کہ حضرت اصبغ رضی اللہ عنہ کا قول آئمہ رضی اللہ عنہم کے قول میں داخل ہو۔ کیونکہ اصطلاح سلف میں سنت اوسے کہتے ہیں جو حدیث سے ثابت ہو۔ نہ قرآن شریف سے۔ اور اوس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب۔ دوسری غیر واجب برخلاف اصطلاح متاخرین کے۔ پس گویا فرض کفایہ کا سنت نام رکھنا صحیح ہے۔ لہٰذا آئمہ اور حضرت اصبغ رضی اللہ عنہم کے مابین کچھ خلاف نہ ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جاننے والا ہے +

اٹھارواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز جنازہ اوقات ممنوعہ میں سے کسی وقت میں مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ مکروہ ہے۔ تمام اوقات منہیہ میں۔ اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ صرف طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت مکروہ ہے۔ پس پہلا اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ میت کے واسطے شفاعت کے حکم میں اور طلب مغفرت کے قائم مقام ہے۔ اس لئے اوس سے کسی وقت میں روک نہ کی جائے گی۔ باینکہ وہ ایک نماز ہے۔ جسکا سبب ایک ایسا امر ہے جو نمازی کو نماز جنازہ سے اوس فتنے کا قصد کرنے سے روکتا ہے۔ جو آفتاب پرست کرتے ہیں۔ بلکہ اوس وقت کسی مسلمان کے دل میں اوسکا خطرہ بھی نہیں گذر سکتا +

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ شارع کا ان اوقات میں مطلق نماز سے منع فرمانا ہے۔ جو نماز جنازہ کو بھی شامل ہے۔ اور یہ قول احوط ہے

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے طلوع و غروب کے وقت نماز جنازہ مکروہ کہنے کی وجہ وہی ہے

جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول میں بیان ہوئی۔ اور زوال کے وقت امام مالک رضی اللہ عنہ کے مکروہ کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ میت مرجانے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے دربار میں اوسکا مقصود ہوگیا اور اہل دربار بادشاہ کے سامنے کھڑے ہونے سے کسی وقت بھی نہیں روکے جاتے۔ نہ رات میں نہ دن میں۔ اس دلیل سے کہ جو شخص حرم مکہ میں ہو۔ اور اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھے۔ تو اوسے مکروہ نہیں۔

اور توضیح اس کی یہ ہے کہ تمام وہ اوقات جن میں حق تعالےٰ نے بندوں کو اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور اوس کی رضامندی کے اوقات ہیں۔ کیونکہ سائے اپنے سایہ دار اجسام کے قدموں کے نیچے سجدہ کرتے ہوتے ہیں۔ تو اگر فرض کیا جائے کہ کسی بندہ نے اوسوقت اللہ تعالےٰ کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ تو اوسکا سایہ سجدہ کرنے میں اوسکا قائم مقام اور نائب ہوگا۔ برخلاف وقت زوال کے کہ اوسوقت نہ کوئی جسم خدا تعالیٰ کو سجدہ کرتا نظر آتا ہے۔ اور نہ کوئی سایہ پس اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اسجگہ چند اسرار ہیں جنکو اللہ والے جانتے ہیں۔ اون کا ذکر کتاب میں نہیں ہوسکتا۔ پس خدا تعالےٰ اماموں پر رحم فرماوے کہ اون کے استنباطات کی وجوہ کسقدر باریک ہیں آمین

اُنتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک مسجد کے اندر نماز جنازہ مکروہ نہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے۔ کہ مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالےٰ کا خاص دربار ہے۔ اور میت کی نماز اوس کے واسطے شفاعت ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ کسی بندہ کے لئے شفاعت کرنا شہود بارتعالیٰ کے دربار میں بہ نسبت دربار حجاب کی قبولیت کے اقرب ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقام شفاعت مع حجاب کے خدا تعالےٰ کی طرف توجہ ہونیکے لحاظ سے زیادہ قوی اور اوس ہیبت کی طرف راہنمائی کے مرتبہ سے البعد ہے۔ جو صاحب حجاب کو اکثر پیش آتی ہے۔ برخلاف اوس کے جسکا حجاب اوٹھ گیا ہو۔ جیسے اولیاء اللہ۔ کہ وہ لبسا اوقات بندہ کے لئے کوئی گناہ بھی نہیں دیکھتے۔ تاکہ اوس کی شفاعت کریں۔ کیونکہ وہ دربار ایسا ہے کہ بندہ کے افعال کی نسبت بندہ کیطرف نہیں رہتی۔ کیونکہ اس دربار میں داخل ہونیوالا یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ بندہ کے تمام افعال کا خالق حق تعالےٰ ہی ہے۔ اسوجہ سے شفاعت کرنے والا میت کا کوئی گناہ ایسا نہیں دیکھتا جس میں وہ سزاوار شفاعت ہو۔

اور نیز اس مقام والا خود پسندی میں واقع ہونے سے سالم نہیں بچتا۔ اور یہ امر اوس کی میت کے حق میں شفاعت مقبول نہ ہونے کا سبب ہے۔ پس جس نے مسجد میں نماز پڑھی تو وہ خود دیدہ دانستہ گویا کہ درپے ہوا اوس میت کے اور اپنے لئے برائی کی۔ پس خوب سمجھ لو۔

بیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ اماموں کے نزدیک میت کے دفن کے واسطے لوگوں کو خبر کرکے بلانا اور اوسکو پکارنا مکروہ ہے۔ برخلاف اوس کی موت کے اطلاع دینے کے

لہٰذا اوس کے اندر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ موت کی صرف اطلاع دینا امر مستحب ہے۔ تاکہ اوس کی موت کی خبر مسلمانوں کی ایک جماعت کو ہو جائے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ یہ امر مکروہ نہیں تاوقتیکہ شرع کے مخالف نہ ہو۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد۔ اور دونوں قولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

اور حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے لئے پکارنا میت کے واسطے بہتری کو مستلزم ہو۔ تو اوس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اگر مستلزم خیر نہ ہو۔ تو وہ مکروہ ہے۔ یا کراہت تنزیہی۔ یا تحریمی۔ جیسا اجتہاد ہو مجتہد کا۔

اکیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قدیم قول یہ ہے کہ بہ نسبت ولی کے جنازے کی امامت کے لئے حاکم زیادہ سزاوار ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ راجح یہ ہے۔ کہ ولی بہ نسبت حاکم کے زیادہ لائق ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ولی کے لئے بہتر یہ ہے۔ کہ جب حاکم موجود نہ ہو۔ تو محلہ کے امام کو بلا دے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب امام نماز پڑھانے کا ارادہ کرے۔ اور پھر روک دیا جائے تو فتنہ کا اندیشہ ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ مقصود اعظم نماز جنازہ سے میت کے واسطے دعا اور شفاعت کرنا ہے۔ اور اسمیں شک نہیں۔ کہ اس زمانہ میں ولی اکثر میت پر بہ نسبت آجکل کے حاکموں کے زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اور اس دوسرے قول کے قائل نے پہلے کو یہ جواب دیا ہے۔ کہ حاکموں کو نماز جنازہ میں ولی چھوڑ کر اس لئے امام بناتے تھے۔ کہ وہ پہلے زمانے میں لوگوں کی جانوں پر خود اون سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ اور اب یہ وصف اون سے جاتا رہا۔ جیسا کہ آنکھوں سے نظر آتا ہے۔

اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے لوگوں کو ایسا پایا کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ امامت کا زیادہ مستحق اون کے جنازوں کی نماز میں وہ شخص ہے جس سے وہ فرائض نماز میں امام بننے پر راضی ہوں۔

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے کہ شاید جس نے یہ کہا ہے۔ کہ حاکم بہ نسبت ولی کے نماز جنازہ میں امام بننے کا زیادہ سزاوار ہے۔ اوس نے یہ خیال کیا ہے کہ حق تعالےٰ کی جب کسی بندہ کے بارے میں بڑائی بیان کی جائے۔ تو وہ اوس کی شفاعت کو محروم کر کے لوٹانے اور اوس کی دعا کسی اور کے حق میں قبول کرنے سے شرماتا ہے جیسا کہ فرعون کا واقعہ ہے۔ کہ جس وقت مصر کا دریائے نیل ٹھہر گیا۔ اور قبطیوں نے اوس کے چڑھنے کی دعا کی۔ اس قرینہ سے کہ باری تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ فرمایا۔ کہ

(فقولا قولا لینا) (ترجمہ) پس کہو (اے موسےٰ اور ہارون علیہما السلام) فرعون سے نرم بات) کیونکہ اس میں فرعون کے ساتھ ادب کرنے کا ارشاد ہے۔ اور فرعون کے حق تعالےٰ سے دعا کرنے کی وجہ سے دریائے نیل کا چڑھ جانا اگرچہ اسمیں خدا تعالےٰ کیطرف سے آزمایش اور ڈھیل تھی۔ لیکن ہاں یہ امر مانوس کرنے کا باعث ہے۔ اوسی وجہ سے جو ہم کہہ چکے۔ پس اسکو خوب سمجھ لو +

بائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک اگر کسی نے مرتے وقت وصیت کی۔ کہ میری نماز فلاں شخص پڑھا دے۔ تو وہ شخص ولی سے زیادہ استحقاق نہیں رکھیگا۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ وہ شخص ہر ولی پر مقدم کیا جائیگا۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ ولی غیر آدمی سے زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ اگرچہ غیر آدمی کیسے ہی بڑے گہرے دوستوں میں سے ہو۔ کیونکہ نسب کا تعلق زیادہ قوی ہے۔ اور شفقت و مہربانی اسی کے تابع ہیں۔ وارث ہونے کی دلیل سے۔ اور اس دلیل سے کہ کنبہ کے لوگوں پر تاوان واجب ہوتا ہے (قتل کی صورت میں)

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ دوست ولی سے زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ اور پہلے قول کی دلیل کا جواب یہ ہے۔ کہ ولی کے نماز پڑھانے کی تقدیر میں میت کے جز رشتہ دار سے شفاعت کرنا لازم آئے گا۔ اس لئے اسمیں وہ بات نہیں پائی جاسکتی جو اجنبی آدمی کی شفاعت میں ہے۔ یعنی میت کا محتاج شفاعت ہونا۔ کیونکہ انسان کی اپنے عیوب پر نظر بہت کم جاتی ہے۔ تاکہ اون بخشوانے کے لئے خدا تعالےٰ کے سامنے زاری کرے۔ برخلاف اس کے کہ جب دوسرے کے گناہوں کو دیکھے۔ کیونکہ گناہ جسقدر دیکھنے میں قبیح معلوم ہونگے اوسی قدر اون کے بارے میں شفاعت زیادہ مقبول ہوگی +

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے۔ کہ اپنی میت کی نماز پڑھانے کے لیے تم کسیکو آگے نہ کرو۔ مگر اون علماء کو جو حاذق ہوں۔ اور اون صالحین کو جو لوگوں کے کمال اور نقص کے مراتب سے واقفیت رکھتے ہوں۔ اور بچاؤ اپنے آپ کو اس سے کہ ایسے شخص کو آگے کرو۔ جو لوگوں کی صرف بھلائی ہی پر نظر ڈالتا ہو۔ کیونکہ ایسا شخص جب میت کے کسی گناہ پر نظر نہ ڈالے گا۔ تو اوس کے واسطے شفاعت کیسے کریگا +

تیئیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیٹا نماز پڑھانے میں باپ پر مقدم ہے۔ اور بھائی دادا سے۔ اور بیٹا خاوند سے زیادہ بہتر ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نماز پڑھانے میں زوج اپنی بیوی کا ولی نہیں۔ اور بیٹے کو مکروہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھاوے۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ کہ بیٹا باپ پر مقدم ہے یہ ہے کہ بیٹے کی توجہ اپنی والدہ کے مصالح حاصل کرنے میں بہ نسبت اوس کے باپ کے زائد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بیٹے نے اپنے موجود ہونے میں اپنی والدہ سے مدد لی ہے۔ اور نیز اوس کے باپ نے جسوقت اوسکی والدہ کے

رحم میں نطفہ ڈالدیا۔ تو بے توجہی کرلی۔ اور پشت پھیرلی ✦

اور اس کی وجہ کہ بھائی دادا سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ ہے کہ بھائی کا مرتبہ وہی ہے جو میت کا ہے۔ اس لئے کہ اوس سے رابطہ بلا واسطہ ہے۔ برخلاف دادا کے (کہ اوس سے بواسطہ ربط ہے) اور ظاہر ہے کہ بُعد کی وجہ سے شفقت بھی ضعیف ہوتی ہے ✦

اور اس کی وجہ کہ بیٹا خاوند کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے ظاہر ہے۔ کیونکہ خاوند صرف اپنی بیوی کے مرتے ہی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو گویا دل سے اوس سے روگردانی کرنے لگتا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں غم کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا اوس کا بیوی کے واسطے شفاعت کرنا نامکمل ہوگا۔ برخلاف بیٹے کے۔ اور اسی سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ نماز پڑھانے میں خاوند کی اپنی بیوی پر ولایت نہیں ✦

چوبیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ چاروں اماموں کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے طہارت شرط ہے۔ حالانکہ امام شعبی اور امام محمد بن جریر طبری رحمہما اللہ تعالے کا قول یہ ہے۔ کہ وہ بدوں طہارت بھی جائز ہے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف ✦

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ ہر حالت میں نماز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ (لا یقبل اللہ صلوٰۃ احد کم اذا احدث حتی یتوضاء) (ترجمہ) نہیں قبول فرماتا۔ خدا تعالے تم میں سے کسی کی نماز کو جب وہ بے وضو ہو جاوے۔ یہانتک کہ وہ وضو کرے) اور دوسری حدیث میں ہے۔ کہ (لا یقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طہور) (ترجمہ) نہیں قبول فرماتا خدا تعالے کسی نماز بغیر طہارت کے) پس یہ قول نماز جنازہ کو بھی شامل ہے۔ اور ہر اوس کو جو نماز جنازہ کے حکم میں ہو جیسے تلاوت کا سجدہ۔ یا شکر کا سجدہ ✦

اور امام شعبی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالے کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ میت کے واسطے شفاعت ہے۔ اور شفاعت کرنے میں طہارت شرط نہیں۔ البتہ صرف مستحب ہے۔ جیسا کہ دعا اور غیر جنبی کو تلاوت قرآن کرنے میں علماء نے بیان کیا ہے۔ (کہ طہارت مستحب ہے) اور ہو سکتا ہے۔ کہ جس نے ہر حال میں طہارت کو شرط کہا ہے۔ اوسکا یہ قول اون چھوٹے درجہ کے لوگوں پر محمول ہو۔ جن کے بدن معاصی کی وجہ سے ضعیف اور قلوب اللہ تعالے سے محجوب ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اون کے واسطے طہارت کو شرط کر دینا اسوجہ سے ہوگا۔ کہ تاکہ طہارت اون کے قلوب اور ابدان کو صاف کردے۔ کہ حق تعالے کے دربار میں حاضر ہو کر دوسروں کی شفاعت کر سکیں ✦

برخلاف بڑے درجہ کے لوگ مثلاً علماء باعمل اور وہ صالحین جن کے ابدان اور قلوب چھوٹے درجہ کے لوگوں سے بہت زیادہ زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ پانی کا استعمال

کرلیں - کیونکہ ایسے لوگ اوس طہارت کے محتاج نہیں ہیں - جو اون کے ابدان کو صاف اور قلوب کو زینت کردے - تاکہ دوسروں کے واسطے شفاعت کرسکیں - اور ہوسکتا ہے - کہ اکابر کے حال کی وہ علت بیان کی جائے - جو چھوٹے درجہ کے لوگوں کی بیان کی گئی - پس چھوٹے درجہ کے لوگوں پر نرمی کی جائے - کہ اون کے واسطے خدا تعالے سے مناجات کرنے میں طہارت شرط نہ ہو - برخلاف بڑے درجہ کے لوگوں کے +

(اگر تم کہو) کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اختلاف صرف نماز جنازہ کے واسطے طہارت مشروط ہونے میں کیوں ہوا - اوس کے سوا نوافل وغیرہ میں کیوں نہ ہوا +

(تو جواب یہ ہے) کہ وجہ اختلاف نماز جنازہ میں رکوع اور سجدہ کا نہ ہونا ہے - کیونکہ یہی دونوں حق تعالے کے دربار سے قرب عادی کے مواقع ہیں - پس گویا کہ نماز جنازہ پڑہنے والا حق تعالے کے دربار سے دور ہی دور رہ کر میت کے واسطے شفاعت کر رہا ہے اور طہارت صرف خدا تعالے کے دربار قرب کی تعظیم کے واسطے مشروع ہے - پس سمجھ لو +

پچیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی اور امام ابی یوسف اور محمد بن حسن رضی اللہ عنہم کے نزدیک سنت یہ ہے - کہ امام مرد کے سر کے قریب کھڑا ہو - اور عورت کے سرین کے قریب -

حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ امام مرد کے سینہ کے قریب کھڑا ہو - اور عورت کے سرین کے +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ سر مرد کے تمام اعضا میں شریف ہے - جیسا کہ دوسری قوم کے نزدیک اوس کے تمام اعضا میں وہ دل اشرف ہے - جو سینہ میں ہے - بانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بھی اسی طرح وارد ہے +

اور میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا ہے - کہ جس نے عورت ظاہری جسم کے ستر کی نیت سے اوس کے سرین کے نزدیک کھڑے ہونے کی تخصیص کی ہے - تو اوس نے اوس کی باطنی برائی کے عیاں ہونے کا دروازہ کھولا ہے - کیونکہ جب نمازی اوس کے سرین کے نزدیک کھڑے ہوکر اوس کے سرین کے حجم کی صورت کو یاد کریگا - تو گویا اوس نے اوس کے سرین کو دل سے دیکھ لیا - (انتہی)

چھبیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ چاروں اماموں کے نزدیک نماز جنازہ کے اندر چار تکبیریں ہیں - حالانکہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ تین ہیں اسی طرح حضرت حذیفہ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے - کہ پانچ ہیں - اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے - کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر نو تکبیریں بھی پڑھی ہیں - اور سات بھی - اور پانچ بھی - اور چار بھی - پس تم اوسی قدر پڑہو جتنی تمہارا امام پڑہے - تو اگر اوس نے چار سے زیادہ کہیں - تو اوس کی نماز باطل نہ ہوگی (انتہی) +

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ اور امام چار سے زیادہ تکبیریں پڑھے۔ تو زائد میں اوسکی متابعت نہ کرنی چاہیے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ سات عدد تک اطاعت کرے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا اخف۔ اور تیسرے میں تشدید ہے۔ اور چوتھے میں ایک اعتبار سے تشدید ہے۔ اور ایک سے تخفیف +

اور پہلے قول کی وجہ پیروی کرنا ہے۔ اور ہر تکبیر کو بمنزلہ ایک رکعت کی چار رکعت والی نماز سے ٹھیرانا دوسرے قول کی وجہ ہر تکبیر کو تین رکعت والی نماز سے ایک رکعت کی بجائے سمجھنا۔ اور جس نے کہا ہے کہ پانچ ہیں۔ یا سات اوسکی وجہ نماز عید کی تکبیرات پر قیاس کرنا ہے +

اور جس نے کہا ہے کہ نو عدد ہیں۔ اوسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہی عدد افلاک علویہ کا ہے۔ تو گویا نمازی کہتا ہے کہ اللہ تعالے تمام اون امور سے بڑا ہے جن کے ساتھ تمام افلاک والے اوس کی بڑائی بیان کرتے ہیں +

اس کے اندر حکمت یہ ہے۔ کہ صفت موت حق تعالے کی صفات کے سخت منافی ہے۔ تو گویا تکبیرات کی زیادتی اسوجہ سے ہے۔ کہ میت کی صفتِ موت صفات حق تعالے سے زیادہ بعید ہے۔ پس سمجھ لو +

ستائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک تکبیروں میں پہلی تکبیر کے سوا کسی تکبیر میں اپنے مونڈھوں کے برابر ہاتھ نہ اٹھاوے۔

حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ تمام تکبیروں میں اٹھاوے پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور اون بڑے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو خدا تعالے کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ اور وہ صرف پہلی ہی تکبیر سے اوس کے دربار میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر اوس سے قبل از فراغت خارج نہیں ہوتے +

اور دوسرا قول مشدد ہے۔ اور اون چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو خدائے تعالے کی عظمت کو اوس قدر نہیں پہچانتے ہیں۔ اور اون میں سے کوئی صرف پہلی ہی تکبیر سے اوس کے دربار میں داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اوس کی روح داخل ہوتی ہے۔ پھر نکل جاتی ہے۔ پھر داخل ہوتی ہے۔ پھر نکل جاتی ہے۔ لہٰذا اوس کو ہر مرتبہ داخل ہونے کے وقت ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔ کیونکہ وہ حق تعالے کے عالی دربار میں نیا آتا ہے۔ پس سمجھ لو +

اٹھائیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قرآن سے کچھ نہ پڑھا جاوے۔ پس پہلا قول مشدد ہے۔ اور دوسرا مخفف +

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن لفظ قر سے نکلا ہے۔ جس کے معنے جمع ہونے کے

ہیں - لہذا اوسے پڑہنا چاہئے - اس نیک فالی کی نیت سے کہ میت کی روح اپنے پروردگار کے خاص دربار میں جمع ہوگئی - کہ اوسپر خداتعالےٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے اکرام اور بخشش ہوگی اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے - کہ جب میت کی روح نکل گئی - تو وہ اپنے پروردگار سے ملاقی ہوگئی - پس اوس کی روح کو پروردگار کے دربار میں جمع ہونا حاصل ہوگیا - اس لئے وہ قرآن شریف پڑھنے کا محتاج نہیں - جمعیت کے حاصل کرنے کی غرض سے ٭

برخلاف دعا میت کے کہ اوس سے تو کوئی بھی بے پرواہ نہیں - خواہ زندہ ہو یا مردہ یہی سمجھ لو ٭

انتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ تینوں اماموں کے نزدیک نماز جنازہ میں دو سلام پھیرنے چاہئیں -

حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے - اور یہی امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشہور ہے - کہ صرف ایک ہی دائیں جانب پھیرے - پس پہلا قول مشدد ہے - اور دوسرا مخفف ٭

پہلے قول کی وجہ نیک فالی لینا ہے - کہ میت کو دو اعتبار سے امن حاصل ہے - اور دوسرے قول کی وجہ صرف دائیں جانب سے امن حاصل ہونے کے ساتھ نیک فالی لینا ہے - اور اس میں اس طرف اشارہ ہے - کہ ہمیں صرف اوس کے ظاہر کی معرفت حاصل ہے - نہ اوس کے پوشیدہ کی - تو گویا جانب الیسر (بائیں) اوس کے پوشیدہ کی صورت ہے - تو ہم نے اوس کی بائیں جانب کے امن کے عطیہ کو ترک کردیا کیونکہ ہم اوس سے ناواقف ہیں - اور یہ قول اہل ادب کے ساتھ مخصوص ہے - کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اون پر کچھ روک ٹوک نہیں ہے - برخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے - پس ہر امام کی ایک دلیل ہے - سمجھ لو ٭

تیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس کی امام کے ساتھ سے کچھ نماز رہ جائے - تو وہ نماز کو شروع کردے - اور اوس کی تکبیر کا انتظار نہ کرے -

حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے - تاکہ اوس کے ساتھ ملکر تکبیر کہے - اور یہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد - یا اوس میں کچھ تشدید ہے ٭

اور پہلے قول کی وجہ میت کی مصلحت کی طرف قرءت یا دعا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑہنے کے ذریعہ سبقت کرنا ہے - اسلئے کہ وہی امام واسطہ ہے ہمارے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان اس میت کے واسطے ہماری شفاعت قبول کرنے

ہیں - اور امام شافعی رضی اللہ عنہ - کے قول کی وجہ بھی قیاس کرتا ہے مقتدی کے نماز جماعت میں اپنے امام کی موافقت کے ساتھ مامور ہونے پر - کہ جس جز کو امام کے ساتھ پاوے اُس میں امام کی موافقت کرے

جو شخص کہتا ہے - کہ امام کی تکبیر کا انتظار کرنا چاہئے - اُس کی وجہ نماز جنازہ کا شفاعت ہونا ہے - اور درحقیقت امام شفاعت کرنے والا ہے - اور مقتدی اُس کی دعاء پر یقین کرنے والے ہیں - اس لئے اوس کی تکبیر کا انتظار کرنا ادب کی بات ہے - کیونکہ ہر مقتدی اپنے امام کے دائرے میں ایسا مقید ہے - کہ حق تعالے کے احکام میں سے انہیں کو جانتا ہے - جو امام کے ذریعہ سے اُس کو پہنچے ہیں - جیسا کہ صاحب کشف اس کو خوب جانتے ہیں *

اکتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس شخص کو جنازہ کی نماز نہ ملے - وہ میت کی قبر پر ایک مہینہ تک پڑھ سکتا ہے - اور یہی مذہب شافعیہ کی ایک جماعت کا ہے

حالانکہ بعض شوافع کا یہ قول ہے - کہ جب تک مردہ بوسیدہ نہ ہو - اُس وقت تک نماز پڑھی جائے - اور کہا گیا ہے - کہ ہمیشہ پڑھی جاسکتی ہے * پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد و اور مخفف

اور اس بارے میں ہمارے لئے کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی - تو بس ایسا ہوا جیسے اپنے بھائیوں وفات پائے ہوؤں کے لئے دعاء کرنا - کہ دعاء کرتے رہینگے ہم اون کے لئے جب تک ہم دنیا میں ہیں -

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب میں صحیح تر قبر پر نماز پڑھنے کی صحت کو اُس شخص کے ساتھ خاص کرنا ہے - جو موت کے وقت اُس نماز کی فرضیت کا عہد تھا اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما نے قبر پر نماز کے صحیح ہونے کی یہ شرط ٹھیرائی ہے - کہ میت نماز پڑھے جانے سے پہلے دفن کردی گئی ہو - اور ان تمام اقوال میں سے ہر قول کی ایک ایک وجہ ہے *

بتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک غائب پر نماز پڑھنا صحیح ہے -

حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ صحیح نہیں - پس پہلا قول مخفف ہے - اور دوسرا مشدد *

اور پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجاشی پر نماز پڑھنے میں پیروی کرنا ہے -

اور دوسرا قائل کہتا ہے - کہ یہ نجاشی کی خصوصیت تھی - لہٰذا اُس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا علاوہ اس کے یہ ہے - کہ وہاں پر کوئی غائب نہیں تھا - اہل کشف کے نزدیک بلا کلام

وہ چیزیں جو وجود میں ہیں - حاضر ہی ہیں - پس آنکھ سے دیکھ لینا بڑے لوگوں کا کام ہے - اور چھوٹے درجے کے لوگ دل سے دیکھ سکتے ہیں

اور بڑے لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے - (کہ کھول دی گئی واسطے میرے زمین پس دیکھ لیا میں نے اس کے مشرقوں کو - اور اوس کے مغربوں کو)

اور ہر وہ مقام کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو - جائز ہے - کہ انکی امت کے خاص لوگوں کو بھی نصیب ہو جائے - جب تک کہ اس کے خلاف پہ کوئی نص صریح وارد نہ ہو - اور اس مقام پر چند اسرار ہیں - کہ جنکا ذائقہ اللہ والے ہی چکھ سکتے ہیں - کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہو سکتا *

تینتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ چاروں اماموں کے نزدیک رات میں دفن کرنا مکروہ نہیں

حالانکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالے عنہ کا قول یہ ہے - کہ مکروہ ہے - پس پہلا قول مخفف ہے - اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے - اور دوسرا قول بڑے درجہ کے لوگ ادب والوں کے ساتھ خاص ہے - کیونکہ رات بجائے ڈالدینے بادشاہ کے اپنے اور لوگوں کے درمیان پردے کے ہے - اور میت کو دفن کرنا ایسا ہے جیساکہ اوس کو بادشاہ کے دربار راز میں داخل کر دینا - برخلاف دن کے - کیونکہ وہ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے - اگرچہ حق تعالے کے لئے پردہ ثابت نہیں - لیکن بہت سے مقامات میں شرع عرف کے تابع ہے - جیساکہ ننگے ہونے کی حالت میں - باوجود جسم کے ڈھانکنے کی شے موجود ہونے کے نماز کی صحت کو منع کرنا - اگرچہ حق تعالے کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں ہو سکتی - پس اس کو بخوبی سمجھ لو *

اور اسی وجہ سے بعض سلف نے رات میں خانہ کعبہ کے طواف کو مکروہ کہا ہے اگرچہ حدیث شریف میں وارد ہے - کہ (مت منع کرو کسی کو جس وقت چاہیں - طواف کریں - اور جس وقت چاہیں نماز پڑھیں - رات ہو - یا دن) پس جاننے والا نہ جاننے والے کی مثل نہیں ہو سکتا - خوب سمجھ لو *

چونتیسواں مسئلہ یہ ہے - کہ امام شافعی اور احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جب میت کا کوئی عضو ملے - تو اس کو غسل دیا جائے - اور اوس پر نماز پڑھی جائے *

حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے - کہ اس پر نماز نہ پڑھی جاوے مگر اوس صورت میں کہ میت کا اکثر حصہ ملے - پس پہلا قول مخفف - اور دوسرا مشدد ہے *

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے - کہ نماز درحقیقت روح پر پڑھی جاتی ہے - اور

روح کا تعلق جس طرح اُس عضو کے ساتھ ہے۔ جو ہم کو ملا۔ اسی طرح تمام جسم کے ساتھ ہے ان دونوں تعلقوں میں کچھ فرق نہیں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس بارے میں اکثر کا اعتبار ہے۔ کیونکہ اکثر ہی پر انسان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم کو کوئی انسان ہاتھوں کا کٹا ہوا ملا۔ یا ایسا ملا۔ کہ تمام جسم اوس کا موجود ہے۔ سوائے سر بدن کے۔

اور حاصل کلام کا یہ ہے۔ کہ جب نماز روح ہی پر ہوتی ہے۔ تو نماز بدن کے تمام متفرق اجزا کے ساتھ لاحق ہو جائے گی۔ اگرچہ ایک ہزار جگہ میں ہوں۔ اور تمام اجزا کو مغفرت اور رحمت اور نرمی کا برتاؤ۔ اور برائیوں کا کفارہ ہونا۔ یا بلندی مراتب حاصل ہوگی +

پینتیسواں مسئلہ (۳۵) یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک امام خودکشی کرنے والے پر نماز پڑھ سکتا ہے۔

حالانکہ امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک جس نے اپنے آپ کو قتل کیا۔ یا جو حد میں قتل کیا گیا۔ تو اس پر امام نماز پڑھے +

اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نہ نماز پڑھے امام خیانت کرنے والے پر۔ اور نہ خودکشی کرنے والے پر۔

اسی طرح امام زہری رضی اللہ عنہ کے نزدیک نہ نماز پڑھی جائے اس شخص پر جو سنگسار کیا گیا ہو۔ یا قصاص میں قتل کیا گیا +

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خودکشی کرنے والے پر نماز کو مکروہ کہا ہے۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ اوس پر نماز نہ پڑھی جاوے

اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ حرامی پر نماز نہ پڑھی جاوے

اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نفاس والی عورت پر نماز نہ پڑھی جاوے

پس پہلا قول اشخاص مذکورین پر نماز کے جائز ہونے میں مخفف ہے۔ اور اوس کے بعد کا قول مشدد ہے +

اور پہلے قول کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول پر عمل کرنا ہے کہ صلّوا علی من قال لا الٰہ الا اللہ۔ (ترجمہ) نماز پڑھو۔ اُس شخص پر جس نے کہا ہو۔ لا الٰہ الا اللہ۔

یعنے اگرچہ اُس نے خودکشی کی ہو۔ یا زنا۔ یا قصاص کے بارے میں قتل کیا گیا ہو۔ یا مال غنیمت میں خیانت کرنے والا ہو۔ یا نفاس والی عورت ہو۔ یا حرامی ہو +

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ نماز پاک کرتا ہے۔ اور وہ نماز اوس شخص کو پاک نہیں کر سکتی جس پر کسی آدمی کا حق ہو۔ بلکہ حقوق اسپر قیامت تک باقی رہینگے +

اور نفاس والی عورت پر نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ شہید ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے +

چھتیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے اور یہی مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اقوال میں سے صحیح تر قول ہے۔ کہ جنبی شخص جب شہید کر دیا جائے۔ تو نہ اوس کو غسل دیا جاوے اور نہ اوس پر نماز پڑھی جاوے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اُسے غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جاوے۔

اسی طرح امام محمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ اوس کو غسل دیا جاوے۔ اور نماز نہ پڑھی جاوے۔

پس پہلا قول غسل اور نماز کے ترک ہونے کی وجہ سے مخفف ہے۔ اور دوسرا قول غسل اور نماز ہونے کی وجہ سے مشدد ہے۔ اور تیسرے قول میں تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنا ہے۔ اور اس بات کو ظاہر کرنا ہے۔ کہ شہادت شہید کو ظاہراً اور باطناً پاک کر دیتی ہے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے اوپر اپنے پروردگار کی طرف سے فضل کی زیادتی سے اسطرح کہ اُس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے۔ بے پروا نہیں ہے۔ اسی طرح اپنے بدن کو بذریعہ پانی سے پاک کرنے سے غنی نہیں ہے۔ بلکہ دُعا اُس کے درجات کو اور پانی صفائی کو بڑھانے والا ہے

اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ جنازہ اور نوع ہے۔ برخلاف اچانک موت آجانے کے۔ پس غسل کی حاجت ہے۔ اگرچہ شہید زندہ ہے۔ اپنے پروردگار کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے۔ پس غسل اُس کی روشنی اور زندگی کو بڑھاوے گا۔ خوب سمجھ لو۔

سینتیسواں [۳۷] مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے قول راجح یہ ہے۔ کہ وہ شخص جو اہل عدل میں سے ہو۔ اور وہ باغیوں کی لڑائی میں قتل ہو جائے۔ تو وہ شہید نہیں ہے۔ پس اُسے غسل د جائے۔ اور اُس پر نماز پڑھی جائے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ نہ غسل دیا جائے۔ اور نہ اوس پر نماز پڑھی جاوے۔

اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے دونوں روایتیں ہیں۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے۔ اور تیسرے میں کچھ تخفیف ہے

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ باغی لوگ ہر حال میں مسلمان ہیں۔ اور شہادت نہیں حاصل ہوتی۔ مگر اُسے جس کو وہ کفار قتل کریں جو حقیقت میں دین کے دشمن ہیں

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ لڑائی ہر حال میں دین خدائی کی مدد کی غرض سے ہے۔ اگرچہ درجہ میں بہ نسبت اہل دین کی مدد کے گھٹی ہوئی ہے

اس دلیل سے کہ ہر مقتول نے اپنی جان کو اللہ تعالےٰ کے دین کی مدد کے لئے فروخت کیا ہے ۔

اٹھتیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو باغی لڑائی کے وقت مقتول ہو جاوے ۔ تو اسے غسل دیا جاوے ۔ اور اوس پر نماز پڑھی جاوے ۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول نفی کا ہے ۔ پس پہلا قول نماز اور غسل ہونے کے اعتبار سے مشدد ہے ۔ اور دوسرا قول نماز اور غسل نہ ہونے کی وجہ سے مخفف ہے ۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ وہ شخص ہر حال میں مسلمان ہے ۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے ۔ جیسا کہ دین خدائی سے لڑائی کرنے والا ۔ پس اوس پر نماز نہ پڑھی جائیگی ۔ بلکہ اوس کو نماز اور غسل کچھ نفع نہ دے گا ۔ مگر اوس وقت کہ جب توبہ کر لے ۔

انتالیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو شخص بغیر لڑائی ظلماً قتل کیا جائے ۔ تو اوس کو غسل دیا جاوے ۔ اور اوس پر نماز پڑھی جاوے حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے ۔ کہ اگر وہ لوہے سے قتل کیا گیا ہے تو نہ غسل دیا جائے ۔ اور اگر کسی بھاری چیز سے قتل کیا گیا ہے ۔ تو اوس کو غسل دیا جاوے اور اوس پر نماز پڑھی جائے ۔ پس پہلا قول مشدد ہے ۔ اور دوسرے قول میں تخفیف ہے ۔

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے ۔ کہ وہ شخص دنیا کے احکام میں شہید نہیں ہے ۔ اگرچہ اوس کو آخرت میں شہادت کا ثواب مل جائے ۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی دو شقوں میں سے اس کی وجہ کہ جو دھاردار لوہے سے قتل کیا گیا ہو ۔ اوسے غسل نہ دیا جائے ۔ یہ ہے ۔ کہ لوہا خون نکال دیتا ہے جس کے ساتھ وہ خباثت بھی دور ہو جاتی ہے ۔ جو اوس کی روح میں ہوتی ہے ۔ وجہ یہ کہ جسم کی مجاور رہے ۔ برخلاف اوس شخص کے جو وزنی آلہ سے قتل کیا جائے ۔ کیونکہ خباثت خون میں باقی رہ گئی ۔ کہ نہیں نکلی ۔ اس لئے ضرور ہے ۔ کہ اوسے غسل دیا جائے ۔ اور اوس پر نماز پڑھی جائے ۔

چالیسواں مسئلہ یہ ہے ۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا زیادہ بہتر ہے

حالانکہ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے ۔ کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے ۔ اور پیدل چلنے والا جہاں چاہے ۔

اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے جنازے کو دو عمودوں کے درمیان اٹھانے کو مکروہ کہا ہے ۔

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ۔ کہ یہ چار عمودوں کے درمیان اٹھانے سے

زیادہ بہتر ہے۔ اور دلیل ہر ایک کی وہ ہے جو ہر ایک کو شارع اور آپ کے اصحاب سے پہنچا

اکتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک جو شخص دریا میں مر جائے اور اوس کے نزدیک کوئی کنارہ نہ ہو۔ تو اُسے دو تختوں کے درمیان کرکے دریا میں ڈالدیا جائے بشرطیکہ کنارے پر مسلمانوں کی آبادی ہو۔ اگر وہاں کفار رہتے ہوں۔ تو اوسے بوجھل کرکے دریا میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ ایک جگہ ٹھہر جائے

حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ ہر حال میں جب اوس کا دفن کرنا دشوار ہو۔ تو اوس کو بوجھل کرکے دریا میں پھینک دیا جائے۔ پس پہلا قول تفصیل کی وجہ سے مشدد۔ اور دوسرا مخفف ہے ✣

اور پہلے قول کی وجہ احتیاط ہے۔ مسلمان کی عزت کے لحاظ سے۔ پس شاید کوئی مسلمان کنارے پر اوس کو پاکر زمین میں دفن کردے۔ کیونکہ یہی دفن حقیقی ہے جس سے ذمہ بری ہوتا ہے اور ہو جائیں وہ مسلمان جنہوں نے اس میت کو پایا اون لوگوں کے قائم مقام جو اوس کی موت کے وقت حاضر تھے دفن کرنے ہیں۔ برخلاف اوس صورت کے کہ کنارے پر کفار رہتے ہیں۔ کیونکہ اوس صورت میں بوجھل کرکے دریا کی تہ میں اسلئے پہنچا دیا جائے۔ تاکہ کفار اوس کی عزت اور حرمت کو خراب نہ کریں۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ مقصود اعظم دفن کرنے سے میت کے حق کو پورا کرنا۔ اور بعد موت اوس کے جسم کی عزت کرنا ہے۔ اس طرح کہ اوس کو آنکھوں سے چھپا دیا جائے۔ اور لوگ اوس کی بو سے تکلیف نہ پاویں۔ اور جب اوس کی سٹری ہوئی بو سونگھیں تو اوس کو گالی نہ دے بیٹھیں ✣

بیالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک میت کا سر قبر کی پائینتی کی جانب رکھا جائے۔ پھر میت کو قبر کی طرف کھسکا لیا جائے۔

حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھا جائے پھر قبر میں عرض کی جانب سے اُتار دیا جائے

پس پہلا قول اس شخص پر مخفف ہے جو میت کو قبر میں اُتارے۔ اور آسان ہے میت پر خود اوس کے اُترنے میں

اور دوسرا قول اُترنے میں مشدد ہے۔ کیونکہ جو جنازہ عرض کی جانب سے لیا جاتا ہے۔ اوس میں بہ نسبت قبر کی پائینتی کی جانب سے پہنچنے کے عمل زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اور دلیل دونوں قولوں کی وہ دلائل ہیں جو ہر ایک کو پہنچے ✣

تینتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک قبر کو اونٹ کے کوہان کی مثل بنانا زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ ہموار کرنا روافض کی عادت ہو گئی ہے۔ حالانکہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قولوں میں سے راجح قول یہ ہے کہ ہموار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ پس پہلا قول کوہان کی طرح بنانے کی وجہ سے مشدد ہے۔ اِسلئے

کہ وہ ایک عمل ہے جو ہموار کرنے پر زائد ہے۔ اور دوسرا قول مخفف ہے +

اور پہلے قول کی وجہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک درجات بلند ہونے کے ساتھ نیک فالی لینا ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ میت کے ساتھ کوئی کارروائی کرنے سے اللہ تعالیٰ پر کچھ حکم نہیں لگا سکتے۔ پس ہموار کرنا چاہیئے۔ قبر کو برابر جگہ پر کھڑے ہونے کے واسطے کہ کسی بات کو ترجیح نہ ہو۔ تاکہ حق تعالےٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ کہ وہ اوس کے ساتھ جو چاہے کرے خواہ وہ درجہ بلند کرے۔ یا پکڑ کرے +

چوالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک قبرستان میں قبروں کے درمیان معہ جوتے کے چلنا مکروہ نہیں ہے۔ حالانکہ امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول اوس کی کراہت کا ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا مشدد +

اور پہلے قول کی وجہ اس سے ممانعت کی کسی صریح نص کا وارد نہ ہونا ہے۔ اور کراہت کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول ہے۔ جو اوس شخص کو فرمایا۔ جسے آپ نے قبروں کے درمیان معہ جوتے کے چلتا ہوا دیکھا۔ کہ (اخلع نعلیک) (ترجمہ) یعنی اتار اپنے جوتوں کو) کیونکہ احتمال ہے۔ کہ آپ کا جوتوں کے اتار نے کا حکم فرمانا مُردوں کی عزت کے خیال سے ہو۔ اس وجہ سے کہ میت جب لوگ اوس کی قبر پر معہ جوتے کے چلتے ہیں۔ یہ سمجھتا ہے۔ کہ لوگ مجھ کو حقیر جانتے ہیں۔ اگرچہ اس سے اُس کے جسم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور جس نے مکروہ نہیں کہا۔ اوس کی وجہ زندہ آدمی کے حق کی رعایت کرنا۔ اور اوس کے حق کو میت کے حق پر مقدم کرنا ہے۔ اس وجہ سے کہ بسا اوقات زمین کے گرم ہونے سے زندہ آدمی کے پاؤں کو تکلیف پہونچتی ہے۔ اور احتمال ہے۔ کہ جوتوں کے نکالنے کا حکم اسوجہ سے ہو کہ جوتے خود پسندوں کا لباس ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف کی روش اسی کو مقتضی ہے۔ کہ دونوں جوتے ایسے نہ تھے۔ کہ جن پر بال ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے۔

پینتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ماتم پرسی دفن کرنے سے پہلے سنت ہے۔ نہ بعد میں۔ اور یہی قول امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حالانکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول یہ ہے۔ کہ پہلے دفن کرنے کے اور بعد اوس کے تین دن تک ماتم پرسی مسنون ہے۔ پس پہلا قول مخفف ہے۔ اور دوسرا اس وجہ سے کہ ماتم پرسی بعد دفن کے ہو سکتی ہے۔ مشدد ہے۔ اور تین دن کی تعداد ہونے کی وجہ سے مخفف ہے +

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ سخت غم دفن کرنے سے پہلے ہی ہوتا ہے۔ پس ماتم پرسی اور اوس کے غم ہلکے ہو جانے کی دعاء کی جائے۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد غم اکثر تین دن تک رہتا ہے۔ اور بھی آدمی ضروری کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماتم پرسی کی فرصت نہیں پاتا ہے۔ مگر تین دن کے بعد۔ پس اگر ماتم پرسی کا وقت دفن کرنے کے بعد دراز نہ کیا جاتا۔ تو کبھی ماتم پرسی کرنے والے

اور اُس شخص کے درمیان جس کی ماتم پُرسی کی جائے۔ دشمنی ہو جاتی جب کہ وہ دفن کرنے کے بعد ماتم پُرسی کا تدارک نہ کرتا۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو اون بڑے لوگوں کے حال پر محمول کیا جائے۔ جو مال اور اولاد کے فوت ہونے پر پورے طور سے غمگین نہیں ہوتے۔ اور باقی اماموں کا کلام اکثر لوگوں کے حال پر جو میت پر غم کرتے ہیں محمول کیا جائے

چھیالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک ماتم پُرسی کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے ✦

اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ ماتم پُرسی کرنے والے لوگوں پر تکلیف کر کے سوگ والے کی طرف چلنا بار گذرے گا۔ جب وہ سنیں گے۔ کہ وہ ماتم پُرسی کے لئے بیٹھا ہے ✦

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ بیٹھنے کی صورت میں اہل موت پر تخفیف ہے۔ برخلاف اوس صورت کے۔ کہ جب نہ بیٹھے۔ کہ بسا اوقات لوگ تعزیت کے واسطے آئیں گے۔ اور اوس شخص کو نہ پانے کی وجہ سے دوسری دفعہ آنے کی تکلیف کرنی پڑے گی۔ بالخصوص اوس شخص کے حق میں جو ہمیشہ کاروبار میں مصروف رہتا ہے ✦

سینتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک قبر نہ پختہ بنائی جائے۔ اور نہ اوس پر مکان بنایا جائے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کے جواز کا ہے۔ پس پہلا قول مشدد اور دوسرا مخفف ہے ✦

پہلے قول کی وجہ میت کو قبر کے اندر حق تعالےٰ کے سامنے اس طرح ڈال دینا ہے کہ کوئی شے اوس کے اوپر کی جانب میں ایسی نہ ہو جو آفات سے روکنے والی ہو۔ اور یہ قول چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے ✦

اور دوسرے قول کی وجہ احتیاط کو لینا ہے۔ اور اشیاء کو اون کے مسببات پر موقوف کر دینے کے ساتھ نیک فالی لینا۔ اسطرح کہ (اعقل وتوکل) (ترجمہ) سمجھ اور بھروسہ کر) پس یہ بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے ✦

اور کاملین کا بیان ہے۔ کہ ڈھے ہوئے مکانوں میں رہنا بہ نسبت نئے مکانوں کی زیادہ بہتر ہے۔ اس جہت سے کہ ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہنے والا اکثر محض خدا تعالےٰ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ برخلاف اوس کے جو نئے اور عمدہ مکان میں رہتا ہے۔ کیونکہ اکثر اوسکو اپنے مکان کی مضبوطی پر اعتماد ہو جاتا ہے۔ نہ خدا تعالےٰ پر۔ خوب سمجھ لو ✦

اڑتالیسواں مسئلہ یہ ہے۔ کہ تینوں اماموں کے نزدیک قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ پس پہلا قول مخفف اور دوسرا مشدد ہے ✦

پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا میت پر رحمت نازل ہونے کا سبب ہے ✦

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں قرآن شریف کا ہلکا پن لازم آتا ہے۔ اس کی
نظیر وہ ہے۔ کہ قبرستان میں نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے۔ اور یہ اختلاف کہ میت کو
قرآن شریف پڑھنے کا ثواب پہونچتا ہے یا نہیں مشہور ہے۔ اور ہر قول کی ایک ایک وجہ ہے
اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے۔ کہ انسان کو جائز ہے۔ کہ وہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو دیدے
اور یہی قول امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ہے ۔
رہی اس کی حکمت کہ دفن کے بعد میت کے لئے ثابت قدم رکھنے کی دعاء کیوں کیجاتی ہے
سو وہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ میں اوس کے واسطے دعاء کرنے کا ثمرہ یہی ہے۔ کیونکہ شفاعت
کرنے والوں کا حکم لشکر کا سا ہے۔ جبکہ بادشاہ کے دروازے پر اس غرض سے کھڑا
ہو۔ کہ گناہگار کی سفارش کرے۔ اور دفن کے بعد قبر پر کھڑا ہونا مقصود اعظم ہے۔
بالخصوص منکر نکیر کے سوال کے وقت۔ اور اوس وقت کہ اون دونوں فرشتوں
کے دیکھتے ہی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ پس نہیں کہا جاسکتا۔ کہ صرف اوس پر نماز
پڑھ لینا کافی ہے۔ اور بعد دفن کے اوس کے واسطے دعاء کرنے کی
حاجت نہیں۔ پس خوب سمجھ لو۔ اور اللہ تعالےٰ ٹھیک ٹھیک
جاننے والا ہے۔ اور اوسی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی ٹھکانا ہے فقط

تمت

قد تم الجزء الاول من ترجمۃ المیزان الکبریٰ للعالم
الربانی والغوث الصمدانی العلامۃ الشیخ عبد الوھاب
ابن احمد الشعرانی۔ الحمد للہ والمنۃ۔ حق تعالےٰ شانہ
کا بیشمار انعام ہے کہ اوس نے اس ناچیز کے ہاتھ سے میزان شعرانی
کی پہلی جلد کا ترجمہ بمقام رنگون آج بروز جمعہ مؤرخہ ۷ رمضان
المبارک ۱۳۳۷ھ مطابق ۷ جون ۱۹۱۹ء
اتمام کو پہونچا دیا۔ خدائے تبارک وتعالےٰ
سے التجا ہے۔ کہ کتاب مذکور کی دوسری
جلد کو بھی اسی طرح بہت جلد تمام
کرادے۔ اور اہل اسلام کیلئے
مفید اور نافع بنائے۔
آمین! آمین ثم آمین۔
صلی اللہ تعالیٰ علیٰ
رسول خیر خلقہ
محمد وآلہ وصحبہ
وسلم

احقر بندہ
محمد حیات غفرلہ سنبھلی